UNIVERSAL LIBRARY

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

یورپ کا عصر جدید

جلد چہارم

تصنیف

جی۔ پی۔ گوچ ڈی۔ لٹ

ترجمہ

مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی

سابق رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ و حال مددگار معتمد عدالت کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی

سنہ ۱۳۵۵ھ م سنہ ۱۳۴۵ف م سنہ ۱۹۳۶ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

تنقیح

فہرست مضامین

یورپ کا عصر جدید جلد چہارم

———— ٭ ————

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

عہد نامہ (برلن) کے بعد

مجلس برلن کا تصفیہ

جولائی ۱۸۷۸ء میں لارڈ بیکنس فیلڈ نے برلن کی مجلس دول سے واپس آکے مجمع عام میں خبر سنائی تھی کہ "میں تمہارے لئے عزت کے ساتھ صلح لایا ہوں" اور لوگوں نے مسرت کے نعرے بلند کئے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ معاہدۂ برلن ممالک بلقان کے پیچیدہ عقدے کا دیرپا حل نہ تھا اور اس کے اکثر دستخط کرنے والے جرمن دار السلطنت سے واپس پھرے تو اپنی ناکامی یا خفت کے احساس سے

ے اس عہد کی تاریخ کے طلبہ کو ایک ہی مرتبہ "دی اے نوُل رجسٹر" اور شلتس کی کتاب "Europaischer Geschichts Kalender" کا حوالہ دے دینا مناسب ہوگا تو ان کے علاوہ ذیل کی کتابیں بھی کارآمد ہیں!۔

Friedjung : Das Zeitalter des imperialismns"

Egehaof : Geschichte der neuesten Zeit"

Debidour : "Histoire Diplomatique del'Europe 1578-1916

Holland Rose : "The developement of the European Nations."

پیچ و تاب کھا رہے تھے اور یہ کیفیت یورپ کے آیندہ امن و اطمینان کے حق میں فال نیک نہ ہو سکتی تھی۔ معاہدے کی رو سے ترکی کے تو آدھے یورپی صوبے چھنے۔ رومانیہ کو بیسارابیہ کا روس کے حوالے کئے جانا ناگوار گزرا۔ بلغاریہ کا دل ململاتا رہ گیا کہ سان سٹی فانو کے منسوخ عہدنامے میں جو رقبہ اسے دیا گیا تھا وہ کس قدر فراخ و وسیع تھا جبل اسود (= مانٹی نگرو) کی ریاست دگنی ہو گئی پھر بھی وہاں والے زیادہ فیاضانہ شرطوں کے متمنی رہے جیسی کہ اسی پہلے معاہدے میں قرار پائی تھیں۔ سرویہ کو نہایت قلق تھا کہ بوسینہ، استنبول کی کمزور گرفت سے چھوٹ کے ہیپس برگ کے سخت پنجے میں پھنسا۔ یونان اپنے دعاوی کے کاغذی اعتراف کے مقابلے میں ان بیش قیمت مادی انعاموں کو دیکھتا تھا جو اس کے بلقانی ہمچشموں کے ہاتھ آئے۔ اور آخر میں، خود روس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لقمۂ تر جو اتنی محنت اور جانبازیوں کے بعد حاصل ہوا تھا، بیکنس فیلڈ اور اندراسی نے اس کے حلق سے نکال لیا اور بسمارک نے اگر شہ نہیں دی تو ان کی تائید ضرور کی! ادر ادہر لڑائی میں نامردی سے الگ تھلگ رہنے کے صلے میں آسٹریہ نے بوسینہ اور ہرزی گووینہ کو مفت میں اچک لیا۔

(۱)

معاہدۂ برلن کی شرطوں پر عمل درآمد کچھ سہل کام ثابت نہ ہوا[1]۔ کیونکہ روس اور ترکی اگرچہ حال میں ایک دوسرے کے خلاف لڑے تھے لیکن روس سے بدظنی تصفئے میں روڑے اٹکانے کے معاملے میں دونوں متفق تھے۔ سالسبری کو وسٹس لوفٹس سے شکایت کرنی پڑی کہ "روس نے حسب معمول پھر دہی گندم نمائی جو فروشی کا طریقہ اختیار کر لیا ہے"۔

[1] ہرٹسلیٹ: میپ آف یورپ بائی ٹریٹی" جلد چہارم۔ اور ہالینڈ: دی یوروپین کنسرٹ ان دی ایسٹرن کوسچن"۔

معاہدے کی عجیب و غریب تاویلیں، اور ہر قسم کی چالیں جو تخیل ایجاد کر سکتا ہے، کی جا رہی ہیں کہ عہد نامے پر ٹھیک ٹھیک عمل نہ ہو سکے۔ اسی کے ساتھ قصر لوآدیا نے جب سنیے یہی قول قرار ہو رہے ہیں کہ ہم (یعنی روسی حکومت) عہد نامے کی پوری پابندی کریں گے۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آیا وہ ۳ مئی کو رومانیہ کے جنوب کا تمام علاقہ خالی کر دیں گے؟ اگر نہیں، تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر امن کیونکر قائم رہ سکیگا۔ کیونکہ جب معاہدے کے بھروسے پر ہم نے کھسن کر ترکوں سے باطوم، وآرنا اور شملا خالی کرا لئے ہیں تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ انہیں اُدھر ہی چھوڑ کر ہم الگ ہو جائیں۔ زار «قول مرداں جان دارد» کے معنی تو سمجھتا ہے۔"[1]

۱۸۷۸ء کے آخری ایام میں سرحد بلغاریہ کے تعین کی کوئی کارروائی نہیں ہوئی اور جب تک یہ کام پورا نہ ہو جائے زار نے اپنی فوجوں کو جنوبی بلقان سے واپس بلانے سے انکار کر دیا۔ برطانوی ناظر، جنرل ہام لے، کو ہدایت کردی گئی تھی کہ ترکی کے واسطے ایسی سرحد مقرر کرے جیسے وہ محفوظ و قلعہ بند کر کے چھاؤنیاں قائم کر سکے اور اُدھر روسی مصر تھے کہ تقسیم مملکت کا ایسا خط کھینچا جائے جو ان کے دست پرورده «بلغاریہ» کے واسطے نہایت مفید ہو۔ جنوری ۱۸۷۹ء میں گورٹشاکوف نے ایک نخوت آمیز مراسلے میں برطانیہ کو الزام دیا کہ وہ جان کر کام کی انجام دہی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔ سالسبری نے یہ الزام اسی پر الٹ دیا اور جواب دیا کہ کام میں دیر کا سبب یہ ہے کہ روسی کارندے یقین دلاتے پھرتے ہیں کہ یہ سب انتظام فقط ہنگامی ہیں اور آگے چل کے مشرقی رومیلی بلغاریہ میں ضم ہو کے رہے گی۔ انصاف شرط ہے، خود زار نے اپنے بعض ماتحتوں کی نسبت زیادہ معقولیت سے کام لیا اور فصل ربیع میں اپنے عمال کو ہدایت کی کہ عہد نامے کو ماننا اور اس کے مطابق کام انجام دینا ان کا فرض ہے۔ اس وقت سے سرحد کی

---

[1] مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۸۷۸ء دیکھو لیڈی جی سیسل کی کتاب «لارڈ سالسبری کی سوانح»۔ جلد دوم ۔ ۳۴۴ ۔

گفتگو زیادہ آسانی سے ہونے لگی۔ روس کو اتنی دیر کرکے بھی ایفا کرنے کے عوض میں اجازت مل گئی کہ وہ ۳ مئی کو تخلیئے کی آخری تاریخ کی بجائے شروع کی تاریخ سمجھے بشرطیکہ آئندہ تین مہینے کے اندر تخلیئے کی کارروائی اتمام کو پہنچادی جائے۔

عہدنامہ برلن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ سان سٹی فانو کے معاہدے سے جو بلغاریہ کلاں وجود میں لائی گئی تھی، اسے توڑ دیا[1]۔

بلغاریہ میں روسی راج کرتے ہیں۔

مقدونیہ براہ راست سلطان کے تسلط میں رہی اور مشرقی رومیلی کو ایک ترکی والی کے ماتحت صرف مقامی حکومت دے دی گئی۔ اس طرح بلغاریہ کوہستان بلقان اور ڈینیوب کے درمیان ایک دہقانی ریاست رہ گئی جس کی کل آبادی بیس لاکھ تھی۔ مجلس دول میں یہ ایک طے شدہ سی بات سمجھی گئی تھی کہ نئی ریاست اپنے بنانے والوں کی مٹھی میں رہے گی اور جس وقت روس کے عسکری اور دیوانی عہدہ داروں کا جھلڑ کا جھلڑ صوفیہ میں پہنچا تو یہ توقع صحیح ثابت ہوئی۔ مستقل رئیس کا انتخاب عمل میں آنے تک نظم و نسق کی باگ بھی ایک روسی شہزادے ڈونڈوکاف کے ہاتھ میں دی گئی، جو اس کے ساتھ بالکل ایک روسی ولایت ہی کا سا برتاؤ کرتا رہا اور اس امید میں تھا کہ تخت بلغاریہ اپنے لئے نہیں تو کسی روسی شہزادے کے لئے محفوظ کرادے گا۔ اس نے ریاست کے واسطے جو آئین حکومت مرتب کیا۔ وہ جمہوری حقوق اور حکومت عاملہ کے شخصی اقتدار کی عجیب معجون مرکب تھا جس کا منشا یہ تھا کہ والئ ریاست اور مجلس دستوری میں ہمیشہ "ضیق" کی کیفیت رہے اور پس پردہ زار کو رکھا تھا کہ وہ ہر معاملے میں خدائی فوجدار بن کر آکودے۔ چنانچہ جہاں ایک طرف مجلس کا صرف ایک شعبہ بنے دیا تھا اور تمام بالغ ذکور کو انتخاب کا حق، مبعوثین کو سرکاری خزانے سے تنخواہ

[1] دیکھو ڈبلیو ملر: "دی بالکنز" اور اسی نام کی دوسری کتاب مصنفہ نے ول فورمیس۔

جبری اور مفت تعلیم، اور اخبارات کی آزادی کے قانون بنائے تھے، وہیں ان کا توڑ یہ رکھا تھا کہ وزراء مجلس کے سامنے جواب دہ نہ تھے اور والیٔ ریاست اپنی ذاتی رائے سے مجلس کا انفساخ کر سکتا تھا۔ اس آئین کو بلغاریہ کی ایک مجلس عمائد نے بھی قبول کر لیا جو اپریل ۱۸۷۹ء میں ترنی نووو کے قدیم شہر میں منعقد ہوئی۔ اسی میں الکزنڈر امیر بیٹن برگ کو تخت بلغاریہ قبول کرنے کی دعوت دی گئی جو کسی ادنیٰ رتبے کی پولش کاؤنٹس کے بطن سے ریاست ہیس کے شہزادے الکزنڈر کا بیٹا تھا۔ خود یہ شہزادہ ہیس کے فرمانروا کا عم زاد بھائی ہوتا تھا۔ الکزنڈر جس کے نام قرعۂ انتخاب پڑا، صرف بائیس سال کا نوجوان تھا لیکن ترکی کی جنگ میں روس کی طرف سے، گویا بلغاریہ کے لئے، لڑا اور سپاہیانہ شان کا بہت وجیہہ اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ بیوی کے رشتہ سے زار اس کا چچا ہوتا تھا اور زار ہی نے اسے انتخاب کیا۔ ریاست بلغاریہ کے آئین کی پابندی کا حلف لیتے وقت وہ روسی سپہ سالار کی وردی پہنے ہوئے تھا اور اہل بلغاریہ کے ایک وفد سے زار نے یہ الفاظ بھی کہے کہ "میرے ہاتھوں سے اپنے فرمانروا کو قبول کرو اور اس کے ساتھ ویسی ہی محبت کرنا جیسی مجھے ہے!"

بلغاریہ والوں کو روس کی یہ کارروائی طبعًا ناگوار گزری کہ میسار بیبیہ لے کے اس نے دبروجہ کا ضلع رومانیہ کے حوالے کر دیا۔

الکزنڈر کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔

لیکن اسے چھوڑ کر، اور ہر اعتبار سے وہ اپنی آزادی دلانے والوں کے دل سے احسانمند تھے۔ ان کا نیا رئیس بھی ان کا ہمخیال تھا مگر روسیوں کی چند ہی روز کی غاشیہ برداری کے تجربے نے راعی و رعایا دونوں کی ارادت مندی کو بالکل پھیکا کر دیا۔ تخت پر آئے ہوئے چند ہی ہفتے گزرے تھے کہ الکزنڈر نے رومانیہ کے رئیس کارول کو یہ لکھکر بھیجا کہ گو مجھے زار سے کامل عقیدت مندی ہے، اور میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جسے روس کے خلاف کہا جا سکے، لیکن بڑا افسوس ہے کہ روسی عہدہ دار ذرا بھی لحاظ و مروت کا برتاؤ نہیں کرتے۔

ہر وزارت کے دفتر میں سخت ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ روزانہ مجھے یہ مشکل پیش آتی ہے کہ یا تو آنکھ بند کر کے روسی مطالبات کی منظوری دے دوں اور یا روس میں مجھ پر ناشکری کا الزام لگایا جائے حقیقت میں میرا معاملہ بے حد نازک ہے۔ جو شے میرے ضمیر کے خلاف ہوتی ہے اسے میں مسترد کر دیتا ہوں مگر اسی کے ساتھ مجھے روزانہ زار کو خط لکھنا پڑتا ہے تاکہ روسی عہدہ داروں کی دروغ بافی کا حفظ ماتقدم ہو جائے۔

کارول، بلقان میں غیر ملکی حکمرانوں کی دشواریوں سے خاص واقفیت رکھتا تھا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ بے شک تمہیں بہت دشوار و صعب کام سے سابقہ پڑا ہے مگر مجھے پورا یقین ہے کہ بلغاریہ سے بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے اور بلغاریۂ عظمیٰ کا سنگ بنیاد تمہیں رکھو گے۔ ترکی کی حالت زار کے باعث تمہاری رعایا کی آرزوئیں اس وقت سے بھی جس کی تمہیں توقع ہے، جلد تر برآئیں گی۔ سیاسی شاطر جیسے چاہیں چال چلتے رہیں، واقعات کی رو کو روک نہیں سکتے۔ روسیوں کی بدعنوانی کے متعلق جو کچھ تم نے لکھا ہے اسے پڑھ کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ تمہیں ایسی ایسی ناگوار زور آزمائیاں بہت پیش آنے والی ہیں۔ میری صلاح یہ ہے کہ تم ذرا احتیاط سے کام کرنا۔[1]

ان حالات میں ملک کی بہتری کے لئے الگزنڈر سے جو کچھ ہو سکتا تھا، وہ کرتا رہا، لیکن دل میں کشمکش بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ پیٹرو گرڈ (سینٹ پیٹرزبرگ) کے قیام کے زمانے میں اس نے آسٹریہ کے سفیر کال نوکی سے کہا کہ اگر روسیوں کا طرز عمل یہی رہا تو چند سال میں وہ اہل بلغاریہ میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہو جائیں گے میرے روسی ماتحت کام کرنے کی ہدایت مجھ سے نہیں چاہتے، میلوتین (روسی وزیر جنگ) سے حکم مانگتے ہیں۔"

---

[1] کورٹی: "الگزنڈر فان بیٹن برگ" صفحہ ۴۷ تا ۴۹ اس دلچسپ کتاب کا مآخذ خود اس رئیس کے خطوط وغیرہ ہیں۔

زار کی ذاتی عنایت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ لیکن ۱۸۸۱ء میں جب زار خونیوں کے ہاتھ سے مارا گیا" اور اس کا بیٹا وارث تخت ہوا تو اس نے ظاہرداری کو بھی الکزنڈر کے ساتھ باپ کا سا حسن التفات روا نہ رکھا۔ اس سے بلغاریہ کے معاملات میں اور بھی خرابی پیدا ہوئی۔ آسٹریہ کے سفیر متعینہ سوفیہ نے الکزنڈر سے اصرار کیا کہ روسیوں کے ہاتھ میں گڑیا نہ بنا رہے لیکن نوجوان فرمانروا کو یقین تھا کہ بات بات پر اپیل کو دکھانی محض فضول ہے مجلس مبعوثین روس کی مخالف ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ رہ کر تو کام ہو نہ سکتا تھا لہذا الکزنڈر نے دھمکی دی کہ اگر مجھے کامل اختیار نہ دیا گیا تو دست بردار ہو جاؤں گا۔ تب مجلس برطرف کر دی گئی۔ آئین معطل ہوا اور بھرتی کے مبعوثین سات برس تک مطلق العنانی کو گوارا کرتے رہے؛ ۱۸۸۱ء کا یہ جھٹکا فقط کہنے کو رئیس بلغاریہ کی فتح تھی ورنہ اصلی کامیابی روس کو حاصل ہوتی۔ آیندہ دو سال تک بلغاریہ کی حیثیت ایک روسی صوبے سے زیادہ نہ تھی۔ وزارت داخلہ، جنگ و عدالت کے حاکم روسی سپہ سالار بنائے گئے اور سکین مجلس کے اختیارات صرف موازنہ آمد و خرچ پر رائے دینے تک محدود رہ گئے۔ خوددار رئیس نے اپنے اختیارات میں اس تصرف بیجا پر حجت کی تو اسے بتا دیا گیا کہ اس کے روسی وزرا، زار کے حکم کے تابع ہیں۔ دو سال بعد جشن تاجپوشی کے موقع پر وہ ماسکو گیا تو اس نے زار اور گائیرز سے روسی تحکم کی سخت شکایت کی اور وہاں سے واپس آکر ۱۸۷۹ء کا آئین بحال کر دیا۔ اس بارے میں روسی وزیروں سے رائے نہیں لی گئی تھی۔ وہ جل کے سوفیہ سے چل دیئے اور شہریار بلغاریہ رعایا کی نظر میں سورما اور اس اصول کا کہ "بلغاریہ بلغاریہ والوں کے لئے" سب سے بڑا حامی ہو گیا۔ سوفیہ اور پیٹرزبرگ میں خاصی طرح لڑائی ٹھن گئی اور رئیس بلغاریہ کے مراسلات کو بلا جواب ڈال دیا گیا۔ اس نے جرمانیہ کے ولی عہد، فریڈرک کو ایک خط میں لکھا کہ "روس

الکزنڈر ثانی کی مخالفت

مجھ سے خائف ہے اور اس لئے نفرت کرتا ہے۔ لیکن میں اس نفرت سے بالکل خوش ہوں۔ اور جواب میں تہ دل سے اس کے ساتھ نفرت رکھتا ہوں اگرچہ حالات مجبور کرتے ہیں کہ چند سال تک ان جذبات کو روکے رہوں" یہ کشیدگی اس لئے اور بڑھی کہ الکزنڈر نے قیصر کی پوتی پروشیہ کی شہزادی وکٹوریہ سے شادی کرنی چاہی اور حکومت روس نے الکزنڈر کے اوضاع و اطوار کی نسبت طرح طرح کی بے بنیاد خبریں اڑا کر اس پیوند میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ادہر شہزادی بہت کمسن اور الکزنڈر کو اپنی ریاست وحالت کی طرف سے پورا اطمینان نہ تھا کہ قیصر سے رشتہ منظور کرنے کی درخواست کرسکتا۔ اور ۱۸۸۴ء میں جب وہ برلن آیا ہوا تھا، سن رسیدہ بادشاہ اور بسمارک، دونوں نے اس سے کہہ دیا کہ یہ آرزو فضول تھی صدر اعظم نے تو صاف صاف اس کو سنا دیا کہ "یہ رشتہ نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک میں صدر اعظم ہوں، اسے نہیں ہونے دونگا سلطنت جرمانیہ کو بلغاریہ سے کوئی سروکار نہیں ہوسکتا۔ ہماری غرض ہے تو یہ کہ روس کے ساتھ صلح و آشتی قائم رہے۔ تم اب بلغاری آدمی ہوگئے ہو تم کو لازم ہے کہ روس کی متابعت کرو"۔ اس طرح سرکاری اور خانگی، ہر معاملے میں زمیں بلغاریہ کو روس نے زچ کردیا۔ روسی کارندے اور گماشتے جو ملک میں موجود تھے، وہ خود بلغاریہ کے فتنہ جو لوگوں سے برابر ساز باز کر رہے تھے نئی مملکت کی ایک واضح اور حقیقی خدمت تو بے شبہ اس کے مربی روس نے انجام دی کہ بلغاریہ کی فوج کو سدھا کر تیار کردیا۔ لیکن جس وقت تک اہل بلغاریہ کے دل میں یہ احساس ہو کہ وہ ترک کے ظالمانہ پنجے سے چھوٹ کر خرس روس کی آہنی آغوش میں گرفتار ہیں، اس وقت تک جذبات سپاس و احسان مندی کی کوئی گنجایش نہ تھی۔

جس وقت بلغاریہ نئی آزادی کے میدان میں روسی تسلط کے وزن میں دبی ہوئی، اس طرح راستہ طے کر رہی تھی،

مشرقی رومیلی | مشرقی رومیلی، جسے سلطان کے ماتحت مقامی آزادی

ملی تھی اُسی ڈگر پر پڑ گئی جس کی منزل مقصود بلغاریہ کے ساتھ الحاق و اتحاد تھا۔ اِس ریاست کی حدود کے اندر اور باہر یہ ماننے میں کسی کو حجت نہ تھی کہ یہاں کے باشندے حکومت سوفیہ کی رعایا بن کے رہنا چاہتے ہیں۔ اور ان کے دلی منشاء کے خلاف عمل ہونے کا بجز اس کے کچھ سبب نہ تھا کہ برطانیہ اور آسٹریہ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس علاقے کو تنگ و محدود رکھا جائے جہاں روس کا اقتدار چھایا ہوا ہوگا۔ بلغاری رائے کے تین سربرآوردہ ترجمانوں نے دول یورپ کے نام ایک عرضداشت تیار کی اور اس میں تقسیم مملکت کے خلاف فریاد نیز یہ التجا تھی کہ مشرقی رومیلی کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور آخر میں لکھا تھا کہ یہاں کے باشندے بے شبہ جلد یا بدیر تلوار سے قسمت کا فیصلہ چاہیں گے۔ صوبے کے انتظام کے واسطے یورپ کی چھوٹی سلطنتوں اور ترکی کی طرف سے ناظر تو سوائے برلن کے ختم ہوتے ہی مقرر کر دیئے گئے تھے جن میں آسٹریہ کا ناظر بیرن کیلے اور برطانیہ کی جانب سے سر ہنری ڈرمنڈ وولف شامل تھے۔[1] پھر مجلس نظارت کا استنبول میں افتتاحی جلسہ ہونے کے بعد وہ باضابطہ فلپوپلس میں قائم ہو گئی۔ رفتہ رفتہ روس کی مخالفت بھی ہٹ گئی اور مجموعی طور پر مجلس مل جل کر اچھی طرح کام کرتی رہی۔

اس تنظیمی آئین پر جس کے ماتحت اس صوبے کو رہنا تھا، اپریل ۱۸۷۹ء میں دستخط ہوئے۔ اس میں صوبے کے واسطے جو نظام حکومت مرتب کیا گیا وہ اتنا جمہوری نہ تھا جس قدر بلغاریہ کا صوبے کی مجلس مبعوثین کے چھپن ارکان میں سے چھتیس مالی یا تعلیمی قابلیت کی بناء پہ منتخب ہوتے تھے اور باقی سرکار کے نامزد کردہ یا بربنائے عہدہ رکن تھے۔ مجلس کو مالیات اور نظم و نسق پر بحث و گفتگو کا حق تھا لیکن اہم سیاسی مسائل اس کی حدود سے خارج رکھے گئے تھے۔ بلغاری ترکی اور

تنظیمی آئین

---

[1] دیکھو ڈرمنڈ وولف کی کتاب: " Rambling Recollections " جلد دوم، ۱۹۰-۲۲۶ء

یونانی تینوں زبانیں سرکاری تسلیم کی گئی تھیں اور بڑے بڑے عہدوں پر اہل بریفسلی ہی نامور تھے۔ ترکی سفارت خانۂ لندن کا ایک سابق معتمد الیکو پاشا، جو بلغاری نسل کا مسیحی تھا صوبے کا والی بنایا گیا اور چھ ناظم اس کی مددگاری میں مقرر ہوئے۔ روسی نظم جمعیت کے سردار روسی یا بلغاری تھے اور عدالت کا انتظام بھی یورپ کی طرز پر کیا گیا تھا۔ چند سال تک یہ نظام بخوبی چلتا رہا۔ اس لئے اور بھی، کہ عام طور پر لوگ جانتے تھے کہ بلغاریہ کے ساتھ الحاق میں صرف وقت و مدت کا سوال باقی رہ گیا ہے۔ موتمر برلن کے فیصلے کے بعد ہی زار نے اس صوبے میں اپنے ایک اعلیٰ فوجی عہدہ دار کو روانہ کیا تھا کہ وہاں کے لوگوں کی تسلی تشفی کرے اور سمجھا دے کہ فی الحال اس افتراق کو قبول کر لیں۔ لیکن یہی عہدہ دار بندوقوں کا ایک ذخیرہ اپنے ساتھ لایا تھا اور اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ لوگوں کی ہمتیں مضبوط کر دے۔ اس نے انہیں پیام دیا کہ "دولت روس تمہاری پشتیبانی میں جو کچھ کر سکتی تھی، اس میں دریغ نہیں کیا گیا اور اگر تم بلغاریہ سے جدا کر دیئے گئے تو اس میں روس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اب یہ بندوقیں حاضر ہیں، ان سے کام لینا سیکھو اور آگے چل کر اپنی آپ مدد کرو"۔ یہ نصیحت اور بندوقیں دونوں قبول کر لی گئیں اور صوبے والوں نے مستقبل کے لئے، جو زیادہ دور کا بھی نہ تھا، ابھی سے منصوبے بنانے شروع کئے کیونکہ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ تیاریاں جس طرح ہمارے حسب مراد ہیں، اسی طرح روس کی منشا کے موافق ہوں گی۔ انہوں نے مستقبل کا جو اندازہ کیا تھا، وہی رئیس بلغاریہ کا خیال تھا کہ تخت کے لئے منتخب ہونے پر اس نے اندراسی سے اپنے دل کی یہ بات کہہ دی تھی کہ جب تک ممکن ہوگا میں عہدنامہ برلن کا احترام کروں گا لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ بلغاریہ کی تقسیم و افتراق دوامی ہو۔"

محاربۂ روس و ترکی میں روس کی فتح رومانیہ کی اعانت سے حاصل ہوئی تھی لیکن روس نے جو تجویز کی اور دول نے اسے منظور کیا، ایسا سلوک بیسارابیہ کی قربانی ابھی کسی حلیف کے ساتھ شاید کبھی نہ ہوا ہوگا۔ روس کی

حجت یہ تھی کہ جنگ کریمیہ کے بعد بیسارابیہ ہم سے زبردستی چھین لیا گیا — رومانیہ کہتی تھی کہ ۱۸۱۲ء میں ہم سے بھی روسیوں نے اسی طرح یہ صوبہ چھینا تھا۔ لیکن تاریخی حوالوں میں بھی اتنا وزن نہ تھا جتنا کہ ہر کہہ و مہ کے اس خیال میں کہ میدان جنگ میں بروقت امداد قابل انعام شئے ہے - نہ کہ لائق جرمانہ۔ مانا کہ بیسارابیہ کے معاوضے میں رومانیہ کو دبروجہ دیا گیا لیکن دلدلی زمین کی ایک پٹی تھی، جو ڈینیوب اور بحر اسود کے درمیان اٹکی ہے، رومانیہ کو ذرا خواہش نہ تھی اور اسی لئے اس کے ہاتھ آنے سے وہ ذرا بھی احسان مند نہ ہوئی۔ کیونکہ وہاں کے باشندے بھی زیادہ تر بلغاری تھے اور ان کا بلغاریہ سے علیحدہ کر لیا جانا بجائے خود بخارست کے پریشان اور گھبرائے ہوئے مدبرین کے واسطے ایک تازہ پیچیدگی کا موجب تھا۔

اس فیصلے سے اہل رومانیہ کو جو غصہ آیا، اس میں ان کا رئیس شہزادہ کارول برابر کا حصہ دار تھا جو ۱۸۶۶ء سے اس مملکت پر دانائی اور مستعدی سے حکومت کرتا رہا اور ترکوں کی جنگ میں باعث فتح و فیروزی ہوا تھا۔ اس کی ہر دلعزیز بیوی کارمن سلوا بھی حکومت میں کارول کا دل بڑھاتی اور مدد دیتی تھی[1]۔ موتمر برلن کا فیصلہ سن کر کارول نے اپنے باپ شہزادہ انٹونی (ہوہن زولرن سگ مارنجن) کو ۲۷ اگست ۱۸۷۸ء کو خط میں لکھا کہ افسوس کی بات ہے کہ یورپ ایک نئی مملکت کو، جس نے ایک خونریز جنگ میں اپنی قوت اور دم خم دکھا دیئے اس طرح ایک صوبہ چھوڑنے پر مجبور کرے۔ یہ واقعہ کہ جس آزادی کو ہم نے جنگ کے میدان میں جیتا، وہ بیسارابیہ سے دست بردار ہونے سے مشروط کی گئی بہت دل دکھانے والا ہے۔ جس وقت یہ حال معلوم ہوا تو لوگوں کو اس قدر غصہ آیا کہ دیکھے سے دیکھے

[1] مملکت رومانیہ کی تاریخ ہمیشہ کے لئے خود بادشاہ کے کاغذوں میں "Aus dem Deben Konig Karls" کے نام سے چار جلدوں میں لکھی جا چکی ہے اس کا ترجمہ اور خلاصہ سڈنی وہٹمین نے "کنگ کارول اوف رومانیہ" کے نام سے کیا ہے۔

مزاج کے اشخاص نے بھی صاف کہہ دیا کہ یہ قیمت ادا کرنے کی نسبت بہتر ہوگا کہ آزادی ہی کو سلام کہا جائے۔ میں نے ملک کے اکابر اور وزرا کو روکا کہ از خود رفتہ ہوکر کوئی بیجا حرکت نہ کر گزریں۔ یورپ امن کا محتاج اور خواہاں ہے اور اس کی موتمر نے جو فیصلے کئے ہیں، ان پر جبراً عمل کرانے میں رورعایت کا روادار نہ ہوگا۔ چنانچہ ان صاحبوں کو بھی، فوری طیش وغضب کے بعد نظر آگیا کہ ہم یورپ سے سرتابی نہیں کرسکتے؛ ملک کے کسی حصّہ کا ہاتھ سے جاتا رہنا، فرماں روائے وقت اور اس کے خاندان کے حق میں ہمیشہ سخت مُضر ہوتا ہے تاہم مجھے اُمید ہے کہ میں لوگوں کی نفرت کا شکار نہ ہوں گا کیونکہ اس آفت سے بچنے کے لئے، جو کچھ مجھ سے ہوسکتا تھا، میں نے اس میں کوتاہی نہیں کی۔ ڈین یوب پار کے اضلاع ہمیں بیسارابیہ کے معاوضے میں نہیں ملے بلکہ ہم انھیں تاوانِ جنگ کہتے ہیں اور اس طرح ہم اخلاقی اور مادی اعتبار سے فائدے ہی میں ہیں۔ مذکورۂ بالا اضلاع کے مستقبل کے متعلق بہت اچھی اُمیدیں ہیں۔"

بوڑھے اور دانشمند باپ نے بیٹے کو جواب میں لکھا کہ "روس کے ساتھ مصالحت بقائے ذاتی کا مقتضیٰ ہے۔ دشمنی کا قائم رہنا، خطرے کا قائم رہنا ہوگا اور ملک کی اندرونی ترقی اور نشو ونما کو مخدوش کردے گا۔ رائے میں کتنی ہی مخالفت ہو، رومانیہ کے سارے خیراندیش اعتدال کی صلاح دیتے ہیں۔ ملک کی تمام مستعدی کو اب[1] دبروجہ کی طرف لگا دینا چاہیے۔ باضابطہ معارضہ کرنا، سیاسی غلطی ہوگا۔"

سرحد ڈبروجہ

نومبر ۱۸۷۸ء میں رومانیہ نے دبروجہ کا قبضہ لے لیا تھا تاہم اس کی جنوبی سرحد کا فیصلہ دو سال تک ہونے میں نہ آیا کیونکہ اصلی نزاع روسی حلقہ اثر کے متعلق تھی۔ معاہدے کی رو سے سرحد کا خط سلسترِیا کے جنوب سے کھینچنا چاہئے تھا۔ لیکن بین الاقوامی جماعت تشخیص میں روس کا وکیل تو اس بلغاری قلعے سے

[1] "Aus dem" چہارم۔ ۸۸ وغیرہ۔

جو ڈینیوب کے کنارے واقع ہے سرحد کو جہاں تک ممکن ہو دور رکھنا چاہتا تھا اور دوسری سلطنتوں کے ایلچی مُصر تھے کہ وہ اس قدر متصل رہے کہ خود سلسترِیا کا سوانا رومانی علاقے میں آجائے۔ آخر جون ۱۸۷۸ء میں فیصلہ ہوا اور رومانیہ کی سرحد قصبۂ مذکور کے بالکل قریب سے شروع کی گئی۔

معاہدہ برلن میں رومانیہ پر ایک اور شرط یہ عائد کی گئی تھی کہ اس کی آزادی اس وقت تسلیم کی جائے گی جب کہ وہ یہودیوں کو برابر کے ملکی حقوق دینے منظور کرلے اور یہ امرِ اہلِ رومانیہ کو بیسارابیہ کے چھن جانے کی نسبت کچھ کم شاق نہ تھا۔ وہاں کے آئین ۱۸۶۶ء ہی میں تحریر تھا کہ رومانیہ کے ملکی حقوق صرف عیسائیوں کو حاصل ہونگے۔ لہٰذا بغیر مجلس مبعوثین کی منظوری کے کوئی ترمیم نہ ہوسکتی تھی۔ پھر مجلس کا انعقاد کیا گیا تو ۱۸۷۹ء کی

یہودیوں کی محرومی

تمام گرمیوں میں یہ بحث شدومد سے جاری رہی۔ بیچارا بادشاہ پریشان ہوکے لکھتا ہے کہ "یہاں تو معاملہ محاصرہ پلونا کی جنگی مشاورتوں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوگیا ہے کہ ملک میں تو لوگ مجھے یہودیوں کا حمایتی کہتے ہیں اور باہر والے بزدلی کا الزام دیتے ہیں"۔ اس کے باپ نے بھی تسلیم کیا کہ واقع میں یہ اس کے عہد حکومت کا نہایت خطرناک جھگڑا ہے۔ لیکن تاکید کی کہ وہ دول یورپ کے آگے سر جھکا دے کیونکہ سوائے روس کے سب سلطنتیں اس وقت اپنی رائے پر اڑی ہوئی ہیں اور ہرگز طرح نہ دیں گی رومانیہ سے اسٹورزا کو بسمارک کے پاس مشورہ لینے بھیجا گیا اور اس نے جواب دیا کہ معاہدہ برلن ایک کلی مجموعہ ہے جس کے ایک حصے کی خلاف ورزی کی گئی تو وہ سب باطل ہو جائے گا۔ جب کوئی قرینہ رومانیہ کی مجلس مبعوثین کے دبنے کا نظر نہ آیا تو برطانیہ نے تحریک کی کہ آسٹریہ تمام دول کی جانب سے یادداشت بھیجے اور بسمارک نے دھمکی دی کہ اس معاملے کو ترکی کے سپرد کردیا جائے۔ آخرکار ۱۸ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ۱۸۶۶ء کی قانونی

بندش دور کی گئی اور یہود کا ملک میں توطن اور ملکیت حاصل کرنا جائز کر دیا گیا۔ نو سو یہودی جو جنگ میں لڑے تھے، بوقت واحد رومانیہ کے شہری بنائے گئے لیکن دوسروں کے واسطے یہ ضابطہ قرار پایا کہ ہر شخص کی درخواست منفرداً مجلس مبعوثین میں دو تہائی ارکان کی رائے سے منظور ہو سکے گی۔ مذہبی مساوات کا یہ ڈھونگ تھا، جسے دول یورپ نے کافی سمجھا۔ لارڈ سالسبری نے اتنا ضرور کہا کہ گو ہماری شرط پر پوری طرح عمل نہیں ہوا لیکن مجھے یقین ہے کہ آیندہ رومانیہ کا طرزِ عمل، رفتہ رفتہ دول کے منشاء کے قریب تر آجائے گا۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی یہ امیدیں باطل ہوئیں کیونکہ یہودیوں کی قریب قریب تمام کثیر آبادی آج تک اپنے مولد میں اجنبی اور حقوق توطن سے محروم ہے۔

روس، آسٹریہ اور ترکی یہودیوں کو حقوق ملنے کا انتظار کئے بغیر رومانیہ کی بادشاہی تسلیم کر چکے تھے، اب اطالیہ نے بھی ان کی تقلید کی۔ مغربی سلطنتوں کو بسمارک اس بات سے روکتا رہا تاآنکہ رومانیہ نے بلیخ روڈر وغیرہ جرمن ساہوکاروں سے وہ ریلیں خرید لیں جو انھی کے سرمائے سے تیار ہوئی تھیں۔ ۲۰ فروری ۱۸۸۰ء کو جرمانیہ، فرانس اور برطانیہ نے بھی نئی مملکت کا قیام باضابطہ تسلیم کر لیا کہ یہی زمانہ اس کے آزمائشی الصرام کے ختم ہونے کا تھا۔ ایک سال بعد شہزادہ کارول نے خطاب بادشاہی اختیار کیا۔

کارول کی تاجپوشی ۱۸۸۱ء

اور وہ تاج پہنا جو پلونا کی غنیمت کے گولے توڑ کر بنایا گیا تھا۔ اس موقع پر مجلس مبعوثین میں کوئی اختلاف نہ تھا اور تمام دول غیر بھی مبارک باد میں شریک تھیں۔

اسی سال لاولد بادشاہ کی جانشینی کا مسئلہ اس کے بھتیجے فرڈی نینڈ کے حق میں طے ہوا۔ وہ اسی لیوپولڈ کا فرزند تھا جس کی تخت ہسپانیہ کی امیدواری کی بدولت فرانس و جرمانیہ میں محاربہ ۱۸۷۰ء کی نوبت پہنچی تھی۔ رومانیہ کے تعلقات روس سے اب بھی کشیدہ رہے اور ۱۸۸۳ء میں وہ اتحاد ثلاثہ میں خفیہ طور پر شریک ہو گئی۔ اس نوخیز مملکت کا امن و جنگ کے مصائب

میں سلامت رہنا حقیقت میں جس قدر اپنے لائق بادشاہ کی حسن تدبیر پر مبنی تھا، اسی قدر اس کے معتمد علیہ وزیر بریشیانو کا بھی اس میں حصہ ہے جو آزاد خیال فریق کا سرگروہ اور ۱۸۷۶ء سے ۱۸۹۳ء تک برسر اقتدار رہا۔

بلقان کی دوسری ریاستوں کو تو غنائم جنگ میں اس لئے حصہ ملا کہ وہ ترکوں سے لڑی تھیں۔ لیکن یونان کو محض الگ تھلگ رہنے کا انعام مل گیا۔ خود مختاری حاصل کرنے کے بعد سے یہ ملک برابر اصرار کرتا رہا تھا کہ اس کی سرحدوں میں مناسب توسیع کی جائے اور جنگ کے زمانے میں تھسالیہ کے علاقے میں دو ایک مرتبہ فوجوں کا اقدام بھی ہوا لیکن دول کے ایما سے اس نے فوجیں ہٹالیں اور موتمر برلن میں اس کی بات سنی جانے کی استدعا قبول کر لی گئی۔ اس کی وکالت ڈل یائیں نے اور تائید وے ڈنگ ٹن نے کی لیکن عہدنامہ کی دفعہ ۲۴ یہ مصیبت انگیز ابہام رکھتی تھی کہ اس میں یونان و ترکی کو ترغیب دی گئی تھی کہ سرحد کی ردّ و بدل پر باہم رضامند ہو جائیں اور ضرورت پڑے تو دوسری سلطنتوں سے ثالثی کرالیں۔ وے ڈنگٹن کی مجوزہ حدود میں تھسالیہ اور اپی رس کا بڑا حصہ یونان کے حصے میں آجاتا تھا۔ مگر یہ تجویز معاہدے میں داخل ہونے کی بجائے اقرار نامے کی صورت میں لکھی گئی تھی اور موتمر برلن کی اس بے پروائی یا بزدلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بارے میں جو نزاع پیدا ہوئی اس نے یورپ کی وزارتوں کو تین سال تک پریشان رکھا۔[1]

برلن میں جو تجویز ہوئی تھی اسے یونانیوں نے اپنے حق میں طے شدہ اور ترکوں سے رسل و رسائل کو محض ضابطہ پری تصور کیا۔ ادھر ترکی نے ایک اعلان شائع کیا جس میں یونانیوں کے دعاوی کو محض غلط اور ان "ولایتوں" پر جو آئین سلطانی کے تحت میں

توسیع حدود کے یونانی دعاوی

[1] اس مسئلے کی بہترین تاریخ پراتھنز کے فرانسیسی سفیر کانت دموے نے قلم بند کیا ہے دیکھو اس کی (Sou Venirs ") باب پنجم، دغیرہ دغیرہ۔

آسودہ حال ہیں اپنے حقوق بادشاہی کو مسلم و برقرار ٹھیرایا۔ برطانوی حکومت نے باب عالی کو کہہ سن کے رضامند کیا کہ وہ یونان کے عمال تحقیقات سے گفتگو کے واسطے اپنے عمال کو ۱۸۷۹ء کی فصل بہار میں پری ویسا بھیجے۔ لیکن اس ملاقات سے فقط یہ ثابت ہوا کہ طرفین میں مصالحت غیر ممکن ہے کیونکہ برلن کے اقرار نامے کو ترک تو محض ایک اظہار خیال سمجھتے تھے اور یونان اسے بار بار اس طرح پیش کرتا تھا کہ گویا سارے یورپ نے سوچ بچار کے یہ فتویٰ نافذ کیا ہے۔ ترک جو رعایت کرنے پر آمادہ تھے وہ اتنی کم تھی کہ یونانیوں نے اسے قبول نہیں کیا اور دول یورپ کو مدد کے لئے پکارا۔ وے ڈنگٹن کی تحریک سے، اگست میں ترک اور یونانی دوبارہ استنبول میں سفرائے خارجہ کے زیر نگرانی ملاقی ہوئے مگر اس مرتبہ پھر گفتگو کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کئی مہینے کے وقفہ کے بعد فرانس و برطانیہ نے تجویز کی کہ ایک متفقہ یادداشت کے ذریعے ترکوں سے اقرار نامے پر عمل کرنے کے لئے کہا جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو سفرا کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی جائے، جس میں ماہرین فن کی مدد بھی شامل ہو۔ دول یورپ نے یہ تجویز قبول کرلی اور ترکی نے بھی مجلس کا انعقاد منظور کیا مگر اس کے فیصلوں کو ماننے یا نہ ماننے کے متعلق کوئی پابندی قبول نہیں کی مجلس جون ۱۸۸۰ء میں برلن میں منعقد ہوئی اور اس نے وہ سرحد جو فرے سی نٹ نے بنائی تھی، (اور جس میں شہر جنینہ یانینہ بھی آجاتا تھا) منظور کرلی۔ فرے سی نٹ وے ڈنگٹن کا جانشین اور اسی کی طرح یونانیوں کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا۔ ترکوں نے اسے کم کرنے کا اور یونانیوں نے برلن کے اقرار نامے سے بھی زیادہ علاقہ لینے کا جو مطالبہ کیا تھا، یہ دونوں مسترد ہوئے اور جب اہل فن فرے سی نٹ کے خط کی پوری طرح تحقیق و تصحیح کرچکے تو ترکی اور یونان دونوں سے کہا گیا کہ اس فیصلے کو یورپ کے منشاء کا سچا اظہار سمجھ کر تسلیم کریں۔ یونانی تو یہ حکم ماننے کے لئے فوراً تیار ہو گئے جس کے ذریعے قریب قریب ساری منہ مانگی مراد ان کو مل گئی۔ لیکن ترکی نے یہ فیصلہ قبول نہیں کیا۔ اور

اسے مجبور کرنے کی بھی کوئی تدبیر نہیں عمل میں لائی گئی۔ اب یونانیوں نے اس علاقے پر جو مجلس نے انھیں دینا تجویز کردیا تھا، قبضہ کرنے کا تہیّا کیا اور فوجیں جمع کرنے لگے۔ دول یورپ نے بالاتفاق ایک مراسلہ جسے برطانیہ نے مرتب کیا تھا، باب عالی کے پاس بھیجا اور ترکی کو اطلاع دی کہ اس مسئلے پر غور مکرر کی گنجایش نہیں ہے اور چند روز قبل برلن کی مجلس میں جو سرحدیں قرار دی گئی ہیں دول یورپ انھیں مسلّم رکھتی ہیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سلطان کو دبنا پڑے گا کیونکہ مئی میں گلیڈ اسٹون دوبارہ برطانیہ کا وزیر اعظم مقرر ہوا اور ترکوں سے اس کی عداوت اور یونان پرستی سب کو معلوم تھی۔ چنانچہ ترکوں کا حامی سفیر لئیارڈ استنبول سے واپس بلا لیا گیا اور گوشن نے اگرچہ اس کی بجائے عہدہ قبول نہیں کیا لیکن معاہدہ برلن پر عمل کرانے کی خدمت انجام دینے کے لئے رضامند ہوگیا کیونکہ یورپ کا متفقہ فیصلہ بزور منوانے پر وہ بھی ایسا ہی تلا ہوا تھا جیسا کہ وزیر اعظم۔ اور وہ زبردستی جس نے ترکوں کو جبل اسود میں مغلوب کرایا، گوشن کو بہت پسند آئی تھی۔ اُدھر بسمارک ایسے جبر کا مخالف تھا جس کا نتیجہ ممکن تھا کہ جنگ ہو، اور اس سے مشرقی قضیہ ازسرنو تازہ ہوجائے[۵]

فرانس کی روش

اس موقع پر ترکوں کو فرانس کی وزارت کے عزل و نصب سے غیر متوقع مدد مل گئی کہ وہاں فیری برسر اقتدار اور برتھالیمی سینٹ ہلیر وزیر خارجہ مقرر ہوا۔ تصانیف ارسطو کا یہ دیرینہ سال مترجم جانتے تھا کہ ان مدبّروں سے کہیں زیادہ یونان پرست ہو، جنھیں یونان کی خدمات تہذیب و تمدن سے کوئی آگہی نہ تھی لیکن اس نے قلمدان وزارت سنبھالتے ہی یورپ کو اپنی مسلسل تحریروں سے بالکل حیران کرنا شروع کیا جن میں خطرات جنگ کا شرح و بسط سے بیان تھا اور یونان کو فوجی اجتماع پر بہت کچھ تنبیہ اور یہ ہدایت کی گئی تھی کہ

---

[۵] ایسٹ: "لائف آف گوشن" وغیرہ

وہ ثالثی کو قبول کرے۔ ساتھ ہی ترکوں کی اس حجت کو تسلیم کر لیا تھا کہ برلن میں جو مجلس ہوئی، وہ محض صلح صفائی کی کوشش کے واسطے ہوئی تھی۔ یہ تقریر سلطان عبدالحمید کے لئے تو نغمۂ خوش آیند تھی لیکن ایتھنز میں اس سے اشتعال پیدا ہوا اور حکومت کو تحرکات کی منظوری دی گئی اور جنگی تیاریاں جاری رہیں۔ اب فرانس نے تجویز کی کہ ترکی اور یونان اپنے تنازع کا دول یورپ سے محاکمہ کرائیں۔ ترکوں نے اسے منظور نہیں کیا اور اس کی بجائے خود تحریک کی کہ استنبول میں اس مسئلے پر غور و بحث کی جائے جس میں خود وہ شریک ہوں اور یونان کو شریک نہ کیا جائے۔ قضیئے کی طوالت نے دول کو پریشان کر دیا تھا۔ بسمارک کی ترغیب سے انہوں نے یہی ترکی تجویز، جسے اب تک نامنظور کیا تھا، قبول کر لی اور شرطیہ کی کہ اگر مصالحت کی کوئی شکل نہ نکل سکی تو انہیں حق رہے گا کہ خود جو شرطیں مناسب سمجھیں، عائد کر دیں۔ بسمارک اپنے تئیں یونان کا حامی کہتا تھا مگر گوشن نے اپنی سرکار کو اطلاع دی کہ استنبول میں سارے سفیر میرے خلاف ہیں اور ان کے نزدیک یونان کی تھوڑی سی توسیع حدود بھی ہو جائے تو اس کی خوش نصیبی ہوگی اور وہ صرف اس امر کے خواہاں ہیں کہ ترک اس قسم کی مراعات منظور کر لیں جن سے یونان کی حدود حاضرہ اندرونی انقلاب و بغاوت سے بچ جائیں۔ ذاتی طور پر گوشن آمادہ تھا کہ ترکوں سے تھسالیہ اور اپی رس دونوں کے لینے کی خاطر قبرس ان کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن گرین ول نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ البتہ ۱۲ مارچ سنہ ۱۸۸۱ء کو ایک گشتی مراسلہ دول کے پاس بھیج کر برلن کے فیصلے یاد دلائے اور جتایا کہ یونان کی جائز توقعات کا پورا کرنا ان سب کا فرض ہے۔ اب ترکوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں سفرا بالکل خلاف فیصلہ نہ کر دیں لہٰذا وہ تھسالیہ کو خود چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ آخر یونان کو قریب قریب پوری تھسالیہ لاریسا اور وولو سمیت دے دی گئی اور ادھر آرتا کے سوا اپی رس کا باقی تمام علاقہ ترکوں کے حق میں رہا۔

اتیھنز کو اب بھی غصہ تھا کہ اپی رس اس کے پنجے سے نکل گیا اور وہ مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ آیندہ جنگ یا آشتی سے اسے حاصل کئے بغیر نہ رہے گا۔ تاہم اس وقت یونانی حکومت نے سر جھکا دیا اور یہ عہد نامہ جس میں اس قدر زحمت اور دردسری پیش آئی تھی ۲۴ مئی ۱۸۸۱ء کو مکمل ہوگیا۔

بسمارک تحویل تھسالیہ کی نسبت کریٹ دلوادینے کو ترجیح دیتا تھا۔ لیکن یونانیوں کو اپنے بری علاقے میں اضافہ کرنے پر اصرار تھا۔ کریٹ کو

کریٹ میں اندرونی آزادی

صرف ۱۸۶۸ء کے قانون تنظیمی کی ترمیم پر قناعت کرنی پڑی۔ چنانچہ میثاق[۱] ہالیہ کی رو سے طے پایا کہ وہاں کا والی پانچ سال کے واسطے مقرر ہوگا اور ایک مشیر اس کو مدد دے گا جو اس کا ہم مذہب نہ ہو۔ جزیرے کی مجلس عامہ سال میں چالیس دن سے ساٹھ دن تک اجلاس کریگی اور اس میں انچاس مسیحی اور اٹھتیس مسلمان رکن ہوں گے۔ سرکاری اور مجلس کی زبان یونانی قرار پائی۔ دیسی باشندوں کا ملازمت میں حق فائق تسلیم کیا گیا۔ نظم و نسق کے ضروری مصارف کے بعد جو روپیہ بچے اس میں سے نصف خزانۂ سلطانی کے لئے اور باقی نصف اس قسم کی مقامی ضروریات کے واسطے رکھا گیا جیسے سڑکیں، بندرگاہیں، مدرسے، شفاخانے وغیرہ تمدن کے لوازم ہیں کہ جب سے ترکوں نے سترھویں صدی میں وینس والوں کو کریٹ سے نکالا تھا، اس وقت سے ان کاموں پر کچھ بھی خرچ نہیں کیا گیا تھا۔ سیاسی مجرموں کو عفو عام اور مالگزاری باقیات کی معافی عطا ہوئی۔ اخبارات کو اجرا کی اجازت مل گئی اور مجموعی طور پر ترکی رعایت کی یہ انتہا تھی۔ ایک لائق اور آشتی پسند یونانی، فوتیادس پاشا والی کریٹ مقرر ہوا اور آیندہ دس سال جزیرے کے ایسے آرام و خوشحالی میں گزرے کہ پہلے کم گزرے

---

[۱] یہ کانیا کے مضافات میں سے ایک مقام کا نام تھا اور مذکورۂ بالا میثاق، جس پر اکتوبر ۱۸۷۸ء میں دستخط ہوئے، اسی نام (ہالیپہ) سے موسوم کیا جانے لگا ہے۔

ہوں گے۔

جبل اسود اور ترکی۔

جبل اسود والوں کو کچھ علاقہ ہرزی گووینہ کی سرحد پر عطا ہوا تھا۔ اس پر انھوں نے بلا جھگڑے کے قبضہ کر لیا لیکن البانیہ کے دو ضلعے، گسنجی اور پلاوا ان کے ہاتھ نہ آئے جہاں جنگجو مسلمان آباد تھے اور انھیں نہ کسی معاہدے کی پروا تھی نہ سلطان کے احکام کی۔ بلکہ وہ ایک نئے فرماں روا کے پاس مویشیوں کی طرح منتقل کر دیئے جانے پر بہت بگڑے۔ سلطان کی طرف سے جو قاصد ان قبائل کو سمجھانے کی غرض سے بھیجا گیا تھا کہ وہ برلن کے فیصلوں کو قبول کر لیں، وہ اگست ۱۸۸۰ء میں قتل کر دیا گیا اور دوسرا ایلچی ان کو اپنی ضد سے باز نہ رکھ سکا۔ آئندہ کچھ نہ کرنے کا یہ بہت اچھا عذر تھا، جو سلطان کے ہاتھ آیا اور عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ اسی کے اشارے سے حزب البانیہ از سر نو تیار ہوئی جو پہلے سان سٹی فانو کے معاہدے پر عمل نہ ہونے دینے کے واسطے قائم کی گئی تھی۔ اطالیہ کے سفیر متعینہ استنبول، کونٹ کورتی نے مصالحت کی شکل یہ نکالی تھی کہ گسنجی اور پلاوا کی بجائے، جبل اسود والوں کو گسنجی کا صرف ایک ٹکڑا اور پوڈگورٹزا اور جھیل سقوطری کے درمیان کی وہ پٹی دے دی جائے جس میں عیسائی آباد تھے۔ اسے منظور بھی کر لیا گیا تھا مگر البانیہ کے کیتھولک باشندوں نے اسے چلنے نہ دیا کہ وہ کلیسائے یونانی کے پیرو نکولاس (رئیس جبل اسود) کی حکومت میں دیئے جانے کے مخالف تھے۔ قبیلہ مردیت کا رئیس بب ڈوڈا اپنے کیتھولک دوستوں کی مدد کے لئے دوڑ پڑا، گو اس کے اپنے علاقہ کا کچھ تعلق نہ تھا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں سرحد پر دس ہزار مسلح جوان جمع ہو گئے۔

یہی زمانہ تھا جب کہ گلیڈاسٹون انگلستان کا دوبارہ وزیر اعظم مقرر ہوا۔ جبل اسود کا بڑا مداح تھا اور اس مدح کی کافی تشہیر ہو چکی تھی۔ جون میں دول کے قائم مقام برلن میں جمع ہوئے اور تجویز ہوئی کہ دول سکتو

کی بندرگاہ اور رود بویانا کے جنوبی کنارے کا ایک ٹکڑا جبل اسود کو دے دیا جائے[1] اس پر معارضہ کرنے کی ترکوں کی باری تھی کہ ڈل سگنو میں مسلمانوں کی آبادی تھی۔ اور ترکی نے خفیہ طور پر البانیہ والوں کو ابھارا کہ وہ اس قطعے کی تحویل کی مزاحمت کریں۔ لیکن ترکی کے معاملے میں گلیڈ اسٹون ہمیشہ زوردار کارروائی کرنے پر ادھار کھائے رہتا تھا اور اسی کی تجویز سے ستمبر میں دول یورپ نے ڈل سگنو کے روبرو بحری مظاہرہ کیا اور ادھر جبل اسود کی سپاہ خشکی کی طرف سے قصبے پر بڑھی گلیڈ اسٹون کہتا تھا کہ "اگر ڈل سگنو میں ترکی نے یورپ کو بیوقوف بنا دیا، تو ہمیں اپنی دکان ہی بڑھا دینی چاہیے"۔ ترکی نے دینے سے انکار کر دیا اور بحری سرداروں کو اس چھوٹی سی بستی پر گولے برسانے میں تامّل ہوا۔ اُدھر جس طرح گلیڈ اسٹون ترکی مزاحمت پر نعل در آتش تھا، اسی طرح گوشن کو بے قراری تھی اور اس نے استنبول سے گرین ول کو تحریر کیا تھا کہ "سارے بیڑوں کو ادھر دوڑ پڑنا چاہیے۔ سلطان نے قوت آزمائی شروع کر دی ہے کسی طرح نہ ہونا چاہیے کہ ترک بازی لے جائیں" گلیڈ اسٹون خود تلا ہوا تھا کہ ترکوں کی پیش نہ جانے دے گا اور جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ سمرنا کے محصول خانے پر قبضہ کر لیا جائے، تو سلطان کی سمجھ میں آیا کہ اب قصّہ ختم ہے؛ ترکی سپاہ سالار درویش پاشا نے ڈل سگنو سے البانیہ والوں کو نکال باہر کیا اور ۲۶ر نومبر کو جبل اسود کے سپاہیوں نے بستی پر قبضہ کر لیا۔ بکوس رئیس جبل اسود نے سرور بار برطانیہ کلاں کا سپاس ادا کیا کہ اس نے جبل اسود کو اڈریاٹک پر آمدرفت کی بندرگاہ دلوائی، لیکن یہ مقام محض کھلے سمندر کی ریتی کے کنارے واقع تھا، اور رئیس جبل اسود نے اسے بہتر بنانے کی کبھی کوشش نہیں کی؛ درویش پاشا نے شمالی البانیہ کی

گلیڈ اسٹون ڈل سگنو کو حاصل کر لیتا ہے۔

---

[1] دیکھو مورلے کی "لائف آف گلیڈ اسٹون" جلد سوم ۱۰ و ۱۰۴ وغیرہ وغیرہ۔

شورش کو فرو کردیا اور اس کی تکمیل یوں کی کہ بب ڈوڈا کو ایک ترکی جہاز پر ملاقات کے بہانے بلایا اور دغا بازی سے اُسے ایشیا کو چک لے گیا جہاں اس کی زندگی جلاوطنی میں گزرتی رہی تاآنکہ انقلاب ۱۹۰۸ء کے بعد نوجوان ترکوں نے اسے اپنے وطن پہنچادیا۔ حزب البانیہ کے دوسرے ارکان بھی جلاوطن کردیئے گئے اور جبل اسود کو جو جاگیر ملی تھی، بلا مزید کشمکش کے وہ اس پر قابض ہوگیا۔

بوسینہ اور ہرزی گووینہ کے باشندوں کو بھی البانیہ والوں کی طرح اسلامی حکومت سے مسیحی حکومت میں منتقل کئے جانے پر اعتراض تھا مگر آسٹریہ میں اتنی قوت تھی کہ شرکائے معاہدہ کی مدد کے بغیر بذات خود معاہدے کی شرطیں منوا دے۔[۱] ۱۸۷۷ء کی جنگ چھیڑتے وقت زار نے پہلے ہی آسٹریہ کی غیر جانب داری کے معاوضے میں بوسینہ اور ہرزی گووینہ پر اس کے الحاق کا حق تسلیم کرلیا تھا اور موتمر برلن میں برطانیہ کی تحریک پر یہ صوبے اس کے تفویض کردیئے گئے۔ لیکن بالکل آخر وقت میں ترکی قائم مقاموں نے عہدنامے پر اس وقت تک دستخط کرنے سے انکار کردیا جب تک کہ اندراسی یہ یقین نہ دلائے کہ یہ تحویل ہنگامی ہوگی اور سلطان المعظم کے حقوق شاہی ان صوبوں پر برقرار رہیں گے۔ اندراسی نہیں مانتا تھا لیکن دو دن بعد جس روز معاہدے پر دستخط ہونے والے تھے، ترکوں نے پھر وہی اعتراض اٹھایا اور آسٹریہ کے قائم مقام کو دبنا پڑا۔ آسٹریہ کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ "بوسینہ اور ہرزی گووینہ کے قبضے سے جسے ہنگامی سمجھنا چاہیئے، سلطان کے حقوق میں کسی قسم کا خلل نہ آئے گا۔ قبضے کے جزئی انتظامات موتمر برلن کے بعد ہی طے کرلئے جائیں گے" یہ تحریری اعلان ترک سفیروں کی جیب میں پہنچ گیا تو انہوں نے عہدنامے پر

[۱] دیکھو سوسس نوس کی "Die Balkanpolitik....1866, وغیرہ وغیرہ۔ روس اور آسٹریہ کی باہمی قرار دادوں کا سُراغ فورنیئے نے لگایا۔ انہیں پیپ رم نے "آسٹریہ ہنگری کے خفیہ معاہدات" کی دوسری جلد (صفحہ ۱۹۲ تا ۲۰۳) میں چھاپ دیا ہے۔

دستخط ثبت کئے ہیں[۱]

چند روز کے بعد باشندوں کے نام ایک منادی شایع کی گئی کہ "سپاہی عنقریب تمہاری حدود میں داخل ہو جائیں گے وہ تمہارے خیر خواہ بن کر آرہے ہیں کہ ان خرابیوں کا ازالہ کردیں جنہوں نے نہ صرف بوسینہ اور ہرزی گوینہ بلکہ ہمسائے کے آسٹریہی اضلاع کے راحت داطمینان میں برسوں سے خلل ڈال رکھا ہے۔ شہنشاہ اب زیادہ عرصے تک گوارا نہیں کرسکتا کہ ان علاقوں میں جو اس کی سرحد سے ملے ہوئے ہیں ظلم وجور کا دور دورہ دیکھے اور ٹس سے مس نہ ہو۔ برلن کی مجلس دول میں بالاتفاق طے ہوگیا ہے کہ آسٹریہ امن وانتظام درست کرے اور سلطان المعظم نے تمہیں شہنشاہ کی نگرانی میں سونپ دیا ہے" اس قبضے کی اطلاع کو سن کر مسلمان بوکھلا گئے ششدر رہ گئے حاجی لو نامی ایک سردار نے کہ مکۂ معظمہ کے حج سے اقران وامثال میں معزز ہوگیا تھا، بوسینہ کے صدر مقام سراجی وو میں مقابلہ کی تیاری کی اور ایک ہنگامی حکومت قائم کرلی گئی۔ ترکوں نے سرکاری طور پر کوئی اعلان نہیں کیا اور ترک عہدہ دار صوبے کو اہل شورش کی حفاظت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ ہرزی گوینہ کے صدر مقام موستار میں بھی اسی قسم کی کارروائی عمل میں آئی۔ عہدنامہ برلن کی تکمیل کے اٹھارہ دن بعد، آسٹریہ کے چار جیش سرحد کے اندر داخل ہوئے تو شروع ہی سے جنگ وجدال سے سابقہ پڑا۔ نیم مسلح فوج کا ایک دستہ تلوار کے گھاٹ چڑھا اور آسٹریہ والے سراجی وو کے قریب پہنچے تو ادھر سے جہاد کا اعلان کردیا گیا شہر کی مدافعت جان توڑ کے کی گئی اور بڑا حصہ نذر آتش ہونے کے بعد، وہ تسخیر ہوسکا۔ اس اثناء میں، جنگ قزاقانہ چھڑ گئی۔ بہتر ہزار فوج باقاعدہ جو قبضہ کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی ناکامی ثابت ہوئی۔ کمک آئی تو ستمبر کے

آسٹریہ کا قبضہ بوسینہ پر

---

[۱] دیکھو ورنی تیر کی کتاب "گراف اندراسی" وغیرہ

اخیر میں ہرزیگووینہ پر تسلط قائم ہوا اور ۲۰ اکتوبر کو بوسینہ کا بھی آخری مورچہ فتح کر لیا گیا۔

بوسینہ اور ہرزیگووینہ کے علاوہ برلن کی موتمر میں آسٹریہ کو نووی بازار کے سنجاک میں فوجیں تعینات کرنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔ اور یہ وہ پتلی پٹی ہے جو سرویہ اور جبل اسود کو جدا کرتی اور بوسینہ اور مقدونیہ کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ لیکن بوسینہ کے تلخ تجربہ کی بدولت اندراسی کو سنجاک پر قبضہ کرنے میں ہچکچاہٹ ہوگئی تھی چنانچہ کہیں ایک سال کے بعد اس نے ترکوں کے ساتھ مصالحانہ طریق پر اس معاملے کو طے کرنے کی تحریک کی۔ اپریل ۱۸۷۹ء میں ایک فیصلہ نامے پر دستخط ہوئے جس کی رُو سے آسٹریہ کو اس ضلع کے صرف مغرب میں چھاونی ڈالنے کی اجازت حاصل ہوگئی۔ ستمبر میں آسٹریہ کے سپاہی اس چھاونی میں آگئے لیکن ترکی نظم ونسق اور فوجیں بحالہ موجود رہیں۔ یہ عجیب انتظام جس میں آسٹریہ کا کچھ نفع نہ تھا، اور جس سے اس کی فوجیں ایسے مقام پر گویا مقید ہوگئیں جو زمانۂ جنگ میں ان کے لئے موت کا پھندا بن سکتا تھا، پوری ایک نسل تک قائم رہا۔

۱۸۷۹ء کے موسم خزاں میں بوسینہ اور ہرزیگووینہ والے کثرت تعداد اور آتش بار توپوں سے مغلوب تو ہوئے مگر سچ یہ ہے کہ یہاں کے کلیسائے یونانی کے پیرو، مسلمانوں کی نسبت کچھ کم ناراض و آشفتہ نہ تھے۔ لہٰذا دور دست

بوسینہ کی شورش ۱۸۸۲ء

اضلاع میں قزاقی کا سلسلہ جاری رہا اور فوجی پولیس پر کبھی کبھی چھاپے پڑتے رہے۔ پھر جب رفتہ رفتہ امن و انتظام قائم ہونے لگا تو نومبر ۱۸۸۱ء میں جبری بھرتی نے بجھتی آگ پر تیل چھڑک دیا۔ ہرزیگووینہ کے بعض جوان جنہیں جبراً داخل کیا گیا تھا، بلانے سے حاضر نہ ہوئے اور جاڑوں میں سرکاری عمارتوں کو جا بجا آگ لگا دی گئی۔ اوائل ۱۸۸۲ء میں پہرے کے سپاہیوں پر پھر حملے ہونے لگے جن سے آسٹریہ کو یقین ہوگیا کہ انسدادی تدبیر کئے بغیر

چارہ نہیں ہے۔ وہ پہلے تجربے سے ہوشیار ہوگئی تھی لہٰذا اکھٹی ساٹھ ہزار فوج اس شورش کو دفع کرنے کے لئے بھیجی اور اپریل ختم ہونے تک سب ہنگامہ و فساد دور ہوگیا اسی سال ہنگری کا ایک خاندانی امیر اور تاریخ کا فاضل کیلے، معین وزیر خزانہ مقرر ہوا، کہ اسی عہدے میں ان صوبوں کا نظم و نسق بھی ضم تھا۔ ساتھ ہی بوسینہ اور ہرزی گووینہ میں مادی ترقی و رفاہ کے دور کا آغاز ہوگیا۔ اور روشن خیال کیلے کے بست سالہ عہد حکومت میں یہاں کے باشندے، کیا مسیحی کیا مسلمان، سب ایسے چین اور آسودہ حالی کی زندگی بسر کرتے رہے کہ سلطنت عثمانیہ کے زیر نگیں رہنے کے زمانے میں انہیں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

ترکی کے لئے اصلاحات

واضح رہے کہ صلحنامہ برلن سے بیکنس فیلڈ کا سب سے بڑا مقصد تو یہ تھا کہ روس کو مشرق ادنیٰ میں غلبہ و اقتدار میسر نہ آئے مگر اس کا وزیر خارجہ معاہدے کو صرف ایک وقفہ سمجھتا تھا کہ اس مہلت میں لازماً ترکی کو اپنا گھر درست کرنے کے واسطے مجبور کیا جائے۔ اور اس قسم کے جبر سے صرف برطانیہ کام لے سکتی تھی کہ تمام دول میں وہی ایسی حکومت تھی جو بلا کسی اپنی غرض کے سلطان کی رعایا کی بہتری اور بہبود کی آرزومند تھی[1] موتمر برلن کو برخاست ہوئے ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ استنبول مراسلہ بھیجا گیا جس میں اصلاح کی یہ تجاویز تھیں کہ ایشیائی ترکی کی ہر ولایت کے واسطے ایسا والی مقرر کیا جائے جس کے عہدے کی میعاد معین ہو اور کوتوالی عدالت نیز تشخیص محاصل کی عملاً ساری نگرانی فرنگیوں کے ہاتھ میں رہے[2] سر ہنری لیارڈ، انگریز سفیر استنبول کو حکم تھا کہ ان تجاویز کو منوانے

---

[1] یہ ایسا بے مزا جھوٹ ہے جو اس زمانے میں جب کہ کوئی اس کو صحیح نہیں سمجھ سکتا، وحشت انگیز سمجھا جائیگا مگر عجیب بات یہ ہے کہ ذی ہوش مصنف کے اگلے فقرے ہی اس کے قول کی صریحی تکذیب کر دیتے ہیں۔ مترجم

[2] "لائف اوف سالسبری" جلد دوم باب ۸

کے لئے بلا تاخیر پورا زور صرف کرے کیونکہ "ہر مہینے کی دیر کے ساتھ سلطان کی رضامندی کا میلان اور ہمارے اصرار کرنے کی قدرت کم ہوتی جائے گی" اس موقع سے کام لینے کی سالسبری کو اس قدر فکر تھی کہ سلطان نے جو ساٹھ لاکھ کا قرضہ چاہا، وہ اس کی بھی تائید پر آمادہ تھا کہ اصلاحات کی گاڑی روپے کے بغیر نہ چل سکتی تھی۔ مگر اس منصوبے کو وزیر اعظم نے مسترد کر دیا کیونکہ تازہ قرض لینے کی سن گن پاتے ہی، وہ لوگ شور مچانے لگے جن کے پاس پہلے کے تمسکات واجب الادا تھے۔ پھر تجارت کی سرد بازاری، بری فصل اور افغانستان کی جنگ نے مل کر، روپے کا اور بھی قحط ڈال دیا۔

قرضے سے انکار کر دینے کے باوجود، وزیر خارجہ کی سلطان کو ترغیب و ترہیب کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ ترکی کو برطانیہ کے ۸ اگست والے مراسلے کا جواب دینے کی کوئی فکر ہی نظر نہ آتی تھی۔

سالسبری کی تنبیہ

۱۷ اکتوبر کے ایک خط میں لکھتا ہے کہ "انگلستان کو ترکی کی کامل قطع و برید کی حکمت عملی اختیار کرنے میں تامل ہے لیکن یہ تامل، نامساعدت اسباب کو صرف ایک حد تک برداشت کرے گا، حالانکہ یہی تامل وہ اکیلا سہارا ہے جس پر اس وقت سلطان کی سلطنت سلامت ہے"۔ کچھ روز کے بعد، باب عالی نے ۸ اگست کے مراسلے کا جواب ارسال کیا اور بعض اصلاحات کا وعدہ کیا، جو ایسی کارگر تو نہ تھیں جیسی انگریزوں نے تجویز کی تھیں، تاہم ان پر عمل ہوتا تو وہ بھی ایک حد تک قابل قدر ہو سکتی تھیں۔ اطمینان کے لئے یا کم سے کم یہ ترغیب دینے کی غرض سے کہ ان اصلاحات کو نافذ کیا جائے، برطانی حکومت نے ایشیائی ترکی میں اٹھ مرکزی مقامات پر انگریز عہدہ دار بطور خاص قنصلوں کے مقرر کئے اور ہدایت کی کہ وہ اپنے ضلعے کے ہر حصے کا معائنہ کریں، باشندوں سے ان کی شکایتیں دریافت کریں، بد انتظامی پر اعتراض کر کے مقامی عمال کو کچھ کرنے پر توجہ دلائیں اور سب حالات کی کیفیت لکھ کر استنبول و لندن روانہ کرتے رہیں۔ سنہ ۱۸۷۹ء کے دوران میں جو اطلاعیں **سر چارلس ولسن** اور اس کے ساتھ والوں نے

لندن کی وزارت خارجہ کو بھیجیں، وہ غارت گری، قحط اور جور و بیداد کے فسانوں سے لبریز تھیں۔ برطانی سفیر کی شد و مد سے وکالت کی بنا پر بعض انفرادی شکایتیں رفع کر دی گئیں، بعض بڑے عہدہ دار برطرف اور بعض والی جو فی الجملہ غنیمت تھے، مقرر کئے گئے۔ لے لیکن قنصلوں کو کوئی اچھی امید نہ تھی، کیونکہ برائیوں کی جڑ استنبول میں تھی۔ جب ان لوگوں نے عربوں اور ارمنوں کے بغاوت کر دینے کے قرائن کا ذکر چھیڑا تو سلطان کی طرف سے جواب ملا کہ فرنگی نگرانوں کی محض موجودگی دلوں میں شورش پیدا کرنے کا باعث ہو رہی ہے۔ اور اعلیٰ عہدوں پر فرنگیوں کو مقرر کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا، اسے ٹال دیا گیا۔

سالسبری کا ان حالات میں جی چھوٹا جاتا تھا لیکن ہار مان جانے پر وہ آمادہ نہ تھا۔ نومبر میں اس نے لیارڈ کو لکھا کہ "قرائن کچھ امید افزا نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی رفتارِ طبیعت، اپنی قوم کو برباد کرا کے چھوڑے گی۔

سلطان عبد الحمید مزاحمت کرتا ہے۔

تاہم ہمیں چاہئے کہ برابر کوشش کرتے رہیں اور اثر ڈالنے کے ہر ذریعے سے جو ہمارے ہاتھ میں ہے کام لیں۔ پہلا کام یہ ہے کہ ایک فرنگی عہدہ دار جنرل سر ویلن ٹائن بیکر، نظم جمعیت کا آزاد سپہ سالار مقرر کرا دیا جائے۔ اگر سلطان ساتھ نہ دے تو ہمیں انقلابی واقعات کا انتظار کرنا چاہئے اور اس بات کا ثبوت دے دینے سے زیادہ اور کچھ نہ کرنا چاہئے، کہ ترکی صیانت کے متعلق ہماری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ کیونکہ جو تباہ کن صدمہ پہنچنے والا ہے، اس میں ہمارا دخل نہ ہونا چاہئے۔ باقی ظاہر ہے کہ اس محل سرائے حکومت کو ایشیائی باشندے غیر معین زمانے تک برداشت نہیں کئے جائیں گے۔"

اس دھمکی سے بیکر کو وہ جگہ مل گئی جو محاربۂ روس و ترکی میں ترکوں کی طرف سے لڑا تھا۔ یعنی اسے ایشیائے کوچک میں صدر ناظم اصلاحات بنا دیا گیا۔

لے ولسن: "لائف اوف سر چارلس ولسن" وغیرہ۔

لیکن جو احکام اسے ملے ان میں وہ عاملہ اختیارات اسے نہیں دیئے گئے، جن کی اسے توقع تھی۔ سالسبری اپنی اور اپنے کارندوں کی ہمت باندھنے کی کوشش کیئے جاتا تھا۔ ۱۸۷۹ء کے اواخر میں ایک قنصل کو لکھتا ہے "مجھے اندیشہ ہے کہ تم اپنی خدمت کے نتیجے سے بہت ناامید ہوئے جاتے ہو۔ حالانکہ یہ پہلی مرتبہ حقیقی کوشش ہے کہ اس بدانتظامی کو جو صدیوں سے چلی آتی ہے، دور کیا جائے۔ لہذا قدرتی طور پر یہ عمل نہایت، نہایت ہی، سست ہوگا" اس نے محنت کرکے آئینی تغیرات کی ایک تجویز مرتب کی جو اس کے خیال میں سلطنت کو تباہی سے بچانے کے لئے ضروری تھے۔ ان میں ایک مختصر مجلس شوریٰ بھی داخل تھی جس کے ارکان مادام الحیات نامزد کیئے جائیں اور صوبوں میں عمال کے عزل و نصب کو منسوخ کردینے کا انہیں اختیار ہوگا، مگر سلطان کے شاہی اختیارات میں اپنی قطع و برید کی منظوری مل جانے کی اسے چنداں توقع نہ تھی اور اسے اپنے دل میں ماننا پڑا کہ "بجز سوائے اس کے کہ قنصلوں کی تائید کی جائے، اور کوئی اصلاح ممکن نہیں ہے"۔ واقع میں سالسبری کو جو کار صعب انجام دینا تھا، اس میں کامیابی کی کوئی امید نہ ہوسکتی تھی کہ چند ہی روز قبل، روس و ترکی کی جنگ میں، اس کا بالادست (= وزیر اعظم) شد و مد سے سلطان کی حمایت کرتا رہا، سان سٹی فانو کے معاہدے کو پھاڑ چکا تھا۔ نیز یہ کہ عبدالحمید خوب جانتا تھا کہ جبتک برطانیہ کی مسند وزارت پر بیکنس فیلڈ متمکن ہے، اس وقت تک باب عالی کو خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مئی ۱۸۸۰ء میں گلیڈ اسٹون دوبارہ برسر اقتدار ہوا تو سلطان سے مواعید اصلاح کا ایفا کرانے کی کوشش میں پھر جان پڑ گئی اور جب حسب معمول ترکوں نے ٹالے بالے بتائے، تو اس نے دول یورپ کو متوجہ کیا کہ استنبول میں مل کر دباؤ ڈالیں۔ دول نے منظور کیا اور

گلیڈ اسٹون ناکامی کا اقرار کرتا ہے۔ ۱۸۸۲ء

۱۱ جون کو ایک مشترکہ یادداشت باب عالی میں پیش کی گئی، جس میں عہدنامہ

دوبرلن کی دفعہ ۶۱ پر کامل اور فوری عملدرآمد" کا مطالبہ کیا تھا۔[۵] ایک اور متفقہ مراسلے مورخہ ۷ ستمبر میں مطلوبہ اصلاحات کی تفصیل دی گئی ازسر نو وعدے ہوئے اور ازسر نو تجاویز مرتب ہونے لگیں۔ مگر سلطان کو معلوم تھا کہ سوائے برطانیہ کے اس کام میں اور کوئی سلطنت دل سے شریک نہیں ہے کیونکہ روس تک کی توجہ کم ہونے لگی تھی۔ غرض گلیڈ اسٹون کی کوششیں بھی ویسی ہی بے نتیجہ رہیں جیسی سالسبری کی رہی تھیں۔ اور ۱۸۸۳ء میں بسمارک نے حکومت برطانیہ کو اطلاع دے دی کہ جرمانیہ کو سلطان کی مسیحی رعایا کی ذرا پروا نہیں ہے' اور بہتر ہوگا کہ اس معاملہ کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ وہ اس فکر میں تھا کہ مشرقی قضیے کو دوبارہ تازہ نہ ہونے دیا جائے۔ درحقیقت' اس کے ماسوا' اس وقت کچھ ہو بھی نہ سکتا تھا۔ اتحاد دول کا خاتمہ ہو چکا تھا اور برطانیہ کا استنبول میں رہا سہا رسوخ' مصر پر قبضہ کر لینے کے باعث بالکل مٹ گیا تھا۔ فوجی قنصلوں کو بیکار سمجھ کر ترکی سے ہٹا لیا گیا' گو دیوانی قنصل ارض روم' وان اور دیار بکر میں متعین رہے۔ ۱۸۸۵ء میں سالسبری دوبارہ وزیر ہوا تو اس نے استنبول میں انگریزوں کے رسوخ و اثر کے متعلق تشکل طلب کی اور اسے دیکھنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی کہ "لوگوں نے معاوضے میں کچھ حاصل کئے بغیر اسے سمندر میں پھینک دیا ہے"۔ حجت کی جا سکتی ہے کہ فوجی قنصلوں کا ہٹا لیا جانا' غلطی تھی لیکن ۱۸۸۰ء میں گلیڈ اسٹون کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی تو برطانیہ کا استنبول میں کوئی قابل ذکر رسوخ باقی نہ تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جبر و زور سے کام لینے کی نیت کئے بغیر' دباؤ ڈالنے سے صاف ظاہر

---

[۵] "باب عالی' ذمہ لیتا ہے کہ تاخیر مزید کے بغیر اصلاح و درستی کی وہ تدابیر عمل میں لائی جائیں گی جو ان ولایتوں کی مقامی ضروریات کے مناسب ہیں جن میں آرمن آباد ہیں اور جن سے قفقازیوں اور کردوں کے مقابلے میں ان کی حفاظت و سلامتی کا اطمینان ہو جائے گا۔ باب عالی اس بارے میں جو انتظام کرے گا' انکی وقتاً فوقتاً دول یورپ کو' جو ان تدابیر کے عمل میں آنے کی نگراں رہیں گی' اطلاع دیتا رہے گا"۔

ہوتا تھا کہ سلطان کی مزاحمت کم ہونے کی بجائے اور سخت ہوئی جاتی ہے کیونکہ وہ کسی طرح جائز رکھنا نہ چاہتا تھا کہ آرمینیہ بھی بلغاریہ کی ڈگر پر چلنے لگے۔ اس کے علاوہ اقرارنامہ قبرس کو منسوخ کرنا کسی (انگریز) کے ذہن میں نہ تھا جس میں سلطان کو عیسائی اور دوسری رعایا کی حفاظت کے لئے ضروری اصلاحات جاری کرنے کا پابند تو بنایا گیا تھا مگر یہ شرط اس عہد کے عوض میں کی گئی تھی کہ روس نے ترکی کا ایشیائی علاقہ لینے کا اقدام کیا تو برطانیہ ترکوں کی مدد کرے گی۔ بہرحال ارمنوں کے ساتھ اس طرح وقتاً فوقتاً ہمدردی دکھانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آرمینیہ کے کوہستانی علاقے کے باشندوں کے دل میں ایسی امیدیں پیدا ہوگئیں جن کا برآنا محال تھا اور ادھر سلطان کے دماغ میں طرح طرح کے شکوک آنے لگے جو آگے چل کر باقاعدہ مقاتل و مظالم کی صورت میں پھل لانے والے تھے۔

روس ماورائے خزر ممالک میں۔ استنبول پر روس و برطانیہ کی جنگ تو ہوتے ہوتے رہ گئی۔ لیکن دلوں میں غبار بھرا رہا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ عجب نہیں یہی بارود کوہستانِ کابل میں آگ دے جائے۔[ا] جب تک بکنس فیلڈ کا اقتدار تھا، برطانیہ کی حکمت عملی کا علانیہ مقصود یہ رہا کہ روس کی ہوس کشورستانی کو پورا نہ ہونے دیا جائے اور ادھر الکزنڈر ثانی کی مشرق ادنیٰ میں کچھ نہ چل سکی تو وہ طبعاً ماورائے خزر ممالک لایملک کی طرف متوجہ ہوگیا لیکن ترکوں سے جنگ میں اس کی فوجوں نے اتنے شدید نقصان اٹھائے تھے کہ اسے برطانیہ سے دو دو ہاتھ کر لینے کی ذرا خواہش نہ تھی دوسرے استنبول سے خطرہ دور ہو جانے کے بعد خود وزارتِ برطانیہ خواہشمند تھی کہ روسیوں سے معمولی دوستانہ روابط

ا ملاحظہ ہو لیڈی بٹی بالفور کی کتاب: "لارڈ لٹینز انڈین اڈمنسٹریشن" فرقہ قدامت پسند کی حکمت عملی کو بکل نے "لائف اوف ڈزرائیلی" اور "لائف اوف سالسبری" میں پیش کردیا ہے۔ مسئلہ افغانستان کو رڈز نے اپنی کتاب کے تیرھویں باب میں بہت خوبی سے بیان کیا ہے۔

قائم ہو جائیں۔ چنانچہ اوائل ۱۸۸۱ء میں لارڈ ڈفرن جو کناڈا میں اپنی خدمت انجام دے کے ابھی دنوں وطن آیا تھا، پیٹرو گریڈ بھیجا گیا کہ جو غبار باقی ہے اسے رفع دفع کر دے۔ نئے سفیر نے اپنی سند سفارت دربار میں پیش کی تو روس کے جابر نے "دوستی" سے اس کی تواضع کی اور گلہ کیا کہ انگلستان نے میرے منصوبوں کا اس جنگ میں نہس کیا جس کا مقصد ملک گیری اور کشورستانی نہ تھا بلکہ ترکی کے عیسائیوں کو ان کے ستانیوالوں سے نجات دلانا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود، برلن میں بھی ہم نے پوری کوشش کی کہ انگریزوں کے حسب منشا کام کیا جائے اور آئندہ بھی تمام زیر بحث مسائل کو دوستانہ طریق پر حل کرتے میں ساعی رہیں گے۔"
بہرحال، لارڈ ڈفرن وہ اس کی شرمندہ ہوئی کا جادو چلے بغیر نہ رہا اور برطانی سفارت خانے کے دعوتی رقعے انہیں بھی قبول ہی کرتے بنی جو اتحادِ اسلافیین کے سب سے بڑے حامی تھے۔[۱]

موتمر برلن کے بعد دونوں سلطنتوں کی خواہش تھی کہ آپس میں خاصے لطف و موافقت کے ساتھ رہیں، لیکن وسط ایشیا میں جو قوتیں جنبش میں آچکی تھیں، وہ مشرقی یورپ میں امن امان ہو جانے کے باوجود ساکن نہ ہو سکتی تھیں۔

روس و افغانستان

روسی حکومت نے لارڈ کلارنڈن کو ۱۸۶۹ء میں اطمینان دلایا تھا کہ ہم افغانستان کو اپنے دائرۂ نفوذ سے مطلق خارج سمجھتے ہیں، بایں ہمہ اگلے ہی سال ترکستان کے روسی والی، جنرل کوف مان اور امیر کابل کے درمیان حدود کے متعلق خط کتابت چھڑ گئی۔ ۱۸۷۵ء میں روسی سفیر کے کابل میں استقبال اور قوقند کے الحاق نے برطانی حکومت کو نہایت خائف کیا جہاں گلیڈاسٹون کی بجائے ڈزرائیلی وزیر اعظم ہوا تھا۔ اور ۱۸۷۶ء

[۱] لائل "لائف اوف ڈفرن" اور لیڈی ڈفرن: "مائی رشین اینڈ ٹرکش جرنلز"

میں، ہندوستان کے محتاط وہگ وائسرائے کو لارڈ لٹن کے لئے جگہ خالی کرنی پڑی، جو لارنس کی "استادانہ بیکاری" کی روش کا ذرا بھی معتقد نہ تھا، چنانچہ بیلنس فیلڈ نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ "ہمیں ایسے شخص کی ضرورت تھی جو آگے بڑھنے کا مشتاق اور بلند خیال ہو اور کسی قدر خود پسندی کے ساتھ کافی قوت ارادی رکھتا ہو۔ اور ایسا ہی آدمی ہمیں مل گیا" ۱۸۷۶ء میں خان قلات کے ساتھ ایک عہد نامہ ہوجانے سے، بلوچستان سلطنت برطانیہ کے ہالے میں آگیا اور انگریزی فوجوں کے افغانستان کے جنوبی بازو پر، کوئٹے میں تعنیات کئے جانے کا موقع مل گیا۔ ادھر ۱۸۷۷ء میں پشاور کی مجلس مشاورت میں، برطانی سرداروں کو سرحدی چوکیوں تک پہنچنے کی اجازت نہیں ملی تو اس سے لارڈ لٹن کو پورا یقین ہوگیا کہ امیر قطعی طور پر روسیوں سے معاملہ کرچکا ہے اور اب روگردانی نہ کرسکے گا۔ ایک روسی سپہ سالار کا یہ حقارت آمیز جملہ کہ "ہماری سرحدیں ہمارے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی ہیں" بار بار نقل کیا جانے لگا اور لارڈ لٹن اور لارڈ سالسبری دونوں پر سرہنری ولسن کی تحریر و ترہیب کا بہت گہرا اثر ہوا جو کمال عرق ریزی سے اپنے ہموطنوں کو روسیوں کے حدودِ ہند کی طرف اقدام کے خطرے جتا رہا تھا[۱]۔

مشاورۃ کے بعد امیر سے خط کتابت موقوف ہوگئی اور محاربۂ روس و ترکی نے معاملات کو اور بھی پیچیدہ بنادیا۔ ۱۸۷۸ء میں ہندوستان کی فوجیں مالٹا میں طلب کی گئیں اور بیڑے کو استنبول پہنچ جانے کا حکم ملا تو جنگ بالکل ہی سر پر نظر آنے لگی۔ اس کے جواب میں روسیوں نے اپنی فوجوں کو سرحد افغانستان کی طرف بڑھانا شروع کیا اور ۱۳؍جون کو، جو برلن میں انعقاد موتمر کا دن تھا، ان کا سفیر اسٹولی ٹوف کابل روانہ کیا گیا

اسٹولی ٹوف کا ورود کابل میں۔

اصل میں یہ سفارت، اس منصوبے کا ایک جزو تھی جو اسکوبلف نے

[۱] دیکھو جی، راسنس: "سر ایچ راسنس"

دوران جنگ میں ہندوستان پر حملہ کرنے کے متعلق تیار کیا تھا، لیکن گورچاکوف نے حیلہ کیا، کہ سفیر کو محض ازرہ تواضع کابل بھیجا جا رہا ہے[1] مزید براں، ۲۵ اپریل کو روس کے وزیر جنگ نے تین جیش بطور مظاہرہ ادھر بھیجنے کا حکم بھی دیا تاکہ آیندہ گفتگو کے وقت دباؤ ڈالا جا سکے اس فوج کی جمعیت اصلیہ نے ۱۳ جون کو تاشقند سے کوچ کیا لیکن جس وقت وہ سرحد کابل پر پہنچی تو اطلاع ملی کہ صلح نامہ برلن پر دستخط ہو گئے پھر بھی استولی ٹوف، ۲۴ اگست سے قبل کابل سے رخصت نہ ہوا اور عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ اس عرصے میں امیر سے پوری طرح کوئی قول قرار لے کر واپس گیا ہے اور اس کے ساتھی کئی ہفتے اور امیر کے پائے تخت میں مقیم رہے۔ استولی ٹوف کی مہمانی کی خبر سن کر برطانی حکومت نے امیر سے استدعا کی کہ ہندوستان سے بھی اسی قسم کی سفارت بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور ۲ ستمبر کو وائسرائے نے لندن تار دیا کہ ہمارا سفیر سر نیول چیمبرلین اب زیادہ انتظار نہیں کرے گا بلکہ درۂ خیبر کے راستے ایک بدرقے کے ساتھ کابل روانہ ہو جائے گا۔

اس ارادے کے معنی یہ تھے کہ یا تو امیر انگریزوں کی بات مان جائے اور یا جنگ چھڑ جائے۔ لہٰذا لندن سے سفارت کی روانگی بذریعہ تار روک دی گئی کہ وہاں پیٹرز برگ سے جواب آنے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ عہد نامہ برلن کی تکمیل ہو گئی، تو بیکنس فیلڈ کو توقع تھی کہ روس استولی ٹوف کی سفارت اور اپنی فوجوں کو واپس طلب کرلے گا۔ چند ہفتے راہ دیکھنے کے بعد، گورچاکوف کو ایک خط بھی بھیجا گیا جس نے نہایت مصالحانہ پیرائے میں جواب دیا کہ افغانستان کی جانب جنگی مظاہرے موقوف کر دیئے جائیں گے اور یہ کہ روس اس ملک میں کوئی خاص رسوخ حاصل کرنے کی نیت نہیں رکھتا۔

---

[1] یہ بیان آرد زکے ہاں چھپا ہے۔ ۶۰۲ تا ۶۰۷۔

لندن سے منسوخی کے احکام بہت دیر میں شملہ پہنچے۔ کیونکہ سفارت کے سفر کے متعلق خیبر کے نیم آزاد قبائل سے سرحدی عہدہ داروں نے گفتگو شروع کر دی تھی اور اب اطلاع دیتے تھے کہ سفر کو ملتوی کرنے سے ان قبائل میں بڑی سبکی ہو جائے گی۔ ادھر کابل کی فوجوں نے جن پر حملہ کرنا بالکل بیکار ہوتا، سفارت کو واپس پشاور جانے پر مجبور کیا[1]۔ تب فیصلہ کیا گیا کہ درۂ خیبر میں اس توہین کی، تین ہفتے کے اندر تحریری معافی طلب کی جائے نیز یہ وعدہ لیا جائے کہ انگریزوں کا مستقل سفیر کابل میں رہے گا۔ اس آخری حجت کا بھی کوئی جواب نہ ملا اور برطانی فوجوں نے تین مقام سے سرحد کو عبور کیا۔ امیر کو شکست ہوئی تو وہ کابل میں انگریز سفیر کی مہمانی پر آمادہ ہو گیا لیکن اب انگریز شیر علی سے کسی مصالحت

شیر علی کا خاتمہ

پر تیار نہ تھے۔ اس پر ساری مصیبت روس کی بدولت آئی مگر اس نے روسیوں سے فوجی امداد طلب کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ انہی دنوں، ۱۶۔ دسمبر کو پارلیمنٹ میں حکومت سے اظہار ناراضی کی تحریک پیش ہوئی، تو اس کا جواب دینے میں وزیر اعظم نے اپنے پرانے حریف کا دوستانہ الفاظ میں ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ جب لڑائی سر پر تلی ہوئی تھی، اس وقت ہندوستان پر فوج کشی کی تیاری بالکل اچھی تھی، مگر جب وہ خرخشہ نہیں رہا، تو زار نے اپنے سپاہیوں کو ہٹ جانے کا حکم دے دیا اس طرح "اس معاملے میں روس، انگلستان سے تلافی مافات کے واسطے جو کچھ کر سکتا تھا، وہ کمال شرافت سے اس نے کیا اور اس کا طرز عمل، امیر کابل کے رویّے کے مقابلے میں فی الواقع تعجب انگیز ہے" کابل کی معرکہ آرائی حسب مراد جاری رہی اور اس میں رکاوٹ نہ پیش آئی شیر علی روسی ترکستان میں بھاگ آیا اور وہیں چند ہفتے بعد مر گیا۔ اس کے بیٹے یعقوب خاں نے عہد نامہ **گنڈمک** کے ذریعے، اپنی بیرونی حکمت عملی

[1] "لائف آف سالسبری" جلد دوم

انگریزوں کی نگرانی میں دینی قبول کرلی اور کابل میں انگریزی قائم مقام (ریزی ڈنٹ) کے مستقل تقرر کو مان لیا۔ اس کے عوض میں انگریزوں نے عہد کیا کہ روس کی دست درازی کے مقابلے میں اس کی اعانت کریں گے۔ بعض سرحدی اضلاع اور درۂ خیبر پر انگریزوں نے اپنا قبضہ رکھا وزیراعظم نے وائسرائے کو لکھا کہ "بہت کچھ تمہاری مستعدی اور دوربینی کی بدولت ہمیں اپنی سلطنت ہند کے لئے قاعدے کی سرحد اب میسر آئی ہے"۔

بیکنس فیلڈ اور لٹن اپنے اس کارنامے پر بغلیں بجا رہے تھے کہ

کاوگ ناری کی سفارت

سر لوئیس کاوگ ناری کی، جو برطانی قائم مقام بنا کر بھیجا گیا تھا، کابل پہنچنے کے چھ ہفتے کے اندر، اپنے ساتھیوں سمیت، بگڑے ہوئے سپاہیوں کے ہاتھ سے مارے جانے کی اطلاع آئی جس سے رنگ میں بھنگ پڑ گئی۔ فریبی یعقوب خاں تخت سے دست بردار ہو گیا اور ادھر اُدھر جو ہنگامے برپا ہوئے انہیں فرو کرکے، رابرٹس جاڑے بھر کابل میں بیٹھ کر سارے ملک پر حکم چلاتا رہا؛ آئندہ سال کے شروع میں شیر علی کے بھتیجے عبدالرحمن نے ترکستان سے خروج کیا جہاں وہ روسیوں کا وظیفہ خوار رہا تھا اور تخت کابل کا دعوی دار ہوا۔ انگریزوں کے اعتماد، دولت اور فوج کی مدد سے وہ ایک متحد اور طاقتور مملکت کا مالک ہو گیا اور گلیڈاسٹون کی حکومت نے دانائی سے قندھار بھی اسی کو واگزاشت کر دیا۔ افغانستان نے روس کے ساتھ ساز باز کرنے کا مزا چکھ لیا اور اسے تجربہ ہو گیا کہ اس کے وعدوں پر بھروسہ کرنا کس قدر ناسودمند اور خطرناک ہے۔ ادھر برطانیہ کو بھی معلوم ہو گیا کہ افغانستان آزاد اور مطمئن رہے تو روس کی ہندستان پر دراز دستی کی اس سے بہتر روک نہیں ہو سکتی۔ لارڈ رپن لارڈ لٹن کا جانشین ہوا تھا اس نے اعلان کیا اور اسی اصول پر عمل کیا کہ روس کی ریشہ دوانیوں کے خطرے کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ خود ہندوستان کے رہنے والوں کا اعتماد حاصل کیا جائے۔ ۱۸۸۱ء میں اس نے لکھا کہ "حکومت

حاضرہ کی حکمتِ عملی پر استقلال کے ساتھ عمل ہوتا رہا، تو روس کے سازباز کا مقابلہ کرنے کی (آخر) قوت ہم کو میسر آجائے گی کہ افغانستان کے تمام سرحدی شہروں کی حصاربندی، اوران سب میں انگریزی فوج متعین کردینے سے بھی نصیب نہیں ہوسکتی" ہے[1]

عہدنامۂ برلن کی تکمیل اور کابل میں دوست دار امیر کے برسرحکومت ہونے سے روس و انگلستان کی مشرق وسطیٰ میں کشاکش تو کم ہوگئی لیکن اس کشاکش کے اصلی اسباب زائل نہیں ہوئے۔ روس نے افغانستان میں انگریزوں کی سیادت کو تسلیم نہیں کیا اور ہر شخص جانتا تھا کہ یہ ٹرک کا انجن تھوڑی دیر دم لے کے پھر چلنا شروع کرے گا۔ ۱۸۷۹ء کے موسم گرما میں روسیوں نے تیکی ترکمانوں پر مہم بھیجنے کی تیاریاں کیں تو انگریزی سفیر کو درخواست کرنی پڑی کہ اس کے مقاصد ذرا تفصیل سے بتائے جائیں۔ جواب میں روسیوں نے بہت کچھ اطمینان دلایا اور زار نے ملکۂ انگلستان کو لکھا کہ مہم کو اتنی وسعت نہ دی جائے گی کہ مرو پر حملے کی نوبت آئے۔ ادھر امیر ارجائل نے جو روسیوں کا بہت دوست تھا، ہموطنوں کی اس "روانگی" کی خوب ہنسی اڑائی، لیکن ۱۸۷۹ء کے اواخر میں روسی فوج کو زک پہنچی، تو اسکوبلیف کے ماتحت پہلے سے بھی بڑی مہم روانہ کی گئی جس نے جنوری ۱۸۸۱ء میں ترکمانوں کے صدر حصار گیوک تیپ کو دھاوا کر کے چھین لیا اور وہاں کے بیس ہزار باشندوں کو جان سے مار ڈالا۔ اس قتل عام نے ترکمانوں کی ہمت پست کردی اور سارے وسط ایشیا میں روسیوں کی دہشت چھا گئی۔ روس کی وزارت خارجہ نے پھر صراحت کی کہ مرو پر فوج کشی نہ کی جائے گی مگر اس تسلی و تشفی سے گلیڈاسٹون تک کی وزارت کی خاطر جمع نہ ہوسکی۔ وزیر ہند، ہارٹنگٹن نے پہلی اگسٹ ۱۸۸۱ء کو صاف سنادیا کہ برطانیہ، افغانستان میں کسی بیرونی مداخلت کو

[1] لوسین وولف: "لائف آف لارڈ رپن" جلد دوم۔

کو گوارا نہ کریگی۔ رپن دھمکی کی بجائے معاملہ کرنے کو ترجیح دیتا تھا اور اس نے تجویز کی تھی کہ روس اگر افغانستان میں دخل نہ دینے کا وعدہ کرے تو اس کے عوض میں برطانیہ اُسے مرو پر پیشقدمی کرنے دے۔ اس کی نسبت میں روس مرو پر بہر صورت قبضہ کرنے والا تھا پس وہ صلاح دیتا تھا کہ اب جب کہ ہماری رضامندی کچھ قیمت رکھتی ہے افغانستان کی حفاظت کا سودا کر لینا عین مناسب ہوگا۔ ہارٹنگٹن نے اس تدبیر کو پسند کیا لیکن گریٹیل موید نہ تھا، اور اسے اختیار کرنا مخدوش سمجھا گیا۔

روس مرو پر قبضہ کرتا ہے ۱۸۸۴ء

متواتر اطمینان دلانے کے باوجود، آخر فروری ۱۸۸۴ء میں مرو پر قبضہ کر لیا گیا اور اب روسی سرحد اگر عملاً نہیں تو تقریباً شمال مغربی افغانستان سے آملی اور ہرات وہاں سے بلا دقت دسترس کے اندر آگیا[۵]۔ روسی خوب جانتے تھے کہ اس معاملے کو برطانیہ کس قدر اہم جانتی ہے لہذا اس علم کے باوصف ان کا یہ کام کر گزرنا ظاہر کرتا تھا کہ وہ انگریزوں سے چھیڑ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ روسی پیش قدمی کو بزور روک دینا ممکن نہ تھا۔ حکومت ہند نے بھی ایک مشترک جماعت ماہرین کو مقرر کرنے کی تحریک کی جس سے روسی بغیر عہد شکنی کئے ہوئے آگے نہ بڑھ سکیں۔ روسیوں نے اسے مان لیا اور اسی خریف میں سر پیٹر لمسڈن روانہ ہوا کہ روسی ماہر جنرل زیلنوی سے ملاقات کرے۔ یہ روسی جنرل ۱۳ اکتوبر کو سرحد پر پہنچنے والا تھا۔ اور شروع اکتوبر ہی میں خبر دی گئی کہ وہ علیل ہوگیا اور فروری تک نہیں پہنچ سکے گا۔ لمسڈن کام شروع نہ کر سکا اور انگریزی حکومت کی پیہم تاکید کے باوجود زیلنوی کی علالت کا سلسلہ سارے جاڑے ختم نہ ہوا۔ روسیوں کی وعدہ خلافی کو اس واقعے نے اور بھی نمایاں کر دیا کہ اسی زمانے میں ایک بڑی روسی فوج اس خطے پر مستولی ہوتی جاتی تھی جس کی ملکیت کو طے کرنا جماعت ماہرین کے تفویض ہوا تھا۔ اور اس سے وہ حدود مخدوش ہو رہی تھیں جن کو

---

[۵] فٹز موریس "لائف آف گرین ویل" وغیرہ وغیرہ۔

فن حرب کے اہل الرائے افغانستان کی دفاع کے واسطے ضروری گردانتے تھے۔ گرین ویل کو یقین ہوگیا تھا کہ زیلیے نوہی کی سفارت کو بسمارک کی تحریک سے نہیں تو کم سے کم تائید سے کھٹائی میں ڈال دیا گیا ہے کیونکہ بسمارک انگریزوں کی اس روش سے جھلایا ہوا تھا جو انہوں نے جرمانیہ کی نوآبادیاں حاصل کرنے کے متعلق اختیار کی تھی۔"

۱۴ فروری ۱۸۸۵ء کو ایک بے بنیاد افواہ لندن پہنچی کہ روسی ہرات پر چڑھائی کر رہے ہیں اور ۲۱ فروری کو خبر ملی کہ ان کی فوج پنج دہ کے قریب آگئی ہے۔ یہ سرسبز وادی اس علاقے کے اندر تھی جس پر افغانیوں کو دعویٰ تھا مگر روسیوں نے اعلان کیا کہ وہ اس دعویٰ کو بغیر بحث و حجت

پنج دہ کی نزاع ۱۸۸۵ء

نہ مانیں گے[۱۵]۔ برطانی حکومت نے مخالفت کی آواز بلند کی لیکن روسی حکومت نے اپنی بڑھی ہوئی چوکیوں کو ہٹانے سے انکار کیا اور یہ صراحت بھی کردی کہ فوجی سرداروں کو حکم دے دیا گیا ہے کہ کسی سے نہ الجھیں اور نہ لڑائی لڑیں۔ مگر افغانیوں نے حملہ کیا تو صرف اس صورت میں پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اُدھر گلیڈسٹن نے پنج دہ کے افغانی نگہبانوں کو مشورہ دیا کہ جن چوکیوں پر پہلے تھے وہیں پہنچ جائیں البتہ ان سے آگے قدم نہ بڑھائیں۔ روسیوں نے کمکی فوجیں طلب کیں اور مارچ کے آغاز میں حکومت ہند کو احکام پہنچ گئے کہ اپنی فوج ہندوستان میں تیار کرلی جائے کہ جنگ ہو تو وہ ہرات کو بچانے کے لئے بھیجی جاسکے۔ مقام متنازعہ پر سپاہی ایک دوسرے کے سامنے آئے تو ان میں اشتعال و اضطرار پیدا ہونے لگا اور معاملہ اتنا نازک ہوگیا کہ ملکہ نے زار کو تار دیا:۔ "اس تار کی وجہ تحریک میری یہ آرزو ہے کہ دونوں سلطنتوں میں کوئی غلط فہمی نہ رہنے پائے۔ افغانستان کی سرحد کی خبریں میرے سخت انتشار کا موجب ہیں۔"

---

[۱۵] روسی پہلو کے لئے دیکھو اسٹیڈ: "دی ایم پی فور رشیا"

برادر عزیز! میں تمہارے محسوسات حسنہ کو بہ منت متوجہ کرتی ہوں کہ ان مصائب کے روکنے میں، جو روس و افغانستان کی فوجوں کی لڑائی کا لازمی نتیجہ ہوں گی، جو کچھ تم سے ممکن ہو اس کے کرنے میں دریغ نہ کرو۔"

اب روسی حکومت نے جنرل زیلنے نوبی کے بھیجنے میں تاخیر کی یہ حجت نکالی کہ حد بندی کا تصفیہ کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس کے اصول طے کر لئے جائیں کہ آیا حدود کا محض جغرافی مصالح کی بنا پر فیصلہ ہوگا

جنگ کا خطرہ

یا باشندوں کی قومیت کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ پھر اس مسئلے کو طے کرنے کی غرض سے خود تجویز کی کہ روس کی جانب سے ایک شخص لندن بھیجا جائے۔ لیکن یہ اعتراض جواب روسیوں نے نکالے اگر صحیح تھے، تو ان کا ذکر گزشتہ سال ہونا چاہیے تھا۔ دوسرے غیر معین تاخیر کی صورت میں یہ اندیشہ قوی تر ہو گیا کہ یہاں تو بحث مباحثے ہوتے رہیں گے اور وہاں اس عرصے میں روسی فوجیں متنازعہ فیہ علاقے پر قابض ہو جائیں گی۔ مزید برآں ایک اندیشہ یہ تھا کہ گو افغان خود چھیڑ نہ بھی کریں لیکن لمسڈن کی موجودگی سے شہ پا کے ممکن ہے کہ روسی حملے کا جواب دیں۔ چنانچہ جس تصادم کی توقع تھی، ۳۰ مارچ کو واقع ہوا۔ افغانی جس مقام پر قابض تھے، وہاں سے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوئے اور جنرل کومارون نے، جو پنج دہ کے نخلستان پر قبضہ کرنے بڑھا تھا، ان پر حملہ کر دیا۔ یہ اطلاع پیٹرو گراڈ پہنچی تو برطانی سفیر نے صاف کہہ دیا کہ "اب لڑائی کا ٹلنا ممکن نہیں ہے اور مجھے یقیناً حکم مل جائے گا کہ رخصت کا اجازت نامہ طلب کروں۔"[1] زار مائل تھا کہ اپنے سپہ سالار کے فعل کو جائز تسلیم نہ کرے لیکن اخباروں کے اشتعال سے اسے دیدہ دلیری اختیار کرنی پڑی۔ ۲۷ اپریل کو گلیڈاسٹون نے پارلیمنٹ سے ایک کروڑ دس لاکھ کے خرچ کی اجازت لیتے وقت، روس کو الزام دیا کہ وہ خواہ مخواہ دراز دستی کر رہا ہے۔ جنگ ہونے کی صورت میں حکومت برطانیہ کو سلطان المعظم سے بھی مدد ملنے کی توقع تھی۔ مگر انہوں نے

---

[1] بیڈلی "رشیا ان دی ایٹیز" ۔

غیر جانب دار رہنے کی خواہش کی اور دوسری سلطنتوں سے دریافت کیا کہ آیا وہ آبنائے باسفورس میں اپنے جہاز بھیج سکتی ہیں کہ ٹرکی کی غیر جانب داری میں کوئی خلل نہ آسکے اس قسم کی اعانت کا کوئی سلطنت وعدہ نہ کرسکی۔ تاہم سب نے سلطان کو غیر جانب دار رہنے ہی کی صلاح دی[51]۔

پنج دہ کا تصفیہ

نزاع میں شدت آگئی تھی اور ممالک یورپ کے ہر پائے تخت میں لوگ جنگ کو ناگزیر سمجھتے تھے لیکن کوئی حکومت جنگ کی خواہاں نہ تھی دوسرے امیر اس وقت ہندوستان میں لارڈ ڈفرن کا مہمان تھا اور چاہتا تھا کہ جس طرح ہو اس کا ملک روس و انگلستان کی زور آزمائی کا دنگل بننے نہ پائے اسی لئے اس نے برطانی فوج کی مدد قبول کرنے سے انکار کردیا اور متنازعہ فیہ علاقے کا شمالی ٹکڑا روسیوں کے حوالے کردینے پر آمادگی ظاہر کی[52]۔ برطانی حکومت نے ثالثی کی تجویز کی تھی لیکن زار نے جواب دیا کہ کوماروف نے جو کچھ کیا بالکل بجا کیا اور میں اس کے افعال کے متعلق کسی قسم کی تحقیق تفتیش کی اجازت نہ دوں گا۔ انگریز وزرا صلح کی کوشش سے پھر بھی نہ اکتائے اور یہ جتا کے کہ زار کا انکار جنگ کے مرادف ہے، انہوں نے التجا کی کہ روس ثالث کا تقرر مان لے اور اس کے آگے یہ بھی کہہ دیا کہ ثالث مقرر ہونے سے کچھ ضروری نہیں کہ وہ عملاً کوئی کام بھی کرے۔ آخر زار شاہ ڈنمارک کو ثالث بنانے پر رضامند ہوگیا اور یہ قضیہ دب دبا گیا۔ تو اس نے پہلے جو انکار کیا تھا وہ ظاہر ہونے نہ پایا اور بعد کی رضامندی پر انگریز اہل الرائے نے کمال اطمینان و شادمانی ظاہر کی بجز دونوں ملکوں کے جنگ پرست اخباروں کے، جنہوں نے اس "ذلت" پر بہت کچھ شورشیں برپا کیں۔ رہی ثالثی، اس کا پھر کہیں ذکر تک نہ آیا اور آخرکار دونوں حکومتیں اس بات پر رضامند ہوگئیں کہ درۂ **ذوالفقار** افغانی علاقہ رہے۔

---

[51] دیکھو "Die Grosse Politik" " وغیرہ

[52] "لائف آف ڈفرن" جلد دوم باب ۲

اور پنج دہ روسی قبضہ میں دے دیا جائے تفصیلی اور عملی حد بندی ایک مشترکہ جماعت ماہرین کے تفویض کی گئی تھی جس نے اپنا کام ۱۸۸۷ء میں ختم کیا۔ اس طرح وہ بھاگ دوڑ اور چیخ پکار کا سلسلہ تمام ہوا جو اسٹولی ٹوف کی سفارت اور بیکنس فیلڈ کی مشرق آدنیٰ میں روسی ہوس ملک گیری کی جم کر مخالفت کرنے سے آغاز ہوا تھا۔

باب دوم

اتحادِ ثلاثہ

(۱)

روس کا غصہ بسمارک پر۔

سیاسیات اعلیٰ کے میدان میں، موتمر برلن کا نمایاں نتیجہ روس و جرمانیہ کی باہمی بے لطفی ہوا۔ اسلافی اقوام کے حامیوں نے زار کو مجبور کیا تھا کہ بلقانی مسیحیوں کی بغاوت کی پشت پناہی کرے۔ لہذا، میدانِ رزم کی فتوحات، عرصۂ بزم میں قربان کر دی گئیں تو ان لوگوں میں طیش و غضب کا شور برپا ہو گیا۔ بیساربیہ کی بازگشت اور باطوم و قارص کا الحاق، اس روپے اور خون کا بہت ادنیٰ معاوضہ نظر آتا تھا جو ترکی سے جنگ کرنے میں بے دریغ بہایا گیا تھا۔ آئی ون اکساکوف چلا اٹھا کہ "یہ موتمر نہ تھی، روسی قوم کے خلاف سازش تھی جس میں خود روس کے وکیل حصہ دار ہوئے۔ سینٹ پیٹرز برگ کا یہ طرز جہاں بانی، فرقۂ استیصالیہ (نہلسٹ) کی کوششوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ روس کے تاریخی مقصد کے خلاف یہ شرمناک غداری ہے جس سے اسلافی اقوام کی نظر میں روس کا احترام و اعتبار ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا۔

روس کو خود اس کے حکمرانوں نے سولی دے دی اور سر پر شہدوں کی ٹوپی، اور گھنٹی گلے میں باندھ دی[1] اخبار" ماسکو گزٹ" میں اخبار نویسوں کے بادشاہ، کاٹوف نے صاف صاف پکار دیا کہ جرمانیہ نے روس کو بیچ منجدہار میں دغا دی اور اب استنبول کا راستہ ہے تو برلن سے گزر کر ہے۔ **یومینی** یعنی وزارت خارجہ کے سب سے زبردست دماغ والے نے سرکاری اخباروں میں سخت و درشت مضمون لکھنے شروع کئے اور وزیر جنگ جنرل **ملوطین** علانیہ فرانس کے ساتھ اتحاد کی تدبیر کرنے لگا۔ **شوالوف**، برلن کی موتمر میں روس کا صدر وکیل تھا اور بسمارک نے اسے روس کا سب سے ہوشیار آدمی قرار دیا تھا، اسے اپنے عہدے پر لندن میں واپس آئے زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ برطرف کرکے عملاً اس کا تنزل کر دیا گیا۔ ادھر دیرینہ سال **گورٹ شاکوف** جس نے جنگ کریمیہ کے وقت سے روس کی حکمت عملی کی تشکیل کی تھی، ہر چند مجبور تھا کہ بہ اقتضائے سن گرفت سست کردے، تاہم اپنے اثر و رسوخ سے بالکل محروم نہیں ہو گیا تھا اور ۱۸۷۵ء کی افواہِ جنگ کے وقت سے ذاتی طور پر بسمارک سے دشمنی رکھتا تھا، جو سب کو معلوم تھی۔ پھر، خود زار، سان سٹی فانو کے فیصلے کی بجائے، برلن کی بین بین شرطوں پر صلح ہونے سے اسی طرح طیش میں آیا تھا جس طرح اسکی رعایا۔ غصے کو تیز کرنے کا ایک سبب یہ واقعہ تھا کہ جب فرانس و جرمانیہ کی جنگ ختم ہوئی تو شہنشاہ ولیم نے فتح کی تکمیل کے موقع پر اپنے بھانجے زار کو بڑے خلوص کے ساتھ یقین دلایا تھا کہ روس نے ہمارے واسطے جو کام کئے ہیں، میں انہیں کبھی فراموش نہ کروں گا۔ اب زار کو سخت شکایت تھی کہ بسمارک کی سرکردگی میں سارے یورپ نے روس کے خلاف جتھا باندھ لیا وہ ابھی تک پورے ساٹھ برس کا نہیں ہوا تھا لیکن اپنے عہد حکومت کی پریشانیوں اور ناکامیوں سے قبل از وقت ضعیف و بد مزاج بن گیا تھا۔ بسمارک کمال بے دردی سے کہا کرتا تھا کہ اس کا جسم و دماغ علیل اور فرسودہ ہو چکا ہے۔

---

[1] اے فیشل: "Der Panslavismus" صفحہ ۴۲۸

اور اس میں شک نہیں کہ موتمر برلن کے اگلے سال کے طرز عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ اس میں ضبط کرنے کی قوت نہیں رہی۔

زار کی دھمکیاں

جب زار نے یہ سنا کہ بین الاقوامی جماعتوں میں، جو حدبندی کے واسطے مقرر کی گئی تھیں، جرمن عمال ہر نزاعی موقعے پر روسیوں کا ساتھ دینے کی بجائے زیادہ تر آسٹریہ والوں کی تائید کرتے رہے تو عہدنامہ برلن سے اس کا غصہ بالکل بھڑک اٹھا[1] ۱۸۷۹ء کے موسم بہار میں اطالیہ سے، گیری بالڈی کے پیرو اور ہنگری کے سال خوردہ جنرل ٹور کے ذریعے، سلسلہ جنبانی کی گئی کہ آسٹریہ سے لڑائی چھڑی تو آیا وہ ساتھ دے گی؟ اور اسی طرح پیرس کو ٹٹول ٹٹول کے دیکھا گیا جس کی ویڈنگٹن نے بسمارک کو اطلاع دے دی، لیکن دونوں جگہ کوئی حسب دلخواہ نتیجہ نہ نکلا۔ جرمن اور آسٹروی سرحدوں پر روسی فوجیں جمع کی گئیں اور جون میں زار برلن جاتے جاتے عین وقت پر اس عذر سے رک گیا کہ اس کے چچا کا پنجاہ سالہ یوم عروسی پیش آگیا[2] ۸ اگست کو جرمن سفیر نے فرمانروائے روس کی پرغضب شکایت کے متعلق یہ اطلاع دی کہ "اگر جرمانیہ صد سالہ دوستی کو برقرار رکھنا چاہتی ہے تو اسے اپنی روش بدلنی پڑے گی۔ ورنہ یہ تعلقات، رنج دہ طریق سے ختم ہو جائیں گے"۔ بسمارک نے سفیر کا مراسلہ شہنشاہ ولیم کے پاس بھیج دیا جس نے جواب دیا کہ میرے بھانجے کو کورٹ شاکوف نے بہکا دیا ہے اور چند ہی روز میں وہ پھر راہ پر آجائے گا۔ لیکن یہ خوش آیند خیال خود

[1] جرمن ارکان کو ہدایت کی گئی تھی کہ جب روس و آسٹریہ میں اختلاف ہو تو وہ اکثریت کی تائید کریں۔ بسمارک کے آخر زمانے کی خارجہ حکمت عملی پر بہترین کتاب بعد اس کی اپنی تصنیف "رفلیکشنز" کے، پلیمپن نے لکھی ہے؛ یعنی " Bismarks........Reichsgrundung." گرانٹ روبرٹسن کی کتاب "بسمارک" بھی کارآمد ہے اور ارک مارکس نے "کیزر ولہلم اول" میں شہنشاہ کی سیرت کو کمال محققانہ طور پر لکھا ہے۔

[2] یعنی "Golden Wedding"

زار کے قلمی خط سے، جو اس نے ۱۵ اگست کو اپنے ماموں کو لکھا، کافور ہو گیا۔ اس خط میں جماعت ماہرین کے جرمن ارکان پر دوبارہ لے دے کی تھی اور اپنے مخاطب کو روس کی ۱۸۷۰ء کی خدمات یاد دلائی تھیں "جن کی نسبت آپ نے کہا تھا کہ کبھی فراموش نہ ہوں گی" اور یہ بھی اضافہ کر دیا تھا کہ میں اس خوف کو چھپا نہیں سکتا کہ (اس بے لطفی کا) نتیجہ دونوں ملکوں کے حق میں مصیبت انگیز ہوگا[1]۔ لب و لہجے کی درشتی نے قیصر جرمانیہ کو غصّے کی بجائے رنج زیادہ دیا اور اس نے جواب کا مسودہ لکھنا بسمارک کے تفویض کیا۔ صدر اعظم نے گاسٹین سے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ اس قسم کی کھلی ہوئی دھمکیوں کا خط لکھا جانا جس میں مجھے ملوطین کا ہاتھ نظر آتا ہے، قابل افسوس ہے اور اگر قیصر نے بھی اسی طرح ترکی بہ ترکی جواب دیا تو عجب نہیں کہ لڑائی کی نوبت پہنچ جائے۔ دوسری طرف زار کی منت سماجت کرنے کے معنی صرف یہ ہو سکتے کہ ایسے ڈراوے دھمکا دینے میں اسے اور بھی شیر کر لیا جائے۔ باقی رہی ۱۸۷۰ء کی احسان مندی، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جرمانیہ آسٹریہ سے اپنے دوستانہ روابط بالائے طاق رکھدے۔ قیصر نے بھانجے کو ۲۸ اگست کو جواب میں خط لکھا جس کا مسودہ صدر اعظم نے تیار کیا تھا اور اس میں جرمن عمّال کو روسیوں کے خلاف احکام دینے یا بسمارک کے روس سے مخالف ہونے کی تردید کی۔ نیز وہ موقعے یاد دلائے جن میں آسٹریہ اور جرمانیہ نے روسی اغراض کی تائید و امداد کی تھی۔

اس وقت تک قیصر جرمانیہ تو ذاتی طور پر اس کشیدگی کو ایسا نہ سمجھتا تھا جو رفع دفع نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے مختار کل وزیر کے دل میں اتر گئی کہ جرمن

بسمارک کی نئی حکمت عملی۔

حکمت عملی کو دوسرا رنگ دینے کا وقت آ گیا ہے۔ ۱۸۷۰ء کے "ڈر سے کیز ربند" کو اس وقت بڑا صدمہ پہونچا جب کہ الکزنڈر اور گورٹشاکوف ۱۸۷۵ء

[1] اتحاد ثنوی کی بنیاد پڑنے کے متعلق مراسلات "ڈائی گروسی پالی ٹک" (جلد سوم) میں چھپے ہیں۔ اس باب میں جن عہدناموں کا ذکر آیا ہے وہ پربرم نے "سیکرٹ ٹریٹیز اوف آسٹریہ ہنگری" میں چھاپ دیئے ہیں۔ نیز دیکھو ورٹھیمر وغیرہ وغیرہ

میں برلن دوڑے آئے اور پھر ۱۸۷۶ء میں جب کہ گورٹ شاکوف نے ایک عہدنامے کی تجویز کو مسترد کیا، جس میں جرمن اس شرط پر روسیوں کی مشرق ادنیٰ میں حکمت عملی کی پوری سرگرمی سے تائید کرنے پر آمادہ تھے، کہ اس کے عوض میں وہ جرمنوں کے السائس لورین لے لینے کے حامی ہو جائیں۔ آخر میں جب زار نے ترکی سے لڑائی چھیڑتے وقت دریافت کیا کہ اگر روس کی آسٹریہ سے جنگ چھڑی تو آیا جرمانیہ غیر جانب دار رہے گی۔ تو اس کو روکھا پھیکا جواب مل گیا۔ یعنی، پہلے تو بسمارک اس پریشان کن سوال کو بہت ٹالتا رہا۔ لیکن جب کسی طرح نہ بچا گیا تو اس نے جواب دیا کہ جرمانیہ اپنے دوستوں کی جنگ میں ہار جیت کو تو بے شبہ انگیز لے گی مگر ان میں سے کسی کو ایسا صدمہ نہ پہنچنا چاہیے کہ اس کی دولت عظمیٰ ہونے کی حیثیت ہی معرض خطر میں پڑ جائے۔ غیر جانب داری کے اس طرح وعدہ نہ کرنے سے گورٹ شاکوف اور اس کے آقا کو بہت غصہ آیا اور جب شووالوف نے کہ جرمنوں کا دوست تھا، موتمر برلن کے انعقاد سے پہلے اتحاد کی سلسلہ جنبانی کی تو بسمارک نے عذر کیا کہ اس قسم کے اتحاد میں جرمانیہ کا پلا ہلکا رہے گا، بسبب محل وقوع کے اور بلحاظ اس کے کہ روس کی شخصی حکومت کے لئے سہل تر ہوگا کہ وہ اس رشتۂ اتحاد کو جب چاہے قطع کر دے۔ اس نے کہا کہ میری ہمیشہ کی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ روس کے ساتھ دوستی بڑھائی جائے مگر اپنے ملک کو صرف اسی کے سہارے پر نہ چھوڑ دیا جائے۔ موتمر برلن میں اس نے اپنی حیثیت صرف دیانت دار دلال کی سی قرار دی اور بعد میں بھی ہمیشہ کہتا رہا کہ میں نے روسیوں کے فوائد کا جس قدر چاہیے برابر لحاظ رکھا۔ ۶ فروری ۱۸۸۸ء کی معرکہ کی تقریر میں بھی اس نے لوگوں کو بتایا کہ "میں اپنے طرز عمل کی نسبت بالکل یہ سمجھتا تھا کہ گویا میں روسیوں کا تیسرا قائم مقام ہوں۔ روسیوں کی کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو مجھ تک پہنچی ہو اور میں نے قبول کرکے اس کی انجام دہی نہ کی ہو۔ میرا رویہ ایسا تھا کہ موتمر کے ختم ہونے پر میں دل میں کہتا تھا کہ اگر ابھی تک دولت روس

روسیوں کی ناشکری

کے اعلیٰ ترین تمغے میرے سینے پر نہیں ہیں تو اب ضرور میں ان کا مستحق ہوں مجھے احساس ہوتا تھا کہ میں نے ایک غیر سلطنت کی ایسی خدمت کی ہے جو منصب وزارت کا کوئی حامل مشکل ہی سے انجام دینے کے قابل ہوتا ہے اسی لئے اس شورش و جدال نے مجھے متحیر کردیا۔ اعتراضات نے بڑھتے بڑھتے ۱۸۷۹ء میں اس حاکمانہ مطالبے کی صورت اختیار کرلی کہ آسٹریہ پر دباؤ ڈالا جائے میں اس کو قبول نہ کرسکا۔ کیونکہ اگر ہم آسٹریہ کو بیگانہ بنالیں گے تو یا تو ہم کو سبھی سے قطع تعلق کرلینا ہوگا اور یا خواہ مخواہ روس کا دست نگر ہونا پڑے گا۔ کیا یہ صورت گوارا کی جاسکتی ہے؟ ایک زمانہ میں میں سمجھتا تھا کہ اسے بھی گوارا کرلیا جائے کیونکہ جب اغراض میں کسی مخالفت کا وجود نہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ روس رشتۂ دوستی کو قطع کردے گا۔ لیکن موتمر برلن کے واقعات نے مجھے مایوس کردیا اور میرے ذہن نشین ہوگیا کہ ہم اپنی حکمت عملی کو عارضی طور پر بھی بالکل (روسیوں کے منشاء کے) ماتحت کردیں، تو بھی عناد و مخالفت سے محفوظ نہیں رہ سکتے "

موتمر برلن میں روس کی جو تائید بسمارک نے کی، یہ اس کا مبالغہ آمیز بیان تھا۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس پر دغابازی کا اتہام لگانے یا یہ سمجھنے کا بھی کوئی موقع نہ تھا کہ بسمارک کی ایک ہاں، سان سٹی فانو کے عہدنامے کو منوا دینے کے لئے کافی ہوتی۔ لیکن روسی اس کو دغابازی کا الزام

بسمارک، آسٹریہ کو پسند کرتا ہے

دیئے جاتے تھے۔ اور ان کی اور زار کی یہی بیہودہ بدمزاجی دیکھکر اس کے ذہن میں روز بروز یہ خیال ترقی کرتا گیا کہ مشترک خطرے کے مقابلے میں، آسٹریہ کے ساتھ کوئی دفاعی اتحاد کرلیا جائے۔ اس کا بیان ہے کہ جتھے بندی کے خیال سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ دو بڑی سلطنتوں سے ہم لڑے اور فتحمند ہوئے۔ اب سارا مدار اس بات پر ہے کہ ان دو میں سے کم از کم ایک کو ہم اتنا سمجھا بجھالیں کہ اس کے دل میں کوئی غبار یا کینہ باقی نہ رہے۔ فرانس تو وہ ہو نہیں سکتا؛ عہدنامہ زائخ شاٹ نے یہ خطرہ بھی بے نقاب

کر دیا ہے کہ کاؤنٹنز کی وہ حزب اتحاد جس میں فرانس، آسٹریہ اور روس شامل ہوں پھر تازہ ہو سکتی ہے۔ پس مجھے آسٹریہ اور فرانس میں سے کسی ایک کو منتخب کر لینا ضروری ہے۔ مادی قوت کے اعتبار سے، روس کے ساتھ دوستی مفید مطلب ہوگی اور چونکہ میرے نزدیک آسٹریہ کی یکبارگی اسلافی اور کیتھولک آبادیوں میں جو عارضی ہیجان اور جوش و خروش بپا ہوا، وہ اتنا معتبر نہیں ہے جس قدر کہ شاہی خاندانوں کے دیرینہ تعلقات اور پاس وضع کے مشترکہ جذبات، لہٰذا ہنگری اگر صرف اپنے منافع پر نظر رکھے تو ہمیشہ جرمنوں کی دوست ہوگی لیکن وہ آسٹریہ سے بیزار رہے اور آسٹریہ کے جرمن باشندے بھی خاندان شاہی سے اکثر بیگانگی اختیار کر لیتے ہیں"

ہیپس برگ بادشاہی کو حلیف بنانے میں جو صریحی خرابیاں تھیں، ان کے باوجود بسمارک کے تذبذب کو اس واقعے نے بالکل دور کر دیا کہ جن دنوں زار دھمکیاں دے رہا تھا ٹھیک اسی وقت اطلاع ملی کہ اندراسی عہدہ وزارت سے دست کش ہونا چاہتا ہے۔ بسمارک ڈرا کہ کہیں اس کا جانشین فرانس یا روس کا کوئی طرفدار نہ مقرر ہو جائے۔ لہٰذا اس نے اندراسی کو لکھا کہ اگر گاسٹین یا اور کسی جگہ ملاقات کر سکو تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ آسٹریہ کا یہ وزیر خارجہ خود بھی بسمارک سے کچھ کم مشتاق نہ تھا کہ روس کے مقابلے میں کوئی قابل اطمینان صورت نکل آئے کیونکہ برلن میں انگریزوں کی مدد سے اس نے بھی روسیوں کو زک پہنچائی تھی۔

گاسٹین کی گفتگو

چنانچہ اس نے ۲۷ اگست کو گاسٹین پہنچنے کا انتظام کیا اور آئندہ دو روز تک وہاں بہت طول طویل اور پرخلوص گفتگو ہوتی رہی۔ صدر اعظم نے ذکر چھیڑا کہ روس، جرمانیہ کی رائے کو آسٹریہ کے خلاف کر لینا چاہتا ہے۔ "اگر میں انکار کرتا ہوں تو روسیوں سے فقط آسٹریہ کی خالی خوشنودی کی خاطر، بگاڑ ہوتا ہے"۔ تب اندراسی نے روسیوں کی جنگی تیاریوں، دھمکیوں، اور مطالبات کے شکوے کا دفتر کھولا اور آخر میں کہا کہ "ویانا کو زار پر بھی بھروسہ نہیں رہا ہے اور آسٹریہ، فرانس اور برطانیہ ہم آہنگ رہنے پر رضامند ہو گئے ہیں"

صدر اعظم نے پوچھا "بھلا یہ تو بتائیے کہ اگر روس نے بلا اشتعال جرمانیہ پر حملہ کر دیا تو اس صورت میں آسٹریہ کیا کرے گی۔؟" اندراسی نے کہا "وہ پوری قوت سے تمہاری اعانت کرے گی" بسمارک نے کہا "اگر یہ بات ہے تو کیا آسٹریہ کسی عہد امن جوئی پر غور کرے گی۔ جرمانیہ کو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہئیے" اندراسی نے جواب دیا "یہی ہمارا منشا ہے۔ امیر کبیر البرخٹ تک کا اب خیال یہ ہو گیا ہے کہ آسٹریہ کی سلامتی جرمانیہ سے وابستہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں جرمن اتحاد کے ساتھ مگیار وجرمن دونوں کی وفاداری کا وعدہ کر سکتا ہوں" پھر دونوں وزیروں نے طے کیا کہ اپنے بادشاہ سے مشورہ کر لینے کے بعد دوبارہ وی آنا میں ملاقات کریں۔ قیصر ولیم نے فوراً تار دیا کہ "میں وی آنا جانے کو ناممکن سمجھتا ہوں" لیکن بسمارک نے جواب میں لکھا کہ میں اندراسی کو یہ اطلاع دینے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا کہ میرے آقا نے مجھے وی آنا آنے کی ممانعت کر دی ہے۔ اور یہ سن کر قیصر دب گیا۔ اندراسی کے ساتھ جو کچھ گفتگو ہوئی تھی، اسے ۳۱ اگسٹ کو تفصیل سے سنا کر بسمارک نے حجت کی کہ چونکہ زار کی دھمکیوں کے باعث حکومت روس پر جو کچھ بھروسہ تھا وہ بالکل جاتا رہا۔ لہذا جرمانیہ کی سلامتی کے واسطے آسٹریہ سے ایک دفاعی معاہدہ ہو جانا ناگزیر ہے۔ بغیر اس کے روس ہم پر حملہ کرے گا اور آسٹریہ فرانس کی شریک ہو جائے گی، اگر جرمانیہ نے فوراً آسٹریہ کو اپنا نہیں بنا لیا تو بہت ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت وہ اس کی اعانت نہ حاصل کر سکے۔

اُدھر پہلی ستمبر کو اندراسی نے نہایت مسرت سے بسمارک کو خط لکھا کہ میں نے شہنشاہ کو اس انتظام کے مفید بلکہ ضروری ہونے پر اس درجہ متیقن پایا کہ کسی مزید دلیل کی حاجت ہی نہ پیش آئی۔ اس کا خیال ہے کہ یہی قرارداد سے تینوں سلطنتوں میں امن قائم رہنے کے پختہ ارادے میں کوئی خلل نہیں پڑتا بلکہ ہر وقت کے خطرے کی جو سل چھاتی پر دھری ہوئی ہے، اسے ہٹانے کی شکل ہی سوائے اس کے اور کوئی نظر نہیں آتی۔ قیصر ولیم سے آپ کی اجمالی منظوری حاصل کرتے ہی، مجھے مجاز کر دیا گیا ہے کہ آپ سے مسودہ لکھوا کے منگواؤں اور ایک

خود تیار کروں۔ یہ معاملہ طے ہونے تک میں اپنے عہدے پر رہوں گا اور میرا جانشین جسے میں نے سب حالات سے مطلع کر دیا ہے، پورا اتفاق رکھتا ہے جس وقت تک وہ مشغل، جسے زار کسی قدر بلا ارادہ گھمار ہا ہے، گل نہ ہو جائے گی، اور جب تک مجھے یہ علم رہے گا کہ یورپ کا امن کسی میلوٹین اور پوبیئی، بلکہ تھوڑے ہی دن میں یقیناً کسی اگناٹیف جیسے آدمی کے ہاتھ میں ہے، اس وقت تک مجھے اطمینان خاطر نصیب نہ ہو گا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ زار کو ابھی جنگ کرنے کی خواہش نہیں ہے۔ لیکن میں اس بات کو بھول نہیں سکتا کہ جو لڑائی ابھی ختم ہوئی ہے، اس کی بھی زار کو خواہش نہ تھی۔ غرض اس خطرے کا سدباب کرنا میرے نزدیک یورپ کی مشترکہ ضرورت ہے۔"

بسمارک نے اندراسی کے خط کا شکریہ اور یہ جواب لکھا کہ "بد قسمتی سے جغرافی اور سیاسی حالات کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ میرا کام اتنی جلد تمام کو نہیں پہنچ سکتا۔" مجھے اپنے بیٹے کو ساٹھ صفحے املا کرانے پڑے اور تاروں

قیصر کے اعتراضات

اور دوسرے حواشی سے مطالب کی مزید شرح کرنی پڑی مگر ساری محنت و مشقت کے باوجود میں اس اندیشے کو پوری طرح دور نہ کر سکا کہ ہماری امن جویانہ تجویز کی تہ میں ممکن ہے قدرے پیش دستی کے ارادے چھپے ہوئے ہوں۔ اور یہ خیال ایک بیاسی برس کے مرد بزرگ کو خوش نہیں آتا۔ اسے تو زار کے بطون کا اندازہ بھی حال میں اس طرح ہوا جیسے جھلک سی نظر آجاتی ہے حالانکہ مجھے گزشتہ کئی سال سے چار و ناچار حقیقت حال کو سمجھنا پڑا۔ اگر قیصر کو اس قسم کی مجبوری پیش آئی کہ ہمسایہ سلطنتوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنا پڑا تو یہ اس کے لئے سخت آزمائش کا وقت ہو گا۔ ہمارے خاندان شاہی پر عادت کا بڑا بھاری اثر ہے۔ دوسرے خود زار اب خوفناک زحل کی بجائے، جلد سے جلد سورج دیوتا کا روپ دھارنے کی فکر میں ہے۔ آخری تہدیدوں کے ایک ہفتے ہی کے بعد اس نے دوستانہ خط لکھا کہ ایک جرمن سردار کو وارسا بھیجا جائے۔ ہمارے بادشاہ نے یہ دعوت قبول کی اور مجھے پہلے سے

علم ہوئے بغیر اطلاع دی کہ سپہ سالار **مان ٹوفل** کو وارسا بھیجا جائیگا۔ مان ٹیوفل سے ملاقات میں دوستانہ روابط بڑھانے کے متعلق خاصی آمادگی ظاہر کی گئی، لیکن اس کی صداقت اور عمل میں آنے پر مجھے اعتماد نہیں ہوسکتا۔ آج کی تاریخ **الکزنڈر دوم** میں جو ملاقات ہونے والی ہے اس کی نسبت بھی مجھے معلوم نہیں کہ اس نے یہ تجویز کی تھی یا روسیوں نے"

قیصر نے بسمارک کو یقین دلایا تھا کہ میں الکزنڈر دوم محض یہ پتہ چلانے کی غرض سے جا رہا ہوں کہ "اس ناقابل فہم خط" کی اصلیت کیا تھی۔ نیز صدر اعظم کو تہمتوں سے بری کرنا مقصود ہے۔

قیصر اور زار

دونوں بادشاہ ۳ ستمبر کو ملاقی ہوئے، تو زار جو اس ملاقات کا محرک تھا، اپنے دلکش ترین رنگ میں تھا۔ اس نے تاسف ظاہر کیا کہ ۱۵ اگست کے خط نے (قیصر کو) ملال پہنچایا اور کہا کہ بس اب اسے یہ سمجھئے کہ گویا لکھا ہی نہیں گیا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ دھمکی دینے کا تو مجھے خیال تک نہ ہوسکتا تھا البتہ میں توجہ دلانا چاہتا تھا کہ اگر دونوں ملکوں کے اخبار اسی طرح ایک دوسرے پر طعن تعریض کرتے رہے تو مخاصمت کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ یورپ کا امن، ماضی کی طرح، مستقبل میں بھی اسی وقت سلامت رہ سکتا ہے جب کہ پروشیہ اور روس کے باہمی تعلقات اچھے رہیں۔ یورپ کی تحقیقاتی جماعتوں میں جرمن عمال کی مخالفانہ رائے دہی سے لوگ بہت جھلائے کیونکہ روس کی کوشش محض یہ تھی کہ مسیحی آبادیوں کی حالت کی درستی کی جائے۔ اس میں جرمنوں کی مخالفت سے ترکوں کو اپنی ہیکڑی میں اور بھی تقویت پہنچ گئی۔ بسمارک نے ظاہر اگورٹشاکوف کا ۱۸۷۵ء والا احمقانہ خط فراموش نہیں کیا۔ لیکن گورٹشاکوف تو اب زندوں میں نہیں ہے"۔ قیصر نے جواب میں کہا کہ مجھے خط سے واقعی میں رنج ہوا تھا مگر اب یہ سن کر کہ دھمکی دینا مقصود نہ تھا، مجھے خوشی ہوئی۔ رہا بسمارک تو وہ حیران ہے کہ باوجود اپنی آراء میں کوئی تبدیلی نہ ہونے کے، روس کے نیم سرکاری اخبار جو حملے کر رہے ہیں، اس کا مطلب کیا ہے؟ جرمن عمال

کو ہدایت کردی گئی تھی کہ ہر معاملے میں جس میں روس و آسٹریہ متفق ہوں، وہ بھی ان کے ساتھ رائے دیں۔ البتہ اختلاف کی صورت میں، وہ اکثریت کی طرف رائے دیں۔ زار سے ملاقات کے دوسرے دن قیصر نے صیغہ خارجہ کے منصرم صدر گائرز اور وزیر جنگ جنرل میلوٹین سے باتیں کیں۔ ان میں سے پہلے وزیر نے غلط فہمی کے رفع دفع ہوجانے پر اطمینان ظاہر کیا اور دوسرے نے ترکی جنگ کے بعد کثیر التعداد فوجوں کو ہتھیار رکھنے کی وجہ یہ بیان کی کہ انگلستان اپنے قنصلوں کے ذریعے ایشیائے کوچک میں تنظیم اور اسلحہ بندی کر رہا ہے اور مشرق ادنی میں پھر جنگ ہونے والی ہے جس میں انگلستان کو آسٹریہ مدد دے گی اور ممکن ہے کہ فرانس بھی ہو۔

قیصر جرمانیہ الکزنڈر دوم سے کامل یقین کے ساتھ کہ روس کا خطرہ محض وہمی تھا، واپس آیا۔ بسمارک کو اپنی گفتگو کی اطلاع بھیجتے وقت اس نے یہ بھی لکھا کہ زار یا اس کا بڑے سے بڑا کوئی معتمد علیہ جرمانیہ سے لڑنے کا ذرا بھی خواستگار نہیں ہے۔ پس اپنی قدیم روش

قیصر کی حکمت عملی

کو بدلنا غیر ضروری ہے اور روس کے مقابلے میں جتھا بنانے کی تو بالکل ہی ضرورت نہیں پائی جاتی۔" تم تھوڑی دیر کے لئے اپنے تئیں میری جگہ فرض کرو۔ ایک ذاتی دوست، قریبی عزیز اور حلیف میرے سامنے ہے اور ایک خط کے چند فقروں کے متعلق گفتگو ہے جو بہت عجلت میں لکھے گئے تھے اور بے شبہ ان کا مطلب سمجھنے میں غلطی بھی ہوئی۔ ملاقات کا نتیجہ بہت قابل اطمینان ہوتا ہے یعنی غلط فہمی دور ہو جاتی ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا ایسے بادشاہ کے خلاف میں پس پردہ کسی جتھے میں شریک ہو جاؤں؟ میں قطعی طور پر اس بات کی تردید نہیں کرتا کہ تم نے اپنی یادداشتوں میں جن خطرات کا ذکر کیا ہے وہ ایک روز پیدا ہو سکتے ہیں۔ خاص کر جب کہ کسی نئے زار سے سابقہ پڑے۔ لیکن فوری خطرہ سر پر تلا ہو مجھے نظر نہیں آیا۔ محض احتمالی صورت کی خاطر اپنے ہاتھ باندھ لینا میرے سیاسی اصول اور ضمیر کے خلاف ہے۔ میں تمہاری تردید یا اندرا سی اور اس کے آقا کے ساتھ جو کچھ معاملہ تم نے کیا ہے اس سے اپنی برائت ہرگز نہ کروں گا اور

تم شوق سے اس موقع کے متعلق گفتگو کر سکتے ہو جب کہ نارضامندی، ممکن ہے قطع تعلق کی صورت اختیار کر لے، اس کے لئے تم ممکنہ تدابیر طے کر سکتے ہو لیکن باقاعدہ معاہدہ ایک طرف میں تم کو کسی قرارداد کر لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ اس طریق سے مجھے امید ہے کہ ہم اور تم پھر ہمخیال ہو جائیں گے، ایسا ہوا تو مجھے مستقبل کی نسبت بالکل اطمینان ہو جائے گا اور روس کے ساتھ تعلقات قائم رہنے کی، جو روز بروز زیادہ دوستانہ ہوتے جاتے ہیں، قوی امید رہے گی۔ ورنہ زمانہ آئندہ کے متعلق طرح طرح کے اندیشے رہیں گے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس اتفاقی واقعے نے مجھے کیسا صدمہ پہنچایا جب کہ سترہ برس میں پہلی مرتبہ ایسا معلوم ہوا کہ گویا ہم اور تم ہمخیال نہیں رہے"۔

الکزنڈر دوم کی ملاقات ہی سے بسمارک نے بادشاہ کو روکنا چاہا تھا اور اس کی کیفیت سن کر اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اس نے قیصر کو سمجھایا کہ روس پر حملہ کرنے کا خیال تک ہمارے دلمیں نہیں ہے۔ لیکن اگر آسٹریہ پر حملہ ہوا اور اس کی سلامتی خطرے میں پڑی تو اتحاد ہو یا نہ ہو، ذاتی اغراض کی خاطر جرمانیہ مجبور ہوگی کہ اس کی مدد کرے۔ کیونکہ فتحمند روس، مغلوب آسٹریہ اور معاند فرانس کے بیچ میں رہ کر جرمانیہ کو اپنے مرتبے پر قائم رہنا دشوار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ، آسٹریہ سے لڑنے کی بجائے روس اسے سلیشیہ کا لالچ دے کے اپنی طرف ملا سکتا ہے۔ ہمارے ساتھ زار کی دوستی صرف اس وقت تک ہے جب تک کہ فرانس یا آسٹریہ یا دونوں اس کے قابو میں نہ آجائیں اور ہمارا آسٹریہ سے عہد و پیماں ہو گیا تو زار کو بھی اس کی اطلاع دے دی جائے گی"۔

جس وقت صدر اعظم اپنے آقا سے قدم بڑھانے کی اجازت کے واسطے کشمکش کر رہا تھا۔ اسے اپنی رائے میں بویریہ کی تائید حاصل ہو گئی، جو بیرونی معاملات میں خاص وزن رکھتی تھی۔ ۱۰ ستمبر کو اس نے لڈوگ شاہ بویریہ کو خط لکھا کہ "روس کی حکمت عملی پر" "اتحاد اسلافیان" کے انقلاب انگیز اور جنگ جویانہ میلانات پوری طرح غالب آگئے ہیں۔ شوالوف معتوب دخوار

بسمارک کا مشورہ بویریہ سے۔

ہے۔ سربرآوردہ وزیر، ہیلوٹین وزیر حربیات ہے جس نے فوج کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے۔ زار ترکی سے لڑنے کا خواہشمند نہ تھا مگر انہی "اتحاد اسلافیاں" کے عام جذبات نے اسے مجبور کر دیا اور ممکن ہے کہ دوبارہ بھی مجبور کر دیں، نظر براں حالات، میں کسی طرح اس اذعان کو اپنے ذہن سے دور نہیں کر سکتا کہ مستقبل اور شاید بالکل قریب زمانے میں، امن شکنی کا اندیشہ روس اور شاید صرف روس کی طرف سے ہے۔ فرانس اور اطالیہ میں اس نے معین و مددگار ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی، وہ نہیں چلی اور اب وہ ہم سے ایسے تہدید آمیز مطالبات کر رہا ہے جن کی وجہ سے ہمیں خواہ مخواہ اسے یا آسٹریہ کو انتخاب کر لینے کا فیصلہ کرنا پڑے اور اسی کے ساتھ مشرقی مسائل میں اپنے عمال کو یہ ہدایت کرنی پڑے کہ مشکوک معاملات میں وہ روس کے حسب منشا رائے دیں۔ حالانکہ ہماری دانست میں موتمر برلن کے فیصلوں کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ آسٹریہ فرانس اور انگلستان ایک طرف ہیں اور انہی کی جرمانیہ کو تائید کرنی چاہئے کہ روس بشمول اطالیہ یا بغیر اس اکثریت نہ حاصل کر سکے۔ اب اگر ہم آسٹریہ سے اتحاد نہیں کریں گے تو پھر اس کے فرانس یا روس سے متحد ہو جانے میں، اس پر کوئی الزام نہ رہے گا۔ پھر چونکہ اندراسی عہدے سے دستکش ہونے والا ہے لہذا اس وقت ہمارے لئے آخری موقع یہی رہ گیا ہے" آخر میں صدر اعظم نے شاہ بویریہ کی ایک لطیف پیرائے میں ستائش یہ کی کہ اسے لکھا کہ صرف دو شہنشاہوں کو اس معاملے کی اطلاع ہے، شاہ بویریہ نے فوراً جواب میں لکھا کہ میں پوری طرح آسٹریہ سے اتحاد کا موید ہوں ؏

اب سب سے اہم مسئلہ اپنے آقا کو ہمرائے بنانے کا درپیش تھا۔ اور ہوسٹین کی صلاح سے بسمارک نے شہزادہ **ہوہن لوہے** کو جو ان دنوں پیرس میں سفیر تھا، گاسٹین بلا بھیجا[1] ہوہن لوہے ملتے آتے ہی ہوسٹین سے اپنا دلی منشا یہ بیان کیا کہ خود میں

قیصر کو ہر طرف سے گھیرا جاتا ہے

---

[1] "Denkwurdigkeiten" جلد دوم۔ ۲۷۴ تا ۲۷۷

بسمارک کا ہمخیال نہیں ہوں"۔ اول تو مجھے آسٹریہ پر بھروسہ نہیں۔ دوسرے میں نہیں سمجھتا کہ روس فی الواقع دشمنی پر آمادہ ہے۔ اور آخر میں یہ کہ آسٹریہ اور جرمانیہ کے اتحاد سے، میری دانست میں لازماً روس و فرانس کا اتحاد وجود میں آئے گا۔۔۔ اور اس کے معنی جنگ ہیں، لیکن دوسرے دن جب وہ صدر اعظم سے ملا تو یہ تمام شبہات کافور ہوگئے۔ وہ اپنے روزنامچے میں لکھتا ہے کہ اُس نے مجھے ضرورت ہونے کا قائل کر دیا۔ وہ کہتا ہے کہ آسٹریہ روس کی دھمکیوں کے مقابلے میں تنہا ڈٹی نہیں رہ سکتی۔ وہ خواہ مخواہ روس یا فرانس کے ساتھ اتحاد کی صورت نکال لے گی اور ان دونوں صورتوں میں جرمانیہ کے الگ پڑے رہ جانے کا اندیشہ ہے۔ الکزنڈر دوم کی منحوس ملاقات کی وجہ سے قیصر مخالفت پر اڑا ہوا ہے بسمارک استعفے کی دھمکیاں دے رہا ہے اور قیصر تخت سے دست بردار ہو جانے کی۔ اب بسمارک مجھ سے کہہ رہا ہے کہ قیصر سے مل کر بات چیت کروں"۔

۱۶ ستمبر کو مجلس وزرا کے نائب صدر، کونٹ اسٹول برگ نے صدر اعظم کو اطلاع دی کہ قیصر ایک عام دفاعی معاہدے کو منظور کر لے گا لیکن اس سے زار کو آگاہ کر دینا لازمی ہوگا۔ بسمارک نے فوراً اندراسی کو خبر دی کہ میرا آقا "اصولاً" میری رائے کو مان گیا ہے اور زبانی بحث و گفتگو کی تجویز کی۔ چنانچہ ۲۱ ستمبر کو وہ بہت خوش خوش گاسٹین سے ویانا روانہ ہوا۔ اپنی کتاب "افکار" میں لکھتا ہے کہ "اس طویل سفر میں اسٹیشنوں پر جس طرح میرا استقبال ہوا اس نے میرے اس احساس کو قوی کر دیا کہ میں حقیقت میں جرمن علاقے کے اندر ہوں۔ ویانا میں بھی میں نے لوگوں کا یہی رنگ دیکھا۔ اژدھام کثیر میں سے پیہم نعرہائے خیر مقدم بلند ہوتے تھے۔ گزشتہ لڑائیوں نے خون کے رشتے کو بالکل نسیاً منسیا نہیں کر دیا ہے۔ خود شہنشاہ بہت لطف و مدارات سے پیش آئے" گاسٹین کی بحث دوبارہ چھیڑی گئی۔ بادشاہ، اندراسی، اس کا نامزد شدہ جانشین ہیمرلے اور ہنگری کا وزیر اعظم کولومن ٹِس زا شریک گفتگو تھے۔ اگرچہ بسمارک کا اصلی مقصود روس کے مقابلے میں تحفظ تھا، لیکن اس نے

فرانس کے حملہ کرنے کی صورت میں بھی امداد کی خواہش ظاہر کی۔ اصل میں اس کے آقاہی نے منع کر دیا تھا کہ صرف روس کے خلاف شرائط اتحاد طے نہ کئے جائیں۔ اندراسی نے جواب میں کہا کہ آسٹریہ کا فرانس سے کوئی جھگڑا نہیں اور نہ اس سے لڑائی چھیڑنے کی کوئی وجہ ہے۔ نیز یہ معقول حجت کی کہ اس قسم کے معاہدے سے فرانس و روس کو بھی باہم اتحاد کرنا پڑے گا۔ بسمارک نے پہلے عذر کے جواب میں کہا کہ اگر آسٹریہ فرانس کے مقابلے میں جرمانیہ کی معاونت کرے گی تو ہم اطالیہ کے مقابلے میں آسٹریہ کے یاور و مددگار رہوں گے حالانکہ اطالیہ کے ساتھ جرمانیہ کی کوئی نزاع نہیں ہے۔ اندراسی نے پلٹ کر کہا، آسٹریہ کو اطالیہ کے مقابلے میں کسی اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم، اگر فرانس کی مدد پر روس ہوا تو آسٹریہ جرمانیہ کا ساتھ دے گی۔

بسمارک نے خیال ظاہر کیا کہ عہد اتحاد کو مضبوط و مستقل بنانے کی غرض سے اسے برلن، ویانا اور بوداپسٹ کی مجالس وضع قوانین میں پیش کر کے منظوری لے لی جائے۔

اندراسی اور بسمارک کی کشاکش

اندراسی نے کہا کہ اس طرح علانیہ عہد کرنے سے اشتعال پھیلے گا۔ کیونکہ یہ عہد نامہ روس کو الگ کر دینے کے مرادف ہوگا اور سینٹ پیٹرز برگ میں صلح پسند فریق کو کمزور کر دے گا۔ روس ہمارے اتحاد میں شرکت چاہے گا اور یہ گویا "اتحاد قیاصرہ" کی تجدید ہوگی جو مجھ کو اس لئے منظور نہیں کہ زار ہمیشہ اپنے اعزاز و وقار کا دباؤ ڈالتا رہتا ہے۔ بسمارک نے رائے ظاہر کی کہ عجب نہیں ایسے محدود اور مخفی معاہدے کی قیصر جرمانیہ منظوری نہ دے تاہم اس نے اندراسی سے درخواست کی کہ مسودہ تیار کرو۔ ۲۴ ستمبر کو، آسٹریہ کی تجاویز قبول کر کے جرمن صدر اعظم نے پھر ایک مرتبہ التجا کی کہ فرانس و روس دونوں کے مقابلے میں دفاعی اتحاد کیا جائے۔ اور اندراسی بیان کرتا ہے کہ "وہ جگہ سے اٹھا تو اپنے ہاتھ میں مسودے کو اس نے قریب قریب ل ڈالا اور بالکل میرے قریب آکر کہنے لگا" مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ تم سوچ لو، کیا کر رہے ہو۔ میں آخری مرتبہ تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم دب جاؤ" (پھر بلند آواز اور دھمکی کے

لہجے میں) میری تجویز کو قبول کر لو ۔ ورنہ (یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر رکا اور اس سکوت میں مجھے اپنے دل کی دھڑکن سنائی دیتی تھی) ورنہ، مجھے تمہاری تجویز ماننی پڑے گی" آخری الفاظ اس نے دوستانہ انداز سے کہے اور پھر مسکرا کے اتنا جملہ اور کہا "مگر اس میں مجھے بہت ہی زحمت کا سامنا کرنا ہوگا" اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ اس کی باوقار صورت کے میری جانب بڑھنے میں وہ رعب داب تھا کہ میں حیران ہوتا ہوں کہ اگر میں مرعوب بد حواس ہو جاتا تو کیا نتیجہ ہوتا؟[1]

اس گفتگو کے بعد بسمارک بلا تاخیر وہی آنا کے فرانسیسی سفیر کے پاس یہ سمجھانے کے لئے گیا کہ اس قول و قرار کی نوعیت بالکل صلح کی ہے اور اس لئے فرانس کو ذرا پریشان ہونا نہ چاہئے۔ دو دن بعد برلن واپس آکر اس نے روسی سفیر کو اطلاع دی کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے جس سے روس کو تردد پیدا ہو ۔

بادشاہ و وزیر کی کشتی کا پہلا حصہ تو ختم ہوا لیکن زیادہ اندیشہ ناک رائے کی زور آزمائی عنقریب شروع ہونے والی تھی۔ فرماں روائے جرمانیہ جس قسم کا عام معاہدہ، اگر معاہدہ کیا ہی جائے، چاہتا تھا اس کے مرتب کرنے میں بسمارک کامیاب نہیں ہوا اور وہ کچھ ایسا تھک گیا تھا کہ اپنے آقا سے رو در رو زبانی حیص بیص کرنے کو اس کا جی نہ چاہا۔

قیصر کا دب جانا

۲۲ ستمبر کو ہوہن لوہے پہلے ہی اسٹراس برگ کی ملاقات میں قیصر کو اپنا ہم رائے بنانے کی پوری کوشش کر چکا تھا۔ سن رسیدہ بادشاہ کو سخت شکایت تھی کہ بسمارک، بظاہر اسی خط کا انتقام لینے کی غرض سے "روس کے خلاف ایسا معاہدہ تجویز کر رہا ہے جسے میں قبول نہیں کر سکتا۔ ہوہن لوہے نے حجت کی کہ روس و آسٹریہ جرمانیہ کے علی الرغم مجتمع ہو جائیں گے اور جس وقت انگریز پرست

[1] یہ روایت جو اسکے میرمنشی ڈوک زبی نے نقل کی ہے بے شبہ نقل ہوتے ہوتے اس میں اضافہ ہو گیا ہوگا لیکن اس واقعہ کو اندراسی نے کئی دوستوں سے بیان کیا تھا ۔

ویڈنگٹن عہد سے الگ ہوا، اس وقت فرانس بھی ان کا شریک ہو جائے گا۔ ۲۴ ستمبر کو عہد نامے پر دستخط کر کے بسمارک نے اس کی نوعیت اور فوائد کی شرح میں مفصل خط لکھا اور آخر میں تحریر کر دیا کہ بغیر ایسے معاہدے کے ہیں، ان خطروں کی بنا پر جو مستقبل کی آغوش میں نظر آتے ہیں، ملک کے تحفظ کی آئندہ ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ اس طرح، قیصر کے سامنے ایسا فیصلہ پیش کیا گیا کہ اس سے زیادہ تکلیف دہ زندگی بھر کرنا نہ پڑا تھا۔ اُسے نہ صرف بھانجے سے بے وفائی کا خیال موجب آزار روح تھا بلکہ یہ اذعان بھی، کہ کوئی نیا معاہدہ کرنے سے قبل برطانیہ پر واجب ہے کہ وہ ۱۸۷۳ء کے معاہدے سے دست بردار ہونے کی اطلاع دے دے۔ قیصرہ، وی آنا کے مسودے کو قبول کرنے کی حامی تھی اور شہزادہ ولیہم، اور موتلکے اسے منظور کرنے پر ہوہن لوہے اور اسٹول برگ سے کچھ کم زور نہیں دے رہے تھے۔ ان کی منت سماجت سے قیصر پریشان ہونے کے باوجود یہی کہے گیا کہ "غداری کرنے کی بجائے تخت سے دست برداری مجھے زیادہ پسند ہے" تا آنکہ ۲۸ ستمبر کی مجلس وزرا میں جب صدر اعظم نے معاہدے کی تشریح کی اور یہ کہہ کر کہ اگر میرا مشورہ نہ مانا گیا تو میں مستعفی ہو جاؤں گا، تمام وزیروں کی تائید حاصل کر لی، تو پھر اسٹول برگ، اگرچہ بوڑھے بادشاہ کو اپنا ہم عقیدہ نہ بنا سکا، تاہم اپنی طرف کھینچ لایا۔ قیصر نے اپنے ضمیر کی تسلی کے لئے اصرار کیا کہ زار کو اس معاہدے کی اطلاع دے دی جائے لیکن اندراسی نے دستخط ثبت ہونے سے قبل اس قسم کی اطلاع کی اجازت نہ دی اور لفظ "معاہدہ" کا ذکر کرنے سے بھی منع کیا کہ مبادا زار اس دستاویز کو طلب کرے یا "اتحاد قیاصرہ میں از سر نو گرمی" پیدا کرنے کا متقاضی ہو۔ فرانس کے حملے کے خلاف آسٹریا کی اعانت کے لئے آخری مرتبہ مطالبہ کیا گیا لیکن سارے وزیروں نے استعفے کی دھمکی دی اور آخر ۵ / اکتوبر کے دن وی آنا میں اندراسی اور جرمن سفیر شہزادہ ریوس نے دستخط کر دیئے۔ پریشانی زدہ فرماں روا نے بہت کچھ کہا سنا کہ شاہی تصدیق سے پیشتر اس کے بھانجے کو آگاہ کر دیا جائے لیکن اس میں بھی اس کی پیش نہ گئی اور ۱۶ / اکتوبر کو معاہدے کی تصدیق و توثیق کر دی گئی۔

اتحاد دو دلتین

جو شرطیں طے ہوئی تھیں انہیں ایک مفاہمت نامے ایک مشترکہ یادداشت اور چند مسلسل دفعات کی صورت میں قلمبند کیا گیا پہلی دستاویز پر بسمارک اور اندراسی نے ۲۴ ستمبر کو دستخط کیئے تھے اور اس میں میثاق دو دلتین کے بنیادی اسباب کو اجمالاً بیان کیا گیا تھا۔ اسی روز مشترکہ یادداشت پر دستخط ہوئے جس میں دونوں حکومتوں نے عہد کیا تھا کہ وہ برلن کے فیصلوں کی سچائی سے پابند رہیں گی "معاہدے پر عملدرآمد میں جن پیچیدگیوں کا اندیشہ ہے انہیں دور کرنے کی غرض سے دونوں سلطنتیں روس کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھیں گی اور اگر اس معاہدے کی بنا پر اختلاف پیدا ہو تو دونوں سلطنتیں اعلان کرتی ہیں کہ وہ روس پر حملہ یا اس کو دھمکی دینے کی نیت نہیں رکھتیں۔ دوستانہ تعلقات کے ثبوت میں وہ نئے تجارتی معاہدے مرتب کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں" اصل معاہدے میں بھی حسب دستور آغاز صلح پسندی کے اظہار سے کیا گیا تھا "ازاں جا کہ جرمانیہ اور آسٹریہ کی موالات سے کسی کو ضرر کا خطرہ نہیں ہوسکتا بلکہ قرینہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ موالات یورپ کے اس امن و صلح کو دیرپا بنا دیگی جو بروئے معاہدہ برلن وجود میں آئی ہے لہٰذا ہر دو بادشاہ جہاں ایک دوسرے سے سچا وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے خالص دفاعی معاہدے میں ہرگز دست درازی کی گنجائش پیدا نہ ہونے دیں گے وہیں انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ باہمی دفاع و صلح کا ایک حلف نامہ مرتب کریں:۔

(۱) اگر متعاہدین کی امید اور دلی خواہش کے خلاف روس ان میں سے کسی ایک سلطنت پر حملہ کرے تو دوسری سلطنت کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے حلیف کی مدد کرے اور صلح دونوں کی مشترکہ رائے کے بغیر نہ کی جائے۔

(۲) اگر متعاہدین میں سے کسی پر کوئی دوسری سلطنت حملہ آور ہو تو دوسرے حلیف کو چاہیئے کہ کم سے کم دوستانہ غیر جانبداری کی پابند رہے لیکن اگر حملہ آور فریق کی روس خواہ عملی امداد سے خواہ ایسی جنگی تدابیر سے تائید و اعانت کرے جو موجب خطر نظر آتی ہوں، تو دوسرے حلیف کو مدد دینی ہوگی۔"

تیسرے فقرے میں اتحاد کی پنج سالہ میعاد کا پابند بنایا گیا تھا نیز یہ کہ اگر اس میعاد کے ختم ہونے سے ایک سال قبل کوئی فریق کسی مزید گفتگو کی درخواست نہ کرے تو معاہدے کی میعاد اور تین سال بڑھ جائے گی۔[5] چوتھے فقرے میں حلیفوں سے اقرار لیا تھا کہ معاہدے کو مخفی رکھیں گے، بجز ایک صورت کے جس کی شرح اس طرح کی گئی تھی کہ "دو حلیفوں کو مصالحانہ جذبات کا اظہار سن کر، جو زار نے الکزنڈرووویں کیا، یہ اُمید کرنے کی جرأت ہوئی ہے کہ روس کی جنگی تیاریاں ترہیب و تہدید کی نوعیت اختیار نہیں کریں گی۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو ہماری وفا شعاری کا لازمی اقتضاء ہو گا کہ صیغۂ راز میں زار کو آگاہ کر دیا جائے کہ ہم سے کسی ایک پر حملہ ہوا تو اُسے دوسری سلطنت بھی اپنے خلاف فوج کشی تصور کرے گی"۔

آسٹریہ اور جرمانیہ کا اطمینان

معاہدے پر دستخط ہونے کے دوسرے دن اندراسی کی بجائے ہے مر صیغہ خارجہ کی وزارت پر فائز ہوا۔ ہنگری کے نامور مدبر نے عہدے کو خیر باد کہتے وقت بسمارک کو یہ الفاظ لکھے کہ "اگر اس کا (یعنی عہد نامے کا) مرتب ہونا دشوار تھا، تو مجھے امید ہے کہ اسی قدر اس کو قائم رکھنا سہل ہو گا۔"

صدر اعظم نے جواب دیا "خطرۂ جنگ کی بجائے اب ہر طرف امن و صلح پر اطمینان نظر آتا ہے۔" اور واقع میں عہد نامے کے بانیوں کا اپنے کارنامے پر مسرور ہونا بجا تھا۔ اندراسی کو تو اس کے ذریعے نہ کم نہ زیادہ بلکہ ٹھیک وہ چیز حاصل ہو گئی جو وہ طلب کرتا تھا اور بسمارک، اگرچہ اپنے پیش نظر منصوبے کو تمام و کمال پورا نہ کر سکا، تاہم سب سے قوی اندیشے کا اس نے سدباب کر لیا اور وی آنا اور برلن کی باہمی نزاع دور کر دی۔ چنانچہ نازش بجا کے ساتھ اس نے کہا کہ "میرے سنہ ۱۸۶۶ء کے کام کی تکمیل آج ہوئی ہے۔"

۵؎ اس معاہدے کی سنہ ۱۸۸۳ء اور پھر ہر وقفے کے بعد تجدید ہوتی رہی۔ یہ بات کہیں سنہ ۱۹۰۲ء میں جا کر طے ہوئی کہ اس معاہدے پر تین سال کے ختم پر از خود توسیع ہوتی چلی جائے گی۔

اس معاہدۂ اتحاد کی اشاعت ۱۸۸۸ء تک نہیں ہوئی۔ تاہم سارے یورپ کو خبر تھی کہ کوئی بڑا تغیر عمل میں آیا ہے۔ ۱۸ اکتوبر کو سالسبری نے کہا کہ "میری دانست میں یورپ کے امن و استقلال کی بہترین اُمیدیں آسٹریا کے آزاد و قوی رہنے پر مبنی ہیں۔ تازہ واقعات سے یہ قیاس کرنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر آسٹریا پر حملہ ہوا تو وہ تنہا نہ چھوڑ دی جا سکے گی۔ اخبارات کا بیان ہے کہ اس کا جرمانیہ کے ساتھ دفاعی اتحاد ہوگیا ہے اور یہ خبر اگر صحیح ہے تو بڑا مژدۂ مسرت ہے"۔ شاہ **ہمبرٹ** نے جرمن سفیر سے اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور **ویڈنگٹن** نے اسے "میثاقِ امن" قرار دیا۔ روس میں اس معاہدے کی خبر سے صدمہ پہنچا لیکن کسی نے اسے خطرہ نہیں سمجھا۔ جرمن پرست **شو والوف** نے تاسف کے لہجے میں رائے دی کہ "روس آسٹریا کو تو سان سٹی فانو کے وقت ہی سے کھو بیٹھا تھا، اب جرمانیہ بھی ہاتھ سے گئی"۔ ادھر قیصر ولیم کو بالآخر اتنی اجازت مل گئی کہ ۲۴ ستمبر کی مشترکہ یادداشت کی ایک نقل بھیج دے اور اس کے ساتھ خط میں یہ شرح کردے کہ جو گفتگو میں یادداشت میں بیان کی گئی ہیں ان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اندراسی عہدے سے سبکدوش ہونے والا تھا۔ اور دونوں صدر اعظم اس پر متفق ہوگئے کہ ممالک جرمانیہ کا اتحاد ٹلنے سے جو کمی پیدا ہوئی تھی، اسے ایک جدید پیمانِ دوستی سے پورا کر دیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اسے اصولاً پسند کرو گے اور ہر سہ سلاطین کے اتحاد کو از سرِ نو بحال کرنا چاہو گے لیکن اگر استیصالیین اور اسلافیت پرستوں کا حکومت پر غلبہ ہوا تو ہمسایہ سلطنتیں مل کر ان کا مقابلہ کریں گی"۔

زار کی اطمینان یابی

زار نے جواب دیا کہ میں یادداشت کو کامل طور پر پسند کرتا ہوں اور اس میں ہر سہ سلاطین کے اسی اتحاد کی تجدید ہوتے دیکھتا ہوں جو یورپ کی نہایت مفید خدمات انجام دے چکا ہے"۔ قیصر کو جو خوف تھا کہ اس نئی حکمتِ عملی سے معلوم نہیں اس کے بلحاظ نتیجے پر کیا اثر پڑے، وہ بے بنیاد ثابت ہوا کیونکہ آسٹریا اور جرمانیہ کی اس یکدلی نے اگرچہ اس کی حقیقی نوعیت مخفی تھی، روس کا ہیجان بڑھانے کی بجائے

کم کر دیا چنانچہ نومبر میں فرانس کے سفیر سے بسمارک نے کہا کہ "چھ ہفتے قبل روس شرار وفتن کے خواب دیکھتا تھا۔ آسٹریہ سے ہمارا معاملہ ہو جانے سے اس کی عقل درست ہو گئی۔ سینٹ پیٹرز برگ میں اس کی اطلاع دیئے ایک ہی ہفتہ ہوا تھا کہ ہر طرف روک تھام نظر آنے لگی۔ جرمانیہ اور آسٹریہ پر اخباروں میں جو حملے ہو رہے تھے وہ بالکل موقوف ہوئے اور ولی عہد سلطنت اب قیصر کے آداب بجالانے کے لئے آنے والا ہے"۔

آسٹریہ اور جرمانیہ کے اتحاد نے ہر دو فریق کے قریبی خطرات کو زائل کر دیا لیکن بسمارک کی اپنا مطالبہ تمام پورا کرنے میں پیش نہیں چلی تھی لہذا وہ اس معاہدے کو محض اپنے عظیم الشان دفاعی منصوبے کا ایک جزو جانتا تھا۔ لارڈ اوڈورسل نے گرین ول کو لکھا کہ[1] "اس معاہدے سے بسمارک کو امید ہے کہ جب تک حامیان امن روس میں برسر اقتدار آجائیں، اور خود بسمارک اتحاد سلاطین کو تازہ کر سکے، اس وقت تک یہ معاہدہ اسلافیت پرستی کے طوفان کو روکے رہیگا"۔ حقیقت میں وہ اپنے کارنامے کو عجب طرح کی بے تعلقی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ اپنے "افکار" میں تحریر کرتا ہے کہ ہمیں سب سے زیادہ فکر یہ ہے کہ ہمسایہ بادشاہوں میں امن وصلح قائم رہے اور میں اس معاہدے کے بعد بھی روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھانے کو اسی قدر واجب سمجھتا ہوں جس قدر اس معاہدے سے پہلے واجب تھا۔ اگر ہمارا وہ پل بنا رہے جو ہمیں سینٹ پیٹرز برگ میں لا اتارتا ہے، تو آسٹریہ جرمنوں کی مخالفت کے اثرات کو قابو میں رکھے گی اور اگر ہماری روس کے ساتھ ایسی کشیدگی ہو گئی جس کا کوئی علاج ہی نہ رہے، تو آسٹریہ ہاتھ پاؤں پھیلائے گی لیکن اپنے ہمسائے کی حرص وہوا پوری کرنے کی خاطر اپنا روپیہ اور خون بہانا، جرمن حکمت عملی کا جزو نہیں ہے۔ البتہ یورپ کے توازن درست رکھنے کی غرض سے آسٹریہ کا ایک

---

[1] لائف اوف گرین ول۔ جلد دوم ۲۰۹ ؎

مضبوط و خود مختار بڑی طاقت ہونا جرمانیہ کے ایسے مقاصد میں داخل ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنی قسمت کی بازی لگا دے تو اس میں ایمانداری کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی مگر اس اتحاد سے وہی آنا کو یہ نتیجہ نکالنے سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ہم ایسے دعاوی کی تائید کریں گے، جو حلف نامے کی اغراض میں داخل نہ تھے۔ یہ اتحاد ہماری ہر وقت نگران رہنے کی روش میں تغیر نہیں پیدا کرسکتا"

عہد نامے کا فیصلہ بیم و رجا ہی کی حالت میں تھا جب کہ صدر اعظم نے ترکش میں ایک اور تیر کا اضافہ کرلیا۔ اس نے ۱۸۷۵ء میں ڈزرائیلی کو زیادہ مربوط سیاسی اتحاد کے لئے ٹٹولا تھا اور کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی۔ اب اس نے پھر وہی کوشش کی۔ ۲۶ ستمبر کو جرمن سفیر ہیوڈن

بسمارک، انگلستان کو ٹٹولتا ہے۔

پہنچا جہاں برطانی وزیر اعظم گذشتہ اجلاس کی محنت مشقت کے بعد آرام لینے آیا ہوا تھا[1] اس نے وزیر اعظم سے بیان کیا کہ روس میں اتحاد اسلافیان کا رنگ چھایا ہوا ہے اور قرینہ کہتا ہے کہ یہ سلطنت آسٹریہ پر حملہ کردے گی جس سے عام طور پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں گے"

اس ملاقات کا جو حال بکنس فیلڈ نے بیان کیا ہے اس کی رو سے تو جرمن سفیر نے یہ کہا تھا کہ جرمانیہ اور آسٹریہ کے ساتھ برطانیہ کا اتحاد ہوگیا تو امن قائم رہے گا اور اس کے عوض میں برطانیہ کی ایشیائی اغراض میں کوئی دست درازی نہ ہوسکے گی، نیز یہ کہ قیصر سے ایسی تحریک کرنے سے قبل بسمارک معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آیا میں (یعنی بکنس فیلڈ) ایسے اتحاد کو پسند کروں گا میں نے جواب دیا کہ جرمانیہ کے ساتھ اس قسم کی حلیفی یا عمدہ مفاہمت کے اصول کا میں ہمیشہ سے حامی ہوں، لیکن کوئی ایسی کارروائی جو فرانس کے خلاف نظر آسکتی ہو، مقبول عام نہ ہوگی" مگر اصل یہ ہے کہ جرمن سفیر،

---

[1] دیکھو بکل: لائف اوف بکنس فیلڈ" وغیرہ وغیرہ۔

منسٹر کو صرف یہ دریافت کرنے کی ہدایت کی گئی تھی کہ اگر جرمانیہ نے روسی مطالبات سے انکار کیا اور لڑائی کی نوبت پہنچی، تو انگلستان کیا کریگا اور اس کی اطلاع کے بموجب اتحاد کی تجویز خود اس کے میزبان (بکینس فیلڈ) کی طرف سے ہوئی، جس نے یہ بھی کہا اگر فرانس نے جرمانیہ پر حملہ کیا تو میں اسے سبب جنگ سمجھوں گا۔" اس اطلاع کے جواب میں بسمارک نے منسٹر کو لکھا کہ میری توقعات پوری نہیں ہوئیں کیونکہ فوجی امداد کے متعلق کوئی وعدہ نہیں کیا گیا، اگرچہ میں شکر گزار ہوں کہ برطانیہ فرانس پر نظر رکھنے کا وعدہ کرتی ہے۔ تب منسٹر نے لکھا کہ بکینس فیلڈ کے نزدیک یہ گویا مقدر امر ہے کہ روس کے ساتھ جنگ ہوئی تو وہ جرمانیہ اور آسٹریہ کی تائید کرے گا۔"

وزیر اعظم نے جرمن سفیر سے ایما کیا تھا کہ وزیر خارجہ سے ملاقات کرے اور ایک دو دن بعد سالسبری کو جو خط لکھا اس میں تجویز اتحاد کے ساتھ

بیکنس فیلڈ کی حکمت عملی۔

اس قدر موافقت ظاہر کی کہ ملکہ کے نام پہلے اطلاعی مراسلے میں ظاہر نہ کی تھی۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "روس کی نسبت یہ خوف کہ آگے چل کر بھی ملک ہماری سلطنت کی بیخ کنی کرے گا، عجیب طور پر ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہو کہ ہر سہ سلطنتوں میں اتحاد کی تجویز ملک میں خاصے جوش خروش کے ساتھ پسند کی جائے گی۔ اس بات کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی کہ آسٹریہ پر روس کے حملہ کرنے کی صورت میں ہم اسے مدد دیں، تو فرانس اعتراض کرے۔"

سالسبری نے سفیر سے کہا کہ اگر روس کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا تو مجلس وزرا، جرمانیہ کی حامی ہوگی۔ میں دونوں سلطنتوں سے اتحاد کا خواہشمند ہوں۔ اگر روس کو علم ہو گیا کہ جرمانیہ اور انگلستان دونوں آسٹریہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مددگار ہوں گے، تو پھر وہ پیشقدمی نہ کرے گا اور امن وصلح کا اطمینان ہو جائے گا۔ نیز یہ کہ ہم ایسی جنگ میں جسے روس چھیڑے، فرانس کو شامل ہونے سے باز رکھ سکتے ہیں۔" یہ سب باتیں سن کر بھی منسٹر نے اتحاد کی کوئی تحریک نہیں کی اور اس ملاقات سے جو کچھ ذہن نشین ہوا وہ یہ تھا کہ

اب بسمارک کو برطانوی اعانت کا چنداں فکر نہیں ہے۔ پھر جب صدر اعظم نے اپنے بادشاہ کو آسٹریہ کے معاہدے پر رضامند کر لیا تو اس بارے میں اور کوئی کارروائی نہیں کی۔ اکتوبر کے آخر میں جرمن اور آسٹروی سفیر نے سالسبری کو صیغۂ راز میں معاہدہ ہو جانے کی اطلاع دی تو اس وقت بھی کوئی اشارہ نہ کیا کہ برطانیہ شریک اتحاد ہو جائے۔ اس طرح معاملہ ملتوی ہو جانے سے دونوں فریق خوش رہے۔ وزیر اعظم نے ملکہ کو لکھا "حضور کو اب بالکل آزادی ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ آسٹریہ اور جرمانیہ کے خیالات سے بے تعلقی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی"، جس پر ملکہ نے جواب دیا "ہمارا اس اتحاد سے الگ رہنا ہی خوب ہے" ادھر اصل یہ ہے کہ بسمارک کو معلوم ہو گیا تھا کہ برطانیہ وسط یورپ کی سلطنتوں کی جانب برابر انتہائی دوستانہ میلان اور دولت روس سے انتہائی مخالفت کے جذبات رکھتی ہے۔ (لہذا کسی باضابطہ معاہدۂ اتحاد کی برطانیہ سے تو ضرورت نہ تھی) اور ایسے معاہدے کے لئے اپنے آقا کی رضامندی حاصل کرنے میں اسے بہت دقت پیش آتی جس سے زار کا انقطاع زیادہ نمایاں ہو جاتا اور گویا اسے خواہ مخواہ فرانس کی دوستی چاہنی پڑتی[1]۔

روس و جرمانیہ کا ارتباط

جب الگزنڈر کی تہدید کی حکمت عملی نے جرمانیہ کو آسٹریہ کی آغوش میں ڈھکیل دیا تو الگزنڈر کی صریحی غرض یہ ہو گئی کہ جو بات ہمسایوں کو ڈرا کر حاصل نہ ہو سکی تھی، وہ ان کے حسن ظن کے ذریعے حاصل کرے۔ چنانچہ بسمارک سیدھا وہیں آنا سے واپس آیا تھا کہ گورٹ شاکوف کا نہیں بلکہ شوالوف کے گروہ کا ایک مدبر سابوروف برلن آیا جسے روس و جرمانیہ کے باہمی عہد و پیمان کی سلسلہ جنبانی کی ہدایت کی گئی تھی[2]۔ صدر اعظم

---

[1] اکارڈ واسٹین کے قول کے بموجب بیکنس فیلڈ نے تجویز اتحاد کا ایک مسودہ بھی اپنے عہدے سے علیحدہ ہونے سے کچھ ہی قبل تیار کیا تھا۔ ملاحظہ ہو "Erinnerungen" جلد دوم ۱۰۶-۱۰۲"۔

[2] دیکھو "Erinnerungen" جلد سوم ۱۲۹-۱۷۹ اور سمپسن کی "سابوروف میموائرز" رسالہ نائنٹینتھ سنچری بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۱۷ء و جنوری ۱۹۱۸ء۔ یہ میموائرز بعد میں روس میں شائع ہوئیں۔

نے افشائے راز کئے بغیر اتنا بیان کر دیا کہ اب آسٹریہ اپنے مشرقی فوائد کی حفاظت کے واسطے کسی مغربی سلطنت سے اتحاد کی خواستگاری نہیں کرے گی" اس طرح میں اپنے منصوبے کی پہلی منزل تک آپہنچا ہوں یعنی میں نے اس کے اور مغربی سلطنتوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ اور بہت سے موانع کے باوجود مجھے دوسرا مرحلہ طے کرنے سے بھی مایوسی نہیں ہے یعنی یہ کہ ہم اتحاد سلاطین کو از سر نو مرتب کریں" سابوروف نے کہا کہ اگر بسمارک کسی اتحاد ثلاثہ کو روس کے مفید مطلب اور امن و صلح کا ضامن بنا سکے تو زار اس کی مخالفت نہ کرے گا لیکن اس کا منشا اس سے بھی زیادہ دوستانہ تعلقات قائم کرنا ہے۔ صدر اعظم نے جواب دیا" میری اتحاد کی خواہش میں فرق نہیں آیا ہے لیکن صورت حالات بدل گئی ہے۔ ۱۸۷۶ء میں، میں دفاعی اور اقدامی دونوں قسم کا اتحاد کرنے کے واسطے تیار تھا لیکن اب اس کی نوعیت صرف دفاعی ہوگی" **سابوروف** اس ملاقات سے یہ خیال ذہن میں لئے ہوئے گیا کہ اتحاد ہونا ممکن ہے اور بسمارک نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے آقا کو آمادہ کرے گا ؛

ان دونوں کی دوبارہ ملاقات ایک عرصے کے بعد جنوری ۱۸۸۰ء کے آخر میں اس وقت ہوئی جب کہ سابوروف، استنبول سے بدل کر برلن بھیجا گیا۔ اس وقت آسٹریہ سے عہدنامے کی تسوید تصدیق وغیرہ سب مرحلے طے ہو چکے تھے اور

سابوروف اور بسمارک

بسمارک صرف روس و جرمانیہ کا ایسا اتحاد کرنا نہ چاہتا تھا جس میں آسٹریہ شریک نہ ہو۔ اس نے سابوروف کو جتایا کہ ہمارا کسی جتھے کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدافعت کا اقرار کر لینا اس بات کو لازم کرے گا کہ بعض صورتوں میں جرمانیہ، آسٹریہ پر حملہ کرے۔ ایسا عہد کرنا نہایت خطرناک راز ہوگا جو اگر افشا ہوا تو آسٹریہ مغرب میں اتحاد کرنا چاہے گی۔ اس نے کہا" تمہارا فائدہ جرمانیہ اور آسٹریہ کو باہم لڑانے میں نہیں ہے۔ تم اس بات کا ٹھیک اندازہ نہیں کر رہے ہو کہ یورپ کی بساط پر تین سلطنتوں کی جماعت میں شامل ہونے کا کیا وزن ہے۔ حالانکہ ہر ملک کے وزرا یہی چاہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر میرا مقصود یہی ہے۔ قلت تعداد کے ساتھ

ہونا کسی کو پسند نہیں آتا۔ تمام سیاسیات کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ اس دنیا میں جس پر پانچ سلطنتوں کی فرمانروائی ہے، ہم تین کے گروہ میں شامل رہیں۔ میں نے شنوہی اتحاد کرلیا ہے کہ اگر تم واقع میں خواہشمند ہو تو آگے چل کر یہ اتحاد ثلاثہ بنجائیگا میں نہیں سمجھتا کہ اس تجویز کو قبول کرنے میں آسٹریہ کو کوئی تامل ہوسکتا ہے۔ اور اگر ہو تو ہم پھر ترصغی دو لتین کی طرف پلٹ آئینگے"۔ سابوروف نے ایک عہدنامے کا خاکہ بنانا شروع کیا جو بحراسود میں روس کے خلاف دول خارجہ کے بیڑوں کو داخل نہ ہونے کا ضامن ہو اور اس کے عوض میں روس کو پابند کردے کہ یوروپی ترکی کی حالت حاضرہ میں کوئی تبدیلی بغیر آسٹریہ کی رضامندی لئے نہ کیجائے گی۔ پھر بسمارک سے استدعا کی کہ وہ آسٹریہ کو اس معاملے میں ٹٹولے۔

آسٹریہ کی رضامندی حاصل کرنا کچھ سہل کام نہ تھا۔ ہے مرلے اتحاد اسلافیاں کی تحریک سے اندراسی کی نسبت کم بدگمان نہ تھا اور اگست میں وہ فریڈرک سرو ہ میں آیا تو اس نے کوئی وعدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اس کا خیال تھا کہ آسٹریہ اور جرمانیہ کا معاہدہ بالکل کافی ہے۔ اور وہ اندیشہ کرتا تھا کہیں ارتباط ثلاثہ اس، پہلے رشتے ہی کو کمزور نہ کردے۔ مزید براں وہ ذرا بھی خواہاں نہ تھا کہ روس کی مشرق میں کشورستانی کی تائید کی جائے۔ بحالیکہ بسمارک نے سابوروف سے صاف کہہ دیا تھا کہ "دروازے کی بلی" یعنی استنبول کو روس کے حوالے کئے جانے سے جو عام طور پر تعصب پایا جاتا ہے، میں اس خیال کا ساتھی نہیں ہوں۔ بشرطیکہ روس، مغربی بلقان میں آسٹریہ کے حلقۂ اثر میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ لیکن اب وہی آتا کی بے اعتنائی دیکھکر بسمارک نے سابوروف سے گفتگو کو آگے نہ بڑھایا اور سال کے اواخر میں ہے مرلے نے بھی پھر اسی خیال کا اعادہ کیا کہ روس عناد رکھتا ہے اور اس پر بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ البتہ وہ ایک محدود قسم کے معاہدے پر غور کرنے کے لئے آمادہ تھا کیونکہ بسمارک کی اس دلیل کو وہ بھی رد نہ کرسکا کہ اگر روس کو کسی قسم کے

رشتۂ اتحاد میں باندھ لیا جائے تو وہ بہر حال اتنا خطرناک نہیں رہے گا۔
بسمارک اور سابوروف نے ایک معاہدہ مرتب کرنا شروع کیا جسے

آسٹریہ اور روس کا ارتباط

زار، اس کے سب سے بڑے بیٹے اور گائیرز نے پسند کیا تھا۔ الکزنڈر اب اتحاد ثلاثہ کی تجدید کا اسی قدر خواہشمند تھا جس قدر کہ خود بسمارک۔ اور آپس میں طے ہوا کہ **فرانسس جوزف** کو قیصر سمجھا بجھا کر اپنا ہمراہ بنائے۔ چنانچہ اس نے اپنے قلم سے ایک خط لکھ کر وی آنا بھیجا کہ گزشتہ اتحاد کو پھر زندہ کرنے کا اور ۱۸۷۵ء سے جو کشیدگی تعلقات میں چلی آتی ہے اسے دور کرنے، نیز امن یورپ اور شخصی بادشاہی کے اصول کو مستحکم کرنے کا وقت آگیا ہے۔ فرانسس جوزف تک اتحاد سلاطین کے احیا پر رضامند ہوگیا تھا مگر ہیمرلے پھر بھی اڑا رہا۔ بسمارک کو بہت شکوہ تھا کہ کیسے ضدی آدمی سے سابقہ پڑا ہے اور واقع میں وہ اسوقت تک نرم نہوا جبتک بسمارک نے اسے یہ نہ لکھ بھیجا کہ تمھیں ہاں یا نہیں کچھ تو جواب دینا پڑے گا۔ لیکن اسی زمانے میں ۱۳ مارچ کو الکزنڈر ثانی کے قتل نے معاملے کو تعویق میں ڈال دیا اور ہیمرلے کو اور بھی ہمت ہوئی کہ تازہ تجاویز پیش کرے جس سے بسمارک بہت جھنجھلایا۔ اس بات کو خود بسمارک نے جائز رکھا تھا کہ ہیمرلے معاہدے کی میعاد تین سال متعین کردے اور یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اس مدت تک آسٹریہ اس گرم بنیان کو جسم سے چپکائے رہی تو پھر سردی لگ جانے کے جوکھوں میں پڑے بغیر وہ اسے اتار کر پھینک نہ سکے گی۔ آخر میں جب ہیمرلے نے اپنے ملک کی طرف سے رضامندی لکھی تو اس وقت بھی ضد سے یہ الفاظ بڑھا دیئے "شہنشاہ فرانسس جوزف کے حکم ناطق سے تحریر کیا گیا"۔

الکزنڈر ثالث باپ جیسی ذہنی قابلیت تو نہ رکھتا تھا لیکن مزاج میں اس سے زیادہ استقامت ضرور تھی۔ ہرچند اس کی بیوی ڈنمارک کی

زار الکزنڈر ثالث

تھی اور وہ اپنی سرکار دربار میں جرمنوں کے رسوخ

پائے کا سخت مخالف تھا، بایں ہمہ برلن سے جو رشتۂ دوستی دوبارہ مشکل سے بُنا جا رہا تھا، وہ اسے قطع کر دینے کا خواہاں نہ تھا۔ دوسرے ترکوں سے لڑنے میں جو مصیبتیں پیش آئیں، وہ بھی خوب یاد تھیں کہ ان میں وہ خود حصہ لے چکا تھا۔ تخت نشینی کے وقت جو مراسلہ بیرونی ممالک میں روس کے قائم مقاموں کے پاس بھیجا گیا اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ روس انتہائی وسعت حاصل کر چکا ہے۔ اس کی بیرونی حکمت عملی قطعی امن جوئی کی ہوگی اور مقدم کام یہ ہوگا کہ ملک کی اندرونی ترقی کا بندوبست کیا جائے تو امن وصلح کی چاہت سے بھی زیادہ زار کو فتنہ وانقلاب سے ہول آتا تھا اور جرمانیہ اور آسٹریہ کی قدامت پسند سلطنتوں کی دوستی اس کو ان قوتوں سے جدوجہد کرنے میں لب غنیمت نظر آتی تھی جو حکومت اور مذہب کی دشمن تھیں اور خود اس کا باپ انہی قوتوں کا شکار ہوا تھا۔ تخت نشینی کے ایک ہفتے بعد ہی اس نے قیصر کو بذریعۂ تار چوراسویں سالگرہ کی پرتپاک مبارکباد بھیجی! اور اس سن رسیدہ فرماں روا نے جواب میں لکھا "نئے زار کی طرف سے وہی تپاک، وفاکیشی اور دوستی —— واقع میں دلخوش کن ہے"۔

ایسے فرماں روا کے ساتھ معاہدہ کرنے میں (جس کا خاکہ پہلے سے تیار تھا) دیر لگانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اور ۱۸ مئی کے ایک اعلان میں جو وزرا کی طرف سے اس بارے میں شائع ہوا کہ حزب سلاطین ثلاثہ قائم ہونے سے اتحاد دوستین پر کیا اثر پڑے گا، بتا دیا گیا کہ "اس گفتگو کے متعلق (جو روس سے ہو رہی ہے) آسٹریہ اور جرمانیہ کی حکومتیں تسلیم کرتی ہیں، کہ متوقع اتحاد ثلاثہ سے، کسی صورت میں اس معاہدۂ اتحاد پر کوئی برا اثر نہ ہوگا جو ان دو سلطنتوں کے باہمی تعلقات معین کرنے میں اب تک نافذ ہے" پھر اس نئے معاہدے پر، جس کی میعاد تین سال اور جس کو صیغۂ راز میں رکھنا طے ہوا تھا، برلن میں ۱۸ جون کو بسمارک اور باقی دو سلطنتوں کے سفیروں **زیچے نی** اور **سابوروف**، کے دستخط ثبت ہوگئے۔

(عہدنامہ) ۱۔ اگر ایک سلطنت کسی (چوتھی) بڑی سلطنت سے

مصروف جنگ ہو جائے، تو دوسرے حلیف دوستانہ غیر جانبداری پر عمل کریں گے اور جنگ کو محدود و مختص کر دینے میں ساعی ہوں گے۔ اس شرط کی ترکی سے جنگ کے معاملے میں بھی پابندی کی جائے گی۔ بجز اس صورت کے کہ تینوں سلطنتیں نتائج جنگ کے متعلق پہلے سے کسی امر پر متفق ہو چکی ہوں ۔

۲ ۔ روس جرمانیہ کی تائید کے ساتھ، اپنا مصمم ارادہ ظاہر کرتا ہے کہ معاہدۂ برلن سے آسٹریہ کو جو نئی حیثیت حاصل ہو چکی ہے اس کی اغراض و ضروریات کا احترام کرے گا۔ تینوں سرکاریں جزیرہ نمائے بلقان میں اپنے حقوق کی نگرانی کریں گی اور وعدہ کرتی ہیں کہ یورپی ترکی کے علاقے میں کسی قسم کی کمی بیشی اس وقت تک نہ ہونے دیں گے جب تک کہ اس کو آپس میں بالاتفاق طے نہ کریں ۔

حزب سلاطین ثلاثہ

۳ ۔ تینوں سلطنتوں کو تسلیم ہے کہ دردانیال کو بند کرنے کے اصول کا سارے یورپ سے تعلق ہے اور وہ ایک دوسرے پر یکساں فرض عائد کرتا ہے لہذا وہ بالاتفاق اس بات کی نگرانی کریں گی کہ سلطنت ترکی، جنگی مقاصد کے واسطے آبنائے کو کسی سلطنت کے حوالے کر کے مذکورۂ بالا اصول میں کوئی استثنا کرنے نہ پائے۔ ایسی صورت میں، یا ایسی صورت پیش آنے سے باز رکھنے کے لئے تینوں سلطنتیں ترکی کو آمادہ کر دیں گی کہ اگر اس نے ایسا کیا تو ہم سمجھیں گے کہ وہ (یعنی ترکی) بھی نقصان رسیدہ فریق کے خلاف جنگ کر رہی ہے اور معاہدۂ برلن میں اس کا موجودہ علاقہ محفوظ رکھنے کی جو ضمانت دی گئی تھی، وہ گویا سوخت ہو گئی ۔

معاہدے کے ساتھ ایک مفاہمے پر اسی تاریخ دستخط ہوئے جس میں بعض اہم جزئیات داخل تھیں :-

(۱) **بوسینہ ہرزی گووینہ** ۔ آسٹریہ یہ حق اپنے لئے محفوظ رکھتی ہے کہ جس وقت مناسب جانے، ان دونوں صوبوں کا اپنی سلطنت میں الحاق کر لے ۔

(۲) **سنجق نووی بازار** - آسٹریہ اور روس کے مختاروں نے جو باہمی اعلان، برلن میں ۱۳ جولائی ۱۸۷۸ء کو کیا تھا، وہی نافذ رہیگا۔

(۳) **مشرقی رومیلی** - ہر سہ دول مشرقی رومیلی اور بلقان پر قبضہ کرنا امن عامہ کے حق میں خطرناک سمجھتی ہیں لیکن اگر ایسے قبضے کی ضرورت پیش آئی، تو وہ باب عالی کو روکنے کی کوشش کریں گی کہ ایسا کام نہ کرے۔ اور یہ گویا مقدر امر ہے کہ بلغاریہ اور مشرقی رومیلی کو ترکی کے دوسرے علاقوں پر حملہ کرنے سے باز رہنا ہوگا کہ ترکی کو اشتعال نہ دیا جائے۔

(۴) **بلغاریہ** - اگر واقعات اور ناگزیر اسباب اس مسئلے کو سامنے لے آئیں تو بلغاریہ اور مشرقی رومیلی کے بالآخر متحد ہو جانے کی تینوں سلطنتیں مخالفت نہیں کریں گی۔ مگر آئیں اتفاق ہے کہ ہمسایہ صوبوں میں ہر قسم کی دست درازی کرنے سے اہل بلغاریہ کو باز رکھا جائے اور اگر وہ نہ مانیں تو ان سے کہدیا جائے کہ اس کے برے بھلے کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

(۵) **مشرقی معاملات میں عمال کا طرز عمل** - مقامی مسائل میں اغراض کے تخالف سے بچنے کے لئے تینوں سلطنتیں اپنے عمال کو حکم دیں گی کہ وہ اپنے اختلافات میں باہمی افہام تفہیم کے ذریعے دوستانہ مصالحت کی بین بین صورتیں نکالیں۔ اور جہاں اس میں کامیابی نہ ہو تو اپنی اپنی حکومت کے سامنے مقدمہ پیش کر دیں۔

جرمانیہ اور روس کی اس دوستی سے، بسمارک کے الفاظ میں آسٹریہ اور روس کی جنگ اور فرانس و روس کا اتحاد رک جانے کا یقین تھا اور اس پیمان مودت پر زار و زرینہ کے ستمبر میں **ڈینزگ** آنے نے گویا مہر تصدیق ثبت کر دی۔ روس میں کہنے کو تو اس وقت بھی

گائرز، گورٹ شاکوف کی جگہ لیتا ہے

دیرینہ سال گورٹ شاکوف ہی وزیر خارجہ رہا، لیکن حقیقت میں اب اسے جزوی اختیارات تک حاصل نہ تھے اور اس موقع پر اپنے آقا کے ہمراہ

بھی گا ئرز ہی جرمانیہ آیا جو یہودی النسل اور طبقۂ متوسط کا پروٹسٹنٹ آدمی تھا جرمن صدر اعظم کی ایک رشتہ دار سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ اور وہ وزارت خارجہ کا منصرمانہ اعلیٰ عہدہ دار نیز اپنے آقا کی امن پرستی میں پوری طرح اس کا ہم عقیدہ تھا؛ اس آمد سے دونوں فریق خوش ہوئے اور گائرز نے سفیر آسٹریہ کو اطلاع دی کہ بادشاہ بہت مطمئن اور خوش مزاج واپس آیا ہے۔ بسمارک کے متعلق اس نے کہا کہ اس نے صلح و آشتی کا کامل لحاظ رکھا اور انقلاب و اشتراکیت کے مقابلے میں مشترکہ مدافعت کی مسلمہ ضرورت، باہمی اتحاد کی بنیاد ثابت ہوئی ہے اوائل ۱۸۸۲ء میں گورٹشاکوف نے وفات پائی تو گائرز ہی وزیر خارجہ مقرر ہوا جس سے بسمارک کو تو نہایت مسرت ہوئی لیکن اتحاد اسلافیاں کے حامی، جو **اگناٹیف** کا ہونا چاہتے تھے، بہت جلے اور انھوں نے کامیاب حریف کو ازرہ طعن "دربار روس میں جرمن سفیر" کہنا شروع کیا۔ ہرچند زار اپنی کشتی کا خود ناخدا رہنے پر تلا ہوا تھا، تاہم یہ بڑی فال نیک تھی کہ شوو الوف کے گروہ کا ایک محتاط ور اشتباز مدبر اس کا مشیر کار ہوا ؛

اس طرح روسی حکومت کی تو ایک بار پھر برلن و وی آنا سے دوستی ہو گئی۔ لیکن روس کی غیر سرکاری رائے پھر بھی ان کی مخالفت پر کمربستہ رہی۔ اخبارات میں اس رائے کے اظہار کی اب سختی سے روک تھام کی جاتی تھی اور اسی لئے جب **اسکوبے لف** نے اپنی تقریر سے قفل سکوت توڑا تو زیادہ حیرت ہوئی۔ یہ شخص گزشتہ جنگ ترکی کا سورما اور اسلافی پرست گروہ کا بہت محبوب و متبوع تھا۔ اس نے **گیوک تپہ** کی تسخیر کی سالگرہ کے موقع پر جنوری ۱۸۸۲ء میں سینٹ پیٹرز گرڈ میں تقریر کی [1] آسٹریہ کی جبری فوجی

اسکوبے لف کا واقعہ

[1] دیکھو اولگا نوویکوف: "اسکوبے لف اینڈ دی اسلیو کاز" (۱۸۸۳ء) حصۂ دوم۔ باب دوم وسوم۔ اور بیڈلی: "رشیا ان دی ایٹیز" باب ششم ؛

خدمت پر ہرزی گووینہ میں جو بغاوت برپا ہوئی اور اسے آسٹریہ نے جس طرح فرو کیا اسے دیکھکر روسی سپہ سالار کو بہت غصہ تھا دوسرے یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں جبل اسود پر حملہ نہ کر دیا جائے لہٰذا اُس نے اعلان کیا کہ روس کو زیادہ اشتعال نہیں دیا جا سکتا "روسی اسی عظیم اسلافی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس کے اعضا پر آج ظلم وستم کیا جارہا ہے، روس کے تاریخی مقصد پر ہمارا ایمان ہے اور وہی ہماری تسلی اور تقویت کا موجب ہے" یہ گویا آسٹریہ کو تنبیہ تھی اور جنرل کے مداح کہتے پھرتے تھے کہ اسی کے طفیل جبل اسود حملے سے بچ گیا نیز اسی کی صدائے بازگشت اکساکوف کی تحریر موسوم بہ "روس" میں بلند ہوئی تو خواہی وسطی سلطنتوں کو اشتعال ہوا اور ان کی ناراضی نے اسکوبے لف کو پھر مہمیز کیا کہ ان کے جواب میں پیرس میں آتش فشانی کرے۔ چنانچہ وہاں ہمخیالوں کے ایک مجمع میں جس میں سرویہ کے طلبہ کا وفد بھی شامل تھا، اس نے صاف صاف کہا کہ روس نے بلقان کے اسلافیوں کو اس لئے آزاد نہیں کیا ہے کہ آسٹریہ انھیں پامال کرے اور وہ بیٹھا دیکھتا رہے۔ گزشتہ جنگ سے وہ مجروح و بے کار نہیں ہو گیا ہے اور مذہب اور نسل کی خاطر کوئی قربانی کرنے سے دریغ نہ کرے گا۔ اگر آسٹریہ نے بوسینہ اور ہرزی گووینہ کے باہر جنوب کے اسلافیوں پر دست درازی کی تو روس لڑ پڑے گا۔ پیرس کی ان تقریروں کا کوئی مصدقہ بیان شایع نہیں ہوا لیکن افواہ تھی کہ اس نے جرمنوں کو دشمن قرار دیا۔ اور کہا کہ تیوتن اور اسلافیوں میں تصادم ناگزیر ہے اور اب زیادہ مدت تک اسے ملتوی نہیں رکھا جا سکتا۔ نیز یہ کہ گو لڑائی نہایت سخت اور خوفناک ہوگی لیکن اس میں اسلافی فریق کامیاب نکلے گا۔ گائرز نے روسی حکومت کی طرف سے فوراً اظہار تاسف کیا اور اس کو بے لف روس واپس آیا تو اسے ہدایت کی گئی کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ اتحاد قیاصرہ پر اس واقعے کا کچھ برا اثر نہ پڑا لیکن چند ہفتے کے بعد ہی یہ سپہ سالار ماسکو میں یک بہ یک فوت ہوا تو وی آنا اور برلن کو جس قدر خوشی ہوئی تھی

پٹرو گراڈ کو بھی ان سے کچھ کم دلی اطمینان نہ ہوا ؏
شہنشاہ ولیم کے رفتہ رفتہ یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ آسٹریہ سے عہدنامہ اتحاد، روس کی دوستداری کے معارض نہیں ہے اور وہ اپنے صدر اعظم کی ہر ایسی کوشش کی تائید کرتا تھا جس کا مقصود ایسی باتوں سے بچنا ہو جو اس دلپسند گر مذبذب ارتباط میں خلل ڈالیں۔ مثال کے طور پر ۱۸۸۱ء

اسکیرنویک کی ملاقات ۱۸۸۴ء

کے موسم گرما میں موسٹلکے نے بسمارک سے مشرقی سرحد کے لیئے روپیہ مانگا اور وجہ یہ بیان کی کہ روس اپنے قلعے مستحکم کر رہا ہے اور ریلوں کو اتنی ترقی دے رہا ہے کہ اب جرمن سرحد پر خود جرمانیہ سے زیادہ سرعت کے ساتھ فوج جمع کر سکتا ہے، تو بسمارک نے روپے کی منظوری نہیں دی۔ فروری ۱۸۸۳ء میں سابوروف نے ۱۸۸۱ء کے معاہدے کی توسیع کا خیال دلایا اور نومبر میں گائرز فریڈرک سروہ آیا تو اس نے بھی یہی تجویز دہرائی۔ قیصر کو ۱۸۸۱ء کی ڈین زگ والی ملاقات کی بازدید بھی ادا کرنی تھی اور ولی عہد سلطنت کے سن بلوغ کو پہنچنے کی خوشی میں جو جلسے ہوئے ان میں شہزادہ ولیم کی موجودگی نے اپنے دادا کے جانے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ ۱۸۸۱ء کے معاہدے کی مارچ ۱۸۸۴ء میں تجدید، بلاکسی ردوبدل کے، عمل میں آئی اور ستمبر میں تینوں بادشاہ اپنے وزرائے خارجہ کے ساتھ اسکیرنویک میں باہم ملاقی ہوئے اور یہیں میزبان کے صریحی اخلاص نے **فرانسس جوزف** اور **کالنوکی** کے سوءِ ظن کو مغلوب و فرو کر دیا؏

(۲)

۱۸۷۱ء سے بسمارک کی حکمتِ عملی کا اصول غالب یہ تھا کہ فرانس کو

؏ "Die Grosse Politik" جلد سوم

قسطنطنیہ میں ڈالے رکھکر اپنی فتوحات اور امن یورپ کی حفاظت کی جائے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ بغیر حلیفوں کے فرانس میں اتنی سکت نہ تھی کہ عہد نامۂ فرینک فرٹ کی مخالفت پر اُبھرتا تھا۔ اور فرانس کی جنگ کے دس سال بعد ۱۸۸۱ء میں بسمارک اتحاد آسٹریہ، اتحاد قیاصرہ کی تجدید اور انگلستان کے دوستانہ تعلقات پیش کرسکتا تھا۔ پھر اسی سال کے ختم ہونے سے پہلے یورپ کی باقیماندہ بڑی سلطنت بھی اس اتحاد میں شرکت کی تمنا کر رہی تھی، جو اگرچہ ظاہر میں نہیں لیکن حقیقت میں فرانس کی یوروپی ہوس و آرزو کو دبانے کے لئے مرتب ہوا تھا۔

کرسپی کی ملاقات بسمارک سے ۱۸۷۷ء

اطالیہ کی تعمیر میں مختلف زمانوں میں کبھی فرانس اور کبھی پروشیہ کے اتحاد سے مدد ملی تھی اور جب یہ نئی سلطنت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو اُس نے اپنے آپ کو نہ پیرس کے حوالے کیا نہ برلن کے۔ دوسری طرف سے بھی اسے اپنا بنانے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی کیونکہ شروع شروع میں متحدہ اطالیہ کو بڑی سلطنت کی حیثیت سے کچھ بہت وقعت نہ دی جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ بسمارک ۱۸۷۱ء کے تصفیئے کے ضامنوں کی فہرست میں اطالیہ یا اور کسی سلطنت کا نام خوشی سے داخل کرلیتا اگر فرانس میں کلیسائی اور بادشاہی اقتدار کی بحالی کے اندیشے سے زومۂ پیرس کے ساتھ اخلاص و اعتماد کے تعلقات قائم کرنے سے رُک رہا تھا لہٰذا بسمارک کو اس طرف پیشقدمی کرنے کی کچھ جلدی نہ تھی۔ ۱۸۷۶ء میں فرقۂ یمین کی شکست نے ڈپریٹس کو برسر اقتدار کردیا اور آئندہ گرمیوں میں کرسپی کو یورپ کے صدر مقامات میں سیاسی گشت لگانے کے واسطے روانہ کیا گیا[1]۔ وہ اس وقت مجلس کا صدر نشین اور فرقۂ یسار کا سب سے سربرآوردہ فرد تھا۔ پیرس کو اس نے، جیسا کہ پہلے سے توقع تھی، "بدگمان"

---

[1] کرسپی" ذاتی حالات" جلد دوم۔ باب اوّل۔

پا یا لیکن سفر کی اصلی غرض بسمارک کے اندرونی خیالات کا پتہ چلانا تھی جس نے انھی دنوں قومی تر روابط قائم کرنے کے لئے اطالیہ کو ٹٹولا تھا اور اس وقت علاج کی غرض سے گاسٹین آیا ہوا تھا۔ کرسپی نے گفتگو چھیڑی کہ میں یہ دریافت کرنے پر مامور کیا گیا ہوں کہ اگر ہمیں فرانس یا آسٹریہ سے لڑائی لڑنی پڑی تو آیا آپ ہماری طرف آجائیں گے" صدر اعظم نے جواب دیا "اگر فرانس اطالیہ پر حملہ کرے تو ہم ضرور شریک ہوں گے اور اس مقصد کے لئے معاہدہ کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن مجھے ایسے حملے کا کوئی قرینہ نہیں نظر آتا۔ بجز اس کے کہ فرانس بادشاہی یعنی کلیسائی فرقے کی طرف عود کرے۔ باقی آسٹریہ کے ساتھ دشمنی کے کسی امکان پر میں غور نہیں کرسکتا۔ میں تمھارا دوست ہوں لیکن آسٹریہ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر وہ بوسینہ پر قبضہ کرے تو تم البانیہ لے سکتے ہو" اس نے حکومت وی آنا سے اطالیہ کی شمالی حدود کو بہتر بنانے کے متعلق سفارش کرنے سے بھی انکار کیا لیکن اپنے ملاقاتی کو مشورہ دیا کہ وہ اندراسی سے ضرور مل لے۔ برلن میں اطالوی مدیر مجلس مبعوثین کی دعوت میں مدعو کیا گیا جس میں میر مجلس **بیناک سن** تھا اور اس ضیافت کو بیرونی ممالک میں قومی تر اتحاد کا پیش خیمہ سمجھا گیا۔ **بوڈاپسٹ** میں کرسپی نے اندراسی کو آشتی پذیر پایا لیکن آسٹریہ سے کسی عہد و پیمان کا ذکر نہ چھیڑا جس کی حقیقت میں اسے خواہش بھی نہ تھی۔ کرسپی کی سیاحت سے فوری نتیجہ کچھ نہ نکلا کیونکہ ۱۸۷۸ء ہی میں دیپریٹس کا جانشین **کیرولی** مقرر ہوا جو فرانس پرست تھا۔ ۱۸۷۹ء میں اندراسی کو گاسٹین بلاتے وقت بسمارک نے اطالیہ کے وزیر اعظم کو اپنے ارادے سے مطلع کیا اور یقین دلایا کہ اس اتحاد میں اطالیہ جس وقت بھی فریق ثالث کی حیثیت سے شریک ہوگی، ہم اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے مگر **کیرولی** کو یہ دعوت قبول کرنے کی ضرورت نظر نہ آئی۔ ۱۸۸۱ء کے اوائل میں "اطالیہ رہائی نایافتہ" کے حامیوں کا میر مجلس فوت ہوا تو مجلس وزرا کے دو رکن اس کے جنازہ برداروں میں شریک تھے جس کی خبر سن کر آسٹریہ نے سرحد پر فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور حکومت اطالیہ نے اعلان کیا کہ

"ٹائرول" میں فوجوں کی پیشقدمی خواہ مخواہ خطرہ سمجھی جائے گی رہائی ناپایافتہ" کے حامیوں کی اسی قسم کی حرکتیں ہوتی رہیں۔ حکومت رواداری سے پیش آتی رہی جس پر وی آنا میں جوابی کارروائیوں کی ضرورت پڑی[1] لیکن عین اسوقت جب کہ فرانس پرست وزیر اعظم رومہ میں صاحب اقتدار تھا اور اہل اطالیہ و آسٹریا سرحد پار ایک دوسرے پر چنگاریاں اچھال رہے تھے، فرانس نے ایک ایسا کام کیا جس سے یہ نئی مملکت چار و ناچار آسٹریہ و جرمانیہ کی ٹولی میں آملی۔

موتمر برلن

جس وقت موتمر برلن کے زمانے میں قرارداد قبرس کی خبر افشا ہوی تو ویڈنگٹن کو یہ سمجھا کے ٹھنڈا کیا گیا کہ فرانس، اس کے عوض میں تیونس لے سکتا ہے[2] لارڈ سالسبری نے اپنی اطلاع میں لکھا کہ "بحر متوسط کے واقعات پر ویڈنگٹن سے اکثر سیری گفتگو ہوتی رہی۔ تیونس کے بارے میں میں نے کہا کہ انگلستان کو اس ملک سے کوئی غرض نہیں ہے اور وہ اس رسوخ کو روکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا جو فرانس کو الجزائر کے قبضے میں ہونے کے باعث تیونس میں حاصل ہوسکتا ہے" پیرس پہنچ کر فرانسیسی وزیر اعظم نے اس غیر رسمی گفتگو کا خلاصہ قلمبند کر کے باضابطہ مراسلہ بھیجنے کی درخواست کی اور لارڈ سالسبری نے اس کے مطابق عمل کیا[3] اسی قسم کا مشورہ بسمارک نے دیا تھا جو ۱۸۷۱ء کے بعد سے فرانس کو ولایات رہائن کے عوض میں باہر نوآبادیاں حاصل کرنے کا شوق دلاتا رہتا تھا اور تاڑ گیا تھا کہ تیونس پر فرانس کا قبضہ اطالیہ میں فرانس پرستوں کے گروہ کا خاتمہ کر دے گا۔ یہ افواہ سن کر کہ صدر اعظم کاؤنٹ کورٹی کو تیونس لینے کی دعوت دی گئی ہے

فرانس کو تیونس کی طمع۔

ویڈنگٹن نے حکومت اطالیہ کو متنبہ بھی کیا تھا کہ فرانس مدت سے تیونس کو اپنی اغراض کے لئے ضروری سمجھتا ہے اور اطالیہ اس پر حملہ کرنے کی نیت صرف اس

[1] دیکھو Mayr کی کتاب "Der Italienische......" [2] Hanotaux کی "Contemp: France" جلد چہارم [3] لائف آف سالسبری جلد دوم ۳۳۲، ۳۳

صورت میں کر سکتی ہے جب کہ وہ علانیہ فرانس سے دشمنی مول لینے پر تیار ہو جائے۔ اس کے برخلاف اگست ۱۸۷۹ء میں ویڈنگٹن[1] نے اطالیہ کے سفیر پیرس سے یہ بھی کہا کہ ہم تیونس کے الحاق کے مخالف ہیں اور اس مسئلہ پر کبھی مجلس وزرا میں گفتگو کی نوبت نہیں آئی۔ پھر یہ کہ جب تک میں وزیر اعظم ہوں، اس بارے میں کوئی فیصلہ اطالیہ کی شرکت کے بغیر نہیں کیا جائے گا۔ جون ۱۸۷۹ء میں صدر جمہوریت گراوی نے اسی سفیر سے کہا کہ گو یہ ملک لڑائی کا بیج بن سکتا ہے لیکن بذات خود کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ ان سب باتوں کے باوجود اگلے ہی مہینے میں، ویڈنگٹن کے جانشین وزیر اعظم فرے سی نے نے اطالین سفیر سے جو الفاظ کہے اُن سے اطالیہ کے شبہات دور ہونے کی بجائے، ان کی تصدیق ہوتی تھی۔ اس نے کہا۔ "سر دست ہماری نیت ملک پر قبضہ کرنے کی نہیں ہے لیکن مستقبل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ تم کیوں تیونس کا خیال کئے جاتے ہو۔ تم اپنی توجہ طرابلس کی طرف کیوں نہیں منعطف کر لیتے؟" سفیر نے کہا "نہیں تیونس کا ارمان ہے نہ طرابلس کا۔ ہم صرف 'علیٰ حالہ' کے خواہاں ہیں" فرے سی نے نے پھر وہ جملہ دہرایا کہ مستقبل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ایک وقت، جو یقیناً ابھی بہت دور ہے، ممکن ہے کہ فرانس کو تیونس پر قبضہ کرنا پڑے۔ لیکن ایسا ہوا تو اطالیہ کو جس قدر پہلے ممکن ہوا اطلاع دے دی جائے گی اور اس کو کافی معاوضہ دلانے میں ہم اس کا ساتھ دیں گے۔"

لیکن مستقبل کو خدا کے ہاتھ میں چھوڑنے کی بجائے، درحقیقت فرے سینے نے اسی زمانے میں "ارض موعود" پر اپنا قدم جمانے کی کوشش کر رہا تھا چنانچہ اپنے خود نوشتہ سوانح میں تحریر کرتا ہے کہ[2] "گان بیٹا کی ہم راہی سے میں نے کوشش کی کہ برلن سے جو اجازت مل گئی ہے، اس سے کام لیا جائے

[1] Hanotaux وغیرہ وغیرہ

[2] کرسپی: ذاتی حالات۔ جلد دوم۔ باب دوم

اور روستان کو ہدایت کی کہ وہ تیونس کے بے کو فرانس کے زیر سیادت آنے پر آمادہ کرے۔ چنانچہ وہ قریب قریب مان گیا اور روستان نے مجھے لکھا کہ تفنگچیوں کا ایک جوق ساحل پر اتار دو اور اُدھر بے دستخط کر دے گا ہو ہیں اس کا حکم دینے والا تھا کہ عہدے سے الگ ہو گیا۔ میں نے فیرتی کو سارے معاملے کی اطلاع دے دی اور آخر میں کہہ دیا کہ پھل پکا پکایا ہے۔ موقع ملتے ہی تم اسے توڑ سکتے ہو۔ تیونس بڑا ہمسایہ تھا اور اس بات کا بھی ہر وقت خوف تھا کہ کہیں اطالیہ اپنے حریف سے پہلے نہ وہاں جا دھمکے"

یہ ملک جس کی داد و ستد کے متعلق یورپ کے دیوان خانوں میں اس طرح کھچڑیاں پک رہی تھیں، رسماً، دولت عثمانیہ کا ایک جزو تھا لیکن دو صدی

یورپ اور تیونس

سے وہاں ایک موروثی خاندان کی حکومت تھی۔ انیسویں صدی کے تیسرے ربع میں ملک کا بہت تھوڑا حصہ زیر کاشت تھا اور بھاری محاصل کے باوجود آمدنی مصارف کو پورا نہ کر سکتی تھی۔ ۱۸۶۹ء میں برطانیہ فرانس و اطالیہ نے ایک مالی نظارت ثلاثہ قائم کی تھی لیکن تینوں سلطنتوں میں سے ہر ایک خود ہاتھ مارنے کی فکر میں تھی، لہٰذا یہ تجربہ کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ برطانیہ کو سرکاری تعمیرات کے سلسلے میں بہت سی رعایتیں حاصل ہو گئی تھیں۔ فرانس رفتہ رفتہ اس ملک کو الجزائر کا ایک قدرتی ضمیمہ سمجھنے لگا تھا اور اطالیہ بڑی سلطنت بننے کے بعد ایسے ملک سے خواہ نخواہ تعلق پیدا کرنا چاہتی تھی جو صقلیہ سے صرف چند گھنٹے کے راستے پر واقع تھا اور اطالوی آبادکاروں کی روزافزوں تعداد وہاں جا جا کر آباد ہونے لگی تھی۔ ۱۸۷۰ء کے قریب سے تینوں سلطنتوں کے قنصلوں میں علانیہ کشمکش جاری تھی اور اتفاق سے یہ تینوں آدمی قابل اور دھن کے پکے تھے۔ ۱۸۵۵ء سے انگریزوں کی قائم مقامی سر رچرڈ وڈ انجام دے رہا تھا۔ فرانس کی طرف سے ۱۸۷۴ء میں روستان آیا جو شام میں فرانس کا قنصل رہ چکا تھا اور تلا ہوا تھا کہ تیونس کو اپنے وطن کے واسطے حاصل کرے۔ ادھر ماکیو بھی اسی شدومد اور بے باکی سے اطالیہ کے دعاوی منوانے کے درپے تھا۔ کئی موقعوں پر فرانس کے سفیر متعینۂ رومہ

کو اپنی حکومت کی طرف سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ حکومت اطالیہ کو خبردار کردے کہ عجب نہیں تاکیو کی بدعنوانیاں فرانس کو عملی کارروائی پر برانگیختہ کردیں کیونکہ گو فرانس تیونس کے الحاق کی نیت نہیں رکھتا لیکن اس بات کا کسی طرح روادار نہیں ہو سکتا کہ اطالیہ فرانس سے زیادہ، بلکہ اس کے برابر بھی رسوخ جمالے۔ جھگڑے کا فیصلہ حقیقت میں پیش از پیش برلن میں بات چیت کے ذریعے ہو چکا تھا اور فرانس کے لئے صرف مناسب موقع پر اپنے شکار کو دبوچ لینا باقی رہ گیا تھا[1]۔

فیری کا وزیر خارجہ برتھیلمی سینت ہلیئر، تیونس کو فرانس کے زیر سیادت ایک ریاست بنانے کا پختہ حامی تھا اور سرحد کے پہرہ چوکی کا انتظام درست کرنے کے بہانے اوائل ۱۸۸۱ء میں اس نے بے سے گفتگو شروع کی۔ روستان

زوال فیری کی تیاریاں

نے ایک اس قسم کا معاہدہ، جسے فرتے سی نے منظور کر چکا تھا، پیش کیا لیکن بے کو اسے ماننے میں تامل ہوا اور دول خارجہ کے قنصلوں نے اسے صلاح دی کہ بالکل انکار کردے۔ اسی زمانے میں شمال کے قبائل کرومیر نے سرحد پار الجزائر کے علاقے میں چھاپا مارا اور ۴ اپریل کو فیری نے ساٹھ لاکھ فرانک کی منظوری حاصل کرلی کہ امن قائم کرنے کی غرض سے ایک مہم روانہ کی جائے[2]۔ اس پر استنبول اور رومہ میں سخت شور برپا ہوا۔ کیونکہ ۱۸۳۵ء میں طرابلس پر دوبارہ ترکی کا قبضہ ہو جانے کے وقت سے، اسے تیونس پر بھی کہنے کو حق شہنشاہی حاصل ہو گیا تھا۔ بے کے نوبت بہ نوبت سلطان معظم کی خدمت میں بحیثیت خلیفۃ المسلمین تحائف بھیجنے سے یہ حق کسی حد تک تسلیم بھی کیا جانے لگا تھا۔ بلکہ ۱۸۷۱ء میں فرانس کی شکست و مصائب سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے

[1] فرانس کا طرز عمل ایک انگریز نے جس نگاہ سے دیکھا، اس کا اندازہ براوڈلے کی کتاب "دی لاسٹ پیونک وار" سے ہوتا ہے۔

[2] رامبو: "ژول فیری"

ترکی نے باضابطہ اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا جسے فرانسیسی حکومت نے فوراً کالعدم کر دیا اور ناجائز قرار دیا۔ بایں ہمہ فرانسیسی سپاہ کے تیونس پر چڑھائی کرنے کے وقت ترکوں نے اسی فرمان کا حوالہ دیا اور طرابلس میں فوجی کمک اور جہاز بھیجنے کی تیاریاں کیں۔ فرانس نے بگڑ کر لکھا کہ اگر ترکی جہاز ساحل پر نمودار ہوئے تو ان پر حملہ کیا جائے گا۔ ادھر گیرو ولی نے اعلان کیا کہ فرانس نے مجھے دھوکا دیا اور انگریزوں سے درخواست کی کہ بحری مظاہرے میں شریک ہوجائیں۔ اطالوی سفیر نے فرے سی نے سے شکایت کی کہ "اگر فیری مجھے اپنے ارادے سے مطلع کر دیتا تو ہم اطالیہ کی عام رائے کو تیار کر لیتے۔ لیکن موجودہ حالت میں تو ہم محض بیوقوف نظر آتے ہیں" بدنصیبی سے فیری اپنے پیش روکے وعدے کا اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی قطعی کارروائی کرنے سے قبل اطالیہ کو آگاہ ہوجانے دیتا اور اس نے حجت کی کہ گو اطالیہ کو حیرت ہوئی ہو مگر اسے دھوکا نہیں دیا گیا۔ ادھر بسمارک نے فرانسیسی سفیر کو اطمینان دلایا کہ جرمانیہ فرانسیسی کارروائی کی کوئی مخالفت نہیں کرے گی گو اس کا نتیجہ الحاق بھی کیوں نہ ہو[1]۔ گرین ویل نے ثالثی پر آمادگی ظاہر کی مگر استنبول میں کارروائی کرنے سے انکار کیا اور صرف فرانس سے اتنی توثیق کرالی کہ برطانوی تجارت کے حق میں جو معاہدے (تیونس نے) کیے ہیں وہ بحال رہیں گے اور بزرتا کو قلعہ بند نہ کیا جائے گا۔

۱۸۸۱ء کی ہزیمت کے بعد تیونس کی مہم فرانس کی پہلی جنگی کوشش تھی اور حصول مقصد کچھ بھی دشوار نظر نہ آتا تھا۔ ۲۴ ہزار سپاہ نے

عہد نامہ باردو

الجزائر سے پیشقدمی کی اور ۸ ہزار سپاہی بزرتا پر لنگر انداز ہوئے۔ بہت معمولی مزاحمت کے بعد بے نے قسمت کے آگے سر جھکا دیا اور ۱۲ مئی کو عہد نامہ باردو پر دستخط

[1] سینٹ ہلیئر نے بسمارک کو رنج کا خط لکھ کر اس جرمن تائید پر فرانس کی طرف سے شکریہ ادا کیا۔

کر دیئے جو فرانسیسی سپہ سالار نے پیش کیا اور جتا دیا کہ اگر انکار رہا تو بے کو حکومت سے معزول کر دیا جائے گا لیکن مان جانے کی صورت میں اس کے پائے تخت میں فرانسیسی فوج داخل نہ ہوگی۔ اس عہد نامے کی رو سے تیونس فرانس کی (زیر حفاظت) ریاست بن گیا۔ بے اور اس کے خاندان کی جان و مال کی حفاظت کا فرانس نے بیڑا اٹھایا اور بیرونی ممالک سے تعلقات ہاتھ میں لیتے وقت دول سے جو معاہدے ہو چکے تھے ان کی ضمانت کی۔ خزانے کی اصلاح کا ذمّہ لیا گیا۔ اور ایک مستقل وکیل فرانس کا قائم مقام مقرر ہوا۔ جرمانیہ، آسٹریہ اور ہسپانیہ نے فرانس کو مبارکباد دی اور ترکی کے کاغذی معارضات پر کسی نے کان نہ دھرا۔ گامبتا نے فیری کو جو فرانس کی دوسری استعماری سلطنت کا حقیقی بانی تھا، فخریہ تحریر کیا کہ "فرانس، دول عظمیٰ میں دوبارہ اپنی جگہ لے رہا ہے"۔ تیونس کو فرانس کی زیر حفاظت ریاست بنانے میں بیس دن سے زیادہ صرف نہ ہوئے اور ۲۳ مئی کو عہد نامہ باردو کی تصدیق و توثیق ہو گئی۔ صرف کلے منیسو نے اس بنیاد پر اس کے خلاف رائے دی کہ یہ عہد نامہ یورپ کے نظام کو سرتا پا بدلے دیتا ہے اور ان بیش قیمت دوستیوں کو جو میدان جنگ میں مضبوط ہوئی ہیں اس نے کمزور کر دیا ہے" بے کی اطاعت کو ساری رعایا کی اطاعت سمجھکر فیری نے بہت سی فوج واپس بلا لی لیکن جنوبی علاقہ مفتوح نہ ہوا تھا بہت جلد وہاں کے قبائل نے سرکشی کی۔ اسفاز پر گولہ باری کی گئی اور حملہ کر کے لے لیا گیا فوج کی تعداد بڑھا کر پچاس ہزار کر دی گئی اور ۲۸ اکتوبر کو قیروان کا مقدس شہر جس پر شدید گرمی میں حملہ ملتوی کر دیا گیا تھا، فتح ہوا تو بغاوت ختم ہو گئی ؎

تیونس پر فرانس کے قبضے نے کیرولی کی وزارت کا خاتمہ کرا دیا اور اس نے فرانسیسی سفیر کے آگے فریاد کی کہ فرانس کو چاہنے والا میں آخری وزیر تھا۔ اطالیہ بھر میں سخت طیش پیدا ہوا۔ اطالیہ میں لوگوں کا غصہ

خاندان شاہی کے رسوخ و اثر کو صدمہ پہنچا اور وہاں کے حکام کا غرور ٹوٹا تو اس رنج میں انہوں نے ایک بڑا بھاری ارادہ کر لیا۔ انہوں نے دل میں سوال کیا کہ جس ملک نے تیونس کو فرانس کا لقمہ بنا لیا ہے اسے طرابلس کو ہضم کر جانے میں کون شے مانع ہوگی؟ بلکہ خود ہمارے جزیرہ نما کے غیر محفوظ ساحلوں پر حملے کرنے سے کون روک سکے گا؟ اطالیہ کی قدرتی حلیف بحر متوسط کی سب سے قوی بحری طاقت ہو سکتی تھی لیکن برطانیہ نے اس فعل کے خلاف (جس کا خود فرانس کو اشارہ کیا تھا) آواز بلند کرنے سے انکار کر دیا۔ پس اب اپنے سب سے بڑے دشمن فرانس کے سوا اور کس کا سہارا اطالیہ لے سکتی تھی۔ فرانس کے ساتھ کرسپی نے چار سال پہلے دفاعی معاہدے کے متعلق گفت و شنید بھی کی تھی۔[1]

سنہ۱۸۷۹ء میں آسٹریہ اور جرمانیہ میں رشتۂ اتحاد قائم ہوا تو وہاں کی حکومتوں میں اطالیہ کے بارے میں بھی بہت کچھ بحث مباحثہ ہوتا رہا تھا لیکن بسمارک اور ہیمرلے میں سے کسی کو بھی اطالیہ کے مدبروں یا اطالیہ کی جنگی قوت پر بھروسہ نہ تھا اور بسمارک تو روس کی طرف طعمہ پھینکنے کی بجائے سینٹ پیٹرزبرگ کی ڈور کو درست کرنے کا کہیں زیادہ مشتاق تھا۔ لیکن ہیمرلے اس کی رائے کے خلاف روس کو آگ ڈالے رکھنا چاہتا تھا اور سیاسی شطرنج کی بساط پر اطالیہ کو بہت کارآمد مہرہ گردانتا تھا۔ اسی لئے وہ ایسا کوئی کام کرنے سے گریز کرتا تھا جس سے اطالیہ فرانس کی طرف ڈھل جائے اور پھر وہاں کے نامطمئن گروہ، فرانس کی وساطت سے روس کے ساتھ رشتہ جوڑ لیں۔ چنانچہ جب اطالیہ "نجات نایافتہ" کے حامیوں کے جواب میں بسمارک نے اشارہ کیا کہ آسٹریہ فوج میں اضافہ کرے تو ہیمرلے نے یہ تجویز قبول نہ کی اور نہ حقیقت میں وہ کھوئے ہوئے علاقے کو ایسی جنگ کے ذریعے واپس لینے کا خواہاں تھا، جو شمال کی طرف سے

---

[1] دیکھو پرِیب رم: "دی سیکرٹ ٹریٹیز" جلد دوم۔ باب اول وغیرہ وغیرہ۔

آسٹریہ پر جنا حی ضرب لگانے کا موقع بہم پہنچائے۔ اس کی حکمت عملی یہ تھی کہ اطالیہ سے جھگڑا مول لینے سے احتراز کیا جائے اور وسطی سلطنتوں کے حلقے میں برطانیہ کو کھینچ لیا جائے کہ وہ بھی دولت روس کی دشمن تھی اور اگر آسٹریہ کی روس کے ساتھ جنگ ہو تو وہ اطالیہ کو قابو میں رکھ سکتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے اتحاد ثلاثہ پر برطانیہ کو رضامند کرنا، جس کی دھار روس کی طرف ہو، دشوار ہے اور اسی لئے کالنوکی کو سفارت پر سینٹ پیٹرزبرگ بھیجتے وقت اس نے فروری ۱۸۸۱ء میں برلن کے راستے سے اسے روانہ کیا تو محض آپس کے مشورے کے طور پر کہلوایا کہ برطانیہ سے مدد کے واسطے کہا جائے۔ صدر اعظم نے کہا میں نہیں چاہتا کہ آسٹریہ اطالیہ پر حملہ کرے یا اسے اشتعال دے، البتہ رومہ میں صاف گوئی سے کام لینا چاہیے۔ اطالیہ کی یہ گیدڑ کی سی حکمت عملی کہ ہمیشہ عقب سے حملہ کرنے اور مال غنیمت میں حصہ بٹانے کے واسطے تیار رہتی ہے، یقیناً زجر و توبیخ کے قابل ہے۔ مجھے اب ذرا توقع باقی نہیں کہ وہ لائق اعتماد حلیف ہو سکتی ہے۔ لیکن بسمارک نے انگلستان سے استدعا کی تائید نہیں کی اور اسے غیر ضروری بتایا کیونکہ انگلستان بہر صورت اسے قابو میں رکھے گا اور اگر ہم نے انگلستان کو ساتھ لیا تو روس کی نظر میں اس جتھے کا بھوت خواہ مخواہ وہم و بدظنی پیدا کر دے گا۔

اکتوبر میں اطالیہ کو فرانس کے تیونس کے متعلق تیور برے نظر آئے تو اس کی سلسلہ جنبانی پر پھر گفتگو شروع ہوئی۔ جرمن صدر اعظم نے جواب دیا کہ برلن کی سڑک وی آنا سے گزرتی ہے اور جب حکومت وی آنا نے اطالوی تجاویز سننے پر آمادگی ظاہر کی تو اطالیہ کے وزیر خارجہ مانچینی نے اپنے بادشاہ کے فروری ۱۸۸۲ء میں پہلی مرتبہ وی آنا آنے سے کچھ ہی روز قبل، غیر جانب دار رہنے کا ایک معاہدہ تیار کیا جو "قوی تر تعلقات کی تمہید" تھی۔ یہ مشرق میں ۱۸۷۸ء کی قرارداد کے مطابق صورت حالات

ہمبرٹ کا ورود وی آنا میں۔

کے بجنسہ رہنے کی بنیاد پر مرتب کیا گیا تھا۔ مانفئے نے آخر میں جتایا تھا کہ تیونس و طرابلس کی داد وستد کی شرطوں پر فرانس اطالیہ کو دوست بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہیمرلے نے غیر جانب داری کے قول قرار کو پسند کیا لیکن یہ اور کہا کہ مشرق میں موجودہ تقسیم ممالک کو علی حالہ رکھنے کی شرط سے بوسنیہ اور ہرزیگووینہ کو خارج کرنا پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں آسٹریہ یہ عہد کرنے پر تیار ہے کہ وہ البانیہ یا سلانیک کی طرف کوئی پیشقدمی نہیں کرے گی، بشرطیکہ اطالیہ بھی ایسا ہی عہد کرے، اور اڈریاٹک کے باہر بحر متوسط میں اطالیہ کے نفوذ کی توسیع کی مخالفت نہ کرے گی بلکہ مسئلہ تیونس میں اطالیہ کے موافق تصفیہ اور طرابلس کے الحاق کی تائید کرے گی۔ ویانا سے موافق منشا جواب ملنے کے باوجود سرکاری طور پر خط کتابت شروع نہیں ہوئی اور روما کے آسٹریہ سفیر نے اطلاع دی کہ وہ غیر سرکاری تقدیم فی الواقع کوئی خاص معنی نہیں رکھتی تھی۔ ادہر تھوڑے ہی دن میں خود آسٹریہ کو اتنی خواہش نہیں رہی کیونکہ ۱۸ رجون کو حزب قیاصرۂ ثلاثہ کی تجدید نے اتحاد اطالیہ کی قدر وقیمت کو گھٹا دیا تھا۔

معاہدہ باردو کی اطلاع روما پہنچی تو سونینو نے لکھا کہ اطالیہ کو برطانیہ کی دوستی اور جرمانیہ و آسٹریہ سے اتحاد کرنا لازم ہے کیونکہ

بسمارک کا مشورہ

سب سے الگ تھلگ رہنا تباہی کے مرادف ہوگا۔ جون میں مارسیلز کے ایک کشت و خون کے ہنگامے سے فرانس کے خلاف اور بھی طیش پیدا ہوا کہ تیونس سے واپس آنے والے فرانسیسی سپاہیوں کا سیٹی سے خیر مقدم کیا گیا تو بلوائیوں نے اطالیہ والوں کو اس فعل کا مجرم سمجھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ بہت سے اطالوی شہر چھوڑ کر چلے گئے اور اطالیہ میں فرانس کی مخالفت میں مظاہرے کئے گئے۔ بایں ہمہ کئی مہینے تک حکومت نے کوئی بات طے نہیں کی اور موسم خزاں میں صرف ایک تجارتی معاہدے کے متعلق گفت وشنید حسب مراد اتمام کو پہنچی۔ وزیر اعظم دے پریٹس

"اطالیہ نجات نایافتہ" کا پرانا حامی اور آسٹریہ سے متنفر تھا، اسی طرح وزیر خارجہ مانچینی اس بارے میں سست سا تھا، تاہم یہ دونوں بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ اکتوبر میں وی آنا گئے۔ میزبانوں نے اتحاد کی تجویز نہیں کی اور مہمانوں نے انکاری جواب سننے کے خوف سے پہلو بچایا۔ لیکن ان کا خیر مقدم جس تپاک سے ہوا اس نے اور صورت حالات پر عام گفتگو نے راستہ صاف کر دیا۔ بسمارک سے از سر نو بیچ میں پڑنے کی استدعا کی گئی تو جواب ملا کہ اطالیہ تحفظ کی ضرورت مند ہے لہٰذا مسابقت اسی کو کرنی چاہیئے۔ پھر صدر اعظم نے آسٹریہ کے نئے وزیر خارجہ کالنوکی کو اطالیہ کی کارروائی کی اطلاع دی اور یہ بھی لکھا کہ ایسی قرارداد یک طرفہ اطالیہ کے مفید ہوگی، خاص کر اس لئے کہ اس کی حکمت عملی پر اعتماد نہیں ہو سکتا اور اس کے وزرا کا آئے دن عزل و نصب، آسانی سے اس کے دوستوں کو پریشانی میں مبتلا کر سکتا ہے اور اس بات کو مشتبہ بنا سکتا ہے کہ وہ اپنے عہد پورے بھی کرے گی یا نہیں۔ اس نے اپنے ساتھ والوں کو نصیحت کی کہ وہ اس حد تک اطالیہ کی بات ماننے سے انکار نہ کریں جس حد تک کہ وہاں کے خاندان شاہی اور اس لئے شخصی بادشاہی کے اصول کو تقویت پہنچ سکتی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ صلاح دی کہ اس وقت تک جواب ملتوی رکھا جائے جب تک کہ حکومت اطالیہ کی پاپا کے ساتھ کوئی مصالحت کی صورت نہ نکل آئے۔ پھر آسٹریہ اور جرمانیہ کی طرف سے جو کچھ ذمہ داریاں لی جائیں، وہ ان سلطنتوں کے روس کے ساتھ موجود تعلقات اسی طرح بحال رہنے پر مشروط ہونی چاہئیں۔ اس تامل کے باوجود، شاہ ہمبرٹ اور اس کے وزرا بات ملے ہونے کے مشتاق تھے اور ۱۸۸۱ء کے آخری ایام میں برلن اور وی آنا کے اطالوی سفیروں کو یہ بیان کرنے کی ہدایت پہنچی کہ خاص خاص مسائل کو علیحدہ رکھ کر اطالیہ چاہتی ہے کہ آسٹریہ اور جرمانیہ سے مربوط ہو جائے اور اگر ان سلطنتوں کے دوسری طاقتوں سے تعلقات اتحاد کی اجازت نہ دیں، تو بھی اطالیہ ان کے ساتھ اشتراک

عمل کرے گی۔ ۱۹ر جنوری ۱۸۸۲ء کو کالنوکی اور وی آنا کے اطالوی سفیر روبی لانت کی پہلی گفتگو ہوی اور یکم فروری کو برلن کے اطالوی سفیر لاونے بسمارک سے اتحاد کے بارے میں بات چیت کی۔ صدر اعظم نے خیال ظاہر کیا کہ چونکہ جرمانیہ کو اطالیہ سے کوئی اختلاف نہیں ہے لہذا عہد نامے کے واسطے اسے پہلے آسٹریہ کو اپنا ہمرائے بنانا چاہئے "برلن کو جس دروازے سے راستہ آتا ہے اس کی کنجی وی آنا میں ہے" اس نے بعض مشکلات کا بھی ذکر کیا جن میں وہ بے اعتباری بھی تھی جو رومہ میں وزارت کے تغیر و تبدل سے باہر والوں کو ہوتی تھی۔ اور سفیر کو اس طرح رخصت کیا کہ نہ اسے گفتگو سے پورا اطمینان ہوا اور نہ بالکل نا امیدی ہو

وی آنا میں گفتگو کچھ آسان نہ تھی۔ روبی لانت نے تجویز کی کہ ہر دو فریق ایک دوسرے کے علاقے کے ضامن ہو جائیں۔ کالنوکی نے اسے مسترد کیا کہ اس میں دونوں کے واسطے بہت جوکھوں تھا۔ اور غیر جانب داری کے جس معاہدے کو اس نے پسند کیا اسے روبی لانت نے بے کار قرار دیا۔ کالنوکی نے بسمارک سے مشورہ لیا اور اس نے صلاح دی کہ رومہ پر قبضہ کی ضمانت کو عہد نامے سے خارج رکھنا چاہیے لیکن روکھی پھیکی غیر جانب داری سے کچھ زیادہ اقرار کرنا چاہیے کہ مبادا اطالیہ اپنے پائے تخت کی ضمانت کے عوض اپنے تئیں فرانس کے ہاتھ فروخت کر دے۔ آخر کار ایک قرارداد ایسی ضمانت اور غیر جانب داری کے بین بین طے ہوی، جس پر ۲۰ مئی کو وی آنا میں دستخط ہو گئے۔ قرار پایا کہ اگر اطالیہ پر فرانس بلا کسی اشتعال کے حملہ آور ہو تو اطالیہ کے شرکا اس کی امداد کو آئیں گے اور اس کے معاوضے میں اطالیہ جرمانیہ کو فرانس کے حملہ کرنے کی صورت میں مدد دے گی۔ اگر اتحادیوں میں سے کسی ایک یا دو پر حملہ ہوا اور انہیں دو یا زیادہ طاقتوں سے لڑنا پڑا تو مشترک سبب جنگ پیدا ہو جائے گا۔ اگر شرکائے اتحاد میں کسی کی سلامتی، کسی بڑی طاقت کی طرف سے

اتحاد نامے پر دستخط ہو گئے۔

معرض خطر میں پڑ جائے اور وہ جنگ کرنے پر مجبور ہو تو دوسرے حلیف دوستانہ غیر جانب داری پر عامل ہوں گے اور ان کا یہ حق محفوظ رہے گا کہ اگر مناسب سمجھیں تو خود بھی شریک جنگ ہو جائیں۔ امن شکنی کا اندیشہ ہو تو اتحادی فوجی تدابیر کے متعلق باہم مشورہ کریں گے۔ یہ میثاق پانچ سال تک نافذ اور دوسروں سے مخفی رہے گا۔ اطالیہ کی خواہش پر ہر ایک حلیف نے ایک مزید اعلان پر بھی دستخط کئے کہ یہ عہد نامہ کسی حال میں برطانیہ کے خلاف نہیں سمجھا جائے گا۔

اطالیہ کے فوائد

معاہدے کی درخواست اگرچہ اطالیہ کی طرف سے ہوئی لیکن آسٹریہ کی نسبت وہ زیادہ فائدے میں رہی کیونکہ آسٹریہ تو پابند ہو گئی کہ فرانس کے حملے کی صورت میں اپنے حلیف کو مدد دے لیکن اطالیہ پر لازم نہ تھا کہ روسی آسٹریہ پر چڑھ دوڑیں تو وہ اپنے حلیف کا ساتھ دے۔ مزید براں اس اتحاد نے اطالیہ کو خود آسٹریہ کے حملے سے محفوظ کر دیا۔ موتمر برلن میں اس نے بہت کم حصہ لیا تھا لیکن ۱۸۸۲ء کے بعد سے وہ بڑی طاقت شمار ہونے لگی، اگرچہ قبضہ روما کی ضمانت جس کی بہت تمنا تھی اسے حاصل نہ ہوئی تاہم اس پر دعوی پہلے کی نسبت زیادہ مضبوط ضرور ہو گیا۔ عہد نامے سے وسطی سلطنتوں کو بھی بعض معقول فوائد حاصل ہوئے۔ بسمارک کو نہ صرف اس بعید خطرے سے نجات مل گئی کہ کہیں اطالیہ فرانس کے ساتھ جرمانیہ پر حملہ کرنے میں شریک نہ ہو جائے، بلکہ ایسے حملے کو روکنے کے واسطے ایک حلیف ہاتھ آگیا۔ آسٹریہ کو بھی یہ غم نہ رہا کہ روس کے ساتھ مرگ و زیست کا فیصلہ کرنے والی جنگ چھڑی تو کہیں عقب سے اس پر حملہ نہ ہو جائے۔ اور فرانس و روس کے ملکر حملہ کرنے کی صورت میں اطالیہ کی اعانت کا بھروسا ہو گیا۔ اخبار فرینک فرٹرزی ٹنگ نے اس اتحاد ثلاثہ کو بجا طور پر "معقولیت کا پیوند" خطاب دیا تھا۔ مگر اس سے آسٹریہ اور جرمانیہ کے ۱۸۷۹ء والے معاہدے میں کوئی ترمیم و تغیر واقع نہ ہوا جس کی اطالیہ کو خبر تک

نہ تھی تو آئندہ سال نان چینی نے آسٹریہ اور جرمانیہ سے اپنے معاہدہ کر لینے کا راز ظاہر کیا اگرچہ اس کی شرطیں بیان نہ کیں اور اطالیہ کے جملہ سیاسی سرگروہوں نے، بلکہ خود کیرولی تک نے اظہار پسندیدگی کیا۔ انتخاب عام میں وزرا پر اعتماد کی رائے دی گئی۔ اور اوبر ڈنگ جس نے فرانسس جوزف کو مارنا چاہا تھا، قتل ہوا اور اس پر حامیان "نجات نا یافتہ اطالیہ" کے ہنگامے برپا ہوئے تو حکومت نے ان کا سختی سے سدباب کیا جو اس امر کی مزید شہادت تھی کہ اطالیہ کے حکام نے ایک نئی روش پر چلنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ پاپائی حلقوں میں، جہاں سب کا ایمان تھا کہ فرانسس جوزف کبھی خاندان سیوائے کے ساتھ میل نہیں کر سکتا، یہ اتحاد قدرتی طور پر ناپسند کیا گیا۔ لیکن وسطی سلطنتوں کے ارباب بست وکشاد کو یہ حقیقت کئی سال کے بعد اور وہاں کے لوگوں کو اور بھی زیادہ عرصے میں ظاہر ہوئی کہ وہ زنجیر جس نے اطالیہ کو نئے حلیفوں کے ساتھ وابستہ کیا، کس قدر کمزور و ناپائدار تھی۔

فرانس یا روس کی طرف سے موجودہ تقسیم ممالک میں خلل پڑنے کے سدباب میں یہ نظام جو بسمارک نے تیار کیا تھا، اس کی تکمیل سرویہ اور رومانیہ سے خفیہ معاہدے کے ذریعے ہو گئی۔

آسٹریہ اور سرویہ کا معاہدہ ۱۸۸۱ء

موتمر برلن میں روس نے سارا زور بلغاریہ کی اعانت و دستگیری میں خرچ کیا تھا لہٰذا وہ سرویہ کی پوری طرح حق رسی نہ کر سکا تھا بلکہ نش و پیروٹ بھی جو ان دونوں بلغاریہ والوں کے قبضے میں تھے، اندر ہی کی کوشش سے سرویہ کے ہاتھ آئے تھے۔ پس اگرچہ سرویہ کو آسٹریہ کا بوسنیہ پر قبضہ کر لینا پسند نہ تھا تاہم مذکورۂ بالا خدمات نے اسے وہی آنا کی جانب مائل کر دیا۔ اہل سرویہ طبعاً روس پسند تھے۔ مگر سان سٹی فانو کے معاہدے سے بلغاریہ کلاں کی تشکیل ہوتے دیکھ کر انہیں سخت صدمہ پہنچا کیونکہ ترکوں کے خلاف مشترکہ جنگ میں انہوں نے جو کچھ حصہ لیا تھا، وہ اس کے انعام کی امید میں تھے۔ ۱۸۸۱ء میں ان کا

وزیر خارجہ میجاٹو وچ[۱] ہیمرلے سے گفتگو کرنے وہی آنا پہنچا اور ہیمرلے نے صاف کہہ دیا کہ اگر سرویہ روس کی متابعت سے آزاد ہو جائے تو اس کے جنوب میں وسعت پانے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اور ۲۸ جون ۱۸۸۱ء کو آسٹریہ کے وکیل بلگریڈ اور سرویہ کے وزیر خارجہ نے ذیل کے خفیہ عہدنامے پر دستخط کر دیئے جس کی میعاد دس سال قرار پائی:

۱۔ دونوں طاقتیں عہد کرتی ہیں کہ دوستانہ روش رکھیں گی۔

۲۔ سرویہ ایسی کسی سیاسی، مذہبی یا اور کسی قسم کی سازش کو جائز نہ رکھے گی جو اس کے ملک کو مقام آغاز بنا کر آسٹریہ کی بادشاہی کے خلاف (جس میں بوسنیہ، ہرزی گووینہ اور نووی بازار کا سنجق بھی داخل ہیں) پکائی جائے۔ اسی قسم کی ذمہ داری سرویہ اور وہاں کے شاہی خاندان کے بارے میں آسٹریہ لیتی ہے:

۳۔ اگر والی سرویہ خطاب بادشاہی اختیار کرنا چاہتا ہے تو آسٹریہ اسے تسلیم کرے گی اور دوسری طاقتوں میں تسلیم کرانے کے لئے بھی اپنا رسوخ صرف کرے گی:

۴۔ آسٹریہ سے پہلے سے مفاہمت کئے بغیر سرویہ کسی دوسری حکومت کے ساتھ کوئی سیاسی عہدنامہ نہیں کرے گی اور نہ اپنے ملک میں کسی غیر قوم کی باقاعدہ یا بے قاعدہ حتیٰ کہ مطوعہ فوج کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہ دے گی:

۵۔ اگر دونوں میں کسی کو لڑائی کا خوف ہو یا لڑائی چھڑ جائے تو دوسرا فریق دوستانہ غیر جانب داری پر عامل رہے گا۔

۶۔ جہاں فوجی مشارکت ضروری سمجھی جائے، وہاں حربی مفاہمت کے ذریعے تفصیلی شرطیں طے کر لی جائیں گی۔

[۱] میجاٹو وچ: "میمو ائرزاوف اے بالکن ڈپلومیٹسٹ" باب سوم اور پربیب رم کی کتاب "سیکرٹ ٹریٹیز" جلد اول۔

۷۔ اگر ایسی صورتیں، جن کا اس وقت قرینہ نہیں نظر آتا، پیش آئیں کہ سرویہ کو جنوب میں (سنجق کو مستثنیٰ کر کے) مزید علاقہ حاصل کرنے کا موقع مل جائے تو آسٹریہ اس کی مخالفت نہ کرے گی اور دوسری طاقتوں پر بھی اپنا اثر صرف کرے گی کہ وہ سرویہ کے موافق ہو جائیں۔

سرویہ میں بادشاہی اعلان ۱۸۸۲ء

میلان، فرمانروائے سرویہ نے ایک "ذاتی اعلان" بھی اس معاہدے کے ساتھ ضم کر دیا تھا کہ "میں اس تحریر کی رو سے باضابطہ اقرار کرتا ہوں کہ آسٹریہ کی اطلاع اور پہلے سے رضامندی لئے بغیر میں کسی سیاسی معاہدے کے متعلق کسی تیسری طاقت سے گفت و شنید نہ کروں گا۔" موسم خزاں میں سرویہ کا وزیر اعظم، جسے ایک فقرے کی نسبت پورا اطمینان نہیں ہوا تھا، ویانا آیا اور دونوں حکومتوں کی طرف سے ایک اعلان" کے ذریعے اس مفہوم کی دوبارہ صراحت کر لی جو سمجھا تو درحقیقت کے نزدیک پہلے ہی صاف تھا۔ صراحت یہ تھی کہ "فقرہ نمبر ۴ سے سرویہ کا کسی طاقت کے ساتھ عہد نامہ کرنے کا حق زائل نہیں ہوتا گو عہد نامے کی نوعیت سیاسی بھی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس فقرے کا منشا بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ سرویہ پابند ہو گی کہ کوئی ایسا سیاسی عہد نامہ یا اس کے لئے گفتگو نہ کرے جو معاہدہ ہذا کے منشا یا مراد کے معارض ہو" اس طرح سرویہ نے جنوب میں اپنی حدود بڑھانے اور ریاست کو بادشاہی بنانے میں آسٹریہ کی اجازت حاصل کر لی اور یہ وہ حق تھا جس سے امیر میلان نے سال آئندہ ہی فائدہ اٹھایا۔ اور اس کے عوض میں سرویہ نے اپنے خارجی تعلقات آسٹریہ کی نگرانی میں دے دیئے اور اپنے سرکاری سرمائے کے حسابات روسی ساہوکارے سے ہٹا کر ایک آسٹرو جرمن مہاجن کے ہاں منتقل کر لئے۔ فروری ۱۸۸۳ء میں سرویہ کو اپنی وفاداری کا

یہ صلہ ملا کہ مذکورہ بالا معاہدے کی ۱۸۹۵ء تک تجدید کر لی گئی اور اس کے حق میں مزید مراعات اور کفالتیں کی گئیں۔ آسٹریہ نے ذمہ لیا کہ وہ جبل اسود کی طرف سے کسی حملہ آور کو سرویہ پر چھاپہ مارنے کے لئے اپنے زیرنگرانی علاقے میں سے نہ گزرنے دے گی اور ترکی سے بھی اصرار کرے گی کہ ضرورت ہو تو وہ بھی اسی قسم کی کارروائی کرے۔ علاوہ ازیں سرویہ کو اجازت دیگئی کہ وہ وادی وردر کی جانب جس حد تک "موقع دیکھے" اپنی سرحد کو وسیع کرسکتی ہے۔[1]

سرویہ کی طرح رومانیہ بھی ترکی جنگ میں روس کے ساتھ ہو کر لڑی تھی اور سرویہ کی مثل وہ بھی اپنا واجبی انعام نہ پانے سے نہایت ناخوش

رومانیہ کا خفیہ عہدنامہ

ہوئی تھی۔ بساربیہ کی جبری تحویل کا رنج اس کے دل سے محو نہ ہوا تھا اور ۱۸۸۳ء میں جب روس نے وسطی سلطنتوں کو دھمکیاں دینی شروع کیں تو رومانیہ کے ہوہن زولرن فرمانروا کے میلان خاطر سے قرینہ نظر آنے لگا کہ وہ برلن و وی آنا کے ساتھ ہو جائے گا۔ کارول کے روزنامچے سے ۱۸۸۰ء میں پہلی مرتبہ آسٹریہ سے سیاسی ارتباط کے واسطے سلسلہ جنبانی کی اطلاع درج ہے۔ مگر یہ کوشش اس بنا پر ناکام رہی کہ رومانیہ نے ٹرینسلوانیہ اور بکووینہ کا مطالبہ کیا۔ ۱۸۸۳ء میں بسمارک اور کالنوکی سے طول طویل گفتگو کے بعد آسٹریہ کے وزیر خارجہ اور رومانیہ کے سفیر متعینہ وی آنا نے ۳۰ اکتوبر کو ایک پنجسالہ خفیہ معاہدے پر دستخط کردئے۔ قرار پایا کہ اگر رومانیہ پر بغیر کسی اشتعال کے حملہ ہو تو آسٹریہ اس کی مدد کرے اور اگر آسٹریہ کی ولایات کے ان حصوں پر جو سرحد روس سے متصل ہیں حملہ ہو تو رومانیہ اس کی شریک ہوجائے۔ اگر دونوں میں سے کسی فریق پر حملے کا اندیشہ ہو تو حربی مسائل

---

[1] "Aus............Karls" چہارم

[2] "ڈائی گروس پولیٹیک" وغیرہ۔

ایک مفاہمت نامے کے ذریعے طے کرلیے جائیں۔ اسی روز ایک معاہدے پر، جس میں جرمانیہ کی شرکت کی گنجائش رکھی تھی، دستخط ہو گئے اور دونوں فریقوں نے بلا تاخیر قیصر ولیم کو باہنے میثاق بن جانے کی دعوت دی۔ جرمانیہ نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اور پانچ سال بعد اطالیہ سے استدعا کی گئی اور وہ بھی اس عہد نامے میں شریک ہو گئی۔ اس معاہدے کی میعاد گزرنے پر تجدید ہوتی رہی اور ۱۹۱۴ء تک یہ موجود اور نافذ تھا۔

۱۸۸۲ء میں بسمارک پہلے سے بھی زیادہ اپنی سعی کی کامیابی پر فخر کرسکتا تھا، کہ آسٹریہ اور اطالیہ دونوں اس کے حلیف تھے۔ برطانیہ سے دوستانہ تعلقات اور انگریز و جرمن فرمانروا شادی کے ذریعے قریبی رشتہ دار تھے۔ اتحاد قیاصرہ کی احیا کر کے روس کو اس میں شریک کر لیا گیا تھا سرویہ کی حکمت عملی ویانا کے حلقہ اثر میں حرکت کرتی تھی اور ایک حلیف ہوہن زولرن بادشاہ بخارست میں فرماں روا تھا۔ اسی سال فان ڈر گولٹز نے ترکی سپاہ کی جدید تنظیم شروع کی اور باسفورس کے کنارے جرمن رسوخ کی تمہید ڈالی۔ فرانس تنہا رہ گیا تھا کہ مصر کے معاملے میں برطانیہ سے اور تیونس پر اطالیہ تک سے اس کی کشیدگی ہو گئی۔ اور سرگرم عمل ژول فیری، کی ماتحتی میں معلوم ہوتا تھا کہ اس ملک نے وادیٔ رہائن سے اپنی توجہ ہٹا کر استعماری سلطنت تیار کرنے کے طمع انگیز کام پر مبذول کر دی ہے اور اس میں برلن کی سیاسی امداد اسے حاصل ہو رہی ہے، جس کا وہ ممنون ہے۔ طاقتور صدر اعظم ایک دیو کی طرح سارے یورپ پر چھایا ہوا نظر آتا تھا اور چھوٹے درجے کے لوگ سہمے ہوئے اسے تکا کرتے تھے کہ کس بات پر وہ شگفتہ ہوا اور کب اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

باب سوم

ممالک افریقہ کی لوٹ مار

موتمر برلن کے بعد سے دول یورپ کے تعلقات میں بیرون یورپ کی تجارت و مقبوضات کی رقابت سے روز افزوں پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں اور "بر سیاہ" حرص و آز، کشورستانی اور ساز باز کا طمع انگیز میدان بن گیا۔ اس داستان کے آغاز کے وقت دول کے مقبوضات، نقشے پر صرف چند چتیاں نظر آتے تھے یعنی شمال میں الجزائر۔ ہزاروں میل کے فاصلہ پر جنوب میں بعض برطانوی نوآبادیاں اور مشرقی و مغربی سواحل پر کہیں کہیں برطانیہ، اسپین اور پرتگال کی چند نوآبادیاں تھیں۔ لیکن چالیس سال گزرنے پر حبشہ اور لائی بریہ، صرف دو افریقی ملک ایسے رہ گئے تھے جن پر اہل یورپ کا قبضہ نہ تھا۔ اس تکا بوٹی کرنے کی دیوانہ وار عجلت میں کشمکش کا پیدا ہونا ناگزیر تھا اور فرانس و برطانیہ کی رقیبانہ ہوس ملک گیری نے خصوصیت کے ساتھ کئی بار یہ نوبت پہنچائی کہ یہ قومیں آپس میں لڑ پڑنے پر بالکل کمربستہ ہوگئیں۔

(۱)

خدیو مصر "المسرف"

مصر میں تخت خدیوی پر ۱۸۶۳ء میں اسمٰعیل کے جلوس کے ساتھ ہی وہاں ریلیں، تار، بندرگاہیں، جہازی مینار، اور سب سے بڑھ کر نہر سویز کی تیاریاں ہوئیں جو آمد و رفت کے لئے ۱۸۶۹ء

میں کھل گئی۔ نیز سوڈان کی جنگ اور فرمانروا کے بیش قیمت محلات کی تعمیر میں بے دریغ روپیہ خرچ ہوا[1] جب ملک کے محدود وقلیل مداخل ختم ہو گئے تو یہ مسرف خدیو بیرونی ممالک سے طالب امداد ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں نہر سویز کے برطانیہ کے ہاتھ حصوں کی بیع کے باعث 'کیو' کی جماعت ماہرین کا تقرر عمل میں آیا اور تحقیق حالات کے لئے اسے مصر بھیجا گیا۔ اس جماعت نے کیفیت پیش کی کہ سرکار مصر کا دوالہ نکلنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ مئی ۱۸۷۶ء میں "کیس ولادیت" قائم ہوا اور مالگزاری کے بڑے حصے کو برطانیہ، فرانس، جرمانیہ، آسٹریہ اور اطالیہ کی نگرانی میں لے لیا گیا۔ اسی سال کے موسم خزاں میں گوشن اور ژوبیر، برطانیہ اور فرانس کے تمسک داروں کی جانب سے مصر آئے اور نظارت ثنویہ قائم کی گئی یعنی مالگزاری کی نگرانی کے لئے ایک انگریز عہدہ دار اور مصارف پر نظر رکھنے کے واسطے ایک فرانسیسی مقرر ہوا۔ سالسبری چاہتا تھا کہ انگریزوں کا اثر غالب رہے۔ لیکن یہ "مساوات رسوخ" پر رضامند ہو گیا۔ اس کا قول تھا کہ "جب تمہارا ہمسایہ ایسے ملک میں خلل دیئے بغیر نہیں مانتا جس سے تمہاری اغراض قوی طور پر وابستہ ہیں تو یا تم دست بردار ہو سکتے ہو، یا تنہا اجارہ دار بن سکتے ہو یا برابر کے حصہ دار۔ دست برداری کے معنی یہ ہوتے کہ فرانس ہمارے ہندوستان کے راستے میں جگہ پا جائے۔ تنہا قبضہ کرنا، جنگ کا جوکھوں مول لینے کے قریب برابر ہوتا۔ پس ہم نے حصہ دار بننے کا فیصلہ کیا"[2]

---

[1] سرکاری مطبوعات کے علاوہ، سب سے بڑھ کر قابل مطالعہ لارڈ کرومر کی کتاب "موڈرن ایجپٹ" ہے۔ نیز دیکھو فریسی نے "لا کیستیاں ویژیپت" سر اوک لینڈ کالون نے اپنی تصنیف "دی میکنگ آف موڈرن ایجپٹ" میں تمام معلومات کا بہت خوبی سے خلاصہ کر دیا ہے۔

[2] "لائف آف سالسبری" جلد دوم ۳۳۱۔

خدیو اسمٰعیل کی معزولی

۱۸۷۸ء میں انگلستان و فرانس کی ایک مشترکہ جماعت ماہرین کی تحقیقات کے بعد، خدیو کی وسیع املاک زیر نگرانی لے لی گئیں اور اسمٰعیل نے نظارت ثنویہ کی بجائے ایک آئینی فرمانروا ہونا قبول کر لیا جس میں ایک ارمنی نوبر پاشا، وزیر اعظم، رورز ولسن[1] وزیر خزانہ، اور ایک فرانسیسی وزیر تعمیرات، مقرر ہوئے۔ مگر سات مہینے کے بعد خدیو کے اشارے سے ایک فوجی سازش پکائی گئی، نوبر مستعفی ہونے پر مجبور ہوا اور اسمٰعیل نے کوشش کی کہ پھر شخصی حکومت کے مزے اڑائے۔ ایک وقتی مصالحت کی صورت یہ نکالی گئی کہ انگریز اور فرانسیسی وزیر اپنے عہدوں پر بحال رہیں اور خدیو کا فرزند **توفیق** وزارت کا رسمی صدر رہو۔ لیکن اپریل میں اسمٰعیل نے اپنے یوروپی اور دیسی، سب وزیروں کو برطرف کر دیا اور **شریف پاشا** کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ فرانس کے مہاجنی کارخانوں نے فوری مداخلت پر زور دیا اور فرانس کے وزیر اعظم، وڈنگٹن نے خدیو کو معزول کرنے کی تجویز کی۔ مگر حکومت برطانیہ محض تمسک داروں کا محصل بن جانا نہ چاہتی تھی۔ بایں ہمہ خدیو کو تنبیہ کی گئی کہ اپنے آپکو سنبھالے۔ اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور جون میں برطانیہ اور فرانس کے قائم سفاروں نے خدیو پر زور دیا کہ تخت سے دستکش ہو جائے۔ اس نے انکار کیا لیکن سلطان نے بذریعہ تار اسے معزول اور توفیق کو اس کا جانشین مقرر کر دیا۔ یہ ضرب ایسی اچانک پڑی تھی کہ اسمٰعیل نے کوئی مزاحمت نہ کی اور چپکے سے اطالیہ چلا آیا اور کسی کو اس کے چلے جانے پر تاسف نہ ہوا۔

اگرچہ سالسبری نے سلطان کو اس کارروائی کی شہ نہیں دی تھی تاہم (انگریزوں کے) عین مفید مطلب ہوئی اب نظارت ثنویہ کو از سر نو

[1] دیکھو سر سی رورز ولسن، "چیپٹرز فرام مائی آفیشل لائف"

قانون ''ادائی قرضہ''

قائم کرنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ ۲ جولائی کو اس نے لارڈ لیونز کو لکھا کہ "ہم حکومت مصر پر کسی قسم کی نگرانی ضرور رکھنی چاہتے ہیں گو علانیہ اُس کی ذمہ داری لینی، ہمارا منشا نہیں ہے۔ علانیہ حاکم بننے کی نسبت پسِ پردہ تار ہلاتے ہیں، ہم زیادہ قوی اور زیادہ محفوظ رہیں گے۔ اختیارات سے خود کام لینا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے[۱]"۔ **میجر بارنگ** اور **دبلی نیارے** ناظر مقرر ہوئے اور اگرچہ انہیں کوئی عاملانہ اختیار نہیں ملا لیکن نظم ونسق کے ہر شعبے میں دریافت حالات اور مشورہ دینے کا حق رکھتے تھے چونکہ انہیں برطرف نہیں کیا جا سکتا تھا لہذا فی الواقع مصر برطانیہ اور فرانس کے زیر حکومت آگیا ہو ۲۹ ستمبر ۱۸۷۹ء کے خط میں میجر بارنگ، لارڈ لیونز کو لکھتا ہے کہ "حالات میں اب نمایاں بہتری ہے، اور جب سے مجھے مصر کے معاملات سے سابقہ پڑا ہے، مجھے یاد نہیں کہ اس خوش اسلوبی سے کبھی پہلے کام ہوا ہو، خدیو سے جس حد تک مجھے واقفیت ہے، میں اسے پسند کرتا ہوں نہیں جس شے کی ضرورت ہے وہ وقت ہے"۔ ادائی قرض کی ایک تحقیقاتی جماعت مصر کے قرضداروں کا معاملہ چکانے کے واسطے مقرر ہوئی اور سالسبری نے زور دیا کہ وہ نہ صرف قرض، بلکہ ملک کی ضروریات پر بھی غور وبحث کرے۔ پورے اختیارات کے ساتھ اس جماعت کے تقرر میں فرانس اور دوسری سلطنتوں کے اختلافات کی وجہ سے تاخیر ہوئی تا آنکہ ۱۸۸۰ء میں یہ جھگڑا طے ہوا۔ لیکن اس نے بہت سرعت سے اور کارگر طریق پر کام انجام دیا۔ اور جولائی میں قانون ادائی قرضہ تیار اور منظور ہو گیا۔ قرضداروں کی تین قسمیں قرار دی گئیں اور مداخل کا دو تہائی حصہ ان کا حساب چکانے کے واسطے مکفول کر دیا گیا۔ شرح سود میں تخفیف کر کے اسے ۴ فی صدی رکھا گیا اور ملکی مصارف کی حد مقرر کر دی گئی اسی کمیں ولادیت" اور خرچ کی حد بندی کی بدولت مصر دوالیہ ہونے سے بچ گیا حالانکہ اس کے قلاش حاکم نے اس زرخیز ملک اور وہاں کی محنتی آبادی کو افلاس کے تاریک گڑھے کے

---

[۱] لارڈ نیوٹن کی ''لائف اوف لارڈ لیونز'' باب ۱۳۔

کنارے تک پہنچا دیا تھا۔

اسمٰعیل کی معزولی کے بعد دو سال تک ملک کی حالت خاموشی سے درست ہوتی رہی اور گلیڈ اسٹون کی وزارت، مرتبہ ۱۸۸۰ کو شروع شروع میں زیادہ ضروری کام درپیش رہے[1] لیکن حکومت مصر میں اخلاقی اقتدار کی کمی تھی۔ بیرونی حاکموں سے ناراضی اور یورپ والوں کے روز افزوں تعداد میں آن آن کر بس جانے سے لوگوں کی برآشفتگی نے "مصر، مصریوں کے لئے" کے مطالبے کو تشویش انگیز قوت پہنچائی۔

عربی پاشا کا فروغ

رکا ہوا طوفان ۹ ستمبر ۱۸۸۱ کو امنڈ پڑا جب کہ ایک مصری سردار **عربی پاشا** نے پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ قصر خدیوی کو آگھیرا اور فوج میں بیشی، وزرا میں تبدیلی اور قومی مجلس ملکی کے قیام کا مطالبہ کیا[2] شورش صرف یورپ والوں ہی کے خلاف نہ تھی بلکہ ترک یا سرکاشی نسل کا حکمران طبقہ بھی، جس نے ملکی اور عسکری انتظامات میں اعلیٰ عہدے نکا لے رکھا تھا اس کی زد میں تھا۔ حکومت میں مزاحمت کرنے کا دم نہ تھا، اس نے عربی پاشا کو ترقی دی اور آئندہ کچھ عرصے تک زیر برقع جنگی امریت کا دور دورہ رہا جس کے ساتھ باہر والوں کا عمل دخل بھی جمع تھا۔ عربی پاشا قومی سورما سمجھا جانے لگا اور اس کے اور بیرونی اقتدار میں تصادم ناگزیر ہوگیا۔ ادھر ایک ترکی وفد کے آپہنچنے سے معاملات میں اور پیچیدگی پیدا ہوئی۔ انگریز اور فرانسیسی مل کر کام کرنے کے خواہاں تھے،

[1] مصر میں گلیڈ اسٹون کی حکومت کی حکمت عملی (۱۸۸۰ سے ۱۸۸۵ تک) کیلئے ملاحظہ ہوں گلیڈ اسٹون، گرین ویل، ڈلک، ڈیوک اوف ڈیون شائر، فارتھ برک، اور لارڈ لیونز کی سوانح عمریاں۔

[2] عربی پاشا اور مصر کے وطن پرستوں کے متعلق بہت سی معلومات ولفریڈ بلنٹ کی کتاب "سیکریٹ ہسٹری اوف دی انگلش اوکیوپیشن اوف ایجپٹ" اور "مای ڈائریز" میں ملتی ہے۔ نیز براڈلے کی کتاب میں: "ہم نے عربی کی مدافعت کس طرح کی"۔

لیکن خدیو کی معزولی کی جو سازش ہوتی نظر آتی تھی اس کے واقع ہونے کی صورت میں کوئی کارروائی کرنے کے متعلق ان کا اتفاق نہ ہو سکا تو نومبر ۱۸۸۱ء میں فرانس کی "وزارت عظمیٰ" مرتب ہوئی۔ اس میں گامبیٹا، مشترکہ اقتدار کا پختہ حامی تھا اور تھیئر کی نصیحت بھی اسے یاد تھی کہ "تم بالخصوص مصر سے کسی صورت میں کنارہ کش نہ ہونا" اس نے بلا تاخیر حکومت برطانیہ کو متوجہ کیا کہ خدیو کی حفاظت کی تدابیر پر غور کیا جائے۔ اور امداد و ہمدردی کا مشترکہ یقین دلانے کی تجویز کی[1] حکومت برطانیہ نے بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۸۸۲ء گامبیٹا کی اس تحریر کو بھی تسلیم کر لیا جس میں اس نے خدیو کو لکھا تھا کہ فرانس و برطانیہ کے نزدیک خدیو کا تخت پر برقرار رہنا ہی "حسن انتظام اور ملکی رفاہ کی واحد ضمانت ہو سکتا ہے" "دونوں سلطنتوں کا عزم راسخ ظاہر کیا تھا کہ وہ متفقہ کوشش سے اندرونی یا بیرونی ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کریں گی جن سے مصر کے انتظامات حاضرہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو" گرین ویل نے فرانس کے سفیر سے یہ صراحت کر دی تھی کہ اس مراسلے کو تسلیم کر لینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حکومت برطانیہ کسی خاص طریقۂ کار کی بھی پابند سمجھی جائے گی۔ فی الواقع اس نے توصیفۂ راز میں یہ خیال بھی ظاہر کر دیا تھا کہ مجھے یقین نہیں کہ یہ مراسلہ عملاً کچھ کارآمد ثابت ہو اور فرانسیسی سفیر کے روبرو اسے محض حسن بیان سے موسوم کیا تھا۔ لارڈ لیونز کو اس نے لکھا کہ "بری ساعت بھی آجائے تو کچھ تعجب نہ ہوگا۔ گامبیٹا غالباً مشترکہ مداخلت کی خواہش کرے گا، جس پر بے شمار اعتراض ہو سکتے ہیں۔ بہترین صورت جو نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ دول یورپ برطانیہ اور فرانس کو اپنی طرف سے نگرانکار مقرر کر دیں"۔

متفقہ مراسلہ ۸ جنوری کو پیش ہوا مگر خدیو نے اس کی وصول یابی پر

---

[1] دیکھو زینیاخ: "ل اگرینڈ منسٹیرے" وغیرہ۔

کوئی شکریہ ادا نہیں کیا اور باقی سبھوں کو اس پر طیش آمیز حیرت ہوئی سلطان نے اسے اپنے اختیار کے غصب کئے جانے سے تعبیر کیا

انگلستان و فرانس کا مشترکہ مراسلہ

اور اس بات کی دلیل سمجھا کہ مصر کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو تیونس کا ہوا۔ مجلس عمائد کا انہی دنوں اجلاس ہوا تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ گویا خدیو کو ہمارا مشورہ قبول نہ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے، وطن پرستوں کا گروہ اسے مداخلت کی دھمکی سمجھکر برافروختہ ہوا اور دول یورپ میں بھی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ قاہرہ سے سر ایڈورڈ میلٹ نے تار دیا کہ "بہرحال سردست تو اس مراسلے نے ہمارا سارا اعتبار زائل کر دیا ہے ہر شے بہت اچھی طرح کام کر رہی تھی اور انگلستان کو ملک کا سچا خیرخواہ اور محافظ خیال کرتے تھے۔ مگر اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ اس نے قطعی طور پر اپنے تئیں فرانس کا شریک وسہیم بنا لیا اور فرانس اس ہوس کی بنا پر جو تیونس کی معرکہ آرائی کے سلسلے میں پیدا ہوئی، یہاں بھی تلا ہوا ہے کہ بالآخر مداخلت کرے۔ وقت کے وقت اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وطن پرست اور عسکری جماعت اور مجلس عمائد تینوں انگلستان و فرانس کی مخالفت پر متفق ہو گئے ہیں اور نہیں جتا دینا چاہتے ہیں کہ وہ رشتہ جس نے مصر کو سلطنت عثمانیہ سے وابستہ کر رکھا ہے ان کی سپر ہے اور وہ اپنے آپ کو دست درازی سے بچانے کے لئے پوری قوت سے اس سپر کو تھامے رہیں گے مجلس کے انعقاد سے فوجی گروہ پس پشت رہ گیا تھا۔ لیکن اب ہر طرف اس کا چرچا ہے اور عرابی پاشا اس کارروائی پر جسے وہ 'ناجائز دست اندازی سمجھتا ہے' اعتراض کی بوچھار کرنے میں سب سے پیش پیش ہے"۔

واقع میں یہ مراسلہ بھیجنا اول درجے کی غلطی تھی اور اس سے خدیو کو تقویت نہیں پہنچی بلکہ عرابی کا زور بڑھا جو اس وقت سے نہ صرف فوج بلکہ ساری قوم کا نمائندہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ، برطانیہ اور

فرانس کی حکومتوں میں حقیقی ہمخیالی نہ تھی اور بچالیا۔ گاں بیتا تو بے صبری سے توقع کر رہا تھا کہ فرانس و انگلستان ملک پر عمل دخل جمالیں گے۔ گرین ویل اپنی جگہ پر اس فکر میں تھا کہ جہاں تک ہو سکے ایسی کارروائی سے احتراز کیا جائے۔ اور اگر جبر کی ضرورت ہی آپڑی تو وہ ترکی مداخلت کو ترجیح دیتا۔ لارڈ کرومر کا قول ہے کہ "جس دن مشترکہ مراسلہ جاری ہوا اسی دن سے بیرونی مداخلت ناگزیر شئے ہوگئی" صلح جو گرین ویل یہ رنگ دیکھکر بہت گھبرایا اور اس نے اس مضمون کا تار بھیجنے کی تجویز کی کہ مراسلہ کا مضمون سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے۔ لیکن گاں بیتا نے طبعاً قدم پیچھے ہٹانے سے انکار کیا۔ وہاں عمائد نے رائے عامہ کی قوت پاکر خدیو کو مجبور کیا کہ وزیروں کو بدل دے۔ عربی پاشاہ وزیر جنگ مقرر ہوا اور ناظروں کا اقتدار گھٹ گیا۔

گاں بیتا کی علیحدگی

یکم فروری کو گاں بیتا کی شکست اور صرف دو ماہ حکومت کر کے عہدے سے علیحدگی نے معاملہ کو ذرا دھیما کر دیا اور فرے سی نے اس کا جانشین ہوا جو مصر میں قسمت آزمائی کے متعلق، اپنے دوست کا ہمرائے نہ تھا اور نہ اس کی طرح یورپ کے چیں بہ جبیں ہونے سے بے پروائی کرتا تھا۔ اسے اطلاع دی گئی کہ حکومت برطانیہ کے ۸ جنوری والے مراسلہ پر دستخط کرنے سے نیت یہ تھی کہ وہ نہ صرف کارروائی کے طریقے بلکہ اصول کے متعلق اپنی رائے محفوظ رکھتی ہے اور یہ کہ وہ فوجی کارروائی کے خلاف ہے لیکن یہ تنبیہہ کہ شاید فرانس کو تنہا کام کرنا پڑے فضول تھی۔ کیونکہ فرے سی نے بھی جوکھوں میں پڑنے سے اسی اہتمام سے دامن بچاتا تھا جس طرح گرین ویل۔ ترکی نے پہلے ہی اس مشترکہ مراسلے پر بازپرس کی تھی اور (باقی ماندہ) چاروں طاقتوں نے باب عالی کو یکساں الفاظ میں زبانی پیام دیا تھا کہ "حالت حاضرہ میں کوئی ردوبدل بغیر سلطان المعظم اور دول کے اتفاق رائے کے، نہ ہونے پائے گا" فرانس

کے اول درجے کے اہل الرائے میں بھی گاں بیتا اپنی اقدامی حکمت عملی کا اکیلا حامی تھا۔ ڈروے فیری نے بھی کہدیا کہ "مالی مسائل میں مصر، انگلستان و فرانس کا معاملہ ہے لیکن سیاسیات میں اس کا تعلق تمام دول یورپ سے ہے" یہی رائے فرے سی نے اور اس کے قابل قدر مشیر صدر نشین گراوی کی تھی ۔

جب گاں بیتا کا، جو سب پر چھایا ہوا تھا قدم درمیان سے 'اٹھ گیا' تو گرین ول کو یہہ رائے ظاہر کرنے کا موقع ملا کہ انگلستان و فرانس کے

فرے سی نے اور گرین ول نے

مشترکہ کام کرنے کی نسبت بہتر ہے کہ دول یورپ مل کر کام کریں۔ ۶ ۔ فروری کو اس نے از سر نو تبادلۂ خیالات کرنے کی تجویز کی اور خیال ظاہر کیا کہ اگر دست اندازی کی جائے تو وہ سارے یورپ کے نام سے ہو اور سلطان سے مشورہ لیا جائے۔ فرے سی نے یہ رائے قبول کی اور ۱۱۔ فروری کو دو سلطنتوں کی طرف سے باقی چار طاقتوں کے پاس گشتی خط بھیجا گیا جس میں باہم غور و بحث کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ اگر دست اندازی کی جائے تو وہ سارے یورپ کی متفقہ کارروائی اور حکم سے ہوتی چاہیے اور ہر کارروائی یا مباحثے میں سلطان کو شریک ہونا چاہئیے۔ بسمارک نے امید ظاہر کی تھی کہ فرے سی نے گاں بیتا سے زیادہ "یورپی" ہوگا لہذا معاملے کو بین الاقوامی بنانے کی تجویز سن کر وہ خوش ہوا، لیکن جرمن سپاہیوں کو افریقہ بھیجنے کی اسے ذرا خواہش نہ تھی۔ اس نے تو فرانسیسی سفیر سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر فرانس اور برطانیہ، جن کی خاص اغراض وابستہ ہیں خود کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں اور دوسری سلطنتیں انہیں مجاز کرنے پر آمادہ ہیں تو میں بھی اتفاق کروں گا۔ درحقیقت ان مسائل کو یہ طاقتور صدر اعظم فرانس کے خلاف شطرنج کی بازی میں محض اعراب کے پیادے سمجھتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ مصر، دونوں مغربی سلطنتوں کے حق میں

شلیس وگ ہولسٹن ثابت ہوگا کہ وہ مل کر مداخلت کریں گی اور مال غنیمت پر آپس میں جوتی پیزار ہوگی۔

معاملے میں بیڈ صب انجمن پڑی تھی۔ گلیڈ اسٹون کی مجلس وزارت کسی طرف سے بھی مداخلت ہوئے کے خلاف تھی۔ درآں حالیکہ فرانس کی روش میں ماہ بہ ماہ تغیر ہوتا تھا۔ فرے سی نے کی یہ تجویز کہ خدیو توفیق کو معزول کر دیا جائے، لندن میں یہ کہہ کر مسترد کر دی گئی کہ غیر ضروری، اور اس مراسلے کے بعد جس میں اس کی اعانت کا وعدہ کیا گیا تھا، سراسر بے موقع ہے۔

فرے سی نے کی دوسری تجویز یہ تھی کہ غیر ملکی باشندوں کی حفاظت کیلئے فرانس و انگلستان جنگی جہاز سکندریہ بھیجدیں اور باقی چار طاقتوں سے درخواست کریں کہ وہ اپنے ساتھ ترکی کو بھی سروست اس کارروائی میں کوئی دخل نہ دینے دیں۔ البتہ اگر بیڑوں کے پہنچنے کے بعد فوج کو ساحل پر اتارنا ضروری ہو تو ترکی فوجوں کو انگلستان اور فرانس طلب کریں اور باہمی میں ان سے کام لیں۔ گرین ول نے اس تدبیر سے اتفاق کرتے وقت خیال ظاہر کیا کہ ترکی کو اطلاع دے دینی چاہیے کہ آگے چل کر اس سے امداد کی استدعا کیجائیگی۔ نیز یہ کہ بحری مظاہرے میں بھی باقی چار دول اور ترکی کو شریک کیا جائے۔ لیکن اس آخری تجویز کو فرے سی نے قبول نہیں کیا۔

سر ایڈورڈ میلٹ نے جتایا کہ دول جو کارروائی کریں جب تک سلطان المعظم اسے منظور نہ کریں اور اس کا پہلے سے اعلان نہ کر دیا جائے،

سلطان کا طرز عمل

اس وقت تک احتمال ہے کہ مصر کی مجلس عمائد اور فوج اس کارروائی کی مخالفت پر متحد ہو جائیں گی؛ لیکن سلطان، فرانس و انگلستان کے سکندریہ بیڑا بھیجنے ہی سے بہت جھلا یا تھا، اس سے اسے کسی عنایت کی امید نہو سکتی تھی اور اس کے پیرس و لندن کے سفیروں کو حکم مل گیا تھا کہ وہ مذکورہ بالا کارروائی پر اعتراض کریں۔ دوسری طاقتوں کو بھی مشورہ نہ کیئے جانے سے

ناگواری ہوئی اور سلطان کو دست اندازی سے باز رکھنے کے متعلق انہوں نے انگلستان و فرانس کی درخواست کی تائید کرنے سے انکار کردیا۔ یہ رنگ دیکھ کے گرین ویل نے کوشش کی کہ ایک برقی پیام سے دول اور بابعالی کا غصہ فرو کرے۔ چنانچہ اس نے تار دیا کہ "فوج اتارنے کا مطلق ارادہ نہیں کیا گیا۔ حکومت کا قصد ہے کہ سکون ہوتے ہی، جب مستقبل کی طرف سے اطمینان ہوجائے تو مصر کو اس کے حال پر چھوڑ دے اور بیڑا واپس بلالے اگر صلح و آشتی سے تصفیہ نہ ہوسکے تو ہم وہ تدابیر جنہیں انگلستان و فرانس مناسب سمجھتے ہیں، دول یورپ اور ترکی کے ساتھ مل کر طے کریں گے"، لیکن چوٹ کی تکلیف میٹھے لفظوں سے دور نہ ہوئی اور سلطان نے مخفی طور پر عربی پاشا کی پیٹھ ٹھوکی کہ انگلستان و فرانس کے دباؤ کو نہ مانے۔ انگلستان و فرانس کا مطالبہ کہ وزرا کو برطرف کیا جائے اور کچھ روز کے لئے عربی پاشا ملک سے باہر چلا جائے، خدیو نے منظور کرلیا اور وزیر مستعفی ہوگئے۔ لیکن عام رائے نے عربی پاشا کی بحالی کا مطالبہ کیا اور بے دم خدیو مغلوب ہوگیا۔ فوجی تحکم سے اسے آزاد کرنے کی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج کا پنجہ اور گہرا گڑ گیا۔ وطن پرستوں کو اس کامیابی پر نہایت مسرت ہوئی اور ہر گھڑی یہ انتظار رہنے لگا کہ فرنگیوں پر اب حملہ ہوا چاہتا ہے۔

بحری مظاہرہ اس طرح ناکام رہا۔ تو فریسی نے بزم مشاورت کی تجویز کی اور گرین ویل نے اسے قبول کیا۔ بسمارک نے بھی اس تجویز کی تحسین کی لیکن سلطان نے اسے نہ مانا اور مصر میں تحقیقاتی جماعت بھیجنے کو ترجیح دی لیکن اس کی ناکامی یقینی تھی کیونکہ جماعت کے صدر درویش پاشا کو تو ہدایت کی گئی تھی کہ خدیو کی تائید کرے اور اس کے ساتھ والے کو پس پردہ حکم تھا کہ عربی پاشاہ سے مل کر کام کیا جائے۔ اس جماعت کا اصلی مقصد خدیو کو مدد دینا نہ تھا بلکہ سلطان کے اقتدار کی بحالی، جو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ یورپ کی درازدستی کے

مقابلے میں وہ مصر کی سپر رہے ؛

سکندریہ کے ہنگامے ۱۱ جون

بزم مشاورۃ کام شروع کرنے نہ پائی تھی کہ ۱۱ جون کو سکندریہ میں وہ ہنگامہ جس کی مدت سے توقع تھی، واقع ہوا اور پچاس فرنگی جان سے مارے گئے اور بہت سے مجروح ہوئے۔ اختیارات کی باگ اب عربی پاشا کے ہاتھ میں آئی اور اس نے درویش پاشا سے استدعا کی کہ مصر سے چلا جائے۔ نہ صرف مسیحی بلکہ ترک خاندان بھی جان کے خوف سے ملک چھوڑ چھوڑ کر جانے لگے اور یہ خبر سن کر فرے سی نے سے اصرار کیا کہ مجلس بشمول یا بلاشمول ترکی، فوراً منعقد کی جائے چنانچہ ۲۳ جون کو استنبول میں اس کا افتتاح ہوا اگرچہ صاحب خانہ غائب تھا ؛ افتتاح کے روز سلطان نے لارڈ ڈفرن کو مطلع کیا کہ ہم فرانس کو (جس سے سلطان کو نفرت تھی) الگ کر کے مصر کا نظم و نسق اور نگرانی برطانیہ کے ہاتھ میں دے دینے پر آمادہ ہیں اور صرف اپنے ترمیم شدہ حقوق سلطانی، (جو اس وقت سلطان کو حاصل تھے) محفوظ رکھیں گے۔ انگریز سفیر نے جواب دیا کہ اگر آپ کچھ معاوضہ دے کر بھی مصر کو ہمیں دینا چاہیں، تو برطانیہ ایسا نادان نہیں ہے کہ اس بار کو خوشی سے قبول کرے ؛ اور اس کا یہ انکار اس کی حکومت نے بھی پسند کیا ؛ مجلس مشاورۃ نے دو ہفتے کی بحث کے بعد سلطان سے درخواست کی وہ امن قائم کرنے کی غرض سے فوج روانہ کرے لیکن شرط یہ ہوگی کہ مصر میں (فرنگیوں کو) جو امتیازات حاصل ہیں اور اس پر جو بین الاقوامی پابندیاں عائد ہیں ان میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوگا ؛ لیکن قبل اس کے کہ ترکی ان حدبندیوں کو منظور کرے، ایک ایسی کارروائی عمل میں آئی کہ صورت حالات بالکل بدل گئی ؛

سکندریہ کے قتل عام کے وقت سے مصر کی حکومت عربی پاشا

سلہ۔ لائل : لائف اوف لارڈ ڈفرن۔ جلد دوم باب اول۔

سکندریہ پر انگریزوں کی گولہ باری۔ ۱۱ جولائی

کے ہاتھ میں آگئی اور فریسی نے اسی کے ساتھ معاملہ کرنے کی تجویزیں کرنے لگا لیکن حکومت برطانیہ نے استقلال کے ساتھ یہ جواب دیا کہ عسکری گروہ کا قلع قمع کرنا لازمی ہے۔ اس کا موقع اس وقت ہاتھ آیا جب کہ سکندریہ میں مورچوں کی تعمیر سے، بندرگاہ کے جہازوں کی سلامتی خطرے میں پڑنے کا اندیشہ نظر آیا۔ تیسری جولائی کو برطانوی بیڑے کے پاس حکم پہنچا کہ اگر مورچوں پر توپیں چڑھائی جاتی رہیں، تو وہ وحصوں کو مسمار کر دے۔ دول کو اس حکم کی اطلاع اور فرانس کو شریک ہونے کی دعوت دی گئی۔ فریسی نے یہ تجویز اس بنا پر منظور نہیں کی کہ اپنے ملکی باشندوں کو بچانے کے سوا اور کسی غرض سے بطور خود یہ کارروائی کرنی مجلس مشاورت کا ساتھ چھوڑ دینے کے مرادف ہوگی۔ دوسرے، ایسے حملے سے اگر ہنگامہ برپا ہوا تو اسے فرو کرنے کے واسطے سپاہی ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ بایں ہمہ جب مورچہ بندی روکنے کی استدعا سے کچھ نتیجہ نہ نکلا تو ۱۱ جولائی کو یہ مورچے (گولے مار کے) مسمار کر دیئے گئے۔ ساتھ ہی فریسی نے کی پیش گوئی کے مطابق شہر میں بلوہ ہوگیا۔ کئی فرنگی جان سے مارے گئے۔ فرنگیوں کے محلے کو آگ لگا دی گئی اور تین دن تک بلوائیوں نے شہر کو تاراج کیا جس کے بعد کچھ انگریزی فوج، جو اسی وقت پہنچی تھی، ساحل پر اتاری گئی۔ عربی پاشا نے انگریزوں کے خلاف جنگ کا جس میں مصالحت کی کوئی امید نہ تھی، اعلان کر دیا اور ادھر سے اسے وزارت جنگ کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔

مذکورۂ بالا خبر سے مختلف ممالک میں مختلف جذبات پیدا ہوئے۔ سلطان نے انگریزوں کے فعل کو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی قرار دیا اور زار نے بھی علانیہ ناراضی ظاہر کی۔ فرانس نے اپنے جہاز واپس بلا کر ناراضی ظاہر کی لیکن اور کوئی رائے زنی نہ کی۔ تھوڑی دیر تک

ایسا معلوم ہوا کہ مجلس مشاورۃ کا جو ترکی مداخلت کی شرطیں طے کرنے میں مصروف تھی، مقصد ہی فوت ہوگیا لیکن برطانیہ نے جو کچھ کیا تھا، اسکے آگے کوئی کام دول متحدہ سے جدا ہوکے کرنا نہ چاہا اور ۱۵ر جولائی کو دول سے استدعا کی کہ نہر سویز کی حفاظت کا بندوبست کرنے میں باہم اشتراک کریں۔ اس محدود کام کا ذمہ لینے میں فرے سی نے کوبھی کوئی خوف نہ تھا چنانچہ فرانس و برطانیہ کے جنگی جہازوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نہر کی پاسبانی کریں لیکن بری فوج کی بھی ضرورت تھی اور فرانس و انگلستان کے ایک تارنامے مجلس سے استدعا کی کہ وہ اُن طاقتوں کو منتخب کردے جو ضرورت کے وقت نہر کی فوج بھیجکر مدافعت کرسکیں۔ جو طاقتیں منتخب ہوں ان کے سفیروں سے بھی اقرار لے لیا جائے کہ ان کی حکومتیں اس کام کا ذمہ لینے پر آمادہ ہیں۔ فرے سی نے فرانس کی مجلس مبعوثین سے ابتدائی مصارف کی منظوری پہلے ہی لے چکا تھا مگر اس نے وعدہ کیا تھا کہ بغیر مجلس کی منظوری کے مزید کارروائی نہیں کیجائے گی۔ ادہر مجلس میں، جرمانیہ، آسٹریا اور روس نے اپنی طرف سے نہر کی مدافعت کا اختیار دینے سے انکار کردیا اگرچہ انہیں اس میں کوئی اعتراض نہ تھا کہ فرانس و انگلستان اپنی اپنی اغراض کی حفاظت کے لئے بطور خود کوئی کارروائی کریں لیکن دول کیجانب سے اختیار نہ ملنا تھا کہ فرانسیسی خوفزدہ ہوگئے اور ۲۹ر جولائی کو فرے سی نے مزید مصارف کی منظوری مانگی اور صراحت

فرے سی کی شکست

بھی کی کہ نہر کی مدافعت کے معنی مصر میں دخل اندازی کرنے کے نہیں ہیں تو اس کی کچھ پیش نہ گئی اور بڑے بھاری غلبہ آرا سے اس نے شکست کھائی گویا مجلس فرانس کی اس کثرت رائے نے مصر کو برطانیہ کے حوالے کردیا۔ فرانس کی مصر سے دستکشی کا آغاز سکندریہ سے جہازوں کو بلا لینے سے ہوا تھا، اب اس کی مزید تصدیق ہوگئی۔ اصل میں تیونس کا قبضہ توقع سے بڑھکر تکلیف رساں ثابت ہوا اور مصر میں معرکہ آرائی پیش آنے سے بہت مشکلات اور مصائب کا احتمال تھا دوسرے اہل فرانس ڈرتے تھے کہ

کہیں یہ بسمارک کا کوئی جال نہ ہو؟ اگلے دن، ۳۰ جولائی کو شہزادہ ہوہن لوہی نے فرے سی نے کو خبر دی کہ برلن، نہر کی مشترکہ مدافعت کی وہ شکل جو فرے سی نے نے پسند کی ہے، قبول کرنے پر آمادہ ہے اور ۳۱ جولائی اور یکم اگسٹ کو اسی قسم کی اطلاعیں اطالیہ، روس اور ترکی کی طرف سے موصول ہوئیں۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وزیر اعظم نے اپنی سوانح میں فریاد کی ہے کہ کاش یہ اطمینان بخش جواب ایک دو دن پہلے آجاتے کہ مجھے عہدے سے علیحدہ ہونا نہ پڑتا۔ بہر حال، جو کچھ بھی ہوتا، اس وقت تو **کلیمنسیو** اپنے کثیر التعداد ہموطنوں کی ترجمانی کر رہا تھا جب کہ مجلس میں اس نے خوفزدہ مبعوثین کو صلاح دی کہ اپنی ذمہ داریاں محدود رکھیں ؎

فرے سی نے کی شکست سے ایک دن پہلے، برطانوی سفیر روم نے اطالیہ کو نہر کی مدافعت میں فرانس و انگلستان سے مل کر کام کرنے کی دعوت دی تھی نیز یہ چاہا تھا کہ اندرون ملک میں فوجی کارروائی کرنے میں جس فرانس نے انکار کردیا، اطالیہ انگریزوں کی شریک ہوجائے۔ لیکن مان سینی نے جواب دیا کہ چونکہ یہ مسئلہ استنبول کی مجلس مشاورۃ کے سامنے ہے اور ترکی نے فوج بھیجنے کا ذمہ لے لیا ہے، لہٰذا میں کسی دوسری قسم کی مداخلت کی تائید نہیں کرسکتا۔ گرین ول نے بلٹ کے اخلاق سے کہا، "میں خوش ہوں کہ یہ ثابت کرنے کا موقع ملا کہ برطانیہ کو اطالیہ کا کس درجہ خیال مدنظر ہے"۔ مان سینی کے اس

> اطالیہ اشتراک عمل کو کرنا منظور کرتی ہے۔

فیصلے پر کرسپی نے سخت تاسف کیا اور اسے کیوور کا جنگ کریمیہ میں شریک ہوجانا یاد دلایا۔ اور کہا، "پیڈمونٹ کی چھوٹی سی حکومت وہ جرأت رکھتی تھی جو آج اطالیہ کی حکومت میں مفقود ہے"۔ مگر گرین ول کو اطالیہ

ؔ کرسپی کے "میموائرز" جلد دوم۔ باب سوم ؎

کے انکار سے درحقیقت نہایت خوشی ہوئی۔ وہ لکھتا ہے کہ "ہم نے وہی کیا جو کرنا چاہیے تھا۔ ہم نے دوسروں کو اپنے ساتھ شریک کرنے پر آمادگی بھی ظاہر کر دی اور کسی کی شرکت سے جو تکلیف پیش آتی اس سے بھی بچے رہے" اسے خوف تھا کہ کسی طاقت کے اشتراک سے ان بن کی نوبت آجاتی۔ حالانکہ اب عربی پاشا کا قلع قمع کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی تو ادھر سلطان نے فوج بھیجنے پر رضامندی تو ظاہر کی لیکن فوج سے کام لینے کی جو شرطیں پیش کی گئی تھیں انہیں قبول نہ کیا۔ اور حقیقت میں وہ دول کا قائم مقام بن کر کام کرنے کا خواہشمند نہ تھا۔ اس طرح، برطانیہ جو پہلے مشترکہ فوجی کارروائی سے بھی احتراز کرنے پر جمی ہوئی تھی، اب تن تنہا کارروائی کرنے کی پابند ہوگئی۔ اور گامبیٹا کی برطرفی کے بعد سے فرانس نے خود ہی بزدلی کر کے ملک مصر کو بغیر مزاحمت اپنے حریف کے حوالے کر دیا۔

اس وقت سے حکومت برطانیہ نے جیسی مستعدی اور قوت فیصلہ کا اظہار کیا، وہ پہلے مفقود تھی۔ سلطان کو اطلاع دے دی گئی کہ صورت حالات روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اسی کو مدنظر رکھ کر برطانیہ اپنے تئیں مصر میں امن قائم کرنے کا اور نہر کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھتی ہے۔ نیز ایک گشتی مراسلے نے دول کو اطلاع دی کہ برطانیہ خدیو کے حسب منشا نہر کی حفاظت کا کام انجام دے گی۔ جنرل وولزلی بندر سعید کی طرف جہازوں میں روانہ ہوا اور ۱۳ ستمبر کو طل الکبیر کے میدان میں عربی پاشا کا زور توڑ دیا گیا چند روز کے بعد وولزلی قاہرہ میں داخل ہوا اور خدیو بھی سکندریہ سے جہاں اس نے پناہ لے رکھی تھی، واپس واپس آگیا۔ ترکی یہ مان کر کہ کسی بیرونی طاقت کی مداخلت ضروری تھی، برطانیہ، ترکی کی نسبت اس خدمت کو انجام دینے کی زیادہ اہلیت رکھتی تھی۔ بایں ہمہ جیسا کہ گرین ول نے کہا ہے اس تنہا کارروائی کر کے خود ہم جو پابند تھے بلکہ ہمیں مجبوراً ایسا کرنا پڑا"

طل الکبیر کی خبر سن کر لیسارٹ بہت خوش ہوا برلن سے انگریز

سفیر لارڈ ایمپ تھل نے اطلاع دی کہ "جو زوردار حکمت عملی تم نے (یعنی حکومت انگریزی نے) شروع کی ہے، وہ اس کا تہ دل سے موید ہے۔ اپنی اس دلی خواہش کو اس نے کبھی نہیں چھپایا کہ آسٹریا، بوسینہ پر فرانس تیونس پر اور برطانیہ مصر پر قبضہ کرلے۔ اور اب

بسمارک کی مستقل تائید

جو یہ خواہش پوری ہوی تو اس کا دوسرا انشا یہ ہے کہ یہ قبضہ دیرپا رہے اور اس طرح قضیۂ مشرقی کے تازہ ہوجانے کا جو آئے دن اندیشہ رہتا ہے وہ کم ہوجائے۔" صدر اعظم کے اس حسن نیت کو جس شے نے اور پختہ کیا وہ اس کے بیٹے ہربرٹ کے ساتھ (انگلستان کے) سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں کی لطف و مدارات تھی کہ ہربرٹ ان دنوں جرمن سفارت کے عمال میں داخل تھا۔ غرض بسمارک صاف کہتا تھا کہ "مصر پر جو کچھ گزرے ہمیں برطانیہ کی دوستی اس سے کہیں زیادہ عزیز و مفید ہے"۔ اس نے آخر میں یہ بھی کہا کہ میں اس کے الحاق کی بھی مخالفت نہ کروں گا اگرچہ میں ایسا کرنے کا مشورہ نہیں دیتا[1]۔ اس کے برخلاف، حکومت فرانس بناوٹ سے یہ ظاہر کئے جاتی تھی کہ مصر کی معرکہ آرائی کے بعد بھی مغربی سلطنتوں کا مصر سے جیسا پہلے تعلق تھا، اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ طل الکبیر کے چند روز بعد پیرس کے برطانی سفارت خانہ سے کہا گیا کہ "انگلستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ کسی قریبی تاریخ تک اپنے آئندہ ارادوں کا حال ظاہر کردے"۔ اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ممکن نہ تھا لیکن برطانی حکومت کی طرح مصر کی حکومت بھی نظارت ثنویہ کو دور کرنے کی خواہشمند تھی۔ اس تنہا مداخلت کی فرانس نے، جو مل کر کام کرنے سے خود ہی برابر انکار کرتا رہا تھا، سخت مخالفت کی۔ نومبر میں نظارت قرض کی صدارت فرانس کو پیش کی گئی تو اس سے بھی یہ

[1] گردوں پولی ٹیک۔ چہارم۔

وجہ بتا کے انکار کر دیا گیا کہ نظارت ثنویہ کی منسوخی کے عوض میں محض ایک محاسب کی خدمت اختیار کر لینا فرانس کی شان کے منافی ہے۔ چند تیز و تند سیاسی سوال و جواب کے بعد، فرانس نے "مصر میں آزادانہ کارروائی کا حق محفوظ رکھا" جو گویا مخالفت کا ایک استعارہ تھا اور ۱۹۰۴ء تک اس کی یہی روش رہی۔ اسی طرح سلطان کو بھی یہ دیکھکر کہ ایک ترکی صوبے میں انگریزی فوج، اس کی اجازت طلب یا حاصل کئے بغیر، اطمینان سے مورچے بنائے مقیم ہے، سخت طیش آیا۔

ڈفرن کی نظارت

اگرچہ اس وقت کسی برطانوی اہل حکومت کو، خواہ وہ آزاد خیال ہو یا قدامت پسند، مصر پر مستقل قبضہ کرنے کا خواب تک نہ آیا تھا، تاہم کسی قسم کی تنظیم، بہر حال ضروری تھی۔ چنانچہ **لارڈ ڈفرن** کو، جو استنبول میں انگلستان کے سفیر کی حیثیت سے مجلس مشاورہ میں نمایاں حصہ لے چکا تھا، **صدر ناظر** (ہائی کمشنر) بنا کر، ۲ نومبر کو بھیجا گیا اور وہ مئی ۱۸۸۳ء تک مصر میں رہا[1]۔ اس کو جو احکام ملے ان میں لکھا تھا کہ "گو ملکہ معظمہ کی حکومت خواستگار ہے کہ مصر پر برطانی قبضہ جس قدر ممکن ہو کم عرصے تک رہے، تاہم وہ سمجھتی ہے کہ ہم مجبور ہیں کہ ہم پر جو فرض آپڑا ہے اس سے دست بردار نہ ہوں، جب تک کہ معاملات کا انتظام اس طرح روبراہ نہ ہو جائے کہ قیام امن، حکومت خدیویہ کی استقامت، حکومت خود اختیاری کے حسب دلخواہ نشو و نما، اور دول خارجہ سے معاہدوں کے ایفا کی قابل اطمینان ضمانت میسر نہ آجائے"۔ اس دشوار خدمت کو ڈفرن نے حسب معمول سلیقے اور ہوشمندی سے انجام دیا۔ سلطان نے ایک "ادارۂ سلطانی" جاری کیا تھا جس میں خدیو کو ممانعت کی گئی تھی کہ سلطان کے حضور میں پیش کئے بغیر، وہ کوئی کارروائی نہ کرے۔ توفیق نے سلطانی حقوق

---

[1] لائل: "لائف اوف ڈفرن" جلد دوم باب دوم۔

شد و مد سے تسلیم کئے مگر یہ بھی عرض کر دیا کہ اب وہ آزاد عامل نہیں ہے بلکہ "اصلی خدیو اب لارڈ ڈفرن ہے" اور اس سے لڑنا حکومت سے ہاتھ دھونا ہے۔ لارڈ ڈفرن نے جو تحریری کیفیت لکھی ہے وہ انشا پردازی کی خوبیوں کے ساتھ عقل دور اندیشی کا بھی مجموعہ تھی۔ اس نے بیان کیا تھا کہ مصر کو کبھی اچھی حکومت ہی میسر نہیں آئی لیکن زمانے کا اثر وادی نیل تک پہنچ گیا ہے اور فلاح مصر خود اپنے قدیم دیوتا ممنن کی طرح دور جدید کی شعاعوں سے منعکس ہوئے بغیر نہیں رہا ہے۔ اسکی اہلیت کو ترقی دینی واجب ہے۔ مصر پر حکومت نہ لندن سے ہونی چاہئیے اور نہ سارے اختیارات عمال کے ہاتھ میں مجتمع ہونے چاہئیں جو قوم کو بالکل جواب دہ نہ ہوں۔ بلکہ دیہات و بلاد میں معقول حدود کے اندر، نیابتی آئین بنا کر ملکی انتظام کیا جائے۔ دیہات میں ابتدائی انتخاب کا طریقہ پہلے سے موجود تھا، اور سیاسی آئین کی آئندہ نشو ونما کا نقطۂ آغاز اسی کو قرار دیا جا سکتا تھا۔ اس طرح کہ یہ دیہاتی صوبے کی مجلس کے واسطے رائے دیں اور وہ مجلس وضع قوانین کی اکثر تعداد کو منتخب کریں۔ مجلس عامہ میں بھی نصف سے زیادہ دیہات کے وکلا مقرر کئے گئے لیکن یہ دونوں جماعتیں محض مشورہ دینے کا اختیار رکھتی تھیں بجز نئے محاصل کے معاملے کے، جن کے لئے مجلس عامہ کی منظوری درکار ہوتی۔ اصلاح نظم ونسق کی تجویزیں، فوج عدالت، کوتوالی، وصول محاصل وغیرہ کے ضروری محکمے داخل تھے۔ لیکن ان کاموں کے واسطے کچھ عرصے تک فرنگیوں کی امداد ناگزیر سمجھی گئی تھی۔ "یہ نہایت ضروری ہے کہ جو عمارت ہم نے تیار کی ہے اسے اپنا ہاتھ ہٹتے ہی، جو اسے تھامے ہوئے ہے، نیچے آ پڑنے کی مصیبت سے محفوظ کیا جائے۔ اور نظم و نسق کے اس نظام کی پختگی اور استقامت میں لامحالہ کچھ زمانہ درکار ہوگا۔" ڈفرن کی گزارشوں کو مجلس وزرا نے منظور کیا اور ایک انتظامی حکمنامے کی صورت میں یہ تجاویز نافذ کر دی گئیں جو تیس سال تک، جن میں بہترین شخصی حکومت رہی، برابر زیر عمل رہیں۔

مصر کو انگریزوں نے فتح نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک ترکی صوبہ تھا اور ترکی سے انگریزوں کی کوئی جنگ نہ تھی۔ اس مبہم کیفیت کو سرکاری طور پر ایک گشتی مراسلے کے ذریعہ صاف کیا گیا جو ۳ جنوری ۱۸۸۳ء کو تمام دول کی خدمت میں روانہ ہوا۔ اس میں لارڈ گرین ویل نے بتایا کہ

برطانیہ کے منشا کی توضیح

واقعات نے از خود حکومت برطانیہ پر یہ فرض عائد کر دیا کہ عربی پاشا کا قلع قمع کرے اور ہر چند اس وقت بھی ایک انگریزی فوج مصر میں حفظ امن کی غرض سے مقیم ہے لیکن حکومت برطانیہ خواہشمند ہے کہ جس وقت ملک کی حالت اور خدیوی اقتدار کے قیام کے لئے ضروری انتظامی تدابیر کی تکمیل اس بات کی مقتضی ہو، اس وقت یہ فوج واپس بلا لی جائے۔ اس اثنا میں برطانوی حکومت کا جو تعلق اعلیٰحضرت خدیو سے پیدا ہو گیا ہے، وہ ایسا مشورہ دینے کا فرض برطانیہ پر عائد کرتا ہے جس سے ملک کا ایسا نظم و نسق قائم کیا جائے جو قابل اطمینان اور پائداری اور ترقی پذیری کے اوصاف رکھتا ہو۔" نہر سویز کا زمانۂ جنگ میں غیر جانب دار رکھا جانا ضروری ہے اور زمانۂ امن میں اس کو تمام قوموں کی تجارت کے واسطے کھلا رہنا چاہئے۔ جو اصلاحات مناسب نظر آتی تھیں ان میں پردیسی اور دیسی لوگوں پر محاصل کا برابر ہونا، غیر ملکی سرداروں کے تحت میں ایک چھوٹی لیکن مستعد فوج کا تیار کیا جانا اور دیسی پولیس کی بجائے کارگزار ژنڈارمہ کا مقرر ہونا، داخل تھے۔ نظارت ثنویہ کو ہٹا کر ایک انگریز مشیر کے تقرر کا فیصلہ کیا گیا تھا اور نیابتی مجلس بنانے کی امید دلائی گئی تھی۔ یہ گویا ڈفرن کے خاکے کی وزارت کی طرف سے باضابطہ تصدیق تھی۔ چنانچہ چند روز

سر اویلن بیرنگ

کے بعد ہی نظارت ثنویہ کا فرمان خدیوی کے ذریعے خاتمہ کر دیا گیا اور ستمبر میں سر اویلن بیرنگ کو صدر قنصل اور عامل سیاسی کے لقب سے قاہرہ بھیجا گیا اگرچہ یہ بات اس کے خیال میں بھی نہ گزری ہوگی کہ مصر پر آئندہ تیئیس برس تک اس کا

حکم رواں رہے گا۔ ملک کا خزانہ خالی اور دس کرور کا قرضہ سرکار کو ادا کرنا تھا۔ اگرچہ حالت بالکل یاس انگیز بھی نہ تھی۔ انگریزی فوج پشت پناہی کے لئے موجود تھی اور نظارت قرضہ اگرچہ باقی تھی تاہم نظارت ثنویہ میدان سے خارج ہو چکی تھی۔ خدیو، شریف طینت، دبنے والی طبیعت کا آدمی تھا۔ لہذا سارا اقتدار بلا تاخیر برطانوی عمال کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا اور اسکی لندن سے امداد و اعانت ہوتی رہی۔ اس کے جائزہ لیتے وقت ہی گرین ول نے اسے لکھا کہ "یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جانی چاہئیے کہ جو ذمہ داری بالفعل انگلستان کے ہاتھ میں ہے، اس کی بنا پر حکومت برطانیہ کو یہ اصرار کرنا پڑے گا کہ مصر اسی روش پر چلے جس کی برطانیہ سفارش کرے اور مصر کے جو وزیر یا حکام اس روش کی اتباع نہ کریں وہ عہدوں سے علیحدہ کر دیئے جائیں" دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیے کہ مصر کو برطانیہ کی زیر حفاظت ریاست بنانا مقصود تھا اگرچہ بظاہر یہ لقب اسے نہیں دیا گیا۔ اس موقع پر ھارکوٹ نے بسمارک کے بیٹے ہربرٹ سے یہ الفاظ کہے کہ "ہم غیر معمولی طور پر امیر کبیر (بسمارک) کے احسان مند ہیں کہ اگر وہ چاہتا تو بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتا تھا۔ یہ واقعہ کہ کسی نے ہمارے کام میں مداخلت نہ کی، محض جرمانیہ کی عنایت ہے"[۱]

ہر چند زمانہ قریب میں تخلیہ مصر کا امکان نہ تھا لیکن ڈفرن نے زور دیا تھا کہ انگریزی فوج کی تعداد کم کر دی جائے اور بیرنگ آمادہ تھا کہ سکندریہ میں تین ہزار سپاہیوں پر اکتفا کرے لیکن یہ تخفیف اور فوج کی قاہرہ سے منتقلی اس بنا پر ملتوی کر دی گئی کہ ایک مصری فوج کو جو پوری طرح قواعد داں نہ تھی اور اس کا سردار ایک آوارہ گرد سا انگریز سپاہی ہکس بنا دیا گیا تھا اسی سال کے اواخر میں، ونگولا کے ایک شیخ مہدی نے دارفور میں تباہ و ہلاک کر دیا۔ مہدی نے بغاوت کا جھنڈا

[۱] "گروس پولی ٹیک" جلد چہارم۔

۱۸۸۱ء میں بلند کیا تھا اور انگریزوں نے یہ سمجھ کر کہ ہمیں سوڈان سے کچھ

مہدی کی بغاوتیں

تعلق نہیں ہے، مصری فوج کی مہم جاتے وقت ناعاقبت اندیشی سے ممانعت نہیں کی تھی لیکن اب برطانی حکومت نے اس صوبے کی دوبارہ تسخیر سے خدیو کو روکا کہ اس مقصد کے لئے نہ اس کے پاس فوج تھی نہ روپیہ۔ سوڈان کے قلعہ بند مقامات، یعنی خرطوم وغیرہ کی فوجیں اپنی جگہ پر اڑی رہیں لیکن قرینہ کہتا تھا کہ خروج مہدی کا سیلاب انہیں بھی بہا لے جائیگا۔ اسی نظر سے برطانی حکومت نے حکم دیا کہ اس ملک کو **وادی حلفہ** کے جنوب میں خالی کر دیا جائے لیکن ساحل بحر کو، سواکین سے مثوبہ تک اور اندرونی اضلاع کو وادی ابیض تک قبضے میں رکھنا ضروری تھا تاکہ افریقہ اور ایشیا کے درمیان بردہ فروشی کا انسداد کیا جائے۔ انگریزی پارلیمنٹ میں فریق مخالف نے سوڈان کو خالی کر دینے کے فیصلے پر ملامت کی اور اُسے بزدلی پر محمول کیا تو گرین ویل نے جواب دیا کہ اس بعید صوبے کی ہم نے کوئی ذمہ داری نہ لی تھی۔ ان سوڈانی صحراؤں میں جہاں نہ راستے کا نشان ہے نہ منزل کا پتہ۔ اگر جنگ چھیڑی گئی تو مصر پھر اسی مالی خلفشار میں مبتلا ہو جائے گا جس سے انگریزی امداد کی بدولت اب وہ آہستہ آہستہ باہر نکل رہا ہے"۔

مصری حکومت کو بغاوت اور تادیبی مہم کے مصارف پورے کرنے کی غرض سے قرض کی ضرورت تھی اور یہ بھی مناسب نظر آتا تھا کہ قانون ادائی قرضہ میں ترمیم کی جائے جس نے حکومت کو اپنے حسب منشا کام کرنے کی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔ نظر برایں گرین ویل نے ایک مجلس مشاورہ کی تجویز کی کہ مصری حکومت اپنے مواعید پورے کر سکے اور توازن کی بھی راہ نکل آئے۔ ۱۸۸۱ء سے مسئلہ مصر دول یورپ کے زیر بحث نہ آیا تھا لہذا فری نے مجلس مشاورت کی تجویز اس شرط پر قبول کر لی کہ متعلقہ مسائل پر پہلے فرانسیسی سفیر وڈنگٹن اور گرین ویل آپس میں گفتگو کر لیں۔ فرانس اپنی مہربانی سے نظارت ثنویہ کی بحالی یا برطانیہ کے مصر سے ہٹنے کی صورت میں

اس پر خود قبضہ کرنے کے دعوے سے دست کش ہو گیا اور برطانیہ کے اس عہد کو کہ مصر کی بین الاقوامی حیثیت میں کوئی فرق نہ پڑے گا، اس نے قبول کر لیا۔ اس بیان کو گرین ویل نے مراسلہ ۳ ر جنوری ۱۸۸۴ء کی تائید تصور کیا اور اس کے عوض میں تجویز کی کہ اگر دول جنوری ۱۸۸۸ء میں یہ رائے دیں کہ امن و انتظام میں خلل آنے کے اندیشے کے بغیر" مصر کا تخلیہ ہو سکتا ہے تو اس وقت انگریز اس ملک کو چھوڑ دیں گے۔ اس نے تخلیئے کے بعد مصر کو بلجیم کی مثل غیر جانب دار اور نہر سویز کے استعمال کو سب کے واسطے عام رکھنے کے اصول بنانے کی بھی تجویز کی۔ اس دوستانہ مکاتبت سے دونوں فریق خوش ہوئے اور فیری نے (مجلس میں) کاغذات پیش کرتے وقت کہا کہ "مصر نہ انگریزوں کا ہے نہ اہل فرانس کا۔ اس کے یورپی مسئلہ ہونے کی حیثیت میں فرق نہیں آیا اور نہ کبھی آئیگا"

لیکن ان مساویات سے فیصلے کی جو امیدیں قائم ہوئی تھیں، وہ مجلس مشاورۃ کے انعقاد سے باطل ثابت ہوئیں جس کا ۲۸ ر جون ۱۸۸۴ء کو افتتاح ہوا۔ ہر چند اس میں صرف مالی معاملات پر گفتگو کرنے کا

لندن کی مجلس مشاورۃ

ارادہ کیا گیا تھا لیکن طرح طرح کے اختلافات رونما ہونے میں کچھ دیر نہ لگی۔ فرانس، نظارت قرض کے اختیارات بڑھانے اور اس تدبیر سے کسی حد تک نظارت ثنویہ کی تجدید کرنا چاہتا تھا۔ برطانیہ کی تحریک تھی کہ کفالت کے بہتر ہو جانے کے باعث، قرضوں پر ایک فیصدی سود کم کر دیا جائے۔ فرانس نے اس کی مخالفت کی اور سرے سے اس خیال پر کہ برطانیہ کی ضمانت کے باعث شرح سود کم کی جائے، اعتراض کیا۔ اصل میں، یہ دونوں حکومتیں متضاد مقاصد کے ساتھ مجلس کو مخاطب کر رہی تھیں۔ یعنی ایک کا تو منشا محض مالیات میں آسانی پیدا کرنا تھا اور دوسری چاہتی تھی کہ مسئلہ مصر کی بین الاقوامی نوعیت کو نمایاں کیا جائے ۳ ر جون کو لارڈ لیونز نے لکھا کہ ژول فیری کو فرانس کے دوبارہ مصر میں

قدم جمنے سے جو سیاسی کامیابی حاصل ہوگی، اس کے مقابلے میں وہ اور کسی مصلحت کا چنداں خیال نہیں کرتا اور اسی نظر سے ہماری فوجوں کا تخلیہ کرانے کے لئے وقت کا تعین کرانا چاہتا ہے۔ اس مخالفت سے جو انگلستان و فرانس میں ترقی کرتی جاتی ہے، مجھے کمال رنج ہے۔ کچھ یہ بات نہیں کہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ فرانس ہمارے ساتھ عمداً جنگ کرنے کی فکر میں ہے۔ لیکن دنیا کے ہر حصے میں ان دونوں قوموں کا سابقہ پڑتا ہے۔ اور اس قسم کے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو موجودہ کشیدگی کی وجہ سے باہمی بدگمانی اور اشتعال کا موجب ہو جاتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کس وقت اور کہاں کسی مقامی واقعے سے کوئی سنگین مخالفت پیدا نہ ہو جائے یا کسی تند مزاج عہدہ دار کی ضد بحث کی کارروائی، فی الواقع ان قوموں کو باہم نہ ٹکرا دے گی۔" غرض یہ اسباب تھے کہ ایک مہینے میں سات اجلاس ہونے کے بعد مجلس مشاورہ کسی فیصلے پر پہنچے بغیر برخاست ہو گئی۔

جب مشاورہ لندن سے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور مصر بہت جلد دوالیہ ہوتا نظر آیا تو ہندوستان کے ایک سابق وزیر مالیات لارڈ نارتھ بروک کو جو ان دنوں محکمہ بحریہ کا رکن اعلیٰ تھا، کیفیت لکھنے اور مشورہ دینے کی غرض سے مصر بھیجا گیا۔ وہ اس ملک میں چھ ہفتے رہا اور دو کیفیتیں اس نے قلم بند کیں۔ ایک مالیات سے مخصوص تھی اور اس میں نہر کاوی کی توسیع، بیگار کی منسوخی، بیرونی اشخاص پر محصول لگانے کی زیادہ آزادی اور نوے لاکھ کے قرضے کے اجرا کی سفارش کی تھی جس کے سود کی کفالت حکومت برطانیہ کے ذمے ہو۔ تحریر کو ختم اس فقرے پر کیا تھا کہ "ان تجاویز کا نتیجہ بے شبہ یہ ہوگا کہ مجلس مشاورہ جس بین الاقوامی نگرانی کی محرک تھی، اس کی بجائے مصر کے خزانے پر صرف انگلستان کی نگرانی قائم ہو جائے گی لیکن اس تبدیلی سے میرے نزدیک انگلستان و مصر دونوں کی حکومتوں کو فائدہ پہنچے گا۔ رہیں دوسری طاقتیں، تو میں نہیں سمجھتا کہ

مصر کی سلامتی اور حفظ امن کی خاطر انگریزوں نے جو قربانیاں کی ہیں اور اب جو مالی ذمہ داری لینے پہ آمادہ ہو گئے، ان سب کے بعد بھی دوسری طاقتوں کو برطانیہ کی مصر پر نگرانی رکھنے پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے" دوسری کیفیت میں مصر کے مجموعی مسئلے سے بحث کی تھی اور یہ نتیجہ نکالی تھی کہ اصلاح و ترقی کے دیرپا ہونے کے لئے اس کا تدریجی ہونا لازمی ہے۔ "میں" اس بات کا حامی نہیں کہ حکومت کوئی تاریخ برطانوی فوجوں کے واپس بلانے کی معین کردے۔ ان کی تعداد تو ممکن ہے کہ تھوڑے زمانے کے بعد ہی گھٹا کر صرف چار ہزار کردی جائے لیکن ان کے کامل نکلنے کا کوئی قطعی وقت مقرر کردینا، احتیاط اور دانائی سے بعید ہوگا کیونکہ اس قسم کی کارروائی کا اطمینان سے کیا جانا لامحالہ ملک کی اندرونی حالات اور مصر کی سیاسی صورت حال پر منحصر ہے"۔

مگر **نارتھ بروک** کا یہ یقین کہ مصر کے خزانہ کی برطانیہ نگرانی کرے تو کوئی طاقت اعتراض نہیں کرسکتی، محض حسن ظن تھا۔ جب مصری حکومت نے اس کے مشورے سے ان زنجیروں کو توڑا جن میں وہ جکڑی ہوئی تھی اور بجٹ میں سے جو ادائے قرض کے لئے مخصوص تھی، کچھ رقم انتظامی مصارف کی کمی پوری کرنے میں لگادی، تو نظارت قرض نے عدالت سے فیصلہ حاصل کرلیا کہ یہ رقم واپس دی جائے۔ جدید قرض کے برطانیہ کو کفیل بنانے کی تجویز نہ صرف فرانس نے، بلکہ خود انگلستان کی مجلس وزرا میں گلیڈسٹون، چلڈرز اور تمام ارکان عوام نے مسترد کردی اگرچہ گرین ول اور دارالامرا اس کو منظور کرچکے تھے۔ لارڈ کرومر لکھتا ہے کہ "اگر یہ تجویز وزرا میں منظور ہو کر نافذ ہوجاتی تو اس بین الاقوامی دخل کا جو مصر کے حق میں بلائے جان ہوگیا ہے، بہت کچھ زور ٹوٹ جاتا اور برطانیہ کی سیادت، بہ حیثیت رہنما اور محافظ ہونے کے علی الاعلان ثابت ہوجاتی۔ لیکن نارتھ بروک کی حکمت عملی کو چلانے کی کوشش نہیں کی گئی اور اس کے آنے کا مقصد ناکام و بے سود رہا"۔ مجلس وزرا کے متعلق یہ فیصلہ مشکل سے منصفانہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ

اس بارے میں دول کی منظوری حاصل کرنا غیر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا جس کا سبب یہ تھا کہ حکومت ترکی ہمارے کام میں سہولت پیدا کرنے پر ذرا مائل نہ تھی اور فرانس برابر سرگرم مخالفت تھا۔ تمام طاقتوں میں صرف اطالیہ، انگلستان کی دوستی کا دم بھرتی تھی کیونکہ یہ طے کر لیا گیا تھا کہ مشوبہ اور اس کے قریب بحر قلزم کا ساحلی قطعہ اس کے حوالے کر دیا جائے؛

آخر کار مارچ ۱۸۸۵ء میں مفاہمہ لندن کے ذریعے قانون ادائے قرض کا گلوگیر شکنجہ ڈھیلا ہوا اور دول کی ضمانت سے نوّے لاکھ کے قرض لینے کی ۳½ فیصدی سود پر اجازت میسر آئی جس سے سکندریہ کے ۱۸۸۲ء کے نقصانات کا تاوان ادا ہوا اور ۱۸۸۲ء و ۱۸۸۳ء کے مصارف کی کمی پوری کر کے دس لاکھ ذرائع آب پاشی کے واسطے بچے رہے۔

مفاہمۂ لندن ۱۸۸۵ء

اس مفاہمے میں یہ بھی قرار پایا تھا کہ اگر دو سال کے آخر تک مصر قرض ادا کرنے کی راہ نہ نکال سکے تو ایک بین الاقوامی جماعت ماہرین مقرر کی جائے۔ لیکن صورت حالات میں آہستہ آہستہ بہتری رونما ہوئی اور اس جماعت کو مقرر کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی۔ سر ایڈگر ونسنٹ، مشیر خزانہ تھا اس نے بجز نہر کا دہی کے اور سب مصارف میں کفایت کی۔ ذرائع آبپاشی کے اس کام کو سر کولن سکاٹ مان کریف نے ترقی دی۔ سر ایولین وڈ نے دیسی فوج کو سدھایا اور سر جان اسکاٹ نے محکمہ فصل خصومات کی اصلاح کی۔ خدیو، انگریزوں کی دوستی کا دم بھرتا رہا اور ہوس حکومت میں مبتلا نہ ہوا۔ البتہ ارمن وزیر نوبار نے جو مصر میں تیز ترین دماغ رکھتا تھا، انگریزوں کے تحکم کا برا مانا اور اس سے ناراض ہو کر استعفیٰ داخل کر دیا لیکن اس کے سوا دوسرے مصری حکام میں رفتہ رفتہ سر ایولین بیرنگ نے اپنا اعتبار جما لیا۔

مفاہمہ لندن کے آخر میں ایک قرار داد کے ذریعے اعلان کیا گیا تھا کہ نہر سویز کے مرتبے کا تصفیہ کرنے کے واسطے آیندہ پیرس میں مجلس مشاورۃ

منعقد ہوگی یہ فیری مشتاق تھا کہ مصر میں پھر فرانس کے حقوق تازہ کرے اور ہاتھ سے نکلی ہوئی چیز پھر قبضے میں آجائے۔ اس نے دول کو دعوت دی کہ ہمیشہ کے لئے اور سب آنے جانے والوں کے واسطے نہر سویز کے آزادانہ استعمال کا دستور العمل تیار کریں۔ فرانس اور اکثر دول کا منشا، نہر کو غیر جانب دار بنانا تھا بلکہ وہ اسے بین الاقوامی بنانے کی فکر میں تھے۔ اور اسی کی سر جولیان پونسی فوٹ اور سر ڈرومنڈ وولف (برطانی وکیلوں) نے مخالفت کی جو نہر کو غیر جانب دار بنانے پر تو آمادہ تھے۔ لیکن اس تک پہنچنے کی بندرگاہوں کو اس طرح چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ نیز نہر کی پاسبانی کے حقوق مصر کے واسطے محفوظ کرنا چاہتے تھے جن سے برطانیہ مصر کی جانب سے کام لے۔ دس ہفتے کے بحث مباحثہ کے بعد ایک عہد نامہ کا مسودہ مرتب ہوا جو دول کی کثرت رائے کے مطابق تھا مگر برطانیہ اور اطالیہ نے اُسے قبول کرنے سے انکار کردیا اور مجلس بلا کسی نتیجے کے برخاست ہوگئی۔ تھوڑے ہی دن بعد فیری کو عہدہ چھوڑنا پڑا اور اس طرح فرانس میں اقدامی حکمت عملی کا یہ حامی بھی برسر اقتدار نہ رہا۔

عہد نامہ نہر سویز پھر بھی ۲۲ر فروری ۱۸۸۶ء کو برطانیہ کی منظوری کے واسطے ایک ترمیم کردہ مسودہ پیش کیا گیا۔ لارڈ روز بری نے اس پر گفتگو ملتوی کر دی اور تھوڑے تھوڑے وقفہ سے خط و کتابت ہوتی رہی تاآنکہ اکتوبر ۱۸۸۷ء میں فرانس و برطانیہ ایک عہد نامے پر رضامند ہوگئے اور اکتوبر ۱۸۸۸ء میں اسی کو دول نے قبول کرلیا۔ یہ "نہر کے آزادانہ استعمال کے واسطے ایک معین انتظام قائم کرنے کا معاہدہ" بجائے خود فرانس کے لئے قابل اطمینان تھا مگر ۲۱ر اکتوبر ۱۸۸۷ء کے ایک مراسلے میں انہی تشویش انگیز الفاظ کو دُہرایا جو اجلاس ۱۸۸۵ء کے ختم ہونے پر سر پونسی فوٹ نے کہے تھے کہ "برطانیہ اپنے اختلاف کا حصولی حق ان سب معاملات میں محفوظ رکھنا چاہتی ہے جو اس معاہدے کی رو سے پیش آئیں اور برطانیہ کی ہنگامی اور اختصاصی مصالح کے معارض ہوں۔ اور مصر پر

قبضہ رکھنے کے زمانے میں برطانیہ کی آزادی عمل میں خلل پیدا کرتے ہوں" فرانس نے یہ "استثنیٰ" اس مفاہمت پر کہ تمام دول اس سے فائدہ اٹھائینگی، منظور کرلیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاہدہ محض کاغذی اعلان رہگیا۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کو اگر جنگ پیش آئے تو وہ بطور خود نہر کی نگرانی اور ناکہ بندی کرسکتی تھی۔

برطانی حکومت کا یہ فیصلہ کہ سوڈان کو مہدی کے حوالے کردیا جائے اور فرنگی فوجیں جو وہاں مقیم ہیں واپس بلالی جائیں، عاقلانہ بلکہ سچ پوچھیے تو ناگزیر تھا۔ لیکن اس کام کے واسطے گورڈن کو مقرر کرنا المناک غلطی تھی۔ خدیو اسمٰعیل کے آخری ایام حکومت میں وہ سوڈان کا صدر و والی رہا تھا لیکن اس کے سوا اور کوئی اہلیت اس میں نہ تھی۔ لارڈ

گورڈن کی ہلاکت

کرومر لکھتا ہے کہ "سوڈان کے معاملے میں گلیڈ اسٹون کی حکومت نے دو بڑی بھاری غلطیاں کیں۔ پہلی خطا "ترک واجب" کی یہ تھی کہ اس نے ہکس کی مہم کو لشکرکشی کرنے سے باز نہ رکھا۔ اور دوسری خطا ارتکاب جرم کی یہ کی کہ گورڈن کو خرطوم روانہ کیا۔ اول تو کسی انگریز کو خرطوم بھیجنا ہی مناسب نہ تھا اور اگر بھیجنا ہی تھا تو اس کے لئے گورڈن ہرگز موزوں نہ تھا۔ مجھے اگر اس سے زیادہ اچھی واقفیت ہوتی تو میں کبھی اس کے تقرر پر رضامند نہ ہوتا۔ خرطوم پہنچتے ہی اس کی تند خوئی اس پر پوری طرح غالب آگئی۔ اس کے مزاج میں جنگ جوئی کا عنصر سب سے زیادہ تھا اور وہ سپاہی بھی بہت جھگڑالو سپاہی تھا اور مہدی کے سامنے سے پسپا ہونے کے خیال کو کسی طرح گوارا نہ کرسکتا تھا۔ رہے احکام، جو حکومت کی طرف سے اسے بھیجے گئے تھے، سو انھیں اس نے بے تکلف اٹھا کر پھینک دیا۔

لارڈ کرومر کے اس نپے تلے فتوائے جرم پر کچھ اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن گو گورڈن اپنی عدول حکمی کی وجہ سے سوڈان میں گھر گیا، تاہم اسے چھڑانے کے لئے کمک بھیجنے میں تاخیر کرنے کا یہ عذر نہیں ہوسکتا تھا۔ اور زمانۂ حال میں برطانیہ کا وقار دنیا کی نظر میں اتنا پست

کبھی نہیں ہوا تھا جتنا کہ اس اطلاع کے وقت ہوا کہ فروری ۱۸۸۵ء میں خرطوم مسخر ہو گیا اور اس کا بانکا مدافع کھیت رہا۔ حکومت برطانیہ نے جوش میں آ کے ارادہ کر لیا کہ مہدی کو خاک و خون میں ملانے کا منصوبہ جو مقتول سورمانے پکایا تھا، اتمام کو پہنچائے۔ لیکن پنجدہ کے قضیئے نے اُسے رک جانے پر مجبور کیا اور سوڈان کی دوبارہ تسخیر دس برس تک ملتوی رہی۔ انگلستان کے قدامت پسند فریق نے گلیڈ اسٹون کی مصری حکمت عملی پر تیز و تند حملے کئے تھے لیکن سالسبری بھی مصر میں مستقل جمے رہنے کا اپنے حریف کی بہ نسبت کچھ زیادہ خواہش مند نہ تھا۔ اور اور ۱۸۸۵ء کی گرمیوں میں عہدہ وزارت سنبھالتے ہی اس نے ڈرومنڈ ولف کو سفیر خاص اور وکیل مختار بنا کر سلطان المعظم کی خدمت میں روانہ کیا[1] کہ باب عالی سے مسئلۂ مصر کے تصفیے میں امداد و اتحاد عمل کی درخواست کرے۔ ترکی پائے تخت میں پہنچنے کے دو ماہ بعد بتاریخ ۲۴ر اکتوبر اس نے ایک اقرار نامے پر دستخط کئے جس میں قرار دیا گیا تھا کہ برطانی اور ترکی حکومت اپنا اپنا ناظر خاص مصر میں بھیجیں اور وہ خدیو کی مرضی کے مطابق فوج کی جدید تنظیم اور نظم و نسق کی اصلاح کا کام کریں۔ اقرار نامے کا چھٹا فقرہ یہ تھا

ولف کا پہلا اقرار نامہ ۱۸۸۵ء

کہ جس وقت یہ دونوں ناظر طے کریں کہ ملک مصر کی سرحدیں محفوظ اور حکومت کا عمدہ طریق پر چلنا اور پائدار ہونا یقینی ہو گیا ہے تو وہ اپنی اپنی حکومتوں کو کیفیت لکھیں گے اور ان کی حکومتیں ایک اور مفاہمت کے متعلق مشورہ کریں گی جس کے ذریعے برطانی فوجوں کو مناسب وقت میں مصر سے ہٹا لینے کی صورتیں ضبط میں آ جائیں۔" اس اقرار نامے کو باقی چاروں بڑی سلطنتوں نے بھی قبول کیا اور سلطان نے اس کے مرتب ہو جانے پر اظہار خوشنودی کیا۔ ولف نے اپنی حکومت کو اطلاع دی کہ اس عہد و پیمان

[1] دیکھو اس کے "رمبلنگ ری کلکشنز" جلد دوم ۲۰۷ تا ۲۲۰۔

سے جھنجھلاہٹ بہت کچھ کم ہوگئی ہے اور آخر میں یہ بھی لکھا کہ اگر ترکی ناظر خصوصی کا انتخاب دانائی سے کیا جائے تو اس قسم کے آئین مخترع کرنے میں، جن میں مشرقی اور مغربی دونوں عناصر کی آمیزش ہو نیز ملک سوڈان کی شورش فرو کرتے ہیں، وہ بہت کار آمد ہوگا۔[1] خود ولف بلا تاخیر مصر کو روانہ ہو گیا اور سال کے آخر تک ترکی ناظر مختار پاشا بھی وہاں آپہنچا۔ ۱۸۸۶ء میں پورے ایک سال تک ولف، مختار اور خدیو میں باہم سوڈان کے رفع فساد اور مالی اور فوجی مسائل پر بحث ہوتی رہی اور ختم سال کے قریب ولف انگلستان آیا کہ صورت حال پر سالسبری سے گفتگو کرے۔[1]

لیکن جس وقت ناظران خصوصی قاہرہ میں وقت ضایع کر رہے تھے فرانس میں فرے سی نے دوبارہ برسر اقتدار ہوا اور اس کے ماتحت حکومت فرانس نے پھر کوشش شروع کی کہ انگریزوں کے قبضۂ مصر کی مدت کو کم کر دیا جائے۔ برلن میں انہی دنوں فرانس کا نیا سفیر مقرر ہوا تھا اس نے جرمن وزیر خارجہ ہربرٹ بسمارک سے ۱۸ اکتوبر ۱۸۸۶ء کی پہلی ہی ملاقات میں، قضیۂ مصر کے متعلق جرمنوں کی تائید حاصل کرنے کے لئے بڑی دلیری سے کام لیا[1] اور صاف صاف کہہ دیا کہ اہل فرانس میں جرمنو سے "انتقام" لینے کا خیال بالکل پرانا ہو چکا ہے اور اگر صدر اعظم سرکاری طور پر اعلان کر دے کہ وہ اپنے پر وزن رسوخ کو بحر متوسط کا موجودہ توازن علی حالہ قائم رکھنے میں صرف کرے گا، تو اہل فرانس کے مخالفانہ جذبات میں بڑا بھاری تغیر پیدا ہو جائیگا۔ جرمانیہ کے متعلق ان کے سارے شبہات اور وسوسے دور ہو جائیں گے ان کی نظریں جو اپنی مشرقی سرحد کی طرف لگی رہتی ہیں ادھر سے ہٹ جائیں گی اور فرانس اپنی پوری قوت اور وسائل کار ادھر لگا دے گا جہاں اس کی حقیقی اغراض اٹکی ہوئی ہیں۔" در اصل

[1] اے گروس پولی ٹیک" جلد چہارم۔

بحیثیت ایک بڑی طاقت ہونے کے ہماری ہستی کا مدار ہی اب اس مسئلہ پر ہو گیا ہے کہ انگلستان مصر کو خالی کر دے۔ ہماری حکمت عملی کے محور کا مرکز بحر متوسط ہے اور فرانس میں انگریزوں سے آج اس درجہ بغض پیدا ہو گیا ہے کہ جرمنوں کے ساتھ اس قدر کبھی نہ ہوا تھا" کچھ روز بعد صدر اعظم سے اسی سفیر کی ملاقات ہوئی تو اس وقت بھی اس نے جرمنوں کے اشتراک عمل کی دوبارہ استدعا کی لیکن اسے جواب ملا کہ جرمانیہ، انگلستان پر مصر خالی کرنے کے لئے زور نہیں دے سکتی۔ فرانس کا حسن ظن برطانیہ کے سوءِ ظن کی کسی طرح تلافی نہ کر سکتا تھا۔

اسی زمانے میں وڈنگٹن کو حکم دیا گیا کہ وزرائے برطانیہ میں یہی سوال اٹھائیے۔ سالسبری نے جواب دیا کہ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم غیر معین زمانے تک (مصر میں) ٹھیرنا چاہتے ہیں، تو یہ بالکل غلط ہے۔ ہم صرف عزت اور دیانت داری کے ساتھ ہٹ آنے کے وسائل ڈھونڈ رہے ہیں۔ ورنہ

فرانس تخلیہ مصر کی تحریک کرتا ہے۔

ہماری فوجوں کا ہندوستان میں رہنا زیادہ مفید ہوگا۔ مصر کو خالی کرنے کا ہم ارادہ کر چکے ہیں مگر جب ہم ایسا کریں گے تو ہم یورپ سے یہ ضرور کہیں گے کہ ایک مدت معین کر دی جائے جس میں کوئی تازہ فساد برپا ہو تو ہمیں دوبارہ ملک میں داخل ہو جانے کا حق حاصل رہے۔ بغیر اس کے ہماری تنظیم جدید کا کام خطرے میں پڑ جائے گا۔ نگرانی رکھنے کا ایک زمانہ مقرر ہونا ضروری ہے۔ ہم اس بارے میں سلطان سے گفت و شنید کرنے کا قصد رکھتے ہیں لیکن ہماری خواہش ہے کہ پہلے فرانس کے ساتھ کوئی باہمی قرارداد ہو جائے" اس کے جواب میں فرسی نسی نے استدعا کی کہ تاریخ تخلیہ کے تعین کا جلدی اعلان کر دیا جائے اور لکھا کہ جس قدر جلد یہ اعلان ہوگا اسی قدر زیادہ مدت نگرانی کے واسطے مقرر کی جا سکے گی۔ "برطانیہ فوجی چھاؤنی کی طرح ڈال رہی ہے جن میں انگریز سردار مقرر کئے گئے ہیں۔ ایسا کرنا خلاف معمول نہیں مگر اس سے تخلیے کا میلان پیدا

نہیں ہوتا۔ ہماری عرض معروض پر اب سلطان اس قسم کی ابتدائی جمعیتیں مرتب کرنے پر آمادہ ہے جن میں ترک سردار ہوں پھر بھی اگر کچھ عرصے کے لئے انگلستان فرنگی سردار رکھے تو ہم مخالفت نہ کریں گے، امر آخر یہ ہے کہ مالی یا ملکی نظم ونسق کی کوئی اصلاح جس سے فرانسیسی عملے میں تخفیف کا قرینہ نکلتا ہو بہت غیر مقبول ہوگی بجز اس صورت کے کہ تخلیے کی تاریخ معین کر دی جائے تو مصر ہی کا مسئلہ ہے جس نے ہم میں (یعنی انگلستان و فرانس میں) تفریق ڈال رکھی ہے" اس مراسلے کا لب ولہجہ مصالحانہ تھا لیکن ۱۱ رنومبر کو فرانس کے وزیر اعظم نے مجلس میں جو تقریر کی وہ عجیب بلکہ قریب قریب تہدید آمیز تھی۔ اس نے کہا کہ "اگر کوئی بڑی طاقت مصر میں مستقل طور پر آ جمے تو اس سے بحر متوسط میں فرانس کی قوت کو اندیشہ ناک صدمہ پہنچے گا اور میری رائے میں فرانس کبھی اس خیال سے آشتی پذیر نہ ہوگا کہ مصر قطعی طور پر کسی بڑی طاقت کے قبضہ میں چلا جائے" ۱۸۸۷ء کے اوائل میں ولف پھر استنبول آیا کہ پہلے معاہدہ ۱۸۸۵ء میں جس عہد و پیمان کی تجویز کی گئی تھی اب اسے طے کیا جائے۔

ولف کا دوسرا مفاہمت نامہ ۱۸۸۷ء

وزیر اعظم کو اس نے ایک یادداشت بھیجی جس میں مصر کی تحیر جانب داری، کافی تعداد میں انگریز سرداروں کے موجود رہنے اور ضرورت کے وقت انگریزوں کے دوبارہ مصر میں داخل ہو سکنے کی تجویزیں تھیں۔ باب عالی نے جواب میں بتایا کہ اس آخری دعوے کے معنی یہ ہیں کہ انگریز حقوق سلطانی کو غصب کریں۔ تاہم اس مفاہمت نامے میں جس پر ۲۲ رمئی کو استنبول میں دستخط ہوئے مشترک مداخلت کی شرط باب عالی نے مان لی۔ قرار پایا کہ برطانی فوجیں تین سال میں مصر کو چھوڑ دیں۔ اگر بیرونی یا اندرونی خطرے کی بناء پر اس میں تاخیر ہو تو خطرے کے دور ہوتے ہی یہ فوجیں رخصت ہو جائیں گی۔ اس معاہدے کی باضابطہ تصدیق کے بعد دول سے استدعا کی جائے کہ وہ مصر کی صیانت

کا ذمہ لیں۔ جس صورت میں کہ ترکی کو مصر پر کسی بیرونی حملے یا اندرونی فساد کا اندیشہ نظر آئے یا خدیو حقوق سلطانی یا بین الاقوامی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں غفلت کرے تو ترکی کا یہ حق کہ وہ مصر پر فوجی قبضہ کرے بحال رہیگا۔ اس قسم کی صورتوں میں حکومت برطانیہ کو بھی حق دیا گیا تھا کہ وہ خطرہ رفع کرنے کے لئے اپنے سپاہی بھیج سکتی ہے۔ طے یہ ہوا تھا کہ ایسے موقعوں پر ترکی اور برطانی سپہ سالار ترکی حقوق کا کماحقہٗ لحاظ رکھیں گے اور مداخلت کے اسباب رفع ہوتے ہی ان کی فوجیں مصر سے ہٹالی جائینگی۔ اگر سلطان المعظم کوئی کارروائی نہ کریں تو برطانیہ تنہا جنگی کارروائی عمل میں لاسکتا تھا عہدنامے کے ساتھ ایک خط کا بھی الحاق کردیا گیا جس میں ولف نے تصریح کی تھی کہ اگر تین سال کے ختم تک بحر متوسط کی کسی بڑی طاقت نے اس معاہدے کو تسلیم نہیں کیا تو برطانیہ اس انکار کو ایسے "بیرونی خطرے کے ظہور میں آنے کے" مرادف سمجھے گا جیسا کہ اس معاہدے میں پیش نظر ہے۔

ولف کے مفاہمت نامے کی تنسیخ

سلطان، وزیر اعظم کامل پاشا دوسرے وزرا اور شیخ الاسلام مسئلہ مصر کا تصفیہ ہوجانے کے دل سے خواستگار تھے۔ لیکن اس معاہدے نے فرانس و روس میں غیظ و غضب کا طوفان برپا کردیا۔ روسی سفیر نلی ڈوف نے سلطانی حقوق قربان کردینے پر وزیر اعظم کو غیرت دلائی اور کہا کہ روس برطانیہ کے خاص حقوق ماننے کی نسبت ترجیح دے گا کہ اس ہنگامی حالت کو بغیر کسی وضاحت وتعین کے رہنے دے۔ اور گائرز نے سینٹ پیٹرز برگ کے ترکی سفیر سے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ غالباً روس اس معاہدے میں شرکت سے انکار کردے گا۔ فرانس کو اس سے بھی زیادہ مخالفت تھی اس نے جرمانیہ کو بھی معارضہ کرنے پر بہت ابھارا گو کامیابی نہ ہوئی اور سلطان کو اطلاع دی کہ حکومت فرانس دوبارہ مداخلت کے حق کو بغیر تعین مدت کے قبول نہیں کرسکتی۔ یہ رنگ دیکھ کے ترک گھبرا گئے اور بات بنانے لگے

کہ اگر معاہدے کی توثیق کردی گئی تو کہیں فرانس، ملک شام پر اور روس ارمنیہ پر قبضہ نہ کرلے۔ نظر برایں، باب عالی نے معاہدے کی آخری تصدیق کے لئے جو ایک مہینہ مقرر تھا، اس میں توسیع چاہی۔ لیکن اس توسیع کے زمانے سے بھی انھوں نے کوئی کام نہیں لیا۔ اور ۱۶ جولائی کو ڈولف استنبول سے رخصت ہوگیا۔ اس کے چند روز بعد ہی ترکی سفیر لندن نے پھر گفتگو شروع کرنی چاہی لیکن سالسبری نے یہہ معقول جواب دیدیا کہ جبتک سلطان دوسرے مشیروں کے اس قدر اثر میں ہے کہ جس معاہدے کو ابھی چند روز ہوے منظور کیا تھا، اب اس سے انحراف کررہا ہے اس وقت تک کوئی اور معاہدہ از سر نو کیا جائے، تو خطرہ رہے گا کہ اس کا بھی یہی حشر ہوسکتا ہے"۔

مفاہمت نامہ ولف کی تنسیخ کے باوجود، ترکی ناظر خصوصی قاہرہ میں موجود رہا۔ دوسری طرف، برطانیہ کے سیاسی طرز عمل کی صفائی ہوگئی۔ سب کو معلوم ہوگیا کہ وہ تخلیہ مصر کیلئے سلطان سے معاہدہ کرچکی تھی اور خود سلطان ہی فرانس و روس کے دباؤ سے منظوری دے کے پھر گیا فرانس کے طرز عمل سے انگریزوں کو ایسی تائید نہ ہوی جسے دیکھ کے وہ وادیٔ نیل میں اپنے قیام کی مدت محدود و معین کرنے کی مزید کوشش کرتے اور ادھر موازنے میں مصارف کی جو کمی ہر بار پڑجاتی تھی، ۱۸۸۸ء میں وہ دور ہوگئی اور بیرنگ اور اس کے ساتھیوں کو جرات ہوی کہ اپنے دشوار کام کی انجام دہی میں استقلال سے کام کئے جائیں۔

(۲)

بسمارک اور مستعمرات: جسوقت فرانس سیڈان کی اشک شوئی کے لئے اپنی کھوئی ہوئی بیرونی سلطنت کو دوبارہ بنانے کے درپے تھا، متحدہ جرمانیہ دس برس تک ممالک یورپ ہی میں اقتدار جمانے کو کافی سمجھتی رہی۔ انیسویں

صدی میں لاکھوں جرمن ترک وطن کر کے امریکہ میں جا بسے مگر اس کمی پر اہل وطن کو زیادہ تاسف نہ ہوا۔ ہمسایہ کی ولولہ انگیز یاد کا بسمارک پر جادو نہ چلا جیسے نوآبادیوں کی آرزو تھی نہ بحری بیڑے کی اگرچہ وہ دوسری سلطنتوں کو ماورائے بحر نظر جمانے پر تھپکتا رہتا تھا۔ واقع میں ان کی ہوس ملک ستانی میں اس کا مانع نہ آنا بھی اس کے اپنے کئے دھرے کام کو محفوظ رکھنے کی حکمت عملی کا ضروری جزو تھا۔ ۱۸۸۳ء میں ہوہن لوہی ایک مرتبہ صدر اعظم سے ملنے آیا تو اس ملاقات کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "نوآبادیوں کے معاملے میں اسے ذرا بھی دلچسپی نہیں اس کا قول ہے کہ ان کی حفاظت کے واسطے نہ ہمارے پاس بیڑا ہے نہ ان کا انتظام کرنے کے لئے عمال کی جماعت اس نے میری تحریر کا جو فرانس کے مراکو کے متعلق منصوبوں پر میں نے بھیجی تھی تذکرہ کیا اور کہنے لگا اگر فرانس اسے لے لے تو غالباً یہ ہمارے لئے خوشی کا موقع ہوگا۔ فرانس کو الجھانے کے لئے اس ملک میں کافی اسباب پیدا ہو جائیں گے۔ اور وہ الساس لورین کی تلافی کر دے گا"[1] اس غرض آمیز بے غرضی کا ڈوننگ اسٹریٹ میں دل سے شکریہ ادا کیا گیا۔

۱۴ جنوری ۱۸۸۷ء کے خط میں سالسبری نے لارڈ اوڈورسل کو لکھا کہ "اس مجرب اصول کے مطابق کہ جن سے مل کر کام کرنا پڑتا ہے، وہی سب سے بڑھ کر دوست ہو سکتے ہیں جرمانیہ بدیہی طور پر ہمارا ہی بنی بنائی حلیف ہے۔ ہماری قدیم دوست، آسٹریا بھی آجکل اس قسم کے تمام منصوبوں اور اغراض سے قطعی بری نہیں ہے کہ جن کا ہماری اغراض سے معارضہ نہ ہوتا ہو"[2] یہ وزیر خارجہ کی ہوشیاری تھی کہ اس نے آخری فقرے میں ایک پہلو کھلا ہوا رہنے دیا کیونکہ جرمنوں کی محنت اور حوصلہ مندی سے ممالک غیر کا مالامال ہونا اور دوسری سلطنتوں کا افریقہ پر کنگلول

[1] ہوہن لوہی: Denkwurdigkeiten جلد دوم ۲۹۱

[2] "لائف، اوف سالسبری" جلد دوم - ۳۰۳ -

کی طرح ہاتھ مارنا، ایسا نظارہ تھا جس سے جرمنوں کی بھی بھوک تیز ہوتی تھی اور اسی نے آخرکار صدر اعظم کو مجبور کیا کہ اس سے قبل کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے وہ اپنے ہموطنوں کی اِس اشتہاسیر کرنے کی تدبیر کرے۔

جرمانیہ کا افریقہ سے تعلق اوّل ہی اول سترہویں صدی کے نصف آخر سے شروع ہوتا ہے جب کہ پروشیہ کے جہاز غلاموں کی تجارت میں حصہ لیتے تھے۔ اکبر اعظم کے سر میں نوآبادیوں کے متعلق بہت سے منصوبے سمائے ہوے تھے اور اسی نے سینٹی گال کے قریب ایک جزیرہ خریدا اور انہیں دنوں جرمنوں کو "ساحل زر" (گولڈ کوسٹ) پر پاؤں ٹکانے کی جگہ مل گئی۔ برین ڈن برگ "شرکت افریقیہ" ۱۶۸۲ء میں قائم ہوئی لیکن تجارتی اعتبار سے یہ کام نہ چلا اور چالیس برس بعد اس سے ہاتھ اٹھا لیا گیا۔

اکبر اعظم

پھر انیسویں صدی میں، جرمن دعاۃ، تجار اور اہل تحقیق و اکتشاف کے ذریعے لوگوں میں اِس کالے برّ اعظم سے دلچسپی پیدا ہوی اور سلطنت جرمانیہ قائم ہوی تو اس سے قبل ہی ہیمبرگ کے سوداگر مشرقی اور مغربی سواحل پر زور شور سے تجارت شروع کرچکے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں شاہ لیوپولڈ کی بین الاقوامی انجمن افریقیہ کی ایک جرمن شاخ بنائی گئی اور ۱۸۸۲ء میں جرمن انجمن مستعمرات کی بنیاد پڑی۔ زیادہ تر مغربی ساحل تھے جن پر بار بار جرمنوں کی نظر پڑتی تھی۔ صدی کے وسط میں دمارالینڈ اور ناماکوالینڈ میں دعوت و تبلیغ کے مرکز ہوے اور ۱۸۶۴ء میں بعض جرمن پادریوں نے خلیج والفیش کے شمال میں جرمن علم نصب کیا کہ انگولا اور گلابی ندی (اورینج ریور) کے درمیان کے طویل وغیرمقبوضہ

سلہ جرمانیہ کے استعماری مقبوضات کی ابتدا پر سب سے مفید تبصرے زمرمن کی تصنیف اور ڈان کی کتاب "جرمنز ان افریکا" میں ہیں۔ ڈاسن نے "دی جرمن امپائر" جلد دوم باب پنجم میں بہت خوبی سے ان واقعات کا خلاصہ لکھا ہے۔

ساحل پر یہی مقام بندرگاہ تھا۔ یہ خلیج مبہم طور پر برطانوی علاقہ سمجھی جاتی تھی اور ۱۸۶۸ء میں پادریوں اور دیسی باشندوں میں جھگڑا ہوا تو حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ جرمن باشندوں کی بھی انگریزی رعایا کی مثل حفاظت کی جائے گی جس کے معنی یہ تھے کہ وہ دمارالینڈ اور نماکوالینڈ کو اپنے حلقہ اقتدار میں داخل جانتی تھی لیکن دوسرے پہلو کو دیکھئے تو خلیج والفیش کے سوا اور کسی مقام پر انگریزوں کا مستقل قبضہ نہ ہوا تھا بلکہ ۱۸۶۷ء اور ۱۸۶۸ء میں کیپ کالونی کے والیوں کی اس عرض معروض کے باوجود کہ کیپ کالونی سے پرتگیزی سرحد تک پورے ساحل پر قبضہ کر لیا جائے، انگریزی حکومت نے اپنے مقبوضہ علاقے میں توسیع نہ کی۔ اور خلیج والفش اور بندر میل کے ساحلی ٹکڑے کو لینے کے سوا اپنا علاقہ بڑھانے سے انکار ہی کرتی رہی تاآنکہ ۱۸۸۰ء میں اس نے یہ کارروائی کی ۱۸۸۰ء میں جرمن پادریوں نے شکایت کی کہ باشندوں کی باہمی جنگ و جدال سے انہیں خطرہ رہتا ہے اور انگریز حکام جیسا چاہیے تحفظ نہیں کرتے تو اس وقت بسمارک نے حکومت برطانیہ سے دریافت کیا کہ آیا وہ جرمنوں کی اسی قدر حفاظت کا انتظام کر سکتی ہے جس قدر کہ برطانوی رعایا کی کرتی ہے۔ یہ وعدہ دیا گیا لیکن خلیج والفش کے باہر ذمہ داری لینے سے انکار کیا گیا اور اس سے سرکاری یا غیر سرکاری طور پر جرمانیہ کو ساحل کے ویران خطے میں پاؤں جمانے کی گنجائش نکل آئی۔ پھر بھی آئندہ دو سال تک کسی حکومت نے اس غیر مطبوع زمین لایملک کو اپنی سلطنت کا جزو بنانے میں سبقت کرنی پسند نہ کی۔[1]

جنوب مغربی افریقہ

نومبر ۱۸۸۲ء میں بریمن کے ایک سوداگر **لوڈرٹیز** نے انجمن مستعمرات کے ایما سے، اپنی حکومت سے دریافت کیا کہ اگر میں جنوب مغربی افریقہ میں کوئی علاقہ حاصل کر لوں تو آیا حکومت اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست کر سکے گی؟ بسمارک نے

[1] سنہ ۱۸۸۳ء تا ۱۸۸۵ء کے اس قضیے کے متعلق جو نوآبادیوں کے بارے میں پیدا ہوا۔ برطانیہ اور جرمن۔ بر صفحہ گرگ

مطلوبہ ذمہ اس شرط پر لے لیا کہ اس علاقے پر کسی دوسری سلطنت کو دعویٰ نہ ہو۔ پھر اس نے حکومت برطانیہ کو لکھا کہ آیا وہ انگرا پکینا کے علاقے میں خود پادشاہی کا دعویٰ رکھتی ہے یا حفاظت کا انتظام کر سکتی ہے؟ اور اگر دونوں باتوں کا جواب نفی میں ہو تو حکومت جرمانیہ اپنی رعایا کی حفاظت کا خود بندوبست کرے گی اگرچہ وہ جنوب مغربی افریقہ میں قدم جمانے کی مطلق نیت نہیں رکھتی۔ گرین ول نے جواب دیا کہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قبل مجھے مجوزہ کارخانے کی جگہ معلوم ہونی چاہئے۔ اور کیپ کالونی کے حکام سے بھی مشورہ کرنا پڑے گا۔ برطانی جواب کا انتظار کئے بغیر لوڈی رٹز نے قبائل ہوٹن ٹوٹ کے ایک سردار سے چھوٹے سے قطعۂ زمین اور دس میل کی سمندر کی گودی کے متعلق عہد و پیمان کر لیا اور اس میں جرمن جھنڈے نصب کرنے شروع کئے۔ کیپ کالونی کی حکومت کو انگرا پکینا پر قبضہ کرنے کی کبھی خواہش نہیں ہوئی تھی لیکن اس کارروائی سے وہ بہت جز بز ہوئی۔ پھر بھی اس نے باقاعدہ ساحل پر قبضہ کر لینے کی تجویز نہیں کی۔ ۸ر اگست کو کیپ کے جرمن قنصل کو اپنی سرکار سے یہ اطلاع ملی کہ اگر دوسری قوموں کے حقوق میں اس سے دست اندازی نہیں ہوتی، تو حکومت جرمانیہ لوڈی رٹز کے کارخانے کی حفاظت کا بندوبست کرے گی اور ایک جنگی کشتی خلیج انگرا پکینا میں متعین کر دی گئی۔ چند ماہ کے بعد اسی قسم کی ایک برطانوی کشتی کیپ سے بھیجی گئی تو اس کے سردار سے کہہ دیا گیا کہ تم اس وقت جرمن علاقے کے پانی میں ہو۔

جرمن صدر اعظم کو توقع تھی کہ مصر کے معاملے میں انگریزوں کی جو بیش بہا تائید اس نے کی ہے، اس کے عوض میں برطانیہ جرمنوں کی استعماری

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ دونوں حکومتوں نے بہت سی "نیلی کتابیں" اطلاع عام کیلئے چھاپیں۔ مقابلہ کرو "لارڈ گرین ویلز لائف" جلد دوم اور "ڈای گروس پولی ٹیک" جلد چہارم ۸ تا صفحہ ۱۰۸۔

حکمت عملی میں ممد و معاون ہوگی۔ اسی امید میں اسے نہ خود جلدی تھی نہ برطانی حکومت سے اس نے جلد جواب دینے پر اصرار کیا اگرچہ دو مرتبہ یاددہانی ضرور کر دیگئی کہ وہ جواب کا منتظر ہے۔ آخر نو مہینے کے بعد گرین ول نے نومبر ۱۸۸۳ء میں جواب لکھا کہ گو برطانی بادشاہی کا صرف خلیج و لفیش اور انگرا پکینا کے سامنے کے جزیروں پر اعلان کیا گیا ہے لیکن انگولا اور کیپ کالونی کے درمیان کسی غیر سلطنت کا دعویٰ تسلط و فرماز وائی ہمارے جائز حقوق میں دست اندازی سمجھا جائے گا گو یہ خاصا اشتعال انگیز مراسلہ تھا اور بسمارک کا جواب میں یہ پوچھنا کہ ان جائز حقوق کی بنیاد کیا ہے؟ کچھ قابل الزام نہیں ہے گو اس پر اور بھی دیر ہوی کیونکہ بسمارک کا ۳۱ ۔ دسمبر کا مراسلہ وزیر مستعمرات لارڈ ڈربی کو بھیجا گیا اور اس نے کیپ کالونی سے مشورے کے لئے خط و کتابت شروع کی۔ وہاں کی حکومت نے رائے دی کہ خلیج ولفیش تک سارے ساحل کو جس میں انگرا پکینا بھی آجاتا تھا، انگریزی علاقے میں داخل کر لیا جائے لیکن انہی دنوں وہاں وزراء میں عزل و نصب ہوا

صدر اعظم کی عملی کارروائی

اور مذکورہ بالا جواب کہیں ۲۹ مئی ۱۸۸۴ء کو جاکر لندن پہنچا۔ مگر اب وقت نکل چکا تھا۔ کیونکہ صدر اعظم نے پے در پے تاخیروں سے تنگ آکر اور اس خوف سے کہ کہیں انگریز اس درمیان میں بالا ہی بالا کوئی کارروائی کر گزریں اور پھر اس میں کسی ردّ و بدل کی گنجائش نہ رہے، ۲۴ ۔ اپریل کو دریائے اورینج سے لے کے انگرا پکینا تک کے علاقے کی نسبت اعلان کر دیا کہ وہ جرمانیہ کے زیر حفاظت ہے۔ ۱۱ ۔ جون کے مراسلے میں، جو لندن کے جرمن سفیر کو اس نے بھیجا اس میں کچھ لگی لپٹی نہ رکھی اور "وزارت مستعمرات کے آنکھ مچولی کھیلنے" کی اور یہ بات بنانے کی کہ نوآبادیاں، آزاد حکومتیں ہیں، اس نے سخت شکایت لکھی۔ اس کے نزدیک حکومت برطانیہ کو صرف یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ اس وقت انگلستان کے مسلمہ مقبوضات کی حدیں کیا ہیں؟ لیکن اس کے برخلاف، لارڈ گرین ول اور اس سے بھی بڑھکر، لارڈ ڈربی

نے اس سوال کا یہ مطلب نکالا کہ آیا انگلستان مزید علاقے کا الحاق پسند کرتا ہے یا نہیں؟[1] برطانی ارباب حکومت کی اس بات سے کہ انگلستان اپنے مقبوضات سے آس پاس بھی دوسری قوموں کو بستی بسانے سے روکنے کا حق رکھتا ہے اور گویا افریقہ بھر پر قانون منرو کا سا قانون چلانا چاہتا ہے، اس خیال کو تقویت پہنچی کہ جرمانیہ کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا گیا۔ گرین ول نے جواب میں تحریر کیا کہ ہماری حکومت جرمنوں کے نوآبادیاں قائم کرنے میں خلل ڈالنے کی کوئی نیت نہیں رکھتی اور مجھے یہ اندازہ ہی نہ ہوا تھا کہ جرمانیہ کو بھی مستعمرات کا شوق دامنگیر ہے۔ اس نے صراحت کی کہ کیپ کالونی کے حکام سے ایسے معاملات میں جن کا ان سے تعلق ہو مشورہ لینا پڑتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھا تھا کہ جرمانیہ چاہتی ہے کہ اس علاقہ کو برطانیہ اپنی حفاظت میں لے لے۔ اسی موقع پر ہربرٹ بسمارک نے چند روز کے لئے جیسا کہ اس کی عادت تھی، انگلستان کا چکر کیا اور گرین ول کو صاف صاف سنا دیا کہ حکومت برطانیہ کی اس کارروائی کو اس کا باپ کس نظر سے دیکھتا ہے۔ انگریز وزیر خارجہ نے غلط فہمی کی معافی چاہی۔ معاملے کو مجلس وزرا میں پیش کیا اور ۲۱ جون کو جرمن سفیر کو مطلع کر دیا کہ برطانیہ انگرا پکینا پر جرمن فرمانروائی تسلیم کرتی ہے۔ ۔ اگست کو ایک جرمن بحری سردار نے اس علاقے پر جرمن جھنڈا نصب کیا اور آئندہ خلیج ولفش کے سوا، کیپ کالونی اور پرتگیزی سرحد کے درمیان کے سارے ساحل کی نسبت جرمن علاقہ ہونے کا اعلان ہو گیا۔

گرین ول کی غلطیاں

انگلستان کے بعض دوسرے وزیروں کو اس معاملے میں جیسا چھوڑ پن

---

[1] اسی غصے میں بسمارک نے مئی میں فرانسیسی سفیر سے سائل افریقہ کے متعلق ایک اتحاد کر لینے کی تجویز کی تھی جس میں انگلستان کو داخل نہ کیا جائے لیکن پھر اس کے متعلق کچھ زیادہ کارروائی نہیں کی۔
دیکھو " Origines. . . . . . . Queree " . . . . . ۲۰۸ تا ۲۱۰

دکھایا گیا تھا، وہ ناگوار گزرا لیکن گرین ویل کی غلطیوں کا دراصل بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اس بات کا صحیح اندازہ نہ کرسکا کہ صدر اعظم کی مستعمرات سے ذاتی بے اعتنائی کے باوجود اہل جرمانیہ انہیں لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس عدم واقفیت کے ایک حد تک لارڈ ایمپ تھل اور منسٹر ذمہ دار تھے۔

بہر حال مذکورۂ بالا فیصلے کے بعد ایمپ تھل نے اطلاع دی کہ "بسمارک آپ کا نہایت شکر گزار ہے۔ اخبارات آپ کے فیصلے کی معقولیت، انصاف پسندی اور دوست نوازی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ہر طرف سے میں سنتا ہوں کہ اس فیصلے نے ہمارے بین الاقوامی روابط کو بے انتہا فائدہ پہنچایا ہے۔ کیونکہ اہل جرمانیہ لوڈے رٹز کے شوق تجارت کی حمایت کا دل سے تہیہ کر چکے تھے۔ شہزادہ ولی عہد اس تمنا میں قوم کا ہم آہنگ تھا لیکن اس کی وجہ سے انگلستان کے خلاف ملک میں جو ناراضی اور بدمزاجی پیدا ہو رہی تھی اس سے ڈر رہا تھا لہذا اب آپ کے فیصلے سے جس سے انگلستان و جرمانیہ میں دوبارہ دوستانہ خیالات مستحکم ہوئے وہ بھی قومی مسرت میں حصہ دار ہے اور اس کی بیگم لوگوں کے عام طور پر مطمئن اور اخباروں کے لہجے میں تبدیلی ہو جانے سے بے حد خوش ہے۔ اس پریشان کن غبار کو آپ کے دور کر دینے سے خود مجھے بے انتہا فراغ خاطر میسر آیا۔ واقع میں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ بسمارک کو اپنی مرضی اور دلی یقین کے خلاف رائے عامہ نے نوآبادیوں کے متعلق اسی روش پر کھینچ لیا جسے وہ اب تک جرمنوں کے اجتماع قوت کے حق میں نہایت مضر اور ناقابل قبول کہتا تھا۔" اسی زمانے میں ایک قضیہ جو فیجی میں جرمن آباد کاروں کے حقوق زمینداری کی نسبت مدت سے تصفیہ طلب تھا، ایک تحقیقاتی جماعت کے تفویض کر دیا گیا جس میں دونوں ملکوں کے رکن شامل تھے۔

عین اس وقت کہ مطلع گرد و غبار سے صاف ہوا تھا، خبر ملی کہ **کیپ کالونی** کی مجلس ملکی نے انگرا پکینا کے الحاق کی سفارش کی تھی

بسمارک کی ناراضی اور شکوک پھر تازہ ہوگئے۔ اس نے ۲۲ اگست کو صاف کہہ دیا کہ اگر انگلستان نے ہمارا اعتراض نہ سنا تو پھر اس سے بالکل قطع تعلق ہوجائے گا۔ یہ معاملہ کچھ ایسا بڑا تو تھا نہیں کہ جنگ کی نوبت آجاتی تاہم جا بجا سیاسی مشکلات کھڑی کی جاسکتی تھیں۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۸۴ء

بسمارک ہلوگولینڈ کی خواہش کرتا ہے

کے مراسلے کے جواب میں جو تاخیر ہوئی تھی اس کا بھی بسمارک نے دوبارہ شکوہ شروع کیا اور ڈربی پر الزام لگایا کہ وہ اسی اثنا میں کیپ کالونی کے حکام کو اکساتا رہا کہ جرمانیہ کے کارروائی کرنے سے پہلے ہی ساحل پر قبضہ جمالیں۔ سب سے بڑھکر حیرت کے قابل اس کی یہ شکایت تھی کہ اس نے رائیشتاگ میں برطانیہ کے نام ایک مراسلہ پڑھکر سنایا جس میں تنبیہہ تھی کہ اگر برطانیہ جرمنوں کو استعماری کوشش میں مدد دینے سے انکار کرے گی تو میں فرانس سے مدد لینے کی فکر کروں گا، اور کہا کہ اس کا بھی انگریزوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ واقعہ بسمارک کی بدترین خصائل کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہ مراسلہ خود اسی کی ہدایت سے حکومت برطانیہ کے روبرو پیش ہی نہیں کیا گیا تھا۔ خلیق اور شریف الطبع گرین ویل یہ خلاف توقع کڑک چمک سن کے پریشان ہوگیا۔ اس نے لکھا "مجھے خوف ہے کہ بسمارک ہمارے لئے سخت سدراہ ثابت ہوگا۔ وہ اپنی انتخابی اغراض کے لئے ہم کو کام میں لا رہا ہے۔ حالانکہ نوآبادیوں کے متعلق اس کی جس قدر جائز شکایتیں تھیں ہم نے ان سب کو دور کردیا۔ لیکن دراصل اسے ایک مخفی شکایت بھی ہے یعنی —— ہلوگولینڈ۔" اصل یہ ہے کہ مئی ہی میں انگریز سفیر نے وزیر خارجہ کو اطلاع دی تھی کہ جرمن بحر بالٹک سے بحر شمال تک ایک نہر بنانی چاہتے ہیں اور انھوں نے مجھے ٹٹولا ہے کہ یہ جزیرہ جو انگلستان کے کسی کام کا نہیں ہے جرمانیہ کے حوالے کردیا جائے جس سے جرمنوں کے دوستانہ خیالات میں غیر معمولی اضافہ ہوجائے گا۔ وزیر خارجہ نے

خوش طبعی سے جواب دیا کہ جبل الطارق کو ہسپانیہ کے حوالے کر دینے سے بھی ہمارے اور ہسپانیہ کے تعلقات میں یقیناً بہت استحکام ہو سکتا ہے۔ دوسرے سال دوبارہ اسی مضمون کا اشارہ ہوا تو اس وقت بھی وزیر خارجہ نے اسی طرح ٹال دیا۔ گرین ول کی دانست میں اس جزیرے کی تحویل انگلستان میں غیر پسندیدہ سمجھی جاتی۔ بہر حال، گلیڈ اسٹون، ڈربی اور خود اس سے یہ امید رکھنی فضول تھی کہ وہ یہ کام کریں گے۔ تاہم اس کے خیال میں یہ ہو سکتا تھا کہ مصر کی مالی دشواری کے حل کرنے میں، اس مسئلہ پر بھی نظر رکھی جائے"۔

انگلستان و جرمانیہ کا بگاڑ

۵ر دسمبر کو بسمارک نے منسٹر کو تحریر کیا کہ "ہمیں دو دو فرمانروائیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ ایک تو وہ جس پر لارڈ گرین ول متصرف ہے اور جو مصر اور دوسرے موقعوں پر ہماری دوستی سے کام لینا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دوستی کا زبانی اقرار ہمارا کافی معاوضہ ہے دوسری حکومت لارڈ ڈربی کی ہے جو اکثر جگہ جہاں ہم ہاتھ رکھتے ہیں، ہماری مخالفت کرتا ہے تو ہم انگلستان کے ساتھ دو دو کھاتے نہیں کھول سکتے"۔ بگاڑ کا ایک اور سبب یہ پیش آیا کہ انہی دنوں حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک نیلی کتاب شائع ہوئی اور اس کے ایک مراسلے میں کیمرون کے کسی موضع کی گولہ باری پر اعتراض اور برطانی رعایا کے مال کے نقصان کا تاوان طلب کیا گیا تھا۔ ایسی تحریریں از روئے قاعدہ اس وقت تک شائع نہیں کی جاتیں جب تک کہ فریق مخاطب کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائیں۔ لیکن اس معاملے میں یہ مراسلہ جرمن صدر اعظم کو بھیجنے کی بجائے جرمن سفیر کو بھیج دیا گیا تھا۔ اس معمولی سی بات پر بسمارک نے انگریز سفیر کو بلا کے بڑا پاکھنڈ پھیلایا۔ اور سکندریہ کی گولہ باری میں جرمن املاک کو جو نقصان پہنچا تھا اس کے تاوان کا پرانا مطالبہ تازہ کیا۔ اسی زمانے میں ایک پول سیاح مغربی افریقہ میں آیا تھا۔ بسمارک نے اسے انگریزی کارندہ بتا کے مطالبہ کیا کہ سرکاری طور پر اس سے اور اس کی تحریروں سے دست برداری کی جائے

اس واقعے نے بھی باہمی کبیدگی کو اور بڑھایا۔

گرین وِل اور ڈربی کو جو سب سے زیادہ مصالحت پسند آدمی تھے اور سب سے زیادہ ستائے گئے، اب حتمی یقین ہوگیا کہ زیادہ دبنے سے سوائے اس کے کچھ نتیجہ نہ ہوگا کہ یہ چم چچڑ صدر اعظم برطانیہ کو دھمکانے میں اور بھی شیر ہو جائے۔ ٹرانسوال کے الحاق سے ایک سال پہلے، یعنی ۱۸۷۶ء سے جرمنوں کی آنکھیں اس ملک کی طرف لگ گئیں کو توطن، اور ممکن ہے کہ اس سے بھی کچھ زیادہ مطلب کے لیئے، یہ ملک بہت اچھا ہے۔ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ تاجروں کا کوئی گروہ خلیج ڈلاگوآ کو یا زولولینڈ میں خلیج سینٹ لوسیا کو لے اور پری ٹوریا تک ریل تیار کر دے۔ ایک اور تجویز جس کا موجد وہی سرگرم سوداگر لوڈے رٹز تھا، یہ تھی کہ پونڈولینڈ پر قبضہ کیا جائے۔ خلیج ڈلاگوآ کے متعلق تو کوئی اندیشہ اس لیئے نہیں ہو سکتا تھا کہ برطانیہ کو اس کی خرید میں شفع کا مسلمہ حق حاصل تھا لیکن زولولینڈ کے بارے میں بھی جرمنوں کے سارے منصوبے دھرے رہ گئے جب کہ ماہ دسمبر ۱۸۸۴ء کو خلیج سینٹ لوسیا پر یکایک انگریزی پھریرا لگا دیا گیا۔ اسی کے ساتھ سر چارلس وَیرَن کو کیپ کالونی سے بھیجا گیا کہ بکوآنالینڈ سے جو بوئر آن آبن کے بس رہے تھے انھیں علاقے سے نکال دے اور سر ہیری جونسٹن کو اس سفارت پر روانہ کیا گیا جس سے آخر میں چل کر برطانی مشرقی افریقہ انگریزوں کے ہاتھ آگئی۔

جرمانیہ کی پہلی نوآبادی قائم کرنے سے پہلے بسمارک نے خاص طور پر تحمل اور مصلحت اندیشی سے کام لیا تھا لیکن جرمنوں کے افریقی مقبوضات میں ترقی کا دوسرا قدم اٹھانے میں خاصی تیزی دکھائی گئی۔

ٹوگولینڈ اور کیمرون

اپریل ۱۸۸۴ء میں برطانی وزیر خارجہ کو اطلاع دی گئی کہ جرمن صدر قنصل **نیک ٹی گل** افریقہ کے مغربی ساحل کی سیاحت کرے گا تاکہ جرمن تجارت کی کیفیت تحریر

کرے۔ اور جب یہ اطمینان دلایا گیا کہ اس کے مقاصد صرف تجارتی ہوں گے تو گرین وِل نے بھی وعدہ کیا کہ اسے مقامی انگریز حکام مدد دیں گے۔ ۵ جولائی کو نیک ٹی گل نے دیسی سرگروہوں سے معاملہ طے کر کے اعلان کر دیا کہ ٹوگولینڈ جرمن حفاظت میں داخل ہے۔ پھر وہ کشتی میں بیٹھ کر کیمرون آیا اور وہاں کے بڑے چودھری سے صرف سو پونڈ کے عوض ایک عہد نامے پر دستخط لے لئے اور دریائے کیمرون کے کنارے جرمن علم نصب کر دیا۔ اسی وقت کیمرون کا برطانی قنصل تعطیل کا زمانہ باہر گزار کر واپس آیا اور اس نے دریائے اوئیل، نائیجر کے دہانے اور لیگوس کی سرحد کے مغرب میں ساحل بحر پر انگریزی اقتدار کی منادی کی۔ اس طرح ساحل کی طرف تھوڑی سی پٹی تھی جس کو جرمن انگریزوں سے پہلے جھپٹ کر لے گئے۔ تاہم کیمرون کے پورے ضلع پر کچھ روز بعد جرمنوں کا قبضہ گوارا کر لیا گیا اگرچہ وہاں کے مکھیا ۱۸۷۹ء سے انگریزوں کی حفاظت چاہ رہے تھے اور گرین وِل نے اقرار بھی کیا کہ اگر جرمانیہ اس پر قابض نہ ہو جاتی تو انگریزی حکومت اسے اپنی سلطنت میں الحاق کر لینے کا ارادہ کر رہی تھی۔

اسی یادگار سال ۱۸۸۴ء میں جرمانیہ نے نیوگنی میں قدم لگایا جس کی طرف وہاں کے استعمار پسندوں کی کئی برس سے آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ اس جزیرہ بزرگ کا مغربی سرا، ولندیزوں کے قبضے میں تھا اور ۱۸۸۱ء میں ایک انگریزی کمپنی نے بھی وہاں کام کرنے کی شاہی سند حاصل کر لی تھی۔ آسٹریلیا کی نوآبادیوں کے حکام نے اس جزیرے کے مشرقی حصے پر قبضہ کرنے کا تقاضا کیا تھا لیکن جب اس پر کوئی التفات نہ ہوا تو حکومت کوئنزلینڈ نے اپریل ۱۸۸۳ء میں ازخود اس کا الحاق کرنا چاہا۔ مگر صدر حکومت نے فوراً اسے روک دیا۔ اس قدغن کے باوجود اسی سال کے آخر میں بین الاستعمرات مفاہمت نامہ

بحرالکاہل

مرتب ہوا تو اس میں بھی نیوگنی کے غیر مملوکہ اضلاع اور اس کے پاس کے جزیروں کے الحاق کا مطالبہ کیا گیا کہ جنوب مغربی بحرالکاہل کے جزیروں پر قبضہ کرنے سے اب جنوبی حصۂ بحر کے جرمن آباد کار بھی روک ٹوک کرنے لگے ہیں اور اپنی حکومت پر حفاظت کرنے کے حقوق جتا رہے ہیں۔ پھر مئی ۱۸۸۴ء میں تاجروں کا ایک گروہ بھی "جرمن نیوگنی کمپنی" کے نام سے مرتب ہوگیا اور ان کی طرف سے ایک جمعیت روانہ ہوئی کہ جزیرے کے شمال مشرقی ساحل پر غیر مقبوضہ زمین کو حاصل کرے۔ اس گروہ تجار نے سرکار سے پشت پناہی کی درخواست کی جو منظور کرلی گئی۔ برطانی وزرا کا اس معاملے میں باہم اختلاف تھا۔ مجلس وزارت کے بعض ارکان اسٹریلیا کے مطالبات کے موید تھے لیکن گلیڈ اسٹون، گرین ویل اور ڈربی چاہتے تھے کہ جرمانیہ سے دوستانہ معاملہ کرلیا جائے کہ مصر کے متعلق فرانس سے جو جھگڑا ہو رہا تھا، اس میں جرمانیہ کی طرفداری کی سخت ضرورت پیش آگئی تھی۔ بہرحال، کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور محکمۂ مستعمرات کا مددگار معتمد میڈ، سال کے اواخر میں برلن بھیجا گیا تو وہاں اس کی لعن طعن سے تواضع کی گئی۔ غضب آلود صدر اعظم نے صاف صاف کہا کہ انگلستان، جرمانیہ کے لئے بحر الکاہل میں بھی افریقیہ سے کچھ کم رکاوٹ نہیں ڈال رہا ہے حالانکہ اس کے قبضے میں پہلے ہی اتنا وسیع علاقہ ہے کہ اسے ترقی دینے میں برسوں درکار ہیں اور یہ بہت ذلیل بات ہے کہ وہ جرمانیہ کے نیوگنی کا ذرا سا ٹکڑا لینے پر حسد کرے۔ میڈ نے کہا کہ ہماری نوآبادیاں تو یہ سمجھ رہی ہیں کہ وزارت مستعمرات، جرمانیہ کی بیجا پاسداری کرتی ہے۔ پھر یہ کہ کیمرون اور ٹوگولینڈ کے الحاق کو بھی ہم نے بلاحجت تسلیم کرلیا اور اپنے وزارت خارجہ کو بھی اطلاع دے دی ہے کہ ہمارا محکمۂ فرانس کی نسبت جرمانیہ کی ہمسائیگی کو ترجیح

دیتا ہے:
۲۵ جنوری ۱۸۸۵ء کو صدر اعظم نے منسٹر کو خط میں لکھا کہ گزشتہ مئی سے انگلستان کے ساتھ ہمارے تعلقات برابر بگڑتے جاتے ہیں۔ اور اگر تم ہمارے منشا کو زیادہ سرگرمی سے بتاتے تو ایسی نوبت نہ آتی۔
اسی بنا پر پھر ایک مرتبہ ہربرٹ بسمارک کو مارچ میں لندن بھیجا گیا اور اس نے اپنے ہم وطنوں کی شکایتیں ایسی صاف گوئی سے بیان کیں جسے اختیار کرنے سے جرمن سفیر ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ ہربرٹ بسمارک نے صراحت کی کہ جرمانیہ کو اپنے استعماری مقاصد میں متوقع امداد میسر نہیں آئی تو اسے چارو ناچار دکھانا پڑے گا کہ جرمنوں کی دوستی اور دشمنی کی صورت میں کیا فرق ہو جاتا ہے۔ پھر وطن پہنچکر اس نے بیان کیا کہ جتنے انگریز وزرا سے میری باتیں ہوئیں سب نے مجھے یقین دلایا کہ وہ صورت معاملہ کو بخوبی سمجھ گئے اور بات کے اس قدر صاف طور پر کہہ دیئے جانے کے بعد بظاہر آئندہ کسی غلط فہمی کا احتمال نہیں رہا۔ ادھر انگلستان کے وزیر اعظم نے دوستی کا جو ہاتھ بڑھا گیا تھا اسے تپاک سے قبول کرلیا۔ اور دار العوام میں جوش و خروش کے ساتھ کہا کہ "اگر جرمانیہ استعماری سلطنت بننا چاہتی ہے تو ہم خوشی سے اسے مبارکباد کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نوع انسان کی نفع رسانی کے عظیم الشان تقدیری کام انجام دینے میں وہ ہماری حلیف و سہیم ہوگی"۔ وزیر خارجہ نے اپنے سرگروہ کی تائید میں انہی جذبات کا اور بھی زیادہ موثر الفاظ میں اظہار کیا اور کہا کہ "جرمانیہ میں بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہے کہ ہم اس طاقتور قوم کے موجودہ مرتبے کی جیسی چاہیئے قدر و منزلت نہیں کرتے لیکن میرے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ ایسا کوئی ملک نہیں ہے جس میں نہ صرف مردان سیاسی بلکہ آبادی کا ہر طبقہ جرمانیہ کی اندرونی شیرازہ بندی

کے بعد سے اس پر عظمت مرتبے کو جو اس نے یورپ میں حاصل کرلیا ہے، اتنی قدر و مسرت کے ساتھ دیکھتا ہو (جتنا کہ اہل برطانیہ) پھر ان بیانات کے چند روز بعد نیوگنی کی تقسیم آشتی اور خوش سلوکی سے طے ہوگئی اور جزیرے کے مشرقی حصے کا جنوبی نصف انگلستان کو اور شمالی نصف جرمانیہ کو مل گیا جسے "کیزر ولہلمز لینڈ" کے نئے نام سے موسوم کیا گیا اور اسی طرح جزائر "نیو برٹین" کا نام بدل کر انھیں "مجمع الجزائر بسمارک" کہا جانے لگا۔ کدورت کا گرد و غبار اب دھل گیا تھا۔ پھر بھی ایک طرف اس کیفیت کو جرمن کبھی نہ بھولے اور نہ انھوں نے اسے معاف کیا کہ برطانیہ کو جو مصر کے معاملے میں برابر جرمن امداد سے مستفید ہوتا رہا تھا اور جس کے قبضے میں ہر براعظم کی زمینیں تھیں، جرمانیہ سے اس بات پر حسد ہوا کہ وہ منطقہ حارہ کے ویران قطعات میں ایک معمولی علاقہ لینا چاہتی تھی حالانکہ اس کا شمار یورپ کی بڑی طاقتوں میں تھا اور اس کی تجارت اور آبادی میں روزافزوں ترقی تھی۔ دوسری طرف، انگریز حکام کے دلوں میں بسمارک کی زبردستی اور بعض اوقات فریب کاری کی ایک تلخی باقی رہ گئی۔ بایں ہمہ برطانی مدبر اسی پر شکر کرتے تھے کہ چند روز میں اتنا بیرونی علاقہ حاصل کرنے والی سلطنت جرمانیہ تھی نہ کہ فرانس، کہ جس کا کہیں قبضہ ہونا انگریزی تجارت کے خاتمے کے مرادف ہوتا۔

مگر جرمانیہ کے بیرونی مقبوضات میں، سب سے قیمتی اور گنجان آبادی کا علاقہ بغیر اس کشمکش کے ہاتھ آگیا جو ان ابتدائی مراحل میں پیش آئی تھی۔ تو واضح رہے کہ سلطان زنجبار کی حکومت

پٹیرز اور زنجبار

مشرقی افریقہ کے سواحل پر اور اندر دور تک پھیلی ہوئی تھی اور انیسویں صدی کے وسطی اعشار میں کئی طاقتوں نے اس کے ساتھ تجارتی معاہدے کیے تھے۔ اس کے دربار میں انگریزوں کو سب سے زیادہ رسوخ تھا اور انھوں نے

۱۸۷۸ء میں اسے برطانی حفاظت میں آنے کی دعوت بھی دی تھی جسے اس نے قبول نہیں کیا۔ انگریزوں کے بعد یوروپی تاجروں میں سب سے زیادہ سرگرم اور کثیر التعداد جرمن تھے اور اکتوبر ۱۸۸۴ء میں ایک قنصل زنجبار میں مقرر کر دیا گیا تھا۔ برطانی وزارت خارجہ کے دریافت کرنے پر بسمارک نے جواب دیا کہ جرمانیہ اسے اپنی حفاظت میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ لیکن ملک میں ایسے زوردار لوگ موجود تھے جنھوں نے ٹھان لی کہ اپنی حکومت کو دبا کر کام لیں۔ کارل پیٹرز نامی ایک شخص نے جو بہت دن انگلستان میں رہ کر استعماری مسائل کا ذوق ساتھ لایا تھا، جرمن نوآبادیاں قائم کرنے کی ایک انجمن بنائی اور مشرقی افریقہ اس انجمن کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ ہر چند سرکاری طور پر کوئی تائید نہیں ہوئی تاہم پیٹرز دو دوستوں کے ساتھ کاریگروں کے بھیس میں ۴ نومبر ۱۸۸۴ء کو زنجبار پہنچا اور اندرونی علاقے میں جو سلطان کی ساحلی حدود کے باہر تھا، بڑھتا چلا گیا۔ پھر وہاں کے دیسی سرگروہوں سے عہد نامے کرکے اس پورے علاقے پر، جس کا رقبہ ساٹھ ہزار مربع میل تھا، جرمن علم نصب کر دیا۔ یہ انتظام کرکے پیٹرز بہ عجلت وطن واپس آیا اور ایک جرمن جمعیت تجار برائے مشرقی افریقہ قائم کرکے اپنے حقوق جو مذکورۂ بالا عہد ناموں سے حاصل ہوئے تھے اس جماعت کی طرف منتقل کر دیئے اور فروری ۱۸۸۵ء میں اس علاقے کے واسطے بادشاہی حفاظت حاصل کر لی۔ سلطان زنجبار نے معارضہ کیا تو خود برطانی وکیل کو اپنی حکومت کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ جرمنوں کے دعاوی کی تائید کرے اور فیصلہ کیا گیا کہ سلطان کے اقتدار کو ساحل سے دس میل اندر تک محدود کر دیا جائے۔ اسپر بھی وہ اندرونی علاقے میں اپنے حقوق چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا بلکہ انھیں منوانے کے لئے فوج روانہ کی تو جرمنوں کے جنگی جہاز جنگ کا پیام لے کر ساحل پر نمودار ہوئے جس سے وہ دب گیا۔ پھر وٹیتو کی پوری

سلطانی ریاست، اور ارض سواحلی و شمالی کے بعض حصے بعد میں پیٹرز اور اس کے شرکا نے حاصل کئے تو انگلستان و جرمانیہ کے حلقۂ اقتدار کی حدبندی ضروری ہوگئی اور ۱۸۸۶ء کی فصل خریف میں برطانیہ نے جرمانیہ کے دعوائے سیادت زنگی بان جارو، یوگنڈا، اور وِٹُو میں تسلیم کرکے ساحل کی ایک پٹی بھی اسے دینی گوارا کرلی ہے۔ یہ دونوں فرنگی حریف آپس میں متحد ہوگئے تو سلطان زنجبار کو اپنے موروثی حقوق و دعاوی کے کم ہوجانے پر صبر کرنا پڑا ہے۔ تین سال بعد پیٹرز مشرقی افریقیہ میں اپنے ظلم و سفاکی کی بدولت بدنام ہوا تو حکومت نے براہ راست اس علاقے کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور جمعیت تجار نے اپنے حقوق حکومت کے ہاتھ بیچ دئے ہے۔ اس ماورائے بحر سلطنت میں جرمانیہ نے ساموا پر قدم جما کے اور اضافہ کیا۔ لیکن یہ نوآبادیاں جو اس طرح بغیر کسی بیڑے کے اور بلا جنگ سب کی خفیف ترین زحمت

جرمانیہ ساموا میں

اٹھائے حاصل ہوئی تھیں، وطن سے دور آپس میں ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر تھیں۔ تاہم ان کے قبضے نے جرمانیہ کی جدید سلطنت میں نازش و خود اعتمادی کو ترقی دی اور جرمن قوم کی توجہ صرف یورپ کی بساط پر جمی رہنے کی بجائے اب "ویلٹ پولیٹیک" کے وسیع تر مسائل کی طرف منعطف ہوئی اور آگے چل کر اسی نے جرمنوں میں بحری قوت فراہم کرنیکی خواہش کو تقویت دی ہے۔

افریقیہ کی اس قطع و برید میں فقط یورپ کی بڑی سلطنتیں ہی حصہ دار نہ تھیں بلکہ ایک اور مغربی بادشاہ نے بھی حصہ لیا جس کی مملکت اس کی شاہانہ ہوس اقتدار پوری کرنے کے لئے بہت چھوٹی تھی[1]۔ یہ لیوپولڈ شاہ بلجیم تھا جو شروع سے بر اعظم سیاہ کی دریافت حال اور نتائج سیاحت انتہائی

سلہ اس موضوع پر سب سے بڑھکر ملاحظہ ہو۔ سٹینلی، "دی کونگو" اور سب سے تازہ اور بیلاگ کتاب پروفیسر اے۔ بی۔ کیتھ نے لکھی ہے: "دی بلجیئن کونگو اینڈ دی برلن ایکٹ"۔

ذوق شوق سے مطالعہ کرتا رہا تھا اور جس نے ۱۸۷۶ء میں دنیا بھر کے ممتاز جغرافی ماہرین کو بروسلز میں دعوت دی۔ افریقیہ کی تحقیق حالات و تہذیب کے لئے "جمعیت اقوام" کی بنا ڈالی اور خود اس کا صدرنشین بنا۔ مقصد یہ تھا کہ ہر ملک ایک ذیلی مجلس بنا کے کام کا کوئی خاص شعبہ اپنے ذمہ لے لیکن مسلسل اور نتیجہ خیز سرگرمی صرف بروسلز کی ذیلی مجالس ہی کی طرف سے ظہور میں آئی جہاں جمعیت کا صدر مقام

اسٹینلی اور لیوپولڈ

تھا۔ اسی زمانے میں (۱۸۷۵ء تا ۱۸۷۷ء) اسٹینلی نے بحر ہند سے بڑی جھیلوں تک اور وہاں سے کونگو ہوتے ہوئے بحر اوقیانوس تک جو سیاحتیں کیں، ان سے اس بادشاہ کی توجہ کونگو کی طرف مبذول ہوئی۔ اسٹینلی کو فوراً بروسلز بلایا گیا اور ۱۸۷۸ء میں ایک جداگانہ مجلس "جمعیت خاص برائے تحقیقات فراز کونگو" کے نام سے مرتب کی گئی۔ کہنے کو تو یہ بھی بین الاقوامی جماعت تھی لیکن کار مفوضہ کا سارا خرچ لیوپولڈ نے اٹھایا۔ اور اسی نے ۱۸۷۹ء میں اسٹینلی کو بھیجا کہ مقامی سرگروہوں سے عہدنامے کرلے۔ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء کے موسم تک یہ نامور مخترق ممالک صدہا افریقی چودھریوں سے عہد و پیماں کرتا اور دریائے کونگو اور اس کے معاونوں کے کنارے چوکیاں قائم کرتا رہا۔ جہاں اس کا حریف ڈی برازا بھی پہنچ گیا تھا اور فرانسیسی کونگو کی پہلے سے بنیادیں تیار کر رہا تھا۔ یہ ڈی برازا اطالوی نسل کا ایک فرانسیسی بحری سردار تھا۔

افریقہ کے عین وسط میں ایک جدید مملکت کی بنیاد پڑتے دیکھ کر دوسری استعماری سلطنتوں کو طرح طرح کے وسوسے آنے لگے۔ مغربی سواحل کی سیاحت و اختراق، مدتوں پہلے یعنی پندرھویں صدی ہی میں اہل پرتگال کر چکے تھے اور اب جو اس ملک نے برطانیہ سے درخواست کی کہ وہ کونگو میں پرتگال کے حقوق سیادت کو تسلیم کرلے تو اس میں بھی شہزادہ ہنری "البحازی" اور اس کے اخلاف کی مردانہ اولوالعزمیوں کے واسطے دیئے۔ طویل خط کتابت کے بعد فروری ۱۸۸۴ء میں ایک برطانوی و پرتگالی

مفاہمت نامے پر دستخط ہو گئے جس میں دریائے کونگو کے دہانے کے دونوں کناروں کا علاقہ پرتگالی مقبوضہ قرار دیا گیا اور اس کے عوض میں پرتگیزوں نے عہد کیا کہ وہ سب قوموں کو تجارت کے مساوی حقوق اور کونگو اور زامبزی میں بے روک جہاز رانی کی اجازت دیں گے اور غلامی اور غلاموں کی تجارت کا اپنے جدید علاقے میں انسداد کر دیں گے۔ گرین ویل نے جتا دیا کہ برطانیہ کی یہ رضامندی پرتگیزوں کے استقرار دعویٰ کی صرف پہلی منزل ہے اور دوسری استعماری سلطنتوں نے اس مفاہمت نامے کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا۔ ہر چند اس قول قرار سے شاہ لیوپولڈ کے اندرونی اضلاع کے حقوق میں کوئی خلل نہ آیا، تاہم وہ ایسا آدمی نہ تھا کہ کونگو کی بوتل کے منہ پر ڈاٹ لگتے دیکھتا اور خاموش بیٹھا رہتا۔ دوسرے اسے بہت جلد طاقتور تائید کرنیوالے مل گئے۔ ژول فیری کے عہد اقتدار میں فرانس کی استعماری تحریک پورے عروج پر تھی اور دی برازا کے شمالی کنارے پر کارناموں سے امید پیدا ہو گئی تھی کہ تمام متنازعہ فیہ علاقہ عجب نہیں کہ ایک دن فرانس کے قبضے میں آ جائے۔

انگلستان و پرتگال کے عہدنامۂ ۱۸۸۴ء کا حشر

غرض معاہدے پر دستخط ہوئے دو ہفتے گذرے تھے کہ فرانس نے پرتگال کو اطلاع دی کہ ہم اسے تسلیم نہیں کر سکتے اور ایک مہینے بعد بسمارک نے اعلان کیا کہ جرمانیہ ایسے وسیع الاثر انتظامات کو نہیں مان سکتی جن کے متعلق اس سے پہلے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ معاہدے کے مخالفین کو مزید قوت اس طرح پہنچی کہ بلجیم کی جمعیت تحقیقات جواب کونگو کی مجلس بین الاقوام کہلانے لگی تھی، اس کے جھنڈے کو اور بہ الفاظ دیگر اس کی حکومت کو ولایات متحدہ امریکہ نے تسلیم کر لیا۔ ساتھ ہی لیوپولڈ نے فرانس سے ایک اقرارنامہ کر لیا کہ اس مجلس کا کوئی علاقہ پاریو کی پہلے سے مشورہ کئے بغیر کسی کے حوالے نہ کیا جائے گا اور اگر مجلس کسی وقت اپنے مقبوضات فروخت کرنے پر مجبور ہو تو خریداری کا پہلا حق فرانس کو حاصل ہو گا۔

اتنا زبردست جتھا مقابلہ میں دیکھ کر پرتگال کو سوائے سر جھکا دینے کے اور کوئی چارہ نہ رہا کیونکہ برطانیہ مصر کے معاملے میں اُلجھا ہوا ہونے کے باعث اسے کوئی امداد نہ دے سکتا تھا اب یہ بات واضح ہو گئی کہ دریائے کونگو کے تنگاب کی قسمت کا فیصلہ کر سکتی ہے تو کوئی بین الاقوام جماعت ہی کر سکتی ہے اور ۸ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو جرمانیہ اور فرانس نے جو کچھ روز کے لئے آپس میں بہت دوست ہو گئے تھے، دول یورپ کو مشترکہ دعوت دی کہ برلن میں بے روک تجارت اور کونگو و نائجر میں بے روک جہاز رانی نیز مقبوضات پر مستقل تسلط رکھنے کے متعلق آپس میں گفتگو کریں۔ دول کی یہ مجلس مشاورۃ جس میں ولایات متحدہ امریکہ کی حکومت بھی شریک تھی، نومبر میں مجتمع ہوئی اور فروری ۱۸۸۵ء تک اس کے اجلاس ہوتے رہے جن میں بہت سا وقت فرانس و پرتگال اور کونگو کی مجلس اقوام کے علاقوں کی حد بندی کے جھگڑوں میں صرف ہوا۔ پھر "تنظیم نامہ برلن (Berlin Act)" کی رو سے دریائے کونگو کے تنگاب کی تعریف یہ قرار پائی کہ شمال میں اس کی حد (وہ بلندیاں ہوں گی جو) دریائے نیل اور کونگو کے معاونوں کی فاصلِ آب ہیں، مشرق میں جھیل تانگانائیکا کی مشرقی شاخیں اور جنوب میں دریائے زامبزی ہو۔ اس وسیع ملک میں تمام قوموں کی تجارت کو بالکل آزادی دی گئی۔ کونگو اور اس کی معاون ندیوں میں جہاز رانی کی عام اجازت ملی یعنے طے پایا کہ کشتیوں یا اسباب تجارت پر محاصل میں کسی قسم کا امتیاز و فرق جائز نہ ہوگا۔

برلن کی مجلس مشاورۃ

تنظیم نامے کی دفعات کا نفاذ ایک بین الاقوامی محکمہ نظارت کے سپرد ہوا۔ دول نے دیسی باشندوں کی اخلاقی اور مادی سود و بہبود پر نگرانی رکھنے کا ذمہ لیا اور وہاں غلامی اور تجارت بردہ کے انسداد، دعوت و تبلیغ اور سیاحت و اختراق کی ہمت افزائی اور اس بات کے ضامن ہوئے کہ کونگو کے تنگاب کو جنگ کا اکھاڑا بننے سے روکیں گے۔ کونگو کی مجلس اقوام کو، کوئی قانونی حیثیت حاصل نہ تھی لہذا وہ مذکورہ بالا مشاورۃ

میں شریک نہیں کی گئی لیکن مجلس مشاورت کے ختم ہونے سے پہلے تمام دول نے اسے یکے بعد دیگرے تسلیم کرلیا اور اس کے عہد نامے گئے لہذا آخر میں تنظیم نامہ برلن پر اس کے بھی دستخط ثبت ہوئے، برطانیہ نے اسے تسلیم کرتے وقت ایک اقرار نامہ بھی لکھوایا اور اس میں قنصلوں کو قنصلی عدالتیں قائم کرنے اور برطانی رعایا پر تعزیری اور دیوانی حدود قانونی رکھنے کی شرطیں کرلیں تو شاہ لیوپولڈ کو اپنی مجلس کے تسلیم کرا دینے میں کامیابی ہوگئی تو اس نے فرانس و پرتگال کے ساتھ تقسیم حدود کا مسئلہ طے کیا اور ان دونوں نے کونگو کے شمالی کنارے کو کونگو کی مجلس اقوام کی ملکیت مان لیا تو

تنظیم نامۂ برلن پر دستخط ہوگئے تو لیوپولڈ نے بلجیم کی مجلس مبعوثین سے درخواست کی کہ مجھے اس ملک کا فرمانروا تسلیم کرلیا جائے جو آئندہ سرکاری طور پر "کونگو کی آزاد ولایت" کے نام سے موسوم کیا جانے والا تھا اور یہ درخواست اس شرط پر قبول کرلی گئی کہ بلجیم اور کونگو میں صرف شخصی تعلق رہے گا۔ اس طرح لیوپولڈ تقریباً دس لاکھ مربع میل علاقے کا بلا شرکت غیرے مالک ہوگیا کیونکہ گو دول نے اس علاقے میں عدالتی اختیارات کا دعوی کیا تھا لیکن انہوں نے اس حق سے کوئی کام نہیں لیا اور نہ انھیں علم ہوا نہ پرواتھی کہ دیسی باشندوں کی خوش حالی اور تجارت کی آزادی کے متعلق جو شرطیں تنظیم نامہ برلن میں قرار دی گئی ہیں ان پر عمل بھی ہوتا ہے یا نہیں ؟ نئی ولایت کی بین الاقوامی نوعیت بہت جلد غائب ہوگئی اور ممالک غیر کے عہدہ داروں کی بجائے بلجیم کے باشندے مقرر کئے گئے اور بادشاہ نے اپنی جیب سے جو رقم خطیر صرف کی تھی، اس کے باعث اور بھی تل گیا کہ اپنے گھر میں کسی غیر کو دخل نہ پانے دے تو لیکن یہ وسیع جاگیر ذرائع آمد و رفت اور پوری طرح کام لینے کے واسطے اتنے زیادہ روپے کی محتاج تھی جسے وہ خود نہ دے سکتا تھا لہذا بلجیم ہی میں پہلے تو لاٹری کے قرضے سے اور پھر مجلس مبعوثین کی منظوری سے روپیہ

فراہم کرنا پڑا۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا وصیت نامہ شائع ہوا جس میں اپنے بعد ولایت کونگو کا وارث اس نے اپنے وطن کو قرار دیا تھا۔ اس سے اہلِ ملک کو قومی روپیہ لگانے کی اور بھی ہمت ہوگئی ۔

تنظیم نامۂ بروسلز

لیوپولڈ کی اس بھاری کام کو انجام دینے کی جد وجہد اوّل اوّل عام طور پر لوگوں میں مقبول اور قابلِ تائید سمجھی گئی۔ کیونکہ پہلا والی تنظیم نامہ برلن کی دیانت داری سے پیروی کرتا رہا اور نیک دل اشخاص کو پوری امید بندھ گئی کہ غلاموں کی تجارت کے خلاف، جس نے افریقہ کے عین قلب کو تباہ و ذلیل کر رکھا ہے، نہایت باضابطہ جہاد شروع کر دیا جائے گا۔ برطانی حکومت نے جو اصرار کیا کہ لیوپولڈ بروسلز میں مجلس مشاورۃ کا دوسرا جلسہ منعقد کرے، وہ کسی مخالفت کی بنا پر نہ تھا۔ چنانچہ اس جلسے میں سترہ طاقتوں نے حصہ لیا اور کئی مہینے کے بحث مباحثے کے بعد، جولائی ۱۸۹۰ء میں تنظیم نامۂ بروسلز پر دستخط ہوگئے جس میں انسدادِ بردہ فروشی کے لئے بہت مفصل ضوابط مرتب کئے گئے تھے اور شراب اور آتشی اسلحہ کی تجارت پر شدید نگرانی بلکہ بعض مقامات میں اس کی قطعی ممانعت کردی گئی تھی۔ اکثر وکلاء جو اس مجلس میں شرکت کے لئے آئے تھے اسی امید کے ساتھ بروسلز سے رخصت ہوئے کہ ان کی عرق ریزی سے دیسی باشندوں کا مستقبل زیادہ امید افزا ہو جائے گا۔ بایں ہمہ ایک ہی سال گزرا تھا کہ شاہ لیوپولڈ نے نفع کمانے، مراعات اور اجارے حاصل کرنے کا وہ جدید طریقہ جاری کیا جس نے آیندہ بیس برس تک ولایت کونگو کے وسیع قطعات کو انسانی جہنم بنائے رکھا اور آزار دینے والے بادشاہ کو دنیا بھر کی لعنت و بد دعا کا ہدف بنا دیا ۔

باب چہارم

بلغاریہ اور دول عظمیٰ

سنہ ۱۸۸۱ء میں "اتحاد قیاصرہ" کی تجدید ہوئی تو کئی سال تک یورپ کو ان پریشان کن قضیوں اور وسوسوں سے نجات مل گئی جو ۱۸۷۸ء سے یکے بعد دیگرے جلد جلد پیش آتے رہے تھے لیکن بیکنس فیلڈ نے موتمر برلن کے موقع پر ہی ولیعہد کی بیگم سے صیغۂ راز میں کہدیا تھا کہ بلغاریہ کے متعلق جو انتظام عمل میں آیا ہے وہ سات سال سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکتا۔ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ستمبر ۱۸۸۵ء میں ایکدن چند گھنٹے کی کارروائی سے سیلاب کے وہ بند ٹوٹ گئے جو معاہدۂ لندن میں ایسی محنت مشقت سے تیار کئے گئے تھے اور دولت روس و آسٹریا کی عداوت پھر تازہ ہو گئی جس نے اتحاد قیاصرہ کا تار و پود بکھیر دیا اور یورپ کی بڑی سلطنتوں میں ایک نئی تنظیم و گروہ بندی کی بنا ڈالی۔

چند روز تک روس مشرقی رومیلی کے لوگوں کو وطن اصلی سے اتحاد پر بھڑکاتا رہا تھا اور ۱۸۸۱ء کی قرارداد میں روس نے آسٹریا سے پیش از پیش

۱؎ دیکھو "ڈای گروس پولیٹک" جلد پنجم سسٹم و پربرم: "سیکرٹ ٹریٹیز آف آسٹریا ہنگری" وغیرہ وغیرہ۔

ان اضلاع کے بلغاریہ میں شامل کر دیئے جانے کی رضامندی بھی لے لی تھی

مشرقی روملی کی تحریک رستگاری

مگر جب سوفیہ اور پٹر وگریڈ کے تپاک گرمجوشی میں فرق آیا تو الکزنڈر اثالث نے ایسی تبدیلی کی حمایت کرنی چھوڑ دی جس سے فقط ایک ناسپاس دست پرودہ کو قوت پہنچتی۔ اُدھر والی بلغاریہ روس کی عداوت پر دل ہی دل میں تو پیچ و تاب کھاتا تھا لیکن اپنے ملک کی خاطر فکر میں تھا کہ جس طرح ہو اس عداوت کو دور کیا جائے۔ ۱۸۸۵ء کے موسم گرما میں اس نے یہ درد دل **کالنوکی** سے بیان کیا۔ آسٹریہ کے اس وزیر خارجہ نے صلاح دی کہ وہ پلسن کی آئندہ جنگ مصنوعی میں آئے جہاں **فرانز لنس ہیلڈ** کے قریب اسے گائرز سے بھی ملنے کا موقع مل جائیگا چنانچہ اس نے اس موقع سے کام لیا اور گائرز سے کہا کہ میں تو چاہتا ہوں کہ کوئی آشتی کی راہ نکلے۔ روسی وزیر خارجہ نے جواب دیا کہ مجھے بھی مصالحت پسند ہے اور دونوں ہنسی خوشی رخصت ہوے۔ والی بلغاریہ کو یقین تھا کہ بالفعل مشرقی روملی میں کسی شورش کی نوبت نہ آئے گی اور اس نے وزیر کو اطمینان دلایا کہ میں موجودہ انتظام میں رخنہ ڈالنے کی کوئی نیت نہیں رکھتا ہوں یہ بات اس نے بالکل سچائی سے کہی تھی لیکن اس سے پہلے ہی ۲۲ جون کو فلپو پولس کے قریب ایک گاؤں میں ایک جلسہ ہو چکا تھا جہاں طے پایا تھا کہ آئندہ ستمبر میں فصل اٹھ چکنے کے بعد اس صوبے کے (بلغاریہ سے) اتحاد کی منادی کر دی جائے۔ جب یہ تاریخ قریب پہنچی تو والی بلغاریہ کو خبر دی گئی کہ ملک علحدگی سے اکتا گیا ہے۔ ہر قریئے میں خفیہ انجمن بن گئی ہے اور ۱۸ ستمبر کو اتحاد کا اعلان کر دیا جائے گا اور خود وہ یا تو اس تحریک کی رہ نمائی کرے ورنہ بے تکلف الگ پھینک دیا جائیگا الکزنڈر ایسی دھمکیاں بہت سن چکا تھا اس تنبیہہ پر اس نے چنداں اعتنا نہ کی۔ ایک ہفتہ بعد اپنی سالگرہ کی تقریب میں اس نے روس کے ساتھ اپنی ہوا خواہی کے اظہار میں اُن روسیوں کو انعام اکرام سے سرفراز کیا جو

بلغاریہ میں نوکر تھے۔ مگر اسی دن مشرقی رومیلی کے ہر شہر کے میئر بلدیہ نے مبارک باد کے ساتھ یہ آرزو بھی ظاہر کی کہ عنقریب وہ بلغاریہ کے دونوں حصوں پر حکمرانی کرے گا۔ پھر ۱۶ ستمبر کو جب وزیر اعظم کاراویلوف نے خبر دی کہ اتحاد کا اعلان ہوا چاہتا ہے تو وہ چونکا۔ اور گارڈز سے جو قول و قرار کیے تھے اس کی بنا پر اس نے کہا کہ ابھی یہ اتحاد ممکن نہیں البتہ جب کام کرنے کا امکان ہوگا تو میں خود کارروائی کروں گا، ورنہ اس وقت تو بلغاریہ تن تنہا رہ جائے گی۔

لیکن قوم نے بالاتفاق جو تہیہ کر لیا تھا، والی بلغاریہ کی کوئی کوشش اس کے خلاف نہ چل سکی اور حسب قرارداد ۱۸ ستمبر کے دن فلپوپولس کا

فلپوپولس کا انقلاب

محل گھیر کر مشرقی رومیلی کے حاکم اعلیٰ کو سرحد پار پہنچا دیا گیا۔ والی بلغاریہ ترغاس میں تھا۔ اسے فوراً تار سے اطلاع ہوئی کہ "جنوبی بلغاریہ کے تمام باشندوں نے شمالی بلغاریہ سے اتحاد کا اعلان کر دیا۔ جنوبی بلغاریہ کی فوج آپ کی وفاداری کا حلف لے چکی ہے اور ترکی سرحد پر پہنچ کر اپنے نئے حاکم کے آنے کا نہایت بے صبری سے انتظار کر رہی ہے" تار پر "سپہ سالار افواج بلغاریہ (جنوبی)" کے دستخط تھے۔ پرنس بلغاریہ نے وزیر اعظم کاراویلوف اور میر مجلس مبعوثین اسٹام بولوف کو تار دیا کہ "تار تو وہ پر مجھ سے آکر ملو۔" ملاقات ہوئی تو وزیر کو اپنے شہریار کی مثل تردد تھا کہ روس کو بگاڑنے یا بلغاریہ کی درخواست ٹھکرانے میں کونسی راہ اختیار کی جائے۔ لیکن اسٹام بولوف کے پرجذبہ فیصلے نے سارے تردد و تذبذب کو ختم کر دیا۔ اس نے کہا: "سرکار، بغاوت تو ایک مسلم واقعہ ہے اب جناب والا کے سامنے دو راستے ہیں: ایک تو فلپوپولس کا اور اس کے آگے جہاں تک خدا لے جائے اور دوسرا ڈارمسٹیڈ کا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس تاج کو جو قوم پیش کر رہی ہے آپ قبول فرمائیں۔" الگزنڈر نے جواب دیا "میں فلپوپولس کی راہ اختیار کرتا ہوں اور اگر خدائے تعالیٰ کا فضل بلغاریہ کے شامل حال ہے

تو دعا کرتا ہوں کہ وہ میرا اور اس ملک کا محافظ ہو۔" اسی وقت اتحاد کی منظوری کا اعلان لکھکر شائع کر دیا گیا اور اسی دن یہ تینوں آدمی گاڑیوں میں بیٹھکر فلپوپولیس روانہ ہوئے۔ راستے میں ہر جگہ بڑے جوش خروش کے ساتھ ان کا خیر مقدم ہوا اور وہ انقلاب کے تیسرے دن جنوبی بلغاریہ کے صدر مقام میں پہنچ گئے۔ مجلس مبعوثین نے بھی بلا تاخیر والئی بلغاریہ کے اس فیصلے کی تصدیق کر دی تھی جس میں نسل بلغاری کے دو بڑے حصوں کے اتحاد کا اعلان تھا۔ فوج کا اجتماع کر لیا گیا کہ جنگ اگر ناگزیر نہیں تو اغلب ضرور نظر آتی تھی۔

سازش کرنے والوں نے بغاوت کے لئے بہت اچھا وقت انتخاب کیا تھا۔ کیونکہ زار تو گرمیاں گزارنے حسب معمول اپنی سسرال، ڈنمارک چلا گیا تھا اور گلاڈسٹن تعطیل کا زمانہ ہائی لینڈز میں بسر کر رہا تھا۔ استنبول میں ابھی دنوں سر ولیم وائٹ برطانی سفیر مقرر ہوا اور وہ بلقانی اقوام کا بہت پختہ حامی تھا۔[1] اس موقع پر یورپ کو قدرتی طور پر یہ سننے کا انتظار تھا کہ سلطانی فوجیں مشرقی رومیلی پر چڑھ دوڑیں اور شورش و انقلاب کو خون کے دریا میں ڈبو دیا۔ لیکن خلاف توقع یہ عجیب و غریب تماشا دیکھنے میں آیا کہ خود روسی سفیر نلی ڈوف سلطان پر زور دے رہا ہے کہ قدیم العقیدہ اسلافی مسیحی مسلمانوں کی تلوار کا لقمہ بنائے جائیں مگر عبدالحمید کو میدان میں اترنے کی کوئی خواہش نہ تھی جس کا سبب یا تو یہ اندیشہ تھا کہ شورش جنگ دوسرے علاقوں میں نہ پھیل جائے یا یہ کہ وہ سمجھتا تھا کہ ترکی پیشقدمی کو ددل یورپ جائز نہ رکھیں گی۔ یا ممکن ہے وہ اس صوبے کو شد سے از دست رفتہ اور محض برائے نام اپنی سلطنت میں شامل سمجھتا ہو یا شاید اس کے نزدیک روس و ترکی کے درمیان رئیس بلغاریہ ایک مفید

روس و ترکی

[1] ایڈورڈز: سر ولیم وائٹ" باب ۱۸۔ مورلی کا خیال یہ تھا کہ برطانیہ کو یورپ میں روس کو رضامند رکھنا چاہئے کہ وہ ایشیہ میں انگریزوں کو جنگ کیلئے نہ ٹوکے۔ اُس کے برخلاف، وائٹ یہ سمجھتا تھا کہ یورپ میں دبنے سے روسیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ ایشیا میں دست درازی کریں گے۔

حجاب کا کام دے سکتا تھا۔ اُدھر الگزنڈر بڑے گرجا میں ترانۂ شادمانی کے بعد ہی مسجد جامع میں آیا جہاں اس نے حکم دیا کہ سلطان المعظم کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور اپنے بالادست فرمانروا کی خدمت میں یہ پیام بھیجا کہ انقلاب حکومت ترکی کے خلاف نہیں ہوا ہے اور میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کروں گا۔ ۲۳ ستمبر کو ترکی نے دول کو مداخلت کے لئے تو لکھا کہ معاہدہ برلن کے خلاف کوئی کام نہ ہونے پائے مگر چند ہی روز میں صاف معلوم ہوگیا کہ رئیس بلغاریہ کو استنبول کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ترکی کی روش تو یہ رہی جس کی سازش کرنے والوں کو ذرا بھی امید نہ ہوسکتی تھی لیکن خرس روس نے اپنے پنجے دکھانے میں دیر نہ کی۔ رئیس بلغاریہ نے پیٹروگریڈ تار بھیجا تھا کہ مجھے چارو ناچار اپنے وطن کی آرزو پوری کرنی پڑی اور روسی اعانت کی درخواست کی۔ گائرز نے اپنے آقا کو تار دیا کہ "خدا کے واسطے کوئی اتحاد جائز نہ رکھا جائے"۔ اور زار نے رئیس کی التجائے امداد کے جواب میں نہ صرف تار سے اپنی ناخوشی ظاہر کی بلکہ ایک نادری فرمان صادر کیا جس میں بلغاریہ سے تمام روسی عمال کو واپس طلب کیا گیا تھا یہاں سے پھر ایک وفد ڈنمارک بھیجا گیا کہ اس کی مخالفت میں کچھ تو کمی آجائے لیکن اسے بھی یہی جواب ملا کہ "گو اتحاد کو منسوخ کرنے کا کوئی سوال نہیں ہے مگر جب تک تمہاری موجودہ حکومت رہے گی مجھ سے کسی امداد کی ہرگز توقع نہ رکھنا"۔

ملکہ وکٹوریہ کی تائید

روسیوں کی مخالفت کے مقابلے میں برطانیہ کی عملی ہمت افزائی سے کام لیا جاسکتا تھا۔ الگزنڈر انگلستان آیا تو ملکہ وکٹوریہ کو اس کا حسن و رعنائی دیکھکر اس سے محبت ہوگئی تھی اور ملکہ کی بیٹی اس کے بھائی شہزادہ ہنری ریس بیٹن برگ سے بیاہی گئی تو وہ الگزنڈر کی طرف اور بھی ملتفت ہوگئی دوسرے روس کی جانب سے جو سخت کینہ اس کے دل میں بیٹھا ہوا تھا اتحاد بلغاریہ کی حمایت کرکے اسے نکالنے کا بھی موقع ملا۔ ملکہ کے خیالات کا سالسبری بھی

ہمنوا تھا اور اب اس بات کا پورا اقتدار بھی رکھتا تھا کہ بلقانی مسیحیوں کے ساتھ اپنی اس ہمدردی کا اظہار کرے جس کا بکنس فیلڈ کو کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ فلپوپولس کی ہنگامی حکومت نے سب سے پہلے ایک کام یہ کیا تھا کہ برطانیہ سے امداد کی التجا کی۔ اور برطانی قنصلوں کو حکم مل گیا کہ وہ اسے "حکومت وقت" تسلیم کریں۔ اس کے خلاف، تینوں مشرقی سلطنتوں نے استنبول میں مجلس مشاورۃ کی تجویز کی جس میں والیٔ بلغاریہ سے مشرقی رومیلی کے تخلیئے کے لیئے کہا جائے۔ بسمارک کی حکمت عملی یہ تھی کہ روس و آسٹریا کو ان کے الگ الگ حلقۂ نفوذ میں مدد دی جائے اور اس طرح ان دونوں میں صلح قائم رکھی جائے۔ اور "بلغاریہ میں" اس کا قول تھا کہ "بلغاریہ میں، میں روسی ہوں"۔ وہاں کے رئیس کو بھی وہ "روس کا زلہ ربا" کہا کرتا تھا۔ فرانسس جوزف نے بھی رئیس بلغاریہ کی التجائے امداد پر اعتنا نہ کی۔ البتہ کالنوکی نے سلطان کو اطلاع دی کہ گو آپ کو بلغاریہ کے دبانے کا حق ہے لیکن مجھے امید ہے کہ پیچیدگی پیدا ہونے کے اندیشہ سے آپ ایسا نہ کریں گے۔ سالسبری نے مشاورۃ منظور کی لیکن اگر مجلس جبر کرنے کا فیصلہ کرے تو اس صورت میں خود پابند نہ ہونے کی شرط کر لی۔ سر ولیم وہائٹ کو جو ہدایتیں اس نے بھیجیں ان میں یہ پرمعنی جملے بھی لکھے کہ ہم معاہدۂ برلن کی بلفظہ پابندی کرنے پر مجبور نہیں ہیں بلکہ ہمیں بات کی معقولیت اور قانونی جواز کو دیکھنا چاہیئے اور باشندگان ملک کی خواہش کو نظرانداز نہ کرنا چاہیئے۔ رئیس بلغاریہ تازیست مشرقی رومیلی کا صوبہ دار مقرر کر دیا جائے۔ لیکن مجلس مشاورۃ میں جو ۵ نومبر کو مجتمع ہوئی، برطانی سفیر کا کوئی ہمراے نہ تھا۔ پھر بھی اس کی مخالفت نے کوئی فیصلہ متفقہ نہ ہونے دیا اور مجلس ۲۵ نومبر کو برخاست کر دی گئی۔ کالنوکی چاہتا تھا کہ ایک طرف تو "اتحاد قیاصرہ" ٹوٹنے نہ پائے اور دوسری طرف رئیس بلغاریہ ملک پر قابض رہے۔ اسی نظر سے اس نے

سرویہ کا حملہ بلغاریہ پر

صلاح دی کہ وہ سرویہ کو وڈین اور

پیروٹ کے جنوب کی ایک پٹی حوالے کرکے اپنے جرم کی تلافی کرسکتا ہے۔ سرویہ کے حلیف اور سیاسی حمایتی کی حیثیت سے اس نے فلپوپس کے انقلاب کی خبر سنتے ہی اپنے رفیق کے واسطے ملکی معاوضہ تجویز کیا گو وہ زور دیتا تھا کہ اس قسم کا معاوضہ محض دول کی حسن سعی سے بغیر لڑے جھگڑے حاصل کیا جائے لیکن سرویہ کے اس حق عوض کو نہ جرمانیہ نے مانا نہ روس نے۔ اور میلان والی سرویہ نے ٹھان لی کہ اُسے اپنی تلوار کے زور سے حاصل کرلے۔ چنانچہ بلغاری وکیل کی ملاقات سے، جو اپنے فرمانروا کا خط لے کر آیا تھا، اس نے انکار اور ۱۴ نومبر کو جنگ کا اعلان کردیا۔ سالسبری نے سرویہ کو خبردار کردیا تھا کہ ترکی یا بلغاریہ پر ہرگز حملہ نہ کیا جائے اور وعدہ کیا کہ اگر اس نے صبر سے کام لیا تو حکومت برطانیہ اس کی دوست ثابت ہوگی بایں ہمہ ضدی میلان نے توقف کرنا پسند نہ کیا اور لڑائی چھیڑ دی۔ سرویہ کی فوج نے سرحد کو عبور کیا اور سلیونٹزا میں تین دن کی جنگ میں شکست کھا کے پسپا ہوئی۔ غنیم نے پیروٹ تک اس کا تعقب کیا اور وہاں دوبارہ سرویوں نے شکست کھائی حالانکہ بلغاری فوج کو ایسے ناتجربہ کار سردار لڑا رہے تھے جنھوں نے ایک جوق سے زیادہ کسی فوج کی کبھی سپہ سالاری نہیں کی تھی۔ دول کے ایک متفقہ مراسلے نے سرویہ کو جنگ روکنے پر آمادہ کیا مگر اس کی ہنگامی صلح کی درخواست بلغاریہ نے مسترد کردی۔

آسٹریہ کا وکیل مارا مار بلغاریہ کے فوجی مستقر نیش میں آیا کہ لڑائی موقوف کرائے اور جب والی بلغاریہ نے کہا کہ میں اس وقت بڑھنے سے رکونگا جبکہ دول اتحاد بلغاریہ کو تسلیم کریں تو وکیل نے صاف جواب دے دیا

آسٹریہ سرویہ کو بچا لیتی ہے

کہ میں اس بارے میں کوئی گفتگو طے نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر اب بلغاری فوج آگے بڑھی تو اسے عساکر آسٹریہ کا سامنا کرنا پڑے گا، روس بلغاریہ پر قابض اور آپ کی فرمانروائی کا خاتمہ ہوجائے گا تو یہ مداخلت بہت ہی

بروقت ثابت ہوئی کیونکہ جب دو ہفتے کے بعد لڑائی رکی تو سرویہ کا گولہ بارود ختم ہو چکا تھا اور بلگریڈ پر بلغاریہ قبضے سے سرویہ کے خاندانِ شاہی کی بساط الٹ جاتی۔[1]

الکزنڈر کی اس جنگی کامیابی کی ایسی دھاک بیٹھی کہ پھر مشرقی رومیلی کو دوبارہ فتح کرنے کا لفظ کسی کی زبان پر نہ آیا۔ صاف گو کیٹ کوف نے زار کے روسی رسوخ برباد کرا دینے پر خوب خبر لی اور رگائرز نے اعتراف کیا کہ اب پہلی ملکی تقسیم کو دوبارہ بحال کرنا ممکن نہیں ہے اس نے تحریک کی کہ بلگریڈ، ایتھنز اور صوفیہ سے دول، اسلحہ کھول دینے کے لئے کہیں اور ترکی بھی بعد میں یہی کرے لیکن میلان کو ابھی تک لڑائی کی دھن تھی۔ اس نے بخارسٹ کے مشاورۂ صلح میں جو قائم مقام بھیجا اسے ہدایت کردی کہ گفتگو کو اتنے عرصے تک کہ سرویہ کی فوج دوبارہ لڑنے کے لئے تیار ہو جائے، الجھائے رکھے اور پھر سلسلۂ گفتگو قطع کردے۔[2] مگر بعض سپہ سالاروں نے میجاٹووچ سے مخفی طور پر اصرار کیا کہ صلح قبول کرے اور نتیجہ یہ ہوا کہ جب تین مہینے تک رومانیہ کے پائے تخت میں متخاصمین اور ترکی کے قائم مقام بیکار بحث مباحثہ کرتے رہے اور دول عظمیٰ نے زور دیا کہ گفتگو کو کسی نتیجہ پر پہنچایا جائے تو صرف ایک سطر کا صلحنامہ لکھا گیا جس میں درج تھا کہ "فریقین میں پھر صلح ہو گئی"۔ بلغاریہ اور ترکی میں جو مناقشہ تھا وہ یکم فروری ۱۸۸۶ء کی قرارداد سے ختم ہوا جس میں الکزنڈر کو پانچ سال کے واسطے مشرقی رومیلی کا صوبہ دار تسلیم کیا گیا اور یہ طے پایا کہ اگر متعاہدین میں سے کسی پر حملہ ہوگا تو دوسرا مدد کے لئے فوج دے گا۔ گلیڈ اسٹون کی تیسری مرتبہ جو چند روزہ وزارت قائم ہوئی اس میں لارڈ روزبری وزیر خارجہ

[1] میجاٹووچ: میموآئرز باب چہارم ٹو
[2] میجاٹووچ: میموائرز باب چہارم ٹو

تھا اس نے باب عالی کو صلاح دی کہ یہ قرار داد جس کی نسبت روسیوں نے کہہ دیا تھا کہ ہم کبھی قبول نہ کریں گے، ترک کر دی جائے۔ بسمارک نے بھی زار کے اعتراض کی تائید کی لہذا فوجی شرائط منسوخ کر دی گئیں اور روس نے جو امیر الگزنڈر کے نام سے صوبہ داری کا ملنا نامنظور کیا تھا اسے بھی مان لیا اور دول نے بشمول ترکی، صرف "رئیس بلغاریہ" کو پانچ سال کے واسطے مشرقی رومیلی کا والی تسلیم کیا۔

فلپوپوس کے انقلاب سے جو طوفان برپا ہوا وہ ابھی فرو ہونے نہ پایا تھا۔ کیونکہ سرویہ کی طرح یونان نے بھی بلغاریہ کی ملک ستانی کا معاوضہ طلب کیا تھا[1]۔ اس کی حجت یہ تھی کہ اگر مشرقی رومیلی بلغاریہ کے ساتھ مل جا سکتی ہے تو ایپرس کیوں نہ یونان میں شامل ہو مگر

یونان عوض طلب کرتا ہے

سلطان مزید قربانی کے لئے بالکل تیار نہ تھا اور اتھینز کے گلی کوچے، "زیتو پول موس" کی چیخ پکار سے گونجنے لگے۔ جب یونانی اور ادھر سے ترکی فوجیں سرحد کی طرف چلیں تو دول نے، سالسبری کی تحریک سے دو یادداشتیں اتھینز روانہ کیں۔ پہلی میں اسلحہ کھول دینے کا مطالبہ تھا اور دوسری میں اسے مطلع کیا گیا کہ ترکی پر کسی بحری حملے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ یونان نے غرور سے جواب دیا کہ یورپ کی دھمکیوں میں آنا، گویا اپنی آزادی کو بٹہ لگانا ہے۔ اور گو اس کے جہاز بندرگاہوں میں ہی رہے تاہم اس نے جنگی تیاریاں جاری رکھیں۔ ڈلیانیس نے سرحد تک باشندوں کو مسلح کر دیا اور ان بے قاعدہ جرگوں نے ترکی چوکیوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ تمام طاقتیں، سوائے فرانس اور اطالیہ کے،

[1] دیکھو میئوے: "سودمینیر" باب ششم۔ ڈلین: "آٹو بیوگرفی" باب ۳۰ اور رمبولڈ: "فائنل ریکلکشنز آف ڈپلومیٹ" باب ۳ تا ۶۔ آگے چل کے یونان کی جو ناکہ بندی کی گئی بر طانی سفیر ذاتی طور پر اس کے خلاف اور یونانی دعاوی کا موید تھا۔

آمادہ تھیں کہ یونان کو جبراً قابو میں رکھا جائے اور ۲۹ر جنوری کو ان کے بیڑے خلیج سَودا میں جمع ہو گئے۔ ادھر دول کی یہ زوردار کارروائی دیکھ کر ترکی کی ہمت اور مضبوط ہوئی اور اس نے "یونانیوں کی ناقابل فہم ہوس" پر نظر کی اور یہہ اعلان کیا کہ ترک" ان کی دعوت جنگ قبول کرنے اور شرفِ سلطنت کی حفاظت کرنے" پر آمادہ ہیں، بلکہ اپنے جنگی مصارف کے تاوان کا بھی اشارہ کر دیا۔

جب گلیڈ اسٹون، سالسبری کی جگہ برسر اقتدار ہوا تو ایتھنز میں تھوڑی دیر کے لئے امید کی شعاع چمکنے لگی لیکن امن عامہ اور خود یونان کے فائدے کی خاطر، روزبری اپنے پیشرو کی مثل پختہ ارادہ رکھتا تھا کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے[1]۔ ڈلیانیس اور اس کی مجلس شوریٰ تن تنہا سے کسی طرح باز نہ آتے تھے لہذا لارڈ روزبری نے تحریک کی کہ یونان

یونان کی ناکہ بندی

سے فوج میں اتنی تخفیف کا جسقدر زمانہ امن میں درکار ہوتی ہے، مطالبہ کیا جائے اور آخر میں لکھدیا کہ اگر وہ اسے نہ مانے تو دول کے وکلا واپس بلا لئے جائیں اور ناکہ بندی کی منادی کر دی جائے۔ فرانس کے سوا سب طاقتوں نے یہ تجویز قبول کی، صرف فرے سی نے جواب میں لکھا کہ تخفیف فوج کا مطالبہ جس تحکم کے لہجے میں کیا گیا ہے مجھے اس کا تاسف ہے۔ اور فرانسیسی وکیل کو ہٹا لینے یا ناکہ بندی کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی روز یعنی ۲۳ر اپریل کو اس نے ایتھنز کو تہدید کی ذلت سے بچانے کے لئے، ڈلیانیس کو بہ تاکید مشورہ دیا کہ جبر کی نوبت آنے سے پہلے خود فوج میں تخفیف کر دے اور یہہ بھی وعدہ کیا کہ اگر یونان نے فرانس کی رائے مانی تو وہ اسے فراموش نہ کرے گا۔ یہ ایک دوستانہ اور بے تپاک استدعا تھی اور ڈلیانیس نے بھی ۲۵ر اپریل کو

[1] اسی ٹی کک: "دی فورین پولیسی اوف لارڈ روزبری"۔

وعدہ کیا کہ ہم امن میں خلل نہ آنے دیں گے[1] لیکن اس آخری ساعت میں ان کے دب جانے کے باوجود برطانیہ، روس، جرمانیہ اور آسٹریہ کی مشترکہ یادداشت ۲۶ر اپریل کو حکومت یونان کے حوالے کی گئی جس میں اصرار کیا گیا تھا کہ ہفتہ بھر کے اندر بری اور بحری فوجوں میں اتنی کمی کرنے کے احکام جاری کر دیئے جائیں کہ ان کی تعداد زمانۂ امن کے موافق رہ جائے۔ اور دوسرے دن چاروں طاقتوں کے بیڑے ناکہ بندی کی غرض سے پائی رئیس کے سامنے آ پہنچے۔ وکلاء پایۂ تخت سے رخصت ہو گئے اور ناکہ بندی کی منادی کر دی گئی۔

ڈلیانیس ضد کر رہا تھا لیکن بادشاہ نے اسے حکم دیا کہ فوجوں کو منتشر کرا دے اور یا استعفیٰ داخل کرے۔ اس نے استعفیٰ دے دیا اور ٹرائی کوپیس اس کا جانشین ہوا۔ لیکن قضیہ پھر بھی ختم نہ ہوا کیونکہ جس دن اس نے کام ہاتھ میں لیا، اسی تاریخ ترکی فوج کو حکم پہنچا تھا کہ اگر یونانی حملے فوراً نہ رک جائیں تو ترک یونان کی سرحد میں داخل ہو جائیں اور ایتھنز پر پیشقدمی کریں۔ ساری سرحد پر چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ ڈلیانیس کے آوردوں کے ہاتھ میں سپہ سالاری تھی اور سرحد کے سب حصوں تک بذریعہ تار حکم پہنچانا ممکن نہ تھا۔ نیا وزیر اعظم اسٹل مین کے سامنے چیخ اٹھا کہ "اگر لڑائی فوراً بند نہ ہوئی تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے" اسٹل مین، لندن کے اخبار ٹائمز کا نامہ نگار تھا اور اسی نے یونانی وزیر اعظم کی استدعا پر برطانی سفارت خانے کے معتمد کو آمادہ کیا کہ انگلستان کو تار بھیجے کہ ترکی کو اطلاع دے دی جائے کہ یونانی فوج کو جنگ سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ گو یونانی حکومت سے سیاسی تعلقات منقطع ہو چکے تھے لیکن یہ برطانی

[1] فریسی نے "سووینیر" جلد دوم ۷۹ ڈروں فیری نے اس طرح فرانس کے اتحادِ دول سے الگ کر لینے پر فریسی نے کو قصوروار ٹھیرایا ہے۔

یونان سرِتسلیم خم کرتا ہے

معتمد سفارت خانے کے انتظام کے لئے ایتھنز میں چھوڑ دیا گیا تھا، ادھر اسٹل ہین نے ترکی وکیل کو بھی خبر دی اور اس نے استنبول کو تار روانہ کیا۔ غرض صرف چند گھنٹے لمجانے کی بدولت امن قائم رہا اور یونان خود اپنے ہاتھوں برباد ہونے سے بچ گیا۔ کیونکہ اسٹل ہین کا تحریری بیان محفوظ ہے کہ "ڈلیانیس نے اس طفلانہ توقع پر جنگ کا سامان کیا تھا کہ دول سلطان کو کچھ نہ کچھ مراعات دینے پر مجبور کر دیں گی۔ فوج محفوظ کا ساز و یراق ناقص اور ہر شے کی کمی تھی۔ سرسری دیکھنے والا بھی اندازہ کر سکتا تھا کہ فی الواقع جنگ کرنا منظور نہیں ہے پھر بھی اس جنگی تیاری کی بدولت یونان کو دس کروڑ **درالمہ** کی زیر باری ہوئی اور مصنوعی قیمت کا سکہ جاری کرنا پڑا۔ البتہ اس جھگڑے میں خوش قسمتی سے اس کی حکومت ٹری کوپیس کے ہاتھ میں آگئی جو نہایت ذی علم اور عالی نظر آدمی تھا اور آئندہ چار سال تک حفظ امن کا محتاط پاسبان اور یونان کے حقیر مداخل کا کفایت شعار منتظم رہا۔

جس وقت کہ سرویہ اور یونان کی تلافی کے دعاوی پیش اور مسترد ہو رہے تھے، ناراض زار اپنے موقع کی تاک میں تھا۔ ۱۹ مئی کو اس نے یہ پُر اندیشہ الفاظ کہے کہ ممکن ہے واقعات ہمیں وقار سلطنت کو بچانے کیلئے تلوار چلانے پر مجبور کر دیں تو یہ معاہدوں کے احترام میں فرق آنے کا غصہ نہ تھا بلکہ خجالت کی جھنجھلاہٹ تھی جس کا ثبوت جون ۱۸۸۶ء میں یوں ظاہر ہوا کہ اس نے یکایک معاہدہ برلن کی اس دفعہ کو ناقابل عمل قرار دیا جس میں باطوم کے آزاد بندرگاہ رہنے کی شرط تھی۔ جب گائرز نے اس کے خلاف عرض معروض کی تو وہ چلّایا کہ ہر شخص معاہدہ برلن میں رخنے ڈال رہا ہے تو ہم اس کے پابند کیوں رہیں؟ اس کی اس زبردستی پر صرف برطانیہ نے اعتراض کیا تو ادھر والیٔ بلغاریہ نے نئے صوبے کے مبعوثین کو اس طرح صوفیہ آنے کی دعوت دی کہ گویا وہ علاقہ مسلمہ طور پر اس کی

حکومت میں داخل ہو چکا ہے اور عذر پیش کیا کہ اگر ان مسبوثین کو طلب کیا جائے گا تو بلغاری مجلس میں حکومت کا مخالف گروہ ترکی و بلغاری معاہدے کو منسوخ کر دے گا؛ لیکن فرماں روائے بلغاریہ ہاری ہوئی بازی کھیل رہا تھا۔ کیونکہ روسی گماشتے برابر سازش کا جال بچھا رہے تھے اور ۲۱ اگسٹ کی رات

الکزنڈر والی بلغاریہ کا اڑا دیا جانا

آئی تو بلغاریہ فوج کے چند دل برداشتہ سردار شاہی محل میں گھس آئے اور طپنچے راست کر کے جبراً حکومت سے دست برداری کی دستاویز پر الکزنڈر کے دستخط لے لئے اور دھکے دے کر ملک سے باہر نکال آئے۔ یہ خبر سن کر ملکہ وکٹوریہ نے حسب عادت کمال دردمندی کے پیرایہ میں مصیبت زدہ شہزادے کو یہ تحریر کیا کہ "اپنے دلی محسوسات اور پریشانی ظاہر کرنے کے لئے مجھے لفظ نہیں ملتے۔ جتنی تشویش مجھے ہے مشکل سے تمہارے والدین کو اس سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ تمہارے وحشی مشرقی اور جابر عمزاد پر مجھے اس قدر غصہ آیا ہے کہ اس بارے میں خود کچھ لکھنا خلاف مصلحت معلوم ہوا۔ البتہ میری حکومت حتی الامکان کوشش کرے گی کہ دول کو تمہاری کمک پر آمادہ کرے"

جو ہنگامی حکومت قائم ہوئی تھی وہ صرف تین دن برسراقتدار رہی۔ کیونکہ وفادار فوجوں نے پائے تخت پر چڑھائی کی اور مجلس کے صدرنشین **اسٹام بیولوف** نے انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں لے کر والی بلغاریہ سے التجا کی کہ واپس اپنے ملک میں چلا آئے۔ اس نے یہ دعوت قبول کی لیکن رسچک پہنچا تھا کہ روسی قنصل نے متکبرانہ انداز سے اسے جتایا کہ بلغاریہ کی فلاح کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ روس کے ساتھ صلح و آشتی کی جائے تو الکزنڈر پائے تخت پہنچنے تک جواب دینا ملتوی کر سکتا تھا لیکن زار کی پر کینہ خصومت نے اس کی کمر توڑ دی۔ اسٹام بیولوف اس سے منزل گاہ پر آملا تھا مگر وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ الکزنڈر نے ذلت کے ساتھ قبول اطاعت کا تار بھیج دیا: "مجھے روس نے

تخت و تاج دلوایا ہے اور میں تیار ہوں کہ اسے واپس روس کے فرمانروا کے ہاتھ میں دے دوں" پٹرز گرڈ اور برلن میں اس تار سے اطمینان ہوگیا لیکن شہزادے کے خیر خواہ بلغاریہ میں اور باہر یہہ خبر سن کر ششدر رہ گئے ملکہ وکٹوریہ نے تار دیا کہ "میں گنگ ہوگئی اور تم سے التجا کرتی ہوں کہ یہ جو کچھ کیا ہے اس سے رجعت کرو۔ ایسی ظفرمندیوں کے بعد یہہ کام تمہارے شایان شان نہیں" الکزنڈر کے باپ نے لکھا کہ "یہ سیاسی غلطی ہے۔ تم کو سوفیہ پہنچ کر جواب لکھنا چاہئے تھا"۔ اعتراض کرنے والے واقع میں سچے تھے۔ کیونکہ اس حرکت سے الکزنڈر نے اپنی عزت اور حکومت دونوں کو ہاتھ سے کھودیا۔ اس کی اطاعت گزاری سے زار کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا چنانچہ اس نے جو جواب لکھکر بھیجا اس میں مروت کا شائبہ تک نہ تھا۔ یہ جواب الکزنڈر کو سوفیہ پہنچنے سے قبل مل گیا۔ "بلغاریہ پر پہلے ہی بری بن چکی ہے۔ تمہاری مراجعت سے مجھے جو خطر انگیز نتائج پیدا ہوتے نظر آتے ہیں، انھیں دیکھ کر میں تمہارا دوبارہ اس ملک میں جانا ناپسند نہیں کرسکتا۔ تم خود سمجھ لو کہ تمھیں کیا کرنا چاہئے۔ میں آئندہ کارروائی کے لئے اپنا فیصلہ محفوظ رکھتا ہوں" اس روسی طمانچے نے شہریار بلغاریہ کو بالکل پست و سرنگوں کردیا اور اسٹام بیولوف کے ہمت انگیز بڑھاوے چڑھاوے کچھہ کام نہ آئے۔ پایۂ تخت میں پہنچ کر اس نے منصب شاہی سے استعفیٰ دے دیا اور کمال افسردگی سے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ کوئی شخص تن تنہا سارے یورپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پھر دعا کی کہ میرا جانشین زیادہ خوش نصیب ثابت ہو۔ اور اسٹام بولوف کی صدارت میں تین ارکان کی مجلس ایالت قائم کرکے، وہ اس ملک سے رخصت ہوگیا جہاں سات سال پہلے بہت سے ارمان لئے ہوئے داخل ہوا تھا اور جس کی بڑی ہمت اور جاں سپاری کے ساتھ اس نے خدمت کی تھی۔

بسمارک روس کی تائید کرتا ہے

گو الکزنڈر کا قصہ تمام ہوا لیکن باوجود اس کے بلغاریہ کا مسئلہ حل نہ ہوا! بلکہ اور بدتر صورت یہ پیدا ہوئی کہ دول اعظمی اس مناقشے میں پھنس گئیں جو ۱۸۸۵ء کے عہدنامے

سے برلن و پیٹرو گریڈ میں تو صفائی ہو گئی تھی لیکن روس و آسٹریہ کی بلقان میں رقابت کے گہرے زخم پر اس سے فقط پھاہا رکھ دیا گیا تھا۔ بسمارک بار بار کہہ چکا تھا کہ جرمانیہ کی بلغاریہ سے کوئی غرض وابستہ نہیں ہے اور اسے وہ برابر روس کے دائرۂ اثر میں داخل سمجھتا رہا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ سارا مسئلہ مشرقی ایک پومرے نی (یعنی جرمن) گولہ انداز کی ہڈیوں کی بھی قیمت نہیں رکھتا۔ اور مشرق ادنیٰ میں روسیوں کو بالکل آزادی دے دینی چاہیئے۔ چنانچہ وہ تیار تھا کہ آبنائے دردانیال کی نگرانی بلکہ خود استنبول پر روسیوں کو قبضہ دلوا کے، ساری ترکی کو روس کی سیادت میں دیدیا جائے اور زار روس کو اس سے بڑھکر اور کسی شئے کی خواہش نہ تھی کہ آبنائے دردانیال اس کے ہاتھ آئے۔ اس قضئے کے آغاز کے وقت سے وہ کالنوکی کو خبردار کرتا رہا تھا کہ تم کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے روسیوں کو اشتعال پہنچے بلکہ معاہدہ ۱۸۸۱ء کے الفاظ و معنی کی پوری پابندی کرتے رہنا۔ اور اب اس نے تجویز کی کہ روس و آسٹریہ بلقان کو مشرقی اور مغربی حلقۂ اثر میں تقسیم کریں۔ پیٹرو گریڈ میں تو اس خیال کو پسند کیا گیا۔ لیکن وی آنا کا طے شدہ اصول یہ تھا کہ روسی بلقان میں گھسنے نہ پائے لہذا وہاں سے انکار ہو گیا۔ اور روسیوں کے بلغاریہ پر قبضہ کرنے کے معاملے میں، جس کا قوی قرینہ نظر آتا تھا، آسٹریہ نے جم کر مزاحمت کرنے کی تیاریاں کیں کیونکہ کالنوکی کے نزدیک یہ بات کسی طرح ۱۸۸۱ء کے عہدنامے میں داخل نہ تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اتحاد ہونے کے بعد برلن و وی آنا میں ایک بیرونی معاملے کی نسبت اختلاف کی نوبت آئی اور آسٹریہ کو بہت ناگوار ہوا کہ بسمارک نے آسٹریہ کے خطرناک دشمن کو اسطرح آزادی عمل کا اختیار سونپ دیا ہو۔

۲۵ ستمبر کے دن جنرل **نکولاس کول بارس** زار کے قائمقام کی حیثیت سے سوفیہ میں داخل ہوا کہ روس کے رسوخ و اثر کو بحال کرے یہ سابق وزیر جنگ کا بھائی تھا اور اس نے آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دائی

بلغاریہ کے بھگا لے جانے والوں کی رہائی کا حکم دے دیا اور مجلس ملکی کیلئے جو نئے فرماں روا کا انتخاب کرنے والی تھی، مبعوثین کے انتخابات ملتوی کرنے کی ہدایت کی۔ مجلس ایالیت نے اسٹام بولوف کے اثر سے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور نئے انتخابات سے مجلس کو مزید قوت پہنچی۔ جدید مجلس مبعوثین میں روس کے مخالفین کی کثرت تھی اور اس نے زارینہ اور شاہ یونان کے بھائی **والڈمیر** (شہزادہ ڈنمارک) کے انتخاب کی کارروائی کی لیکن اس نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا روسیوں نے شہزادہ **منگ ریلیا** کو بطور امیدوار پیش کیا تھا جو زار کے ساتھ کا پڑھا ہوا دوست تھا مگر اس کو برطانیہ اور اطالیہ نے جائز نہ رکھا۔ ادھر کول بارس نے نہ صرف مجلس مبعوثین اور اس کے فیصلوں کو بلکہ خود مجلس ایالت اور وزارت ہی کو خلاف قانون قرار دیا اور دو مہینے تک بے ملکی نوابی دکھا کے روسی قنصلوں سمیت بلغاریہ سے رخصت ہو گیا شاہ رومانیہ سے بھی استدعا کی گئی تھی اور اسٹام بیولوف کو ہمیشہ افسوس رہا کہ اس نے یہ درخواست قبول نہیں کی ؛

بلغاری قومیت کی ترقی کی مزاحمت میں آسٹریہ اب تک روس کا ساتھ دیتی رہی تھی اور یہ بات آسٹریہ کے بعض ممتاز اہل الرائے کو بہت شاق گزری۔ چنانچہ اندراسی نے شہنشاہ کے واسطے ایک یادداشت مرتب کی جس میں حجت کی تھی کہ آسٹریہ کا دائرۂ عمل مشرق ادنیٰ ہے اور ان ملکوں میں اسی کا رسوخ سب سے بڑھکر ہونا چاہئے اور اسے روس کو روکنا چاہئے کہ وہ تمام اسلافیوں کو اپنے زیر اقتدار نہ لا سکے۔ اندراسی کو شکایت تھی کہ کالنو کی روس کو پھر بلقان میں لے آیا جہاں سے عہد نامہ برلن کے ذریعے اسے خارج کر دیا گیا تھا اور اگر اس طرح بلغاریہ کو روس کے حلقۂ اثر میں تسلیم کر لیا گیا تو اس حکمت عملی سے یا تو آسٹریہ کا دائرہ رسوخ کم ہو جائیگا یا ملک کی تقسیم کرنی پڑے گی جس کا لازمی نتیجہ جنگ ہوگا۔ اندراسی

آسٹریہ میں رائے عامہ

کہتا تھا کہ اتحاد قیاصرہ ایک غیر فطری شیرازہ بندی ہے اور اس سے آسٹریہ کی آزادیٔ عمل میں فتور پڑتا ہے ہمارے لئے جرمن اتحاد کافی ہے۔ ہنگری کے دوسرے ممتاز سیاست داں حجت کرتے تھے کہ اگر آسٹریہ کو ہر مرتبہ روس سے دبنا پڑے تو ایسے جرمن اتحاد سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ ہنگری میں روسیوں سے شدید مخالفت تھی اور یہ شکایتیں ہنگری کی مجلس مبعوثین اور بوڈاپسٹ کی مجلس وفود تک میں دہرائی جانے لگیں لیکن حقیقت میں ان شکایتوں کی کوئی بنیاد نہ تھی کیونکہ کالنوکی اور اندراسی کی رائے میں عملاً کچھ فرق نہ تھا۔ ہنگری کے وزیر اعظم ٹس زا نے ۳۰ ستمبر کے دن تقریر میں کہا کہ آسٹریہ کی خواہش یہ ہے کہ بلقان کی ریاستیں آزادانہ نشو و نما پائیں اور کسی بیرونی سلطنت کا ان پر مستقل اقتدار یا سیادت قائم ہونے نہ پائے اگر دولت عثمانیہ اپنے حقوق پر زور نہیں دیتی تو کسی دوسرے کو کس طرح جائز ہے کہ ان ریاستوں میں جبراً مداخلت کرے۔ اور یہہ کہ ممالک بلقان میں اگر کوئی ردو بدل ہو سکتا ہے تو وہ صرف جملہ متعاہدین کی اتفاق رائے سے ہو سکتا ہے۔

اس تقریر پر زار نے بہت ہنگامہ کیا کہ ٹس زا نے دولت روس کو اس طرح خود مجھے ذلیل کیا۔ بایں ہمہ ۱۳ نومبر کو کالنوکی نے مجلس وفود میں صاف کہہ دیا کہ اگر بلغاریہ پر فوجی قبضہ کیا گیا تو آسٹریہ کو مجبوراً کارروائی کرنی پڑے گی۔ اسی کے ساتھ بسمارک نے روس کو اطلاع دی کہ گو میں روسی قبضہ کی مخالفت نہ کروں گا لیکن میری صلاح یہہ ہے کہ آسٹریہ کو اشتعال نہ دیا جائے۔ آسٹریہ کی مجلس وفود میں بالاتفاق (جنگی تیاریوں کے لئے) روپے کی منظوری دی گئی۔ اور گو جرمانیہ نے اعانت نہیں کی تاہم کالنوکی تنہا نہیں رہا۔

شہزادہ الکزنڈر کے پہلے بھگا لئے جانے اور پھر معزولی کی کارروائی کو برطانیہ کلاں میں دلی غصہ کے ساتھ دیکھا جا رہا تھا۔ لندن کے میر بلدہ کی سالانہ ضیافت میں سالسبری نے قوم کے

انگلستان میں ناراضی

جذبات کی ترجمانی کی اور اُن فوجی سرداروں کی غداری پر جنھیں بیرونی روپے نے کور و سرشار کر دیا تھا، سخت نفرت بھیجی۔ چند روز کے لیے وزارت خارجہ **لارڈ ای ڈس لے** کے سپرد کر دی گئی تھی گو وزیر اعظم کی اس پر پوری نگرانی تھی۔ امیر موصوف نے خیال ظاہر کیا کہ سلطان المعظم سے استدعا کی جائے کہ الکزنڈر کو واپس بلغاریہ میں طلب فرمائیں وزیر اعظم نے اس اشتعال رساں طریق عمل کو تو نامنظور کر دیا لیکن جس طرح دس سال پہلے اعلان کیا تھا، پھر عکانیہ جتا دیا کہ ہم روس کو اسٹنبول پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ بااین ہمہ چونکہ برطانیہ کے اغراض و مفاد کا براہ راست بلغاریہ سے تعلق نہ تھا لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ اس معاملے میں کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ اطالیہ نے بھی روس کے رویئے کو ناپسند کیا اور زار کو بوڈاپسٹ دہی آنا، لنڈن و روما غرض چار طرف سے لعنت ملامت سننی پڑی۔

بسمارک نے طے کر لیا تھا کہ بلقانی معاملات میں روسی حکمت عملی سے، آسٹریہ کو مخالفت ہو تو ہو، وہ جرمانیہ کو اس جھگڑے میں نہ پڑنے دیگا کیونکہ وہ نہ صرف یقین دلاتا تھا بلکہ فی الواقع دل سے یقین کرتا تھا کہ عہد نامہ برلن پر دستخط کرنے والوں نے دراصل بلغاریہ کا روس کے حلقۂ اقتدار میں ہونا تسلیم کر لیا تھا۔ اس پر بھی جرمن صدر اعظم کو روس کی رائے عامہ نے اپنا دوست نہیں مانا اور ۱۸۷۹ء میں جیسے حملے اخباروں میں ہوے تھے، ویسے ہی پھر شروع ہو گئے۔ جنوبی سرحدوں پر جنگی تیاریاں بھی ہونے لگیں۔ اسی موقع پر جب کہ بسمارک روس کی خاطر خود اپنے حلیف سے لڑ رہا تھا، کیٹ کوف نے وہ اخباری گولہ باری شروع کی جس کا منشاء یہ تھا کہ زار کا رُخ برلن کی بجائے پیرس کی طرف پھیر دیا جائے[۱]۔ یہ مشہور ترین روسی اخبار نویس ادبیات قدیم کا

کیٹ کوف کی اخباری جنگ

۱؎ دیکھو ایلی وسیون کی کتاب ٹل الی آنس فرینکو روسیہ باب چہارم پوری کتاب (بقیہ صفحہ دیگر)

فاضل اور کئی جدید زبانوں کا پورا ماہر تھا ماسکو میں فلسفے کی پروفسری سے اس نے عملی زندگی شروع کی اور آہستہ آہستہ اخبار نویسی کی دنیا میں داخل ہو گیا تا آنکہ ۱۸۵۱ء میں "ماسکو گزٹ" کا مدیر بنا اور اس اخبار کو اس نے چند ہی روز میں اسلافیت پرستوں کا صحیفہ آسمانی بنا دیا۔ اس وقت کیٹ کوف کی عمر بتیس سال کی تھی۔ ۱۸۶۳ء میں پولینڈ کی بغاوت کو ظالمانہ طریق پر فرو کیا گیا تو اس نے اپنے ہموطنوں کی طرف سے مغربی یورپ کی نکتہ چینیوں کو الٹ الٹ کے اس کے منہ پر مارا اور جب مداخلت کی دھمکیاں دی گئیں تو گورٹ شاگوف کو حقارت آمیز جواب لکھنے کی اسی کیٹ کوف نے ہمت دلائی لہذا اس کی شخصیت نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی ہو گئی اور شکر گزار زار نہ صرف اس کا اخبار بڑی توجہ سے پڑھنے لگا بلکہ اس اخبار نویس کو یہ امتیاز بھی عطا کیا کہ وہ بادشاہ سے براہ راست خط و کتابت کر سکے۔ کیٹ کوف کا مذہب در اصل نکولاس اوّل کا مذہب تھا، جسے نکولاس کے باپ نے بھی اوائل عہد کی ناکامیوں اور تلخ تجربوں کے بعد مجبوراً اختیار کر لیا تھا یعنی "استبداد" "مذہبیت" "قومیت" جب الکزنڈر ثانی مارا گیا تو کیٹ **کوف** کا رسوخ اور بھی بڑھ گیا۔ الکزنڈر ثالث کو اپنے جرمن رشتہ داروں کی طرف توجہ والتفات نہ تھا مگر اپنی ڈنمارک کی بیوی کی طرف بہت میلان رکھتا تھا وہ ماسکو گزٹ کو اپنے باپ سے (جس نے آخری عمر میں اپنی آزاد خیالی کی گرد جھاڑ دی تھی) زیادہ پسندیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا کرتا تھا۔ بلکہ اخبار کے خاص مقالات لکھے ہی اس خیال سے جاتے تھے کہ بادشاہ کی نظر سے گزریں۔ اور اپنی عمر کے آخری زمانے میں کیٹ کوف ساری سلطنت میں زار کے بعد سب سے زیادہ ذی اقتدار آدمی بن گیا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اپنے دوست اور استاد کی مدح سرائی کیلئے وقف کی ہے مگر سخت ضرورت ہے کہ کیٹ کوف کی ایک مستقل سیرت تحریر کی جائے۔

الغرض، جب بلغاریہ قضیئے نے اتحاد قیاصرہ کے جوڑ بند ڈھیلے کر دیئے تو اس نامور اخبار نویس کو اپنی آخری اور سب سے بڑی کوشش کا موقع ملا۔ مشرق ادنیٰ میں روس کے مقاصد سے آسٹریہ کی دشمنی کسی سے مخفی نہ تھی۔ اور کیٹ کوف سمجھتا تھا کہ بسمارک نے روس کا دوست بنے رہنے کا جو اہتمام کیا ہے اس کا منشا بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ روس کو جرمانیہ کے حلقۂ اثر میں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ تو ظاہر تھا کہ اتحاد قیاصرہ کی آئندہ تجدید نہ ہوگی لیکن **کیٹ کوف** کے نزدیک اصلی سوال یہ تھا کہ آیا زار میں اتنی ہمت ہے کہ اتحاد قیاصرہ سے علیحدگی کے ساتھ ہی برلن کی پرشکن آغوش سے بھی گلو خلاصی کرالے؟ ۱۸۸۶ء کی گرمیوں سے اس کے اخبار نے لکھنا شروع کیا کہ روس اور فرانس میں کوئی مفاہمت ہو جانی چاہئے۔ اور سال ختم ہونے پر اس نے زار کے واسطے ایک یادداشت مرتب کی جس میں روس کی حکمت عملی کو آئندہ بالکلیہ بدل دینے کا مطالبہ تھا۔ ۱۸۷۰ء کی جنگ میں کیٹ کوف فرانس کا ہمدرد تھا اور اب اس نے اصرار کیا کہ زار اپنے باپ کی طرح اسی قسم کی غلطی کا ارتکاب نہ کرلے۔ فرانس و جرمانیہ کی جنگ کی صورت میں روس غیر جانب دار رہنے کا اقرار کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسے فرانس کے ساتھ خصومت ہے۔ کیونکہ اس اقرار سے جرمانیہ کو موقع ملجائیگا کہ اپنی فوجیں مشرق کی طرف ہٹائے جائے۔ حالانکہ واقعات کا رُخ مخاصمت کی بجائے فرانس و روس کے باہم اتحاد کا متقاضی ہے۔ دول یورپ کے توازن کے لئے فرانس کا قوی رہنا ناگزیر ہے اور اگر فرانس کمزور رہا تو روس کسی سے بھی رابطہ قائم نہ رکھ سکے گا۔ پس اگر روس نے جرمن اتحاد سے مخلصی پالی تو اس کی آزادی عمل اسے یورپ کا حکم بنادے گی اور وہ جنگ کو اسی طرح روک سکے گا جس طرح ۱۸۷۵ء میں اس نے روک دیا تھا۔

کیٹ کوف اور فرانس

اس یادداشت نے زار کے دل پر گہرا اثر کیا اور اس نے یہ تحریر وزیر صیغہ داخلہ ٹولس ٹوے کو دکھائی لیکن وزیر خارجہ (گائیرز) کو نہیں دکھائی کیونکہ اس میں گائرز پر (جسے بسمارک پر کامل اعتماد تھا اور روس و جرمانیہ کی تاریخ دوستی میں خلل ڈالنے کی کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی) پیہم حملے کئے گئے تھے۔ اخبار میں بھی وزیر خارجہ کو کیٹ کوف نے نشانہ بنالیا تھا اور ایسے ملک میں جہاں اخبار کی آزادی عنقا تھی، ان بے روک حملوں کو دیکھکر روس کے اندر اور باہر سب کو خواہ مخواہ یقین ہوگیا کہ یہ گولہ باری اگر زار کے ایما سے نہیں ہو رہی ہے تو کم سے کم وہ اس کا مؤید ضرور ہے۔ سر روبرٹ موریر کا یہ مزاح آمیز فقرہ محفوظ ہے کہ "مجھے احکام سفارت دے کے کیٹ کوف کے پاس بھیجا جانا چاہئے تھا کیونکہ گائرز نہ زار کا قائم مقام ہے نہ اہل ملک کا"۔

بسمارک کا تبصرہ حالات یورپ پر۔

بسمارک نے اخباروں کی آتش فشانی کے خلاف جو کچھ کہا سنا اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا لہذا ۱۱ جنوری ۱۸۸۸ء کو جب قانون افواج کی مدت ختم ہونے میں ایکسال باقی رہا اور اس کی بجائے دوسرا مسودہ قانون افواج مجلس میں پیش کرنے کی نوبت آئی، تو اس موقع پر بسمارک نے کیٹ کوف کا جواب دیا اور اسی تقریر میں، جو اس کی سب سے بڑی تقریروں میں داخل ہے۔ یورپ کے حالات پر ایک عام تبصرہ کیا۔ یہ مباحثہ جو تین دن تک جاری رہا سن رسیدہ مولٹکے نے شروع کیا اور وہ خطرات بہت ہیبت ناک صورت میں بیان کئے جو وطن آبائی پر منڈلا رہے تھے۔

اس نے کہا، ہم میں سے کوئی شخص بے خبر نہیں کہ یہ کیسا نازک زمانہ ہے تمام دول ایک تردد انگیز مستقبل کے ساتھ سابقہ پڑنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ہر شخص کی زبان پر یہی سوال ہے کہ کیا جنگ ہونے والی ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مدبر ان باروت کے ڈھیروں کو جو ہر ملک میں جمع ہو رہے ہیں، جان بوجھکر دیا سلائی دکھادے گا۔ لیکن عوام الناس کے

پرزور جذبات فرقِ سیاسی کے سرخیلوں کی ہوس اور بھڑکی ہوئی رائے عامّہ یہ سب ایسے عناصر ہیں جن میں ارباب حکومت کے ارادوں سے زیادہ قوی ثابت ہونے کا مادہ ہے اس حال میں اگر کوئی ملک ان کے واسطے کوشش کرسکتا ہے تو وہ جرمانیہ ہے کیونکہ اسے ان مسائل سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے جو دوسری سلطنتوں کے لئے موجب نزاع بن گئے ہیں۔ لیکن ثالثی کی یہ خدمت انجام دینے کے واسطے یہ لازم ہے کہ جرمانیہ جنگ کیلئے تیار رہے۔ اب اگر حکومت جن مصارف کی منظوری مانگ رہی ہے، وہ منظور نہیں کیئے گئے تو میرے نزدیک جنگ ہونی یقینی ہے۔ یہی سبب ہے کہ سارے یورپ کی نظر اس وقت اس مجلس کی طرف لگی ہوئی ہے۔ ہمارے پورے مطالبے کو جس میں سات سال کا انتظام سوچا گیا ہے تسلیم کرو۔ سال یا تین سال کی منظوری دینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا[1]۔

بسمارک کے دو گھنٹے کی مسلسل تقریر[2] سپہ سالار کے اسی خاکے میں رنگ بھرنے میں صرف ہوئی۔ اس نے کہا "ہمیں جنگجوئی کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارا ملک ان ملکوں میں داخل ہے جنھیں میٹرنش سیراب ممالک کہا کرتا تھا۔ لیکن ہمیں ایک مضبوط فوج کی ضرورت ہے کہ ایک حلیف کی مدد سے اپنی آزادی کو یقینی طور پر قائم رکھ سکیں۔ ہمیں روس کی طرف سے حملے یا دشمنی کا خدشہ نہیں ہوسکتا۔ نہ اس مسودۂ قانون کی وجہ اس قسم کا اندیشہ ہے وہاں کے موجودہ فرمانروا سے ہمارے ویسی ہی دوستانہ تعلقات چلے آتے ہیں، جیسے روس کے سابق زار سے تھے۔ اور ہم ان میں کوئی خلل نہ ڈالیں گے۔ نہ میری دانست میں روس کچھ اس غرض سے حلیف تلاش کر رہا ہے کہ ہم پر حملہ

---

[1] یہ تقریر بسمارک "ریڈن" میں چھپی ہے۔ جزو دوازدہم صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۵۔

[2] 〃　〃　〃　〃　صفحہ ۱۷۵ تا ۲۲۶

کرے۔ زار سے جو شخص واقف ہے وہ اس پر بھروسا رکھتا ہے[1] اور اگر اس کی نیت یہ ہوگی کہ دوستانہ تعلقات نہ رہیں تو وہ صاف

بلغاریہ کے متعلق بسمارک کی رائے

صاف کہہ دے گا۔ ہمیں روس کی طرف سے کوئی پریشانی لاحق نہ ہوگی بجز اس کے کہ ہم خود بلغاریہ جاکر وہاں جھگڑے کے سامان کریں جس کا فریق اختلاف کے اخبار مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر میں ایسی حماقت کا ارتکاب کروں تو اس قابل ہوں کہ مجھ پر غداری کا مقدمہ چلایا جائے۔ ان اخباروں کی چیخ پکار پر مجھے یہ فقرہ یاد آجاتا ہے "ہکوبا سے اس کو کیا سروکار"؟ بھلا بلغاریہ سے ہم کو کیا؟ وہاں کوئی حکومت کرے اور اس کا کچھ ہی حشر ہو ہمارے لئے یکساں ہے۔ میں اپنے الفاظ پومی رسے نی گولنداز کی ہڈیوں کے متعلق دہراتا ہوں۔ مشرقی مسئلہ ہمارے لئے وجہ مخاصمت نہیں ہو سکتا ہم کسی کو اجازت نہ دیں گے کہ ہمارے گلے میں طوق ڈال دے اور ہمیں خواہ مخواہ روسیوں سے آمادۂ فساد کرائے۔ روس کی دوستی ہماری نظر میں بلغاریہ کی دوستی سے کہیں زیادہ بیش بہا ہے۔ لیکن دراصل دشواری روس و جرمانیہ کو نہیں بلکہ روس و آسٹریہ کو باہم صلح وصفائی سے رکھنے میں ہے اور ہمارا فرض ہونا چاہئیے کہ دونوں حکومتوں میں امن وصلح کی آواز بلند کرتے رہیں۔ ہم یہ جوکھوں مول لیں گے کہ آسٹریہ میں اور آسٹریہ سے بڑھکر ہنگری میں ہمیں روس پرست کہا جائے اور روس میں آسٹریہ پرست کہلائیں؛ لیکن اگر امن قائم رہ سکے تو اس کی کچھ پروا نہیں و ائنڈ تھورسٹ چاہتا ہے کہ جرمن حکمت عملی

[1] بسمارک نے بویریہ کی حکومت سے صراحت کی تھی کہ سیاسی مصالح کی بنا پر میں نے روس پر اتنے اعتماد کا اظہار کیا جو درحقیقت میرے دل میں نہیں تھا۔ ورنہ زاران قومی اثرات کو جو لڑائی کی پرزور دے رہے ہیں اسقدر اہمیت دینے لگا ہے کہ وہ جرمن اغراض سے آشتی نہیں رکھتی ہیں (ڈاٹی گروس پولی ٹیک پنجم ۱۱۷)

بالکل وہی ہو جو آسٹریہ کی ہے لیکن آسٹریہ سے ہمارے روابط کا مدار اس خیال پر نہیں ہے کہ ایک سلطنت اپنی پوری قوت دوسری سلطنت کی خدمت کے لئے وقف کر دے گی۔ بلکہ اس احساس پر ہے کہ یورپ میں توازن دول کی مصالح اس امر کی مقتضی ہیں کہ ان دونوں سلطنتوں کا بہ حیثیت ایک بڑی طاقت کے وجود ضروری ہے باقی اپنی پوری قوت دوسری سلطنت کے ہاتھ میں دے دینا غیر ممکن بات ہے۔ آسٹریہ کی خاص خاص اغراض ایسی ہیں جن کے متعلق ہم کچھ دخل نہیں دے سکتے۔ اور اسی طرح بعض جرمن اغراض کے لئے آسٹریہ مداخلت نہیں کر سکتی۔ ہم آسٹریہ سے نہیں کہتے کہ فرانس کے ساتھ ہمارے جو جھگڑے ہیں ان میں یا انگلستان کے ساتھ نوآبادیوں کے متعلق مناقشات میں حصہ لے اسی طرح استنبول کے مسئلے سے ہمیں بھی کوئی سروکار نہیں ہے"

اس طرح بسمارک نے محض آسٹریہ کی مشرق ادنیٰ کی حکمت عملی کی حمایت کی خاطر روس کے خلاف آمادۂ جنگ ہونے سے انکار کر دیا اور پھر اپنی تقریر میں مغرب کی طرف متوجہ ہوا جہاں

بسمارک کی رائے فرانس کے متعلق

ویڈنگٹن نے جس آشتی آمیز حکمت عملی کو شروع کیا تھا اور فیری نے جاری رکھا تھا وہ ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ پر ایک نیا اور مخدوش نقشہ بساط سیاست پر نظر آنے لگا تھا۔ بسمارک نے کہا "ہم سوائے الساس لورین کے اور ہر معاملے میں فرانس کو ممنون کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ہمارے فرانس کے ساتھ لڑائی چھیڑنے کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہماری یہ نیت ہے۔ اس بنا پر بھی کہ میرے نزدیک جنگ ٹلنے والی نہیں نظر آتی، میں نہیں لڑوں گا۔ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے میں اسے پہلے سے جان لینے کی قابلیت نہیں رکھتا اب اگر فرانس بھی اس وقت تک طریق امن پر قائم رہے جب تک کہ ہماری جانب سے

جنگ کی ابتدا نہ ہو تو اس صورت میں امن و صلح میں کبھی کوئی خلل نہیں پڑے گا۔ کیا ہماری خواہش ہے کہ فرانس کی اور زمین پر قبضہ کریں؟ مجھے تو میٹنز لینے پر بھی اصرار نہ تھا۔ فرانس کی موجودہ وزارت پر بھی مجھے کامل بھروسا ہے۔ گوبلے اور فلوراں جنگ کا اقدام کرنے والے آدمی نہیں ہیں۔ اور اگر تم ضمانت دے سکو کہ یہی اشخاص برسر اقتدار رہیں گے، تو میں کہوں گا کہ پھر فوجی مصارف کی منظوری ضروری نہیں، تم اپنا روپیہ خرچ نہ کرو۔ لیکن ایک قلیل التعداد گروہ کا آتش مقدس کو مشتعل کئے جانا، وہ چیز ہے جس سے میں اندیشہ مند ہوں۔ حملے کا بہر حال اندیشہ ہے اور یہ دس دن میں ہوگا یا دس برس میں، میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اگر فرانس سمجھ لے کہ وہ قوی تر ہے اور لڑائی جیت جائے گا تو پھر جنگ میں کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔ یہ میرا قطعی یقین ہے۔ اس وقت بھی فرانس پہلے سے کہیں زیادہ قوی ہو گیا ہے اور اگر لڑائی میں اس نے فتح پائی تو وہ اس قسم کا اعتدال مرعی نہیں رکھے گا جیسا کہ ۱۸۷۱ء میں ہم نے اس کے ساتھ برتا۔ وہ تو ہمارا خون چوس لے گا اور کوئی شبہ نہیں کہ اگر اس کی طرف سے حملہ ہونے پر ہم جنگ میں فتحمند ہوئے تو ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ ۱۸۹۰ء کی جنگ یا آئندہ جب کبھی جنگ ہو اس کے مقابلے میں ۱۸۷۰ء کی لڑائی محض بچوں کا کھیل نظر آئے گی۔ ایسی حالت میں خالی بیٹھے رہنے کے نتائج کی ذمہ داری حکومت یا فوجی سردار اپنے سر نہیں لے سکتے۔ ایک اور امکان یہ ہے کہ گو فرانس کو فتح کا یقین نہ ہو، تاہم وہ اپنی اندرونی مصالح کی خاطر جنگ چھیڑ دے جیسا کہ اس نے ۱۸۷۰ء میں کیا تھا۔ اور حقیقت میں کوئی وجہ نہیں کہ بولان ژرے ایسا کیوں نہ کر گزرے گا۔

یہ بولان ژرے وہ فرانسیسی سپہ سالار تھا جس نے الجزائر، اطالیہ، ہند چینی اور ۱۸۷۰ء کے معرکوں میں حصہ لیا تھا[1] اور ۱۸۸۶ء میں وزارت

---

[1] بولان ژرے کی تحریک کا، جہاں تک بیرونی ممالک سے سیاسی روابط کا تعلق ہے۔

جنگ کی فوج پیادہ کا ناظم مقرر ہوا۔ پھر ۱۸۸۵ء میں افواج تیونس کا سپہ سالار بنایا گیا اور وہاں سے آئندہ سال پیرس واپس آیا تو کلیمنسو اور

بولان ژے کا عروج

فریق اصلاح طلب کے زیر علم سیاسیات کے بھنور میں کود پڑا۔ اور جنوری ۱۸۸۶ء میں فرے سی نے اسے وزیر جنگ مقرر کیا خود فرے سی نے سچا جمہوریت پسند تھا لیکن ایسے شعلہ خو آدمی کو عہدۂ وزارت پر مقرر کرنے کے معنی یہ تھے کہ وہ ناسمجھی سے جمہوریت ہی کی زندگی کو معرض خطر میں ڈال رہا ہے۔ نئے وزیر نے بڑی ہنرمندی سے جال پھیلایا اور ملازمت کے قواعد میں ضروری اصلاحیں کر کے سردار و سپاہی سب کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ لیکن چونکہ اس کے دوسرے کام ایسے معصومانہ نہ تھے لہٰذا لوگوں میں سرگوشیاں اور نگرانیاں شروع ہوئیں۔ ۱۸۸۶ء میں جرمن سفارت خانے کے باہر بھی لوگ چونکنے ہونے لگے[۱]۔ چنانچہ لارڈ لائنز نے ۲ جولائی ۱۸۸۶ء کے مراسلے میں اپنی حکومت کو لکھا کہ "آج کل سب سے زیادہ چرچا بولان ژے کے طرز عمل کے متعلق ہو رہا ہے کہ اس نے آہستہ آہستہ فوجی سپہ سالاریوں پر اپنے آدمی بھر لیے ہیں اور سنا جاتا ہے کہ مجلس وزرا میں بھی سخت زبانی سے پیش آیا جس انداز سے لوگ باتیں کرتے ہیں اُن سے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کرم ول یا منک بن جانے کی فکر میں ہے" دو ہفتے بعد انگریزی سفارت خانے کے عہدہ دار لارڈ نیوٹن نے بولان ژے کی پہلی مرتبہ پیرس کے ایک بڑے فوجی جائزے میں آمد کو ان الفاظ میں بیان کیا کہ "یہ گندم نما، سرکس کے ایک سیاہ تھرکتے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا اور جس وقت وہ آگے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مطالعہ کرنا ہو تو بہترین مضمون ایتین میں ل الیمان اے ل فرانسہ ہے موسیو آلٹن بائر نے لایاں دیسول دات" میں بولان ژے کی بڑی رنگین تصویر کھینچی ہے۔

[۱] ڈائی گروس پولی ٹیک" چہارم۔ ۱۲۵-۲۲۲

پیچھے اچھل کود کرتا پھرتا تھا اور لوگ گلے پھاڑ پھاڑ کے احسنت و مرحبا کے نعرے لگاتے تھے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ صدر جمہوریت گراوی اور دولتمند طبقے کے وزرا اور مبعوثین (جنھیں ایسا تماشے دیکھنے کی عادت نہ تھی) اپنی جگہ پر لرزے جاتے ہیں۔ وہی لوگ جنھیں سب سے بولانژے نے خطرناک آدمی بن گیا۔ گویا سرکس کے گھوڑے نے بازی جتا دی[1]

شہزادہ ہوہن لوہی، سابق جرمن سفیر ان دنوں السّاس لورین کا حاکم تھا وہ پیرس سے ایکسال باہر رہنے کے بعد ۱۰ نومبر ۱۸۸۶ء کی تاریخ اپنے روزنامچے میں اس نئی اور مخدوش صورت حالات کو اس طرح تحریر کرتا ہے کہ "جو چیز میرے لئے سب سے زیادہ قابل توجہ ہے وہ بولانژے کے مرتبۂ قبولیت کا تغیر ہے کہ پچھلے سال کے موسم بہار تک وہ محض ڈھونگیا سمجھا جاتا تھا۔ اور آج مجلس مبعوثین کی اکثریت اس کے ساتھ ہے۔ فرےسی نے میں یہ ہمت نہیں کہ اس سے پیچھا چھڑالے۔ اور فریسی بھی بغیر اسے شامل کئے مشکل سے وزارت مرتب کر سکے گا۔ وہ لوگوں کو اپنا بنانا اور عوام کی نظریں خیرہ کرنے کی حکمت جانتا ہے۔ اگر وہ اور دو سال عہدے پر قائم رہا تو سب کو پورا یقین ہو جائے گا کہ السّاس لورین کو دوبارہ فتح کرنے کی قابلیت کسی میں ہے تو وہ بولانژے میں۔ اور چونکہ وہ بالکل بے اصول اور نہایت پُرہوس آدمی ہے لہذا عوام الناس کو ضرور جنگ کے میدان میں پہنچا دے گا۔ بلاؤوٹز کو بھی اس رائے سے اتفاق ہے اور کہتا ہے کہ بولانژے وزیر رہا تو ۱۸۸۸ء میں جنگ چھڑ جائے گی اگر اہل ملک نے دیکھ لیا کہ یہ انھیں کہاں لے جا رہا ہے تو اس کے اقتدار کے دن پورے ہو جائیں گے۔ اور عہدے سے نکال کر پھینک دیا جائے گا کیونکہ ملک ابھی تک امن و صلح کا طالب ہے۔ البتہ ایکسال

[1] لارڈ نیوٹن: "لائف اوف لارڈ لائینز" ۵۲۱۔

بعد رنگ کچھ اور ہوگا"[1] ایک مہینے بعد انہی خیالات کی بازگشت بلجیم کے قائمقام کی تحریر میں پائی جاتی ہے جس نے لکھا کہ "بولانژے کی ذات میں تمام فرانس کو اپنی آیندہ عظمت کے خوابوں کی تعبیر نظر آتی ہے"

سال کے اواخر میں فرے سی نے کی وزارت شکست ہوئی لیکن اس کے جانشین گوب لے نے اس پُرجوش سپاہی کو وزارت جنگ پر قائم رکھا تو ۱۸۸۷ء کے ابتدائی ہفتوں میں فرانس و جرمانیہ کی جنگ اس طرح تلی نظر آتی تھی کہ

سالسبری اور بلجیم

سالسبری کو غور کرنا پڑا کہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں برطانیہ کا طرز عمل کیا ہونا چاہئیے۔ ۱۸۷۰ء میں گلیڈسٹون اور گرین ول نے یہ طے کر کے کہ متخاصمین میں جو کوئی بلجیم کی غیر جانبداری میں خلل انداز ہوگا اس کے مقابلے میں انگریز مداخلت کریں گے، بلجیم کو بچا لیا تھا لیکن ۱۸۸۷ء میں وزیر اعظم کو دول وسطیٰ کے ساتھ نہایت گہری ہمدردی تھی اور چونکہ وہ کامل یقین رکھتا تھا کہ امن شکنی کا موجب صرف فرانس و روس ہوں گے، لہٰذا اس کا منشا یہ تھا کہ اگر جرمانیہ، فرانس کا حملہ روکنے کی غرض سے بلجیم کے اندر سے فوجیں بڑھائے تو کوئی دست اندازی نہ کی جائے۔ ہم سر فرورسی کو اخبار اسٹینڈرڈ میں جو ان دنوں وزیر اعظم سے خاص ارتباط رکھتا تھا، "ایک خط"، "ڈپ لومے ٹی کس" کے نام سے شائع ہوا اور عام طور پر سمجھا گیا کہ ایک نیم سرکاری حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں لکھا تھا کہ "۱۸۷۰ء میں لارڈ گرین ویل نے عقلمندی سے اقرار کر لیا تھا کہ اگر پروشیہ نے بلجیم کی غیر جانب داری توڑی تو انگلستان فرانس کا ساتھ دے گا اور اگر فرانس نے ایسا کیا تو پروشیہ کے ساتھ ہو جائے گا۔ لیکن کیا لارڈ سالسبری بھی اس قسم کا کوئی عہد کرلے تو وہ قرین صواب ہوگا؟ میرے نزدیک تو

[1] Den Kwurdig Keiten " — دوم - ۴۰۰ و ۴۰۱

اس موقع پر ایسی کوئی کارروائی حد درجے ناعاقبت اندیشی کی بات ہوگی۔ انگلستان کو بلجیم کی سرزمین پر کسی فریق کے حملہ کرنے سے چاہیے جتنا رنج و تاسف کیوں نہ ہو، اس کا فرانس کے ساتھ ہوکر جرمانیہ کے خلاف حصہ لینا، انگریزی حکمت عملی کے خاص مقاصد و اغراض کو بگاڑنے اور برباد کرنے کے مراوف ہوگا" اس نے آخر میں یہ اور اضافہ کر دیا تھا کہ ملک میں سے گزرنا، ملک پر قبضہ کرنا نہیں ہے اور بلجیم کی صیانت میں خلل نہ آنے کی ہم یقیناً بسمارک سے ضمانت حاصل کریں گے۔ اسی اخبار کے ایک مقالہ افتتاحیہ میں ثابت کیا گیا تھا کہ ایک خطرناک جنگ میں الجھنا دیوانگی ہوگی۔ اسی تاریخ (۴ فروری کو) اسٹینڈرڈ نے دلیلیں پیش کیں کہ ۱۸۳۹ء کے معاہدے کی رو سے جنگی اعانت لازمی نہیں ہے۔ ۵ فروری کو اخبار اسپیکٹیٹر نے لکھا کہ بے شبہ ہمیں اصرار کرنا چاہیے کہ بلجیم کو جنگ کا دنگل نہیں بنایا جائے گا۔ باقی فوجوں کے وہاں سے گزرنے کو ہم نہیں روکیں گے نہ روک سکتے ہیں یہی صدا مورننگ پوسٹ میں گونجی کہ ہم سوائے اعتراض کرنے کے اور اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ سر چارلس ڈلک نے "فورٹ نائٹ لی ریویو" میں ایک مضمون، جس پر بہت کچھ بحث مباحثے ہوتے رہے تحریر کیا اور لکھا کہ بلجیم کے ساتھ اب ویسی ہمدردی کسی کو نہیں ہے جیسی پہلے تھی[1]۔ ادھر مصر کے مناقشے سے لارڈ سالسبری کے دل میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور (۵ فروری کو) اس نے لارڈ لائنز کو لکھا کہ اس خواہش کو دل میں نہ آنے دینا مشکل ہو گیا ہے کہ فرانس و جرمانیہ کی پھر جنگ چھڑ جائے کہ یہ ختم نہ ہونے والا قضیہ کسی طرح تو ختم ہو۔ مارچ میں ڈلسپ نیم سرکاری طور پر برلن گیا اور صدر اعظم کو

---

[1] یہ مضمون مصنف کی کتاب "پریزنٹ پوزیشن اوف یوروپین پولیٹکس" میں داخل کر لیا گیا ہے۔

اس نے اطمینان دلایا کہ رئیس جمہوریہ فرانس اور مجلس وزرا امن کے حامی ہیں۔ اور یہ وہ بات تھی جس کے متعلق بسمارک کو خود کوئی شبہ نہ تھا۔ لیکن جب تک بولان ژے قومی شوربا بنا ہوا رہے، صلح و امن کی پائیداری پر کوئی بھروسہ نہ ہوسکتا تھا۔ فرانسیسی سفیر نے اپنی حکومت کو مطلع کیا کہ "جرمانیہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ صرف ایک خلاف مصلحت لفظ کا زبان سے نکلنا اس بات کے لئے کافی ہے۔ بسمارک بطور حفظ ماتقدم کے ہمیں پامال کر دینے کا فیصلہ کرلے[1] اپریل کے اواخر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عجب نہیں کوئی ذراسی چنگاری سارے یورپ میں آگ بھڑکا دے۔ ۲۰ اپریل کو سرحد کے ایک ناظم کو توالی مسمی شنے بیلیے کو جرمن ناظم نے خط بھیجکر بلایا کہ انتظامی معاملات پر گفتگو کرے۔ لیکن جرمن سرحد میں جب وہ مقام مقررہ پر پہنچا تو اسے فوراً حراست میں لے کر مٹیز کے قید خانے میں پہنچا دیا گیا۔ اس بیجا زیادتی کا عذر یہ کیا گیا کہ اس نے اپنے سرکاری عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا اور جرمن رعایا کو جاسوسی کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اور یہ کہ لائپ زگ کی عدالت عالیہ اس کے متعلق فیصلہ دے چکی تھی کہ جب کبھی وہ سرحد کے ادھر آئے، گرفتار کرلیا جائے۔

شنے بیلیے پر زیادتی

اس واقعے پر فرانسیسی حکومت نے تحمل سے کام لیا اور تحقیقات کرا کے اس کی کیفیت برلن لکھ بھیجی۔ سیاسی گفتگو میں بولان ژے کی آتش زبانی سے پیچیدگی پیدا ہوگئی تھی مگر صدر جمہوریہ نے اسے تنبیہہ کی۔ یہ خطرناک کشیدگی اس وقت دور ہوئی جب کہ بسمارک کو اطمینان ہوگیا کہ واقع میں شنے بیلیے کو خط بھیجکر سرحد پار بلایا گیا تھا[2] وس د

[1] بورژدیلے اے پاڑے: "اور ہی جلن ... گرنید گوار" صفحہ ۲۲۲، ۲۲۱۔

[2] شنے بیلیے کے واقعے کا بہترین حال لبین (" لا ماں اے لا فرانس) میں تحریر ہے۔ نیز دیکھو دای گروس پولی ٹیک" جلد چہارم ۔ ۱۸۲ تا ۱۸۹۔

میں شنّے بیلے کو رہائی ملی مگر وہ اپنے عہدے سے الگ کر دیا گیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا بایں ہمہ اہل فرانس سمجھے کہ اس پیرائے میں جرمانیہ جنگ کا حیلہ نکالنا چاہتی تھی اور ادھر جرمن اخبار علانیہ منادی کرنے لگے کہ بولان ژے فرانس کا مالک ہے اور جب چاہے جنگ کا اعلان کر سکتا ہے۔

بولان ژے کا خواجہ تاش، فرے سی نے گواہی دیتا ہے کہ درصل بولان ژے جنگ کا خواستگار نہ تھا۔ البتّہ یہ اُسے ضرور خوش آتا تھا کہ اہل فرانس اس کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ وہ ان کی منزل فتح تک رہنمائی کر سکتا ہے جو کچھ ہو، اس میں تو شک نہیں کہ وہ آگ سے کھیل رہا تھا کیونکہ اُس نے مجلس وزرا میں خیال ظاہر کیا کہ سرحد پر تھوڑی سی فوجیں مجتمع کر دی جائیں یا کسی قسم کا جنگی مظاہرہ کیا جائے۔ اب تو بانیان صلح کو حرکت کرنی پڑی اور ژول فیری نے صدر جمہوریہ سے اپنی آمادگی ظاہر کی کہ میں مجلس مبعوثین میں تغیر پیدا کرائے دیتا ہوں۔

بولان ژے کا خاتمہ

اسی تجویز کے مطابق گوبلے نے استعفیٰ دیا اور روئیے نے بغیر بولان ژے کے مجلس وزارت مرتب کر لی جو کلیرمور فیران میں ایک جیش کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا۔ پھر بھی عوام میں اُس کی ہر دلعزیزی باقی رہی۔ ایکسال بعد رخصت حاصل کئے بغیر پائے تخت چلے آنے پر اسے اس خدمت سے بھی علیحدہ کر دیا گیا لیکن وہ مجلس کی رکنیت کے لئے اس غرض سے کھڑا ہوا کہ وہ دستورکی ترمیم و نظر ثانی کی تحریک کرے پیرس کے مزدور پیشہ گروہ کے ایک حلقہ نے اسے بڑی بھاری کثرت رائے سے منتخب کیا۔ لیکن جمہوریہ کی خوش نصیبی اور امن عالم کے دن سیدھے تھے کہ اس موقعے کو بولان ژے نے ہاتھ سے جانے دیا اور یہ سن کر کہ اس کی حراست کے حکمنامے پر دستخط ہو گئے ہیں، وہ بروسلز بھاگ آیا۔ پھر غیاب میں ہی اس کو

غداری کا مجرم قرار دیا گیا اور یہ خطرناک و بدنام زندگی خودکشی کے ذریعے ختم ہوئی۔

جس وقت جرمنوں کی آنکھیں پوری توجہ سے بولان ژے کی ہمنڈ بلیے پن کی حرکتوں پر گڑی ہوئی تھیں، بسمارک کو زیادہ فکر اپنے مشرقی ہمسائے کی ہو رہی تھی کیونکہ فرانس کا کوئی حملہ تو روس کو میدان جنگ میں لاتا یا نہ لاتا، روس کے حملہ کر بیٹھنے کی صورت میں یقینی بات تھی کہ مغرب میں شرارۂ جنگ بلند ہو جائے گا۔ دوسرے فرانس کی دشمنی لاعلاج چیز تھی اور زار کو رام کر لینے کا ہنوز امکان باقی تھا۔ جنوری ۱۸۸۷ء میں زار نے قیصر کو لکھا کہ شہزادہ الکزنڈر کو بلغاریہ میں واپس آنے کی اجازت نہ دی جائے اور قیصر نے وعدہ کیا کہ میں اپنے اختیار تمیزی سے کام لونگا۔ اپریل میں صدر اعظم نے سپر ٹیرو گرڈ سے روسی اخباروں کی بے روک شر رفشانی کی شکایت کی اور گائرز نے بھی جی کڑا کر کے سرکاری اخبار میں جرمانیہ کے خلاف جو شور و شر ہو رہا تھا، اس پر ملامت کی۔ اس تحریر میں

کیٹ کوف کی جھڑپ گائرز سے

کیٹ کوف کا نام مذکور نہ تھا لیکن جرمنوں کے احتجاج اور پیٹرو گرڈ کی تنبیہ کا مخاطب ماسکو گزٹ ہی کا اڈیٹر تھا۔ جواب میں کیٹ کوف نے معترض کی اس طرح بگڑ کر خبر لی کہ زار نے اسے حکم دیا کہ اس معاملے میں گائرز کے ساتھ زبانی گفتگو کرے تو وزیر خارجہ نے واجبی طور پر اپنے حریف سے ملاقات کرنے سے انکار کیا اور عہدے سے علیٰحدہ ہو جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ زار کا منشاء اپنے تجربہ کار وزیر کو الگ کرنے کا نہ تھا لیکن اس کے مشیروں کی رائیں مختلف تھیں اور اسے سوائے اس کے کچھ بن نہ پڑتی تھی کہ بار ہی باری دونوں فریقوں کی روک تھام کرتا رہے کو ۱۴ مارچ کو ایک فرمان شاہی نافذ ہوا کہ مشرقی سرحد پر شہروں کے باہر

جن پردیسیوں نے زمین لے رکھی ہے وہ تین سال کے اندر اسے فروخت کر دیں۔ بجز اس صورت کے کہ وہ انھیں جدی وراثت میں ملی ہو یا ایسے وارث کی ملکیت ہو جو شادی شدہ ماں باپ کی اولاد اور فرمان کے اجرا سے قبل روس میں موجود تھا۔ چونکہ اس علاقے کے تمام زمیندار جرمن تھے لہذا یہ حکم گویا حکومت برلن سے براہِ راست جنگ مول لینے کے مرادف تھا اور اس کے جواب میں جرمانیہ کے اخباروں نے روس کو قرض دینے کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا۔

ہرچند زار نے کیٹ کوف کی شر فشانی سے اغماض برتا اور جرمن مالکانِ زمین کو زمین چھوڑ دینے کے حکم پہنچ گئے باایں ہمہ گائرز کا ابھی تک بہت کچھ رسوخ و اقتدار تھا اگرچہ خود اس نے ایک مرتبہ شکایت کی تھی کہ "میں تو محض برائے نام اور لاشئے ہوں اور سوائے اپنے فرمانروا بادشاہ کے قلم اور زبان ہونے کے ذاتی طور پر کوئی حقیقت نہیں رکھتا"۔ بہرحال، اس کا رسوخ حصولِ امن و اعتدال کی حمایت میں صرف ہوتا تھا۔ اب اتحاد قیاصرہ کی تجدید یا تنسیخ کا وقت بھی آگیا جو ۱۸۸۱ء میں قلمبند ہوا اور ۱۸۸۴ء میں اس کی توسیع ہوئی تھی۔ بسمارک تو قدرتی طور پر اس فکر میں تھا کہ نہ صرف برلن اور پیٹرز برگ کا رشتہ ارتباط قائم رہے بلکہ روس و آسٹریہ کی راہ و رسم میں کوئی فرق نہ آنے پائے ادھر گائرز بھی اس معاہدے کو قائم رکھنے کا اتنا ہی خواہشمند تھا لیکن وہ فریاد کرتا تھا کہ میری رائے ماننے والا کوئی نہیں نظر آتا کیونکہ گو زار کے دل میں فرانسس جوزف کی بڑی عظمت ہے اور وہ اس پر حملہ کرنے کے ارادے سے اسی قدر خلاف ہے جس قدر قیصر ولیم پر چڑھائی کرنے سے۔ باایں ہمہ ہنگری کی روس کے ساتھ خصومت کی بنا پر، جو عالم آشکارا تھی، وہ ویانا کے ساتھ عہد دوستی کا پابند نہیں رہ سکتا۔ اور اگر معاہدے کی تجدید کا حال عام لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ یہی بدگمانی کریں گے کہ

زار فی الواقع وی آنا کے اثر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا۔" ان سب مشکلات کے باوجود زار حکومت برلن سے رشتہ اتحاد قائم رکھنے پر آمادہ تھا اور لمبی چوڑی بحث و گفتگو کے بعد ۱۱ مئی کو روسی سفیر شوالوف نے ان دو سلطنتوں کے درمیان عہد نامہ ہونے کی باضابطہ تجویز پیش کی۔[1] صدر اعظم نے جواب دیا کہ بجز اس صورت کے کہ خود آسٹریا حملہ کرے، جرمانیہ روس و آسٹریہ کی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا وعدہ نہیں کر سکتی اور عہد نامہ ۱۸۷۹ء کی دفعات نافذہ بھی روسیوں کو اپنے حلیف کی اجازت سے دکھا دیں۔ شوالوف نے کہا کہ اسی طرح روس بھی صرف اس صورت میں غیر جانبداری کا وعدہ کر سکتا ہے جب کہ فرانس جرمانیہ پر حملہ آور ہو۔ غرض ان بنیادوں پر عہد نامے کی تشکیل میں کچھ دقت نہ ہوئی اور ۱۸ جون کو شوالوف اور ہربرٹ بسمارک کے جواب ترقی پاکر وزارت خارجہ کے عہدے پر مامور تھا، ایک سہ سالہ عہد نامے پر دستخط کر دیئے۔ اسی واقعے پر کہ خود صدر اعظم نے اپنے بیٹے سے معاہدے پر دستخط کرنے کی درخواست کی، گائرز نے خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ معاہدہ جرمانیہ کی نسبت روس کے حق میں زیادہ مفید ہے۔

بسمارک و روس

معاہدے کی تمہید میں لکھا تھا کہ چونکہ روسی و جرمانیہ سرکاروں نے ارادہ کیا ہے کہ ۱۸۸۱ء کے خفیہ معاہدے کو جس کی تجدید ۱۸۸۴ء میں ہوئی تھی، اور جو ۲۷ جون کو ختم ہونے والا ہے آئندہ بھی قائم رکھیں لہٰذا وہ عہد کرتی ہیں کہ :-

[1] دیکھو ڈائی گروس پولی ٹیک۔ ضمیمہ ۲۱۱ تا ۲۶۸ امریکن ہسٹوریکل ریویو ماہ جنوری ۱۹۱۸ء۔ یہ پال شوالوف اس پیٹر شوالوف کا بھائی تھا جو موتمر برلن میں روس کا نمائندہ ہوکر آیا تھا۔ روس و جرمانیہ کا یہ تجدیدی معاہدہ پریبرام میں منکشف کر دیا گیا۔ "سیکرٹ ٹریٹیز" جلد اول۔

خفیہ معاہدہ

(۱) فریقین میں سے اگر ایک فریق کسی تیسری بڑی طاقت سے مصروف جنگ ہو، تو دوسرا فریق دوستانہ غیر جانب داری پر قائم رہے گا اور جنگ کو مقامی بنانے کی کوشش کرے گا مگر یہ دفعہ آسٹریہ یا فرانس کی ایسی جنگ کے معاملے میں، جو متعاہدین میں سے کسی کے حملے کی بنا پر چھڑ جائے عائد نہ ہوگی ۔

(۲) جرمانیہ ان تاریخی حقوق کو جو روس نے جزیرہ نمائے بلقان میں حاصل کرلئے ہیں، خاص کر بلغاریہ اور مشرقی رومیلی میں اس کے قطعی اور سب سے فائق اثر کو تسلیم کرتی ہے دونوں سرکاریں اقرار کرتی ہیں کہ مذکورۂ جزیرہ نما کی حالت حاضرہ میں، پہلے سے کوئی باہمی قرارداد کئے بغیر کسی قسم کا تغیر جائز نہ رکھیں گی اور ان کی رضامندی کے بغیر اس حالت حاضرہ میں کوئی اور طاقت تغیر پیدا کرے گی تو متعاہدین ایسی ہر کوشش کی مزاحمت کریں گے ۔

(۳) دونوں سرکاریں ابنائے دردانیال کے بند کئے جانے کے اصول کو جو باہمی اور یورپی عہد کی نوعیت رکھتا ہے، تسلیم کرتی ہیں وہ اس بات کی نگران رہیں گی کہ سلطنت ترکی کسی حکومت کو ابنائے جنگی اغراض کے لئے مستعار دے کر، مذکورۂ بالا اصول میں کوئی استثنیٰ نہیں کرے گی۔ اور جس صورت میں اس کی خلاف ورزی کی جائے یا کئے جانے کا اندیشہ ہو تو اسے روکنے کی غرض سے دونوں سرکاریں حکومت ترکی کو مطلع کردیں گی کہ ایسا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ترکی فریق ضرر رسیدہ کے مقابلے میں شریک جنگ ہو رہی ہے اور اسی بنا پر آئندہ اس ضمانت سے اپنے آپ کو محروم کر رہی ہے جو اس کی صیانت ممالک کے متعلق ۱۸۷۸ء کے عہد نامے میں اسے دی گئی تھی[1]

اس عہد نامے کی تکمیل ایک "زائد اور نہایت مخفی معاہدے" کے

---

[1] یہ دفعہ معاہدہ ۱۸۸۱ء میں درج ہوئی تھی ۔

ذریعے کی گئی تھی کہ

(۱) جرمانیہ، زمانہ گزشتہ کی طرح آئندہ بھی روس کو بلغاریہ میں ایک باقاعدہ اور موافق قانون حکمت از سر نو قائم کرنے میں مدد دے گی۔ اور وعدہ کرتی ہے کہ شہزادہ بیٹن برگ کی بحالی سے رضامند نہ ہوگی کہ

(۲) اگر زار مجبور ہوکر روسی اغراض کے حفظ و حمایت کی خاطر بحر اسود کے دہانے کا دفاع کرے تو جرمانیہ وعدہ کرتی ہے کہ وہ ان کارروائیوں کی سیاسی اور اخلاقی تائید کرے گی جنہیں زار اپنی سلطنت کی کنجی کی پاسبانی کرنے کی غرض سے ضروری سمجھتا ہو کہ

واضح رہے کہ ۱۸۷۹ء میں "اتحاد دولتین" کی تشکیل سے تو زار کو فوراً مطلع کر دیا گیا تھا لیکن ۱۸۸۷ء کے اس معاہدہ "تجدید ضمانت"

اخفا کی وجوہ

کی جرمانیہ نے اپنے حلیف فرانسس جوزف کو بالکل خبر نہ کی اور گرمیوں میں جب دونوں بادشاہوں کی گاسٹین میں ملاقات ہوئی تو قیصر ولیم نے صرف اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ زار اتحاد قیاصرہ سے الگ ہو گیا۔ اس اخفا کا سبب یہ تھا کہ زار روسی اسلافیت پرستوں کو اور اشتعال دلانا نہ چاہتا تھا۔ لیکن بسمارک کو غداری کے الزام سے اس قدر کم خوف تھا کہ اس نے یہ تمنا ظاہر کی کہ روس اس راز کو فاش کر دے۔ اور اپنے عہدے سے علیحدہ ہونے کے بعد خود اس نے اُسے منکشف کر دیا۔

چونکہ آسٹریہ نے ۱۸۷۹ء میں ایک غیر محدود ضمانت لینے سے انکار کر دیا تھا، لہذا بسمارک کو فرانس کے حملے اور اس کے امکانی نتائج سے جرمانیہ کو بچانے کی دوسری تدبیریں ڈھونڈنی ضروری تھیں رہا روس پر حملہ ہونے کی صورت میں غیر جانب دار رہنے کا وعدہ، تو یہ کسی طرح آسٹریہ کے اتحاد کے منافی یا اس کی خلاف ورزی نہ تھا کیونکہ آسٹریہ سے جرمنوں کا اقرار صرف یہ تھا کہ اس پر حملہ کیا گیا تو وہ

اسے روکرنے میں آسٹریہ کی مدد نہ کریں گے۔ مزید برآں بسمارک کی نظر میں روسیوں سے جرمانیہ کا یہ معاہدہ آسٹریہ کے حق میں مفید تھا کہ اس کے ذریعے جرمانیہ کو روس کی حکمت عملی میں ایک حد تک دخل حاصل ہوگیا تھا۔ الغرض اس ہنگامے سے جس نے اتحاد قیاصرہ کا خاتمہ کیا اور آسٹریہ اور روس کو لڑائی کے کنارے تک پہنچا دیا تھا، جرمن صدر اعظم کی فطانت نے اپنی تعمیر کردہ سلطنت کی حفاظت کے واسطے جدید سامان فراہم کرلئے یعنی یہ وعدہ کرکے کہ آسٹریہ کے لڑائی چھیڑنے کی صورت میں جرمن الگ رہیں گے، اس نے روس کو پابند بنالیا کہ فرانس جرمانیہ پر حملہ کرے تو روس غیر جانب دار رہیگا۔ چونکہ اس "تجدید ضمانت" کی اہل روس کو آسٹریہ والوں کی طرح کچھ خبر نہ تھی، لہذا اس معاہدے کا ظاہری تعلقات پر کوئی اثر نہ پڑا۔ گو اسلافیت پرستوں کی فوج کیٹکوف کے انتقال میں مرنے سے بے سری رہ گئی تھی، تاہم اخبار اسی طرح جرمانیہ پر کرتے اور اپنی حکومت کے فرانس کے ساتھ روابط پیدا کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ ۱۱ ستمبر کو بسمارک نے بہت ترش ہوکے شکایت لکھی جس کا گائرز نے یہ جواب دیا کہ مجھے اخباری حملوں کا نہایت رنج ہے جن کا ہدف خود میں بھی اسی قدر ہوں جس قدر کہ جرمن صدر اعظم۔ اسی بنا پر اس نے کئی موقعوں پر عہدے سے سبکدوش کر دیے جانے کی التجا بھی کی لیکن زار نے اخباروں کو ذرا وقعت کے قابل نہ سمجھا اور کوئی کارروائی کرنے سے انکار کردیا۔ روس کا وزیر داخلہ، کاؤنٹ ٹولسٹائی ممتاز مخالفت کرنے والوں میں تھا۔ اور پوبی ڈونوس ٹسیف کا رسوخ بہت بڑا کام کر رہا تھا۔ مگر اس کے مقابلے میں، گائرز اپنے سر کی قسم کھاتا تھا کہ زار کبھی قیصر ولیم اور اس کے بیٹے یا پوتے کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ جو اس کشاکش کو جس شے نے بڑھایا وہ یہ تھی کہ بعض فتنہ پرداز

جعلسازونکی کارستانی

برلن و پٹیرز گریڈ میں قطع تعلق کرا دینے کی سازباز میں مصروف تھے اوائل خریف میں بعض تحریریں فرانسیسی حکام کے ہاتھ لگیں اور انہوں نے بغیر ان کی صحت کا امتحان کئے انھیں زار کے حوالے کر دیا جب کہ وہ ڈنمارک آیا ہوا تھا ان میں ایک خط شہزادہ فرڈی نینڈ کی طرف سے فلینڈرس کی کونٹس کے نام تھا جس میں ظاہر کیا تھا کہ اگر برلن سے تقویت نہ پہنچتی تو میں بلغاریہ کے تخت و تاج کو قبول نہ کرتا۔ اور دوسرے خط میں خبر دی تھی کہ جرمن کارندے مجھے بار باریقین دلاتے رہتے ہیں کہ جرمن حکمت عملی بدلا چاہتی ہے ایک خط میں جس پر کسی کے دستخط نہ تھے اور بظاہر وہی آنا کے جرمن سفیر شہزادہ ریوس کی طرف سے لکھا ہوا تھا، بیان کیا تھا کہ "ہم سر دست اس کو تسلیم نہیں کر سکتے لیکن ہم اس کی تائید کر سکتے ہیں" کائزر نے ان تحریروں کو دیکھتے ہی جعلسازی معلوم کر لی اور اپنے آقا سے کہہ دیا کہ وہ جعلی ہیں۔ زار نے جواب دیا کہ یہ سارا معاملہ مجھے بھی خلاف قیاس نظر آتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ شہزادہ ریوس اس قسم کی فریب کاری کبھی نہ کرے گا۔ پھر اس نے کہا کہ آئندہ ملاقات کے وقت میں خود بسمارک سے اس بارے میں گفتگو کروں گا۔ شہزادہ ریوس سے پوچھا گیا تو اس نے ایسا خط فرڈی نینڈ کو لکھنے سے قطعی انکار کیا۔ فرڈی نینڈ نے یہی کہا کہ میں نے فلینڈرس کی کونٹس کو کوئی خط نہیں لکھا اور اس خاتون نے بھی تصدیق کی کہ مجھے ایسی کوئی تحریر فرڈی نینڈ کی نہیں ملی[1] زار ۱۸ ؍ نومبر کو برلن ہوتا ہوا وطن واپس ہوا تو خود بسمارک کی زبان سے اس نے سُنا کہ یہ سب محض جعلسازوں کی دیدہ دلیری ہے۔ بسمارک اپنا یقین ظاہر کرتا تھا کہ میں نے فرمانروائے روس کے ذہن سے ان

[1] اس جعل کا ارتکاب مختلف پایۂ تختوں اور مختلف اشخاص سے منسوب کیا گیا۔ دیکھو مہ گروس پولی ٹیک "پنجم - ۵ - ۳۲۸

شبہات کو بالکل دور کر دیا اور زار نے گائرز سے بھی یہی کہا کہ مجھے بسمارک کی گفتگو سے اطمینان ہو گیا ہے۔ بایں ہمہ بسمارک کو یہ منظور نہ تھا کہ کوئی ایسا خطرہ جس سے بچنا ممکن تھا، مول لیا جائے۔ چنانچہ اس نے اسی مہینے میں ممانعت کر دی کہ روسی کفالت پر جرمانیہ کے قومی بینک (= ریش بینک) سے قرضہ نہ دیا جائے کہ کہیں اس جرمن روپے سے روسی دراز دستی کے سامان مہیا کیے جائیں۔ اگرچہ ایسا کرنے میں اندیشہ موجود تھا کہ روس ادھر سے مایوس ہو کر فرانسیسی ساہوکارے کی امداد لے گا۔

اہل روس و فرانس کی جرمانیہ اور برطانیہ دونوں سے دشمنی دیکھ کر سالسبری اور بسمارک مجبور ہوئے کہ باہم قوی رابطہ رکھیں۔ برطانیہ کلاں بحر روم کی حالت حاضرہ کو بجنسہ قائم رکھنے میں آسٹریہ اور اطالیہ کا جس طرح ساتھ دے رہی تھی، اس نے انگریزوں کو قریب قریب اتحاد ثلاثہ کا رکن بنا دیا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود سالسبری کو خوف تھا کہ شہزادہ ولیم کی تخت نشینی سے جس میں اب زیادہ دیر نہ ہو سکتی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ جرمن حکمت عملی کا رخ بدل جائے اور روس کی طرف اس کا پلڑا جھک جائے چنانچہ ۱۰ر نومبر کو اس نے براہ راست بسمارک کی طرف سے کسی اطمینان دہی کی تمنا ظاہر کی۔[1] صدر اعظم نے ۲۲ر نومبر کو جواب دیا کہ مسٹر فیلٹ کے ساتھ تمہاری جو گفتگو ہوی اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ بلا کسی واسطے کے باہم اظہار رائے کرنا مفید ہو گا اور ہماری دونوں کی حکمت عملی کے

سالسبری بسمارک کی طرف جھکتا ہے۔

[1] اس طرح ۲۲ر نومبر کا مشہور قلمی خط میں اتحاد کی درخواست تو درکنار خود بسمارک کی طرف سے کسی سلسلہ جنبانی کی نوعیت بھی نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ محض اطمینان دہی کی خواہش پر بطور جواب لکھا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو "گروس پولی ٹیک" چہارم۔

کے متعلق جو شکوک ہوں، انہیں رفع کرنے میں مدد دے گا۔ ہماری قوموں کی بہت سی اغراض متحد ہیں، اور اسی کے ساتھ بہت سے وہ پہلو موجود ہیں جن کے متعلق اختلاف پیدا ہوسکتا ہے نیز تم اور جرمانیہ ایک دوسرے پر ایسا بھروسہ رکھتے ہو کہ ہم ایسی صاف گوئی سے، جس کا ارباب سیاست میں عام طور پر دستور نہیں ہے، اپنا عندیہ ظاہر کرسکتے ہیں کہ تمہارا یہ اندیشہ کرنا کہ ممکن ہے شاہ ولیم انگلستان کی مخالفت کا طرز عمل اختیار کرے ایسا ہی غلط ہے جیسا یہ خیال، کہ شاید جرمن وليعهد آیندہ انگلستان کی پیروی کرنی پسند کرے۔ دراصل یہ دونوں فرمانروا صرف جرمن مصالح کی پیروی کریں گے اور ان مصالح کو قائم رکھنے کی تدبیر ایسی صاف ہے کہ اس سے اعراض و انحراف کرنے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ سمجھنا کہ حکومت جنگ کی ضرورت سمجھائے بغیر قوم کو کسی بڑی جنگ کے مصائب میں پھنسا دیگی محض لغو ہے۔ بے شبہ ہماری فوج تیار ہے اور سلطنت کی صیانت و آزادی پر کوئی آنچ آئے، تو لاکھوں آدمی قومی جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔ لیکن یہ سب قوتیں دفاع کے لئے ہیں اور صرف اس وقت حرکت میں آئیں گی جب کہ ہم پر کوئی حملہ کیا جائے۔ مطلب کو زیادہ صاف کرنے کے لئے عملی مثال یہ ہے کہ ہم اپنی مشرقی اغراض

بسمارک کی اطمینان دہی سالسبری کو

کے واسطے نہیں لڑیں گے۔ سلطان ہمارا دوست ہے مگر ہم اس کے لئے جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فی الواقع حملہ ہونے کے سوائے اور کوئی ایسی صورت نہیں ہے جس میں فوج آرائی جائز ہو۔ جرمانیہ کے ہمسائے میں تین بڑی طاقتیں ہیں۔ اس کی سرحدیں غیر محفوظ ہیں اور وہ اس بات سے غافل نہیں ہوسکتی کہ ممکن ہے اس کے خلاف کوئی جتھا تیار ہو جائے۔ ہماری اغراض کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی صورت پیدا نہ ہونے دیں اور ضرورت ہو تو اس کے لئے تلوار سے

کام لیں۔ آسٹریہ کا مضبوط اور بڑی طاقت رہنا، جرمانیہ کے واسطے ایسا ضروری ہے کہ بادشاہوں کی شخصی پسند و ناپسند سے اس میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ آسٹریہ، جرمانیہ اور انگلستان کی طرح ایسی سلطنت ہے جسے میٹرنش کی زبان میں "سیراب" کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ان تینوں کا شمار امن پسند طاقتوں میں ہے۔ اس کے برعکس فرانس اور روس کے ہماری جانب سے تیور بگڑے نظر آتے ہیں۔ ان میں اہل فرانس کی یہ روش تو ان کی طبائع اور قدیم روایات کے موافق ہے اور روس نے اب لوئی چہاردہم اور نپولین کا تہدید انگیز رویہ اختیار کرلیا ہے۔ اصل میں وہاں کی انقلاب انگیز جماعت کو توامید ہے کہ جنگ سے وہاں کی شخصی بادشاہی کا خاتمہ ہوجائے گا اور بادشاہی پسند گروہ یہ سمجھتا ہے کہ جنگ، انقلاب انگیزی کا فتنہ فرو کردے گی۔ غرض ہم ہروقت خطرے میں ہیں اور لازماً ہمیں دوسری قوتوں سے اتحاد کرنے کی فکر کرنی پڑے گی۔ ہم خواہشمند ہیں کہ دوستدار سلطنتیں جنہیں ممالک مشرق میں اپنی اغراض کی حفاظت مقصود ہے، ایکا کرکے اپنے آپ کو اس قدر مضبوط بنالیں کہ روسی تلوار میان ہی کے اندر رہے اور اگر باہر آئے بھی تو یہ سلطنتیں اسے روکنے میں مدد دیں۔ خود ہم اس وقت تک کہ جرمن اغراض کو خطرہ نہیں، غیر جانب دار رہیں گے۔ جرمانیہ روس کے واسطے کبھی نہیں لڑے گی۔ لیکن اگر روسی حملوں سے آسٹریہ کی آزادی خطرے میں پڑجائے یا انگلستان یا اطالیہ میں فرانس کی فوجوں کے گھس جانے کا اندیشہ پیدا ہو تو جرمانیہ کو میدان میں اترنا پڑے گا۔ جرمن حکمت علمی کی راہ یہی ہے اور وزیر یا بادشاہ کوئی اس راستے سے اسے نہیں پھیرسکتا۔" خط کے آخر میں لکھا تھا کہ اسے شاہ ولیم کو سنا دیا گیا اور اس نے بھی اسے پسند کرلیا ہے اور سالسبری کی درخواست کہ جرمانیہ و آسٹریہ کے عہد نامہ کی عبارت دیکھنے کا موقع دیا جائے، منظور کرلی گئی ہے۔

سالسبری کا جواب

۳۰ر نومبر کو سالسبری نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ "میں آپ کے اعتماد کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس وثوق کی بنا پر کہ ہماری دونوں قوموں کے باہمی روابط اور اغراض کی بہت کچھ یکسانی اسی کی متقاضی ہے، خود بھی اعتماد کامل کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ ہٹنر فیلٹ سے میں نے جن شکوک کا اظہار کیا تھا ان کی وجوہ بیان کروں۔ اگر فرانس و جرمانیہ کی جنگ چھڑ جائے تو روس اگر وہ عقلمند ہو، تو جرمانیہ پر حملہ نہ کریگا۔ بلکہ بلقان یا ایشیائے کوچک پر قبضہ کرکے سلطان کو مجبور کرے گا کہ ایسی تجاویز کو منظور کرلے جو روس کو ابنائے دردانیال و باسفورس کا مالک بنا دیں گی۔ اس بات سے روس صرف اس وقت باز رہ سکتا ہے جب کہ روکنے والی اس سے قوی تر طاقت مقابلے میں موجود ہو اور اس مقابلے کے لئے انگلستان اور اطالیہ کافی نہیں ہیں نہ غالباً برطانیہ کی رائے عامہ ترکی کی حمایت میں ایسی جنگ کی تائید کریگی۔ جس میں صرف اطالیہ اس کی شریک ہو۔ پس تمام انحصار آسٹریہ پر ہو جائیگا۔ اور وہ اس وقت تک جنگ کی جسارت نہیں کرسکتی جب تک کہ جرمن امداد کا پورا یقین نہ ہو کیونکہ انگلستان اور اطالیہ روس کے حملہ کرنے کی صورت میں اس کی کماحقہٗ اعانت نہیں کرسکتے۔ اس طرح آسٹریہ کو غیر جانب دار رہنا ہوگا اور وہ خود بھی ترکی علاقے سے اپنی تلافی چاہے گی۔ آسٹریہ صرف اس وقت دلیری دکھا سکتی ہے جب کہ جرمن اعانت کا اسے پورا بھروسہ ہو۔ سر آلمی میلٹ کے سامنے جب آٹھ شرطیں پیش کی گئیں اور ہمیں عہد نامہ کرنے کی دعوت دی گئی تو اس وقت بھی ہمیں حیرت ہوئی کہ ہمارے لئے جو شے سب سے اہم تھی، یعنی جرمانیہ کا آیندہ طرز عمل اس کے متعلق کچھ بھی نہیں بیان کیا گیا[1] اگر اس قسم کی جنگ میں

[1] اس بحر روم کے دوسرے معاہدے کی طرف اشارہ ہے جو ان دنوں زیر بحث تھا۔

آسٹریہ مطمئن ہو کہ جرمانیہ اس کا ساتھ دے گی تو پھر ان آٹھ شرطوں کے مطابق وہ بخوبی عمل کر سکتی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر گویا انگلستان ایک ایسی حکمت عملی میں شرکت کرے گا جس کا ناکام رہنا شدنی امر ہے۔ یعنی ایسی صورت میں کہ جرمانیہ فرانس کے ساتھ جنگ کرے اور روس کے مقابلے میں غیر جانب دار رہے۔ آپ نے اپنی صاف گوئی سے میرے اندیشے زائل کر دیئے اور مجھے آسٹریہ اور جرمانیہ کا عہدنامہ دکھایا نیز میلٹ کو مطلع کر دیا کہ قیصر انگلستان، اطالیہ اور آسٹریہ کی باہمی مفاہمت کو پسند کرتا ہے۔ پھر یہ کہ آپ نے مجھے مطمئن کر دیا کہ جرمانیہ کا طرز عمل فرماں روائے وقت کی ذاتی پسند و ناپسند پر منحصر نہ ہوگا۔ وہ عہدنامہ جو اس وقت انگلستان، اطالیہ اور آسٹریہ کے درمیان مرتب کیا جا رہا ہے، آپ کی حکمت عملی کے عین موافق ہے۔ وہ دل کی گرہ بند جو گزشتہ سال کا کام ہے، روس کی دراز دستی کا ایک حقیقی سد باب ثابت ہوگی۔ سالسبری کے خط میں نرمی اور بے شبہ دوستانہ رنگ موجود تھا مگر اس کا سب سے اہم اور خاص جزو یہ موکد اشارہ تھا کہ روسی خطرے کو دور کرنے کی بہترین صورت یہی ہوگی کہ جرمانیہ آسٹریہ کی تائید و حمایت پر برابر جمی رہے۔ چند سال بعد بھی سالسبری نے اک ھارڈ اسٹین سے کہا تھا کہ "زار نے مجھے ٹٹولا تھا کہ اگر فرانس و روس کی جرمانیہ سے جنگ چھڑے تو انگلستان اپنی دوستانہ غیر جانب داری کا کیا معاوضہ لے گا۔ مگر چونکہ ہم قول دے چکے تھے کہ اپنے ہاتھ کھلے رکھیں گے، اس لئے میں نے بات کو ٹال دیا۔ اسی طرح جب زار کے خط کے چند روز بعد بسمارک نے بذریعہ خط میرا عندیہ لینا چاہا، تو اس کو بھی میں نے ایسا ہی گول جواب دے دیا[۱]"

جرمانیہ اور آسٹریہ نے طے کر لیا تھا کہ بلغاریہ کے مسئلے میں وہ

[۱] "Erin ne run gen" جلد دوم - ۱۵۴

باہم مختلف الرائے رہیں گے۔ اور جس وقت بسمارک نے دونوں سرحدوں پر خطرہ دیکھکر روس کے ساتھ "تجدید ضمانت" کا عہدنامہ کیا، تو

آسٹریہ اور اطالیہ

اسی زمانہ میں کالنوکی نے بھی ہر طرف نظر دوڑائی کہ ممالک مشرق کی طرف ناسکوئی حرص و آز کو قابو میں رکھنے کے خطرناک کام میں آسٹریہ کا شریک کار کون ہو سکتا ہے؟ ۱۸۸۶ء میں جب سے سالسبری دوبارہ برسر اقتدار ہوا، اس نے کئی بار خواہش ظاہر کی تھی کہ آسٹریہ کے ساتھ اشتراک عمل کی صورت نکلے کیونکہ وہ انگریزوں کے سب سے خوفناک حریف کی جنوبی پیش قدمی میں نئی نئی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی فکر میں تھا لیکن اطالیہ کا ایسا کوئی بلاواسطہ فائدہ روسی ہوس کو روکنے سے متعلق نہ تھا۔ لہٰذا اطالیہ کو ساتھ لینے میں بہت گراں قیمت دینی پڑتی تھی۔ اتحاد ثلاثہ کے قیام سے استخلاص اطالیہ کے جذبے کی آگ بجھ نہیں گئی تھی اور نہ اتحادیوں میں اعتماد و دوستی کے دیرپا تعلقات پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں بسمارک نے ولیعہد آسٹریہ رڈولف سے کہا تھا کہ ہم اطالیہ کی مدد پر کوئی بھروسہ نہیں کر سکتے اور شاہ ہمبرٹ کی وی آنا آمد کے بعد جب فرانسس جوزف نے بازدید کیلئے اطالیہ جانے سے پہلوتہی کی تو اطالیہ والوں نے بہت برا مانا۔ اور شہنشاہ آسٹریہ کو پاپائے رومہ کے جذبات کا جس قدر پاس و لحاظ تھا اسے بھی کچھ مناسب نہ سمجھے۔ ادھر اطالیہ کا ۱۸۸۵ء میں، اپنے اتحادیوں کو اطلاع دیئے بغیر مسووہ پر قبضہ کر لینا برلن و وی آنا میں آئین تہذیب و دوستی کے خلاف سمجھا گیا ہو لیکن ان سب باتوں کے باوجود بلغاریہ میں جو یہ قضیہ پیش آیا تو صورت حالات بدل گئی۔ کیونکہ آسٹریہ کو ایسی لڑائی کے خطرات میں، جس میں جرمن

۱؎ گروس پولی ٹیک : چہارم

مدد اس کے ساتھ نہ ہو، اطالیہ کی طرفداری ضروری نظر آتی تھی۔ ادھر فرانس میں **بولانژی** کا اثر بڑھتے دیکھ کر اطالیہ والے پریشان ہوئے اور اپنے اتحادیوں کا سہارا تکنے لگے۔ یہ جدید اسباب تھے جن کے زیر اثر اتحاد ثلاثہ کی تجدید پر غور و بحث شروع ہوئی جس کی پنجسالہ مدت قریب الاختتام تھی۔[1] اطالیہ کے وزیر خارجہ **روبی لانت** نے بحر متوسط کے ممالک کی علیٰ حالہا رہنے کی ضمانت چاہی، جس سے درحقیقت فرانس کے طرابلس یا شمالی مراکش پر چڑھ دوڑنے کے سد باب کی ذمہ داری مطلوب تھی، اور اس نے لکھ بھیجا تھا کہ بغیر ایسی ضمانت کے اتحاد، محض بے کار ہوگا۔ اس کا یہ مطالبہ بھی تھا کہ اگر **روس** و آسٹریہ آپس میں ترکی کے حصے بخرے کریں تو اس کی اطالیہ کو کافی مدت قبل سے اطلاع دی جائے اور یہ نہ ہو کہ اطالیہ فقط کھڑی تماشا دیکھے۔ بہ الفاظ دیگر، اطالیہ کو بلقان میں اس کا معاوضہ دیا جائے، ان دونوں شرطوں کو کالنوکی مسترد کرنا چاہتا تھا لیکن بسمارک نے اصرار کیا کہ بین بین معاملہ کر لیا جائے کیونکہ اسے خوف تھا کہیں یہ کچے پن کا حلیف، طرابلس میں اپنے مقاصد تسلیم کرا کے اپنے آپ کو فرانس کے ہاتھ بیچ دے کیونکہ ان مقاصد کو مان لینے پر فرانس آمادہ بھی تھا۔

اتحاد کی تجدید

جدید حالات کے مدنظر **روبی لانت** کی تجویز یہ تھی کہ ایک عہد نامہ مرتب کیا جائے کہ یورپی ترکی کے سواحل کے قبضے میں کوئی اس قسم کا تغیر نہ کیا جائے گا جو اتحادیوں کی اغراض میں ضرر رساں ہو۔ اور اگر کوئی چوتھی سلطنت اس قسم کی کارروائی کرے تو اطالیہ اور آسٹریہ ملکر کام کریں کہ انھی دو کی سب سے زیادہ اغراض وابستہ تھیں۔ اگر موجودہ ملکی حدود میں تغیر ناگزیر نظر آئے اور کسی تیسری سلطنت کی کارروائی یا دوسری وجہ سے آسٹریہ یا اطالیہ مجبور ہوں کہ کسی حصۂ ملک پر عارضی یا مستقل قبضہ کر کے موجودہ حدود میں تبدیلی کر دیں تو وہ ایسا فعل

[1] دیکھو پربب ریم وغیرہ۔

صرف اس وقت کریں گے جب کہ آپس میں کوئی مفاہمت ہو جائے جو ایک دوسرے کی معاوضہ دہی پر مبنی ہوگی "۔ مغرب کی جانب اطالیہ کے جو مطالبہ تھے انھیں تسلیم کرنا، اور بھی دشوار ثابت ہوا، لیکن بسمارک کو فکر تھی کہ جس طرح ہو سکے اس ملک کو خوش کیا جائے جو بولانژے کے حملہ کرنے کی صورت میں جرمانیہ کا اکیلا حلیف ہو سکتا تھا نظر برایں اس نے کالنوکی کو لکھا کہ اگر ضرورت ہوئی تو میں اطالیہ کے ساتھ اپنے آپ ایک اتحاد نامہ کرلوں گا۔ آسٹریہ کے مدبّر کو رفتہ رفتہ دبنا پڑا کیونکہ اسے روس کے ساتھ جنگ کی صورت میں اطالیہ کی دشمنی کا خوف لگا ہوا تھا کم سے کم آسٹریہ کی کچھ فوجوں کو اس سرحد پر رکھنا پڑتا۔ لیکن اس نے جواب میں مطالبہ کیا کہ آسٹریہ پر حملہ ہونے کی صورت میں اطالیہ مدد کرنے کا صریحی اور قطعی وعدہ کرے۔ روبی لانت نے یہ شرط نہ مانی اور بسمارک نے کالنوکی سے اصرار کیا کہ وہ دب جائے۔ آخر میں روبی لانت نے ۱۸۸۲ء کے اقرار نامہ کی تجدید کے ساتھ تجویز کی کہ وہ جرمانیہ اور آسٹریہ سے جدا جدا اضافی معاہدے کرلے اور آسٹریہ کو یہ منظور نہ ہو تو اطالیہ صرف جرمانیہ سے ایسا معاہدہ کرلے۔ چنانچہ بسمارک اور روبی لانت کے مقابلے میں کالنوکی کو دبنا پڑا اور ادھر اطالیہ نے اس مطالبے سے ہاتھ اٹھالیا کہ طرابلس یا مراکش کی لڑائی میں آسٹریہ اُسے مدد دے۔ ۲۰ رفروری ۱۸۸۷ء کو ۱۸۸۲ء کے عہد نامے کی ۱۸۹۲ء تک کے واسطے توسیع ہوگئی اور دونوں وسطی سلطنتوں نے اپنے ازلی حلیف سے علحدہ علحدہ اقرار نامے کرلئے۔

ان اقرار ناموں میں سے وہ جو آسٹریہ اور اطالیہ کے درمیان طے پایا، ممالک مشرق سے تعلق رکھتا تھا:۔ "آسٹریہ اور اطالیہ مشرق میں حدود موجودہ کو برقرار رکھنے کے خواہشمند ہیں اور ایسی تبدیلی کو جو ان کے حقمیں مضر ہو، واقع ہونے سے روکیں گے۔ لیکن اگر واقعات کی افتاد ممالک بلقان، یا سلطنت عثمانیہ کے سواحل یا جزائر

اڈریاٹک یا ایجین کی موجودہ تقسیم کو ناممکن بنا دے اور کسی تیسری سلطنت کی کارروائی یا دوسری وجوہ سے متعاہدین کو ہنگامی یا مستقل قبضہ کرنا ضروری ہو تو یہ قبضہ صرف اس وقت کیا جائے گا جب کہ ملک و مال یا اور کسی فائدے کے بدلے میں (جو ایک فریق حاصل کرے) دوسرے فریق معاہدہ کو بھی پورا معاوضہ دینے کے متعلق پہلے سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے "۔

جرمانیہ اور اطالیہ کے اقرار نامے کا تعلق مغرب سے تھا:۔

"اگر فرانس اپنے مقبوضات کو وسیع کرنے کی کوشش کرے یا طرابلس یا مراکش میں صرف اپنا حلقۂ اقتدار و سیادت پھیلانا چاہیے اور اس

جرمانیہ اور اطالیہ

بنا پر اطالیہ کو بحر متوسط میں اپنا مرتبہ قائم رکھنے کی غرض سے مذکورۂ بالا علاقوں میں کوئی کارروائی کرنی پڑے حتیٰ کہ اگر اسے خود یورپ کے فرانسیسی علاقے میں انتہائی کارروائی کرنی پڑے تو اطالیہ اور فرانس کے درمیان حالت جنگ کا واقع ہونا، اطالیہ کی درخواست پر متعاہدین کا مشترکہ معاملہ بن جائے گا۔ اور اگر ایسی جنگ میں اطالیہ بطور ضمانت کسی ملک کا قبضہ طلب کرے تو جرمانیہ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ ضرورت ہو تو جرمانیہ اس مقصد کے حصول میں سہولت پیدا کرے گی "۔

۱۸۸۷ء کا یہ معاہدہ اطالیہ کی بڑی جیت تھا۔ ۱۸۸۲ء میں اسکی حیثیت سائل کی تھی لیکن اب آسٹریہ کو روس کے اور جرمانیہ کو

اطالیہ کے جدید امتیازات

فرانس کے حملے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ لہذا رومی لات منہ مانگی قیمت وصول کر سکتا تھا۔ یہ قیمت دینے میں آسٹریہ و جرمانیہ کو اپنا اپنا حصہ ادا کرنا پڑا یعنی آسٹریہ کو تو چار و ناچار اطالیہ کے حقوق بلقان میں اور ترکی کے حصے بخرے کئے جانے کی صورت میں حق معاوضہ تسلیم کرنا پڑا، بحالیکہ اطالیہ نے آسٹریہ پر حملہ ہونے کی صورت میں بھی

کسی مدد کا ذمہ نہیں لیا۔ اور ادھر جرمانیہ کو فرانس کے حملہ کرنے کی صورت میں، اطالوی امداد کی قیمت یہ ادا کرنی پڑی کہ اگر اطالیہ کی شمالی افریقہ میں ہوس ملک گیری جارحانہ جنگ کی نوبت پہنچائے تو اس میں بھی جرمانیہ حصہ لینے کی پابند ہوگئی۔ دوسرے ہی سال جرمانیہ اور اطالیہ کے درمیان ایک اور جنگی معاہدہ مرتب ہوا جس میں آسٹریہ کو اجازت دینی پڑی کہ اطالوی فوجیں مغربی سرحد پر جاتے ہوئے آسٹریہ کے علاقے سے گزر سکیں گی۔

اتحاد ثلاثہ کی اس تجدید و توسیع کے وقت ان مفاہمات کی تجدید نہیں ہوئی جو پہلے برطانیہ سے کئے گئے تھے۔ چند ہی روز قبل اطالیہ خود ایک عہد نامہ کر چکی تھی جس نے اس کے مرتبے کو اور بھی مستحکم کر دیا تھا۔ اصل میں اطالیہ نے آخر جنوری ۱۸۸۷ء میں برطانیہ سے عہد نامہ کرنا چاہا تھا لیکن سالسبری نے گو بحر متوسط اور مشرق ادنیٰ میں اپنی اغراض کا یکساں ہونا تسلیم کیا، تاہم باقاعدہ معاہدے کی بجائے صرف ایسی مفاہمت کو ترجیح دی جس کی پابندی زیادہ لازمی نہ ہو اور جو مخفی بھی رکھی جا سکے۔ یہ قرارداد کاؤنٹ کورٹی کی یادداشت مورخہ ۱۲ فروری میں اس طرح درج کی گئی تھی :-

۱ - بحر متوسط، ادریاتک، ایجین اور اسود کے جزائر و بلاد کی موجودہ تقسیم کو تا امکان علیٰ حالہا قائم رکھا جائے گا اور اسی نظر سے نگرانی کرنی ہوگی کہ کوئی ایسا تغیر واقع نہ ہو جس سے ہر دو سلطنتوں میں سے کسی کو نقصان پہنچے۔

۲ - اگر موجودہ حدود ملکی کا برقرار رہنا غیر ممکن ہو جائے تو بغیر باہمی قرارداد کے کوئی ترمیم و تبدیل نہ کی جائے گی۔[1]

۳ - اطالیہ پوری طرح تیار ہے کہ مصر میں برطانیہ کی تائید کرے

[1] گروس پولی ٹیک - چہارم وغیرہ

برطانیہ آمادہ ہے کہ کسی تیسری طاقت کی دراز دستی کی صورت میں ساحل شمالی افریقہ کے اور ہر مقام، خاص کر طرابلس و سائی رہی نیکا میں اطالیہ کی کارروائی کی تائید کرے۔

۴۔ بحر متوسط کے معاملات میں ایک فریق کے کسی تیسری طاقت سے اختلافات ہونے کے موقع پر، فریقین وعدہ کرتے ہیں کہ جس حد تک واقعات اجازت دیں گے وہ ایک دوسرے کی تائید کریں گے۔

انگلستان و اطالیہ کا قول و قرار

یہ قول و قرار سالسبری نے اسی تاریخ کے ایک اعلان کی صورت میں قبول کرلیا ہے: "اطالیہ کی حکمتِ عملی کا اظہار نہایت اطمینان کا باعث ہوا اور اسی سے ہماری حکومت کو یہ ظاہر کرنے کا موقع ملا کہ مشترک اغراض کے معاملات میں ہم اشتراک عمل کے خواہشمند ہیں۔ اس اشتراک عمل کی نوعیت کا فیصلہ لامحالہ اس وقت ہوگا جبکہ اس کا موقع پیش آئے اصولاً دونوں سلطنتوں کی خواہش یہ ہے کہ بحرِ اسود، ایجین و ادریاٹک اور شمالی افریقہ کے سواحل انہی ہاتھوں میں رہیں جن میں اس وقت ہیں لیکن اگر کوئی آفت ایسی آئے کہ یہ ملکی تقسیم قائم نہ رہ سکے۔ تو دونوں سلطنتیں چاہتی ہیں کہ کسی تیسری بڑی طاقت کا تسلط ان سواحل کے کسی حصے تک وسیع ہونے نہ پائے"۔[1]

یہ ساری باہمی قرارداد بسمارک کی ترغیب سے تکمیل کو پہنچی تھی اور اس کی فوراً آسٹریہ کو اطلاع دے دی گئی جس پر کالنوکی نے ایک مراسلہ مورخہ ۲۳ مارچ کے ذریعے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ مراسلے میں تحریر تھا کہ "آسٹریہ کو یہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ اس قرارداد کے اصول و مقاصد اُن اصول کے عین موافق ہیں جن پر حکومت آسٹریہ کی حکمت عملی مبنی ہے۔ چونکہ ان مقاصد کے اصول کی بہترین صورت یہ ہوگی کہ

---

[1] گروس پولی ٹیک وغیرہ

آسٹریہ بھی ان کے واسطے اشتراک عمل کرے۔ لہذا اسی یقین کی بناء پر ۱۲ر فروری کے مراسلوں میں دوستی اور سیاسی منشا کی یکسانی کا جو اعتراف کیا گیا ہے وہ ان پر صاد کرنے پر آمادہ ہے۔ آسٹریہ برطانیہ سے سیاسی ارتباط قائم ہوجانے کو اپنے لئے قابل مبارک باد سمجھتی ہے گو بحر متوسط کے مسائل اصولاً آسٹریہ کی اغراض سے تعلق نہیں رکھتے لیکن میری حکومت کو کامل یقین ہے کہ مجموعی طور پر مسئلہ مشرقی میں انگلستان اور آسٹریہ کے اغراض متحد ہیں اور اس لئے دونوں کو ضرورت ہے کہ ممالک مشرقی کی سیاسی تقسیم علی حالہا قائم رکھی جائے اور کسی ایک طاقت کو اس قسم کی درازدستی نہ کرنے دی جائے جس سے دوسری طاقتوں کو نقصان پہنچے "۔

برطانی امداد کے مشروط وعدے نے کالنوکی کا یہ ارادہ اور قوی کر دیا کہ بلغاریہ میں روس کو من مانی کارروائی کرنے سے روکے۔ اگرچہ بسمارک صاف کہہ چکا تھا کہ بلغاریہ کے معاملے میں روس وآسٹریہ کی لڑائی ہوگئی تو وہ اسے اپنے لئے "سبب مستلزم جنگ" نہیں سمجھے گا تو ۷ر جولائی ۱۸۸۷ء کو بلغاریہ کی مجلس

فرڈی نینڈ کا انتخاب بلغاریہ کیلئے

مبعوثین نے لوئی فلپ کی بیٹی کلیمانتین کے چالاک وجاہ پرست فرزند فرڈی نینڈ ریس کوبرگ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا اور اس نے اس شرط پر کہ سلطان تسلیم کرے اور دول یورپ منظوری دیں یہ منصب قبول کرلیا۔ گرچہ کسی طرف سے بھی منظوری کی آواز نہ آئی تو اس نے ۱۱ر اگست کو بلاشرط تاج بلغاریہ قبول کیا اور ۱۴ر اگست کو ٹرنووہ میں حکمرانی کا حلف اٹھایا۔ اس پر زار نے فوراً دول سے تجویز کی کہ فرڈی نینڈ کو نکال باہر کیا جائے اور کوئی روسی سپہ سالار یا اتالیق بلغاریہ کے دونوں حصوں کا صوبہ دار مقرر کر دیا جائے۔ ادھر ترکی نے ایک گشتی مراسلہ لکھ کر اس قصور کی سنگینی پر توجہ دلائی۔ بسمارک ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ "بلغاریہ میں" میں روسی

ہوں ۱۔" اسی کے مطابق اُس نے عمل بھی کیا اور بلا تاخیر صوفیہ سے اپنے سیاسی تعلقات قطع کر لئے[1]۔ لیکن سالسبری نے روس و ترکی دونوں کو مداخلت سے روکا اور لکھا کہ جب تک کسی جانشین کے متعلق فیصلہ نہ کریں، فرڈیننڈ کو بلغاریہ سے نکالنا فضول ہوگا۔ اس موقع پر بلغاریہ کو بلا توقع اپنا ایک اور حامی بھی مل گیا یعنی ۲۱ جولائی کو دِپ ریتیس نے وفات پائی تو کرسپی برسر اقتدار ہوا اور اس نئے وزیر اعظم نے فوراً بجائے فرڈیننڈ کو نکالنے کے جس کی روس نے خواہش کی تھی، اسے حاکم جائز تسلیم کر لینے کی صلاح دی۔ پھر یہ سمجھ کر کہ جنگ تلی کھڑی ہے اُس نے برطانیہ سے ایک جنگی عہد نامہ کرنیکا خیال ظاہر کیا۔ اور گو اس تحریک کو برطانیہ نے قبول نہیں کیا تاہم بحر متوسط کا انگریزی بیڑا ستمبر میں اطالوی اور آسٹروی بندرگاہوں پر آیا۔ اور ادھر ان تینوں طاقتوں کے سفرائے استنبول کو ہدایت کر دی گئی کہ جب تک یہ قضیہ ختم نہ ہو جائے آپس کے صلاح مشورے سے کام کریں[2]۔

سال کے ختم ہونے سے قبل ان تینوں سلطنتوں کے روابط میں مزید ترقی ہوئی۔ ۱۲ دسمبر کو آسٹریہ کے ایک مراسلے نے جو حکومت برطانیہ کے پاس بھیجا گیا تھا، بحر متوسط کے متعلق ایک دوسرے اقرارنامے کی تجویز کی :- "آسٹریہ اور اطالیہ رضامند ہوگئی ہیں کہ برطانیہ کے سامنے حسب ذیل امور پیش کریں تاکہ تینوں سلطنتوں کے اصول کی توثیق اور طرز عمل کی توضیح ہو جائے :-

آسٹریہ، اطالیہ اور برطانیہ

(۱) قیام امن (۲) معاہدوں کے مطابق مشرق کے حدود ملکی کی برقراری (۳) مقامی آزاد ریاستوں کی آزادی کا، جو معاہدات کی رو سے قایم کی گئی ہے

[1] کرسپی : میموائرز ۔ دوم
[2] گروش پولی ٹیک ۔ چہارم

تحفظ (۴) ترکی کا، تمام بیرونی اثر و اقتدار سے آزاد رہنا کہ وہ اہم یورپی اغراض کی محافظ ہے (۵) اسی بنا پر، ترکی، بلغاریہ پر اپنے شاہی حقوق کو کسی دوسری سلطنت کے پاس نیابتاً یا مستقلاً منتقل نہیں کرسکتی۔ نہ کسی غیر سلطنت کا نظم ونسق وہاں قائم کرانے کے واسطے مداخلت کرسکتی ہے علیٰ ہذا اگر کوئی غیر سلطنت اس قسم کی زبردستی کرے جیسے فوجی قبضہ کرے یا فوج مطوعہ کو وہاں بھیجدے، تو اس امر کی ترکی روادار نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح ترکی جو بروئے معاہدات آبناؤں کی محافظ و پاسبان ہے ایشیائے کوچک میں اپنے حقوق شاہی کا کوئی جز و بطور مالک یا نائب کسی دوسری سلطنتوں کو منتقل نہیں کرسکتی۔ (۶) تینوں سلطنتیں ان اصول کی حفاظت کے لئے دولت عثمانیہ کے ساتھ ہوں گی (۷) اگر ترکی اس قسم کی خلاف قانون کارروائیوں کی، جیسی کہ فقرہ ۴ میں بیان کی گئی ہیں، مزاحمت کرے تو تینوں سلطنتیں بلاتامل ان تدابیر کو طے کریں گی جن کے ذریعے ترکی حکومت کی آزادی اور صیانت کا احترام کرایا جائے۔ (۸) اگر ترکی ایسی خلاف قانون کارروائی سے عمداً چشم پوشی کرے گی تو یہ سلطنتیں مل کر یا علیحدہ علیحدہ عثمانی علاقے کے بعض مقامات پر ہنگامی قبضہ کرلیں گی"۔

برطانیہ نے اسی تاریخ کے جواب میں مذکورہ بالا آٹھوں باتوں کو قبول کرلیا۔ اس قرارداد کی افواہوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارلیمنٹ میں اس بارے میں ایک سوال بھی کیا گیا مگر اس کا جواب صرف یہ ملا کہ حکومت نے کوئی ایسا عہد نہیں کیا ہے جس سے وہ جنگی کارروائی کرنے کی پابند ہوگئی ہو"۔

بحر متوسط کی ضمانت کا بیمہ ہسپانیہ کے شمول سے بٹ کر اور بھی ہلکا ہوگیا۔ ایک ہسپانوی مراسلے مورخہ ۴ مئی ۱۸۸۷ء میں حکومت اطالیہ سے حکومت ہسپانیہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ حسب ذیل شرائط پر چار سال کیلئے عہد نامہ کیا جائے۔

(۱) جہاں تک فرانس سے تعلق ہے، ہسپانیہ منجملہ دوسرے علاقوں کے شمالی افریقہ کے بارے میں کسی ایسے عہدنامہ یا سیاسی قرارداد میں شرکت نہیں کرے گا جس کا منشا اطالیہ، جرمانیہ، آسٹریہ یا ان میں سے کسی ایک کے خلاف ہو۔ (۲) بلا اشتعال حملہ کرنے یا اشتعال دینے سے احتراز کیا جائیگا۔ (۳) بحر متوسط میں حدود حاضرہ کو علی حالہا رکھنے کی غرض سے ہسپانیہ اور اطالیہ اپنے اور دوسرے ارادوں کی تمام اطلاع ایک دوسرے کو دیتے رہیں گے ؛

اسی تاریخ کے ایک اطالوی مراسلے نے ان تجاویز کو تسلیم کیا اور ۲۱ مئی کی تحریر سے آسٹریہ بھی اس مفاہمت میں شریک ہمنوا بنایا گیا ؛

آسٹریہ اور روس کی کشاکش

۱۸۸۶ء کے آخری مہینوں میں وہی آنا اور پیٹرو گریڈ[1] کی باہمی کشاکش پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئی۔ بادشاہوں نے ایک دوسرے کو یقین دلایا کہ وہ حملہ نہیں کریں گے۔ لیکن گلیشیہ کی سرحد پر فوجوں کا اجتماع روسی اخباروں کی لعن طعن کے ساتھ خطرے کو صاف بتا رہا تھا۔ گاٹرز تک مشتعل ہوئے بغیر نہ رہا اور کالنوکی کی مذمت پر اتر آیا اور ادھر زار کی تقریروں سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا بالآخر جنگ ہوئے بغیر نہ رہے گی۔ اس موقع پر بسمارک کو بہ حیثیت ثالث و مصلح انتہائی قابلیت صرف کرنی پڑی کہ امن و صلح قائم رہے۔ کیونکہ تینوں پائے تخت کے فوجی عمال مشتاق تھے کہ اس تو تو میں میں کا فیصلہ تلوار پر چھوڑ دیا جائے۔ ۲۴ نومبر کو قیصر جرمانیہ کی شاہی تقریر میں یہ فقرہ بھی تھا کہ "سلطنت جرمانیہ دراز دستی کا کوئی میلان نہیں رکھتی اور نہ اس کی احتیاج ایسی ہے جسے جنگ و فتح کے زور سے پورا کیا جائے۔ لیکن مدافعت کے لئے ہم کافی مضبوط ہیں اور اتنے مضبوط

[1] گرووس پولی ٹیک

ہو جائیں گے کہ ہر خطرے کا بلا خوف مقابلہ کر سکیں" اس قول کی تفصیل صدر اعظم کی ۶ر فروری ۱۸۸۸ء کی تقریر میں کی گئی تھی جس نے گذشتہ سال کی طرح اس مرتبہ بھی دول یورپ کے سیاسی حالات پر تبصرہ کیا اور اپنے ملک کے طرز عمل کی صراحت کی[1] اس نے تمہید اٹھائی کہ ایکسال پہلے مجھے فرانس کے حملے کا اندیشہ تھا لیکن ایک امن دوست صدر جمہوریہ کا جانشین دوسرا امن دوست مدبر ہوا اور وزرا کے ردوبدل نے بھی نہیں اطمینان دلادیا۔ اس سال کی تشویش جو کچھ رہی وہ فرانس کی طرف سے نہیں بلکہ کسی حد تک روس ہی کی جانب سے تھی۔ مگر گزشتہ سال کی طرح اب بھی مجھے حملے کی توقع نہیں ہے۔ زار کے اقتدار کے سامنے روسی اخباروں کے حملے ایسے ہیں جیسے پلڑے میں گرد۔ اور زار سے آخری مرتبہ مل کر مجھے اطمینان ہو گیا کہ وہ ہمارے یا کسی کے خلاف دشمنی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جو اس نے کہا مجھے اس پر پورا اعتماد ہے اور اسی لئے اخباروں کا رنگ دیکھ کر میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے تعلقات سال گزشتہ کی بہ نسبت زیادہ خراب ہیں۔ جرمانیہ اور آسٹریہ کی سرحدوں پر فوجوں کا اجتماع کچھ نئی بات نہیں۔ بلکہ اس کا آغاز ۱۸۷۹ء میں ہوا تھا۔ ہم پر حملہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں نظر آتی کیونکہ روس اپنی حکومت میں **پولوں** کا اور اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ پھر یہ فوجوں کا جماؤ کیوں؟ اس کا جواب مانگنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ یورپی قضیئے میں روس کی آواز میں زیادہ وزن پیدا ہو جائے۔ لیکن سلطنتوں کی گروہ بندی کا خطرہ یقیناً مستقل خطرہ ہے اور اس سے دوچار ہونے کا ہمیں انتظام بھی قطعی کر لینا چاہئے۔ اپنے محل وقوع کی بنا پر ہمیں سب قوموں سے زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔ روس و فرانس کا تو صرف ایک رخ ایسا ہے جس پر حملہ ہو سکتا ہے

---

[1] "ریڈن" دوازدہم

قضا و قدر نے ہمارے ایک پہلو پر تو سب سے بے چین اور آتش مزاج قوم یعنی فرانس کو رکھا ہے اور دوسری طرف وہی تقدیر روس میں شعلہ خوئی کے جذبات بھڑکا رہی ہے۔

پھر صدر اعظم نے اس بحث کے عین شروع ہوتے وقت جرمانیہ اور آسٹریہ کے معاہدہ ۱۸۷۹ء کو شایع کرنے کے اسباب بیان کئے کہ "بعض اخباروں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس معاہدے کی اشاعت کوئی پیام جنگ، یا تہدید یا تنبیہہ کے مرادف ہے کیونکہ روسی وزارت کو اس معاہدے کی بہت پہلے اطلاع دے دی گئی تھی۔ در اصل

بسمارک کی حکمت عملی کی تصریح

یہ معاہدہ طرفین کی مستقل اغراض کا آئینہ ہے۔ اگر ہم نے اسے پہلے مرتب نہ کیا ہوتا تو اب مرتب کرنا ہوتا۔ آسٹریہ کو نقشے سے محو کر دیجے تو جرمانیہ اطالیہ سمیت روس و فرانس کے درمیان میں الگ تھلگ پڑی رہ جائے گی۔ ہم آسٹریہ کو غائب نہیں تصور کر سکتے۔ آسٹریہ جیسی سلطنت ناپید نہیں ہوا کرتی۔ اگر اسے منجدھار میں چھوڑ کر آپ الگ ہو جائیں گے تو وہ بھی آپ سے پھر جائیگی اور اپنے بے وفا دوستوں کے مخالفوں سے جا ملنے پر مائل ہوگی۔ اگر اپنے غیر محفوظ محل وقوع کے باعث ہمارے لئے سب سے علیحدہ رہنا مناسب نہیں ہے تو پھر لامحالہ ہم کو ایک سچے رفیق کی تلاش کرنی پڑے گی۔ محض جنگ روکنے کے لئے ہم کوئی جنگ نہیں کرینگے اگر ہم حملہ آور ہوئے تو "ناممکن الوزن" کا پورا وزن ہمارے حریفوں کے ساتھ ہوگا۔ تہدید و تذلیل نے دلوں میں خواہ مخواہ تلخی پیدا کر دی ہے لیکن ان چھوٹی چھوٹی باتوں کیلئے ہم لڑائی مول نہیں لے سکتے۔ فرانس اور روس کے ساتھ ہمیں عشقبازی کرنی بھی نہیں ہے کیونکہ روس کے اخبارات اور عام رائے نے ہمارے لئے اس کی گنجائش بھی نہیں چھوڑی حالانکہ ہم روس کے پرانے، قوی اور قابل اعتماد دوست ہیں۔ غرض اب ہم

کھلنے ملنے کی زیادہ کوشش نہیں کریں گے۔ اعتماد و دوستی کے رشتے کو دوبارہ استوار کرنے کی ہم نے کوشش کی لیکن ہم لوگوں کے پیچھے پیچھے نہیں دوڑ سکتے۔ اور خود یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ہم روس کے حقوق معاہدات کا پوری احتیاط سے لحاظ رکھیں گے انہی میں اس کے وہ حقوق بھی ہیں جو ہم نے اس کے واسطے ۱۸۷۸ء میں پوری عرق ریزی سے حاصل کئے تھے اگرچہ ہمارے سب دوستوں کو اب یہ بات یاد نہیں رہی ہے تاہم سب یہی سمجھتے رہے کہ بلغاریہ میں سب سے ممتاز رسوخ روس کے ہاتھ آئے گا لیکن ہم جبر و جنگ کا نہ مشورہ دیتے ہیں نہ اس میں مدد دینگے اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ روس کا یہ منشا ہے۔ بلغاریہ میں اقتدار کوئی اتنا اہم مقصد نہیں ہے جس کی خاطر سارے یورپ میں لمبی لڑائی کی آگ بھڑکائی جائے جس کے نتائج کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوں گے۔ مجھے زمانہ قریب میں امن میں خلل پڑنے کی توقع نہیں ہے۔ لیکن میں دوسرے ملکوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ تہدید آمیز کارروائی سے ہاتھ اٹھالیں۔ ہم دنیا میں بجز خدائے تعالیٰ کے اور کسی شے سے خوف نہیں رکھتے۔" اس فخر آمیز خطبہ پر تحسین و آفرین کا شور مچ گیا اور سلطنت جرمانیہ کے ہر حصے میں اس کی گونج سنائی دی۔ اسی پرجوش و فصیح تقریر کا انعام تھا کہ فوجی قانون کا وہ مسودہ بلا تاخیر و حجت بہت آسانی سے منظور کر لیا گیا جس کے بعد سن رسیدہ بادشاہ کو نہ کوئی دوسرا مسودہ دیکھنا تھا اور نہ انہی صدر اعظم کے نصیب میں کوئی دوسرا مسودہ پیش کرنا تھا۔

بسمارک کی اس تاریخی تقریر کے چند روز بعد زار نے ایک آخری ہی کوشش کی کہ بلغاریہ کے عقدے کو روسی مذاق کے موافق حل کرے یعنی اعلان کیا کہ فرڈی نینڈ تو لازماً دست بردار ہو جائے اور پھر بلغاریہ جس شخص کو چاہے آزادی سے اپنا فرمانروا منتخب کر لے، روس دخل نہ دے گا۔ جرمانیہ اور فرانس نے روس کی تائید کی مگر آسٹریہ اور اس کے دوستوں نے فرڈی نینڈ کے اخراج کو مان لینے سے

انکار کر دیا۔ اب ترکی نے دول کی منظوری ملے بغیر ہی اعلان کیا کہ فرڈی نینڈ کا منصب شاہی خلاف قانون ہے اس اطلاع کی بلغاریہ نے

قضیۂ بلغاریہ کا خاتمہ

رسید دی لیکن اس کے بعد ترکی یا روس نے اپنی بات منوانے کی کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس طرح یہ قضیہ جو تین سال تک چلتا رہا، روس کی مسلمہ شکست کی صورت میں ختم ہوا اور فی الواقع الکزنڈر ثالث کی بلغاری حکمت عملی اسی ناکامی کی مستحق تھی۔ بسمارک نے سیاسی شطرنج لاجواب قابلیت کے ساتھ کھیلی۔ اس کو قائم، روس و فرانس کو ایک دوسرے سے الگ اور پھر آسٹریہ کے اتحاد کو بھی سلامت رکھا۔ اسی کے ساتھ مخفی معاہدے کے ذریعہ پیٹرز برگ کا تعلق بھی موجود رہا۔ صدر اعظم اعتراف کرتا تھا کہ معاملہ حقیقت میں بہت پیچ در پیچ آپڑا تھا۔ اور خود قیصر نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ "تمہاری مثال اس راکب کی سی ہے جو پانچ گیندیں ہوا میں اچھال کر ہر مرتبہ سب کو لپک لیتا ہے مجھ سے تو یہ کبھی نہ ہو سکے"۔ ادھر کالنوکی نے بھی خطرناک بازی کھیلی۔ اور جیت گیا۔ اس کی حکمت عملی محتاط اور اسی کے ساتھ زوردار رہی جس کی بدولت بلغاریہ سے روس کا اقتدار زائل کرنے میں کامیابی ہوئی اور آئندہ کئی سال تک اسٹام بولوف کی پرجوش و مستعد حکومت نے اس ریاست کو آسٹریہ اور ترکی کی طرف مائل رکھا۔

گو بلغاری قضیہ ختم ہو گیا، تاہم زار کی نیت نہ تھی کہ آئندہ وہی آنا کے ساتھ پرانے روابط تازہ کیے جائیں البتہ برلن سے وہ ابھی پوری طرح بیگانہ نہیں ہوا تھا ادھر ۱۸۸۸ء میں جرمن صدر اعظم نے پھر ایک مرتبہ ثابت کیا کہ وہ زار کے جذبات کا لحاظ رکھتا ہے کہ یعنی بلغاریہ کے

عشق اور سیاست

سابق فرماں روا الکزنڈر کی شادی ولی عہد فریڈرک کی ایک بیٹی سے نہ ہونے دی حالانکہ اس کا ۱۸۸۴ء سے چرچا تھا۔ اس میں بسمارک کی

بوڑھے بادشاہ نے بھی تائید کی اور اس رشتہ کو محبوب بنایا۔ لیکن ولیعہد کی بیگم بہت لڑی کہ میری بیٹی کو اپنی پسند کے مطابق شوہر سے شادی کرنے کا حق ملنا چاہیئے۔ بسمارک کے فیصلے میں استعفیٰ کی دھمکی سے اور زور آگیا تھا لہذا لڑکی کے باپ نے بادشاہ ہوکر اسی رائے کو قبول کرلیا اور ملکہ وکٹوریہ بھی چند روز کے لئے برلن آئی تو صدرِ اعظم کی ہمرائے بنالی گئی۔ بسمارک سمجھتا یہ تھا کہ شہزادہ الگزنڈر کے دوبارہ بلغاریہ بلائے جانے کا ہمیشہ امکان رہے گا اور یہ نہ بھی ہو تو بھی زار کے ایسے دشمن کا جس سے وہ انتہا درجے کی نفرت رکھتا تھا، قیصری خاندان میں اتنا قریبی رشتہ ہوجاتا تو زار کا اعتماد کسی طرح باقی نہ رہ سکتا تھا حالانکہ یہی چیز جنگ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ شہنشاہ فریڈرک کو بسمارک نے یہی لکھا تھا کہ "۱۸۷۱ء سے سلطنت جرمانیہ کی بیرونی حکمت عملی یہ رہی ہے کہ امن قائم رہے اور جرمانیہ کے خلاف گروہ بندی نہ ہونے پائے اور اس حکمت عملی کی کنجی روس ہے"۔[1]

[1] "گروس پولی ٹیک" جلد ششم

باب پنجم

اتحادِ ثنوی

آسٹریہ اور جرمانیہ کے اتحاد کا تو ادھر خیال آیا اور ادھر اس کی تکمیل ہوگئی۔ لیکن فرانس و روس کے اتحاد کی سرکاری طور پر سلسلہ جنبانی ہونے سے پہلے برسوں اس پر خلوت وجلوت میں بحث مباحثے ہوتے رہے۔

فرانس کا انقطاع پنولین ثالث محاربہ کرمیہ کا سرغنہ تھا۔ لہذا اس کے زوالِ دولت کو روس جس اطمینان ومسرّت کے ساتھ دیکھتا رہا وہ کسی سے مخفی نہ تھی۔ پھر اتحادِ قیاصرہ مرتب ہوا جس نے فرانس کی نوخیز جمہوریت کو گویا جتا دیا کہ وہ روس سے کسی امداد وہمدردی کی توقع ہی نہ رکھے۔ اُمید کی کوئی جھلک تھی تو اس امکان میں تھی کہ شاید روس ممالک یورپ میں جرمانیہ کا اسقدر چھا جانا گوارا نہ کرے اور بطور پاسنگ کے فرانس کے احیا کا خواہش مند ہو۔ مسئلے کا یہ پہلو صاف طور پر گورٹ شاکوف کے ذہن میں تھا جس کے ساتھ ۱۸۷۳ء میں فرانسیسی وزارت خارجہ کے ایک عہدہ دار شودوردی نے سوئی زرلینڈ میں گفتگو کی تھی۔ حکومت فرانس معلوم کرنا چاہتی تھی کہ جرمانیہ نے جس علاقے کو خالی کیا تھا، اگر فرانس اس پر دوبارہ قبضہ کرلے یا تاوانِ جنگ اور علاقے کے متعلق نئے دعاوی پیش کرے تو

کیا روس، فرانس کی طرفداری کرے گا۔ روسی وزیر اعظم طبعاً اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کرسکتا تھا لیکن اس نے بہت دوستانہ طریق پر گفتگو کی اور صاف طور پر اپنی یہ تمنا ظاہر کی کہ فرانس دوبارہ اتنا ہی طاقتور ہو جائے جس قدر کہ شکست کھانے سے پہلے تھا۔[۵]

روس فرانس کی مدد کرتا ہے ۱۸۷۵ء

دو سال بعد جب لڑائی کی افواہیں گرم ہوئیں اور پریشانی پھیلی تو روس کو موقع ملا کہ فرانس کے ساتھ اپنی ہوا خواہی کا اظہار کرے۔ بسمارک یا اس کے آقا کو تو دوسری جنگ کی کوئی آرزو نہ تھی لیکن برلن کے جنگی سردار بار بار اپنے ہمسائے سے آخری فیصلہ کرلینے کی تقریر کرتے تھے کہ یہ ہمسایہ مصائب کے اثر سے اس قدر جلد نجات پا رہا تھا جس کی پہلے امید نہ تھی اور جس سے اندیشہ تھا کہ وہ آگے چل کر بہت ستائے گا۔ ملکہ وکٹوریہ کا خط جو اس نے قیصر کو بھیجا اخلاقی اثر سے خالی نہ تھا۔ لیکن فی الواقع، یا کم سے کم فرانسیسیوں کی نظر میں، جنگ کے خطرے کو جس شے نے دور کیا، وہ زار اور گورٹ شاکوف کا برلن آنا تھا۔ روسیوں کے اس طرح بیچ میں پڑنے اور برلن سے اُن کے وزیر اعظم کے اس شہرۂ آفاق تار پر، جس میں "قیام امن کا حتمی یقین ہے" تحریر تھا اور جس نے بسمارک کو عمر بھر ناراض رکھا، فرانس کے مشوش وزرا نہایت مطمئن ہوئے کہ ایک تو یہ کارروائی عملی ہمدردی کی دلیل تھی، دوسرے یہ آئندہ روس کے ساتھ قوی تر تعلقات کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔ زار نے فرانس کے سفیر لافلو سے کہا کہ "جنرل، قوی ہو جاؤ" اور گورٹ شاکوف نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ "ہم چاہتے ہیں کہ فرانس پھر ویسا ہی طاقتور ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا اور پیرس میں دوبارہ وہی چمک دمک نظر آئے"۔

اس خوف و وحشت کے زمانے میں فرانس کی عنان حکومت دیوک دے کاز کے ہاتھ میں تھی اور وہ صدر نشین میک موہن کی طرح روسی

[۵] لاناسٹر مو، فرانس کی زرد کتاب مطبوعہ ۱۹۱۰ء وغیرہ وغیرہ وغیرہ امریکن ہسٹوریکل ریویو بابت اپریل ۱۹۲۰ء۔

اتحاد کا خواہشمند تھا۔ مگر ۱۸۹۷ء میں وہ عہدے سے الگ ہوا[1] اور اس کی جگہ ویڈنگٹن اور سپک موہن کی جگہ دیوی منتخب ہوئے۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ فرانس کے لئے محفوظ تر صورت یہی ہے کہ بسمارک کو بہلاتا رہے۔ بجائے اس کے کہ بسمارک کے خیالی منصوبوں سے بچنے کی تدابیر کی جائیں۔ چنانچہ **گوتان بیرون** کی جگہ **سین** والے سفیر بنا کے برلن بھیجا گیا جو دوستانہ تعلقات کو بحال کرانے کا حامی تھا اور جس کا صدر اعظم نے بہت تپاک سے خیر مقدم کیا، عہدنامہ برلن کے بعد جب مشرق قریب میں کشاکش پیدا ہوئی اور جس وقت کہ زار وسطی سلطنتوں سے حد درجہ برانگیختہ تھا، اس وقت فرانس غالباً روس کے ساتھ معاہدہ کر سکتا تھا کیونکہ **گورٹ شاکوف** فرانس کا دوست تھا۔ زار کا بھائی امیر کبیر نکولاس جو ۱۸۷۷ء کی جنگ میں افواج کا سپہ سالار تھا، اور جس نے ۱۸۷۹ء کے جاڑے پیرس ہی میں گزارے، اس کے فرانسیسی فوجی سرداروں کے ساتھ بہت گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔

ویڈنگٹن، فرےسی نے گان بیتا

ویڈنگٹن نے عقلمندی کی کہ یورپ کے دوسرے سرے پر روسی قضیوں میں الجھنے سے انکار کر دیا۔ ۱۸۷۹ء میں وزارت خارجہ کا جائزہ اپنے جانشین کو دیتے وقت اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ "میری دانست میں روس ہمارے ساتھ ارتباط قائم کرنے پر مائل ہے۔ لیکن بسمارک کی نظریں بھی ادھر لگی ہوئی ہیں اور اگر اس نے سنا کہ یہاں عہدنامے کی تیاری ہو رہی ہے تو عجب نہیں کہ اس کے جواب میں وہ جنگ کا اعلان کر دے[2]۔ گان بیتا نے

[1] فرانس و جرمانیہ کے حیرت انگیز دوستانہ تعلقات جو ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۵ء تک رہے، ان کے لئے ملاحظہ ہو "گروس پولی ٹیک" وغیرہ وغیرہ

[2] لائف آف ڈفرن، جلد اول ۱۴؍ دسمبر ۱۸۷۸ء کو بسمارک نے ڈفرن سے کہا تھا کہ روس جنرل اوبروٹ **شف** کی وساطت سے جو فرانس کی جنگ مصنوعی میں شرکت کے لئے

بذریعہ سکوت "انتقام" کی حکمت عملی ترک کر دی تھی اور بسمارک سے شناسائی پیدا کرنے کا خواستگار تھا۔ وہ بھی ایسے ارتباط کے خلاف رہا جو بجالت موجودہ تقویت بخشنے کی بجائے ذریعہ خطر بن سکتا تھا۔ چنانچہ ڈنمارک کے باشندے **ژول ہان سن** سے جو فرانس میں آبسا تھا اس نے کہا کہ جب تک ہماری فوج نہایت مضبوط نہ ہو جائے، فرانس کو یورپ میں دب کے اور بہت لئے دئے رہنا پڑے گا۔ لیکن جب فوج کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا تو تمھاری طرح میں بھی اس وقت روسی اتحاد کا حامی ہو جاؤں گا[ل]" فرانس کی اس روش کا جرمن صدر اعظم نے یہ عوض دیا کہ ٹیونس میں فرانسیسی منصوبوں کی تائید کی اور ۱۸۸۰ء میں میڈرڈ کی مجلس مشاورۃ میں جو مراکش کے متعلق منعقد ہوئی تھی، جرمن وکیل کو حکم دیا کہ وہ فرانس کے ساتھ "ہاتھ میں ہاتھ" ڈالے رہے۔ غرض پیرس میں روس کے ساتھ ربط ضبط پیدا کرنے کا میلان اس قدر کم تھا کہ ۱۸۸۱ء میں **فرے سی** نے **ہارٹ مین** کی تحویل منظور نہیں کی جس پر الزام تھا کہ زار پر بمب سے حملہ کرنے کی خواہش کر رہا ہے۔ چونکہ تحویل مجرمین کے متعلق دونوں سلطنتوں میں کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا لہٰذا اس مشتبہ شخص کو فرانس کا روس کے حوالے نہ کرنا بالکل قانونی حدود کے اندر تھا۔ بایں ہمہ زار نے اپنی ناراضی اس طرح ظاہر کی کہ چند روز کے لئے اپنے سفیر کو واپس بلا لیا۔ فرے سی نے کے بعد **ژول فیری** کے ہاتھ میں عنان حکومت آئی اور آیندہ

فیری اور بسمارک چند سال تک فرانس کی حکمت عملی پر وہی حاوی رہا۔ فیری اپنے پیش رو کے برابر بھی آمادہ نہ تھا کہ فرانس کی قسمت کو

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰۹ - بھیجا گیا تھا، سلسلہ جنبانی کر رہا ہے لیکن چونکہ شانزی نے اطلاع دے دی ہے کہ روس جنگ کے لئے تیار نہیں اس واسطے حکومت فرانس اس کام میں ہاتھ ڈالنے کے خلاف ہے۔

ل ہانس، ا۔ ل الایانس فرینکو روسے" باب اوّل۔ گان بتیا کی آرا میں جو تبدیلی ہوئی اس کے لئے دیکھو میڈم ادام کی کتاب "سووی نیرز" وغیرہ

روس کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ کیونکہ اُس کو فرانس کی حکومت مستعمرہ تیار کرنے میں بسمارک اور جرمانیہ کے ذی اثر سفیر شہزادہ ہوہن لوہی کا اعتماد حاصل کرنے کی ضرورت تھی اور یہ حسب مراد حاصل بھی ہوگیا۔ ۱۸۸۴ء میں فرانس کے وزیر جنگ جنرل **کامپنون** نے جرمن عالِ سفارت خانہ سے کہا کہ "مضی مامضی، اور جرمانیہ اور فرانس متحد ہوکر سارے عالم پر فرمان روائی کریں گے۔" اسی طرح **باریر** نے ہربرٹ بسمارک سے کہا کہ "ہماری طرف سوئے ظن کا شائبہ تک نہیں رہا ہے۔" فیری کے عہدے سے علیحدگی کے بعد ۱۸۸۵ء میں دوبارہ فریسے سی نے برسر اقتدار ہوا تو اس نے پھر ایک مرتبہ روسی حکومت کو سخت ناراض کیا کہ شہزادہ **کروپوٹکن** کو مدتِ قید ختم ہونے سے پہلے فرانسیسی قید خانے سے رہائی دی، اور لیانی خاندان کے شہزادوں کو فرانس سے جلاوطن کردیا اور روس کے فرانسیسی سفیر، جنرل اپیر کو ایک دم واپس چلے آنے کا حکم دیا جس سے زار بہت مانوس تھا۔ اس پر یہ مطلق العنان بہت بگڑا اور اس کے جانشین جنرل **بیلو** یا کسی سفیر کو دربار میں آنے دینے ہی سے انکار کردیا۔ فرانس کے جمہوریت پسندوں کی نسبت اس کے جذبات، جیسا کہ گائرز نے بیان کیا ہے، حقارت وبیزاری کے تھے۔ اب اُس نے اپنے سفیر کو بھی پیرس سے واپس بلالیا اور سبب یہ بتایا کہ "ان حالات میں سفیروں کا رکھنا فضول ہے صرف سفارت خانے کے عمّال کافی ہوسکیں گے۔" ادھر انھیں دنوں **ہربیٹ** کو نیا سفیر بناکر برلن بھیجا گیا جس نے اعلان کیا کہ میرا مقصد ہی یہ ہے کہ بسمارک کو یقین دلادوں کہ "دیرولیدیت" (یعنی انتقام پسندی) قصۂ پارینہ ہوچکی ہے،

بلغاریہ کے بارے میں روس و آسٹریہ کی نزاع سے اتحادِ قیاصرہ کا تار و پود بکھیرا تو اسلافیت پسندوں کی نظریں پیرس کی طرف پھر گئیں۔ ۳۱ر جولائی ۱۸۸۶ء کو کاٹ کوف نے "ماسکو گزٹ" میں ایک مضمون سے جو سارے یورپ میں گونجا، اپنی جنگ آرائی کا آغاز کیا[1]۔ اس میں تحریر تھا کہ "مقام کسن جن

[1] یہ جنرل خاندان اور لیان کی طرف میلان رکھتا تھا۔ ملاحظہ کیوں۔ دستور و لاتنانت ۲ ص ۲۵ و ۱۵۳

ہیں تینوں وزراکے ملنے کی افواہ گرم ہے کیا روسی وزیر کے لئے بھی ضروری ہو گا کہ جائے اور شعلہ خو صدر اعظم کے حضور میں سر عقیدت خم کرے۔ کہا جاتا ہے کہ آج دنیا کی حکومت اس کے ہاتھ میں ہے لیکن کیا واقع میں ایسا ہے؟

کیٹ کوف اور وارو لاؤ

کیا سلطنت جرمانیہ نے اپنے آپ کو خود بنایا ہے؟ کیا اس سلطنت کا اس قدر چھا جانا، روس کی بطور جزو غلامی کرنے کا ثمرہ نہیں ہے؟ اگر جرمانیہ اس قدر بلند نظر آتی ہے تو کیا اس کا یہ سبب نہیں ہے کہ وہ روس کے کندھوں پر چڑھی ہوئی ہے۔ پس اگر روس آزادی عمل حاصل کرلے تو جرمانیہ کے اقتدار کا یہ ہوّا ہوا ہو جائے۔ ہم فرانس اور روس کے اتحاد کی خواستگاری نہیں کرتے۔ ہماری خواہش ہے کہ روس، جرمانیہ کے ساتھ آزادانہ اور دوستانہ تعلق قائم رکھے لیکن اسی کے ساتھ دوسری قوموں سے خاص کر فرانس سے بھی ایسے ہی تعلقات قائم ہونے چاہئیں کیونکہ فرانس یورپ میں بتدریج وہ مرتبہ حاصل کرتا جاتا ہے جو اس کے شایان شان ہے۔ اس سے ہماری اَن بَن کیوں ہو اور اس کے خانگی معاملات سے ہم کیوں سروکار رکھیں؟" اس کے دو ہفتے بعد مادام ادام نے رسالہ "نوویل ریویو" کی ادارت "کیٹ کوف" کے ایک شاگرد **ایلی دسیون** کے حوالے کر دی جو ایک روسی ڈاکٹر تھا اور ۱۸۷۰ء و ۱۸۸۰ء کے درمیان پیرس میں رس بس کے فرانسیسی شہری بن گیا تھا۔ اور خود میڈم ادام اس وقت تک **گان بیتا** کی رفیق رہی جب تک کہ وہ "زوانش" (انتقام) نکالتا تھا مگر جب گان بیتا نے اسے چھوڑ کر سکوت اختیار کر لیا تو میڈم ادام نے یہ رسالہ (نوویل ریویو) اس جماعت کے اظہار خیالات کے واسطے جاری کیا جس کی وطن پرستی کسی نرمی کی روادار نہ تھی۔ ادھر اہل فرانس نے حصول مستعمرات کی کوشش میں کچھ زیادہ کامیابی نہ دیکھی تو عام طور پر کلیمنسیو کی ہمنوائی کرنے لگے کہ فرانس کے سپاہیوں کا اصلی مقام اس کی مشرقی سرحد ہے۔ تحریک "انتقام" کا بے جھجک وکیل اور "شان دیو سولدا" (سپاہی کے گیتوں) کا مصنف **دیر ولید** انہی گرمیوں کے آخر میں روس گیا جہاں کیٹ کوف اور

اسلافیت پرستوں نے کمال تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا، صحافتی جدوجہد کے نتائج بہت جلد ظاہر ہو گئے۔ بلجیم کے وکیل پیٹروگریڈ نے ۳ر دسمبر کو اپنی حکومت کو اطلاع دی کہ "روسی اخباروں کی لے میں فرانس کی انتہائی دوستی کا جذبہ پنہاں ہے اور روس و آسٹریہ کی جنگ پیش آنے کی صورت میں اسی کو وہ اپنا آیندہ حلیف سمجھ رہے ہیں جو ان کے نزدیک جرمانیہ کے دست و بازو شل کئے بغیر نہ رہے گا" کیٹ کوف نے اوّل اوّل جو انکار لکھا تھا کہ وہ فرانس کے ساتھ کسی اتحاد کا خواستگار نہیں ہے، یہ محض ایک چال تھی۔ لیکن مئی ۱۸۸۶ء میں اس نے لکھا کہ "مجھے فرانس سے نفرت ہے کیونکہ وہ مدت سے انقلاب انگیزی کی تبلیغ کا مدرسہ رہا اور اب بھی ہے۔ لیکن اب جبکہ روس آسٹریہ اور جرمانیہ کی زد میں ہے، فرانس کے ساتھ اتحاد کرنا ایک ناگزیر ضرورت نے واجب کر دیا ہے"۔

خود زار پر رائے عامہ کے اس تغیر کا تو اتنا اثر نہ تھا لیکن آسٹریہ کی طرف سے غضبناک ہونے کی بنا پر، اُس نے ستمبر میں **فریسینے** سے استدعا کی کہ معاہدہ اتحاد مرتب کرے[1]۔ مگر فرانس کے وزیر اعظم، صدر جمہوریہ اور اکثر وزیروں نے اس خواستگاری کا جواب انکار میں دیا اور جرمن سفیر کو اس کی اطلاع دیدی[2]۔ اس خفت کے باوجود، اکتوبر میں سفارتی تعلقات بحال کر لئے گئے **موورن ہیم** پیرس واپس چلا آیا اور **لابولے** کا تقرر زار نے منظور کر لیا جو دو سال تک پیٹروگریڈ میں سفارت خانے کی صدر معتمدی کر چکا تھا۔ جب یہ نیا سفیر، صدر جمہوریہ گریوی سے

گراوی اور فلوران

رخصت ہونے لگا تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کو کوئی پیام بھیجنا تو نہیں ہے؟ گریوی نے جواب دیا "نہیں نہیں کچھ کہنا سننا نہیں ہے۔ نہ اس سے کوئی توقع ہو سکتی ہے فرانس کی کسی کو احتیاج نہیں

---

۱ شورٹ فیگر۔ ٹسر ... پولی ٹیک۔ جلد پنجم

۲ ڈائی گروس پولی ٹیک "جلد ششم، زار نے یہ پیش قدمی بلاواسطہ اور گائرز کی بلا اطلاع کی تھی اور اسی لئے گائرز نے یقین نہیں کیا کہ اس کارروائی کی زار نے اجازت دی ہوگی۔

اور نہ فرانس کسی کی احتیاج رکھتا ہے اگر ہم خاموشی سے اپنے ملک میں بیٹھے رہیں تو کوئی ہمارے گھر پر حملہ کرنے نہیں آئے گا۔" پیٹرو گریڈ کی ہوا میں بھی کچھ بہت گرمجوشی نہ تھی۔ اور زار نے نئے سفیر کو باریاب کرتے وقت یہ خیال ظاہر کیا کہ "ہم فرانس کے ساتھ بہترین تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ زمانہ مشکلات کا ہے اور عجیب نہیں کہ ابتلا کے موقعے بہت قریب آگئے ہوں تو اب تو یہ تھا کہ روس فرانس پر اور فرانس روس پر بھروسہ کرسکتا۔ لیکن بدقسمتی سے تمہارے ملک میں برابر الجھنیں پیش آتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے تم یکساں طرز عمل پر قایم نہیں رہ سکتے اور تم سے اتحاد عمل کی کوئی شکل نہیں رہی ہے۔ یہ بہت قابل تاسف بات ہے کیونکہ ہمیں ایک قوی فرانس کی ضرورت ہے اور ہم ایک دوسرے کی احتیاج رکھتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ فرانس ہمارا مطلب بخوبی سمجھ لے گا"

سال کے آخر میں فرےسی نے عہدے سے الگ ہوا اور وزارت خارجہ فلوران کے تفویض ہوئی۔ نئے وزیر خارجہ نے روس پر اپنا اعتماد ظاہر کرنے کا پہلا ہی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یعنی ۹ جنوری ۱۸۸۷ء کو جب بلغاری وفد سے جو روس سے جھگڑے کے سلسلہ میں سارے یورپ میں اپنی امداد و حمایت کے لئے چکر لگاتا پھرتا تھا، غیر سرکاری طور پر ملاقات کی تو صاف صاف لفظوں میں انھیں مشورہ دیا کہ روسی مقاصد کے راستے میں رکاوٹیں نہ ڈالیں، ایسے وقت میں جبکہ بسمارک کے سوا ممالک یورپ کا ہر مدبر بلغاریہ میں روس کی زبردستیوں پر معترض تھا، حکومت فرانس کی تائید سن کر پیٹرو گریڈ والے بہت خوش اور شکر گزار ہوئے۔ اس طرح ایک راہ نکل آئی کہ روس، فرانس کی اس سے

بولان ژے کا قضیہ

بھی کوئی بڑی خدمت انجام دے، ۱۸۸۶ء کے آخر میں فرانس کے وزیر جنگ بولان ژے نے ارادہ کرلیا کہ مشرقی سرحد پر فوجوں کا اضافہ کیا جائے کہ جرمن سپاہیوں کے مقابلے میں ان کی تعداد کم تھی۔ جواب میں جرمانیہ نے پچھتر ہزار فوج محفوظ کے سپاہی طلب کرلئے اور ہربرٹ بسمارک نے جو اس وقت منصرمانہ وزارت خارجہ کا کام کررہا تھا غیر دوستانہ الفاظ میں گفتگو کی۔ پیرس میں جرمن سفیر نے دریافت حال

کیا تو اس کا مبہم سا جواب ملا اور فلوراں نے حملہ ہو جانے کے خوف سے اپنے اندیشے ہانس سے بیان کئے جس کی نسبت معلوم تھا کہ روسی سفیر سے گہرے تعلقات رکھتا ہے۔ فلوراں نے سوال کیا کہ اگر جرمانیہ ہم سے فوجوں کے بڑھانے اور بولاں ترے کے نئی چھاؤنیاں بنوانے کے اسباب و وجوہ دریافت کرے تو روس کا طرز عمل کیا ہو گا۔ یہ سوال بجنسہٖ موہرن ہیم تک پہنچا دیا گیا اور اس نے گائرز کو تار دیا۔ جس کا مختصر جواب ملا کہ "شووالوف جواب دے گا" چنانچہ شووالوف کو جو برلن میں روس کا سفیر تھا ہدایت کی گئی کہ جرمن حکومت کو مطلع کر دے کہ زار کی رائے میں فرانس کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنے ملک میں جو چاہے وہ کرے۔ چند روز بعد، یعنی ۳۱/ جنوری کو بلائخ روڈر نے جو بہت بڑا یہودی ساہوکار تھا اور جس سے بسمارک کے بہت کم راز مخفی ہوں گے، فرانسیسی سفیر ہربیت سے خیال ظاہر کیا کہ "پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ محض ایک فضول غلط فہمی ہو گئی تھی"۔ اخبار" نورڈائش آلمین تزایٹنگ" نے لکھا کہ جرمانیہ کا مطلق ارادہ نہیں ہے کہ فرانس سے جواب طلب کرے۔ اور ہربیت نے وطن تار دے دیا کہ فرانس مطمئن رہے۔

چھاؤنیاں بنانے کے حکم نے جو بے لطفی پیدا کی تھی وہ تو دفع ہو گئی لیکن تصادم کا اندیشہ باقی رہا۔ ۶/ فروری کو جرمن سفیر شوائی نٹز نے زار سے دریافت کیا کہ اگر فرانس و جرمانیہ کی لڑائی چھڑی تو آیا وہ غیر جانب دار رہے گا؟ اور یہ کہ اس صورت میں وہ مشرق قریب میں جو چاہے کر سکتا ہے۔ فرماں روائے روس نے جواب دیا کہ" روس تین لڑائیوں میں غیر جانب دار رہا حالانکہ غیر جانب داری ترک کر دینے میں اس کا صریحی فائدہ تھا۔ لیکن اب روس کو پہلے سے بھی زیادہ اپنے مفاد کا لحاظ کرنا پڑے گا اور یہ ممکن نہ ہو گا کہ وہ برابر پروشیہ کی اعانت کرتا رہے۔ دوسرے پروشیہ اب شہنشاہ فرانس جوزف کی حلیف بھی ہے"۔ آخر میں اس نے یہ بھی کہا کہ فرانس کے برباد ہو جانے سے یورپ کا توازن بالکل بدل جائے گا اور اس واسطے میں غیر جانب دار رہنے کا وعدہ نہیں کر سکتا، اصل میں زار پابند ہونا نہ چاہتا تھا اور

نہ ابھی تک فرانس سے اتحاد کرنے پر آمادہ تھا اگرچہ اس نے لکھدیا تھا کہ فرانس میری دلی تائید کو اپنے شامل حال سمجھ لے۔ موورن ہیم نے فلوران کے اس ارادے کو پسند کیا کہ ایک دفاعی معاہدے کی تجویز کی جائے۔ اس نے کہا "آپ ایسے آدمی کو پیٹرو گرِیڈ بھیجیں جو بہت زیادہ نمایاں نہ ہو اور وہ اس طرح سوال کرے کہ کیا مشرق میں جنگ ہونے کی صورت میں فرانس اس میں کوئی دلچسپی نہ لے؟ اور اگر یہ درست نہیں تو کوئی باضابطہ عہدنامہ ہو سکتا ہے؟" فلوران نے مارکی دو وگوے کو اس کام کے لئے منتخب کیا تھا لیکن وہ روانگی کے لئے تیار ہوا تھا کہ گائرز نے اطلاع دی کہ زار کی دانست میں اتحاد کے لئے یہ وقت مناسب نہیں کیونکہ اس سے دوسری طاقتوں کو اضطراب پیدا ہو جائے گا۔

بولان ژے کی نادانیاں

بولان ژے جب تک وزیر جنگ رہا، یکے بعد دیگرے قضیے پیدا ہوتے رہے کیونکہ نہ وہ جمہور کا وفادار تھا نہ اپنے ساتھ کے وزرا کا۔ فروری میں ایک اتوار کے دن وزیر خارجہ کی بیوی بہت گھبرائی ہوئی جرمن سفیر (کونٹ منسٹر) کی بیٹی کے پاس آئی[1] اور اس سے معلوم ہوا کہ بولان ژے نے زار کو خط لکھا ہے جس میں باہمی قرارداد کی درخواست کی ہے تاکہ جرمانیہ کوئی گڑبڑ کرنے نہ پائے۔ اور فرانس کے سردار رکاب (ملیٹری اٹاچی) کو جو رخصت پر پیرس آیا ہوا تھا حکم دیا ہے کہ وہی یہ خط لے کر زار کے پاس اپنی خدمت پر واپس جائے۔ پھر راویہ نے کہا کہ "اگر یہ کارروائی روکی نہ گئی تو میرا شوہر مستعفی ہو جائے گا۔ خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کا تم کو یقین آنا بھی مشکل ہے"، مگر سردار مذکور نے اپنا فرض سمجھا کہ وزیر خارجہ کو اس واقعے کی اطلاع دے دی اور پھر وہ خط پیرس سے نہ گیا۔ مجلس وزرا کا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں فلوران نے استعفیٰ دینے کی دھمکی دی اور گو بولان ژے، کے بعض ساتھی اس آتش مزاج وزیر سے نجات پا جانا ہی بہتر

[1] یورپئین پولی ٹیک۔ پنجم

سمجھتے تھے تاہم یہ وعدہ کرنے پر کہ آئندہ ایسی خطرناک بے ضابطگی نہ ہونے پائے گی اسے عہدے پر رہنے دیا گیا۔

کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ شنی بیل کا قضیہ پیش آیا جس نے اتحاد روس کو بہت ہی اہم سوال بنا دیا۔

قضیہ شنی بیل

سفیر فرانس نے خود اپنی طرف سے گائرز سے دریافت کیا کہ اگر فرانس پر حملہ ہوا تو روس کیا کرے گا۔ گائرز نے جواب دیا "زار قول دے چکا ہے" فلوران نے سفیر فرانس کی اس کارروائی کو اس خوف سے ناپسند کیا کہ کہیں یہ خبر **بسمارک** کے کان تک نہ پہنچ جائے۔ تاہم فرانس کی حکمت عملی کا رخ صاف طور پر اس واقعے سے ظاہر ہوتا تھا کہ بلغاریہ کے متعلق خطوط زار کے حوالے کر دئے اور **ڈروممنڈ وولف** کی تحقیقاتی جماعت پر زار کے ساتھ ہو کر اعتراض کیا۔ بلجیم کا وکیل متعینہ وی آنا لکھتا ہے[1] کہ اس کارروائی نے فرانس کو تنہائی کی تکلیف سے نجات دی اور دنیا کو بتا دیا کہ فرانس و روس کے درمیان کیسے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے ہیں جو پہلے محض خیالی ہمدردی کی نوعیت رکھتے تھے۔ ساتھ ہی اس واقعے نے دول اربعہ کے تعلقات کو زیادہ قوی کر دیا ہے اور دو جتھوں کی صورت میں دول یورپ کا اس طرح بٹ جانا قیام امن کے حق میں بہت ہی بری فال نظر آتا ہے۔ روس کی جرمانیہ سے عداوت برابر بڑھ رہی ہے اور ادھر فرانس میں انتقام کے خیالات کی صدائیں زیادہ بلند ہوتی جاتی ہیں۔ وہاں کے لوگ پیٹرو گریڈ کو اپنا حلیف سمجھنے لگے ہیں اور ان اسباب سے دوسرے ممالک کی طرح یہاں بھی بہت تشویش ہو رہی ہے"۔ بلجیم کے سفیر متعینہ برلن نے اطلاع دی کہ سفیر فرانس اپنے اطمینان اور مسرت کو چھپانا بھی نہیں چاہتا۔ اور ادھر پیرس سے بلجیم ہی کے عامل سفارت نے ۴ر مارچ ۱۸۸۸ء کو لکھا کہ "ہر طرف زار ہی زار کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ تھیٹر (یا ناٹک) اخبار یا بازار غرض ہر حیلے زار پسندی کا اظہار کیا جا رہا ہے"

[1] شورٹ فیچر: جلد پنجم

سیاسی ہمدردی کو اقتصادی ضرورت نے اور قوت پہنچائی۔ روس نے محصول راہ داری بڑھایا اور غیر ملکیوں کو سرحد پر زمین حاصل کرنے سے روکا، تو اس کے جواب میں بسمارک نے جرمن ساہوکاروں کو قرض دینے سے منع کر دیا اور اخباروں کو اشارہ کر دیا کہ وہ روس کی کفالتوں کی خبر لیں۔ لیکن یہ کام کرتے وقت خلاف معمول اس نے چوک کھائی اور اپنے زبردست ہمسائے کو فرانسیسی ساہوکاروں کی گود میں دھکیل دیا۔ اب تک روس بیشتر جرمانیہ ہی میں قرض لینے کا انتظام کرتا رہتا تھا۔ اگرچہ ہالینڈ اور فرانس بھی (روتھ شائلڈ کی مہاجنی کی وساطت سے) روپیہ دینے میں تھوڑا بہت حصہ رکھتے تھے۔ لیکن اب روس کو روز افزوں مقدار میں (جس کی اُسے احتیاج رہتی تھی) روپیہ فراہم کرنے کے نہ صرف سیاسی بلکہ مالی فوائد بھی فرانسیسی مہاجنوں کو نظر آ گئے ۱۸۸۷ء کے اواخر میں ایک مہاجنی جماعت کی طرف سے جسے ڈنمارک کے توطن گزیں باشندے ہوسکیر نے مرتب کیا تھا روس کو امداد پیش کی گئی اور گو اس کو روسیوں نے قبول نہیں کیا تاہم وزیر خزانہ کی طرف سے ۱۸۸۸ء کی خریف میں فرانسیسی ساہوکاروں کی ایک جماعت سے استدعا کی گئی کہ اپنے قایم مقام کو گفتگو کے لئے بھیجیں اور اکتوبر میں ہوسکیر روس کے پائے تخت میں پہنچ گیا۔

۱۸۸۸ء کا قرضہ وزیر خزانہ نے پورے قومی قرضہ کو فرانس کے نام منتقل کر دینے کی خواہش کی اور بازار کو آزمانا چاہا تاکہ معلوم ہو کہ ساہوکاروں کی یہ جماعت جیسا ظاہر کر رہی ہے دینے والے بھی اس قدر آمادہ ہیں یا نہیں؟ اس غرض سے اُس نے چار فی صدی سود پر پچاس کرور فرانک مانگے اور ہوسکیر نے اس رقم کے بہم پہنچانے کا ذمہ لیا۔ ۱۰ دسمبر کو تمسک نامے بحساب ۸۶٫۴۵ جاری کئے گئے اور جتنی ضرورت تھی اس سے ایک لاکھ دس ہزار قرض دینے والوں کی درخواستیں زیادہ وصول ہو گئیں۔ زار نے ہوسکیر کا دلی شکریہ ادا کیا کہ اُس نے برلن کی محتاجی سے روس کو نجات دی۔ سال آیندہ چھتیس کرور فرانک چار فیصدی پر ۹۳ کے تمسک نامے جاری کر کے جمع کئے گئے

کہ پہلے قرضوں میں یکسانی پیدا ہو جائے روتھشائلڈ کے کارخانے نے مارچ میں ستر کرور اور مئی میں ایک ارب چوبیس کرور بیس لاکھ کے قرضے فراہم کر لئے اور یہ اتنی بڑی رقمیں تھیں کہ ایک بڑی سلطنت صرف اس وقت دوسری سلطنت کو قرض دیا کرتی ہے جب کہ ان میں باہمی معاہدہ ہو یا ہونے والا ہو۔

جس وقت کہ سرمایہ دار شاطر علانیہ یہ چال پوری رہے تھے، ارباب حرب پس پردہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ نومبر ۱۸۸۸ء میں ایک واقعہ پیش آیا کہ لوگوں کو تو اس کی عام طور پر کوئی خبر نہ ہوئی لیکن اس نے روس کو قرضہ قبول کرنے سے بھی زیادہ پابند بنا دیا۔ امیر کبیر ولاڈی میر پیرس آیا اور اس نے فرے سی نے سے فرانس کی نئی رفل معائنہ کرنے کی خواہش ظاہر کی[1] اور کہا کہ "تجربے کے لئے میں چاہتا ہوں کہ اس قسم کی ایک بندوق اور چند کارتوس تم مجھے منگادو۔ پورا اطمینان رکھو کہ میرے سوا وہ دوسرے کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکیں گے" وزیر حرب کو حیرت ضرور ہوئی اور اس نے اپنے ساتھ والوں سے مشورہ لیا جنھوں نے اس کام کی اجازت دے دی۔ دو ماہ کے بعد جنگی اتاچی نے دریافت کیا کہ کیا فرانسیسی ماہرین فن ایک اسی قسم کی بندوق کا امتحان کریں گے جو ممکن ہے کہ روس کے واسطے فرانس میں تیار کرالی جائے۔ اس پر بھی وزرا رضا مند ہو گئے اور انھیں دکھائی دینے لگا کہ یہ معاہدۂ اتحاد کے آثار ہیں۔ چنانچہ روسی اسلحہ خانے کے عہدہ دار پیرس پہنچے اور چند ہی روز میں فرانس کے ماہرین حرب سے گھل مل گئے اس کارروائی کا دوسرا قدم یہ تھا کہ روسی سفیر نے فرانس سے روسی کاریگروں کے آنے اور باروت کے کارخانے دیکھنے کی اجازت چاہی تاکہ اسی قسم کے کارخانے روس میں بھی قائم کئے جاسکیں۔ آخر اوائل ۱۸۸۹ء میں فوجی اٹاچی نے سوال

بندوقیں اور گولہ باروت

---

[1] فرے سی نے: "سووینز" جلد دوم ۔ ۴۱۴ تا ۴۱۸

کیا کہ کیا پانچ لاکھ بندوقیں فرانس میں تیار ہو سکتی ہیں۔ فرے سی نے جواب میں لکھا "کمال مسرت سے لیکن ہمیں خوشی ہو گی اگر یہ اطمینان دلا دیا جائے کہ وہ اہل فرانس پر کبھی نہیں چلیں گی"[1] اُدھر سے جواب ملا "ہم تم کو پورا اطمینان دلا دیں گے،" اور موسیو ہیم نے فرے سی نے کی خواہش پر وزیر خارجہ کو بھی یہی اطمینان دلایا۔ بندوقوں کے بنانے کا کام تو ۱۸۸۹ء میں اس وقت شروع ہوا جب کہ فرے سی نے وزیر اعظم تھا۔ لیکن اس اثناء میں روسی سرداروں نے جنرل میری بیل اور جنرل بوادیفر کے ماتحت فوج کے اجتماع، رسد رسانی اور حمل ونقل کے اصول سیکھے۔ ان جنرلوں میں ایک تو سرداران مستقر کا صدر تھا اور بوادیفر پیٹروگریڈ کے سفارت خانے میں سردار رکاب یا اتاچی رہ چکا تھا ساتھ ہی ایک فرانسیسی صناع روس بھیجا گیا کہ وہاں گولہ باروت بنانے کا انتظام درست کرے،

مارچ ۱۸۹۰ء میں فرے سی نے کی وزارت مرتب ہوئی اور فرانس وروس کے تعلقات کی داستان میں اس کو بہت ہی خاص اہمیت حاصل ہے۔ ابتدائی زمانے میں فرے سی نے روس کے دوستوں میں شمار نہیں کیا جاتا تھا لیکن وزیر جنگ رہنے کے زمانے میں جب پیہم اُدھر سے اظہار اعتماد ہوتا رہا تو وہ روس کے ساتھ اتحاد کا سرگرم حامی اور وکیل بن گیا اور صدر جمہور یہ کارنو اور نیا وزیر خارجہ ریبو بھی کچھ کم مائل نہ تھے۔ ادھر بسمارک عہدے سے الگ ہوا اور معاہدۂ اطمینان کی میعاد ختم ہوئی تو اشتراک باہمی کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو گئی۔ مئی میں امیر کبیر نکولاس نے، جس کے دس برس قبل پیرس آنے کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے، وزیر اعظم سے ملاقات کرلی چاہی اور بیان کیا کہ جس قدر خود روس کی فوج سے مجھے دلچسپی ہے، فرانس کی فوج سے بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ "اگر ان معاملات میں میری رائے کوئی وزن رکھتی ہو، تو جنگ کے وقت میں یہ دونوں فوجیں ایک

[1] فرے سی نے۔ جلد دوم

ہو جائیں۔ اور یہ بات اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو جنگ ہی ہونے نہ پائیگی۔ کیونکہ فرانس و روس کو لوٹنے کی کسی کو خواہش نہ ہوگی" پھر فوج اور بیڑے کے متعلق دریافت حال کرکے وہ یہ کہہ کے وزیر اعظم سے رخصت ہوا کہ "ذاتی طور پر میں فرانس کے ساتھ ہوں"۔[۵]

اسی مہینے میں فرانس کی مجلس وزارت کو زار کی ایک بیش بہا خدمت انجام دینے کا موقع میسر آیا۔ روسی سفیر نے حکومت شکن (نہلسٹ) فرقے کے افراد کی گرفتاری کے لئے کہا جو بم بنانے میں مصروف تھے اور اب روس جانے کی تیاری کر رہے تھے اور جب فرانس کے مستعد وزیر داخلہ کونستان نے نو آدمی گرفتار کرلئے جن کے قبضے میں بہت پر قوت بم نکلے تھے، تو زار نے شکرگزاری کا اظہار کیا، اُدھر جنرل بوادیفر کو اپنے کام میں کامیابی ہوئی تو حکومتِ فرانس نے پوچھا کہ آیا یہ صدر افواج اُس مصنوعی جنگ میں بلایا جاسکتا ہے جس میں قیصر بھی شریک ہونے والا تھا۔

بوادیفر کا وفد

یہ استدعا کمال عنایت سے منظور ہوئی اور فرانسیسی سپہ سالار کے ساتھ بہت ہی لطف و نوازش کا سلوک کیا گیا۔ سفیر نے اطلاع دی کہ "اس کے سفر کا سب سے اہم پہلو جس کے باعث میں نے خواہش کی تھی کہ جنرل کے مرتبے کا آدمی مدعو کیا جائے، ہماری حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ مشکل سے تین سال گزرے ہوں گے جبکہ فرانس و روس کا ارتباط وہم محض نظر آتا تھا لیکن اب وہ اتنا قوی ہوگیا ہے کہ قیصر جیسے شخص کے ورود سے بھی کسی قسم کے اندیشے نہیں پیدا ہوتے۔ مگر فقط اس فلسفیانہ نتیجہ کو قلمبند کرلینا کافی نہیں ہے۔ ہمیں تمام عواقب پر نظر ڈالنی پڑے گی گو وہ سیاسی میدان میں نہ ہو۔ اگر ایسے فرماں روا کی جو کا ملاً آزاد رہنا چاہتا ہے، مزاحمت سے قطع نظر کرلی جائے (اگرچہ اس مزاحمت کا قوی قرینہ موجود ہے) تو بھی دو اعتراض رہتے ہیں، پہلی بات

---

[۵] فرے سی نے، جلد دوم

تو یہ ہے کہ اگر علانیہ اتحاد ہوا تو اُدھر اتحاد ثلاثہ کو قوت پہنچ جائے گی جو کمزور ہوتا جارہا ہے۔ دوسرے ہمیں اپنے آئین حکومت کا یہ نقص چھپانا پڑے گا جس کی رُو سے صدر حکومت معاہدے طے نہیں کرسکتا اور اسی کی بدولت ہماری سیاسیات اتحاد کے فوائد سے محروم ہوگئی ہے، باقی رہا جنگی پہلو۔ تو روس کی پیادہ فوج کو ہم مسلح کرچکیں تو پھر صرف ایک ہی کارروائی کرنی رہ جائیگی اور اس کی تکمیل امید ہے کہ بوادیفر کا وفد کردے گا۔ بلکہ میں تو جانتا ہوں وہ پہلے ہی یہ کام کرچکا ہے اور اب دونوں ملکوں کے جنگی عہدہ داروں میں ارتباط قائم ہوجائے گا۔

بوادیفر نے واپس آکر اطلاع دی کہ زار ابھی تک اتحاد پر پورا رضامند نہیں ہوا ہے۔ لیکن اس کے اکثر ہم وطنوں کی رائے ہے کہ سب سے

روس سے شیفتگی

کڑی منزل طے ہوچکی ہے۔ ادھر ۶ ستمبر کو بلجیم کا وکیل تحریر کرتا ہے کہ پیرس میں ہر شخص یہی خواب دیکھ رہا ہے اور یہ تمنائیں اس قدر تی خواہش پر مبنی ہیں کہ وسطی سلطنتوں کی طرف سے حملہ ہو تو ایک بڑی قوم کا سہارا لیا جاسکے۔ البتہ اب یہ شئے ایک جذبۂ وجدانی کی صورت اختیار کرتی جاتی ہے روس کی شیفتگی نے ہر گروہ اور ہر طبقے پر غلبہ پالیا ہے۔ یہ سلطنت آج کل ایسی محبوب و ہر دلعزیز ہے جیسی کہ دوسری بادشاہی کے زمانے میں پولینڈ کی مملکت محبوب ہوگئی تھی۔ بہت سے لوگ تو پورا یقین رکھتے ہیں کہ فرانس و روس کے درمیان باقاعدہ معاہدہ نہیں تو مخفی قرارداد یں ہی سہی، غرض پیمان اتحاد ہو چکا ہے۔ اسی لئے ہر سرکاری آدمی کی آمد ایک اہم واقعے کی نوعیت پا جاتی ہے اور روسی شہزادے فرانس میں سیر و سیاحت کے لئے آتے اور حکام سے محض رسمی طور پر ملاقات کو جاتے ہیں، تو لامحالہ ان ملاقاتوں کو سیاسی

لہ لابولائے کا خط ریبو کے نام۔ مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۹۱ء میں اتحاد روس و فرانس کے عنوان سے فرانس میں جو مجلد کتاب ۱۹۱۸ء میں چھپی، اس میں سب سے پہلی دستاویز یہی خط ہے۔

اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں ایک نیا جریدہ لَ یونیوں فرانکو رسیوس" کے نام سے جاری ہوا ہے اور پیرس کے اخباروں میں روسی اتحاد کی جو بادخوانیاں چھپتی ہیں ان سب کو جمع کر کے چھاپتا رہتا ہے دونوں ملکوں کے آئین و قوانین میں جو فرق ہے وہ پیرس میں کسی کو یاد نہیں آتا۔"

جس وقت بوادیفر روس کے فوجی عہدہ داروں سے رابطہ قایم کر رہا تھا، فریسی نے اور اس کا وزیر بحریہ بارب اپنے شمالی بیڑے کو بالٹک میں بھیجنے کے مسئلہ پر غور و بحث کر رہے تھے۔ اس منصوبے کی پیٹرو گریڈ کے فرانسیسی سفارت خانے کی طرف سے تائید ہوئی اور موہرن ہیسم اور روسی سرداروں نے جو پیرس میں تھے ترغیب دلائی۔ مجلس وزرا میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو ریبو نے تشویش ظاہر کی کہ اس کارروائی کو دوسری سلطنتیں کس نظر سے دیکھیں گی۔ لیکن وہ بہت جلد ہمراسے بنا لیا گیا اور لابوئے کو ہدایت کی گئی کہ حکومت روس کو ٹٹولے کہ ستمبر میں فرانسیسی بیڑا کوپن ہیگن کو بھیجا نا اور سٹاک ہوم کے ساتھ کرونس ٹیڈ کو بھی اپنے دائرہ سیاحت میں داخل کر لے تو کیسا ہے روسی حکومت نے اصولاً اس خیال کو تسلیم کر لیا لیکن چونکہ زار جنوب کی طرف جا رہا تھا، لہٰذا ورود کی تاریخ ملتوی کر دی گئی۔ جاڑوں میں جو اطلاعیں پیٹرو گریڈ سے آئیں وہ ایسی حسب دلخواہ تھیں کہ جنوری ۱۸۹۱ء میں اس تجویز کا اعادہ کیا گیا اور قرار پایا کہ آیندہ جولائی میں بیڑا کرونس ٹیڈ جائے۔

عین اس زمانے میں بعض واقعات یا حوادث پیش آئے جن سے سیاسیات عالیہ کی داستان مرکب ہے اور انھوں نے فرانس کو پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ خیال دلایا کہ وہ ایک طاقتور دوست کا محتاج ہے۔

ملکہ فریڈرک

فروری ۱۸۹۱ء میں ملکہ فریڈرک پیرس آئی اور جرمن سفارتخانے میں قیام کیا۔ صنعتی کارخانوں کے معائنے کے بعد جب اس نے ورسائی اور سین کلو کی زیارت کے لئے جانا شروع کیا تو بہت سی تلخکامیوں کی یاد تازہ ہو گئی اور معاندانہ مظاہرے ہونے لگے۔ ۲۶ فروری کو قیصر نے اجتماع افواج کے ابتدائی احکام

جاری کر دئے کہ اگر دوسرے دن زوانہ ہوتے وقت اس کی ماں کو دق کیا جائے تو فوج مجتمع ہو جائے۔ فرانس کے عام لوگوں کو اس تہدید کی اطلاع نہ تھی اور حکومت نے خوف زدہ ہو کر جو تدابیر کیں نیز ریل کو مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے روانہ کر دیا، ان احتیاطوں کی بدولت وہ خطرہ دُور ہو گیا[1]۔ چند روز کے بعد (۹ مارچ کو) موہرن ہیم نے گائرز کا ایک مراسلہ ریبو کو سنایا جس میں تعریف کی گئی تھی کہ ملکہ فریڈرک کے آنے کے موقع پر فرانس نے بہت صحیح طریق عمل اختیار کیا۔ گائرز نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ "یہ ارتباط دوستانہ جو اس خوبی سے ہمارے درمیان قائم ہوا ہے امن کی بہترین ضمانت ہے۔ اتحاد ثلاثہ والے جہاں جنگی سازوسامان کی فراہمی میں برباد ہوئے جاتے ہیں وہاں ہمارے دونوں ملکوں کی قومی موافقت یورپ کی طاقتوں میں توازن قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے"، اسی ضمن میں موہرن ہیم نے بتایا کہ گائرز کے یہ الفاظ بڑی وقعت رکھتے ہیں اور حکومت روس نے کبھی اس قدر صاف صاف منشا ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ہماری موافقت اب چٹان کی طرح مضبوط ہے اور دریافت کیا کہ فرانس کی حکومت کا اس مراسلے کے بعد کیا خیال ہے۔ ریبو نے جواب دیا کہ ہمارے دل میں ان کلمات کی بہت قدر و منزلت ہے اور اس ارتباط باہمی کو ہم یورپ میں قیام امن کے لئے ناگزیر سمجھتے ہیں نیز احسان مند ہیں کہ حال میں جو واقعات پیش آئے روس نے اسی موقع کو مذکورہ بالا ضرورت کا انکشاف کرنے کے واسطے منتخب کیا۔

اسی وقت صدر جمہوریہ کارنو کو روس کی طرف سے "سینٹ انڈریو کی صلیب کلاں" کا تمغہ پیش کیا گیا اور اس کو بھی پیرس میں اظہار اعتماد کی صریحی علامت سمجھا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زار یا اس کا وزیر خارجہ فرانس کے ساتھ کوئی خاص محبت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ گائرز نے رومانی وکیل سے کہا کہ "عطائے تمغہ کی اہمیت میں بہت مبالغے سے کام لیا جا رہا ہے۔"

[1] زیسی نے جلد دوم

ایسے تمغے اکثر دئیے جا چکے ہیں۔ باقی فرانس نے معاہدہ کرنے کے متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا اس کو ہم نے قبول نہیں کیا۔ زار کو جمہوری حکومت ذرا نہیں بھاتی اور وہ اس کے ساتھ عہد نامہ کرنا نہیں چاہتا۔ دوسرے فرانس کے عہدہ دار جلد جلد بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن دوستانہ اقدام و تحریکات کا جو بار بار ہم سے کی جا رہی ہیں، تھوڑا بہت بدلہ نہ کیا بھی بے مہری کی بات ہے[1]۔
فی الواقع اتحاد ابھی تک کسی اتفاقی واقعے کے پیش آ جانے کا محتاج تھا۔ سٹی میں روتھ شائلڈ کے کارخانے نے عین آخری وقت پر قرضہ فراہم

روس کے یہودی

کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی ظاہری وجہ یہ تھی کہ روسی جور و تعدی ہزار ہا یہودیوں کو ملک سے نکل جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ روسیوں نے اس انکار کو یہ سمجھا کہ حکومت فرانس کے ابھارے بغیر روتھ شائلڈ مذکورہ بالا حرکت نہ کر سکتا تھا۔ چند روز بعد ہی ماسکو میں ایک فرانسیسی نمائش گاہ کا افتتاح ہوا جس کے بہت کچھ اشتہار دئے گئے تھے تو اس موقع پر زار نے علانیہ اپنی ناخوشی کا اظہار کیا۔ اور ضیافت کی اجازت منسوخ کر دی گئی۔ اسی کے ساتھ اپنے بھائی سرج حاکم ماسکو کو خود وہاں جانے سے روک دیا اور استقبال اتنی سرد مہری سے کیا گیا کہ افتتاح کے روز ہی فرانسیسی جماعت عاملہ واپس پیرس روانہ ہو گئی۔ سیاسی اور تجارتی دونوں اعتبار سے نمائش ناکام رہی، **بیرن مارشل** کی دانست میں یہود آزاری محض بہانہ تھا ورنہ قرض کا اقرار کر کے پھر جانے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ فرانس نے جاپانیہ و فرانس کی جنگ میں روس سے امداد کی درخواست کی تھی جسے روس نے مسترد کر دیا۔[2]
فرانس و روس کی یہ چند روزہ کشاکش اتحاد ثلاثہ کی تجدید سے دور ہو گئی کر بسی کے عہدہ وزارت میں جو ۱۸۹۱ء سے شروع ہوا اطالیہ کی اپنے اتحادیوں

---

[1] شورٹ خیگر۔ جلد پنجم
[2] پیرم حصہ معاہدے (جلد دوم)

سے دوستی میں انتہائی ترقی ہوئی اور ادھر فرانس کے ساتھ تعلقات بہت کشیدہ رہے۔ ۱۸۸۸ء میں فرانس نے تجارتی معاہدے کی تجدید سے انکار کر دیا اور اگر ۱۸۹۰ء میں کرسپی برطانیہ کو جنگ میں شرکت پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ بیزرتا کے استحکامات بنانے پر ہی لڑ پڑتا۔ ۱۸۸۹ء میں اس نے آسٹریہ سے تقاضا کیا کہ جس طرح وہ جرمانیہ سے ۱۸۸۸ء میں بری و بحری معاہدہ کر چکی ہے انہی اصول کے موافق اطالیہ سے بھی شرائط طے ہو جائیں۔ لیکن بسمارک کی تاکید کے باوجود کالنوکی نے یہ بات منظور نہ کی۔ اور ۱۸۹۰ء میں کرسپی نے تحریک کی کہ اتحاد ثلاثہ کے مختلف معاہدات کو صرف ایک عہد نامے کی صورت میں جس کی رو سے تینوں حلیف یکساں شرائط کے پابند ہو جائیں، مرتب کر لیا جائے تو اس کو بھی وزیر آسٹریہ نے نہ مانا اور کہا کہ کسی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ طرابلس اور مراکش کے معاملات میں تو آسٹریہ کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتی اور اطالیہ نے آسٹریہ کو روس کے مقابلے میں مدد دینے کا کبھی خیال نہیں ظاہر کیا۔

رودینی اور فرانس

۱۸۹۱ء کے آغاز میں کرسپی کی جگہ فرانس دوست رودینی وزیر ہوا اور اس نے بلا تاخیر فرانس کے ساتھ گفتگو شروع کی۔ اس نے جتایا کہ اتحاد ثلاثہ محض دفاعی نوعیت رکھتا ہے لیکن جب حکومت فرانس نے اصل معاہدہ دیکھنے کے لئے مانگا تو اس نے انکار کر دیا۔ اسی طرح فرانس نے دریافت کیا کہ اگر فرانس الساس لورین پر قبضہ کر لے تو آیا اطالیہ، جرمانیہ کو مدد دینے کی پابند ہوگی تو اس کا جواب دینے پر بھی آمادہ نہیں ہوا۔ فرانس کے اس خلاف مصلحت بلکہ درحقیقت خلاف تہذیب سوال سے، جس کا راز مارشل[۱] نے سفیر بلجیم سے بھی کہہ دیا تھا، رودینی کے حواس درست ہو گئے اور اسے معلوم ہوا کہ فرانس کے ساتھ ارتباط و دوستی کی سب امیدیں موہوم ہیں[۵] اسی پراس نے برلن میں

[۵] ۱۰ اپریل ۱۸۹۱ء۔ شورش فیگر جلد پنجم

ایک اقرار نامے کا مسودہ پیش کیا اور کیپ ریوی خوشی سے جرمن ذمہ داریاں بڑھانے پر آمادہ ہوگیا۔ چنانچہ ۶ / مئی ۱۸۹۱ء کو اتحاد ثلاثہ کے تیسرے عہد نامے پر دستخط ثبت ہو گئے جس کی میعاد چھ سال اور اگر کوئی اطلاع نہ دی جائے تو مزید چھ سال تک تھی۔ پھر اطالیہ کی استدعا پر دونوں عہد نامے ایک میثاق کی شکل میں ضم کر دیئے گئے اور ایک "اختتامی مفاہمت نامہ" اور بڑھا دیا گیا۔ ہر فریق نے اقتصادی مراعات کا، جہاں تک کہ معاہدات حاضرہ کی حدود میں دی جاسکیں، وعدہ کیا اور انھیں پابند کر دیا کہ وہ برطانیہ کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کہ جس طرح وہ ترکی ممالک کی علی حالہا تقسیم کی حامی ہے اسی طرح مغربی بحر متوسط کے ممالک کے بارے میں بھی مؤید ہو جائے۔

اتحاد ثلاثہ کی اسی تجدید نے جس میں برطانیہ کی صریحی تائید بھی شامل تھی، روس پر ثابت کر دیا کہ اگر وہ انقطاع و بے دست و پائی سے بچنا چاہتا ہے تو اس کا رفیق بجز فرانس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور گو زار کی جمہوریت سے بیزاری یا فرانس کے تلون سے بدگمانی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا تاہم اب وہ آمادہ ہو گیا کہ اشتراک عمل کی تجاویز پر غور کرے۔ ۲۳ / جولائی کو فرانس کا ایک بیڑا، جنگ کرمیہ کے بعد پہلی مرتبہ روس کے سمندر میں داخل ہوا اور کرانس تاڈ میں اس کا ایسی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا جو رسمی آؤ بھگت سے کہیں زیادہ تھی اور جس سے ممالک یورپ کی تاریخ میں ایک نئی فصل کا آغاز ہو گیا۔ اس تپاک و گرمجوشی کی انتہا یہ تھی کہ فرانس کا بحری باجہ روس کا قومی ترانہ سنا چکا تو زار نے بحری باجے والوں کو حکم دیا کہ مارسیلز کا گیت بجائیں جسکی اس وقت تک عام مقامات میں بجائے جانے کی ممانعت تھی۔ اور اب زار نے برہنہ سر کھڑے رہ کر اسے سنا[۵]۔ جو ملاح سینٹ پیٹرز برگ اور ماسکو کی سیر کو آئے روسیوں نے ان کے آنے پر جس قدر جوش و خروش ظاہر کیا اسے دیکھ کر وہ خود حیران

۵۔ مارسیلز کے بجانے کی بیڑے کے رخصت ہونے کے بعد پھر ممانعت ہو گئی۔

رہ گئے۔ فرے سی نے لکھتا ہے کہ "جس وقت بیڑے نے لنگر ڈالا، رابطہ اتحاد تو اسی وقت قایم ہوگیا۔ فقط اسے سرکاری زبان میں لکھدینا باقی رہا ورنہ زار نے علانیہ اس کام میں ہاتھ ڈالدیا۔"

کرانس ٹیڈ کے ان جلسوں کا تمام یورپ پر بہت اثر پڑا اور خاص خاص حلقوں میں گھبراہٹ بھی پیدا ہوئی۔ بلجیم کا سفیر متعینہ برلن تحریر کرتا ہے کہ "اب تک حکومت جرمانیہ کو اتحاد فرانس و روس کے امکان کا یقین ہی نہ آیا تھا لیکن اب ان دونوں ملکوں میں سربرآوردہ حضرات کے دل میں طرح طرح کی امیدیں پیدا ہو جائیں گی اور آتش گیر مواد میں اور اضافہ ہوگا جسے آگ دکھانے کی بعض اشخاص کو کچھ کم فکر نہیں رہتی۔ اس رابطے کی بنیاد جرمانیہ کی مشترک عداوت ہے لہذا یہ خواہ مخواہ پیش دستی کی شان اختیار کرے گا۔" لندن کے بلجیمی سفیر نے بیان کیا کہ "برطانیہ کے اہل الرائے کو امن میں کسی فوری خطر کا خوف تو نہیں ہے لیکن روس و فرانس کے اتحاد سے جو امیدیں پیدا ہو رہی ہیں ان کے برآنے کی صورت تو صرف یہی ہو سکتی ہے کہ اس اتحاد میں پیش دستی کا رنگ ہو ورنہ یہ لوگ بہت مایوس ہوں گے۔ ان دونوں ملکوں میں جس قسم کی احتیاط ملحوظ تھی وہ ترک کر دی جائے گی، اور ان میں سے ایک تو اساس و مصر کے متعلق زیادہ سرگرمی سے اعتراض کرے گا اور دوسرا باب عالی سے نئی نئی مراعات کا مطالبہ کرے گا۔[1]

یورپ نے واقعے کی اہمیت کا جو اندازہ کیا تھا، وہ درست تھا۔ فرانسیسی بیڑے کے عین ورود کے قریب فرانسیسی سفیر نے وزیر خارجہ سے ایک راز کی گفتگو کی اطلاع دی کہ "اس نے مجھ سے اتحاد ثلاثہ کی تجدید اور انگلستان کی اس میں بالواسطہ شرکت کا تذکرہ کیا۔ اور ہم دونوں نے خود ہی سوال کیا

---

[1] یکم اگست، دیکھو شورٹ نیگر۔ جلد پنجم۔

روس کو حلیف کی ضرورت

کہ کیا یہی صورت حال کا مقتضی یہ نہیں ہوگیا ہے کہ راہِ اتحاد میں ایک اور قدم بڑھایا جائے۔ عجب نہیں کہ گائرز اس مسئلے کو پھر چھیڑے لہٰذا مجھے آپ کی ہدایات درکار ہیں" جواب میں ریبو نے ۲۴ جولائی کو لکھا کہ "میں نے گائرز کی تحریک کا صدر جمہوریہ اور فرے سی نے سے ذکر کر دیا ہے۔ ہماری دانست میں اتحاد ثلاثہ کی تجدید ہو جائے تو ہمیں اُن ضمانتوں کو جو ہمارے ارتباط سے حاصل ہوئی ہیں، اور مضبوط کر لینا چاہیئے۔ اسی لئے ہر تجویز جو ادھر سے ہوگی ہم اس کا شوق سے خیر مقدم کریں گے۔ اگر دولت روس خاص خاص سیاسی مقاصد کے لئے اتحاد کی فکر میں ہے تو ہمیں احتیاط سے اُن پر غور کرنا پڑے گا لیکن میں قیاس کرتا ہوں کہ مجوزہ اتحاد سیدھا سادہ ہوگا۔ ہماری نظر میں تو صرف یہ معاہدہ ہو جانا کافی ہے کہ ہر ایسے مسئلہ پر جس سے امن معرض خطر میں پڑتا ہو، فریقین آپس میں صلاح و مشورہ کر لیں گے۔ اور اگر اتحاد ثلاثہ کا کوئی رکن امن شکنی پر آمادہ نظر آئے تو فرانس و روس اس قسم کی فوری تدابیر کریں گے کہ وہ اچانک زد میں نہ آسکیں۔ یعنی جو نہی کہ اس جتھے کا کوئی رکن فوج جمع کرے گا وہ بھی اسیوقت فوجی اجتماع پر آمادہ ہو جائیں گے اور اس اجتماع کی صورتیں دونوں ملکوں کے جنگی عہدہ دار طے کریں گے۔ سردست اس اقرار سے زیادہ ہم اور کچھ نہیں چاہتے اور اس کے باضابطہ مرتب ہو جانے کے حالات حاضرہ جس قدر مساعد ہیں، ایسے کبھی نہ تھے"

۵ اگست کو گائرز نے لابولاے کو اطلاع دی کہ زار نے تبادلہ خیالات کے اصول کو مان لیا ہے اور یہ میری رائے میں فرانسیسی بیڑے کے آنے کے وقت جو کچھ گزرا، اس کا قدرتی نتیجہ ہے"، لابولاے نے اپنی حکومت کو مطلع کیا کہ روسی حکام عہدنامے کو بظاہر یورپ ہی کے قیام امن یا اتحاد ثلاثہ کے کسی رکن کی امن شکنی تک محدود رکھنا نہیں چاہتے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ روس جرمانیہ و آسٹریا کی طرح برطانیہ کے مقابلے میں بھی فرانس کی اعانت کا خواستگار تھا۔ ۱۰ اگست کو زار نے سفیر کو باریاب کیا اور بیان کیا کہ باضابطہ

اتحاد کرنے کا تو فیصلہ کر لیا گیا ہے لیکن اس کی شرطیں اتنی جلد طے نہیں ہو سکتیں۔" موہرن ہیم کا مشورے میں شریک ہونا ضروری ہے اور پھر میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ کیا کرنا چاہیئے" یہ سفیر تو پیٹرز گرنڈ روانہ ہوا اور ریبو نے صدر نشین کارنو سے صورت حال کی صراحت کی کہ" صاف معلوم ہوتا ہے کہ گائزر کوئی مضبوط جنگی معاہدہ کرنے سے پہلو تہی کرنی چاہتا ہے۔ اور ادھر خود ہمارے وزیر اعظم کو فکر ہے کہ جس طرح ہو دونوں ممالک کے جنگی عہدہ دار اشتراک عمل کی صورت نکال لیں ورنہ اُسے اندیشہ ہے کہ روس اپنی تمام فوجوں کو آسٹریہ کے مقابلے میں لے جائے گا اور فرانس کو جرمانیہ اور اطالیہ کا سامنا کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دے گا۔ اس کے علاوہ زار یہ نہیں چاہتا کہ ایک انتقام خواہ طاقت سے ایسا معاہدہ اتحاد کرلے جس کو جرمانیہ اپنے حق میں باعث خطر تصور کرتی ہو۔

چار دن کے بعد موہرن ہیم نے ریبو کو گائزر کا وہ سرکاری مراسلہ لا کر دیا جس نے اصولاً اتحاد دولتین کی بنیاد رکھ دی، اتحاد ثلاثہ کی تجدید اور انگلستان

سیاسی قول و قرار

کی اس کے سیاسی مقاصد سے ہمنوائی نے جو کم و بیش یقینی نظر آتی تھی ایسی صورت پیدا کر دی تھی کہ قیام امن کے اسباب و وسائل پر خواہ مخواہ غور و بحث کی ضرورت پیش آئی، مراسلے میں تحریر تھا کہ

(۱) ہر دو حکومتوں کے درمیان جو ارتباط دوستانہ قائم ہے اس کی تصریح و پختگی کی غرض سے وہ یہ اعلان کرتی ہیں کہ ہر ایسے معاملے میں باہمی مشورہ کریں گی جس کی نوعیت قیام امن کے حق میں موجب خطر ہو۔

(۲) اگر قیام امن مخدوش ہو جائے خاص کر ایسی حالت میں جبکہ متعاہدین میں ایک پر دراز دستی کا اندیشہ ہو، تو وہ اقرار کرتی ہیں کہ اس کی مل کر تدبیر کریں گی۔

ان اصول موضوعہ کو ریبو نے تسلیم کر لیا اور ۲۷ اگست کو دونوں جانب سے مذکورہ بالا اعلان تحریر میں آگیا) لیکن ریبو نے عملی تدابیر کو طے کرنے کے لئے ماہرین فن مقرر کرنے کی خواہش کی تو اس کی پیٹرز گرنڈ سے کوئی تائید نہ ہوئی

گائرز نے موہرآن ہیم کو لکھا کہ "سردست زار اسی کو کافی سمجھتا ہے اور روس واپس آنے تک اُس نے جنگی مسائل پر غور و بحث ملتوی کر دی ہے۔ البتہ اپنی مراجعت کے بعد وہ وزیر خارجہ اور وزیر جنگ سے اس بارے میں گفت گو کریگا۔ فرے سی نے ان واقعات پر یوں رائے زنی کی ہے کہ" گو ہم اس سے زیادہ اور کچھ حاصل نہ کر سکتے تھے لیکن یہ قراردادیں عملی طور پر کافی و شافی نہ تھیں۔ انھوں نے مل کر کام کرنا تو طے کیا مگر اس اشتراک عمل کی صورت کا فیصلہ نہیں کیا۔ ضرورت اس کی تھی کہ ایک جنگی معاہدہ ہو جائے۔ بایں ہمہ یہ پہلا قدم نہایت پُر معنی اور اہم تھا اور ۹ ستمبر کو موسم خریف کی مصنوعی جنگ کے موقع پر وزیر اعظم نے ممالک غیر کے مہمانوں کے سامنے جو تقریر کی اس میں بہت احتیاط کے پیرائے میں اس کا بھی اشارہ کیا۔ اس نے کہا کہ" حکومت فرانس ظاہری رد و بدل کے باوجود بھی مستقل مقاصد کی قابلیت رکھتی ہے اور قومی کاموں کی تکمیل کے لئے اس میں جو استقامت رائے پائی جاتی ہے وہ کسی بادشاہی حکومت سے کم نہیں، اس بابت میں کسی کو کلام نہیں ہے کہ آج ہم طاقتور ہیں۔ اسی کے ساتھ ہم ثابت کریں گے کہ دانشمند بھی ہیں۔ نامساعد زمانے میں بھی ہم نے اطمینان و عزت نفس اور تدبیر کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور انہی کی بدولت ہماری قوت کی بحالی کا راستہ نکل آیا پس نئے حالات میں بھی ہم انھیں قائم رکھنے کے وسائل سوچ لیں گے۔

کرانسٹیڈ کے مظاہرے اور باہمی مشورے کے قول و قرار ہونے کے بعد پھر فرانس کے زرداروں سے دست اعانت بڑھانے کی استدعا کی گئی۔ روتھ شائلڈ کے کارخانے والوں نے اپنی لندن کی شاخ کے ایما سے روسی حکومت کو مدد دینے سے؛ اس حال میں کہ وہ اپنی یہودی رعایا کو ستائے جاتی تھی، انکار کر دیا۔ اور اسی آشتی پذیر ڈ نمارہ کی (اہوسکیرا) کی پیٹرو گریڈ میں یاد ہوئی جو ۱۸۸۸ء میں کارآمد ثابت ہو چکا تھا، اب روپے کی محض دوسروں کا قرض ادا کرنے کے واسطے احتیاج نہ تھی بلکہ وہ ریلیں اور سرکاری عمارتیں بنانے کے لئے درکار تھا لیکن روس کی قحط سالی،

ارجنٹائن میں خلفشار، بیرنگ کی ناکامی اور دوسرے ناموافق اسباب سے قرض لینے کا موقع اچھا نہ ملا۔ اسی بنا پر ہوسکیر اور اس کے رفیقوں نے لندن کے ہامبرو، امسٹرڈم کے ہوپ اور سب سے بڑھکر" کریدی فون سے سے مدد چاہی۔ موخرالذکر سرکار کی نگرانی میں تھا اور اس کے کارپردازوں کو شرکت سے قبل منظوری منگانی پڑی جو وزیر خزانہ روویئے نے دیدی ۔ ۹، کے ۳ فیصدی سود کی شرح پر قرض نامے جاری ہوئے اور پانچ پانچ سو فرانک کے دس لاکھ تمسک فروخت کے لئے پیش کئے گئے۔ یہ

قرض نامے اور انکی خرید فروخت

کوشش طلب اور توقع سے زیادہ کامیاب ہوئی اور تمسکات کے لئے پچھتر لاکھ درخواستیں صرف فرانس سے وصول ہوئیں اور تین لاکھ باہر والوں کی آئیں۔ قرض کا طلب سے آٹھ گنا ملنا روس کے لئے باعث ناز ہوسکتا تھا لیکن بہت سے لوگوں نے تمسک دوسروں کے ہاتھ بیچنے کی غرض سے خریدے تھے اور خریدتے ہی اس کثرت سے فروخت کرنا شروع کیا کہ نہ صرف ان کی قیمت گرگئی بلکہ دوسرے روسی قرضے بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔ اس خرابی کی روک تھام محض روسی حکومت کی مستعدی سے ہوئی کہ اس نے خود یہ تمسک خریدنے شروع کئے تاآنکہ ان کی قیمت ۷۷ تک آگئی غرض روسیوں نے فرانس میں پیہم جتنے قرض لئے اس تمام طویل سلسلے میں اس ۱۸۹۱ء کے قرض نے تو تھوڑی دیر کے لئے تشویش و پریشانی پیدا کی ورنہ اتحاد دولتین کی ۱۸۹۳ء میں تکمیل تک فرانس کا سرمایہ دار اپنے نئے دوست کی سیاسی و اقتصادی ساکھ بنانے کی غرض سے چالیس ارب کی رقم پھنسا چکا تھا۔

فرے سی نے اور ریبو تہیہ کئے ہوئے تھے کہ جب تک جنگی عہد نامہ نہ ہوجائے، چین نہ لیں گے۔ انھوں نے روسی سفیر سے مشورہ لیا اور

روس کی آہستہ خرامی

اس نے صلاح دی کہ زار اپنی چھٹی گزارتے ڈنمارک آئے تو اس وقت پھر اسے متوجہ کیا جائے۔ چنانچہ

ستمبر میں پالنسن نے ڈرسے وینس اورک تک سفر کیا اور زار کے ایک ندیم خاص کو یادداشت لکھ کر دے آیا۔ ادھر سے وہ یہ جواب لایا کہ زار وطن کو معاودت کے بعد اس معاملے پر پوری توجہ سے غور کرے گا۔ مجوزہ معاہدے کو آگے بڑھانے کا دوسرا موقع اُس وقت ملا جبکہ نومبر میں گائرز پیرس آیا۔ روسی مدبر نے بتایا کہ یورپ کی صورت حالات میں بہت گہرا تغیر واقع ہوگیا ہے جرمن سیادت کا اب کوئی سوال ہی نہیں رہا ہے اور کیپ ریوی کا یہ قول صحیح ہے کہ میزان کے پلڑے برابر تل گئے ہیں۔ لیکن جب اس کے میزبانوں نے اسی زمانہ امن میں ایک جنگی قرار داد کے مرتب کر لینے کی ضرورت پیش کی تو اُس نے جواب دیا کہ ایسی تجویز کو جس کا فیصلہ صرف زار کر سکتا ہے، اس تک پہنچا دینا میرا کام ہے لیکن میں اس پر کوئی گفتگو نہیں کر سکتا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ باہمی مشورے کے اصول کو بھی زار نے بڑی مشکل سے قبول کیا ہے ہمارے روسی وزیر خارجہ کے جانے کے بعد موہرن ہیم نے فرےسی نے سے کہا کہ گائرز تو تمہاری طرف آ ملا ہے لیکن زار کی عادت ہے کہ پختہ فیصلہ کرنے سے پہلے کافی وقت چاہتا ہے لہذا اس کو پیہم تقاضے کرکے ہرگز دق نہ کیا جائے۔

لیکن گو جنگی عہدنامے کی تکمیل ابھی بہت دور تھی، تاہم دونوں حکومتوں نے اس قسم کا سیاسی اشتراک شروع کر دیا گویا وہ واقعی باہم جنگی اتحاد کر چکی ہیں۔ طے پایا کہ سلطان کو اطلاع دیدی جائے کہ روس و فرانس کی یکجہتی دولت عثمانیہ کی مخالفت کے واسطے نہیں ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ کہدیا جائے کہ دولت عثمانیہ سے ہماری دوستی اور حسن ظن صرف اس صورت میں قایم رہ سکتے ہیں جب کہ وہ حکومت اتحاد ثلاثہ کے منصوبے اور چالیں باطل کرنے میں روس و فرانس کی معاونت کرے۔ یہ بھی طے ہوا کہ مصر میں تجارتی امتیازات اور بحر متوسط کی ملکی تقسیم بحال رکھی جائے۔ ریبو نے فرانس کے سفیر متعینہ ترکی کو جو مراسلہ لکھا اس میں روس کے ساتھ گفتگو پر خاص کر مشرقی معاملات کے متعلق جو کچھ باتیں ہوئیں، ان پر بہت کچھ اطمینان کا

اظہار کیا وہ لکھتا ہے کہ میں نے گارزسے کہا کہ اگر سلطان کو ہم پورا یقین دلادیں کہ ہماری باہمی موافقت سے اسے اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں تو ہم ابھی سے مل کر کام کرسکتے ہیں۔ گارزنے جواب دیا کہ زار سلطان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے گا اور نہ اسے استنبول حاصل کرنے کی تمنا ہے۔ اس پر میں نے خیال ظاہر کیا کہ ہم اپنے اپنے سفیروں کو بھی ہدایت لکھ بھیجیں کہ وہ مذکورۂ بالا اطلاع سلطان کو پہنچا دیں۔ مقامات مقدسہ کے معاملے میں بھی ہمیں ملکر کام کرنا ہوگا۔ مصر کے بارے میں زار ہمیں صرف اخلاقی مدد دے گا لیکن سلطان کو معلوم ہو جائے گا کہ مصر کو انگلستان سے بچانے میں سوائے روس و فرانس کے اور کوئی اس کا دوست نہیں ہے۔

چند روز بعد گارزنے استنبول کے روسی سفیر کو اس بارے میں احکام بھیجدئے۔ اس نے لکھا کہ فرانس و روس کے باہمی

سفارتی اشتراک

ارتباط کا فوری اثر تو یہ ہوا ہر طرف سکون اور ایسے اطمینان کی کیفیت محسوس ہو رہی ہے جو برسوں سے یورپ کو میسر نہ آئی تھی۔ مشرق ادنیٰ میں ہماری حکمت عملی یہ ہے کہ ہر چیز علی حالہٖ رہے اور دوسروں کو ہماری منشا کے خلاف اخرہ اُلنے سے روکا جائے مثلاً ایسی کارروائی سے جیسی کہ حال میں اتحاد ثلاثہ نے کی اور انگلستان نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا کہ اپنے بیڑے ترکی سمندروں میں بھیجکر سلطان کو خوفزدہ کرنا چاہا تھا، تمھیں چاہیئے کہ اسے یہ باور کرنے کی جرات دلاؤ کہ توازن دول دوبارہ قایم ہو گیا ہے اور فرانس و روس گروہ مقابل سے اسے بچانے کا ذمہ لے سکتے ہیں۔ روس کی دراز دستی کے مظنونہ ارادوں کی نسبت جو کچھ اس کے کان میں پھونکا گیا ہے، وہ سب بے اصل ہے اس سے کہہ دو کہ جب تک وہ خود سچائی سے غیر جانب دار رہے اس وقت تک ہماری طرف سے کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا بلکہ ہم اس کی مدافعت کے لئے تیار ہیں اسی طرح فرانس دراز دستی کے خیال سے بالکل بری ہے۔ مشرق میں اسے سب سے زیادہ مصر سے سروکار ہے اور اس کے انگریزی قبضے کو وہ کوتاہ

کرنے کا خواہش مند ہے۔ روس کو امید ہے کہ سلطان 'فرڈی نینڈ' کی بادشاہی کو تسلیم نہیں کرے گا۔ فرانس نے ایسی خلاف قانون حکومت سے جو صوفیہ میں اپنے آپ حاکم بن بیٹھی ہے، سرکاری طور پر کوئی تعلق نہیں رکھا ہمارے مشرقی تعلقات میں صرف ایک مقامات مقدسہ کا معاملہ البتہ نازک ہے۔ کیونکہ روس کو دوسرے فرقوں کے مقابلے میں کلیسائے قدیم کی لامحالہ حمایت کرنی پڑے گی اور فرانس کیتھولک فرقے کا محافظ و مددگار ہے نظر براں دونوں سلطنتوں کے عمال کو لازم ہے کہ مصالحت کرا دینے کی خدمت انجام دیں۔" اس مراسلے کی ایک نقل ریہو کے پاس بھیجدی گئی جس نے اسے اپنے لفافے میں کامبون کے پاس استنبول روانہ کردیا۔ اس نے یہ اور لکھدیا کہ "سلطان کو بتادو کہ فرانس تمہارا دوست ہے، لیکن اگر تم اتحادِ ثلاثہ سے کمزوری یا بیجا مروت دکھاؤگے تو فرانس و روس اپنے اغراض کو دیکھینگے فرانس اپنے بحرِ روم کے بیڑے کا ایک حصہ ترکی سمندروں میں رکھے گا۔"

لابولے کی بجائے **مارکوئیس دمونت بیلو** فرانس کا سفیر بنایا گیا اور ۱۱ر دسمبر کو پہلی مرتبہ زار کی خدمت میں باریاب ہوا زار کا برتاؤ دوستانہ تھا لیکن اُس نے اتحاد کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ گائرز نے صراحت کی کہ گو میرا آقا جنگی معاہدے کی قدر و قیمت سمجھتا ہے لیکن اس کے نزدیک جلدی کی ضرورت نہیں اور وہ اس بارے میں فرانس کے کسی بڑے فوجی عہدہ دار جیسے **میری بل** یا بوادیفر سے گفتگو کرنے کا خواہاں ہے۔ اگر اس قسم کے لوگوں کے آنے میں احتمال ہو کہ سب کی نظریں ادھر پڑیں گی تو کوئی روسی سردار پیرس بھیجا جاسکتا ہے۔ اُس نے یہ بھی جتادیا کہ اس معاملے کی خود میرے اور زار کے سوائے کسی کو خبر نہیں ہے۔ ریبو کو بڑی مسرت ہوئی کہ اس احتیاط پسند بادشاہ نے بالآخر گفتگو کرنے کی خواہش تو ظاہر کی اور اس نے سپہ سالار میری بل اور سوسیئے کا تیار کیا ہوا ایک خاکہ جس کی فرےسی نے نئے ترمیم و نظر ثانی کردی تھی۔ پیٹروگریڈ روانہ کیا۔ اس تجویز میں صرف دفاعی جنگ کو پیش نظر رکھا تھا۔ فریقین پابند ہوتے کہ ایک دوسرے

جنگی معاہدے پر غور و مباحثہ

کی پوری قوت سے مدد کریں۔ اور اتحاد ثلاثہ کی فوج آرائی کے ساتھ اپنی افواج کو مجتمع کرلیں۔ پانچوں بڑی سلطنتوں کی افواج کا حساب لگانے سے معلوم ہوتا تھا کہ فرانس و روس کے سپاہیوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن اتحاد ثلاثہ اپنی فوجیں زیادہ سرعت کے ساتھ جمع کرسکتا تھا۔ زیر بحث تجویز میں اصلی دشمن جرمانیہ کو قرار دیا تھا کہ اگر وہ شکست کھا جائے تو آسٹریہ اور اطالیہ کا بھی تار و پود بکھر جائے گا۔ پس فرانس کو جنگ کی صورت میں چھ میں سے پانچ حصے فوج جرمانیہ کے مقابلے میں اور صرف چھٹا حصہ اطالیہ کے لئے فراہم کرنا تھا۔ روس کے لئے تجویز تھی کہ نصف فوج آسٹریہ کی طرف لیجائے اور باقی نصف سے جرمانیہ کا مقابلہ کرے۔ زار نے اس تجویز کو جنرل

وانووسکی

کے حوالے کیا کہ اطمینان سے اس کا مطالعہ کرے اور خود حسب معمول طویل زمانے کے لئے ڈنمارک روانہ ہوگیا۔ اس تاخیر سے پیرس کے ارباب بست و کشاد بہت پریشان بلکہ واقعی سخت جز بز ہوئے اور ڈرے کہ فرانس میں وزارت کے عزل و نصب سے کسی وقت بھی یہ ساری خط و کتابت جو کامل راز میں رکھی گئی تھی، طشت از بام نہ ہوجائے موہرن ہیم نے بھی فرے سی نے کو سنا دیا تھا کہ" زار نئی صورتیں پسند نہیں کرتا۔ اگر تم عہدے سے الگ ہوئے تو پھر فیصلہ کرنے میں وہ بہت دیر لگائے گا۔"

فرانس کے وزرا کی بے صبری اور جھونجل ہر مہینے بڑھتی جاتی تھی ریبو نے مئی ۱۸۹۲ء میں لکھا کہ" یورپ میں خیریت ہے۔ لیکن کب تک ؟ گائرز

فرانس کی بے صبری

ڈرپوک اور بیمار ہے اور بالکل صاف و معین قرار داد کرنے سے ڈرتا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ مسودہ اس سے اور وزیر جنگ سے طے کرسکے مجھے بھیجدو کہ وزرا اس پر بحث کریں۔ بوادیفر تیار ہے کہ جب ضرورت ہو وہ روسی عہدہ داران فوج سے فنی مسائل پر بحث و گفتگو کرلے یا جولائی میں

اُس نے پھر لکھا کہ " جنگی عہدنامے کی ضرورت اگست ۱۸۹۱ء میں تسلیم کرلی گئی تھی باوجود اس کے آج تک کچھ نتیجہ نہیں برآمد ہوا جس کا ایک حد تک سبب گائرز کی علالت اور زار کی عدم موجودگی ہے۔ حالانکہ روس کے فوجی حکام عہدنامے کے اسی قدر خواہاں ہیں جس قدر کہ ہم۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو سب مجھے الزام دیں گے کہ اس کی تکمیل کے لئے کیوں زور نہیں دیا۔" جواب میں سفیر نے تسلی دی کہ لڑائی چھڑنے کی صورت میں روس ہمارے ساتھ ہوگا اور معاہدے کی بھی ایک روسی سپہ سالار زار کے لئے تجویز مرتب کر رہا ہے جو میری ل کی یادداشت پر مبنی ہے۔

جولائی کے اخیر میں زار واپس آیا اور اگست میں جنرل بوادیفر کو مصنوعی جنگ میں شرکت کی دعوت دی۔ اس سپہ سالار نے فروری کے اسی مراسلے کی شرطیں پیش نظر رکھ کر ایک نقشہ تیار کیا تھا اور اپنے ساتھ روس لیتا گیا جہاں وزیر جنگ اور اعلیٰ فوجی حکام سے بحث و گفتگو شروع ہوئی۔ یہاں تک معاملہ پختہ ہو جانے کے باوجود ابھی بڑی ہوشیاری سے کام کی ضرورت تھی چنانچہ اس سپہ سالار نے ۱۰ اگست کو یہ کیفیت لکھی ہے کہ " فوجی حکام کے صدر نے مجھے نصیحت کی کہ عجلت کا اظہار نہ کروں۔ کیونکہ بعض اشخاص زار کے یہ دل نشین کرنے کی کوشش میں ہیں کہ اسے سوچنے کی مہلت دئے بغیر پابند کیا جا رہا ہے۔ وزیر جنگ جنگی معاہدہ کرنا نہیں چاہتا اور تنہا جرمانیہ کے حملہ کرنے کی صورت میں ہماری خواہش کہ مل کر کام کیا جائے روسیوں میں مقبول نہیں ہے۔ انھیں فرانس میں وزیروں کے تغیر تبدل کا بھی خوف ہے جس سے معاہدے کی سلامتی مخدوش ہو جائے گی اور افشائے راز سے بھی وہ بہت ڈرتے ہیں۔ زار سے ملاقات دشوار ہے وہ بہت رُک کر ملتا ہے اور فرانسیسی زبان اچھی طرح نہیں سمجھتا۔ گائرز بستر بیماری پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور اسے خوف ہے کہ فرانس کو اتحاد کی بنا پر) جنگ کرنے کی طمع نہ پیدا ہو جائے۔ دوسرے ممکن ہے کہ خود جرمانیہ معاہدے کی خبر سن کر جنگ چھیڑ دے " ان تمام مشکلات

کے باوجود ۱۷ اگست کو بوادیفر اور حکام فوجی کے صدر اوبروشف نے ایک جنگی معاہدے پر دستخط کر دیے۔ دوسرے دن زار نے اس سپہ سالار سے اپنی رائے ظاہر کی کہ "میں نے اسے پڑھا اور دوبارہ پڑھا اور پوری طرح سمجھا اور میں اسے تمام و کمال پسند کرتا ہوں"۔ قرار پایا تھا کہ اس کی اطلاع صدر جمہوریہ، ربیو اور فرے سی نے کے سوا اور کسی کو نہ ہو کہ محض معاہدہ ہونے کی خبر عام ہو گئی تو اس کی شرطیں بھی رفتہ رفتہ باہر پہنچ جائینگی۔ پھر زار کہنے لگا کہ "اگر اس کی اطلاع عام ہو جائے تو جہاں تک میرا تعلق ہے، سمجھنا کہ معاہدہ منسوخ ہو گیا"۔ فرانسیسی سپہ سالار نے کہا "وزیروں کو تو اطلاع ہونی ضرور ہے دوسرے اگر دنیا کو معلوم ہو جائے کہ کوئی معاہدہ ہو گیا ہے تو اتحاد ثلاثہ کی طرح، جب تک اس کی شرطیں نہ معلوم ہوں، حرج ہی کیا ہے؟

مگر زار نے پھر یہی کہا کہ جنگی معاہدے کو مخفی رکھنا لازم ہے۔ اس کے نزدیک قیام امن کو سردست کوئی خطرہ نہ تھا لیکن اسے کم سے کم دو سال درکار تھے جس میں وہ اپنی ریلیں اور گولہ بارود کا ذخیرہ مکمل کرلے اور قحط و ہیضہ سے جو نقصان پہنچا تھا اس کی تلافی ہو جائے۔

مذکورہ بالا دستاویز کو اوبروشف فن لینڈ میں گائرز کے پاس لایا اور اس بیمار وزیر کو خود پڑھ کر سنائی۔ گائرز نے اظہار پسندیدگی کے ساتھ خیال ظاہر کیا کہ جب میرا دماغ غور کرنے کے لائق ہو گا تو پھر خود پڑھوں گا۔ اب معاملہ گویا پک چکا تھا اور محنت کے بار لانے میں کچھ دیر نہ تھی۔

فرانس ترمیم چاہتا ہے

لیکن فرانسیسی احتیاط کے خلاف تین ترمیمیں پیش کرنے لگے یعنی ایک تو اس فقرے میں کہ "اگر اتحاد ثلاثہ کا کوئی رکن فوج جمع کرے تو روس و فرانس بھی فوج طلب کر لیں گے" یہ بڑھا دینے کی تجویز کی گئی کہ اگر اتحاد ثلاثہ کا کوئی رکن ساری فوج جمع کرے۔ الخ" جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر مثلاً آسٹریہ فوج کے دو تین حصے احتیاطاً مجتمع کرلے تو اسے سبب جنگ نہ سمجھا جائے۔ دوسرے فرانس کے

لئے تیرہ لاکھ سپاہی فراہم کرنے کی شرط کو" بارہ لاکھ سے تیرہ لاکھ ساٹھ ہزار تک" کر دیا گیا۔ تیسرے اس فقرے کی بجائے جس میں فریقین کو معاہدے کے راز میں رکھنے کا پابند بنایا گیا تھا، فرانسیسیوں نے یہ لکھنے کی تجویز کی کہ معاہدے کا راز ہردو فریق کی رضا مندی کے بغیر ظاہر نہ کیا جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی تصریح کر دی کہ فرانس کا صدر وزرا کے علم کے بغیر کوئی معاہدہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ بواد یفر کی دانست میں یہ ترمیمیں ایسی نہ تھیں کہ انھیں قبول کرنے میں روس کو تامل ہو یا وہ معاہدے کی تکمیل میں تاخیر کا باعث ہوں لیکن مجوزین کے خیال میں وہ کیسی ہی سادہ اور بے ضرر کیوں نہ ہوں، ان کی وجہ سے یا اس بہانے سے معاہدے پر دستخط کرنے میں اور دیر لگانے کا موقع مل گیا۔ گائرز صحت کی فکر میں ایکس چلا آیا تھا اور وہاں فرے سی نے اور ریبو جنھیں معاملہ طے کرنے کی بیتابی تھی، اس سے آکر ملے تو وہ اس قدر بیمار تھا کہ کوئی گفتگو نہ ہو سکی۔ مسودہ اس کے پاس چھوڑ دیا گیا اور اس نے اپنے عیادت گزاروں سے وعدہ کیا کہ واپس جا کر معاہدہ منظور کرا دے گا، لیکن اس کی علالت کا سلسلہ جاری رہا اور اکتوبر کے اخیر میں ریبو نے پھر اسی بیمار سے پوچھا کہ اگست میں زار جس تجویز کو پسند کر چکا ہے وہ "ان جزئی ترمیمات کے ساتھ جن کی پیرس میں تحریک کی گئی ہے باضابطہ منظور ہو سکتی ہے یا نہیں؟" گائرز ان دنوں مونٹ کارلو چلا آیا تھا اس نے جواب دیا کہ میں اس قدر علیل ہوں کہ زار سے اس معاملے میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فرانسیسی مدبروں کو کمال مایوسی ہوئی کہ یہ معاملہ سارے جاڑے اور بہار کے مہینوں میں طاق نسیاں پر پڑا رہا۔ نہر پناما کے معاملے میں جو فضیحت ہوئی تھی، کسی حد تک وہ بھی زار کے جلدی نہ کرنے کا باعث ہوئی۔ فروری ۱۸۹۲ء میں فرے سی نے کی وزارت ٹوٹ گئی لیکن فرے سی نے وزارت جنگ اور ریبو وزارت خارجہ کے عہدے پر ایک سال تک اور فائز رہے۔

مئی ۱۸۹۲ء میں فرانس کے سفیر نے اپنی حکومت کو سمجھایا کہ فرانس اپنی تین ترمیموں کو عہدنامے میں شامل کرنے کی بجائے جس کا مسودہ فوجی صلاح

ایک سال کی تاخیر

حکام نے مرتب کیا تھا، مراسلات کے ذریعے طے کرالے کہ اصل مدعا کے جلد سے جلد حاصل ہونے کی یہ سب سے اچھی تدبیر ہوگی۔ اور گو اس وقت بحث کو دوبارہ چھیڑنا ممکن نہ تھا تاہم یہ قرینہ ضرور تھا کہ شاید آیندہ واقعات از خود اسے تازہ کر دیں۔ ایک مہینے کے بعد سفیر نے پھر زور دیا کہ مجھے اپنی تجویز کو بھلا مناسب موقع ملتے ہی پیش کرنے کی اجازت دی جائے مگر جولائی میں اسے اقرار کرنا پڑا کہ جرمانیہ کے نئے فوجی قانون کے باعث ضروری ہوگیا ہے کہ ۱۸۹۲ء کے اعداد میں ترمیم کی جائے۔ چنانچہ اگست میں جنرل میری بل نے ایک یادداشت تیار کی جس میں جرمن فوج میں ستر ہزار آدمی کے اضافے پر توجہ دلائی گئی تھی۔ ۷ر ستمبر کو سفیر نے یہ کیفیت لکھ کر بھیجی کہ" **ایک مورت** کے واقعات اور شہزادہ نیپلز کے میٹز میں جرمن مصنوعی جنگ کے وقت موجود ہونے سے مجھے کا نزر کے ساتھ گفتگو کا موقع ملا اور میری بل نے زار کے واسطے جو یادداشت تیار کی تھی وہ میں نے اسے دیدی۔ سال گذشتہ ہم نے غلطی کی کہ زار کے مسودہ کو پسند کرنے کے بعد پھر اس مسئلے کو اٹھانا چاہا۔ اس نے جو کچھ کیا، اتحاد و دوستی کے رنگ میں کیا۔ اور طے ہوتا جو کچھ رہا ہے وہ صرف ظاہری الفاظ میں۔ اس جاڑے میں ہم اس کا فیصلہ بھی کرلیں گے"۔ انتہائی مایوسیوں کے بعد یہ امید دہی قابل یقین نظر آتی تھی لیکن ایک واقعہ ایسا پیش آنے والا تھا جس نے اس لیت و لعل کرنے والے خود رائے کا بھی جو کچھ تذبذب باقی رہ گیا تھا، اسے دور کر دیا۔

اکتوبر ۱۸۹۳ء میں ایک روسی بیڑا تولون کی سیاحت کو آیا اور فرانسیسیوں کے کرانس ٹیڈ آنے کی گویا دو سال کے بعد بازدید کی رسم پوری کی۔ پیرس میں مرد و عورت روسی سرداروں کی گاڑیوں پر ٹوٹے پڑتے تھے کہ ان سے ہاتھ ملائیں یا چومیں۔ انھیں بار بار مجبور کیا جاتا تھا کہ جھروکوں پر سامنے آئیں اور بعض اوقات اُن کے دستانے لے کر ان کے ٹکڑے نیچے مجمع میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ غرض پیرس، لیون اور مارسیلز نے عوام کی

طرف سے اس کام کی تصدیق و توثیق کر دی جو کئی سال سے فرانس کے ارباب حکومت اور سپاہی پس پردہ کر رہے تھے اہل فرانس کو جنگی عہدنامے یا اس پر دستخط ہونے میں جو مشکلات پیش آئیں، ان کی مطلق خبر نہ تھی۔ انھیں صرف یہ احساس تھا کہ فرانس کو ایک طاقتور دوست مل گیا ہے جو رسمی طور پر حلیف ہو یا نہ ہو فی الواقع حلیف بن چکا تھا۔ اس پر بھی متھا زار عجلت کرنے پر راضی نہ ہوا اور بہت دن بعد کہیں دسمبر کو اُس نے سفیر فرانس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور جب وہ آیا تو روسی بیڑے کے پرجوش استقبال پر نہایت حیرت و مسرت کا اظہار کیا با ایں ہمہ وزارت جنگ و خارجہ کی پیہم تبدیلیوں سے اُسے تشویش تھی اور معاہدے کا اُس نے کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن حقیقت میں معاملہ اب سرے پر آ پہنچا تھا۔ اور اس کی خوش خبری گائرز کے خط مورخہ ۲۷ دسمبر نے سنائی: "فرمانِ شاہی کے مطابق میں نے اگست ۱۸۹۲ء کے مسودے کو بغور دیکھا اور اس پر اپنی رائے بھی حضور میں پیش کر دی اور اب آپ کو اطلاع دینی چاہتا ہوں کہ اس قرار داد کی تحریر آیندہ سے اپنی اصلی صورت میں مسلم و منظور سمجھی جا سکتی ہے" اسی تاریخ فرانس کے سفیر نے لکھ بھیجا کہ فرانس بھی اپنے آپ کو اس کا پابند سمجھتا ہے۔ گویا آخر کار مدت تک معاملے کو جھلانے کے بعد روس نے اب خود اپنی مرضی سے اسے تکمیل کو پہنچانے کی کارروائی کی۔ ادھر پیرس والوں نے جو ترمیمات پیش کی تھیں اُن پر کوئی زور نہیں دیا اور اسی کو غنیمت سمجھے کہ بلا ترمیم سابقہ مسودہ باضابطہ معاہدے کی صورت میں منظور ہو گیا اس دستاویز پر گائرز اور مارکوئیس مونٹ بیلو نے ۳۱ دسمبر (۱۸۹۳ء) کو دستخط کر دیئے مگر اس کا انکشاف ۱۹۱۸ء میں اس وقت ہوا جب کہ زار کی حکومت اور اتحاد ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

معاہدہ یہ تھا کہ "فرانس و روس، دونوں کو یکساں خواہش ہے کہ امن قایم رہے اور امن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ اتحاد ثلاثہ کی فوجوں سے کے فریقین میں سے کسی پر حملہ کرنے کی صورت میں جو دفاعی جنگ

اُنہیں کرنی پڑے اس کے لئے تیار رہیں۔ اسی بنا پر وہ حسب ذیل شرائط منظور کرتے ہیں۔

جنگی عہدنامہ

(۱) اگر فرانس پر جرمانیہ، یا جرمانیہ کی مدد سے اطالیہ حملہ کرے تو روس اپنی تمام فوج جرمانیہ پر حملہ کرنے کے لئے فراہم کریگا اگر جرمانیہ یا جرمانیہ کی مدد سے آسٹریہ روس پر حملہ آور ہو تو فرانس اپنی پوری سپاہ جرمانیہ کے مقابلے کے واسطے کام میں لائے گا۔

(۲) اتحاد ثلاثہ کے تمام ارکان یا کسی رکن کے فوج کو مجتمع کرنے کی صورت میں فرانس و روس پہلی اطلاع پر اور باہمی قرارداد کا انتظار کئے بغیر بلا تاخیر اور بیک وقت اپنی ساری فوج طلب کریں گے اور جس قدر ہو سکے اسے سرحدوں کے قریب لے آئیں گے۔

(۳) جرمانیہ کے خلاف جس سپاہ سے کام لیا جائیگا اس کی تعداد فرانس کی طرف سے تیرہ لاکھ اور روس کی سانت سے آٹھ لاکھ تک ہوگی یہ فوجیں اپنی پوری قوت سے لڑینگی تاکہ جرمانیہ کو مشرق و مغرب دونوں طرف جنگ کرنی پڑے۔

(۴) ہر موقع پر فوجوں کے اعلیٰ حکام مذکورہ بالا مقاصد کے مطابق عمل کرنے اور ان کی تیاریوں میں سہولت بہم پہونچانے کی غرض سے مل کر کام کریں گے۔ زمانۂ امن میں اتحاد ثلاثہ کی افواج کے متعلق جو کچھ اطلاع انھیں بہم پہنچے گی اسے ایک دوسرے تک پہونچا دیں گے۔ زمانہ جنگ میں رسل ورسائل جاری رہنے کے متعلق تدابیر سوچی جائیں گی۔

(۵) فرانس و روس میں سے کوئی بطور خود صلح نہیں کرے گا۔

(۶) یہ معاہدہ اسی وقت تک نافذ رہے گا جب تک کہ اتحاد ثلاثہ قایم رہے۔

(۷) تمام دفعات کامل راز میں رکھی جائیں گی۔

چنانچہ صرف معاہدہ ہونے کی سرکاری طور پر ۱۸۹۵ء سے پہلے کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ اگرچہ کسی کو شبہ نہ تھا کہ معاہدۂ اتحاد ہوگیا ہے ۱۸۹۵ء میں

معاہدہ کا اعلان

ریبو نے جو اس وقت وزیر اعظم تھا یہ اعلان کیا کہ "فرانس نے امن و صلح اور توازن دول قایم رکھنے کی خاطر اپنی اغراض کو دوسری سلطنت کے ساتھ وابستہ کردیا ہے۔ اس اتحاد کی سارے ملک کی دلی آرزو نے تصدیق و توثیق کی ہے اور آج وہ ہمارے اعزاز و قوت کا موجب ہے" اس مختصر پر معنی اعلان سے اس کے بعض ہم وطن تو مطمئن ہو گئے لیکن بعض نے مزید صراحت کی التجا کی۔ نہر کیل کے افتتاح کے موقع پر جہاز بھیجنے کے مسئلے کی نسبت جو مباحثہ ہوا اس کے دوران میں ۱۰ جون کو گوبلے نے یہ آواز بلند کی کہ "اگر تم نے کوئی معاہدہ کرلیا ہے تو اسے شایع کردو کیونکہ ہم میں سچ بات کو جاننے اور کہہ دینے کی کافی طاقت موجود ہے" مگر اس اشتیاق و تجسس کی تشفی نہ ہوئی اور ریبو نے وہی الفاظ دہرادئے کہ ہم نے فرانس کی اغراض کو دوسری قوم کی اغراض کے ساتھ متحد کرلیا ہے۔ یہ کام ہم نے یورپ میں امن اور توازن دول قایم رکھنے کی خاطر کیا ہے اور گو ہماری حکمت عملی کے منشا میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تاہم ۱۸۹۱ء کی نسبت آج یورپ میں جو فرق ہے وہ بدیہی ہے۔ گوبلے صاحب، آپ کو دفتر خارجہ کا اس زمانے میں تجربہ ہوا جبکہ اسے ہر طرف دشواریوں کا سامنا تھا اور آپ کو وہ اطمینان میسر نہیں آیا جو ہمیں اس اتحاد کی بدولت حاصل ہو گیا ہے" ایک ہفتہ کے بعد موہرن ایہیم نے رتبۂ سنٹ انڈریو کا نشان صدر نشین فور کی خدمت میں پیش کیا اور اسی روز فرانس اور روس کے جنگی جہاز ساتھ ساتھ جرمن سمندر میں پہنچے اور نہر کیل سے گذرے۔ بغیر کسی اتحادی کے فرانس کو اس جشن میں حصہ لینا دشوار ہوتا لیکن ایک طاقتور حلیف کے دوش بدوش ہونے کے باعث اس کی خودداری میں کوئی خلل نہ آیا۔

قیصر جرمانیہ عام تقریروں میں فرانس کا تذکرہ متواضعانہ بلکہ دوستانہ پیرائے میں کرتا تھا۔ تاہم وہ روس و فرانس کے اتحاد سے کچھ پریشان نہ تھا۔ ۲۶ ستمبر ۱۸۹۵ء کے خط میں اس نے زار کو لکھا کہ "میں پوری طرح واقف

ہوں کہ تم خواب میں بھی ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کرو گے۔ لیکن اگر تمہارے فوجی سرداروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی فرانس میں موجودگی سے اشتعال پذیر فرانسیسیوں کے جذبات بھڑکے اور انتقام و خونریزی کے حامیوں کو تقویت پہنچتی ہے اور یہ رنگ دیکھ کر دول یورپ اندیشہ مند ہو رہے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔؟

قیصر کی رائے زنی اگر اہل فرانس سے ساتھ تمہارا رشتۂ اتحاد بُرائی یا بھلائی کے لئے قایم ہو چکا ہے تو پھر کم سے کم ان ملعون پاجیوں کو تم قابو میں اور نچلا تو بٹھائے رکھو[1]" مہینہ بھر کے بعد قیصر نے دوسری بار زار کو پھر متنبہ کیا اور لکھا کہ میری پریشانی کا سبب فرانس و روس کی دوستی نہیں ہے بلکہ میں جو بے چین ہوں وہ اس لئے کہ جمہوریت کو بانس پر چڑھانے سے ہمارے اصول بادشاہی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ شہزادوں، عالی خاندان امیروں و مثلہم کا پیہم صدر جمہوریت کے ساتھ مولی تاکی تقریبات، فوجی جائزوں، ضیافتوں اور گھڑ دوڑوں میں شریک ہونا جمہوریت پسندوں کو باور کراتا ہے کہ وہ ایسے شریف اور سچے لوگ ہیں کہ شاہ و شہریار تک اُن سے میل جول رکھنے میں تکلف نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ جمہوریت پسند فطرتاً انقلاب پسند ہیں۔ جمہوریہ فرانس کا ماخذ ہی **انقلاب اعظم** ہے اور انہی خیالات کی وہ تبلیغ و اشاعت کرتی ہے۔ بادشاہان فرانس کا خون ابھی تک اس قوم کی گردن پر ہے۔ اس وقت سے کونسا لمحہ ایسا گزرا ہے جس میں یہ قوم آرام سے رہی ہو۔ کہا وہاں برابر قتل و خون جنگ و جدال برپا نہیں رہا حتیٰ کہ اس نے سارے یورپ اور روس میں خون کے دریا بہا دئے! نکی! میری بات یاد رکھو خدا نے اس قوم کو ہمیشہ کے لئے لعنت میں ڈالدیا ہے۔ ہم مسیحی بادشاہوں اور شہنشاہوں کا ایک مقدس فرض جسے خدا نے ہم پر عائد کیا ہے یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کی

---

[1] قیصر کے خطوط از ار کے نام ،،

مدد سے ہم بادشاہ بہ فضل الٰہ" کی حمایت کریں۔ ہم فرانسیسی جمہوریت کے ساتھ اچھے تعلقات رکھ سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہماری دلی دوستی کبھی نہیں ہو سکتی۔ مجھے ہمیشہ خدشہ رہتا ہے کہ بار بار فرانس میں جانے اور دیر تک وہاں رہنے سے لوگ بلا احساس جمہوری خیالات جذب کر لاتے ہیں۔

"ولی" کی یہ فہمائشیں "نکی" پر کچھ کارگر نہ ہوئیں جس نے باپ کے منظور کردہ معاہدے کو بلا جوش خروش کے مگر پورے اطمینان کے ساتھ قبول کیا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں زار و زارینہ فرانس آئے۔ تیسری جمہوریت کے دور میں ایک تاجدار کا یہ پہلا ورود تھا اور ان کا بڑے جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ آخر میں جب صدر نشین فور ۱۸۹۷ء میں بازدید کے لئے گیا تو پھر زار کی باری تھی کہ سرکاری طور پر فرانس و روس کے باہم دوست و حلیف ہونے کا اعلان کرے۔ اس عبارت میں آیندہ دو اضافے اور ہوئے جنگی عہدنامہ کو اتحادِ ثلاثہ کے نافذ رہنے تک محدود کر دیا گیا تھا۔ لیکن سوال پیدا

معاہدہ کی تکمیل

ہوا کہ اگر یہ اتحاد مثلاً فرانسس جوزف کی موت کے باعث شکست ہو گیا تو کیا ہو گا۔ دلکاسے نے ارادہ کر لیا کہ اس کمی کو پورا کرا دیا جائے۔ اور ۱۸۹۹ء میں روس جانا ہوا تو اس نے زار کی ایک نئی قرارداد کے واسطے رضامندی حاصل کر لی جو ۲۸/ جولائی ۱۸۹۹ء کو دلکاسے اور موراولیف کے باہمی خطوط کے ذریعے تحریر میں آگئی۔ وہ یہ کہ "دونوں حکومتیں جو برابر یورپ کی طاقتوں میں توازن اور امن قایم رکھنے کی خواہاں رہیں گی، اگست ۱۸۹۱ء کے اس فیصلے کی توثیق کرتی ہیں جو بذریعہ سفارت کیا گیا تھا۔ وہ یہ طے کرتی ہیں کہ ۱۸۹۳ء کا عہدنامہ اس سفارتی میثاق کے رہنے تک نافذ رہے گا"

---

۵ فروری ۱۸۹۵ء میں روس کے نئے وزیر خارجہ لوبانوف نے ہوہن لوہی سے کہا کہ ہم نے یورپ کی بڑی خدمت انجام دی ہے کہ فرانس کو ساتھ لے لیا۔ ورنہ اگر ہم ان لوگوں کو نہ تھامتے تو خدا معلوم وہ کیا کر گزرتے۔ دیکھو ہوہن لوہی کی کتاب۔

چند سال کی مدت کے بعد ۱۹۱۲ء میں ایک بحری عہدنامہ بھی مرتب کرلیا گیا[۱]
"اتحاد ثنویہ" کی تکمیل، فرانس و روس ہی کے واسطے نہیں، تمام یورپ کے لئے نہایت اہم واقعہ تھی۔ ایک اول درجے کی طاقت کا فرانس کے ساتھ اتحاد کی خواستگاری کرنا اس بات کا بین ثبوت تھا کہ یہ ملک اپنی تباہ کن شکست کے نقصان کی تلافی کرچکا ہے۔ سیاسی آئین و عقائد میں جو صریحی اختلافات تھے، ان سب کو ایک طاقتور دوست کے ہاتھ آنے کی خوشی میں بھلا دیا گیا اور شرائط عہدنامہ کے اخفا نے پرجوش وطن پرستوں کے دل میں اس قسم کی امیدیں پیدا کردیں کہ شاید اس معاہدے میں ولایات رہائن کی بازگشت کے متعلق بھی کوئی اطمینان دلایا گیا ہو۔ ادھر اہل روس کو وقار و تمکین کے ہاتھ سے جانے پر پچھتانے کا تو کوئی ایسا قومی سبب نہ تھا، البتہ معاہدے پر اس لئے احسنت و آفرین کی صدا بلند ہوئی کہ یہ معاملہ بہت اچھا ہوا۔ مشرق اقصیٰ میں ملک گیری کے منصوبے اور انہی میں سائبیریا ریلوے کی تعمیر بے حساب سرمایہ چاہتی تھی اور محنت و کفایت سے روپیہ جوڑنے والا فرانسیسی یہ سرمایہ بہم پہنچانے کے لئے تیار اور بہت شوق سے تیار تھا، یورپی سیاسیات کا مطالعہ کرنے والے کی نظر میں اس اتحاد نامے کی تشکیل و تکمیل اس بات کی علامت تھی کہ بسمارک کی حکمرانی کا دور ختم ہوگیا۔ اپنے آخری ایام میں جس "جتھابندی کے ہوّے" سے وہ ڈرا کرتا تھا وہ فی الواقع مادی صورت اختیار کرنے لگی۔

مقابل کے دو مورچے

آئندہ سے ممالک یورپ ایک دوسرے کے مقابل دو مورچوں میں صف بند ہوگئے اور اس راستے پر پڑ گئے جو سیدھا ۱۹۱۴ء کے تہلکے کی طرف آتا تھا۔ اتحاد ثلاثہ اپنے مدمقابل کی نسبت قوی تر تھا اور جب تک برطانیہ کی تائید اسے حاصل تھی اس وقت تک اس پر حملہ نہ ہوسکتا تھا لیکن اگر برطانیہ کسی وقت بھی مجبور ہو کہ پرانے جتھے کو چھوڑ کر نئے جتھے کے حامیوں میں آملے تو یقینی بات تھی کہ سیاسی حالت بدل جائے گی اور میزان قوت کا پلڑا دول وسطیٰ کے خلاف جھکنے لگے گا۔

[۱] یہ دستاویزیں "اتحاد روس و فرانس" نام کی زرد کتاب میں طبع ہوچکی ہیں۔

باب ششم

ولیم ثانی

شہزادہ ولیم

شہنشاہ ولیم اول نے اکانوے سال کی طویل عمر پا کر ۱۸۸۸ء میں انتقال کیا اور اس کے بیمار بیٹے فریڈرک نے تین مہینے بعد وفات پائی۔ لیکن اس سے جرمانیہ کی ملکی یا خارجی حکمت عملی میں کوئی فوری تغیر نہ ہوا کیونکہ ولیم ثانی جس کی عمر تخت نشینی کے وقت تیس برس کی تھی اپنے دادا اور فولادی صدر اعظم کی گویا پرستش کرتا تھا[۱] اس کے برعکس، یہ راز کسی سے پوشیدہ نہ تھا کہ وہ تو اپنے والدین کی آزاد خیالی کو پسند نہیں کرتا اور

---

[۱] قیصر کی خوخصلت کا مطالعہ کرنا ہو تو ملاحظہ ہوں اس کے "خطوط زار کے نام" (بہترین نسخہ مرتبہ ڈبلیو گوئٹز) "ولی نکی کی مراسلت" (مرتبہ ایچ۔ برنس ٹین) جس میں ۱۹۰۴ سے ۱۹۰۷ تک کے ۷۵ تار جمع کئے ہیں۔ شہنشاہ جرمانیہ کی تقریریں مترجم (الکینڈ)، اور اس کی خودنوشتہ "سوانح" اس کے عہد حکومت کے متعلق ملاحظہ ہو "دیوش لینڈ انٹر کیزر ولیم ثانی" کی جامع کتاب تین جلدوں میں مطبوعہ ۱۹۱۴ء۔ بیولو کا لکھا ہوا مضمون "امپیریل جرمنی" اسی مجموعے سے لے کر علیحدہ چھاپا گیا ہے، عام ملخصات کے لئے دیکھو ڈوسن: "دی جرمن امپائر" وغیرہ خارجہ حکمت عملی کو ہامان نے چار جلدوں میں تحریر کیا ہے (یہ مصنف وزارت خارجہ کے سررشتہ دارالطبع کا مہتمم تھا)..... شیمین کی کتاب "ڈیوش لینڈ ..... پولی ٹیک" ان ہفتہ وار تبصروں کا مجموعہ ہے جسے وہ اخبار "کریوز سی ٹزنگ" میں لکھا کرتا تھا۔ ان کے ۱۹۰۱ سے ۱۹۱۴ء تک سال وار مجموعوں کو علیحدہ علیحدہ جلدوں میں چھاپ لیا ہے۔ قیصر کی سیرت پر بہت سی کتابیں

اس کا باپ اپنے فرزند اکبر سے کسی قدر بدگمان ہے۔ جب ۱۸۸۶ء میں شہزادے کی خواہش پر بسمارک نے بادشاہ سے اجازت چاہی کہ اسے وزارت خارجہ کی راز کی کارروائیاں دکھا دی جائیں تو اس کے باپ نے جو اس وقت ولی عہد سلطنت تھا، ترش ہو کر اظہار ناپسندیدگی کیا۔ اس نے کہا "اپنے بڑے بیٹے کی خامی مزاج اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے، اور نیز اس لئے کہ اس میں بسیار گوئی اور خود پسندی کا مادہ ہے، میں اسے قطعی خطرناک سمجھتا ہوں کہ اس کا خارجی معاملات سے تعلق پیدا ہو"[۱] پھر جس وقت یہ شہزادہ تخت کے زینے تک پہنچ گیا تو اس نے کوشش کی کہ اپنی آیندہ رعایا کو اطمینان دلائے کیونکہ بعض اشخاص سپاہ گری اور جنگی معاملات سے شہزادے کا شوق و شغف دیکھ کر بہت پریشان تھے[۲] چنانچہ دادا کے مرنے کے بعد ہی اس نے ایک تقریر میں اعلان کیا کہ "یہ میں خوب جانتا ہوں کہ عام طور پر اور خاص کر بیرونی ممالک میں لوگ مجھے ہوس ملک ستانی اور بے سبب جنگ جوئی کے شوق میں مبتلا بتاتے ہیں خدا مجھے ایسی مجرمانہ حماقت سے محفوظ رکھے! ان تمام بیہودہ الزامات کی میں سخت ناراضی کے ساتھ تکذیب کرتا ہوں" چند ہفتے بعد جب اس کی ولی عہدی کی رسم ادا ہو گئی تو اس نے بسمارک کی ان الفاظ میں ستایش کی ہے۔ "سلطنت اس فوجی جیش کی مثل ہے جس کا سپہ سالار میدان میں کام آگیا اور اس کا نائب سالار مجروح پڑا ہوا ہو۔ یا ایں ہمہ اس فوج کا علم ہمارے نامور شہزادے، ہمارے صدر اعظم کبیر کے ہاتھ میں ہے اسے چاہیئے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ لکھی گئیں مگران سب میں شاید ہامان کی کتاب "ام ڈر کیزر" باب ہشتم بہترین ہے۔ رتھے ناؤ اور لمبر کی سیریز میں اور زرن کی کتاب" ان دی ورلڈ وار" کے باب سوم میں اس فرماں روا کے آخری عہد حکومت کی تصویر دکھائی ہے۔

[۱] بسمارک: Gedan ken nnd Erinnerimgen جلد دوم صفحہ ۲

[۲] گیلی فیٹ از رہ ظرافت لکھتا ہے کہ "اس کی تصویر ہی اشتہار جنگ نظر آتی ہے"

ہماری رہ نمائی فرمائے - ہم پیروی کریں گے"

۱۵/ جون کو اپنے باپ کی وفات کے دن ولیم ثانی نے فوج اور بیڑے کے نام اعلان شایع کئے کہ "یہ نہایت پر آشوب اور ابتلا کا زمانہ ہے جس میں قضا و قدر نے افواج کی عنانِ حکومت میرے ہاتھ میں دی ہے

قیصر کے اعلان

اور قلبی تاثرات کے ساتھ میں پہلی مخاطبت اپنی فوج ہی سے کر رہا ہوں - کہ میں اُس کا ہوں اور وہ میری ہے" دوسرے اعلان میں بیڑے والوں کو یقین دلایا تھا کہ مجھے تمہارے کام اور سود و بہبود کا لڑکپن سے پورا خیال رہا ہے۔" اپنی رعایا کے نام" اعلان جاری کرنے کی نوبت کہیں تین دن بعد آئی۔ ایک ہفتے بعد اُس نے رائشٹاگ میں ان لوگوں کو اطمینان دلایا کہ جو شہری رعایا نے پہلے مصافی سرشتوں کو مخاطب کرنے سے بہت گھبرائے تھے :-

"رہے معاملات خارجہ، تو میں تہیہ کئے ہوئے ہوں کہ جہاں تک میری طاقت میں ہے ہر ایک کے ساتھ صلح و امن سے رہوں گا - فوج سے مجھے جو محبت ہے وہ کبھی بھی مجھے یہ شوق نہیں دلا سکے گی کہ ان فوائد و برکات کو خطرے میں ڈالا جائے جو ملک کو زمانہ امن سے حاصل ہوتے ہیں۔ جرمانیہ کسی جدید جنگی ناموری کی محتاج نہیں ہے اور نہ اسے نئی فتوحات درکار ہیں" تقریر کو ختم اس فقرے پر کیا گیا تھا کہ آسٹریا اور اطالیہ سے ہمارا اتحاد قایم رہیگا اور زار کے ساتھ ذاتی طور پر جو دوستانہ تعلقات ہیں، انھیں تقویت دی جائے گی۔" اہل جرمانیہ کو یہ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کہ ولیم اول کے صدر اعظم سے دوستانہ تعلقات ولیم ثانی کے زمانے میں بھی قایم ہیں۔ سال کے ختم پر بھی قیصر نے اپنے "پیارے شہزادے" کو خط لکھ کر یقین دلایا کہ تمھیں اس وفاداری سے اپنے پہلو میں کھڑے دیکھ کر مجھے کمال راحت و مسرت ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ مادر وطن کی خدمت و عظمت کے لئے ہمیں عرصۂ دراز تک مل کر کام کرنے کی توفیق عطا ہو۔"

شہنشاہ فریڈرک کی چند روزہ بادشاہی کے دوران میں وہی آنا

کے جرمن سفیر نے کالنوکی کا ایک قول نقل کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ بہتر ہوتا کہ گزشتہ خریف میں برلن و وی آنا کے فوجی حکام صدر کا مشورہ مان لیا جاتا اور روسیوں کی قوت اس سے قبل کہ وہ خطرناک ہونے پائے، توڑ دی جاتی۔ اس مراسلے کو شہزادہ ولی عہد نے بھی پڑھا اور اس فقرے کے پہلو میں "ہاں" لکھ دیا۔ ان دو حرفوں میں جو معنی پنہاں تھے، انھوں نے صدر اعظم کو ہیبت زدہ کر دیا اور اس نے فوراً تنبیہ و شکایت کا خط لکھا "اس لیے کہ تھوڑے ہی دن بعد صلح و جنگ کا فیصلہ آپ کے اختیار میں ہوگا" اس نے

بسمارک کا تنبیہ

سمجھایا کہ روس کی قوت کا حقیقت میں استیصال کر دینا غیر ممکن ہے۔ فرانس تک اپنی ہزیمت سے چار سال بعد پھر ویسا ہی توانا ہو گیا ہے۔ دوسرے روس پر حملہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دو سرحدوں پر جنگ کرنی پڑے" ولی عہد نے جواب دیا کہ تم نے اس مختصر حاشیے کو ضرورت سے زیادہ وقعت دی۔ میرا مطلب تو صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ اہل فوج اور ارباب سیاست کی راہیں مختلف ہیں اور یہ کہ فوجی لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ بجائے خود بے دلیل نہیں ہے۔ فوجی حکام کا ایسے اچھے موقع کی طرف توجہ دلانا درست تھا لیکن یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں کہ ارباب سیاست کو فوجی اقتدار کا تابع بنا دیا جائے اور ذاتی طور پر میں ہمیشہ صدر اعظم کی امن پسندی کا موید رہا ہوں۔ آیندہ سے میں سرکاری مراسلات پر سیاسی خیالات کا اظہار کرنے سے احتراز کروں گا[۵]۔

بوڑھے شہنشاہ نے اپنے بستر مرگ پر پوتے کے کان میں کہا تھا کہ روس کے ہمیشہ دوست رہنا اور تخت نشینی ہونے کے مہینہ بھر بعد ہی سے ولیم ثانی نے جو گشت شروع کیے ان کا آغاز سینٹ پیٹرز برگ سے کرنا اس امر کی دلیل نظر آتا تھا کہ

روس کی سیاحت

دادا کی وصیت اس کے دل میں اتر گئی ہے۔ صدر اعظم نے اس کی رہ نمائی کے لیے ایک یادداشت مرتب

[۵] ڈائی گروس پولی ٹیک۔ اور بسمارک کی کتاب محولہ بالا۔ جلد سوم

کردی اور جتایا کہ کسی ایسے معاملے میں جو آسٹریہ کی حفظ و بقا کے لئے ضروری نہیں ہے، جرمانیہ کو روس کے راستے میں حائل ہونا نہیں چاہیئے۔ مثلاً اسے بحر اسود، دردانیال اور خود استنبول کے متعلق روسی منصوبوں کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر آسٹریا اُن کو روکنا چاہتی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس خاص غرض کے لئے دوسرے حلیف تلاش کرے۔ جرمانیہ اس سوال کو طے کرنے کے لئے کہ استنبول پر کون حکومت کرے، دو دو طرف لڑائی، نہیں مول لے سکتی۔ مگر اسی کے ساتھ قیصر نہ روس کے ساتھ کسی قسم کی مراعات کرے نہ اس سے خود کوئی رعایت مانگے۔ ہم اس سے کچھ احتیاج نہیں رکھتے اور نہ اس سے ڈرتے ہیں۔ مگر ہم اس کے دوست بنکر رہنا چاہتے ہیں" مختصر یہ کہ ملاقات محض عزیزانہ ہو اور سیاسیات کو پس پشت ہی رہنے دیا جائے قیصر نے ان صلاحوں کے مطابق کام کیا اور اس کا بھائی اور **ہربرٹ بسمارک** بھی سیاحت میں اس کے ہمراہ تھے۔ ملاقات پوری طرح کامیاب رہی اور جرمن سفیر نے اطلاع دی کہ زار کی خوش دلی ساعت بہ ساعت بڑھی اور زارینہ تک بہت خوش ہوئی۔ بایں ہمہ آیندہ ربیع ہی میں زار نے امیر جبل اسود کا یہ کہہ کر جام صحت پیا کہ صرف یہی فرمانروا اُس کا واحد دوست ہے[۱]

نیا فرمانروا جس طرح مشرق میں صدر اعظم کی حکمت عملی جاری رکھنے پر تیار تھا، اسی طرح یہ دونوں پورا اتفاق رکھتے تھے کہ انگلستان کے ساتھ دلی دوستی کے تعلقات رہنے ضروری ہیں۔ مختلف اوقات میں بسمارک نے بیکنس فیلڈ اور سالسبری کو کئی کئی دفعہ چھیڑا تھا لیکن ایسی صاف اور معین استدعا کبھی نہیں کی تھی جس کی سلسلہ جنبانی کرنے کی بتاریخ ۱۱/ جنوری ۱۸۸۹ء **ہیٹز فیلٹ** کو ہدایت کی[۲] یعنی لکھا کہ یورپ کے امن کی بہترین ضمانت یہ ہو سکتی ہے کہ جرمانیہ اور انگلستان کے درمیان معاہدہ کرلیا جائے جو فرانسیسی حملے کی صورت میں انہیں باہمی مدد دینے کا پابند بنا دے۔ ایسی لڑائی میں کامیابی کی تو بہترین

---

[۱] گروس پولی ٹیک ۔ جلد چہارم [۲] گروس پولی ٹیک ۔ چہارم

صورت یہ ہوگی کہ خفیہ معاہدہ کیا جائے لیکن اس کا علانیہ ہونا، جنگ کی نوبت ہی نہ آنے دیگا۔ روس امن شکنی کرے گا نہ فرانس۔

انگلستان سے تحریک

سالسبری نے غور و مشورہ کرنے کے لئے مہلت طلب کی اور ۲۲/ مارچ کو جب کہ ہربرٹ بسمارک مسئلہ ساموا کا تصفیہ کرنے لنڈن آیا ہوا تھا اسے یہ جواب دیا کہ دونوں ملکوں کے اور امن یورپ کے حق میں ایسا اتحاد نہایت مبارک ہوگا۔ اور لارڈ ہارٹنگٹن اور ساتھ کے وزیروں کی جن سے اس تجویز پر میری بحث ہوئی یہی رائے ہے لیکن ان کی دانست میں معاہدہ کرنے کا یہ موقع مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے پارلیمنٹ میں فریق غالب کی اکثریت باقی، نہیں رہے گی اور وزارت کو مستعفی ہونا پڑے گا "بدقسمتی سے یہ پٹ کا زمانہ نہیں ہے جب کہ طبقۂ اعیان کی حکومت چلتی تھی اور ہم زور دار طرز عمل اختیار کرسکتے تھے۔ اب تو عوام کا دور دورہ ہے جس نے ہر وزارت کو قطعی طور پر "احساس عوام" کے تابع کر دیا ہے۔ آخر میں اس نے اس تحریک پر اظہار احسان مندی کیا اور امید ظاہر کی کہ میری زندگی میں ایک وقت آئے گا جب کہ میں اسے قبول کرسکوں گا "اس وقت تک ہم اسے اپنی میز پر رکھتے ہیں اور نہ ابھی ہاں کہتے ہیں نہ نہیں۔ افسوس ہے کہ اس بارے میں سر دست اس سے زیادہ کچھ کرنا ممکن نہیں ہے"

اس گفتگو کے ایک یا دو دن بعد سر ہربرٹ بسمارک کی چیمبرلین سے جو باتیں ہوئیں وہ بھی کچھ کم قابل ذکر نہ تھیں۔ صدر اعظم کو اس ملاقات کی جو اطلاع دی گئی اس میں تحریر تھا کہ "جرمانیہ کے ساتھ اس کی دوستی اتنی نمایاں کبھی نہ تھی جتنی کل کی ملاقات میں ظاہر ہوئی، وہ یہاں تک بڑھا اور یہ الفاظ کہے کہ "بغیر جرمانیہ کے سلامتی ناممکن ہے" اور بحث کرتا رہا کہ دونوں ملکوں کو تمام ایسے مواقع دور کر دینے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے جہاں دشواریاں پیش آنے کا احتمال ہے۔ ساموا کے مسئلے سے وہ جنوب مغربی افریقہ کے مسئلے کی طرف رجوع ہوا جو اس کے نزدیک جرمانیہ کے لئے دمڑی بھر قیمت بھی نہیں رکھتا اور جسے جرمانیہ کا چھوڑ دینا ہی بہتر نظر آتا تھا۔ پھر کہنے لگا کہ اس کا جرمانیہ کو معاوضہ بھی یقیناً مل جائے گا۔

"ہم ہلی گولینڈ تمھیں دے دیں تو تم کیا کہتے ہو۔ یہ انگلستان کے کسی کام کا نہیں اور تمہارے لینے کے قابل شئے ہے اور کچھ نہیں تو وقار و نمود ہی کے لئے سہی؟ رائے عامہ اس مبادلے کو پسند کرے گی اور پارلیمنٹ میں اسکی موافقت میں کثرت رائے کا ہونا یقینی ہے اور مخالفت ہو یا موافقت میں پارلیمنٹ میں پوری قوت سے اس کی وکالت کروں گا"۔ چیمبرلین کے ایما سے ہیٹزفیلٹ نے اس گفتگو کا سالسبری سے تذکرہ کیا جس نے کوئی صاف بات نہیں کہی بلکہ خیال ظاہر کیا کہ اگر جرمن سفیر چاہے تو کسی دوسرے وقت اس پر پھر گفتگو ہو سکے گی۔ قیصر یہ تجویز سن کر بہت خوش ہوا اور مشتاق تھا کہ انگلستان جانے کے موقعے پر اس قرارداد پر خود دستخط کرے۔ لیکن صدر اعظم نے فیصلہ کیا کہ اب اس مسئلے کے متعلق تحریک و تجویز کو برطانوی حکام پر چھوڑ دیا جائے اور جزیرے کی قسمت کا فیصلہ ایک سال کے لئے ملتوی ہو گیا۔

قیصر کی پہلی سیاحت انگلستان اگست میں ہوئی جب کہ وہ بیڑا لئے ہوئے اوس برن آیا اور انگریزی بیڑے کا اعزازی امیر البحر مقرر کیا گیا۔

اوس برن اور ایلڈر شاٹ

اس اعزاز سے خوش ہو کر اس نے اپنی نانی کو ڈریگون گارڈز کے پہلے رسالے میں کرنیل کا اعزازی عہدہ دیا۔ اور اس رسالے کا وفد اس غرض سے برلن سے طلب کیا گیا۔ اس وفد کو ملکہ کی خدمت میں پیش کرتے وقت اس نے کہا کہ "سردار و سوار سب کے دل میں اس خیال سے ایک تازہ فخر و ناز کی لہر اٹھ رہی ہے کہ وہ اس رسالے کا آدمی ہے جسے ملکۂ انگلستان کو اپنا کہنے کی عزت حاصل ہے"۔ پر تپاک استقبال سے وہ نہایت مسرور ہوا اور لوگوں کو اپنی ذات سے ساتھ خاص دلچسپی پیدا ہوتے دیکھ کر بہت نازاں تھا اور رہ رہ کے انگریزی افواج اور مصافی ساز و سامان کی ستایش کرتا تھا۔ ایک دفعہ جام صحت تجویز کرتے وقت ولی عہد برطانیہ نے بتایا کہ "آپ نے اتنے بڑے بیڑے کا معاینہ کیا جو انگلستان نے پہلے کبھی جمع نہیں کیا تھا۔ ہر ملک کو ممکنہ حوادث واتفاقات کے لیے تیار رہنا چاہیئے اور مجھے یقین کامل ہے کہ جرمانیہ کا لشکر عظیم بھی

امن عالم کو برقرار رکھنے کی خدمت انجام دے گا۔" قیصر نے جواب میں کہا "امیرالبحر مقرر کئے جانے کی خاص عزت کو میں نہایت قدر کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ مجھے بڑی مسرت ہے کہ اس بیڑے کے جائزے کے وقت میں موجود تھا، جسے میں دنیا کا سب سے شاندار بیڑا سمجھتا ہوں۔ جرمانیہ کی فوج اس کی ضرورتوں کے عین مناسب ہے اور اگر برطانیہ کا بیڑا اس کی مصالح کے مطابق ہے تو یورپ یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ قیام امن کے لئے نہایت اہم عنصر ثابت ہوگا" ایلڈرشاٹ میں مصنوعی جنگ کا تماشا دیکھنے کے بعد قیصر نے ڈیوک آف کیمبرج کو اٹھائیسویں پیادہ فوج کا اعزازی کرنل مقرر کیا جس طرح پہلے ڈیوک اوف ولنگٹن کو یہی عہدہ دیا گیا تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ "برطانی سپاہ کو دیکھ کر میں ان کا انتہا درجہ کا مداح ہو گیا۔ برطانوی اور پروشوی خون بھی مال پلاکے اور واٹرلو کے میدانوں میں مشترک مقصد کی خاطر بہ چکا ہے" غرض یہ سیاحت نہایت کامیاب رہی اور دونوں ملکوں میں باہمی اعتماد و اعتبار بڑھ گیا۔ مورننگ پوسٹ نے تحریر کیا کہ "جنگ کرنے کا خیال نہ جرمانیہ کو ہے نہ انگلستان کو۔ لیکن یہ بات روز بروز آشکار ہوتی جاتی ہے کہ اگر انھیں چار و ناچار لڑنا پڑا تو یا وہ دوش بدوش سامنا کریں یا ایک ساتھ دونوں کا استیصال ہو جائے۔ کاغذی اتحاد و میثاق کی کوئی ضرورت نہیں ہے" لارڈ جارج ہیملٹن ان دنوں محکمہ بحریہ کا امیر اوّل تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ قیصر نے بہت اچھا نقش چھوڑا "اس میں اخذ کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور جس شئے کا معائنہ کرتا ہے اس میں بالکل منہمک ہو جاتا ہے۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ برلیسی کا سالنامہ اسے قریب قریب حفظ ہے۔ پورا ایک دن اس نے پورٹس متھ میں بسر کیا اور مختلف شعبوں کو دیکھتا اور ان کے عہدہ داروں سے گفتگو کرتا رہا"[۵]

مارچ ۱۸۹۰ء میں، یعنی اپنے آقا کی وفات کے دو سال بعد، بسمارک کا عزل ہوا جو سیاسی وجوہ کی بجائے زیادہ تر ذاتیات کی بنا پر عمل میں آیا۔

---

[۵] "یارلی منسٹری ریمی نی سین سیز" جلد دوم ۱۳۶

قیصر اور صدر اعظم

کہن سال صدر اعظم نے ۱۸۸۶ء ہی میں کہہ دیا تھا کہ قیصر "ایک روز اپنا صدر اعظم خود ہوگا"۔ پہلے سال تو یہ اجتماع حاکمین بلا تصادم کام دیتا رہا لیکن ۱۸۸۹ء میں اس میں رکاوٹ کے آثار نظر آنے لگے اور اکتوبر میں زار برلن آیا تو یہ سوال کرکے اس نے صدر اعظم کو چونکا دیا کہ "کیا آپ کو عہدے پر قایم رہنے کا پورا یقین ہے؟" نوجوان بادشاہ کے ذہن میں سمائی ہوئی تھی کہ میں نہ صرف حکمرانی کا حق بلکہ پوری اہلیت رکھتا ہوں اور ادھر بسمارک کے حاکمانہ مزاج اور بے مثل قابلیتوں نے اسے اپنی اور دنیا کی نظر میں جرمانیہ کا بادشاہ بلا تاج بنا رکھا تھا۔ ولیم ثانی لکھتا ہے کہ "مجھ پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ میرے وزیر اپنے آپ کو بسمارک کے عمال تصور کرتے تھے"۔ بسمارک کے بے شمار دشمن تھے اور انہی میں مولٹکے کا جانشین فوجی حکام کا صدر والدرسی تھا جو بڑے مرتبے کے لوگوں میں اس کے خلاف ریشہ دوانی کرتا رہتا تھا۔ قیصر سے اپنی کشمکش کو اس معزول وزیر مطلق العنان نے اپنی کتاب "ملاحظات" (Reflection) کی تیسری جلد میں پر جوش ناراضی کے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ اور خود قیصر نے یہی قصہ نسبتہً ٹھنڈے دل سے فرانسس جوزف کو ایک طویل خط میں[۱] اور پھر اپنی سوانح میں لکھا ہے، اشتراکین کے خلاف ۱۸۷۸ء کے قانون کی تجدید، مزدوروں کے متعلق بین الاقوامی مجلس، اور سرحد پر روسیوں کی جنگی کارروائیوں کے سلسلے میں جو اختلاف رائے تھا، وہ اس اصلی سوال کے سامنے کہ حکومت کس کے قبضے میں رہے، محض بے حقیقت رہ جاتا ہے۔ باڈن کے امیر کبیر نے، جو اس کشمکش میں اپنے بھتیجے کا طرفدار تھا، ہوہن لوہی سے کہا کہ "اصل چیز یہ ہی تھی کہ بسمارک حکومت کرے یا خاندان ہوہن

[۱] یہ خط آسٹریا کے محافظ خانے کے کاغذات سے لے کر شائع کیا گیا اور پھر لیف سرنگ نے بھی اپنی کتاب میں دوبارہ چھاپا۔

زولرن ؟" اور اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا، چنانچہ انھوں نے ایک دوسرے کو خیرباد کہی، اور دونوں کے دل غصے میں بھرے رہے۔ بسمارک تو بآواز بلند کہتا تھا کہ "میں سردی کے مارے ہوئے ریچھ کی طرح سرنگوں نہیں رہ سکتا"۔ ۱۸۹۴ء میں سرکاری طور پر مصالحت کا سانگ ساز کھا دیا گیا اور

ناخدا سے انقطاع

فریڈرک سرو اور برلن میں دید وباز دید کی رسم بھی ادا ہوئی لیکن دونوں ایک دوسرے کا ذکر حقارت آمیز غصے سے کرتے رہے[1]۔ قیصر نے شخصی حکومت کا بوجھ جوانی اور ناتجربہ کاری کے باوجود، خوشی خوشی کندھوں پر رکھ لیا کیونکہ اپنی ذات پر اسے ایسا مستحکم اعتماد تھا جسے کوئی چیز متزلزل نہ کر سکتی تھی۔ "اس ملک میں صرف ایک فرماں روا ہے اور وہ میں ہوں"۔ "میں اس قوم و ملک میں جو خدا نے میری وراثت میں دیا ہے ایک جوہر قابلیت پاتا ہوں۔ وہ میرے تفویض ہوا ہے اور اسے جلا دینا میرا فرض ہے۔ اس خدمت میں جو میری مدد کریں گے، اُن کا میں دل سے خیر مقدم کروں گا اور جو راستہ روکیں گے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا"۔ ایسی زبان میں جو فریڈرک ولیم چہارم کی پراسرار یاوہ گوئی کی یاد دلاتی تھی، وہ علی الاعلان کہتا تھا کہ میں اپنے افعال کا صرف خدا اور اپنے ضمیر کو جواب دہ ہوں۔ مانا کہ فریڈرک اعظم کے بعد وہ ہوہن زولرن خاندان کا سب سے لائق فرماں روا تھا۔ لیکن اس میں ایسی شخصی حکومت کرنے کی پوری اہلیت نہ تھی جس کی وہ آرزو رکھتا تھا اسی لئے یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ سلطنت جرمانیہ کا دوسرا صدر اعظم بہت اچھا ہاتھ آگیا[2]۔

کیپ ریوی کی قابلیت نے اوائل عمر ہی میں موٹلکے کو اپنی طرف ملتفت

---

[1] Denkwurdig Keiten جلد دوم

[2] جب وقت بسمارک نے ۱۸۸۴ء کے خفیہ عہدنامے کا حال ظاہر کیا تو قیصر نے زار کو لکھا کہ اب لوگوں کو نظر آجائیگا کہ میں نے جو "اس بے قابو مزاج اور ذلیل خصلت کے آدمی" کو برطرف کیا وہ بالکل بجا تھا۔

کرلیا تھا اور ۱۸۷۰ء کی جنگ میں امتیاز پایا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں اسٹوش کی بجائے

نیا صدر اعظم

اسے محکمۂ بحریہ کا صدر مقرر کیا گیا تو یہ اس کی فوجی خدمات کی بہترین داد تھی۔[1] پانچ سال تک بیڑے میں کام کرکے وہ اپنے پہلے شوق کی طرف رجوع ہوا اور ایک جیش کا سپہ سالار مقرر کردیا گیا۔ لیکن لوگ اسے بھولے نہ تھے اور ولیم ثانی نے اپنے ملک پر خود حکمرانی کا ارادہ کیا تو اس کو کیپ ریوی کا خیال آیا جس کی تنظیم کی قابلیت کا خود اس کا دادا ثنا خواں تھا اور جس کا ملک بھر میں کوئی مخالف نہ تھا اور جو سیاسی مناقشوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہا تھا۔ اس کی لیاقت کا خود بسمارک کو اعتراف تھا اور وہ اسے فوجی حکام مستقر کا صدر بنانا چاہتا تھا۔ اور اس کی دانست میں کیپ ریوی سیاسی خدمات تفویض کئے جانے کے بھی موزوں تھا ایک مرتبہ ۱۸۷۰ء میں صدر اعظم کی ریل کے سفر میں کیپ ریوی سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں اسی دن بسمارک نے اپنا خیال ان الفاظ میں ظاہر کیا کہ "میں بارہا سوچا کرتا تھا کہ میرا جانشین کون ہوسکتا ہے۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ بارے آج اس شخص کو میں نے دیکھ لیا" ۱۸۹۰ء میں جب قیصر و صدر اعظم میں مخالفت کے آثار پیدا ہوئے تو بسمارک نے پروشیہ کی وزارت عظمیٰ سے دست بردار ہونے کا خیال ظاہر کیا اور اپنا جانشین کیپ ریوی کو تجویز کیا تھا، سلطنت کے سب سے بڑے عہدے طلب کئے جانے کی تو اسے توقع نہ تھی تاہم اس کا سیدھا سادہ مذہبی عقیدہ یقین دلاتا تھا کہ اسے وہ رہ نمائی جس کا جویا ہے ملے بغیر نہ رہے گی اور قیصر نے بھی یہ کہہ کے تسلی دی کہ "معاملات کی ذمہ داری میں لے لونگا" پروشیہ کی مجلس میں سب سے پہلے تقریر ہی میں اس نے اپنی سیاسی ناتجربہ کاری کا اس صاف گوئی سے اعتراف کیا کہ نکتہ چینی کی گنجائش باقی نہ رہی۔ پھر اس نے اپنا مقصد بھی یہی بیان کیا کہ بڑے بڑے اشخاص اور کاموں کے بعد مجھے جرمن قوم کو صرف معمولی زندگی کے اطمینان و سکون کی طرف واپس لانا ہے

[1] ملاحظہ ہو کیپ ریوی کی "ریذن" وغیرہ وغیرہ

اس عہد تغیر کے لئے وہ بخوبی موزون تھا اور اس اعتبار سے کہ فاش غلطیاں کرنے سے وہ برابر بچتا رہا اس کی صدارت کے چار سال کا جانشینوں کے عہد سے مقابلہ کیجئے تو وہ بہت کامیاب نظر آئے گا۔ قیصر نے فرانسس جوزف کو اس کی نسبت یہ الفاظ لکھے تھے کہ "بسمارک کے بعد وہ سب سے افضل جرمن ہے۔ میرا وفادار ہے اور استقامت میں چٹان کی مثل مضبوط ہے"۔

بسمارک کے ۲۸ سالہ اقتدار کامل کے زمانے میں پروشیہ اور سلطنت جرمانیہ کی خارجہ حکمت عملی ایک ہی دماغ اور ارادے کے تحت رہی۔ کیونکہ گو اہم مسائل میں بادشاہ سے مشورہ لیا جاتا تھا لیکن یہ وزیر استعفے کی دھمکی دے کے ہمیشہ اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرا لیتا تھا، جیسا کہ ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۹ء میں ہوا۔ مگر اب ۱۸۹۰ء سے جرمن حکمت عملی کبھی شخص واحد کے ہاتھ میں نہیں رہی اور آیندہ سنین میں دو بادشاہ، صدر اعظم، مارشل وان بیبرسٹین[1] وزیر خارجہ اور نیز وزارت خارجہ کے ایک پراسرار آدمی کی مختلف آرا کے بین بین ایک عجیب مرکب بنی رہی جس کے قیام و دوام کا کچھ بھروسہ نہ ہوتا تھا۔

یہ پراسرار آدمی **بیرن فان ہولسٹین** تھا جس نے اپنی سفارتی زندگی بسمارک کے ماتحت پیٹرزبرگ میں شروع کی اور فرانس و جرمانیہ کی جنگ کے کچھ روز

بیرن فان ہولسٹین

ہی قبل پروشیہ کی وزارت خارجہ میں لے لیا گیا۔ محاصرۂ پیرس کے زمانے میں وہ ورسائی طلب کیا گیا۔ پھر آرنیم کے استیصال میں صدر اعظم کو مدد دے کر اس کی خوشنودی حاصل کی اور پیرس ہی کے سفارت خانے میں رہا۔ ۱۸۷۶ء میں برلن واپس بلایا گیا اور بسمارک کے ساتھ وفاداری سے کام کرتا رہا اور اس کا انتہا درجے کے مداح ہونے کا اظہار کرتا تھا۔ لیکن صدر اعظم نے شہزادہ ولیم کو تخت نشین ہونے سے پہلے خبردار کر دیا تھا کہ اس کی طرف سے ہوشیار رہے[2]۔

---

[1] مارشل کے حالات کے لئے دیکھو بیٹل ہیم Biograaphisches Jahrbuch جلد ہشتم۔ [2] دیکھو قیصر کی خود نوشتہ سوانح۔ باب اوّل

اپنی معزولی کے بعد بسمارک اسے غدار نہیں تو اپنا مخالف ضرور سمجھتا تھا اور فریاد کیا کرتا تھا کہ جرمن حکمت عملی اور ایک ایسے شخص کے اختیار میں آ جائے۔ لوتھر بیوش کی یہ رائے اپنے سردار کی صدائے بازگشت تھی جو اس حادثہ کے آیندہ سال اس نے بیوش کو لکھ کر بھیجی کہ "ہولسٹین کو دس برس تک کوئی منہ نہیں لگاتا تھا، مگر اب سارے کام وہی کرتا ہے"[۱] لیکن حقیقت میں یہ کہنا کہ سارے کام وہی کرتا ہے، درست نہیں تھا کیونکہ عہدے سے برطرف ہونے کے کئی سال بعد خود ہولسٹین، میکسی می لین ہارڈن کو ایک خط میں لکھتا ہے کہ جرمانیہ کا بست وکشاد میرے ہاتھ میں ہونے کا خیال اصلیت سے بہت دور تھا" اور آخر میں صراحت کرتا ہے کہ اس عہد حکومت کے بعض واقعات میں جن سے ہل چل مچ گئی، میرا کوئی دخل نہ تھا، لیکن وزارت خارجہ کے شعبہ سیاسیات میں

اس کا خطرناک اثر

چھپے پڑے رہنے کے باوجود اس بیں کوئی شک نہیں کہ بسمارک کے عزل کے بعد پندرہ سال تک جرمانیہ کی حکمت عملی بنانے میں اس کی رائے کا بڑا بھاری اثر تھا۔

عام لوگ اس کو جانتے تک نہ تھے اور قیصر سے وہ شاذونادر ملتا تھا۔ بایں ہمہ اس کی پراسرار سرگرمیاں دیکھ کر دوربین اشخاص اندیشہ مند ہوئے جاتے تھے۔ وزارت خارجہ کے دارالطبع کے ناظم اوٹو ہامان نے جو اس کا ساتھی عہدہ دار رہا لکھا ہے کہ "وہ ایک راز مخفی تھا۔ اور شدت سے محب وطن ہونے کے باوجود اس کی فطرت میں کوئی چیز خلاف معمول اور فاسد ضرور تھی۔ اس کے بہت سے تعلقات خفیہ تھے اور وہ بہت کچھ کام پس پردہ کیا کرتا تھا۔ سفارت خانوں کے ان عہدہ داروں کو جن پر اس کو بھروسہ تھا، بخ سے تار بھیجکر مشورہ دیتا اور ان تاروں کو کھینچتا رہتا جس پر پتلیاں ناچا کرتی ہیں"[۲]۔ بیرن وان اکارڈاسٹین کا دس برس تک اس کے ساتھ بہت گہرا ذاتی اور سرکاری تعلق رہا۔ وہ بھی ہولسٹین کی ایسی ہی تصویر کھینچتا ہے[۲] کہ "وہ

---

[۱] بیوش "بسمارک" جلد سوم [۲] اری نردمگنن" جلد اول۔ مگر سب سے واضح تصویر ہارڈن نے کھینچی ہے دیکھو "کوف" جلد اول۔

"پیر عالی قدر" اور "قومی جینز دُٹٹ" کہلاتا تھا، جرمن حکمت عملی کو پس پردہ مرتب کرنے والوں میں اتنا بڑا اسرار شخص کوئی نہ ہوا ہوگا۔ وہ اکثر اپنے بالادست حکام کے سامنے سرکاری اطلاعیں پیش ہی نہ ہونے دیتا تھا۔ اس کا مزاج اُن لوگوں کا سا تھا جو اپنے سامنے کسی چیز کا ہو جانا گوارا نہیں کرتے۔ یعنی جس قدر کوئی چیز معمول کے موافق اور صحیح ہوتی، اسی قدر اسے زیادہ شبہ پیدا ہوتا، کوئی فریق ثانی اس کی خواہش کے مطابق معاملہ کرنے پر رضامند نہ ہو جاتا تو وہ الٹا اس معاملے کو درہم برہم کر دیتا تھا۔ اسے کسی کام کی خواہش صرف اس وقت تک رہتی جب تک کہ دوسرے ویسا نہ چاہتے ہوں۔" اس عجیب و غریب شخصیت کے اثر کو یورپ کی وزارتیں بخوبی پہچان گئی تھیں۔ بیولاؤ صدر اعظم مقرر ہوا تو ہولسٹین نے وزارت خارجہ کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہی شخص تھا جسے چند سال بعد شاہ اڈورڈ ہفتم غصے سے "دوزخی بانی شرارت" کے نام سے یاد کرنے لگا تھا اور قیصر نے بھی اپنی سوانح میں اس کی مذمت کی ہے۔

جس حکمت عملی کو ولیم ثانی "نئے راستے" کے نام سے موسوم کرتا تھا، اُس کا سب سے پہلا پھل تو چند ہی روز میں یہ ملا کہ روس کے ساتھ خفیہ عہد نامہ اطمینان دہی کی تجدید نہ کرنے کا اہم فیصلہ کر لیا گیا۔ ۱۸۸۹ء کے آخر میں الگزنڈر ثالث نے گائرز کو حکم دیا تھا کہ وہ ۱۸۸۷ء کے اس معاہدے کی تجدید کے مسئلہ پر غور کرے اور اس وزیر کی صلاح پر فیصلہ کر لیا تھا کہ معاہدۂ مذکور کی تجدید کر دی جائے[1] قدرتی طور پر بسمارک کی بھی یہی رائے تھی بلکہ اپنے بوڑھے آقا کے مرنے کے بعد سلطنت کے کارفرما حلقوں میں جس قسم کے خدشہ انگیز سیاسی اور شخصی عناصر دخل پا رہے تھے انھیں دیکھ کر اس کی یہ رائے اور بھی تقویت پا گئی تھی چنانچہ شواکوف سے اس نے کہا کہ "میں چاہتا ہوں کہ ۱۸۸۷ء

[1] ملاحظہ ہو گوری اے نوف کا مضمون "دی اینڈ اوف دی الائنس اوف دی تھری ایمپررز" امریکن ہسٹوریکل ریویو۔ جنوری ۱۹۱۸ء۔

کا معاہدہ جاری رہے اس کو کسی مدت میں محدود کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے"
سفیر کی اطلاع پر زار نے تحریر کیا کہ " میں سمجھتا ہوں کہ بسمارک ہمارے ساتھ
دوستانہ تعلقات رکھنے کو اس بات کی دلیل جانتا ہے کہ فرانس و روس کے
مابین کوئی تحریری قرارداد موجود نہیں ہے"، اس گفتگو کے چند ہی روز بعد
بسمارک عہدے سے علیحدہ ہو گیا۔ لیکن قیصر نے شووالوف کو بلا تاخیر پیام بھیجا
کہ وہ گفتگو جاری رہے کیونکہ جرمن حکمت عملی میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔
بحث و مشورہ بیٹر و گریڈ میں منتقل ہونے والے تھے کہ اتنے میں جرمن سفیر
کو حکم پہنچا کہ معاہدے کی تجدید سے انکار کردے۔ کیپ ریوی نے صراحت کی
کہ ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے لیکن جرمن حکمت عملی صاف و
روشن ہونی چاہیئے اور اس میں خفیہ قول و قرار کرنے کی گنجایش نہیں ہے۔

زار کو حیرت تو ہوئی مگر کوئی کوفت نہ ہوئی گائرز کی گزارش پر اس نے لکھا
کہ اگر میرے دل کی پوچھو تو میں خوش ہوں کہ تجدید سے انکار پہلے جرمانیہ کی طرف
سے ہوا۔ رہا پیمان دوستی، اس کے ختم ہو جانے سے بھی مجھے کچھ ملال نہیں ہے"
در اصل زار کا عصبی دماغ تو اس واقعے سے پہلے ہی فرانس کے ساتھ باقاعدہ
اتحاد کر لینے کی طرف بتدریج آمادہ ہوتا جاتا تھا۔ البتہ اس کے وزیر خارجہ نے
جرمن سفیر کے سامنے تعجب کا اظہار کیا کہ قیصر کے اس قدر بلند و مد کے وعدوں پر
کیپ ریوی کا تردد کیونکر غالب آگیا؟ پھر گائرز نے تجویز کی کہ تعلقات کے
دوستانہ ہونے کا باہمی مکاتبت کے ذریعے ہی اظہار کر دیا جائے لیکن زار
کے نزدیک معاملے کو یونہی رہنے دینا بہتر تھا اور شووالوف نے بھی اس کی
تائید کی اور لکھا کہ جرمانیہ سے یہ دریافت کرنے میں کہ اس نے پیمان دوستی
کی تجدید کیوں نہ کی، ہماری کسر شان کا پہلو نکلتا ہے، اگست میں قیصر و کیپ
ریوی مصنوعی جنگ کے موقع پر روس آئے تو گائرز نے بیان کیا کہ روس
فرڈی ننینڈ کو کبھی بلغاریہ کا بادشاہ تسلیم نہیں کرے گا اور یہ کہ آبناؤں کے
بند کئے جانے کی ذمہ داری کے ہم اسی طرح پابند ہیں۔ جرمن صدر اعظم نے اس
قول کی تائید کی اور گائرز نے چاہا کہ اس گفتگو کو قلم بند کرے کیپ ریوی نے بھی

تحریری تصدیق لے لے۔ کیپ ریوی نے جرمانیہ کی امن پسندی اور دوستی کا دوبارہ اظہار تو کیا لیکن کاغذ پر قلم چلانے سے انکار کر دیا۔ دونوں بادشاہوں کے ذاتی تعلقات بالکل دوستانہ رہے مگر جرمانیہ اپنے دوسرے صدر اعظم کے زمانے میں "نئے راستے" پر گامزن ہوئی اور تھوڑے ہی دن بعد روس نے بھی اس کی تقلید کی۔

بسمارک کی فتنہ انگیزی روس کے ساتھ معاہدے کی تجدید نہ ہونے پر اس وقت سے جب سے کہ بسمارک نے جریدۂ "ہیمبرگر نیک رک ٹن" میں یہ قصہ ۲۴ر اکتوبر ۱۸۹۶ء کو شائع کرایا (اور بہت بگڑ کر لکھا کہ حیف ہے ہیٹرو گریڈ سے تعلقات کا سلسلہ ٹوٹ گیا) یہ معاملہ برابر اہل شوق و تجسس کے زیر بحث رہا ہے[۵]۔ اس مضمون کی اشاعت کے وقت ہوہن لوہی صدر اعظم تھا۔ اس نے سرکاری راز کے اس طرح افشا کیے جانے پر بہت برا مانا اور ملامت کی اور کہا کہ ۱۸۹۰ء کا فیصلہ بالکل دانشمندانہ تھا۔ اس کے باعث روس سے تعلقات میں کوئی خرابی نہیں آئی ، مارشل وان بر سٹین نے توجیہ کی کہ اس عہدنامے کی وجہ سے یہ صورت پیش آنی ممکن تھی کہ ادھر تو آسٹریا جرمانیہ سے فوجی امداد کا مطالبہ کرے اور ادھر روس دوستانہ غیر جانب داری کا متقاضی ہو اور جرمانیہ بیٹھ کر فیصلہ کرے کہ زیادتی کس فریق کی ہے؟ اس قسم کے اور دوسرے نقادوں کے جواب میں بسمارک نے لکھا کہ روس کے ساتھ جو معاہدہ میں نے کیا تھا، اس پر ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوں کہ اگر اتحاد ثلاثہ چاہتا تو مجموعی طور پر اس کی شرطیں خود بھی قبول کر لیتا۔ اس کو فقط زار کی استدعا پر مخفی رکھا گیا۔ اور آسٹریہ کے لئے بھی اس میں یہ نفع تھا کہ اگر روس فرانس کے حملے میں شریک نہ ہوتا تو آسٹریہ کو بھی جنگ میں بروئے معاہدہ شرکت کرنی نہ پڑتی۔ شوالوف کا خیال تھا کہ کیپ ریوی کے انکار کی ایک وجہ وہ گہرے تعلقات تھے جو نوعمر قیصر اور روس کے دشمن (انگلستان) کے مابین قایم تھے۔ خود

---

[۵] اس بارے میں بعض صریحی اشارے بسمارک پہلے بھی کر چکا تھا۔ دیکھو ہوف مین "فرسٹ بسمارک" دوم

کیپ ریوی، جس کی راست بازی کی شوالوف بھی گواہی دیتا ہے، اپنے طرزِ عمل کی حمایت میں یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ وہ دہری ذمہ داری "نہایت پیچیدہ" تھی اور اگر خفیہ معاہدہ ظاہر ہو جاتا تو، آسٹریہ سے عہد اتحاد کا بھی خاتمہ تھا؛ مگر اس فیصلے کا اصلی بانی کیپ ریوی بھی نہیں، ہولسٹین تھا جس کے دل میں جمی ہوئی تھی کہ فرانس و روس میں سیاسی آئین و عقائد کا تباین کبھی ان دونوں کو مجتمع نہ ہونے دیگا۔ قیصر کی محبت اپنی سوانح میں یہ ہے کہ روسیوں نے اس عہدنامے کی خواہش چھوڑ دی تھی اور اس لئے اس کی قدر و قیمت میں بھی بہت کمی آگئی تھی۔

بہر حال فیصلے کے اندرونی اسباب جو کچھ بھی ہوں، اور وہ برا ہو یا بھلا، اس میں شک نہیں کہ جرمانیہ کی قدیم حکمتِ عملی کو اس نے قطعاً ختم و منقطع کر دیا۔ بسمارک اس پر جارہا کہ اگر معاہدے کی تجدید ہو جاتی تو روس و فرانس کا باہمی ارتباط، جو اس وقت بڑھنا شروع ہو گیا تھا، باقاعدہ اتحاد کی صورت میں مکمل نہ ہونے پاتا۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا یہ خیال درست نکلتا یا غلط مگر اس میں شک نہیں کہ معاہدے کی تجدید نہ ہونے سے، اتحاد کی تکمیل ناگزیر ہو گئی۔

روس و جرمانیہ کے معاہدے ۸۷ء کو ختم ہوئے زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ایک اور اہم کارروائی کی گئی جو کم درجے میں سہی، مگر معزول صدر اعظم کے خلاف مزاج ضرور تھی۔ ۱۸۸۹ء میں چیمبرلین کے اس خیال نے کہ انگلستان معاوضہ

ہلوگولینڈ اور زنجبار

لے کر ہلوگولینڈ کو جرمانیہ کے حوالے کر دے گا، قیصر پر بڑا اثر ڈالا کیونکہ نہر کیل سے، جس کے کاٹنے کا کام ۱۸۸۷ء سے شروع ہو چکا تھا، اس جزیرے کی جنگی قدر و قیمت بڑھ گئی تھی۔ چیمبرلین کی تجویز تو سیدھی سادی تھی لیکن اس معاملت نے رفتہ رفتہ بہت وسعت حاصل کر لی اور بر سیاہ کے بڑے بڑے قطعے اس بیع و شری میں داخل ہو گئے۔ ۱۷/جون ۱۸۹۰ء کو ایک عہدنامے پر دستخط کر دیئے گئے جس نے یوگنڈا کو برطانوی حلقہ اثر میں منتقل کر دیا جس سے پیٹرز نے جبراً جرمن سیادت کا اقرار لے لیا تھا۔ اور ساحل کی اس پٹی کے سوا جو پٹے پر جرمن انجمن مشرقی افریقہ کے پاس تھی، باقی زنجبار پر برطانوی سیادت مان لی اور

جنوبی نیل کے سارے طاس کو حدود مصر تک انگریزوں کے زیر اثر تسلیم کیا۔ اس کے معاوضے میں انگریزوں نے وعدہ کیا کہ وہ سلطان زنجبار سے تاکید کریں گے کہ یہ پٹی جرمنوں کے ہاتھ بیچ دی جائے اور جرمانیہ کو اختیار دیا کہ وہ اندرونی علاقے میں بڑی جھیلوں تک اپنی حکومت پھیلا سکتی ہے۔ برّ اعظم کے دوسرے پہلو پر جرمانیہ کو زام بزی تک وہ محصور و تنگ راستہ مل گیا جو آیندہ سے کیپ ری وی زی فل کہلانے والا تھا۔ اور آخر میں مگر سب سے بڑھکر یہ کہ ہلو گولینڈ بھی اس کے ہاتھ آگیا۔[1]

سالسبری کی توجیہ اس معاملت میں دونوں فریق کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے اپنے ملک کی عمدہ خدمت انجام دی اور جزوی نقصان اٹھا کے کثیر نفع حاصل کیا۔ سالسبری دلیل لاتا تھا کہ ہلو گولینڈ کی کوئی جنگی اہمیت نہیں اور اس میں معمولی چھاؤنی تک نہیں بنائی گئی ہے۔ اگر جرمانیہ سے جنگ ہو تو ہمارے بیڑے کے پہنچتے پہنچتے اس پر دشمن قبضہ کرلے گا۔ اگر دوسری سلطنتوں سے لڑائی ہو تو ہمیں اس کی حفاظت کے لئے جنگی جہاز بھیجکر اپنی قوت دو طرف بانٹنی پڑیگی۔ ہمارے واسطے وہ محض خیالی قدر و قیمت کی چیز ہے اور اب جو فیصلہ ہم نے کیا ہے اس سے باہمی خصومت کا ہر احتمال دور ہو جاتا ہے اور ان قوموں کے ارتباط کو قوت پہنچتی ہے جو اپنے دوستانہ جذبات، تعلقات اور اصل نسل کے یکساں ہونے کے باعث ہمیشہ باہم دوست رہیں گی۔" پھر یہ جزیرہ دے کر مشرقی افریقہ میں گویا ہماری ایک پوری سلطنت تیار ہو گئی جس کی کنجی زنجبار ہے۔ وزیر اعظم کے انہی خیالات کو اسٹینلی نے بڑی خوبی سے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ ہم نے پتلون کا صرف ایک بٹن دے کے کپڑوں کا جوڑا خرید لیا چند آوازیں مخالفت میں بھی اٹھیں۔ لیکن ۱۸۹۰ء میں جرمانیہ سے لڑائی کا کسی کو وہم و گمان تک نہ تھا اور ۱۸۸۹ء کے قانون دفاع بحری میں دو سلطنتوں کے برابر کا معیار گویا روس و فرانس کے ممکنہ اتحاد کا جواب تھا۔ اور اگر عوام الناس

[1] ملاحظہ ہو ہیگن اور قیصر کی خود نوشتہ سوانح۔ باب دوم وغیرہ

اس واقعے کی صحیح اہمیت نہ سمجھ سکے جو آیندہ تاریخ میں یادگار ہونے والا تھا، تو ان پر کیا الزام ہے جب کہ خود وزراے انگلستان ہی کو یہ اندازہ نہ ہوا کہ اس جزیرے کی تحویل جرمنوں کی بحری حوصلہ مندیوں پر کیا اثر ڈالے گی۔[۵]

اُس ملک میں تو جس نے درحقیقت سب سے زیادہ قربانی کی تھی، عہدنامے کے نکتہ چین اتنے کم تھے، لیکن خود جرمانیہ میں کیپ ریوی کو اخبارات اور مجلس میں شدید اعتراضات سے سابقہ پڑا۔ ریشتاگ میں اُس نے اپنی پہلی ہی تقریر میں کہہ دیا تھا کہ میں " نوآبادیوں کا شیفتہ " نہیں ہوں[۶] اور فی الواقع وہ سمندر پار کے مقبوضات کو اسی بے اعتنائی اور بدگمانی کے نظر سے دیکھتا تھا جس طرح بسمارک۔ تاہم جب حامیانِ استعمارات نے شکوہ کیا کہ کیپ ریوی بے وجہ وسط افریقہ میں ایک وسیع سلطنت کی امیدیں قربان کر رہا ہے تو اس نے شد و مد سے ان کی تردید کی۔ اُس نے جتایا کہ زنجبار کو دینے نہ دینے کا سوال ہی فضول ہے کیونکہ جرمانیہ کا اس پر کبھی قبضہ نہیں ہوا تھا۔ رہی یہ حجت کہ ممکن تھا کہ وہ آیندہ جرمنوں کی ملک ہو جائے، تو اُس نے جواب میں کہا کہ برطانیہ کے قدم اس میں جرمنوں کی نسبت زیادہ مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔ اسی طرح ویتو کو دینا بھی کوئی نقصان نہیں کہ وہ محض بیکار ٹکڑا تھا اس کے مقابلے میں جرمن مقبوضات کو سلطان زنجبار کی حکومت سے بالکل آزاد کرا کے ہم نے معقول کامیابی پائی کیونکہ جب تک اس کا پرچم اُڑتا رہتا وہاں کے باشندے کبھی باور نہ کرتے کہ جرمانیہ اُن کی فرماں روا ہے۔ خود بسمارک نے کہا تھا کہ سالسبری (کی دوستی) ویتو سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور

کیپ ریوی کی استعماری حکمت عملی

---

[۵] لارڈ جارج ہیملٹن تو ابھی تک یہی سمجھتے ہیں کہ یہ فیصلہ بہت اچھا تھا کیونکہ ہم اس جزیرے کو اس قدر مستحکم نہیں بنا سکتے تھے کہ اپنی خود مدافعت کر لے اور اس لئے ۱۹۱۴ء میں ہمیں اس کی خاطر بیڑے کو منقسم کرنا پڑتا۔ دیکھو " رمی نی سنسز " جلد دوم صفحہ ۱۴۰

[۶] ٹریڈن " صفحہ ۹۵ - ۱۱۴ - ۵ / فروری ۱۸۹۱ء

انگلستان، زنجبار و مشرقی افریقہ کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ حامیان مستعمرات سے صاف کہہ دیا گیا کہ جتنی چادر دیکھیں اتنے پاؤں پھیلائیں، ہمیں سب سے پہلے دیکھنا چاہیئے کہ نوآبادیاں بسانے کی مہم میں قوت کتنی ہے اور کتنے روپے اور آدمی ہیں اس کام کے لئے میسر آسکتے ہیں۔ جرمانیہ کے بہت سے کھن آگ میں دبے ہوئے ہیں۔ اتنی چیزیں سمیٹ لینے سے کیا فائدہ ہے کہ جن کو وہ کام میں نہیں لاسکتی۔ ہمارے ساتھ بدترین سلوک یہ ہوگا کہ ساری افریقہ ہمارے حوالے کردی جائے۔ کیونکہ جتنا ہمارے پاس ہے وہی بہت کافی ہے" دوستدار انگلستان، بے کار قطعۂ زمین سے کے عوض ساحل کی لمبی پٹی پر قبضہ اور ہلوگولینڈ کا حصول (جو ممکن تھا انگلستان اسی قسم کی بیرونی معاملت کے سلسلے میں فرانس کے حوالے کردیتا۔)۔ درآمد برآمد کی یہ فہرست ہے جسے اپنے ہموطنوں کے سامنے پیش کرنے میں مجھے کوئی شرم نہیں آسکتی"

قیصر کو اپنے صدر اعظم سے بھی زیادہ اطمینان ہوا تھا اور ہلوگولینڈ کے مل جانے پر اس نے خاص طور پر اظہار مسرت کیا۔ اپنے جدید مقبوضہ جزیرے کا دورہ کرنے گیا تو وہاں بھی اس نے ان جذبات کا اظہار کیا کہ "جنگ یا آنسو کا ایک قطرہ گرے بغیر یہ خوش نما جزیرے میرے قبضے میں منتقل ہوگیا۔ ہم نے اسے بروے معاہدہ برضا و رغبت اس قوم سے لیا ہے جو ہماری ہم نسل ہے۔ یہ جام میں اس نامی گرامی خاتون کی یاد میں نوش کرتا ہوں جس کے ہم اس حصول ملکیت کی بنا پر احسان مند ہیں" لیکن بسمارک نے اعلان کیا کہ میں اس معاہدے پر دستخط نہ کرتا کیونکہ اگر جرمانیہ اتنا انتظار کرتی کہ انگلستان کو فرانس یا روس کے مقابلے میں جرمن تائید کی ضرورت پڑتی تو اس وقت ہمیں کمتر معاوضہ دینا پڑتا۔ اس نے یہ بھی جتایا کہ ہلوگولینڈ میں جنگی استحکامات کی تعمیر دشوار و خرچ طلب ہوگی۔ لیکن وہ اصولاً اس کے قبضے کے خلاف نہیں تھا اور نہ اسے حیرت ہوئی۔ بلکہ اپنے فرماں بردار مدیر ہیم بورگر نیک

بسمارک کی نکتہ چینی

رکٹن سے جو گوش بر آواز دنیا کو فریڈرک سروے کے مرشد کے پیام پہنچایا کرتا تھا اس نے بیان کیا کہ "مجھے اس معاملے کے ہو جانے کی پہلے سے توقع تھی۔ ہلوگولینڈ کا نام آتے ہی قیصر بیتاب ہو جایا کرتا تھا اور اس کے التوا کو ہمیشہ ناگواری سے منظور کرتا تھا"۔[۱] اس بیتابی کی وجہ بسمارک کی سمجھ میں نہ آتی تھی کیونکہ وہ جنگی جہازوں کے بغیر ہی جرمانیہ کو زیادہ محفوظ جانتا تھا اس کے نزدیک بیڑا تیار ہونے سے برطانیہ کی دوستی میں خلل آنے کا اندیشہ تھا۔ رہا جرمانیہ کا ملک تو وہ کہا کرتا تھا کہ اگر یہاں کوئی انگریزی فوج اتاری گئی تو اسے "حوالات" کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف ولیم ثانی لڑکپن سے سمندر کا عشق اور جہازوں کے فن سے انتہا درجے کی دلچسپی رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کی دانست میں ایک طاقتور بیڑا سلطنت کی قوت و شوکت کی ضروری شرط تھا۔ اور وہ خوب جانتا تھا کہ جب تک ہلوگولینڈ پر غیر سلطنت قابض ہے اس قسم کا بیڑا تیار نہیں ہو سکتا۔ تخت نشینی کے وقت جو بیڑا اسے ملا، اگر وہ اس سے مطمئن نہیں ہوا تو یہ بھی کوئی عیب کی بات نہ تھی کیونکہ اس وقت کا جرمن بیڑا، نہ صرف انگلستان و فرانس بلکہ روس و اطالیہ کے بیڑوں سے بھی وزن میں کم تھا۔ اور نوعیت کے اعتبار سے اس کی حالت اور بھی ادنیٰ تھی۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی جو کام اس نے کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیپ ریوی کے عہدے پر امیر البحر کاؤنٹ مونٹس کو (محکمہ بحری کا صدر) مقرر کیا اس لئے کہ کیپ ریوی کو تو ساحلی دفاع کے سوا اور کوئی

[۱] دیکھو بوش جلد سوم وغیرہ وغیرہ۔ اکارڈسٹین کا بیان ہے کہ ہامیان مستعمرات اس داد و ستد کی گفتگو اور معاہدہ کئے جانے کا ذمہ دار لندن کے جرمن سفیر ہیٹز فیلٹ کو قرار دیتے تھے۔ لیکن سالسبری کے افریقہ کے مطالبات میں اضافہ اس وقت ہوا۔ جب سرمیلٹ نے ہلوگولینڈ کے لئے قیصر کے شوق کا حال لکھا۔ دیکھو ادی منزنجن۔ جلد اول۔ اکارڈاسٹین کی خود نوشتہ سوانح کا جورج ینگ نے "ٹین ایئرز دی کورٹ اوف سینٹ جیمس" کے نام سے نہایت عمدہ ترجمہ اور خلاصہ چھاپ دیا ہے۔

فکر ہی نہ تھی۔ مگر نئے صدر نے اپنے آقا کے حکم سے بلا تاخیر چار زرہ پوش جہازوں کا خاکہ بنانا شروع کیا جو کھلے سمندر میں کام دے سکیں۔

قیصر کی انگریز دوستی ولیم ثانی کی حکومت کے پہلے سات سال میں پوٹس ڈم اور ونڈسر کے تعلقات نہ صرف دوستانہ بلکہ گہرے بے تکلفانہ رہے۔ اسقدر کہ بسمارک کی نقاد نظر میں وہ ضرورت سے زیادہ گہرے تھے۔ اپنی کتاب "گیڈ انکن" (جلد سوم) میں وہ لکھتا ہے کہ بجائے یہ یقین پیدا کرانے کے کہ ضرورت کے وقت ہم انگلستان اور آسٹریہ کے بغیر اپنے زور بازو سے کام کر سکتے ہیں، ہم نے دوستی کی خاطر اتنا روپیہ لٹایا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم مدد کے محتاج ہیں۔ حالانکہ ہم ان دونوں سلطنتوں کے اس قدر محتاج نہیں ہیں جس قدر کہ وہ ہماری محتاج ہیں۔ مارچ ۱۸۹۰ء میں ولی عہد برطانیہ برلن آیا تو قیصر نے انگریزی امیر البحر کی وردی میں وہی واٹرلو کی اخوت جنگ کا راگ چھیڑا اور امید ظاہر کی کہ جرمن فوج اور انگریزی بیڑا امن عالم کو قایم رکھے گا۔ جسے سن کر سال خوردہ موٹکے نے چپکے سے ہوہن لوہی سے کہا "سیاسی قصیدے، بڑے بے مزہ قصیدے ہوتے ہیں" لیکن بادشاہ کو اپنی خطابت کی رد میں فرانس کے احساسات کا اس وقت تک خیال بھی نہ آتا تھا جب تک کہ اپنی ماں کے وطن کی پوری مدح سرائی نہ ہو جائے ۱۸۹۱ء میں اس کے ننہیال میں جانے کی نوعیت کسی قدر سرکاری ہو گئی کیونکہ شہر لندن کی طرف سے اسے دعوت دی گئی اور خاندان شاہی کا یہ فرد ساری قوم کے مہمان کی حیثیت سے انگلستان آیا۔ تین سال کی آزمائش نے رفتہ رفتہ انگریزوں کو قیصر کا مداح بنا دیا تھا اگرچہ سالسبری کو اس پر اعتماد نہ تھا[۵۱] اور ادھر قیصر انگریزوں سے اپنا حسن ظن ظاہر کرنے سے کبھی نہ اکتاتا۔ مینشن ہوس کی محولہ بالا ضیافت میں بھی اس نے بیان کیا کہ "اس محبوب ملک میں مجھے کبھی کوئی غیریت نہیں محسوس ہوئی کیونکہ میں اس ملکہ کا نواسا ہوں جس کا نام

---

۵۱ لارڈ ہیملٹن: "ریمی نی سینسز" جلد دوم باب ۱۵

شرافت کردار اور اصابت رائے کی بنا پر ہمیشہ یادگار رہے گا، مزید براں انگریز اور جرمن رگوں میں ایک ہی خون دوڑتا ہے اور میں حتی المقدور ان دونوں قوموں کی تاریخی دوستی کو برابر قایم رکھوں گا۔ سب باتوں سے بڑھ کر میرا مقصد یہ ہے کہ امن قایم رہے قیام امن ہی کی صورت میں ہم ان مسائل مہمہ پر اپنی دلی توجہ مبذول کرسکیں گے جن کا حل کرنا میرے نزدیک عہد حاضرہ کا سب سے مقدم فرض ہے۔"

قیصر کی اسی سیاحت انگلستان کے بعد فرانس کا بیڑا کرانسٹیڈ گیا تھا۔ لیکن ولیم ثانی اور اس کے صدر اعظم کاول اتحاد ثلاثہ اور برطانیہ کی دوستی سے اتنا قوی تھا کہ انھیں اس واقعے میں کچھ بہت تشویش و پریشانی کی وجہ محسوس نہ ہوئی۔ کیپ ریوی دریافت کرتا تھا کہ "دو قوموں کے ارتباط باہمی کو ہم کیونکر روک سکتے ہیں؟ ہم کرانسٹیڈ کی ملاقات میں مانع نہیں آسکتے تھے اور نہ ہمیں خواہش ہوئی کہ مانع آئیں۔ یہ بات کہ جنگ جس قدر پہلے قریب تھی اب قریب تر ہوگئی ہو، اسے میں نہیں مانتا۔ آیندہ کے علم کا مجھے دعوی نہیں۔ ممکن ہے کل جنگ چھڑ جائے اور ہمیں دونوں سرحدوں پر لڑنا پڑے۔ لیکن کوئی حکومت آج کل جنگ چھیڑنے کی متمنی نہیں ہوسکتی اور زار کے امن پسندی کے ارادوں کا مجھے کامل یقین ہے"۔ لیکن اندیشہ کا سبب نہ سہی، فرانس و روس کا اتحاد اس بات

جرمن افواج میں اضافہ

کا متقاضی ضرور تھا کہ جنگ کا حفظ ما تقدم کرلیا جائے۔ اور کرانسٹیڈ وغیرہ کے مظاہرات کو سبھی لوگ باقاعدہ اتحاد کے مرادف سمجھتے تھے۔ اپنی صدارت کے سال اول میں کیپ ریوی نے زمانۂ امن کی فوجی تعداد میں ۱۸ ہزار سپاہیوں کا اضافہ پہلے کیا تھا۔ اب نومبر ۱۸۹۲ء میں اس نے مزید ستر ہزار جوان بڑھانے کی تجویز پیش کی کہ ستر ہزار ماتحت سرداروں کے علاوہ صرف سپاہیوں کی تعداد چار لاکھ اناسی ہزار ہو جائے۔ اسی کے ساتھ لازمی خدمت کی مدت کو تین سال کی بجائے گھٹا کے دو سال کردیا گیا۔ یہ تجویز جس تقریر کے ساتھ مجلس میں پیش ہوئی اس میں دو گھنٹے صرف ہوئے اور

اپنے وسیع دعام تبصرے اور اصول و نتائج کے لحاظ سے وہ صاف طور پر لبسمارک کی ۱۸۸۸ء و ۱۸۸۹ء کی مشہور تقریروں کی یاد دلاتی تھی۔

اس نے شروع میں کہا کہ "یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ جنگ سر پر آگئی ہے۔ جرمن حکومت کے تمام حکومتوں سے معمولی اور دوستانہ روابط قائم ہیں۔ ان میں سے کسی حکومت نے ہمارے ساتھ اس قسم کا برتاؤ نہیں کیا کہ مجھے جرمانیہ کی عزت و وقار قایم رکھنے میں دشواری پیش آتی اور ادھر خود ہم نے کوئی ایسا پہلو نہیں ڈھونڈا کہ جس میں دوسروں کے لئے مشکلات پیش آئیں۔ آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ جرمن قوم سیر ہے اور بجز معاہدہ فرینک فرٹ کو نافذ رکھنے کے ہمارا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ قیصر نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ جرمن سرزمین کا آخری قطعہ ہلوگولینڈ تھا جسے ہم حاصل کرنے کی حرص رکھتے تھے۔ وہ ہمیں مل گیا اور اب ہمیں اور کسی چیز کی حرص نہیں ہے۔ ہمیں کسی مزید فرانسیسی زمین یا فرانسیسی رعایا کو محکوم بنانے کی حاجت نہیں ہے۔ نہ ہمارے اور روس کے درمیان کوئی حقیقی مخاصمت موجود ہے۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ روس کبھی ہم سے کچھ لینا نہیں چاہتا۔ امن کا ایک نہایت قوی عنصر زار ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ بھی میری امن پسندی اور سچی رفاقت کی قدر کرتا ہے۔ اس کے برخلاف، روس کے وسیع حلقوں میں ہم سے ایک تعصب پایا جاتا ہے جس کی نوعیت ابتدائی ہے ہم امید کرتے ہیں کہ یہ گھٹ جائے گا لیکن ابھی گھٹنے کے کوئی آثار نہیں نظر آتے۔ روس کے جنگی ساز و سامان برابر بڑھتے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ خود زار کو ایسا موقع پیش آجائے کہ بجز لڑنے کے کوئی چارہ اسے نظر نہ آئے، پیٹرو گریڈ سے تعلق منقطع کرنے کا جو الزام عاید کیا گیا ہے میں اسکی تردید کرتا ہوں۔ اس تار کو باقی رکھنے کی ہم سے جو کوشش ممکن تھی وہ ہم نے کی لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ان تاروں کی بجلی نکال کے اس تار میں لگا دیں، جو ہم کو آسٹریا اور اطالیہ سے متصل کرتے ہیں، یہ سچ ہے کہ روس و فرانس

کیپریوی کی رائے کرانس ٹیڈ پر

قریب تر ہو گئے ہیں مگر اس رابطے کا آغاز میرے وقت سے پہلے ہوا تھا ممکن ہے

اب ان دونوں سلطنتوں میں کوئی عہدنامہ ہوگیا ہو۔ چند ہی روز ہوئے فرانس کے ایک اخبار میں چھپا تھا کہ "اتحاد ہے یا لگاوٹ؟" تو جب اصل حقیقت اہل فرانس کو معلوم نہیں تو ہم کو کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ دو دوست آگ سے کھیلنے لگیں تو ممکن ہے اس کی چنگاری اڑ کر ہم تک آجائے۔ پس ہمیں اپنے آلات اطفائیہ طیار رکھنے چاہئیں۔ ہم ان دونوں میں سے کسی پر کبھی حملہ نہیں کریں گے لیکن ہم پر لازم ہے کہ ادھر سے حملہ ہونے کی صورت میں تیار رہیں۔ دونوں سرحدوں پر جنگ کا چھڑ جانا ممکن ہے۔ اتحاد ثلاثہ پر ہمیں پورا بھروسہ ہے اور یہ اتحاد بسمارک کے سب سے زیادہ شاندار کاموں میں داخل ہے۔ لیکن اہل اتحاد کی سپاہ تعداد میں روس و فرانس کی فوج سے کم ہے۔ جنگ کی صورت میں جرمانیہ ہی کو زیادہ بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ یہ تقریر کسی طرح اشتعال انگیز و ہول خیز نہ تھی، البتہ لب و لہجہ اندیشہ مندی کا تھا تاہم سارے جاڑے جدید فوجی قانون کی تجویز پر طویل بحث و مباحثہ ہونے کے بعد، کیتھولک، آزاد خیال، اور اشتراکی مبعوثین کی مجموعی آرا سے یہ مسودہ مسترد ہو گیا اور ۱۸۸۸ء کی نظیر کے مطابق عمل کیا گیا تو بھی یہی نتیجہ نکلا۔ آخر مجلس کا انفساخ ہوا اور نئی مجلس نے ۱۸۵ کے مقابلے میں ۲۰۱ آرا سے تجویز منظور کر لی۔ اور پھر یہ اضافہ کہ بنائے سلطنت کے وقت سے اس قدر زیادہ کبھی نہ ہوا تھا، مزید مزاحمت و مخالفت کے بغیر عمل میں آگیا۔ باوجود اس کے فوج ابھی تک فرانس کی سپاہ کے برابر نہ تھی اور روسی سپاہ سے تو اس کی تعداد کہیں کمتر تھی۔ نئے اضافے کے مصارف میکویل وزیر خزانہ کی اصلاحات کی بدولت پورے کر لئے گئے۔

بس اثنا میں برطانیہ کے ساتھ نہال دوستی کو برابر پانی ملتا رہا۔ کشتیوں کی دوڑ دیکھنے کے لئے قیصر ہر سال سمندر پار کو ویس جاتا اور انگلستان کے شاہی خاندان کے ہر فرد کی برلن میں خوب آؤ بھگت ہوتی۔ ۱۸۹۳ء میں

لہ۔ ریڈیکل وغیرہ

کوویس کی "نادوڑین"

ڈیوک آف اڈن برا اپنے بھانجے سے ملنے گیا تو اُس موقع پر قیصر نے برطانوی بیڑے کی ستائش کی راگنی چھیڑی کہ "وہ جرمن بیڑے کے لیے کامل صنعت وفن کے اعتبار ہی سے قابلِ تقلید نمونہ نہیں ہے بلکہ نیلسن وغیرہ اس کے نامورانِ سلف بھی جرمن ملاحوں اور بحری سرداروں کے ہادی و رہنما رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ اگر ایسا اتفاق ہوا کہ دونوں بیڑوں کو مشترک دشمن کے مقابلے میں لڑنا پڑا تو اس مشہور صدا کی "انگلستان ہر شخص سے اپنا فرض ادا کرنے کی توقع رکھتا ہے" گونج جرمن بیڑے کے ہر محبِ وطن کے دل میں پیدا ہوگی"

ان انگریز پرستی کے جذبات میں کیپ ریوی دل و جان سے اپنے شاہی آقا کا ہمنوا تھا اگرچہ اظہارِ عقیدت میں اتنا غلو نہ کرتا تھا اور اس حکمتِ عملی کی کارندگی کی خدمت ہٹسیز فیلیٹ نے بہت خوبی سے انجام دی جو خود بھی اسے نہایت پسند کرتا تھا اور بقول بسمارک کے، جرمن اصطبل کا سب سے اچھا سفارتی گھوڑا تھا۔ فوجی قانون منظور ہونے کے بعد ہی کیپ ریوی نے اس سفیر کو لکھا کہ "میں دل سے مؤید ہوں کہ ہماری حکمتِ عملی کا منشا یہ ہونا چاہیئے کہ انگلستان رفتہ رفتہ باضابطہ اتحادِ ثلاثہ کا شریک ہو جائے۔ اور بہرحال ایسی تو کوئی بات نہ ہونی چاہیئے کہ حسنِ اتفاق سے آج کل جیسے دوستانہ روابط پیدا ہو گئے ہیں، ان میں خلل آجائے انگلستان کی کسی مستقل اور حقیقی نارضامندی کا اطالیہ پر جو اثر پڑے گا اس سے خود اتحادِ ثلاثہ کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ پھر ہمیں چاروناچار روس کا آسرا لینا پڑے"، سال کے آئندہ مہینوں میں ضلع کلی مانجیارو اور کامرون کے عقبی اضلاع کی حدبندی دوستانہ طریق پر عمل میں آگئی انہی سردیوں میں توگولینڈ کی حدود کا مسئلہ بھی اسی طرح ہنسی خوشی طے ہوگیا،

مگر ۱۸۹۴ء میں مطلع مکدر ہونا شروع ہوا اور پھر انگلستان و جرمانیہ کے روابط

میں وہ اعتماد و دوستی جو ولیم ثانی کے ابتدائی عہد میں نظر آتی تھی، دوبارہ کبھی بحال نہ ہوئی۔ افریقہ کی تقسیم کرنے میں ۸۵-۱۸۸۴ء میں جھگڑا ہو گیا تھا لیکن پھر یہ کارروائی بغیر بے لطفی پیدا ہوئے جاری رہی۔ البتہ اب دوبارہ اسی تقسیم سے ان سلطنتوں کی وزارتوں میں بدمزاجی کا رنگ آنے لگا۔ ۱۸۹۳ء میں کامرون کی مغربی سرحد کا تصفیہ ہو گیا تو مشرقی حدود کا مسئلہ فرانس سے طے ہونا باقی رہا تھا۔ اسے مارچ ۱۸۹۴ء میں ایک فرانس و جرمانیہ کے عہدنامے نے طے کیا جس کے ذریعے فرانس کے نائجر اور کانگو کے علاقے باہم متصل ہو گئے۔ فرانسیسی علاقہ رود شری تک پھیل گیا اور خلیج شاہ کامرون کی مشرقی سرحد قرار پائی۔ اس معاملے سے فرانس بہت خوش ہوا لیکن برطانیہ کے حکام جھلائے کہ وہ علاقہ جو فرانس کے قبضے میں نہ پہنچ سکنے کی خاطر جرمانیہ کو گذشتہ معاہدے کی رو سے دیا گیا تھا، اب اسی سلطنت کی تحویل میں پہونچ گیا۔

ادھر زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ جرمانیہ کے شکایت کرنے کی نوبت آگئی اس لئے کہ ۱۲ مئی ۱۸۹۴ء میں برطانیہ کا کانگو فری اسٹیٹ سے ایک معاہدہ ہوا

کانگو اور نیل

جس کی رو سے بالائی نیل کا ضلع بحر الغزل جو انگریزوں کے دائرۂ اثر میں سمجھا جاتا تھا، مادام الحیات پٹے پر شاہ لیوپولڈ کے نام ہو گیا اور باقی علاقہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا جس سے بلجیم والوں کے بعض اضلاع کی حدود درست ہو گئیں اور ساتھ ہی لیوپولڈ نے گویا برطانوی قبضے کو تسلیم کر لیا۔ اس کے عوض میں اس بادشاہ نے تانگانیکہ کے مغرب میں ۲۵ کلومیٹر چوڑا قطعہ انگریزوں کو پٹے پر دے دیا جس کی غرض یہی کہ قاہرہ تا کیپ کالونی کی مجوزہ ریل اور تار کے کام آئے بحر الغزل کا یہ ضلع جسے کانگو کے حوالے کیا گیا دراصل انگریزوں کا نہ تھا۔ لیکن اس سے بھی بدتر خطا یہ تھی کہ تانگانیکہ کا جو قطعہ پٹے پر دیا گیا وہ کانگو اور جرمانیہ کے معاہدہ ۱۸۸۵ء کے منشا کے خلاف تھا۔ چنانچہ فرانس نے تو اس نئے معاہدے کے پہلے حصہ پر اعتراض کیا اور جرمانیہ نے دوسرے حصے کے متعلق بازپرس کی۔ اور اسے اسی بنا پر منسوخ کر دیا گیا۔ مگر قانوناً جرمانیہ کے حق بہ جانب ہونے کے

باوجود اس واقعے کی ناگوار یاد باقی رہی۔ تاہم پولش ڈام اور ونڈسر کی دوستی ایسی کمزور نہ تھی کہ نوآبادیوں کے متعلق پہلی ہی رگڑ اسے قطع کرا دیتی۔ اگلے جون ہی میں قیصر ڈریگون گارڈز کے پہلے رسالے کا کرنل مقرر ہوا اور اس رسالے کے ایک وفد سے جو اس کے پاس برلن آیا تھا، اس نے احسان مندی کے لہجے میں فخر کیا کہ اب میں انگریز سرداروں کے طبقے میں داخل ہو گیا ہوں۔

جون ۱۸۹۵ء میں نہر کیل کا افتتاح ہوا۔ اور غالباً ولیم ثانی کے عہد کا سب سے مسرت انگیز وقت یہی تھا تمام سلطنتوں کو دعوت بھیجی گئی کہ اپنے جنگی جہاز بھیجیں اور جشن افتتاح کے جلسوں میں شریک ہوں اور فرانس میں قوم انتقام کے کاہن یہ سن کر چونک پڑے کہ خود فرانس نے اپنے حلیف کی استدعا پر دوسری سلطنتوں کی طرح مذکورۂ بالا دعوت قبول کر لی[1]۔ اس جلسہ میں قیصر کی تقریریں جس قدر فصیح و بلیغ تھیں اسی قدر ان میں سلیقہ سے کام لیا گیا تھا۔ اس نے نہر کی تجارتی قدر و قیمت پر زور دیا اور دنیا میں قیام امن کی ضرورت کو پوری طرح تسلیم کیا تھا۔ جشن کے آغاز سے پہلے ہیمبرگ میں اس نے بیان کیا کہ "سمندر قوموں کو جدا نہیں کرتے، متحد کرتے ہیں۔ ہمارے کام پر ساری دنیا اشتیاق سے نظر ڈال رہی ہے، دنیا امن کی دلی تمنا رکھتی ہے کیونکہ امن ہی تجارت کو ترقی دے سکتا ہے" تین دن بعد ۲۱ جون کو نہر کا آخری پتھر نصب کر کے اس نے مہمانوں کا ان الفاظ میں خیر مقدم کیا:

نہر کیل کا افتتاح

"یہ محنت جو ہم نے کی ہے، صرف اپنی قومی اغراض کے لئے نہیں ہے بلکہ ہم نہر کے دروازے قوموں کی دوستانہ میل جول اور آمد و رفت کے لئے کھولتے ہیں۔ دول کی شرکت پر میں خیر مقدم کہتا ہوں جن کے قائم مقام اس جلسے میں موجود ہیں اور جن کے شاندار جہازوں کی ہم داد دیتے ہیں۔ یہ کہتے وقت مجھے

[1] ہانوتو نے جن شرطوں پر اس دعوت کو قبول کیا تھا ان کے لئے ملاحظہ ہو "بورژوا اے پاژ" صفحہ ۲۵۳ ہورا کی کتاب "کیل اے تان جیر" سے قوم پرستوں کی کراہت معلوم ہوتی ہے۔

اس لئے اور بھی اطمینان ہے کہ میں سمجھتا ہوں ان کی اس شرکت کے یہ معنی نکالنا بے جا نہیں ہیں کہ ہماری سعی و عمل کی، جن کا منشا ہی قیام امن ہے، یہ سلطنتیں پوری طرح قدر کرتی ہیں" میزبان بادشاہ کی اس امن پرستی کے عقیدے پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ اس وقت تک جرمانیہ کا کوئی جنگی بیڑا معرض وجود ہی میں نہ آیا تھا۔ زار نے اس تقریر پر کہا کہ "یہ تقریر سن کر میرے دل میں اس کی مسرت آمیز بازگشت پیدا ہوتی ہے" اور فرانس و جرمانیہ کے تعلقات بھی ہانوتو کے زمانے میں ایسی ہی دوستانہ رہے جیسے کہ دس سال پہلے تزول فیری کے وقت میں تھے۔ یوں تو میزبان نے اپنے تمام مہمانوں کا دوستانہ خیر مقدم ادا کیا لیکن اس کے سب سے زیادہ پرتپاک الفاظ برطانیہ کے لئے مخصوص تھے۔ ایک برطانوی جنگی جہاز پر تقریر کرتے ہوئے اس نے اعتراف کیا کہ "جس دن سے ہمارا بیڑا بنا ہے ہم کوشش کرتے رہے کہ تمہارے خیالات کی تقلید کریں اور ہر طرح تم سے سبق سیکھیں۔ برطانوی بیڑے کی تاریخ ہمارے جہازیوں اور عہدہ داروں میں اسی طرح معروف و متداول ہے جس طرح تمہارے اہل جہاز میں۔ میں انگریزی بیڑے کا صرف امیر البحر نہیں ہوں بلکہ انگلستان کی ملکہ قاہرہ کا نواسا بھی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم علیہ حضرت کی اس عنایت خسروانہ کا کہ تم کو ہمارے جشن میں شرکت کے لئے بھیجا، ہماری طرف سے قلبی شکریہ ادا کرو گے"

نہر کیل کی رنگ رلیوں کے چند روز بعد ہی انگلستان و جرمانیہ کی مواصلت کا زمانہ بھی ختم ہونے پر آگیا۔ ۱۸۹۴ء کے موسم خریف میں کیپ ریوی کو اس کے آقا نے مزار عین کے حوالے کیا جو اس پر الزام لگاتے تھے کہ روس کے ساتھ ۱۸۹۴ء کا تجارتی معاہدہ کر کے اس نے دیہات کو شہروں پر سے قربان کر دیا ہے حالانکہ اس معاہدے سے اجناس کے محصول میں تخفیف ہوئی، دس سال تک مبادلہ میں زیادہ سہولت و آزادی کا آغاز ہوا اور روس کے ساتھ تعلقات میں آشتی

ہوہن لوہی کیپ ریوی کی جگہ لیتا ہے۔

کا رنگ آیا اور کیپ ریوی نے ریشن بنک کو اجازت دی کہ ایک مرتبہ پھر روس کا تمسک قبول کرلے۔ کیپ ریوی کی جگہ پر ہوہن لوہی مامور ہوا جو ۱۸۹۰ء میں بسمارک کا جانشین ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اب اس کی عمر ۷۵ برس کی تھی اور ہر چند بویریا کے وزیر اعظم، فرانس کے سفیر اور السا س لورین کے صوبہ دار کی خدمات نے اس کا سیاسی تجربہ اتنا وسیع کردیا تھا کہ بسمارک کے سوا اور کسی جرمن مدبر کو حاصل نہ تھا، با ایں ہمہ جنوبی جرمانیہ کا یہ کیتھولک امیر پروشیہ کے ینکروں میں پوری طرح گھل مل نہ سکا۔[۱] پس وہ محض ایک باوقار شاہ شطرنج بن کے رہ گیا۔ لیکن اسے اقتدار حاکمانہ کی چنداں تلاش نہ تھی اور اس کے پہلے یا بعد کے کسی صدر اعظم کا رسوخ واثر اتنا محدود و کم نہ ہوگا جتنا اس کا تھا۔ کیپ ریوی کی مثل وہ بھی اس بسمارکی عقیدے کا ماننے والا تھا کہ جبانیہ قانع ہے اور "ویلٹ پولی ٹیک" میں جتنے خطرے ہیں اتنا نفع نہیں ہے۔ مگر عملاً اس کی رایوں کو کوئی وقعت حاصل نہ ہوئی، اپنے سارے عہد حکومت میں قیصر نے اپنے وزیر خارجہ کا کام جس قدر ان تین سال میں خود انجام دیا جو کیپ ریوی کے عزل اور بیولاو کے عہدہ وزارت پر فائز ہونے تک گزرے، اتنا اور کسی زمانہ میں اس نے نہیں کیا اور ٹھیک یہی زمانہ تھا جبکہ جرمن حکمت عملی میں ایک نئی اور مخدوش تبدیلی واقع ہوئی۔ بسمارکی شعار سے قاطبتاً انحراف اور اقدامی حکمت عملی کا اختیار کرنا حقیقت میں اس نامور صدر اعظم کے نہیں بلکہ اس کے جانشین کے عزل کے بعد کا واقعہ ہے۔

افتتاح کیل کی پرمسرت تقریبوں سے فراغت پانے کے بعد قیصر سالانہ دستور کے موافق کووینٹس آیا لیکن اس موقع پر اتحاد انگلستان وجرمانیہ کے ساز میں شخصی وسیاسی دونوں قسم کی ایسی بدآہنگی پیدا ہوئی کہ پھر چار برس تک اسے بحر شمال کے عبور کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اس کی آمد نے اوّل

---

[۱] ملاحظہ ہوں ہوہن لوہی کی "میموآئر" اور قیصر کی "میموآئر" باب سوم۔

اوّل میزبانوں اور مہمانوں سب کو مساوی خوشی ہوا کرتی تھی لیکن اس کی تکلیف دہ بے تکلفیوں اور متکبرانہ طور طریق نے اس کے ماموں کو ایسا پریشان کر دیا تھا کہ اس سے ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ چنانچہ اکارڈاسٹین سے جو جرمن سفارت کا نہ صرف معتمد بلکہ دربار کا ایک معزز رکن بھی تھا۔ شہزادہ نے یہ شکایت کی کہ "ناوٴ دوڑ میں جانا میرے لئے موجب تفریح ہوا کرتا تھا لیکن جب سے قیصر کا دور دورہ ہوا ہے وہ پریشان کن چیز ہو گئی ہے قیصر سے کو ویس میں لوگوں کا ناک میں دم آ جاتا ہے۔ غرض میں تو شاید اگلے سال وہاں جاؤں بھی نہیں۔" ادھر مہمان بھی اپنے ماموں کی نسبت ایسی ہی صاف صاف سناتا تھا اور ایک مرتبہ "ہوہن زولرن" نامی جہاز پر کھانا کھانے میں سب کے سامنے اس نے ماموں کو "بڈھے مور" کے نام سے یاد کیا۔ میکلن برگ کے امیر کبیر نے جو دستر خوان پر موجود تھا علیحدگی میں اکارڈاسٹین سے اپنی سخت حیرت کا اظہار کیا کہ قیصر ایسی باتیں زبان سے نکالتا ہے بلکہ اس کے عام طرز عمل پر بھی بہت حیرت ظاہر کی[1]

قیصر کے اخلاق

لیکن ان باتوں سے کہیں زیادہ اہم وہ سیاسی اختلافات تھے جو گذشتہ سال سے پیدا ہوئے یا پہلے کی نسبت بڑھ گئے تھے۔ قومیں اسی وقت تک ایک دوسرے کی دوست رہتی ہیں جب تک کہ ان میں سے کوئی دوسرے کی دلی امیدوں میں مزاحمت نہ کرے اور جرمنوں کی جنوب مشرقی افریقہ میں سرگرمیوں نے اسی قسم کی بدگمانی اور بیزاری پیدا کر دی جیسا دس سال پہلے گرین ویل اور ڈربی کی بھدی سیاست دانی سے جرمانیہ میں پیدا ہوئی تھی۔ یہی سب سے پہلا موقع تھا کہ برطانی اخبارات نے ملکہ کے مہمان سے ایسی سرد مہری کا سلوک کیا جو مخالفت کے قریب قریب تھی۔ اخبار اسٹینڈرڈ نے خیال ظاہر کیا کہ قیصر کو اپنی نانی سے عقل سیکھنی چاہیئے اور ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ ان کا خلف رشید ہے" اس نکتہ چینی کا معترض علیہ نے طبعاً برا مانا اور پھر دونوں ملکوں کے

---

[1] اردن بریجن جلد اوّل

اخباروں میں خاصی جنگ ٹھن گئی۔ علاوہ ازیں اسی زمانے میں اختلاف کا ایک نیا سبب پیدا ہوا۔ جولائی میں جب سالسبری دوبارہ عہدے پر فائز ہوا تو مسئلہ آرمینیہ بھی اسے اپنے پیش رو سے ورثے میں ملا جس کے متعلق برطانیہ اور جرمانیہ کی رائے میں بنیادی اختلافات تھے سالسبری ترکوں کا کبھی بھی حامی نہ تھا اور ۱۸۷۸ء کی مجلس مشاورت منعقدہ استنبول کی ناکامیابی کے بعد اس نے انگلستان کی مجلس وزرا میں تحریک کی کہ سابقہ طرز عمل کو چھوڑ کر اب سلطنت ترکی کی تقسیم کے لیئے کام کیا جائے۔[۵] وزرا نے اسے بداخلاقی سے موسوم کیا اور مجلس وزرا نے تجویز مسترد کر دی۔ لیکن سالسبری کو ترکوں کی ضد اور موتمر برلن کے بعد معاملات کو الجھاتے ہوئے چلے جانا دیکھ کر پورا یقین ہو گیا تھا کہ ترکی کبھی اپنی اصلاح نہیں کرے گی۔ ۱۸۹۴ء میں ترکوں کے ارمنی مظالم و مقاتل نے اس یقین کو اور قوت پہنچائی اور اسے آمادہ کیا کہ مسیحیوں کی تکالیف کے ہنگامی انسداد کی بجائے ترکوں کے معاملے میں زیادہ سخت تدبیریں کیجائیں۔

۱۸۹۵ء میں جب سالسبری پھر عہدے پر مامور ہوا تو جرمانیہ نے استدعا کی کہ انگلستان اس کے حلیف اطالیہ کی تائید کرے جو ان دنوں حبشہ میں طرح طرح کی دشواریوں میں گرفتار تھی۔ وزیر اعظم نے جواب دیا کہ بحر قلزم میں اطالیہ کو سہولتیں بہم پہنچانے سے فرانس کے جذبہ رشک کو اشتعال ہوگا، البتہ البانیہ اور طرابلس کے دوبارہ اطالوی قبضے میں آنے کے

اطالیہ کی مشکلات افریقہ میں

متعلق میں اطالوی دعاوی تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔ ہمپٹز فیلٹ نے جواب دیا کہ یہ تجویز اطالیہ کی مشکلات حاضرہ کے لیئے کچھ مفید نہ ہوگی اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سلطنت عثمانیہ کی تقسیم شروع کی جائے اور اس کی جرمانیہ مخالف ہے۔ مزید براں البانیہ پر اطالیہ کا قبضہ ہوا تو ایڈریاٹک میں اس کی اور آسٹریا کی باہمی رقابت اور تیز ہو جائے گی اور مسئلہ بلقان کے دوبارہ چھڑ جانے

[۵] لائف آف سالسبری جلد دوم صفحہ ۱۳۴

سے روس و جرمانیہ کی دوستی میں فرق آنے کا اندیشہ ہوگا۔ سالسبری نے جواب میں پھر لکھا کہ میری رائے میں وقت آ گیا ہے کہ دول ترکی کے شیرازہ بکھرنے کی صورت میں اپنے اپنے دعاوی کا ابھی سے باہم تصفیہ کرلیں اور اس بارے میں جرمانیہ کا منشا تحریراً دریافت کیا۔ جرمانیہ نے جواب دیا کہ ہم ترکی کی صیانت و بقا کو نہایت ہی ضروری سمجھتے ہیں اور اپنے سفیر کو حکماً منع کر دیا کہ دولت عثمانیہ کے انتزاع پر کبھی کوئی گفتگو نہ کرے۔[1]

کووِیس کی ملاقات

اواخر جولائی میں سالسبری نے اکارڈ اسٹین سے کہا کہ وہ قیصر کے کوویس آنے کا پتہ چلائے کیونکہ میں مشرقی مسئلے پر اس سے گفتگو کرنی چاہتا ہوں اور ملاقات کا وقت "ہوہن زولرن" جہاز پر ۸/ اگست کو مقرر ہوگیا اس گفتگو کی جو لندن میں ہوئی قیصر کو تفصیلی اطلاع دی گئی۔ اور خبردار کر دیا گیا کہ وزیر اعظم مشرقی مسئلے کے متعلق تجاویز پیش کرے گا۔ چونکہ دونوں حکومتوں کے درمیان جو اختلافات تھے وہ پہلے ہی بخوبی واضح ہو گئے تھے لہذا قیصر کو اس ملاقات پر خوش ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی اور ادھر سوئے اتفاق سے ایک حادثہ ایسا ہوگیا کہ اس کا ملاقاتی مقام مقررہ پر ایک گھنٹے دیر سے پہنچا جس سے قیصر اور بھی برخاستہ خاطر ہوگیا۔ گفتگو کے متعلق اگر قیصر کا بیان باور کیا جائے تو سالسبری نے اس موقعے پر بھی یہی واضح کیا کہ وہ بحر قلزم میں اطالیہ کی مدد نہیں کرسکتا البتہ البانیہ اور طرابلس میں اطالیہ کی توسیع سلطنت کی تائید کرے گا۔ قیصر نے جواب دیا کہ شمالی افریقہ میں اطالیہ کے قبضے کی فرانس بزور شمشیر مزاحمت کرے گا اور رہی البانیہ تو آسٹریہ کو اگر اتحاد ثلاثہ میں رکھنا ہے تو البانیہ کے دینے کا اطالیہ سے وعدہ نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اس نے

---

[1] چونکہ اس خط و کتابت کا کوئی برطانوی بیان شایع نہیں ہوا لہذا ہمیں جرمن ماخذوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔ دیکھو ہمان کی کتاب اور اکارڈ اسٹین جلد اول۔ اس کا مقابلہ کرو سر ولین ٹائین جیرول کے مضمون مطبوعہ ٹائمز مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۲۰ء سے

صاف صاف کہدیا کہ سلطنت ترکی کے انتزاع کا وہ کلیتہً مخالف ہے۔ اس پر سالسبری نے دوبارہ اپنا خیال ظاہر کیا کہ ارمنی مقاتل نے ثابت کر دیا ہے کہ سلطنت عثمانیہ کو جو سراپا بوسیدہ ہو چکی ہے قایم رکھنا ناممکن ہے۔ قیصر نے محولہ بالا مظالم کی اہمیت بہت کم بتائی اور محبت کی کہ ترکی میں اصلاح و بہتری کی صلاحیت ہے۔ غرض فریقین میں پورا اختلاف ہوگیا اور قیصر تحریر کرتا ہے کہ چونکہ میں وزیراعظم کو بے لطفی کے ساتھ رخصت کرنا نہ چاہتا تھا اس لئے میں نے خیال ظاہر کیا کہ گفتگو کا سلسلہ دوسرے دن پر اٹھا رکھا جائے۔ مگر سالسبری نے یا تو اس کا مفہوم نہیں سمجھا یا کوئی اور سبب ہوا کہ قیصر سے دوبارہ ملے بغیر وہ لندن چلا آیا۔[1]

اس ملاقات سے جانبین پر اتنا بُرا اثر ہوا کہ اس سے بدتر ہو نہ سکتا تھا۔ چند سال بعد ہیولاؤ نے بیان کیا کہ سالسبری کی تجاویز کا قیصر پر کیسا اندوہ ناک اثر پڑا جس کی خلش کبھی اس کے دل سے نہ گئی اور آئندہ جس قدر سلطان عبدالحمید کے ساتھ دوستانہ روابط بڑھتے گئے اسی قدر اس ملاقات کی یاد زیادہ ناخوشگوار ہو گئی۔ اُدھر سالسبری نے اکارڈ اسٹین سے شکایت کی کہ شاید تمھارا بادشاہ یہ بھول گیا تھا کہ میں شاہ پروشیہ کا وزیر نہیں ہوں بلکہ انگلستان کا وزیراعظم ہوں۔ قیصر کی اس سیاحت کو موجب ناخوشی بنا دینے کی آخری وجہ یہ پیش آئی کہ جنگ ورث کی سالگرہ کے موقع پر قیصر نے اسی نام کے جہاز پر ایک بہت بڑی پرجوش تقریر کی جس پر اخبار اسٹنڈرڈ نے عام جذبات کو ان الفاظ میں صاف صاف ظاہر کر دیا کہ ایسی تقریریں جرمن سرزمین ہی سے مختص رہنی چاہئیں۔ غرض پہلی مرتبہ مہمان اور اس کے میزبان بددلی اور بے اعتباری کے ساتھ

---

[1] اس ملاقات کے بارے میں قیصر نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ۱۹۰۱ء میں سالسبری کے پاس بھیجا گیا تھا اور اس پورے بیان کو ایک عرصے بعد برلن میں مطالعہ کرنے کی سر دلیمن ٹاؤنین چیرول نے اجازت پائی تھی۔ یہ خلاصہ دیکھکر سالسبری نے کہا کہ اگر قیصر کی حالت یہی ہے کہ وہ اپنی تجویزیں اپنے مخاطب سے منسوب کر دیتا ہے تو اس سے گفتگو کرتے وقت گواہ ساتھ رکھنے کی ضرورت ہوگی۔

ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

وقت کے وقت کشیدگی کا سبب تو بے شک یہی ہوا کہ برطانیہ اور جرمانیہ کی ترکی حکمت عملی میں اختلاف تھا لیکن درحقیقت افریقہ کے معاملات کو بیس

پری ٹوریہ اور برلن

کی ملاقات سے پہلے ہی رشتۂ دوستی کو ڈھیلا کر چکے تھے۔ اور اب بھی انھیں کی وجہ سے یہ نوبت پہنچی کہ قریب تھا کہ یہ رشتہ بالکل ہی ٹوٹ جائے۔ جنوبی افریقہ کا رئیس مجلس کروگر ۱۸۸۴ء میں برلن آیا تو بسمارک اس سے بڑے تپاک سے ملا۔ اس نے اپنی بے تکلف زبان میں کہا کہ "جب بچہ بیمار ہو جاتا ہے تو وہ چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے کہ کوئی اُسے سنبھالے۔ آج یہ بچہ قیصر سے التجا کرتا ہے کہ اگر بوئر قوم کبھی بیمار ہو جائے تو وہ اس کی مدد کرے" اس استدعا کا کوئی خاص جواب نہیں ملا کیونکہ انھیں دنوں کروگر لندن میں جس عہدنامے پر دستخط کر کے آیا تھا وہ (برطانیہ کے استصواب کئے بغیر) دوسری سلطنتوں سے رشتۂ اتحاد قائم کرنے میں مانع تھا۔ لیکن چند سال بعد جب جرمانیہ کی افریقہ میں ایک بڑی قوت بن گئی تو کروگر کو خیال آیا کہ وہ برطانیہ کے دباؤ کو روکنے میں جرمانیہ سے نہایت مفید اعانت حاصل کر سکتا ہے۔ پھر جب ۱۸۹۴ء میں برطانیہ کی پرتگال میں مداخلت کے خلاف مظاہرہ کرنے کی غرض سے دو جرمن جنگی جہاز خلیج ڈلاگوا میں بھیج دئے گئے تو کروگر کے خیال کو اور تقویت پہنچی۔ پری ٹوریہ کے اخبار و لک اسٹیم نے لکھا کہ "آج تک جرمنوں نے انگریزوں کو من مانی کارروائی ہمارے ساتھ کرنے دی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار اس حکمت عملی کی غلطی ان پر منکشف ہو گئی ہے ہم تمام ٹرانسوال کے باشندوں کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں" جس وقت حکومت برطانیہ نے گلہ کیا کہ جرمانیہ ٹرانسوال میں ہمارے خلاف کام کر رہی ہے تو مارشل نے جواب دیا کہ جرمانیہ تجارتی وجوہ سے خلیج ڈلاگوا کو کھلا رکھنا اور ٹرانسوال کی خودمختاری کی تائید کرنی چاہتی ہے۔

برلن و پری ٹوریہ کی آپس کی لگاوٹ کی جہاں تک نوبت پہنچ چکی

تھی اس کا انکشاف پری ٹوریہ کے جرمن قونصل کی ایک تقریر سے ہوا جو ۲۷ جنوری ۱۸۹۵ء کو قیصر کی سالگرہ کے موقع پر کی گئی تھی۔ اس تقریر میں جو

جرمانیہ ٹرانسوال کی حمایت لیتی ہے

اعلیٰ حکام کی ہدایات کے مطابق مرتب کی گئی تھی قونصل نے امید ظاہر کی کہ رئیس حکومت بھی جرمانیہ کی حقیقی دوستی سے خوب واقف ہوگا۔ اور آخر میں کہا کہ جرمن جنوب مشرقی افریقہ کا اس سے بڑھ کر سیاسی مفاد کوئی نہیں کہ وہ ٹرانسوال کے جنوبی افریقہ میں سیاسی توازن قایم رکھنے کی کوششوں میں مدد معاون ہو۔ رئیس حکومت نے جواب میں اپنے برلن کی سیاحت کا زمانہ یاد کیا اور ٹرانسوال کے جرمن آبادکاروں کی تعریف کی کہ وہ انگریزوں کے برخلاف ملکی قوانین کی خوشی سے پیروی کرتے ہیں۔ تقریر کو اس نے اس طرح ختم کیا" کہ ہماری چھوٹی سی جمہوریت دل عظمی میں گھٹنیوں چل رہی ہے لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ان بڑی طاقتوں میں سے کوئی ایک ہمیں روندنا چاہے تو دوسری ہم کو بچا لیتی ہے"۔ یہ دونوں تقریریں نہایت اہم سیاسی اظہار رائے کی نوعیت رکھتی تھیں۔ انگریزی سفیر نے برلن میں مارشل سے شکایت کی کہ جرمانیہ ٹرانسوال میں ایسے خیالات پھیلا رہی ہے جو بین الاقوامی قانون کی رو سے اس کے اصلی مرتبہ کے خلاف ہے۔ وزیر خارجہ نے جواب دیا کہ جرمانیہ کی حکمت عملی کا مدعا یہ ہے کہ ریلوں کی تعمیر اور تجارتی تعلقات کی ترقی سے جو نفع کے وسائل حاصل ہوگئے ہیں ان کو ہر قسم کے خلل یا نقصان سے بچایا جائے اس غرض کے لئے ٹرانسوال کو ۱۸۸۴ء کے معاہدے کے مطابق خود مختار ریاست بنائے رکھنا نہایت ضروری ہے اور جرمن اغراض کا تقاضا ہے کہ اس کا یہ سیاسی مرتبہ علی حالہ قایم رہے۔ اگر برطانیہ بھی اسے محفوظ رکھنا چاہتی ہے تو اسے رہوڈس اور جیمس کی سرگرمیوں کا سدباب کرنا واجب ہے جو اس کوشش میں ہیں کہ ٹرانسوال کو برطانوی جنوبی افریقہ میں ضم کر دیا جائے۔ ٹرانسوال کی حکومت نے اس موقع پر جو کچھ کیا اس کا سبب یہی تھا کہ برطانیہ مذکورۂ بالا ارادوں پہ چیں بہ جبیں نہیں ہوئی۔ برطانوی سفیر نے کہا کہ جیمس جنوبی افریقہ کے سیاسی نہیں بلکہ معاشی

اتحاد کی کوشش میں ہے وزیر خارجہ نے تڑسے جواب دیا کہ یہ بھی جرمن اغراض کے سراسر خلاف ہے۔

غرض ۱۸۹۵ء میں برطانیہ اور جرمانیہ علانیہ ایک دوسرے سے مخالف نظر آتے تھے اور ہر ایک کا پختہ ارادہ یہی تھا کہ دوسرے کی دراز دستی کی روک تھام کرے۔ کروگر کی یہ درخواست کہ سوازی لینڈ اور سمندر کے درمیان ہمیں قبضہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ انگریزوں نے اس بنا پر رد کردی کہ پھر برطانوی مفاد کی حفاظت کیونکر ہو سکے گی۔ پھر اس ضلع کے الحاق کی خود کارروائی شروع کردی بلکہ اپریل میں اماتونگا پر بھی قابض ہو گئے جو ایک اور چھوٹی سی ساحلی پٹی تھی اور جس سے ٹرانسوال کو سمندر تک آنے کا راستہ مل سکتا تھا۔ اس عرصے میں جرمنوں کے دونوں جنگی جہاز ڈیلاگوا میں لنگر انداز رہے اور گرمیوں میں لوزنزو مارکیس کی ریل تعمیر ہونے سے خلیج پریٹوریہ تک آمدورفت کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔ ریل کے افتتاح کے موقع پر کیپ کولونی کے حاکم نے جو تقریر کی اس میں جہاں یہ جتایا کہ برطانیہ ٹرانسوال کے معاملات میں کبھی مداخلت کرنا نہیں چاہتی، وہاں ساری جنوبی افریقہ کے مفاد و اغراض کے مشترک ہونے پر بھی زور دیا۔ اس تقریر پر پریٹوریا سے صاف صاف لفظوں میں یہ اعلان شائع ہوا کہ رئیس جمہوریہ اس قسم کے بیانات کو کچھ قابل وقعت نہیں گردانتا۔ ساتھ ہی ٹرانسوال میں یہ پرشور تحریک

طوفان کی آمد آمد

شروع ہوئی کہ ہمیں دوسرے ممالک سے عہدنامے کرنے کا حق دوبارہ دیا جائے۔ تمام موسم خزاں میں شکوے شکایتیں اور تو تو میں میں ہوتی رہی اور حکومت برطانیہ کو برلن میں خواہی نخواہی احتجاج کرنا پڑا۔ ۲۵ اکتوبر کے خط میں قیصر نے زار کو لکھا کہ "دو دن ہوئے میلٹ وزارت خارجہ کے دفتر میں رخصت ہونے آیا تو اس نے جرمانیہ کے متعلق اس قسم کی یاوہ گوئی کی کہ جرمانیہ نے افریقہ میں انگلستان کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا اور اس کو ہم انگریز زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کریں گے اور یہ کہ مصر میں بعض مراعات کے ذریعے

فرانس کو خاموش اور سپر کر کے اب ہمیں تمہاری طرف متوجہ ہونے کی کافی فرصت ہو گئی ہے۔ وہ یہاں تک بڑھا کہ سفارتی تہذیب کے خلاف لفظ جنگ بھی زبان پر لایا اور کہنے لگا کہ اگر ہم نے افریقہ میں سپر ڈال دی تو انگلستان قیصر سے جنگ تک کرنے سے احتراز نہ کرے گا"۔ عہد کروگر کی سخت گیریوں کی وجہ سے یوئٹ والوں میں بغاوت ہو جانے کی عام طور پر توقع کی جارہی تھی یہاں تک کہ بہت دن پہلے اکتوبر ہی میں مارشل نے حکومت برطانیہ کو اطلاع دی تھی کہ انقلاب کی تیاری ہو رہی ہے اور ۲۴ دسمبر کو پری ٹوریا کے جرمن قونصل نے تار دیا کہ بلوے کی ہنڈیا پک رہی ہے اور حکومت ٹرانسوال متوشش ہے جس کے جواب میں برلن نے کروگر سے تاکید کی کہ اشتعال انگیزی سے احتراز کرے۔ اسی تاریخ یعنی ۳۰ دسمبر کو پری ٹوریا کی جرمن آبادی نے قیصر سے اپنی حفاظت کی التجا کی اور قونصل نے اجازت چاہی کہ خلیج ڈلاگوا سے چند بحری سپاہی طلب کر لیے جائیں۔ ۳۱ دسمبر کو جرمن حکومت نے پرتگیزوں سے اجازت مانگی کہ خلیج ڈلاگوا سے پچاس جوانوں کی ایک جمعیت کو پری ٹوریا میں اپنے ہم وطنوں کی حفاظت کے لئے جانے دیں"۔ ادھر ۳۰ دسمبر کو جیمسن کے

جیمسن کا چھاپا

سپاہیوں نے شہر مے فیکنگ سے سرحد کو عبور کیا۔ پہلی جنوری کو جرمن سفیر متعینہ لندن نے وزیر اعظم کو اطلاع دی کہ جمہوریہ ٹرانسوال کی آزادی پر کوئی حملہ ہونا گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ سالسبری نے جواب دیا کہ میں اس خطرے اور نقصان سے جو اس چھاپے کے باعث مختلف یورپی اغراض کو ہوگا باخبر ہوں اور حتی الامکان کوشش کروں گا کہ ٹرانسوال کے خلاف کسی قسم کی شدت و زیادتی نہ ہونے پائے اسی روز سر فرینک لیسلز کو جو انھیں دنوں برلن میں سر اڈورڈ میلٹ کی جگہ مقرر ہوا تھا ہدایت کر دی گئی کہ جرمن حکام سے کہہ دے کہ وزیر اعظم اور وزیر مستعمرات اس چھاپے کے سخت مخالف ہیں اور صدر ناظر (ہائی کمشنر) کو حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ جیمسن کو واپس طلب کر لے"۔ پھر بھی مارشل نے بلا تاخیر سفیر فرانس کو بلایا کہ اس سلسلے

ساتھ مل کر معلوم کرے کہ انگلستان کی "سیر نہ ہونے والی اشتہا" کی روک تھام کرنے میں فرانس کس حد تک جرمانیہ کا ساتھ دے گا اور آخر میں یہ بھی کہدیا کہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آیندہ انگلستان فرانس و جرمانیہ کی باہمی دشمنی کے بھروسے پر نہیں رہ سکتا اور نہ اس بھروسہ پر جس چیز پر چاہے قبضہ کر سکتا ہے اس کے بعد اس نے ہٹسیز فیلٹ کو ہدایت کی کہ وہ یہ دریافت کرے کہ برطانیہ اس نئی اور خلاف قانون صورت کو دور کرنے میں کیا کارروائی کرے گا۔ لیکن اس سے قبل کہ سفیر حکم کی تعمیل کرے اس چھاپے کا ہی ذلت وفضیحت کے ساتھ خاتمہ ہو گیا اور جیمسن اور اس کے ساتھی غارت گر پکڑ کے حوالات میں ڈال دئے گئے۔ ان کی شکست کی خبر ۲ر جنوری کو برلن پہنچی اور دوسرے دن قیصر نے یہ تار کروگر کے نام روانہ کیا:۔ "اس واقعے پر میں دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم نے دوست دار طاقتوں سے استعانت لئے بغیر صرف اپنی ہی قوت بازو سے امن قایم کر دیا اور ان مسلح جیوشوں کے ہاتھ سے اپنے ملک کی آزادی بچا لی جو تمہارے ملک میں گھس پڑے تھے" رئیس جمہوریہ نے جواب دیا "اعلیحضرت کی تہنیت پر میں دل سے شکریہ عرض کرتا ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ خدا کی مدد سے اپنی جمہوریت کی بقا کے لئے جو کچھ ہم سے ممکن ہوگا برابر کئے جائیں گے"۔

انگلستان و جرمانیہ کے تعلقات پہلے ہی کشیدہ ہو رہے تھے اور اس حالت میں ایسے آتش گیر گولے کو پھینکنے کی ذمہ داری میں قیصر صدر اعظم اور وزیر خارجہ تینوں حصہ دار ہیں اور یہ امر کہ سب سے پہلے کس کے دل میں خیال آیا، محقق ہونا نہ ہونا برابر ہے [۵]۔

قیصر کا طیش دوسری صبح مارشل نے ٹائمز کے نامہ نگار کو بلا بھیجا اور صراحت کی کہ وہ تار سرکاری طور پر بھیجا گیا تھا کیونکہ انگلستان

[۵] اس بارے میں امیر البحر ہوہن لوہی مان اور اسکارڈ اسٹین وغیرہ نیز قیصر کی سوانح میں جو روایتیں بیان کی گئی ہیں وہ ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔

کو سبق دینا ضروری تھا۔ اسی طرح قیصر بھی خوب جانتا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور بیڑے کی حفاظت کی تدابیر بھی کی جانے لگی تھیں۔ جیمسن کے ہتھیار ڈالنے کی خبر آنے سے پہلے قیصر نے زار کو خط لکھا جو اس کے طیش و اضطرار کو بخوبی عیاں کرتا ہے:۔ "جمہوریہ ٹرانسوال پر کمال دغابازی سے اور بہ احوال ظاہر انگلستان کے علم سے یک بہ یک حملہ کر دیا گیا۔ میں نے لندن میں بہت سخت الفاظ کہوائے اور پیرس سے بھی مراسلت شروع کر دی کہ ہمارے فوائد جو خطرے میں پڑ گئے ہیں ان کی کامل حفاظت کا بندوبست کیا جائے کیونکہ وہاں کے فرانسیسی اور جرمن آبادکاروں نے مظلوم بوئروں کی اعانت کے لئے مل جانے میں ذرا تامل نہیں کیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ مہربانی سے آپ بھی اس طرف توجہ کریں گے کہ یہ ایک اصول کی بات ہے جس کا منشا معاہدوں کو برقرار رکھنا ہے مجھے توقع ہے کہ آخر میں سب معاملہ درست ہو جائے گا لیکن جو کچھ بھی ہو، انگریزوں کو میں ہرگز ٹرانسوال کو محو و نابود نہ کرنے دوں گا،، یہ بدمزاجی کی تقریر سامنے رکھ کر قیصر کی خود نوشتہ سوانح کے اس بیان کو پڑھیئے کہ حولہ بالا تار جو کروگر کے نام بھیجا گیا اسے میں نے پسند نہیں کیا تھا،، تو یہ بیان کچھ دل کو نہیں لگتا۔

ریونٹ لو لکھتا ہے کہ "تمام جرمن قوم اتار کے جو کچھ معنی لیتی ہو، دل سے اس کی مؤید تھی۔ اور ہر طرف سے اطمینان کی آواز بلند ہوئی کہ "آخر کار! برطانیہ یا کم سے کم برطانیہ کے بعض افراد ایک چھوٹی جمہوری ریاست کو، جو جرمنوں کے ساتھ ہمدردی اور تجارت کے تعلقات سے وابستہ تھی، نگل جانے کی گہری سازش کرتے نظر آتے تھے، بعض اعتدال پسند لوگ جیسے ہمان پچھتاتے تھے کہ ایسا تار کیوں دیا گیا جس میں یہ پہلو نکلتا تھا کہ اگر جرمانیہ سے استدعا کی جاتی تو ٹرانسوال کی ضرور مدد کرتی اور ٹرپٹشر نے برطانیہ کی قوت اور جرمانیہ کی بے بسی کی بنا پر اس کو نہایت غلط کارروائی قرار دیا۔ لیکن مجموعی طور پر

برطانیہ والوں کا طیش

دیکھئے تو بسمارک تک نے جو حکومت کو دعا میں دینے کی بجائے ہمیشہ عیب نکالنے پر آمادہ رہتا تھا یہی رائے دی کہ خود برطانیہ کی طرف سے

ایسا تار جاتا تو کچھ حیرت کی بات نہ ہوتی۔ لیکن جس نسبت سے جرمانیہ میں تحسین وآفرین کی گئی اسی قدر سلطنت برطانیہ میں طیش وناراضی کے جذبات پیدا ہوئے۔ مونِنگ پوسٹ نے ملہمانہ انداز میں لکھا کہ "قوم اس تار کو کبھی فراموش نہیں کرے گی اور اپنی حکمت عملی کی آیندہ تعیین وتغییر کے وقت اسے ہمیشہ دل میں رکھے گی"۔ خود حکومت کی طرف سے جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ چھ دریا نورد (=کروزر) خلیج ڈلاگوا کو بھیجدیئے گئے، ردیف بیڑے کے ایک حصے کو حکم پہنچا کہ جنگی خدمت کے لئے باہر نکال لیا جائے۔ سفائن حرّاقہ (=تارپیڈو) رود بار میں طلب کرلی گئیں اور اُدھر کروگر کو خبردار کردیا گیا کہ برطانیہ بیرونی مداخلت کی ہر طریق سے مزاحمت کرے گا۔ حکومت جرمانیہ جنگ کی خواستگار نہ تھی۔ یہ رنگ دیکھ کر سمجھ گئی کہ وہ حد سے تجاوز کرگزری ہے کہ ۶ر جنوری کو مارشل نے سرفرینک لیسلز سے صراحت کی کہ قیصر کا تار بھیجنے سے ہرگز چھیڑ نکالنا مقصود نہ تھا۔ اور اخباروں کے حملوں کی شکایت کی۔ ۱۳ فروری کو اس نے رائیشتاگ میں بھی آشتی آمیز تقریر کی اور بتایا کہ ٹرانسوال سے جرمانیہ کے تعلقات ۱۸۸۵ء کے تجارتی عہدنامے پر مبنی ہیں جس سے اسے عزیز ترین قوم کے برتاؤ کا استحقاق حاصل ہوا اور جرمن رعایا کو ٹرانسوال میں تجارت وصنعت کی آزادی ملی۔ برطانیہ کی یہ کوشش کہ ساری جنوبی افریقیہ کو ایک واحد مملکت بنا کے تجارت کے عمل کو محدود ومحصور کردیا جائے، جرمانیہ کے لئے موجب نقصان ہے۔ دوسری طرف خود جرمانیہ کو ٹرانسوال میں کوئی دخل پانے کی خواہش نہیں ہے اور وہ اسے اپنے زیرسیادت لانا نہیں چاہتی۔ بوئروں کی برطانیہ کی حکمت عملی سے بدظنی جرمنوں کے اغوا سے نہیں بلکہ خود بعض برطانی افراد کے منصوبوں سے پیدا ہوئی ہے۔ برطانیہ سے ہمارے دوستانہ تعلقات میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا اور ٹرانسوال پر جو تاخت کی گئی تھی اُسے روکنے میں حکومت برطانیہ نے بھی حتی المقدور پوری کوشش کی۔ مگر یہ سب تاویلیں اور تصریحیں بیکار تھیں۔ کیونکہ کروگر کے نام کا تار ولیم ثانی کے ابتدائی عہد کی بڑی سنگین غلطی تھی۔ روس وفرانس کا ارتباط

ولیم ثانی کی تخت نشینی سے قبل شروع ہوا اور وہ اس کی تکمیل کو نہیں روک سکا تھا لیکن انگلستان وجرمانیہ کی روز افزوں دوستی میں اس کی تلافی کی صورت نظر آتی تھی اور چند سال تک وہ دانائی کے راستے پر گامزن رہا۔ مگر ۱۸۹۴ء و ۱۸۹۵ء کی الجھنوں نے انگلستان میں اس کی ہر دل عزیزی کو کم کر دیا اور جو کچھ باقی رہ گئی تھی وہ کروگر کے نام ۳ جنوری ۱۸۹۶ء کے تار سے برباد ہو گئی۔ اس میں شک نہیں کہ ٹرانسوال کے مورچوں کو انگریزوں کا اندر ہی اندر کھودنا اور کھوکھلا کرنا دیکھ کر غصہ آتا تھا، لیکن ٹرانسوال خود مختار مملکت نہ تھا۔ قیصر کے تار نے اس کی رہی سہی آزادی کے خاتمے کو اور بھی قریب کر دیا کیونکہ

جرمانیہ کی سنگین غلطی۔

اسی کی بنا پر انگریزوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جنوبی افریقہ میں حاکم غالب بن کے رہیں گے دوسرے اسی تار نے کروگر سے سخت بدظنی پیدا کر دی کہ وہ نہ صرف برطانی رعایا کو ستاتا ہے بلکہ ایک غیر سلطنت سے ساز باز میں مصروف ہے۔ اس کے علاوہ حکومت جرمانیہ اچھی طرح واقف تھی کہ وہ بوئروں کو کسی حال میں مدد نہیں دے سکتی کیونکہ برطانی بیڑا سمندر پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ کوئی اسے ٹوکنے والا نہ تھا۔ ریونٹ لو نے خوب لکھا ہے کہ جرمن وزیر خارجیہ، مارشل، قانون اور ضابطے کی دنیا میں فکر کو جولانی دے رہا تھا۔ جہاں فقط شمشیر و قوت کا بس چل سکتا تھا وہ ایسی خیالی دھمکی دے رہا تھا جس پر وہ فی الواقع عمل نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال اب اسے سبق مل گیا اور آیندہ جنوبی افریقہ کے معاملات میں جرمانیہ نے دخل دینے کی کوشش نہیں کی۔ با ایں ہمہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بوئر جرمانیہ کو ایک طاقت ور دوست سمجھتے رہے اور جو زیادہ جاہل و بے خبر تھے، ممکن ہے کہ انھیں آیندہ جنگ میں جرمنوں سے مدد ملنے کا بھی یقین ہو گیا ہو۔ لیکن جس وقت سے جیمسن کے چھاپے نے بجلی کی چمک کی طرح جنوبی افریقہ کی سیاسیات کے تاریک گوشوں کو روشن کر دیا، اس وقت سے انگریزوں اور بوئروں دونوں کی زبان پر علانیہ آیندہ جنگ کے الفاظ آنے لگے تھے۔

۱۸۹۹ء میں سالسبری نے اکارڈاسٹین سے کہا کہ "وہ چھاپا تو حماقت کی بات تھی ہی، لیکن وہ تار اس سے بھی زیادہ بے وقوفی کی حرکت، تھا"۔ چنانچہ گو یہ قضیہ رفع دفع ہو گیا۔ جرمن و برطانی حکومت کے تعلقات حسب معمول دوستانہ ہو گئے اور چند ہی ہفتے بعد سوڈان کی طرف سے مسرت انگیز ہمت افزائی کی گئی۔ تاہم برطانی قوم اس تار کو کبھی نہ بھولی نہ اسے معاف کیا کہ اس کی دانست میں یہ انگریزوں کے جنوبی افریقہ کے اقتدار پر محض بیجا اور بے وجہ حملہ تھا۔ اور اسی طرح جرمن قوم کو اپنے جلد باز بادشاہ کی اس حرکت پر انگریزوں کے اس قدر برافروختہ ہونے سے بہت غصہ آیا۔ اس کے بعد سے قیصر نے زار کو جو خط بھیجے ہیں ان میں برطانیہ کا ذکر قریب قریب ہر جگہ حقارت کے ساتھ آیا ہے۔ ۲/ فروری کے خط میں وہ تحریر کرتا ہے کہ انگریزوں کا ٹرانسوال پر جھپٹنا نہیں چلا۔ میرے ساتھ انھوں نے بہت ناشائستہ برتاؤ کیا لیکن اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ رہا اپنے مشہور و معروف بیڑے کو ہمارے خلاف صف آرا کرنا، حالانکہ ہمارے پاس کوئی قابل ذکر بحری قوت ہی نہیں ہے، تو یہ محض انتہا درجہ کی مضحکہ انگیز حرکت تھی۔" اس واقعے سے خود اتحاد ثلاثہ کو صدمہ پہنچا۔ قضیئے میں پوری شدت آنے کے وقت جرمن حکومت نے اپنے اتحادیوں کو ٹٹولا تھا کہ وہ کس حد تک ساتھ دے سکیں گے۔ مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا بلکہ اطالیہ نے اپنے انکار کے ساتھ یہ یادگار اعلان بھی کر دیا کہ فرانس و جرمانیہ کی جنگ میں اگر انگریز بھی شریک ہو گئے تو اطالیہ عہدنامے کے فرائض اتحاد بجا لانے سے معذور رہے گی کہ اس کا بیڑا اپنے سواحل کی حفاظت کے قابل نہیں ہے[1]۔ نیز ردینی نے جو کریسپی کی جگہ وزیر اعظم ہوا تھا، علانیہ کہدیا کہ انگلستان کی دوستی، اتحاد ثلاثہ کا لازمی جزو ہے۔

ہر چند برطانیہ اور جرمانیہ کے سب سے شدید اختلافات افریقہ کے متعلق برپا ہوئے، لیکن اس کے علاوہ اور بھی میدان تھے جن میں ان

---

[1] دیکھو پربیرم: "دی سیکریٹ ٹریٹیز اوف آسٹریہ ہنگری" جلد دوم

جاپان کی شکست چین کو۔

سلطنتوں کے راستے الگ الگ تھے۔ ۱۸۹۴ء کی چین و جاپان کی جنگ عہد نامے شمونوسیکی سے ختم ہوئی، جس پر اپریل ۱۸۹۵ء میں دستخط ہو گئے اور چین نے خشکی و سمندر دونوں جگہ شکست کھا کے جزیرہ نمائے لیاؤتنگ اور جزیرہ فارموسا جاپانیوں کے حوالے کر دیا اور تین کرور تاوان جنگ ادا کرنے کا ذمہ لیا۔[۱] صلح ہونے کے ایک مہینے بعد جرمانیہ نے فاتحین کو مشورہ دیا کہ اندرونی علاقہ کا کوئی حصہ طلب نہ کریں۔ جاپانیوں نے اس پر کوئی اعتنا نہ کی لیکن جب فرانس و روس نے جرمانیہ کی ہمنوائی کی تو جاپان بادل ناخواستہ بندر آرتھر اور اس کا جزیرہ نما چھوڑ کر کچھ زائد تاوان جنگ اور چین سے یہ عہد لینے پر آمادہ ہو گیا کہ جو علاقہ اُس نے چھوڑ دیا ہے وہ کسی اور کو نہیں دیا جائے گا۔ روس اور فرانس کی تائید کا ہانوتو نے یہ سبب بیان کیا ہے کہ ہمارا مقصد "قوت کے توازن میں ایسا تغیر نہ ہونے دینا ہے جس سے روس کو نقصان پہونچے"۔ حکومت چین نے شکر گزار ہو کر یورپ کی اُن تینوں سلطنتوں کو مراعات عطا کیے اور خیر خواہی کا یہ معاوضہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ سائبیری ریلوے ۱۸۹۱ء میں بننی شروع ہوئی اور ایشیا کو طے کرتی ہوئی سرعت سے آگے بڑھ رہی تھی اور روس بندر آرتھر کو پہلے سے تاک چکا تھا کہ اس ریل کو یہیں لاکر ختم کرے۔ لوبانوف کی حجت یہ تھی کہ جاپانی یہاں آئے تو دُور دُور تک اس طرح پھیل جائیں گے جیسے تیل کا قطرہ جاذب پر پھیل جاتا ہے۔ ایک ایسی سلطنت جو شرق اقصیٰ کے تمام ملکوں کو زیر نگیں لینے کی آرزومند تھی خشکی پر اگر جاپانیوں کا قدم رکھنا اوسے ناگوار گزرا ہو، تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی اور فرانس بھی لازماً اپنے حلیف کے مقاصد کا مؤید ہوا۔ لیکن اپنے ان حریفوں کے ساتھ جرمانیہ کا رفیق و شریک ہو جانا ایسی بات تھی کہ ایشیا اور یورپ

---

[۱] ملاحظہ ہو ریونٹ لو وغیرہ وغیرہ اور "فورن ٹی ایسز آف ڈپلومیسی جلد اول باب ۱۵"

دونوں جگہ کے دیکھنے والے حیران ہوئے۔ ان میں بسمارک بھی شریک تھا اور اس نے اس کارروائی کو اندھیرے میں چھلانگ مارنے سے تعبیر کیا۔ مگر ہوہن لوہی کو بہت فکر تھی کہ پیٹروگریڈ کے ساتھ پھر دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں اور مذکورۂ بالا دخل دہی کے چند ہی روز بعد وہ زار سے ملنے آیا تو اُسے یقین دلایا کہ جرمانیہ کی حکمت عملی کا منشا یہ تھا کہ مشرقی ایشیا میں روس کے ساتھ اپنی تائید کا اظہار کیا جائے[1]

زار اس مشارکت کے نتیجے سے بہت خوش تھا اور اس نے صدر اعظم کو اس راز میں بھی شریک کیا کہ میں قیصر کو اطلاع دے چکا ہوں کہ اگر جرمانیہ چین کے ساحل پر جہازوں کے کوئلہ لینے کے لئے کوئی مقام حاصل کرے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہوہن لوہی نے کہا کہ میرا آقا صیغہ راز میں یہ اطلاع مجھے پہلے ہی دے چکا ہے اور آخر میں کہنے لگا کہ جزائر لتسوسن پر انگریزوں کا دعوےٰ ہے۔ زار نے جواب دیا "جی ہاں وہ ہمیشہ ہر چیز اپنے لئے طلب کرتے رہتے ہیں۔ کوئی شخص کچھ بھی لے یہ ہمیشہ اُس سے زیادہ کے طالب ہوتے ہیں"۔ یہ گویا جرمنوں کی تائید کی قیمت تھی جس کا عوام کو کوئی علم نہ تھا لیکن مشرق اقصیٰ میں روس و جرمانیہ کی یاری اور چین میں جرمن نوآبادی بسانے کی امید کے مقابل جاپان کی دائمی دشمنی کو بھی فراموش کرنا نہ چاہیئے۔ ایک جاپانی مدبر نے یہ پر معنی الفاظ جن کا اختصار خالی از علت نہ تھا کہے کہ "ہم اسے یاد رکھیں گے!" یہ جزیری سلطنت اس وقت سے جب کہ اُس نے جاگیرداری کے نقصان رساں نظام سے مخلصی پائی تیز ترقی کر رہی تھی اور اسے سوائے برطانیہ کے یورپ کی کسی بڑی طاقت نے نہیں تاڑا تھا چنانچہ برطانیہ ہی وہ سلطنت تھی جس نے ایک معاہدہ مورخہ ۱۶ر جولائی ۱۸۹۴ء کے ذریعہ جاپان کو اقوام کی برادری میں شامل کرکے اپنی دوستی اور اعتماد کا نمایاں ثبوت دیا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے برطانیہ نے اپنے ماوراے حدود

---

[1] ہوہن لوہی کی کتاب، جلد دوم

حقوق سے پانچ سال میں دست بردار ہونے کا اقرار کیا اور جاپان کو اجازت دی کہ وہ تجارتی محاصل میں جس قسم کی چاہے ردوبدل کرے، برطانیہ تعرض نہ کرے گی۔ پھر چین پر فتح پانے کے بعد جاپان پر دباؤ ڈالا گیا تو انگریزوں نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا۔ بہرحال جرمانیہ نے اس کارروائی سے اوّل تو ایسی دو سلطنتوں کی رفاقت اختیار کی جو برطانیہ سے شدید مخالفت رکھتی تھیں اور دوسرے مشرق اقصیٰ کی اس نوخیز سلطنت کی دشمنی مول لی جسے انگریزوں کی اعانت و تائید حاصل تھی۔ غرض گرد و گرداکے تار میں جیسی ناعاقبت اندیشی سے کام لیا گیا تھا قریب قریب ایسی ہی نادانی سے جرمانیہ نے یہ راستہ اختیار کیا جس کا بلا واسطہ نتیجہ انگلستان و جاپان کا اتحاد اور ۱۹۱۴ء کا جاپانی انتقام تھا۔

جرمانیہ کا قبضہ کیاچو پر

۴ر نومبر ۱۸۹۷ء کو دو جرمن دینی مبلغ صوبہ شان ٹنگ میں قتل کر دئے گئے اور ۱۴ر نومبر کے دن چار جرمن دریا نورد کیاؤچو کی بندرگاہ میں داخل ہوئے اور بحری سپاہی اتار کر انہوں نے اس علاقے کے جرمن مقبوضہ ہونے کا اعلان کر دیا[۱]۔ حکومت چین کے ذریعے جرمانیہ مجرموں کے سزا دلانے میں کامیاب ہوئی، اسے تبلیغی وفد کے نقصان کا مالی تاوان اور چینی ریلوں کے سلسلے تک ایک نئی ریل بنا لینے کی اجازت بھی مل گئی۔ ۱۸۹۵ء میں وہ دریائے یانگ سی کے دہانے پر کوئلہ لینے کی بندرگاہ ل جانے کی کوشش کر چکی تھی اسی لئے مارشل نے بیان کیا کہ مشرقی ایشیا میں ہمیں پاؤں ٹکانے کے لئے کوئی جگہ درکار تھی کیونکہ بغیر اس کے ہم تجارتی، بحری اور سیاسی دنیا میں محض معلق رہتے۔ تجارت کے لئے ہمیں چین میں اس قسم کے دروازے کی ضرورت تھی جیسا کہ فرانس کے قبضے میں تونکین، انگلستان کے پاس ہونگ کانگ اور روس

---

[۱] قیصر کی سوانح - باب سوم

کے پاس شمالی علاقہ موجود ہے۔" اور اس میں شک نہیں کہ جرمن تجارت نہایت سرعت سے بڑھ رہی تھی اور جرمن جہازوں کو ذرا سی مرمت کے لئے بھی ہونگ کانگ یا جاپان جانا پڑتا تھا۔ پس اب جرمانیہ کے قبضے میں چین کی ایک بہترین بندرگاہ آگئی جس میں جہازوں کے اُتارنے کا عمدہ موقع، اچھی خاصی آب وہوا اور قریب ہی کوئلہ موجود تھا۔ چند ہی روز میں سنگ ٹاؤ پر ایک صاف ستھرا جرمن شہر تیار ہوگیا اور کسی اچانک حملے سے حفاظت کے لئے اسے مستحکم بھی کرلیا گیا۔ لیکن جرمانیہ سے اس کی آمدورفت انگریزوں کے رحم وکرم پر مبنی تھی اور اس کا تحفظ جاپان کی دوستی کا محتاج تھا۔ مگر اسے جرمن مدبروں نے، جو جاپان کی قوت سے مطلق بے خبر اور اس کے مفاد کی طرف سے بالکل بے پروا تھے، حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

جرمن حکمت عملی میں اب صاف طور پر مبارز طلبی کا رنگ آنے لگا تھا جس کا ظہور نہ صرف قبضہ کیا و چو ملک ان شہنشاہی تقریروں سے بھی ہوا جو اسی قبضے کے سلسلے میں کی گئیں۔

شہزادہ ہنری کا بحری سفر

شہزادہ ہنری کی قیادت میں ایک دستۂ اساطیل اس غرض سے روانہ ہوا کہ چین سے جبراً جرمن مطالبات تسلیم کرائے۔ اسے رخصت کرتے وقت قیصر نے علانیہ کہا کہ بیڑا بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ چین میں فرنگیوں، جرمن سوداگروں اور سب سے بڑھ کر خود چین کو اچھی طرح بتادیا جائے کہ جرمن جوان نے اس ملک میں قدم گاڑ دئے ہیں اور اگر کوئی ہمیں دق کرنے کی جرأت یا ہمارے حقوق میں دست اندازی کرے تو تم آہنی گھونسے سے اس کی خبر لو اور اپنی جبین شباب پر وہ سہرا گوندھ لو جس کے باندھنے میں سلطنت جرمانیہ کا کوئی فرد بخل نہ کرے گا۔" شہزادہ ہنری کا جواب شاہان بائی زنطہ کے طرز گفتگو سے مشابہ تھا جس میں اس نے بیان کیا کہ میری کوئی آرزو ہے تو یہی ہے کہ "حضور والا کی ذات مقدس کے ارشاد واجب الانقیاد کی چارطرف جو سُنے اُن کے، اور جو نہ سُنے اُن کے بھی کانوں تک منادی کردی جائے۔"

حکومت جرمانیہ نے سالسبری کو یقین دلایا کہ جرمانیہ انگلستان کو ناخوش کرنا نہیں چاہتی اور شمالی چین میں کیا وَیحو اُن مقامات سے بہت فاصلے پر ہٹا ہوا ہے جن سے برطانیہ کے اغراض وابستہ ہیں۔ سالسبری نے کوئی معارضہ نہیں کیا لیکن بیان کیا کہ اگر مخصوص مراعات کا مطالبہ کیا گیا یا دوسرے ملکوں نے بھی چینی بندرگاہوں پر قبضہ جمانا چاہا، تو حکومت اہل انگلستان کے وسیع اغراض کی جو چین میں پھیلے ہوئے ہیں حفاظت کرے گی۔

اسی مخفی قرارداد کے سلسلے میں جو قیصر وزار کے درمیان ہوئی تھی، چین کو لوٹنے کے اس جرمن اشارے کے بعد ہی روس نے اس کی تقلید کی۔[۱] ۱۸۹۷ء کے آواخر میں چینی حکومت نے پیکن کے برطانی وکیل کو اطلاع دی کہ ہم نے روسی بیڑے کو بندر آرتھر میں سرما گزاری کی اجازت دے دی ہے۔ برطانیہ کے پیٹر و گریڈ میں استفسارات کے جواب میں موراویف نے بہت بھولے پن کا یہ جواب دیا کہ چونکہ ولاڈی واسٹک یخ بستہ ہے لہذا چین نے مہربانی سے یہ مہماں نوازی کی ہے۔ جاپان کے استفسار پر بھی اسی قسم کا جواب دے دیا گیا اور یہ بھی کہہ دیا گیا کہ بندرگاہ جہازوں کے جاڑہ گزارنے کی غرض سے محض عارضی طور سے مستعار دے دی گئی ہے۔ جس وقت دو برطانوی جنگی کشتیوں نے بھی بندر آرتھر میں لنگر ڈالے تو موراویف نے یہ سمجھ کر کہ روسیوں کی نسبت شبہ کیا جارہا ہے پھر کہا کہ روسی جہازوں کی اس بندرگاہ میں سرما گزاری کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتی۔ لیکن چار دن کے بعد روسی حکومت کا لب و لہجہ بدل گیا اور اس کے سفیر نے سالسبری کو اطلاع دی کہ برطانوی جہازوں کی موجودگی پیٹر و گریڈ میں بے لطفی کا موجب ہوئی ہے۔ وزیر اعظم نے نرمی سے جواب دیا کہ ہمیں بندرگاہ میں داخل ہونے کا از روئے معاہدہ حق حاصل ہے لیکن یہ کشتیاں صدر حکومت

[۱] بندر آرتھر پر قبضہ جمانا موراویف کے منشا سے ہوا جس کی زار نے تائید کی مگر دوسرے وزرا مخالف تھے۔ روزن "فورٹی ائیرز آف ڈپلومیسی" جلد اوّل باب ۱۶۔

کے حکم کے بغیر وہاں گئی ہیں اور بلاشبہ تھوڑے دن میں دوسری بندرگاہ کو چلی جائیں گی۔" روس کا دوسرا قدم یہ اعلان کرنا تھا کہ چین نے ہمیں "لنگراندازی کا پہلا حق" دیا تھا اور اب مورا ویف نے تیور بدل کے کہا کہ برطانی جہازوں کی بندر آرتھر میں موجودگی پیٹرو گریڈ میں ایسی مخالفانہ کارروائی سمجھی جارہی ہے کہ جنگ کی افواہیں اڑرہی ہیں۔ سالسبری نے ایسی عاجزی سے جس نے اُس کے بہت سے متبعین کو ناراض کردیا، تصریح کی کہ بندر آرتھر میں صرف ایک انگریزی کشتی ہے اور وہ مجلس وزرا کے بلا حکم وہاں بھیجی گئی ہے اور چند روز میں رخصت ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ جہاز ایک دو دن بعد رخصت ہوگیا اور روس نے بے بس چین سے بندر آرتھر اور تالین وان کا پٹہ، اس جزیرہ نما میں ریل بنانے کے حق سمیت حاصل کرلیا۔ وزیراعظم دوسرے مسکین ترانساوں کی طرح اس زبردستی اور اس کی پُرفریب تمہید پر بہت بگڑا مگر چونکہ اس کا ارادہ اس کارروائی کی بزور شمشیر مزاحمت کرنے کا نہ تھا لہٰذا اس نے خلیج پچیلی میں توازن قوت برقرار رکھنے کی خاطر صرف اس پر قناعت کی کہ چین سے خود بھی بحری مستقر بنانے کے لئے وی ہے وی کا پٹہ لکھوالیا۔ قیصر نے زار کو خط لکھا کہ "میں تہ دل سے تمھیں مبارک باد دیتا ہوں۔ خلیج کے دروازے پر ہم اور تم بہت اچھے پہرہ داروں کا کام انجام دیں گے۔" ایک سال بعد جرمانیہ نے جزائر کیارولین بھی ہسپانیہ سے خرید لئے۔

بندر آرتھر پر روسی قبضہ

جرمانیہ کی خیرخواہی کے بغیر جو مشرق اقصیٰ میں برطانی اغراض کے مقابلے میں روسیوں کی معاون و حامی بن گئی، بندر آرتھر پر قبضہ ہونا غیر ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہوتا۔ افریقہ اور ایشیا کی منقولۂ بالا کشمکش اور مشرق ادنےٰ کے اُن تنازعات کے ماسوا جن کا آگے ذکر آتا ہے، دو نئے اسباب گزشتہ صدی کے آخری عشرے کے وسط میں اور پیدا ہوگئے جن سے جرمانیہ اور برطانیہ کی باہمی مخالفت کو تقویت پہنچی۔ جرمن صنعت اور حرفت میں دن دونی

"ساختہ جرمانیہ" رات جوگنی ترقی ہوئی اور اس کا بنایا ہوا سامان اپنی ارزانی کی وجہ سے انگلستان میں ہر جگہ بکنے لگا۔ اس تجارتی مقابلے کے زخم کھائے ہوئے تاجر "ساختہ جرمانیہ" کو صلواتیں سنانے لگے چنانچہ اس رقابت کے نتائج کے متعلق جس میں جرمانیہ آہستہ آہستہ غلبہ پارہی تھی، لارڈ روز بیری نے بھی اندیشہ مندانہ تقریر کی اور لوگوں کی جھنجھلاہٹ کا اظہار ۴ر دسمبر ۱۸۹۶ء کے سیٹرڈے ریویو کے ایک مضطربانہ مضمون سے ہوا جس میں یہ رونا رویا تھا کہ ان دونوں ملکوں کی رقابت زمین کے ہر حصہ میں ہوگئی ہے اور حجت کی تھی کہ اگر کل جرمانیہ کا تہس نہس ہو جائے تو انگلستان کا ہر فرد زیادہ مالدار ہو جائے گا۔ اس بات کا مطلق لحاظ نہیں کیا گیا کہ اس وقت یہ اخبار خفیف ترین سیاسی رسوخ تک نہیں رکھتا اور یہ وہم کہ جرمن و برطانوی دشمنی کی اصلی بنا تجارتی حسد ہے دلوں سے دور نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ خود ترپٹز ہمیشہ اس بات پر جما رہا کہ یورپ کے سیاسی تعلقات کو جس نے متغیر کیا، وہ جہازوں کا نہیں بلکہ مصنوعات کا مقابلہ تھا۔

برطانیہ کی روز افزوں سرد مہری دیکھ کر بالآخر جرمن قوم بھی اپنے فرماں روا کی اس رائے کی معتقد ہو گئی کہ ایک دولتمند اور طاقتور سلطنت کو اپنی مدافعت اپنی تجارت کے تحفظ اور اپنی بیرونی حکمت عملی کی تائید کے لئے جنگی بیڑے کی ضرورت ہے۔ کرو گر والے تار کے چند ہی روز بعد ۱۸ر جنوری ۱۸۹۶ء کو بنائے شہنشاہی کی ۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر قیصر نے ایک پر معنی خطبہ پڑھا:- "سلطنت جرمانیہ نے بڑھکر ساری دنیا میں سلطنت کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے دنیا کے دور دراز قطعوں میں ہر مقام پر ہمارے ہزاروں ہموطن آباد ہیں۔ جرمن اشیاء، جرمن علوم اور جرمن کوششیں سمندر کے پار پہنچ چکی ہے۔ جرمانیہ کی بحری تجارت اب کروروں کی ہو گئی ہے اب آپ کا یہ خاص اور مقدم فرض ہے کہ اس کلاں تر جرمانیہ کو اپنے اصلی وطن سے مضبوطی کے ساتھ مربوط کرنے میں مجھے مدد دیں۔" اس تقریر نے دور دور اور ہر جگہ لوگوں کو متوجہ کر لیا۔ اور معرض تنقید میں آئی اخبار ٹائمز نے اس کے متعلق لکھا کہ مستقبل میں ایک دوسری جرمن سلطنت کے وجود میں آنے کا

اعلان سن کر ہمیں خواہ مخواہ چند قابل غور سوال کرنے پڑتے ہیں۔ بھلا ایسے لاوارث خطے کون سے ہیں جہاں یہ سلطنت وجود میں آئے گی یا کس طرح اور کن لوگوں سے چھین کر اسے تیار کیا جائے گا؟"

"ویلٹ پولی ٹیک" یعنی "عالم گیر سیاسیات" کی اصطلاح جو بسمارک کے علم میں بھی نہ تھی اس کا تخیل انجمن اتحاد جرمانیہ نے بڑے شد و مد سے سارے ملک میں شائع کیا۔ یہ جماعت سنہ ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کا پہلا صدر کارل پیٹرز تھا اور دوسرا ہاس جو جامعہ لائپزگ کا استاد اور رائشتاگ کا رکن تھا۔ اس کے زیادہ سر پھرے ارکان مطالبہ کرتے تھے کہ کلاں تر جرمانیہ میں جرمن آسٹریہ، جرمن سوئٹسان، فلیمی بلجیم، اور نیز ہالینڈ اور لوکزمبرگ کے جملہ جرمن نسل والے داخل کر لئے جائیں، اور گو ایسے بے سروپا خیالات کبھی عام طور پر مقبول نہیں ہوئے اور قومی حکمت عملی کے کارفرما ان کی تردید کرتے رہے تاہم ان باتوں سے یورپ کی پریشان خیالی بڑھ گئی۔ اور یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ جرمانیہ قانع رہنے کی بجائے کشورستان بننا چاہتی ہے۔

جس وقت مارچ سنہ ۱۸۹۷ء میں گروہ وسطی کی مخالفت سے، جہاز سازی کی ایک معتدل تجویز مسترد کر دی گئی تو قیصر نے اپنی طیش آمیز مایوسی کا اظہار کیا، جون میں ملکہ وکٹوریہ کی شصت سالہ حکومت کی سالگرہ کے موقع پر

جرمانیہ کی بحری طاقت

شاہزادہ ہنگری اپنے ملک کی طرف سے اسپٹ ہیڈ کی بحری نمائش میں شریک ہوا۔ اور وہاں دوسرے ملکوں کے جہازوں کے مقابلے میں جس جہاز پر وہ سوار تھا، وہ بہت گھٹیا نظر آیا۔ قیصر تو سیاسی تلقین کے لئے تیار ہی رہتا تھا، اس نے تار دیا "مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں تمھیں اس سے اچھا کوئی جہاز نہیں دیکھتا جو ان پرشکوہ اساطیل کا مقابلہ کر سکے جنھیں دوسری قومیں بھیجیں گی۔ یہ ایک تاسف انگیز نتیجہ اُن نامحبانِ وطن کے طریق عمل کا ہے جنھوں نے ضروری جہازوں کی فراہمی میں روڑے اٹکائے۔ لیکن میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اپنی بحری قوت کو اپنی بری فوج کے مرتبہ کے

مساوی نہ بنالوں" ایک اور موقع پر اُس نے یہ الفاظ جنھیں بار ہا نقل کیا گیا ہے کہے کہ "سمندر کا اقتدار ہمارے ہاتھوں میں زیب دیتا ہے" اب اُس نے امارت بحری پر ایک ایسے اول درجے کی قابلیت کے آدمی کو مقرر کیا جو کامل یقین رکھتا تھا کہ جس طرح خود اس کی زندگی کا دنیا میں ایک خاص مقصد ہے اسی طرح جرمانیہ کو بھی بہت عظیم الشان کام انجام دینا ہے۔ امیر البحر فون ٹرپٹز نہایت حقیر مرتبہ سے محض اپنی قابلیت اور سفائن حراقہ کے متعلق جو اس نے کام کیا تھا، اس کی بنا پر بڑھا اور ولیم ثانی کی التفات کو اس کے بادشاہ ہونے سے پہلے اپنی طرف منعطف کر چکا تھا، ۱۸۹۶ء میں وہ دریا نورد اسامیل کے اُس دستے کا سردار مقرر ہوا جو مشرق اقصیٰ کو اس غرض سے بھیجا گیا تھا کہ چین کے ساحل پر کوئی عمدہ جنگی و تجارتی مستقر تلاش کرے چنانچہ اس نے سنگ ٹاؤ کے انتخاب کا مشورہ دیا اور آخر میں، بسمارک کے بعد جرمن سیاوت کا یہ قوی ترین مرد میدان بلایا گیا کہ اپنی زندگی کی سب سے اعلیٰ خدمت انجام دے[۱]

ٹرپٹز کے تقرر کو دو ہفتے گزرے تھے کہ تاریخ ۲۸ رجون ۱۸۹۷ء مارشل فان بیبراسٹین کی بجائے برن ہارڈن وان بیولاو وزارت خارجیہ کے عہدے پر فائز ہوا[۲] نئے وزیر نے اپنی سفارتی خدمت ۱۸۷۴ء میں روما سے شروع کی تھی جہاں سے وہ پیٹرو گریڈ، وی آنا، اور پھر پیرس بھیجا گیا۔ ۱۸۹۳ء میں اس بالا دست حاکم ہوہن لوہی نے کہدیا تھا کہ عجب نہیں

بیولاو مارشل کی جگہ لیتا ہے

---

[۱] دیکھو ٹرپٹز کی خود نوشتہ سوانح، باب نہم اور ہیسل کی کتاب "الفریڈ وان ٹرپٹز"

[۲] بیولاو نے اپنی کتاب حکمت علی کی اپنی کتاب "امپیریل جرمنی" میں صراحت کی ہے۔ نیز دیکھو اس کی کتاب "ریڈن" (سہ جلد) اس کا مقابلہ کرو الپی کرنا جل وغیرہ وغیرہ مصنفوں کی تصانیف سے ہیمیل نے اپنی تصانیف میں "ویوشس پولی ٹیک" کے پہلے اور دوسری بار کے چھپے ہوئے نسخوں میں جو فرق ہے اُس کا تجزیہ کیا ہے۔

بیولاو ایک دن جرمانیہ کا صدر اعظم ہو جائے۔ اور گان بیتا نے بھی التفات دوستانہ مبذول کی تھی پیٹرو گریڈ میں صدر معتمد اور بخارسٹ میں چند سال سفارت کی خدمت انجام دینے کے بعد وہ ۱۸۹۳ء میں روما میں سفیر بنایا گیا جہاں اس کی دلفریب شخصیت، وسیع معلومات اور اس کی اطالوی بیوی نے اُسے نہایت ہر دلعزیز اور بااثر شخص بنا لیا۔ قیصر نے بیولاو سے کہہ دیا تھا کہ اس کا کام یہ ہوگا کہ عالم گیر سیاسیات کے میدان میں جرمانیہ کی رہنمائی کرے اور ایک خاطر خواہ جنگی بیڑہ تیار کرائے۔ واقعی قیصر کو آخر کار ایک ایسا شخص مل گیا کہ وہ سیاست خارجہ کا تجربہ کار، بحث مباحثہ میں سفاق، مجلس ملک کو قابو میں رکھنے میں ماہر اور ایک پکا طرفدار شہنشاہی تھا۔ عہدے پر آتے ہی نئے وزیر خارجہ نے رائشتاگ کی پہلی تقریر میں یہ الفاظ کہے کہ "وہ وقت گزر چکا ہے جبکہ جرمنوں نے ہوا اپنے ایک ہمسائے اور سمندر اپنے کسی دوسرے ہمسایہ کے حوالے کر دیا تھا اور صرف آسمان اپنے لئے رکھ لیا تھا" آیندہ بارہ برس تک قیصر بیولاو اور ٹرپٹز کمال یکجہتی سے مل کر کام کرتے رہے۔ اور ان ہی تینوں شخصوں کو مشترکہ طور پر اس حکمت عملی کا ذمہ دار قرار دینا پڑے گا جس نے دنیا کی شکل وہیئت بدل دی۔ عہدہ سنبھالنے

ٹرپٹز کا مسودۂ قانون بحریہ

کے چند ہی مہینے بعد ٹرپٹز نے نومبر میں پہلا مسودۂ قانون بحریہ پیش کیا جس کی تجاویز کی تکمیل کے لئے سات سال درکار تھے۔ محکمے کے عہدہ داروں نے اسے یقین دلایا تھا کہ رائشتاگ کئی سال کی میعاد والی تجویز کبھی قبول نہیں کرے گی اور قومی آزاد خیال جماعت کے سرگروہ بینگ سن نے صرف سالانہ رقم طلب کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ بایں ہمہ ٹرپٹز نے ارادہ کر لیا کہ یا تو جہاز سازی میں تسلسل منظور کرائے گا ورنہ ناکامیاب رہنے کی صورت میں عہدے سے مستعفی ہو جائے گا۔ دوسری نئی بات یہ تھی کہ اس کے پیشرو صرف ساحلی دفاع کو پیش نظر رکھتے تھے یعنی ملکی سمندر کے لئے ایک چھوٹے سے جنگی بیڑے پر اکتفا کرتے اور تیز دریا نورد جہازوں پر جو اکناف عالم میں اس غرض سے پھیلے رہیں کہ جرمن تجارت پر حملہ ہو تو مدافعت کریں اور دشمن

کی تجارت پر حملہ کر سکیں ۔ لیکن ٹرپٹز اس نے جدید نظام کا آغاز ہی کھلے سمندر کا ایک بڑا بیڑا تیار کرنے سے کیا اور اس میں یہ خیال مضمر تھا کہ جس وقت جرمانیہ بیرونی ممالک میں بحری مستقر حاصل کرے اُس وقت تجارت کی مدافعت پر توجہ کی جائے ۔ اپنی تجاویز کو راشتاگ میں پیش کرتے وقت اُس نے جتایا کہ اگر یہ منظور کر لی گئیں تو ۱۹۰۴ء میں جرمن بیڑا محض لاشئے نہیں رہے گا" ہوہن لوہی نے ان تجاویز کی اس بنا پر تائید کی کہ "جرمانیہ کے سیاسی نشو ونما کا یہ لازمی نتیجہ ہیں" اور ٹرپٹز نے بروقت فریڈرک سروہ جاکر بسمارک اور اس کے متبع اخباروں کی تائید بھی حاصل کر لی ۔ اسّی برس کی عمر میں معزول صدر اعظم نے اپنے دوست بالن کی دعوت قبول کی اور ہمبرگ آیا۔ اور وہاں بندرگاہ کا گشت لگایا اور اسی سلسلے میں عظیم الشان جہاز کا معائنہ کرنے کے بعد اُس نے اقرار کیا کہ "میرے دل میں جوش اور دلولہ پیدا ہو گیا ۔ بیشک یہ ایک نیا زمانہ اور نئی دنیا ہے ۔" ٹرپٹز نے انتہائے مستعدی سے والیان ریاست، وفاقی ریاستوں کے وزرا، آزاد شہروں اور جامعات، غرض سب سے اپنی تجویز کے لئے تائید حاصل کرنے کی کوشش کی اور مہیحن کی کتاب "تاریخ پر قوت بحری کا اثر" کے ترجمے کا بھی انتظام کیا ۔ مختصر یہ کہ امارت بحری کے محکمے میں ایک نئی روح سرایت کر گئی ۔ اور تھوڑے ہی دن میں تمام جرمن قوم میں ایک نئی روح سرایت کرنے والی تھی ۔

مسودہ بحریہ کی قدامت پسند اور قومی آزاد خیال جماعتوں نے پرجوش تائید کی لیکن اصلاح پرست اور اشترا کی گروہ خوب خوب لڑا ان میں پہلے گروہ کا سرخیل رشتر تھا اور دوسرے گروہ کی فریاد یہ تھی کہ راشتاگ خزانے کی نگرانی کو چھ برس کے لئے ہاتھ سے چھوڑے بیٹھتی ہے ۔ لیکن گروہ وسطی کے اکثر ارکان کی تائید نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا ۔ اپریل ۱۸۹۸ء میں تیسری خواندگی پر تحریک منظور ہوئی اور جرمن بیڑا سیاسیات عالم کا ایک قابل لحاظ عنصر بن کر وجود میں آ گیا ۔ اسکی تشکیل بارہ جنگی جہاز (اساطیل) آٹھ زرہ پوش (مدارع) ساحلی دفاع کے لئے، دس بڑے اور تیس چھوٹے

حزب بحریہ

دریا نورد (کروزرز) جہازوں پر کی جانے والی تھی۔ بحری قوت کی ضرورتیں لوگوں کے دلنشین کرنے کی غرض سے ایک "حزب بحریہ" بھی قایم کی گئی اور ۲۳ ستمبر ۱۸۹۸ء کے دن ڈینزگ کی ایک تقریر میں قیصر نے یہ ملہمانہ الفاظ کہے کہ "ہمارا مستقبل سمندر پر مبنی ہے!"

باب ہفتم

آرمنیہ اور کریٹ

برطانیہ اور جرمانیہ کی بیگانہ وشی کے جو اسباب گذشتہ باب میں بیان ہوئے، ان کے علاوہ ان کے جذبات اور طرز عمل میں ایک بڑا فرق ترکی کے متعلق تھا۔ کیننگ نے جس دن سے آزادی یونان کی حمایت لی تھی، اس وقت سے برطانوی ارباب سیاست میں ایک خاص قسم کے علوی تخیل کا رنگ آگیا تھا۔ اور وہی بے غرضانہ انسانی ہمدردی کا جذبہ جس نے انھیں یونانی اور اطالوی قومیت کی تائید و حمایت پر ابھارا، ۱۸۷۶ء میں بلقان کے مقاتل اور پھر پچیس برس بعد اسی قسم کے ایشیائے کوچک کے مظالم پر جوش میں آگیا تھا۔[1]

(۱)

اس کتاب کے پہلے باب میں ہم بہ سبیل تذکرہ لکھ چکے ہیں کہ موتمر برلن میں مسیحی طاقتوں کا اہل آرمینہ سے تازہ بہ تازہ ہمدردی کرنا۔ ان کے حق میں بجائے رحمت کے موجب عذاب ثابت ہوا۔ سلطان کے دل میں ان کی وفاداری

---

[1] یہ بے غرض ہمدردی اور آزادی کی حمایت فی الواقع قابل ستائیش تھی۔ لیکن حیرت ہے کہ اسی جذبے کے ہیجان کے زمانے میں برطانیہ کے ارباب بست وکشاد مصر و سوڈان اور ممالک ہند کی آزادی سلب کرنے کی کوشش میں بھی مصروف پائے جاتے ہیں۔ — مترجم

مسئلہ آرمینیہ

کی طرف سے شبہات ناشی ہوئے اور ایک ترک وزیر نے دانت کٹکٹا کے کہا کہ مسئلہ آرمینیہ کو ختم کرنے کی سبیل یہ ہے کہ اہل آرمینیہ ہی کو ختم کر دیا جائے۔ اور ادھر سوائے برطانیہ عظمیٰ کے اور کسی طاقت نے موعودہ اصلاحات کو عمل میں لانے کی جدوجہد نہیں کی۔ روس کے قبضے میں مدد دینے کی قوت تھی لیکن قوت ارادی نہ تھی۔ میدان پھر ایک مرتبہ ترکی جمود کے ہاتھ رہا اور **گلیڈ اسٹون** تک نے تھک کر سنہ ۱۸۸۳ء میں زور آزمائی چھوڑ دی۔[۵] ترکی حکومت بغیر اس کے کہ دنیا کو مقاتل عام کا تماشا دکھائے، اپنی اسی معمولی روش پر چلتی رہی جس سے ارمنی رعایا کی زندگی دوبھر ہو جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دلیر تر لوگوں کو مزاحمت اور مقاومت کی فکر پیدا ہوئی۔ چنانچہ سنہ ۱۸۸۰ء میں جیورجیہ کے پایۂ تخت **طفلس** میں، جہاں بہت سے ارمنی باشندے بستے تھے۔ ایک انجمن بنی اور آیندہ سنین میں مغربی یورپ میں جابجا اسی قسم کی انجمنیں نمودار ہو گئیں۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں ایک انجمن آرمینیہ انگریزوں نے قایم کی جس کی غرض یہ تھی کہ اپنے ہموطنوں کے سامنے یہ قضیہ پیش کرتے رہیں اور خود اس مظلوم قوم کے سرگروہوں کو مفید مشورہ دیں۔ عہدنامہ برلن سے دول کی مداخلت کی جو امیدیں پیدا ہوئی تھیں، وہ جس قدر بعید ہوتی گئیں اور اصلاح کی توقع جس قدر زائل ہوئی اسی قدر قومی تحریک زیادہ جہری ہوتی گئی اور سفاکانہ افعال سرزد ہونے لگے حالانکہ انگریز اور امریکی حامیوں نے انھیں تنبیہ کی کہ اگر قتل اور تشدد کا راستہ اختیار کیا تو اس کا جواب قتل عام کی صورت میں ملے گا۔ دیہات اور شہروں کی جماعت کثیر

---

[۵] حکومت برطانیہ کی سرکاری کتابوں کے ماسوا، ملاحظہ ہو برائس کی کتاب "ٹرینس کاکیشیا اینڈ ارارات" (طبع سنہ ۱۸۹۳) وہٹیس: "دی تھرڈ سالسبری اڈمنسٹریشن"۔ لپ سیئس "آرمینیہ اینڈ یورپ" کریسی: "میموائرز" جلد سوم باب ۹۔ ارگائل: "اوور ریس پون سبلیٹیز فار ٹرکی" سر ڈی، پیرز: "عبد الحمید"۔ ای ٹی کک: لارڈ روز بریز فورین پولیسی" جمال پاشا: میموائرز اوف اے ٹرکش اسٹیٹس مین"، باب نہم۔ وغیرہ وغیرہ۔

تک تحریکِ انقلاب کا کوئی اثر نہ پہنچا تھا لیکن اس خیال نے کہ مخفی جماعتیں اندر ہی اندر کام کر رہی ہیں اور ممالکِ غیر کے باشندے بلکہ شاید حکام بھی اُن کے حامی ہو گئے ہیں اسلطان کو سخت برافروختہ کر دیا کیونکہ جس قسم کے عمل نے بلغاریہ کو سلطنت سے جدا کیا تھا، اُسے وہ یاد آ گیا۔ مشتبہ اشخاص قید کئے گئے اور جب ۱۸۹۱ء میں بے قاعدہ فوج حمیدیہ کا رسالہ مرتب ہوا جس میں وحشی کرد جدید اسلحہ سے مسلح تھے، تو آرمنوں کو معلوم ہو گیا کہ ہم کوہِ آتش فشاں کے دہانے پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ساسون کا قتلِ عام

مقاتلِ عام کا آغاز ۱۸۹۴ء کی گرمیوں میں، ولایت بطلس کے ضلع ساسون سے ہوا۔ بعض دیہاتیوں نے وہ بے ضابطہ مالیہ ادا کرنے سے انکار کیا جو کردوں نے اُن پر عاید کیا تھا اور خود یہ کرد بلند پہاڑیوں پر آباد تھے۔ نوبت کشت و خون کی پہنچی۔ ترک حکام نے فوجی پولیس کو وصولِ محاصل کے لئے روانہ کیا ارمنوں نے توجیہ کی کہ جب تک ہمیں کردوں کے دستِ تعدی سے نہ بچایا جائے، جو ہمارے سارے مال متاع پر قبضہ کر لیتے ہیں، ہم روپیہ نہیں دیں گے، اس پر والی نے ان کو بغاوت کا الزام دیا اور فوج طلب کی۔ باقاعدہ فوج کی ایک بڑی جمعیت ساسون کے علاقے میں آ پہنچی اور حمیدیہ رسالہ کی مدد سے بدنصیب دیہاتیوں کو تیغ و آتش کا لقمہ بنایا۔ گاؤں کے گاؤں جلا دئے۔ ہر ممکن سفاکی کے ساتھ مرد اور زن و بچہ سب کو قتل کر ڈالا[1] یورپ میں یہ خبریں وان کے انگریز نائب قنصل کی اطلاعوں کے ذریعے شائع ہوئیں اور انگلستان کے سفیر استنبول سر فلپ کری نے شد و مد سے احتجاج پر احتجاج کئے۔ لارڈ روز بری ان ناقابلِ بیان اور ناقابلِ قیاس مظالم" سے تھرا اُٹھا اور اُس نے تحقیقات کرنے اور مجرم عہدہ داروں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ سلطان کی اس علم سے

---

[1] ترکی مظالم کی داستانیں اب ہر تعلیم یافتہ شخص کی نظر میں ساقط الاعتبار قرار پا چکی ہیں۔ مصنف کا طرزِ بیان ہی اس کے تعصب اور مبالغہ کا گواہ ہے۔ مترجم

کہ دول مل کر کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، مگر ہمت مضبوط تھی۔ اس نے ایک مظلوم معصوم کے لہجے میں جواب دیا کہ بغاوت فرو کرنے میں کوئی ناواجبی سختی نہیں کی گئی ہے۔ "جس طرح دوسرے ملکوں میں شاہ کش (= نہلسٹ) اشتراکی اور حکومت شکن (= انارکسٹ) لوگ اس قسم کی بے جا رعایتیں اور امتیازات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، جو انھیں کسی طرح نہیں دیے جا سکتے، اور جس طرح ان کے خلاف کارروائیاں کرنی پڑتی ہیں، ٹھیک یہی کیفیت ارمنوں کی ہے" تحقیقات کی استدعا تو اس نے قبول کر لی لیکن اپنے نکتہ چینوں کو اچھی طرح جتا دیا کہ وہ کسی معافی وغیرہ مانگنے کا مطلق میلان نہیں رکھتا۔ برطانی قنصل کو قتل عام کے مقام پر جانے کی ممانعت کر دی گئی۔ مش کے مفتی نے سپاہیوں کو بھڑکایا تھا، اسے اور سردار فوج کو تمغہ عنایت ہوا بجالیکہ ایک عہدہ دار جس نے اعتراض کیا تھا، برطرف کر دیا گیا۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا کہ جماعت تحقیقات کا فرض "دار من ڈکیتوں کے مجرمانہ افعال کی تحقیق و تفتیش کرنا ہوگا" تو سر فلپ کری کو حکم پہنچا کہ روس و فرانس کے سفیروں سے استدعا کرے کہ وہ بھی سرکاری طور پر اس جماعت

مصنوعی تحقیقات

کے خلاف مظاہرہ کرنے میں شریک ہوں، جو سوائے ایک ڈھونگ کے اور کچھ نہ ہو سکتی تھی۔ ادھر سلطان کو اطلاع دی گئی کہ حکومت "برطانیہ اس تمام معاملے کے لئے مناسب کارروائی کرنے کی آزادی محفوظ رکھتی ہے"۔ تب سلطان اس حد تک دب گیا کہ اس نے برطانی قنصل کو بھی جماعت تحقیقات میں شریک کر لئے جانے کی اجازت دے دی۔ روز بری کی مجلس وزارت میں لارڈ کمبرلے وزیر خارجہ تھا اس نے دول سے استدعا کی کہ ارض روم کے روسی اور فرانسیسی قنصل شامل کئے جانے کی بھی تائید کریں کیونکہ انہی دو طاقتوں کے قایم مقام اس نواح میں متعین تھے۔ اس تجویز کو فرانس نے اس شرط پر مان لیا کہ سلطان اسے قبول کر لے اور روس بھی اس کے موافق تھا لیکن اس نے یہ صراحت کر دی کہ وہ اس سلسلے میں کوئی سیاسی سوال اٹھانے کے

خلاف ہے اور نہ میں کوئی دوسرا خیال نہیں رکھتا۔ آسٹریہ اور اطالیہ بے تامل مشترکہ استدعا کے ساتھ ہوگئیں اور جرمانیہ نے جواب دیا کہ ہر چند ہمیں اس معاملے سے محض بالواسطہ تعلق ہے تاہم سلطان کو ہم نے مشورہ دیا ہے کہ دول کے حسب منشا جماعت تحقیقات مقرر کردی جائے۔ جب یہ بات طے ہوگئی تو تجویز کی گئی کہ ہر قنصل، خود جانے کی بجائے اپنے قایم مقام بھیجدیں اور حکومت برطانیہ نے بادلِ ناخواستہ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی کو قبول کرلیا۔ جماعت تحقیقات کا پہلا اجلاس جنوری ۱۸۹۵ء میں ہوا اور اس سے ثابت ہوگیا کہ ترک تحقیقات کو بیکار و لایعنی شئے بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ترکی جماعت کے رو برو گواہوں کو ترک سرداروں پر الزام لگاتے ہوئے خوف آتا تھا، اور سرکاری گواہوں نے جو کہانیاں بیان کیں وہ اس موقع کے لئے گھڑلی گئی تھیں۔ سچی بات کے معلوم ہونے میں اتنی دشواریوں کے باوجود یہ پتہ چل گیا کہ ارمنوں نے حکومت کے خلاف بغاوت نہیں کی تھی اور یہ کہ ترکی سپاہی امن قایم رکھنے کی بجائے وحشیانہ تاخت کرنے میں کردوں سے مل گئے تھے۔

اب یہ حکومت برطانیہ کا کام تھا کہ ان مظالم کے دوبارہ نہ ہونے دینے کے وسائل و تدابیر اختراع کرے۔

برطانوی تجویز

سر فلپ کری نے ایک تجویز مرتب کی جس میں پانچ سال کے واسطے ایسے والی کے مقرر کئے جانے کا اشارہ تھا جس کا تقرر و عزل دول کی رضامندی سے ہوا کرے۔ نیز یہ کہ مبعوثین کی ایک مجلس بنائی جائے، مقامی عمّال باشندوں کی کثرتِ تعداد کے مناسب مسلمان و مسیحی مقرر کئے جائیں۔ ہر ولایت کے واسطے ایک عدالت قایم ہو جس میں دو رکن مسلمان اور دو عیسائی ہوں۔ فوجی پولیس مخلوط مرتب کیجائے اور آخری بات یہ کہ کردوں کی یورش اور جبراً خراج وصول کرنے کا سدّ باب کیا جائے۔ یہ بہت کھری تجویز تھی اور ترکی نے حسب دستور مکابرہ اور لیت و لعل شروع کی۔ سلطان نے سر فلپ سے کہدیا کہ ہمیں ان اصلاحات کی کوئی ضرورت نہیں نظر آتی۔ برطانوی حملوں کا جو ایک قدیم حلیف پر کئے

جار رہے تھے، شکوہ کیا اور ارمنوں کے بلا تحقیق قید میں پڑے ہونے کی تکذیب کی۔ اور تنبیہہ کی کہ اگر اسی طرح جھوٹی خبروں پر انگلستان والے اعتبار کئے گئے تو ہمارے دوستانہ تعلقات میں فرق آجائے گا۔ آخر میں سلطان نے یہ بھی بڑھادیا کہ ہماری مسلمان رعایا اس ضرر رسانی کو دیکھ کر چپ چاپ بیٹھی نہیں رہے گی جو ارمنوں کے ہاتھ سے اسے پہنچی ہے۔ لندن کے ترکی سفیر نے بے اعتنائی کے ساتھ لارڈ کمبرلے سے دریافت کیا کہ برطانیہ کس حق سے ترکی کے اندرونی معاملات میں دست اندازی کرسکتی ہے تو اسے عہد نامۂ برلن اور معاہدۂ قبرس یاد دلایا گیا۔

سلطان کی دوسری کارروائی یہ تھی کہ معاملات ارمنیہ کے واسطے ایک نظارت قایم کی اور برطانیہ کو لکھ بھیجا کہ وہ اپنی تجویز مرتب کرنے کی بجائے اس محکمے سے براہ راست خط کتابت کرے۔ لیکن ایشیائے کوچک میں ارمنوں پر جور وتعدی کے جاری رہنے سے روس و فرانس نے اپنے سفیروں کو ہدایت کی کہ وہ بھی انگریز سفیر کے ساتھ شریک ہو کر اسی یادداشت کی بنا پر ایک مفصل تجویز مرتب کریں۔ برطانیہ کی تحریک یہ تھی کہ تمام اعلے عہدے دول کے استصواب سے تفویض کئے جائیں مگر یہ نہ چل سکی۔ تاہم ارمنی کو جو تجویز باب عالی میں پیش کی گئی، اسکی چالیس دفعات میں، نظم ونسق، عدالت وخزانہ وغیرہ جملہ امور داخل تھے اور اتنی حاوی تھی کہ وہ سلطان کے موافق مذاق نہ ہوسکتی تھی۔ اس نے غور کرنے کے لئے مہلت طلب کی اور جرمانیہ سے امداد چاہی جس نے دخل دینے سے انکار کردیا۔ پھر چونکہ تازہ سفاکیوں کی خبریں بھی آئیں، لہذا برطانیہ نے مہینے کے ختم پر دول سے تقاضا کیا کہ وہ جواب لینے پر اصرار کریں۔ اور روسی سفیر کو تو اسی کے ساتھ یہ اطلاع بھی دے دی کہ مزید تاخیر کی صورت میں برطانیہ ”انسدادی تدابیر“ پر عمل پیرا ہوگی۔

کمبرلے کے ارادے تو بہت اچھے تھے مگر وہ کمان کے سرے کو بہت قریب تک کھینچ لایا تھا۔ ادھر روس میں گائرز کی بجائے شہزادہ لوبانوف وزیر خارجہ مقرر ہوا جسے ارمنوں سے کچھ دلچسپی نہ تھی اور

کمبرلے اور لوبانوف کی کشمکش

صراحتہً کہتا تھا کہ میں ارمنیہ میں دوسری بلغاریہ تیار کرنے کے موافق نہیں ہوں۔ یا تو اسے واقعی خوف تھا یا محض بناوٹ سے وہ یہ خوف ظاہر کرتا تھا کہ کہیں تمام ارمن قوم میں بغاوت نہ ہو جائے جس کے بیس لاکھ افراد خود سلطنت روس کی حدود میں آباد تھے۔ نظر برایں اس نے جواب دیا کہ ہم زبردستی کرنے میں مطلق شریک نہ ہوں گے۔ روس کے اس فیصلے سے قوی دل ہو کر سلطان نے قریب قریب تمام مجوزہ اصلاحات کو مسترد کر دیا۔ یعنی ارمن عمال کے نظم و نسق میں اضافہ کرنے کی تجویز تو قبول کر لی لیکن صدر ناظر، نظارت عامہ، والیوں کے عزل و نصب میں دول کے دخل، عدالت کی اصلاح، جنگی اور عام پولیس کے متعلق جو تجاویز کی گئی تھیں انھیں ماننے سے انکار کر دیا، اور مداخل و مصارف کی تجاویز پر کوئی اعتنا ہی نہ کی۔ جب یہ جواب پہنچا تو لوبانوف نے برطانی سفیر سے توضیح کر دی کہ میں اس تجویز اصلاحات کو حجت جنگ تو کبھی بھی نہیں سمجھتا تھا اور دوبارہ یہ کہہ کے کہ روس، سلطان پر زبردستی کرنے میں کوئی حصہ نہیں لے گا، اس نے یہ بھی جتا دیا کہ میں اس قسم کی نئی ولایت قایم ہو جانا جائز نہ رکھوں گا جس میں ارمنوں کو خاص امتیازات حاصل ہوں اور جو کسی ارمن مملکت کے ابتدائی خاکے کا کام دے۔ اب برطانی حکومت کو کسی طاقت کی تائید حاصل نہ رہی مگر اس پر بھی وہ باز نہ آئی اور ۱۹ جون کو کمبرلے نے تحریک کی کہ سلطان سے اڑتالیس گھنٹے کے اندر دریافت کر لیا جائے کہ اصلاحات کے متعلق اس کے ارادے کیا ہیں؟ روسی حکومت اس تحریک پر ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ روزبری کی وزارت کو مستعفی ہونا پڑا اور دوسرے دن روس نے تحریک مذکور کی ہمنوائی سے انکار لکھ بھیجا۔

سالسبری کی نئی وزارت میں، وزارت خارجہ کا عہدہ بھی خود اسی وزیر اعظم کے پاس رہا اور وہ ارمنوں کو ان کے ظالم حاکموں سے بچانے کا کمبرلے سے کم مشتاق نہ تھا۔ اسی کی ہمت دلانے سے گلیڈ اسٹون نے

سالسبری کی دھمکی ترکوں کو

اگست میں ترکوں کے خلاف ایک شرر انگیز تقریر کی اور ترکی سفیر کو بھی اس سے مطلع کر دیا کہ میں اپنے پیش رو کی حکمت عملی کا کامل موید ہوں[1] پھر جب سلطان نے جواب میں مجوزہ اصلاحات پر وہی اعتراض کئے جو پہلے لکھے تھے، تو سالسبری نے روسیوں سے استفسار کیا کہ وہ دباؤ ڈالنے میں کس حد تک انگریزوں کا ساتھ دیں گے۔ لوبانوف نے جواب دیا کہ جس حد تک کسی جدید اور خود اختیار ولایت کو قایم کرنے کا خیال نہ ہو، میں برطانیہ کے ساتھ اشتراک عمل کا خواہشمند ہوں۔ سالسبری نے کہا کہ ہمارا بھی یہ مقصد نہیں ہے بلکہ سوال تو صرف یہ ہے کہ عہدنامۂ برلن کی قرارداد کے مطابق کارگر نگرانی کس طرح قایم کی جائے۔ ۱۵ اگست کی ملکہ کی تقریر میں بھی اُن "ہولناک شدائد" کا تذکرہ تھا جن سے "یورپ کی مسیحی قوموں میں عموماً اور ہماری قوم میں خصوصاً آتش غیظ و غضب بھڑک اٹھی ہے"، اس خطبے پر نئے وزیر اعظم نے کہ اُسی وقت کوویس میں قیصر سے مل کر آرہا تھا، ترکی کو باضابطہ متنبہ کیا کہ "اگر نسلاً بعد نسل سلطنت عثمانیہ کے مختلف اقطاع سے تکلیف و مصیبت کی چیخیں بلند ہوتی رہیں تو مجھے یقین ہے کہ سلطان اس بات سے بے خبر نہیں رہ سکتا کہ غالباً کسی وقت میں یورپ اُن التجاؤں سے مجبور ہو جائے گا جو اس کی اعانت کے لئے کی جارہی ہیں۔ اگر سلطان دول یورپ کی وہ مدد لینے یا نصیحت سننے سے ابا کرتا رہا جو اس کی سلطنت کی ایسی کمزوری اور خرابی دور کرنے کے لئے دی جاتی ہیں، جن سے بالآخر ساری سلطنت تہ و بالا ہو جائے گی، تو وہ بڑی المناک خطا کا مرتکب ہوگا اور کوئی عہدنامہ یا خالی ہمدردی اس شدید نقصان کو نہ روک سکے گی"۔ مگر ان دھمکیوں سے سلطان ٹس سے مس بھی نہ ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ برطانیہ تنہا تھی۔

---

[1] جی، ڈبلیو، ای، رسل کی کتاب "لائف اوف کنین میک کول"، باب ہشتم میں اس کے متعلق سالسبری اور گلیڈاسٹون کی ایک خاص دلچسپ خط و کتابت موجود ہے۔

برطانیہ کا تنہا رہ جانا۔

۱۱ ستمبر ہی کو زار نے ہوہن لوہی سے صاف کہدیا کہ میں ارمنیہ کا قضیہ سنتے سنتے اکتا گیا ہوں[1]۔ روس اب دباؤ ڈالنے میں تائید کرنے سے فقط الگ نہ تھا بلکہ اس منزل سے گزر کر اب وہ کسی دوسرے کو کارروائی کرنے سے بھی مانع آتا تھا چنانچہ لوبانوف نے صراحۃً کہا کہ میں اور زار کسی ایک یا سب طاقتوں کے سلطان پر جبر کرنے کے شدت سے خلاف ہیں۔ اس تنبیہ میں خود سلطان کے یہ اشارہ کرنے سے کہ اگر برطانیہ اڑی رہی کہ اصلاحات دول یورپ کی زیر نگرانی نافذ ہوں، تو میں اپنے تمام معاملات روس کے تفویض کردوں گا، مزید قوت آگئی۔ اور اُس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ دوسرا کام یہ کیا کہ ایک جوابی تجویز شایع کی جس میں وہ مراعات بھی منسوخ کردیں جو پہلے دی گئی تھیں اور سارا نظم ونسق مسلمانوں سے مخصوص کردیا۔

جب لوبانوف کو یقین ہوا کہ حکومت برطانیہ ارمنیہ کی کوئی جدید ریاست قایم کرنا نہیں چاہتی اور نہ (تنہا) دباؤ ڈالنے کا قصد رکھتی ہے تو وہ چند معتدل تجاویز کی تائید پر رضامند ہوگیا جن کے نفاذ کی کوئی توقع کی جاسکتی تھی۔ سلطان نے یورپ کی نگرانی ماننے سے تو انکار کردیا تھا، لہذا سالسبری نے ایک مخلوط نظارت تجسس کی تجویز کی جس میں تین یورپی رکن ہوں، تب روس نے سلطان کو اختیار دیا کہ وہ اس نظارت کو قبول کرلے اور یا مئی کی پیش کردہ تجاویز کی اصولی دفعات تسلیم کرلے۔ فرانس نے فرماں بردارانہ انداز سے روس کی پیروی کی۔ اور سلطان عبدالحمید خاں نے فرنگی نگرانوں کی موجودگی کی نسبت کاغذی تجاویز ہی کو قبول کرلینا بہتر سمجھا اور ۱۷ اکتوبر کو ایک فرمان سلطانی نے ان تجاویز کو شرف قبولیت سے مشرف کیا۔ کاغذ پر اس تسلیم کے کامل ہونے میں کوئی کسر نہ رہی تھی لیکن اس کے بعد ہی وہ قتل عام وقوع میں آیا جو اُن مظالم سے جنھوں نے گزشتہ سال دول یورپ کو جنبش دے دی تھی، کہیں زیادہ

[1] ہوہن لوہی: "ڈینک ورڈیگ کائٹین" جلد دوم

مقتل عظیم ہولناک تھا۔ مسیحیوں کا اتنا بڑا قتل عام صدیوں سے کہیں نہ ہوا تھا جتنا ۳۰ اکتوبر کے دن استنبول میں ہوا۔ یہ لوگ حکومت کے پاس عرضی لے کر جلوس کی صورت میں جا رہے تھے کہ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا۔ طرابزون، ارض روم، بطلس، خارپت، دیاربکر، سیواس، عین تاب، مرعش اور سب سے بڑھ کر عرفا میں جہاں تین ہزار زن و مرد و اطفال ایک کلیسا میں جلا دئے گئے۔ وسیع پیمانے پر قتل عام ہوا۔ تفصیلی اطلاعوں نے اس امر میں شبہ کی گنجایش نہیں چھوڑی کہ اس جنگ آرائی کی باقاعدہ تنظیم کی گئی تھی اکثر بوق کی آواز پر خونریزی کا آغاز و اختتام ہوا۔ سپاہیوں نے قتل و خون میں حصہ لیا، حکام نے یا تو شہ دی اور یا اس ظلم و سفاکی کا بیٹھے تماشا دیکھتے رہے اور یہ کہ دول خارجہ کی رعایا کے کسی فرد کو ضرر نہیں پہنچایا گیا۔ گویا سلطان حیلہ تو یہ کرتا رہا کہ دول کی رائے پر چلے گا مگر حقیقت میں اس نے مسئلہ ارمنیہ کو مشرق کے قدیم اصول کے مطابق حل کرنے کی ہمت دلائی یا غالباً خود ہدایت کی۔ اور جبر کرنے کی برطانی تجویز کو روسیوں کے منسوخ کر دینے کے معنی یہ تھے کہ انھوں نے ترکوں کی لاکھوں مسیحی رعایا کے فتوئی قتل پر، جن کے لئے ۱۸۷۷ء میں جنگ کی تھی، خود دستخط کر دئے۔

جس وقت پچیس ہزار ارمن، شمشیر و آتش، عقوبت دغرقابی، عصمت دری و فاقہ کشی اور سردی سے ہلاک ہو رہے تھے، سالسبری نے باب عالی سے شد و مد کے ساتھ معارضہ کیا۔ وہاں سے جواب ملا کہ ارمنوں کی باغیانہ تحریک اور دول کے مسیحیوں کی پشت پناہی کرنے سے سلطان کی اسلامی رعایا کو سخت اشتعال پہنچا اور پھر بھی جہاں کہیں کشت و خون ہوا، ابتدا ارمنوں ہی کی جانب سے ہوئی اور یہ کہ حکومت قیام امن کی کوشش میں برابر مصروف ہے۔ پھر اسی مفروضہ بغاوت کو منظور شدہ اصلاحات کے نافذ نہ کرنے کا حیلہ قرار دے کر سلطان نے برطانیہ سے استدعا کی کہ وہ ارمنوں کو شورش سے احتراز کرنے کی نصیحت کرے اور سلطان ممدوح کو یہ موقع

تو دے کہ وہ اصلاحات کو نافذ کر سکے جو امن و امان قائم ہوئے بغیر عمل میں نہیں آسکتیں" دول یورپ نے دردانیال میں جنگی جہاز بھیج دینے پر قناعت کی کہ اپنے ملک کی رعایا کی حفاظت کریں۔ لوبانوف نے تحریک کی کہ سلطان کو امن قایم کرنے کی مہلت دی جائے اور وکالت کی کہ "ترکی معاملات میں اس وقت جہاں تک ممکن ہو کم دخل دیا جائے" آسٹریہ کے وزیر خارجہ گلوکوسکی نے بھی جو کالنوکی کی بجائے مقرر ہوا تھا ایسی ہی بے رحمی کے ساتھ صاف کہہ دیا کہ برطانیہ جس جبر و زبردستی کو مناسب جانتی ہے، واقعی حالات کے اعتبار سے ان تجاویز پر غور کرنے تک کی ضرورت نہیں پائی جاتی" گلڈہال کی ۹/ نومبر کی ضیافت کے موقع پر سالسبری نے علانیہ کہہ دیا کہ مجھے اصلاحات کے نافذ ہونے کا مطلق یقین نہیں ہے اور گذشتہ گرمیوں کی طرح پھر تہدید و تنبیہہ کی۔ لیکن سلطان عبدالحمید سب پر چیرہ دست ہو گیا تھا۔ وہ مزے سے اپنے ظالمانہ مقاصد کو آہستہ آہستہ پورا کرتا رہا اور اس میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہوئی۔ انگریز سفیر نے کمال جانفشانی سے دوسرے سفیروں میں بھی گرمی پیدا کرنے کی جدوجہد کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ دنیائے مسیحیت، ۱۸۹۵ء میں باہمی نفاق و بے حسی کی بدولت اسی طرح مفلوج و معطل ہو رہی تھی جیسی ۱۴۵۳ء میں (= اسلامی فتح استنبول کے وقت) اور اس کا خمیازہ ایک ہنرمند و مسکین قوم کو بھگتنا پڑا۔ کیونکہ گو انقلاب جو ارمنوں نے بعض شہروں میں خفیہ انجمنیں قایم کر لی تھیں، تاہم ان کے اکثر ہم وطنوں کو ان سے سخت نفرت تھی۔ وہ نہتے ہونے کے علاوہ، اپنی کمزوری کو بخوبی جانتے تھے اور بغاوت کی جوکھوں مول لینا نہ چاہتے تھے۔

۱۸۹۵ء کے اواخر میں قتل و استیصال کی یہ ہنگامہ آرائی تھوڑی دیر کے لئے روک دی گئی لیکن اس وقفے سے بھی آیندہ مظالم کے سدباب کی تدبیر کرنے کا کام نہیں لیا گیا۔

لوبانوف کی تائید لوبانوف نے ڈھٹائی سے اعلان کیا کہ مجھے سلطان کے حسن نیت پر جو بھروسہ ہے، اس کے زائل ہونے کی

کوئی وجہ نہیں نظر آتی۔ بحالیکہ سلطان اصلاح کے لئے جو کچھ ہو سکتا ہے اس میں کمی نہیں کر رہا ہے۔ نظر بریں ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اسے نفاذ اصلاحات کے دشوار کام میں مدد دی جائے، یعنی اسے ضروری مہلت حاصل ہو اور رعایا میں اس کے سطوت و اقتدار کو افزوں کیا جائے۔" بزدل گلوکوسکی یہ اعتراف تو کرتا تھا کہ سلطان اس قتل عام کو جب چاہے، روک سکتا ہے لیکن روسی وزیر خارجہ کی طرح جما ہوا تھا کہ مشرقی قضیئے کو چھیڑا نہ جائے۔ رہی جرمانیہ، اس نے کبھی جھوٹوں بھی پروا نہیں کی تھی کہ سلطان کی مسیحی رعایا پر کیا گزر رہی ہے۔ فرانس اپنے حلیف (روس) کا مقلد تھا اور اطالیہ اگرچہ اتنی سنگدل نہ تھی مگر کسی شمار قطار میں نہ تھی۔ ولایات متحدہ (امریکہ) کا ملک برطانیہ کے طیش و ہمدردی میں حصہ دار تھا اور مظلومین ارمنیہ کی امداد و دستگیری میں دل کھول کے مدد دے رہا تھا، لیکن نہ وہ عہد نامہ برلن کے دستخط کرنے والوں میں شامل تھا اور نہ یورپی معاملات کی الجھنوں میں پھنسنا چاہتا تھا۔ مختصر یہ کہ سالسبری تن تنہا ترکی کا مخالف رہ گیا جس طرح پہلے اس کا پیش رو گلیڈ سٹون رہ گیا تھا۔ اور یورپ میں آتش جنگ بھڑک اٹھنے کے صریحی اندیشے کی بنا پر وہ سوائے اس کے کچھ نہ کر سکا کہ سلطان سے مکابرہ و معارضہ کرتا رہے۔ ۱۸۹۶ء میں پارلیمنٹ کا نیا اجلاس شروع ہوا تو ملکہ کی افتتاحی تقریر میں بھی سوائے اس تذکرے کے اور کچھ نہ تھا کہ سلطان نے خاص خاص اصلاحات کو قبول کر لیا نیز یہ تاسف ظاہر کیا تھا کہ "ترکی آبادی کے ایک حصے میں جوش مذہبی حد سے تجاوز کر گیا اور اس کا نتیجہ وہ مسلسل قتل عام تھے جن سے انگلستان میں سخت طیش و ناراضی پیدا ہو گئی" تقریر میں سرکاری مراسلات اور اطلاعات کو شایع کرنے کا بھی وعدہ کیا گیا تھا۔

دنیائے مسیحیت کی اس بے حسی سے ارمن انقلاب سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا اور استنبول کے سفارت خانوں کو خبر دار کر دیا کہ اگر قتل عام کا سلسلہ نہ رکا اور اصلاحات نافذ نہ کر دی گئیں، تو ہم فتنہ و فساد برپا

استنبول کا قتل عام

کردوں سے گئے۔ فصل ربیع نے بڑھ کر تابستان میں قدم رکھا تھا کہ ایک جرگے نے غلطہ کے عثمانی بینک پر قبضہ کر لیا (۲۶ اگست) یہ لوگ مورچے باندھ کے اندر بیٹھ گئے کہ شاید یورپ کی بے توجہی اسی تدبیر سے دور کی جاسکے اور وہاں کچھ تو ہل چل ہو جائے۔ روسی مہتمم سفارت خانہ نے انھیں سمجھا بجھا کے اور حفاظت کا وعدہ کر کے بینک چھوڑ دینے پر آمادہ کر لیا اور انھیں جلدی سے جہاز پر بٹھا کے روانہ کر دیا لیکن اس مجنونانہ اور مجرمانہ فعل سے سلطان کو از سر نو وار کرنے کا وہ حیلہ مل گیا جس کی اسے ضرورت تھی۔ ارمنوں کے اس بلوے کی اطلاع حکام تک پہلے سے پہنچ گئی تھی اور انھوں نے کردوں اور شہر کے ادنے طبقوں کو ڈنڈوں اور چھریوں سے مسلح کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ادھر بینک پر حملہ ہوا اور ادھر خونیوں کی فوج چھوٹی اور دو دن تک دار الخلافت میں خون کی ندیاں بہتی رہیں دوسرے دن تیسرے پہر کو برطانی عامل نے سلطان کو مطلع کیا کہ ہم اپنے بحری جوان شہر میں اتارتے ہیں اور دوسرے سفیروں نے مشترکہ یادداشت پیش کی۔ اس پر کشت و خون کا سلسلہ تو اسی وقت موقوف ہو گیا البتہ کہیں کہیں ناگہانی قتل کی وارداتیں ہوتی رہیں اس قتل عام میں چھ سات ہزار ارمن روز روشن میں دار الخلافت کے گلی کوچوں میں اور سفیروں کی نظر کے سامنے چھریاں بھونک کے یا ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کے ہلاک کر دیے گئے اور اس نے ایشیائے کوچک کے بزرگ تر مقاتل سے کہیں زیادہ یورپ میں ہل چل ڈالی۔ عام طور پر فرنگی اور ترک دونوں باور کرتے تھے کہ دول کے جہاز گھن گھن کرتے دار الخلافت کے سامنے آجائیں گے اور سلطان کو معزول کر دیں گے۔ لیکن اس سے زیادہ کوئی ہولناک شے وقوع میں نہ آئی کہ چند روز بعد سلطان کی سالگرہ کے موقع پر سفیروں نے چراغاں کرنے سے ابا کیا۔

نہ صرف ترکوں کی سفاکی بلکہ اپنی وسیع و قوی سلطنت کی بے بسی دیکھ کر انگریزوں نے بہت پیچ و تاب کھایا کیٔ مسلسل اور ولولہ انگیز قطعات

انگلستان کا دانت پیس پیس کے رہ جانا

میں ولیم واٹسن نے سلطان عبد الحمید خاں کو خوب بانی بی بی کے کوسنے دئے اور سب لا فانیوں سے بڑھ کر لا فانی مردود، وغیرہ الفاظ میں سب وشتم کیا۔ گلیڈ اسٹون، ستاسی برس کی عمر میں کنج عزلت سے باہر نکل آیا اور لورپول کی تقریر میں "اُس خونی اعظم" کی انتہائی جوش وخروش کے ساتھ تضحیت کی اور سرفلپ کری کو استنبول سے بلا لینے اور ترکی سفیر کو لندن سے نکال دینے کی وکالت کی۔ یہ شروفساد واقع ہو چکا تو چھوٹوں سفیروں نے مل کر یادداشت پیش کی اور قتل عام میں خود حکام کی تنظیم ونگرانی کی شہادتیں لکھ کر، تحقیقات اور سزادہی کا مطالبہ کیا۔ باب عالی نے قدرتی طور پر اس الزام کی کہ بلوہ حکومت کے اشارے سے ہوا، تکذیب کی اور ایک عدالت نے، جو بلوے کے متعلق تحقیق اور فیصلہ کرنے کی غرض سے قایم کی گئی تھی، ارمنوں کو سزائیں دیں اور ان کے قاتلوں کو آزاد و رہا کر دیا۔ دار الخلافت میں جنون مذہبی کے اس دھماکے کی گونج ایشیائے کوچک کے ہر حصہ میں پیدا ہوئی اور نئے حملوں نے انتقام کا اشتعال دلایا۔ جب ارمن نے تھپیڑ کھاکے دوسرا گال سامنے کرنے سے ابا کیا، سلطان نے لئے گویا دول کے علی الرغم کارروائی کرنے کا حیلہ بہم پہنچایا۔ بوسفورس کے اس غسل خونیں کے ایک ماہ کے بعد سلطان نے سفیروں کو جواب دیا کہ ارمنوں کو دولت عثمانیہ میں جس قدر حقوق ومراعات حاصل ہیں، دوسرے ممالک کی محکوم رعایا کو میسر نہیں ہیں، مگر وہ ہماری منظور کردہ اصلاحات کے خواہاں نہیں بلکہ خود مختاری چاہتے ہیں جسے میں کسی طرح نہیں مان سکتا اور نہ دول اس کو جائز رکھیں گی۔ مراسلے کے آخر میں دول سے خواہش کی گئی تھی کہ وہ اپنے ملک سے فتنہ انگیز ارمنوں کو نکال دیں۔ لیکن رسل ورسائل میں باب عالی کی یہ شوخ چشمی بھی دول کو برانگیختہ کرنے میں ویسی ہی بیکار ثابت ہوئی جیسے کہ قتل عام ثابت ہوئے تھے۔ بلکہ ۶ ستمبر کو زار کی برسلاؤ میں ہوہن لوہی سے ملاقات ہوئی تو اُس نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس تمام فساد کا بانی مبانی انگلستان ہے

اور یہ بھی بڑھا دیا کہ گو میں انگلستان اور انگریزوں کو بہت چاہتا ہوں لیکن ان کی حکمت علمی پر مجھے اعتماد نہیں ہے[۱]۔ انگلستان میں سالسبری کو ترکوں کے مظالم سے گلیڈاسٹون کی نسبت شاید ہی کچھ کم تنفر ہوگا لیکن وہ اس ظلم کو بڑھا کر اس سے بھی زیادہ ہولناک مصیبت یعنی جنگ یورپ کو بپا کرا دینے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اس طرز عمل سے لارڈ روز بری نے اپنی اڈن برا والی ۹ اکتوبر کی تقریر میں، جو گلیڈاسٹون کی لورپول کی تقریر کے جواب میں تھی، تائید و تصویب کی اور آزاد خیال فرقے کی سرگروہی سے مستعفی ہوگیا۔ اس نے کہا کہ "مشرق کے معاملات میں تنہا دخل دینے کی حکمت علمی کی میں پوری قوت کے ساتھ مخالفت کرنے پر تیار ہوں۔ مسٹر گلیڈاسٹون جنگ یورپ کا جو ذکر کرتے ہیں وہ نرا وہم نہیں ہے۔ بلکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ یورپ کی تمام یا تقریباً تمام بڑی طاقتیں آپس میں حتمی طور پر طے کر چکی ہیں کہ انگلستان تنہا مداخلت کرے گا تو وہ بزور شمشیر اسے روکیں گی۔ غرض سب سے الگ ہوکر کام کرنا ایک یورپی جنگ کے مرادف ہے۔ مسئلہ مشرقیہ میں ہاتھ ڈالنے کی صورت تمھارے لئے ہے تو صرف یہی کہ تمام دول مل کر کام کریں"[۲]

عہدنامہ برلن کے بعد کے ان اٹھارہ سال نے سالسبری اور اس کے اکثر اہل وطن کو پورا یقین دلا دیا کہ روس کے مقابلے میں انھوں نے جو ترکی کی حمایت کی وہ "ایک غلط گھوڑے پر بازی لگانا تھا"۔ ترکی نے اپنی

سالسبری کا اعتراف قصور

اصلاح نہیں کی اور دول نے اسے نہ تو اپنے وعدے پورا کرنے پر مجبور کیا اور نہ برطانیہ کو اجازت دی کہ وہ اس فرض کو، جس سے دول پہلو بچاتی تھیں، خود انجام دے۔ انگریزوں کے اعتراضات نے سلطان کو سخت برہم

---

[۱] ہوہن لوہی کی کتاب محولہ بالا۔ جلد دوم

[۲] کوکس نے یہ تقریر " لائف اینڈ اسپیچز آف لارڈ روز بری" میں دوبارہ چھاپ دی ہے۔ جلد دوم باب ۳۰۔

کیا اور ان کی تہدید سے اس کے دل میں الٹی اُن کی بے وقعتی جاگزیں ہوئی۔ انگریز ارمنوں کو تو بچا نہ سکے بلکہ جو کچھ برا بھلا رسوخ استنبول میں رکھتے تھے، اسے بھی کھو بیٹھے، روس کو سنہ ۱۸۹۶ء میں ترکوں سے شروع کی نسبت کچھ زیادہ الفت نہ ہو گئی تھی لیکن اب اس کی آنکھیں بحرالکاہل کی طرف لگی ہوئی تھیں اور وہ کسی دوسری ناشکر گزار مسیحی قوم کی خاطر خون بہانے کی نیت نہ رکھتا تھا۔ دوسرے وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ اصلاحات کے ذریعے ترکی تازہ قوت بہم پہنچالے کہ آگے چل کر روس کی اصلی ہوس ملک ستانی کی مزاحمت زیادہ سخت ہو جائے۔ نیز آخری سبب اسے سمجھنا چاہیئے کہ روس خوش تھا کہ اپنے رقیب سے بدلہ لینے کا موقع ملا۔ یعنی جس وقت الگزنڈر ثانی نے سلطان کی مسیحی رعایا کو آزاد کرانا چاہا تو بیکنس فیلڈ نے رکاوٹ ڈالی تھی۔ لہٰذا اب جو گلیڈسٹون اور سالسبری ان مسیحیوں کے سرپرست و حامی بنے تو روس کی باری تھی کہ وہ ان کی نہ چلنے دے۔ روس و انگلستان کی کشمکش جو جنگ کریمیا سے شروع ہوئی، ابھی تک جاری تھی اور جس طرح پہلے مقدونی عیسائیوں پر گزری تھی، اب ایک عالمگیر عناد باہمی پر سے ارمن تصدق کر دیے گئے۔ سلطان کو پتہ چل گیا کہ وہ اپنے گھر میں جو چاہے کر سکتا ہے اور برطانی دوستی زائل ہونے کی کہیں بہتر تلافی اس طرح ہو گئی کہ اُس نے قیصر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا جس نے مصافحے کے واسطے خود سبقت کی تھی۔

(۲)

مسئلہ کریت

عبدالحمید برطانیہ سے کشتی میں ور رہا۔ باقاعدہ قتل عام کا سلسلہ تو موقوف ہو گیا لیکن حکومت کی وہ خرابیاں جن سے ارمن اور دوسری مسیحی رعایا کو سخت آزار پہنچا تھا، بدستور موجود رہیں، اور ان کی روک ٹوک ایک طرف شاید کوئی اس طرف اعتنا بھی نہ کرتا تھا۔ اس کے برعکس کریت میں ایک مسیحی آبادی کی، جنگ کے جوکھوں

---

[1] دیکھو ڈبلیو ملر: "دی اوٹومن امپائر" باب ۱۸- وغیرہ وغیرہ

میں پڑے بغیر انگلو خلاصی کرانے میں سالسبری کامیاب ہوگیا اور دول یورپ کی ایشیائے کوچک کے خون آلود رفیع میدانوں میں جو توقیر برباد ہو لی تھی، وہ کسی حد تک پھر ہاتھ آگئی۔ اور اس کامیابی کا سبب کچھ تو کریت کا محل وقوع تھا اور کچھ یہ ہوا کہ روس نے سالسبری سے اشتراک عمل کیا۔

حلفہ کے مفاہمت نامے کے بعد دس برس تک اہل کریت یونانی والیوں کے ماتحت خاموشی سے زندگی بسر کرتے رہے لیکن ۱۸۸۹ء میں وہاں کے "آزاد خیال" اور قدامت پسند" گروہ کی شدید نزاع نے خلفشار پیدا کردیا اوّل الذکر گروہ انتخابات میں بہت کثیر تعداد سے غالب آیا اور اس نے قدامت پسند گروہ کے لوگوں کو سرکاری ملازمت سے علیحدہ کردیا تو قدامت پسندوں نے ایک تحریک پیش کی کہ جزیرے کو یونان کے ساتھ ملحق کردیا جائے جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے حریف پریشان ہوں۔ یونان کے وزیراعظم ٹری کوپیس نے ایتھنز سے کوشش کی اس شورش کی روک تھام کیا جائے لیکن لفظ الحاق نے قومی دشمنی کو تازہ کردیا اور مسیحی مسیحی کی کشاکش نے مسلم و مسیحی کی شدید جنگ کا پیرایہ اختیار کرلیا۔ استنبول سے ایک ترک ناظر بھیجا گیا۔ لیکن روپے اور تنبیہ و تہدید کوئی چیز بھی طوفان کو روکنے میں کارگر نہ ہوئی۔ دیہات جلائے گئے، مسلمان دیہاتی ساحلی قصبوں میں آ بھرے اور مسیحی پناہ گزین بھاگ بھاگ کے ایتھنز آئے، تھوڑی سی ترکی فوج بھیجی گئی اور ٹری کوپیس نے دول سے مداخلت کی درخواست کی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ایک فرمان شاہی شایع ہوا جو عملاً حلفہ کی مفاہمت کا ناسخ تھا اور اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ اندرونی اضلاع سے جنگی پولیس بھرتی کی جائے گی اور سرکاری عہدوں کے لئے ان امیدواروں کا حق فائق ہوگا جو ترکی بولتے ہوں، شورش فرو کردی گئی۔ تین مسلمان والی یکے بعد دیگرے جزیرے پر حکومت کرتے رہے اور مجلس وضع قوانین کا انعقاد موقوف ہوگیا۔

ثانی مسیحی اور مسلمان ۱۸۹۴ء میں از سر نو شورش و فساد برپا ہوا اور ۱۸۹۵ء میں فرو ہوا تب ایک مسیحی والی کا تقرر عمل میں آیا جس پر مسلمانوں نے فریاد کی اور اس کا جانشین

ایک مسلمان کو بنایا گیا۔ سارے برس یہ نزاع جاری رہی اور ۲۴ مئی ۱۸۹۶ء کے دن قنیہ کے کوچہ و بازار میں باہمی جنگ و جدال کی آگ بھڑک اٹھی۔ ٹرکی کو پہیں نے جو مشورہ سات برس پہلے دیا تھا، سالسبری نے اب اس پر عمل شروع کیا اور کریت کے مسیحیوں کے مطالبات دول مجتمعہ کے سامنے پیش کئے زیادہ تر برطانی حکومت کی جدوجہد ہی کی بدولت ترکی نے ایک قرارداد کو قبول کر لیا جس سے حلفہ کے مفاہمت نامے کی تجدید ہوئی اور سطے پایا کہ جزیرے میں پانچ سال کے لئے مسیحی والی دول کے استصواب سے مقرر ہوا کرے گا۔ دو تہائی عہدے مسیحیوں کے واسطے مخصوص کر دئے گئے۔ دو سالہ مجلس مبعوثین قایم کرنے اور اس کے چھ مہینے میں اجلاس کرنیکا فیصلہ ہوا اور یہ کہ فرنگی ماہرین کی ایک جماعت جنگی پولیس کی جدید تنظیم کرے اور قانون دان فرنگیوں کی ایک اور جماعت عدالتوں کی اصلاح کرے۔ یہ سب تجویزیں کاغذ پر تو بہت اچھی اور قابل اطمینان تھیں، لیکن ان پر عمل کرنے کے لئے جسقدر ارادے کی ضرورت تھی، وہ موجود نہ تھا۔ سلطان نے ایک مسیحی والی کا انتخاب کیا مگر پہلا مسلمان والی، جزیرے میں بالادست حاکم اور سپہ سالار کی حیثیت سے بحال رہا۔ پھر جنگی پولیس کی تنظیم میں اتنی دیر لگی کہ شکوک پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے اصلاحات کی مخالفت کی اور ۴ فروری ۱۸۹۷ء کو قنیہ میں قابو سے باہر ہو گئے۔ عیسائی محلے کے ایک بڑے حصے میں آگ لگا دی اور خانہ جنگی کے شعلوں نے سارے جزیرے کو لپیٹ لیا۔ عیسائیوں نے یونان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا اور دو دن بعد شاہ یونان کا منجھلا بیٹا

یونان کی دست اندازی

جورج سفائن حراقہ لے کر دوڑ پڑا کہ ترکی کمک کو جزیرے پر اترنے سے باز رکھے دول کے نام مراسلے میں دلیل یہ دی گئی کہ تازہ ترکی فوجوں کے آنے سے اور بھی شدائد و مظالم کا ہونا یقینی ہے لہذا یونانی حکومت نے اسے روکنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ خود کریت والے یونان سے الحاق کے خواہاں ہیں اور حقیقت میں یہ عقدہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ چند روز

گزرے تھے کہ کرنل واسوس نے پندرہ سو جوان قنیہ کے مغرب میں اُتار دیئے کہ جزیرۂ کریت پر شاہ یونان کی طرف سے قبضہ کر لیں اور اعلان شائع کیا کہ میں امن و قانون لے کر آیا ہوں۔ محتاط ٹرکوپیس مر چکا تھا اور آتش مزاج ڈلیانیس کا دوبارہ دور دورہ تھا۔ مزید برآں پناہ گزینوں پر یونان کا بہت سا روپیہ خرچ ہوا تھا لہٰذا دست اندازی کی خواہش مسترد نہ کی جاسکتی تھی۔ ممالک بلقان کے تاجداروں کے تخت کا غیر محفوظ ہونا ضرب المثل ہے اور دور اندیش جورج اپنی اشتعال پذیر رعایا کے ارادے میں خلل ڈال کر اپنے تاج کو جوکھوں میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

یورپ کی پانچ طاقتوں کے جہاز کریت کے سمندروں میں موجود تھے۔ یونانیوں کے اچانک حملے سے انہیں حیرت ہوئی اور بہت جز بز ہو کر انھوں نے اپنے امرائے بحر کو تار دیا کہ قنیہ پر خود قبضہ کر لیں۔ گلوکوسکی نے تحریک کی کہ جزیرے کی بحری ناکہ بندی کر کے مسیحیوں اور مسلمانوں کو چھوڑ دیا جائے کہ لڑ کر خود جھگڑا چکا لیں اور استنبول یا ایتھنز سے کوئی مدد نہ پہنچنے دی جائے۔ لیکن سالسبری نے استیصال باہمی کی جنگ بھڑکانی منظور نہیں کی۔ شہزادہ جورج نے امرائے بحر کا حکم مان لیا اور اپنی کشتیوں کا بیڑا ہٹا لایا مگر واسوس نے ایک ترکی قلعے پر حملہ کیا اور اس پر قابض ہو گیا۔ امرائے بحر نے خبردار کر دیا کہ قنیہ یا دوسرے شہروں پر جو ان کے قبضے میں تھے، حملہ نہ ہونے پائے مگر واسوس نے جواب دیا کہ مجھے کریت پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور میں ان احکام کے مطابق عمل کروں گا۔ ترکی فوج پر اس کے حملہ کو جہازوں کی گولہ باری سے روکا گیا اور جب اس مراسلے کا بھی، کہ اگر یونانی فوجیں اور جہاز جزیرے سے ہٹا لئے جائیں تو کریت کو حکومت خود اختیاری مل جائے گی، کوئی نتیجہ نہ نکلا تو دول کے جہازوں نے جزیرے کی ناکہ بندی کر لی اور خلیج سودا سے پھر باغیوں پر گولے برسائے۔

اب سلطان کریت میں فوج نہ بھیج سکتا تھا، لہٰذا اس نے سرحد یونان

پر فوج مجتمع کی۔ دول یورپ اس پر تو متفق تھیں کہ لڑائی کو روکا جائے مگر آسٹریہ اور جرمانیہ تو چاہتی تھیں کہ یونان کو مجبور کیا جائے کہ وہ اسوس کو کریت سے واپس طلب کرے اور برطانیہ اڑی ہوئی تھی کہ پہلے جزیرے کے مستقبل کا فیصلہ کر لیا جائے پھر دباؤ وغیرہ ڈالا جائے۔ لوبانوف کے مرجانے کے باعث روس بھی اب اصلاح کے راستے میں حائل نہ تھا اور ملکۂ یونان روس کی شہزادی تھی۔ غرض ۲ مارچ کو دول نے ایتھنز و استنبول میں جو مراسلے وہاں کی حکومتوں کے حوالے کیے، وہ سالسبری کی عین فیروزمندی تھی[1]

کریت کی آزادی

بادشاہ جورج کو تو اطلاع دی گئی کہ کریت کا یونان سے الحاق نہیں کیا جا سکتا مگر اسے مقامی طور پر کامل آزادی عطا کردی جائے گی اور اس کے عوض میں یونان اپنے جہاز اور فوجیں چھ دن کے اندر وہاں سے ہٹا لے، ورنہ دول انھیں نکال دیں گی۔ اور باب عالی والے مراسلے میں کریت کے لئے کامل آزادی کا مطالبہ اور یہ وعدہ تحریر تھا کہ اسے یونان کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ سلطان کو بجز قبول کر لینے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ البتہ یونانیوں نے قوت کے زعم اور خوشی کے نشہ اور جوش میں فوج ہٹانے سے انکار کر دیا۔ یہ خیال کہ انھیں کو جنگی پولیس کی ابتدائی جمعیت بنا لیا جائے سالسبری کے تو حسب دلخواہ تھا مگر مسترد کر دیا گیا۔ حکومت یونان کے کریت خالی کرنے سے انکار پر ایتھنز کے عوام نے خوشی کے نعرے لگائے مگر دول کو غصہ آیا اور ہر ایک نے چھ چھ سو جوان جزیرے میں اتار دئے۔ سخت ناکہ بندی کی گئی امرائے بحر نے باشندوں کو خبردار کیا کہ دول نے کامل آزادی کا فیصلہ کر لیا ہے جو کسی طرح بدل نہیں سکتا اور انھیں حکم دیا کہ ہتھیار ڈال دو۔ لیکن اس اعلان کا کوئی اثر نہیں ہوا کیونکہ کریت

[1] یونان کا بلا اطلاع دوسرے کے علاقے پر حملہ کر دینا جملہ قوانین و اخلاق کے خلاف ایک قزاقانہ فعل تھا۔ لیکن فاضل مصنف اس پر نفرین کرنے کی بجائے ستائش کرتا ہے۔ مترجم

والے اتحاد و الحاق چاہتے تھے نہ کہ آزادی۔

اس عرصے میں یونان و ترکی تھسالیہ کی سرحد پر بہت سی فوجیں جمع کر چکے تھے۔ سلطان کو طبعی طور پر خواہش تھی کہ یونانیوں کی گوشمالی کی جائے بایں ہمہ وہ ایسی جنگ چھیڑنے کا بہت مشتاق نہ تھا جس کی نسبت اسے معلوم تھا کہ اس میں ملک پر قبضہ کرنے کی اسے اجازت نہ دی جائے گی۔ اس کے برخلاف یونانی، جنگ آزادی کے زمانے سے اب تک ترکوں سے نہیں لڑے تھے اور انہیں اپنی بری اور بحری طاقت پر بے حد غرّہ ہوگیا تھا۔ شاہِ یونان کی ملک سے اجنبیت پوری طرح دور نہیں ہوئی تھی اور وہ انجمن قومی کی سامعہ شگاف چیخوں سے بالآخر مغلوب ہوگیا۔ ادھر اسی وقت برطانی پارلیمنٹ کے ایک سو آزاد خیال مبعوثین کا تار پہنچا جس میں یونان کے ساتھ دلی ہمدردی ظاہر کی گئی تھی اور گلیڈ اسٹون کا تازہ ترین رسالہ ملا جس میں یونان کے "تعجب انگیز دلیرانہ فعل" کی مدح وستایش تھی۔ اور ان تحریروں نے یونانیوں کی اس امید کو تقویت بخشی کہ انگریز ان کی امداد کریں گے۔ ممالک خارجہ سے روپے کی بارش ہونے لگی اور سرخ پوش "گیری بالڈیوں" کا ایک دستہ بھی صف جنگ میں لڑنے کے واسطے آگیا۔ جس طرح ۱۸۸۶ء میں ہوا تھا اس مرتبہ بھی یونانی بندوقیں آپ ہی آپ سرحد پر چل گئیں اور ۵ / اپریل کو دول نے یونان و ترکی دونوں کو متنبہ کیا کہ جس نے لڑائی چھیڑی، وہی اس کا ذمہ دار سمجھا جائے گا اور فتح سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانے پائے گا۔ مگر یونان بہرا اور اندھا ہو رہا تھا۔

جنگ یونان و ترکی

۸ / اپریل کے دن اس کی فوج بے قاعدہ مقدونیہ اور ایپی رس کے ترکی علاقے میں داخل ہوگئی ان دستوں کو اسی وقت دھکیل کر ہٹا دیا گیا۔ لیکن ۱۷ / اپریل کو سلطان نے اعلان جنگ کر دیا اور جتا دیا کہ اس کی ذمہ داری یونان پر ہے۔ اور حقیقت میں جنگ کا بانی یونان ہی تھا لیکن اس کا تہ کا سبب جزیرہ کریت میں، جو مذہب، زبان اور سیاسی میلان کے اعتبار سے یونانی تھا، ترکوں کی بدنظمی تھی۔

چند سال پہلے، ۱۸۹۱ء میں، ٹری کوپیس نے سرویہ اور بلغاریہ سے تحریک کی تھی کہ سب مل کر ترکوں سے جنگ کریں اور مقدونیہ کو آپس میں بانٹ لیں۔ مگر اسٹام بیولوف نے اس منصوبے کا راز باب عالی سے کہدیا۔ پھر آیندہ سنین میں اس قسم کا جتھا تیار کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ البتہ اب یونانیوں نے پھر مقدونیہ کا ایک قطعہ اور بحر ایجین پر ایک بندرگاہ دے کے بلغاریہ کی مدد خریدنی چاہی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ سلطان نے مقدونیہ میں مدارس اور گرجوں کو بر محل مراعات اور معافیاں دے کے سوفیہ اور بلگریڈ کو چپکا کر دیا اور ادھر روس و آسٹریہ کے بلقانی حکومتوں کے نام ایک مراسلے نے انھیں خبردار کر دیا کہ وہ جنگ میں کوئی دخل نہ دیں گے اس طرح یونان کی اس تذلیل شدید کا گویا راستہ صاف ہو گیا جس کا اس نے خود سامان کیا تھا۔ گو یونانی بیڑا ترکی بیڑے سے قوی تر تھا، مگر کچھ نہ بنا سکا اور خشکی کی لڑائی مہینہ بھر کے اندر ختم ہو گئی۔ اعلان جنگ ہی کے روز ادہم پاشا نے دشمن کو درہ مالونہ سے دھکیل دیا اور تھسالیہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ یونانیوں پر بدحواسی چھا گئی۔ لاریسا سے فرار ہوئے اور ایتھنز کی آبادی نے شاہی محل پر یورش کی۔ ڈلیانیس مستعفی ہو گیا اور تخت شاہی کو نئے وزیر اعظم رہالیس نے بچا لیا۔ شکست خوردہ فوجیں بھاگ کر فرسالوس میں مجتمع ہوئیں اور ویلس تینو سمولینس کی نے ترکی ہراول کو بھی پہلی دفعہ پسپا کیا۔ یونانیوں کا یہی واحد سردار ہے جس نے لڑائی میں کوئی ناموری پائی۔ مگر یہ ذراسی خوشی بھی چند ہی ساعت کی مہمان تھی کیونکہ ۴ مارچ کو ادہم پاشا نے ساحلی شہر وولو سے لے کے فرسالوس تک ساری یونانی قطار کو دھکیلے دے کے پیچھے ہٹا دیا۔ ولی عہد یونان کونس ٹن ٹائن، ڈوموکوس کے مضبوط مورچے پر ہٹ آیا تھا مگر یہاں سے بھی ۱۷ مارچ کو بلا وقت مار کے نکال دیا گیا۔ اب ایتھنز کا راستہ حملہ آوروں کے سامنے کھلا ہوا تھا اور اس پایۂ تخت میں دوبارہ سخت بدحواسی اور سراسیمگی پھیل گئی۔ ۱۹ مئی کے دن اپی رس میں اور ۲۰ تاریخ کو تھسالیہ کے لئے ہنگامی صلح کرا دی گئی، جیسی ذلت و ہزیمت تھسالیہ میں یونانیوں کو نصیب

ہوئی تھی، وہی حال اپی رس میں بھی ہوا۔
دول کی مداخلت نے یونان کو کامل تباہی سے بچا لیا۔ وزارت پر آتے ہی رہالیس نے سفیروں کو اطلاع دی کہ ہم کریت سے فوجیں ہٹا لیتے ہیں، اور

دول کی دخل دہی

میری عین خوشی ہے کہ دول بیچ بچاؤ کرادیں۔ سالسبری تو اس موقع کا منتظر ہی تھا اس نے فوراً ہنگامی صلح کی کوشش کی۔ دول بھی رضامند ہوگئیں اگرچہ جرمانیہ کو اصرار تھا کہ پہلے یونان عہد کرے کہ کریت کی مقامی آزادی سے مطمئن رہے گا۔ دوسری طاقتیں اس شرط کو چنداں ضروری نہیں سمجھتی تھیں اور یونان کو بھی اس کے ماننے سے انکار تھا، مگر قیصر اڑ گیا اور ۱۰ ر مئی کو یونان نے سر جھکا دیا۔ دو دن بعد دول نے سلطان کو اطلاع دی کہ یونان نے اپنی تقدیر دول کے ہاتھ میں دیدی اور کریت کو خالی کر کے مقامی آزادی قبول کرے گا۔ ساتھ ہی استدعا کی کہ ترک سپہ سالار روں کا کوچ روک دیا جائے، لیکن سر فلپ کری کو یہ بھی حکم بھیج دیا گیا تھا کہ یونان کی مفتوحہ سرزمین ترکوں کے ہاتھ میں، تاوان جنگ کی کفالت کے طریق پر رہنے کی بھی کوئی تجویز نہ مانے اگرچہ جنگی حدود میں ردوبدل پر غور کیا جاسکتا ہے۔ ترکی پر حملہ ہوا اور لڑائی میں اس نے کامل فتح پائی لہذا اس نے تھسالیہ کو واپس لینے اور کثیر تاوان جنگ کا مطالبہ کیا اور یہ شرطیں ایسی تھیں کہ قیصر کو بھی بہت کڑی معلوم ہوئیں۔ سلطان کو مطلع کر دیا گیا کہ صرف جنگی اغراض کے لئے ردوبدل اور معمولی سا تاوان جنگ جائز رکھا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ اس بارے میں پھر ایک مرتبہ سب دول متفق تھیں، لہذا سلطان کو ان کی بات ماننی پڑی اور جنگ روکنے کا حکم بھیج دیا گیا۔ ۴ ر دسمبر کے دن صلح نامے پر استنبول میں دستخط ہوئے۔

صلح ۴ ر دسمبر

اس میں چالیس لاکھ کا تاوان جنگ قرار دیا گیا، کہ ایک بین الاقوامی جماعت ماہرین کی نگرانی میں ادا کیا جائے۔[1]

[1] دیکھو مورے سن اور سچنسن: "لائف اوف سر اڈورڈلا" باب ششم

ترکی سرحد لاریسا کے نزدیک تر تو آ گئی لیکن صرف ایک یونانی قریہ ادھر منتقل کیا گیا۔ بارے برطانیہ کی مہربانی اور روس کے نرمی پر مائل ہونے کے طفیل، یونان معمولی چوٹ کھا کے اس تہلکے سے بچ نکلا جس میں بہادری کے بیہودہ جوش نے اسے پھنسا دیا تھا۔ بایں ہمہ مشرقی مسیحیوں کے خیرخواہوں کے حق میں یہ نتیجہ بھی سخت یاس انگیز تھا اور گلیڈ اسٹون نے ان الفاظ میں رونا رویا کہ "اول ایک لاکھ ارمنوں کا خون، اور اس کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ اسی قسم کا ظلم دوبارہ نہ ہوگا اور دوم ترکی پہلے سے زیادہ اتنی طاقت ور کہ جنگ کریمیہ کے وقت سے اب تک نہ تھی۔ سوم، یونان بادشاہی قایم ہونے کے وقت سے جتنا کچھ قوی تھا، اب کمزور تر ہو گیا اور چہارم یہ کہ یہ جو کچھ ہوا، سب دول کے باہمی عناد اور بدگمانی سے ہوا۔"

کریٹ کے معاملات کا تصفیہ امید سے کہیں بڑھ کر مشکل ثابت ہوا اور کئی مہینے صدر والی کی تلاش میں گزر گئے۔ فرانس نے سوئسٹان کے ایک سابق رئیس جمہوریہ کا نام پیش کیا تھا مگر اس نے یہ عزت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آسٹریا نے لکسمبرگ کے ایک فوجی عہدہ دار کی وکالت کی جو اتفاق رائے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ پھر روس نے دو ترک اور ایک جبل اسود کے شاہی خاندان کے فرد کا نام لیا لیکن سالسبری کو کسی ترک کا والی بنایا جانا کسی طرح منظور نہ تھا اور جبل اسود والے امیدوار کو اس کے عم زاد بھائی امیر نکولاس نے جدا کرنا قبول نہ کیا۔ سال ختم ہونے پر روس نے جرات کی کہ خود یونان کے شہزادے جورج کے لئے تحریک کی اور سالسبری نے فوراً لکھا کہ میں کمال مسرت کے ساتھ اس کی تائید کرتا ہوں۔ فرانس و اطالیہ رضامند ہو گئے البتہ جرمانیہ اور آسٹریہ والے اس تجویز پر بہت چیں بہ جبین ہوئے۔ قیصر کی حجت یہی کہ جو شخص جنگی بیڑا لے کے کریٹ گیا تھا، وہ والی بنایا گیا تو خواہ مخواہ یونان سے اس کے الحاق کرا دینے کی کوشش کرے گا اور پھر دوسری بلقانی ریاستیں بھی کریٹ کا معاول طلب کریں گی جیسا کہ ۸۶-۱۸۸۵ء میں ہوا تھا۔ آسٹریہ نے یہ بھی لکھا کہ چونکہ ترکی اس تجویز کو مسترد کر دے گی

لہذا اسے پیش کرنا درست نہیں ہے۔ چند ہفتے اسی طرح دونوں فریق اڑے رہے آخر قیصر نے برطانی سفیر سے کہہ دیا کہ میں اجتماع دُول سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور بیولاؤ نے زیادہ رنگین الفاظ میں بیان کیا کہ جرمانیہ نے "کیوں اپنا ساز اٹھا کے رکھدیا" اس نے کہا کہ بحر متوسط میں جرمانیہ کی کوئی خاص اغراض نہیں ہیں اور دوسری طاقتوں کو اختیار ہے جسے چاہیں منتخب کرلیں۔ آسٹریہ نے بھی جرمانیہ کی تقلید کی اور اس طرح امن و امان کے ساتھ طائفے کے وہ ساز الگ ہو گئے جن کا سر نہ ملتا تھا۔ البتہ سلطان کی شہزادہ جورج سے مخالفت بدستور قایم رہی۔

کریت کے آخری مشکلات

Crete

ادھر تو یہ طویل مباحثے ہو رہے تھے، اُدھر کریت اپنے امراض کہنہ میں مبتلا تھا۔ جس وقت یونانی فوجیں ہٹائی گئیں، اس وقت برطانی قنصل نے اصرار کیا کہ ترکی فوج بھی جزیرے سے ہٹا دی جائے اور ان کے ہٹائے جانے کی صورت میں کریت کے مسیحی مقامی آزادی قبول کر لینے پر آمادہ تھے۔ اس کے برعکس سلطان اپنی چھاؤنیوں میں سپاہیوں کے اضافے کا خیال ظاہر کرتا تھا لیکن دُول نے احتجاج کیا اور برطانیہ کی رہنمائی سے اپنے بحری سرداروں کو حکم بھیج دیا کہ ترکی سپاہ کو جزیرے میں نہ اُترنے دیں۔ جب جرمانیہ اور آسٹریہ نے اپنی سپاہ واپس بلالی تو باقی چار طاقتوں کے امرائے بحر نے درخواست کی کہ ان کے تحت کی بری فوج میں اضافہ کر دیا جائے کہ اس کی کل تعداد ڈھائی ہزار تھی۔ ساحلی قصبات الگ الگ طاقتوں کی تحویل میں دے دیے گئے۔ بجز قنیہ کے جس پر مشترکہ قبضہ تھا۔ مگر اندرونی علاقے میں مسیحیوں کی باہمی اور ساحل پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ و جدل جاری رہی۔ بحری سرداروں نے اپنی حکومتوں کو کیفیت لکھی کہ اگر سلطان ترکی فوجوں کو واپس بلانے سے انکار کرتا رہا تو غالباً خود ہمارا اُن سے تصادم ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

آخر یہ گتھی ۶ ستمبر کو اس طرح سلجھی کہ کانڈیا کی بندرگاہ میں مسلمانوں

نے انگریزی سپاہ پر حملہ کیا جس میں پچاس سپاہی کام آئے اور انگریز نائب قنصل کو ذبح کر دیا گیا۔ سارے شہر میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی لہذا صدہا مسیحی مارے گئے۔ آخر برطانی امیر البحر نوئل نے وہ گرہ جو یورپ کی صدارت ہائے عظمیٰ سے نہ کھلتی تھی، خود کاٹ دی کہ شہر پر گولے برسائے اور ترک والی کو اتمامی پیام بھیجا کہ یا تو چھاونیاں خالی کرو اور مسلمانوں سے ہتیار رکھوا لو۔ ورنہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ اس کارروائی نے کریت کی کشمکش کا خاتمہ کر دیا اور دول کا تعطل و جمود بھی ٹوٹ گیا۔ انگریزوں نے کمکی فوج روانہ کی اور روس سے کہدیا کہ اگر دول نے شرکت نہ کی تو برطانیہ خود کارروائی کرے گی۔ روس بھی یہ مطالبہ کرنے پر رضامند ہو گیا کہ ترک اپنی چھاونیاں خالی کر دیں اور دول نے سالسبری کی تجویز قبول کر لی کہ ضرورت ہو تو ہر سلطنت اپنے اپنے مفوضہ ضلعے سے ترکی سپاہ کو جبراً خارج کر دے۔ ۵ اکتوبر کو سلطان سے ایک مشترکہ مراسلہ بھیج کر استدعا کی گئی کہ اپنی فوجیں واپس بلا لے اور جزیرے کو دول اربعہ کے حوالے کر دے جو سلطان کے شاہی حقوق اور مسلم و مسیحی سب کی سود بہبود کا ذمہ لیتی تھیں۔ مراسلے میں لکھا تھا کہ پندرہ دن میں تخلیہ شروع اور ایک ماہ میں اختتام کو پہنچ جانا چاہیئے۔ اور اگر ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا گیا تو دوسری کارروائی کی جائے گی۔ سلطان نے ہر چند کہا سنا کہ قلعہ بند شہروں میں فوج رکھنے کی اجازت دی جائے، دول نے

ترکوں کا رخصت ہو جانا

ایک نہ مانی۔ آخر اس نے بلا شرط مشترکہ مراسلے کے مطالبات تسلیم کئے اور ترکی فوجوں نے جزیرہ خالی کرنا شروع کیا۔ ۵ نومبر کو امیر البحر نوئل نے کانن دیا کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور ترک سردار کو بندرگاہ پر پہنچا دیا۔ خلیج شودا کے ایک ذرا سے جزیرے کے قلعے پر صرف ایک ترکی علم لہراتا رہا جو سطوت گزشتہ کے ساتھ ساتھ حالیہ ضعف و بیچارگی کی نشانی تھا۔

اس زور ازوری کو دیکھ دیکھ کے ترک دوست قیصر نے بہت پیچ و تاب کھایا۔ ۲۰/اکتوبر کے خط میں زار کو لکھتا ہے[۵] کہ "تم کو معلوم ہوگا کہ میں نے اس کام سے ہاتھ کیوں اٹھالیا۔ محض اس لئے کہ میں دیکھتا اور محسوس کرتا تھا کہ ایک خاص سلطنت فقط مطلب نکالنے کے لئے ہمیں اپنا اسامی بنا رہی ہے کہ اسے کریٹ یا خلیج سودا پر قبضہ دلانے میں مدد دیں۔ اور مجھے اس فریق میں شامل ہونا منظور نہ تھا جو مذکورۂ بالا سلطنت سے عاجزی کرے کہ ازرہ کرم ان بیچارے اور پیارے کریٹ والوں کی آپ خبر گیری فرمایئے۔ تازہ واقعات نے بتا دیا کہ میرے شکوک بجا تھے اور یہ سلطنت واقعی شر و فساد اور جبر و قہر پر آمادہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو جو مالکان اراضی ہیں نکال کر زمین مسیحیوں کے حوالے کی جائے جو ان مسلمان زمینداروں کی رعایا تھے اور جنھوں نے اپنے اولیائے نعمت سے بغاوت کی غرض قضیۂ کریٹ کا دو لفظوں میں خلاصہ یہ ہے: "خالص قزاقی"۔ مگر اس غارت گری کا اسلامی دنیا پر کیا اثر پڑے گا، تمھیں اس کا کوئی اندازہ نہیں ہے کریٹ کے معاملے میں دول یورپ نے بہت احمقانہ اور خطرناک کھیل کھیلا ہے۔ یاد کرو کہ پیٹرہوف کے مقام پر ہم اور تم اس پر متفق تھے کہ اگر مجھے اور تمھیں اسی متفقہ طاقت کے ساتھ یک بہ یک جنگ کا موقع پیش آیا تو اس صورت میں ہم مسلمانوں سے بڑا بھاری کام لے سکینگے اگر کریٹ میں تم اس بیگانہ طاقت کی اسی طرح پیروی کرتے رہے تو اس کا تمہاری مسلمان رعایا اور ترکی پر بہت برا اثر پڑے گا۔ نظر بریں میں منت تاکید کرتا ہوں کہ تم اس نازک وقت میں سلطان کے آڑے آجاؤ اور مسئلہ کریٹ کا فیصلہ اس طرح کرادو کہ سلطان کے لئے قابل قبول ہو۔"

جزیرے پر تو دول اربعہ کے بحری سرداروں کا پورا قبضہ ہو ہی چکا تھا اور قیصر کی تنبیہ و تنبہ کا زار پر کچھ اثر نہ ہوا پس اس نے پھر شہزادہ

---

[۵] قیصر کے خطوط زار کے نام ص ۶۲ - ۶۰

شہزادہ جورج کی حکومت

جورج کی ریاست کی تجویز تازہ کی اور آخر میں لکھا کہ بظاہر وہی ایسا حاکم ہے جسے کریت والے خوشی سے قبول کرلیں گے۔ دُوَل نے اتفاق کیا اور سلطان کے ازسرِنو احتجاج کی پروانہ کی۔ ۲۶ نومبر کے دن دول اربعہ کے ایتھنز کے وکیلوں نے، سلطان کے زیر سیادت تین سال کے لئے صدر نظارت کا عہدہ جورج کے سامنے پیش کیا۔ مجلس مبعوثین کے انعقاد، حکومت خود اختیاری کے قیام، اور جنگی پولیس کی ترتیب کا فیصلہ کیا گیا اور دول اربعہ میں سے ہر ایک نے نظم و نسق کی جدید تشکیل کے واسطے چالیس ہزار پونڈ دینے کا وعدہ کیا۔ یہ شہزادہ ۲۱ دسمبر کو کریت میں لنگر انداز ہوا اور امراء بحر رخصت ہوگئے گو چاروں طاقتوں کی بری فوجیں اس وقت تک جزیرے میں ٹھیری ہوئی تھیں مگر تمام اختیارات بلا تاخیر شہزادے کے سپرد کر دیئے گئے بہت سے متموّل مسلمان مسیحی تحکم کے خوف سے جزیرے کی حکومت چھوڑ کر ترکی میں ہجرت کر آئے۔ لیکن انجام کار گرفتار بلا جزیرے کو امن کی صورت نظر آئی۔ ایک مخلوط جماعتِ ماہرین نے آئین حکومت کا مسودہ تیار کیا اور ۱۸۵۹ء میں با اختیار کریت کی پہلی مجلسِ مبعوثین وجود میں آئی۔ شہزادہ جورج نے پانچ ارکان کی ایک مجلس مشاورت مقرر کی جن میں سے ایک شخص مسلمان تھا۔ سوائے نام کے کریت ہر اعتبار سے ایک آزادی مسیحی مملکت بن گیا۔ ۱۹۰۰ء کی مردم شماری سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی ساری آبادی کا صرف نواں حصہ ہے[۱] جھنڈا، ڈاک کے ٹکٹ اور چھوٹے سکے سب کریتی ہوگئے۔ جورج کی ریاست کی دوبارہ تجدید ہوئی اور اس کی حکومت کے پہلے پانچ سال میں جزیرے میں جو امن و فراغ رہا وہ پشت ہا پشت سے اسے میسر نہ آیا تھا۔ مگر ۱۹۰۵ء میں حاکم اور رعایا ایک دوسرے سے اکتا گئے اور فریق اختلاف نے نزاع کو

---

[۱] کریت میں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ مگر یونانی قابو یافتوں کے ناقابل بیان مظالم و مقاتل نے اسے اتنا کم کردیا۔ مترجم

انتہا پر پہنچا دیا اس جماعت کا رہنما و نی زیلوس تھا جو شہزادے کے پانچ مشیروں میں رہ چکا تھا - غرض ۱۹۰۶ء میں شہزادے نے استعفیٰ دیا اور دول نے اس کے باپ سے استدعا کی کہ اس کا جانشین منتخب کرے - اس نے ایک سابق وزیر اعظم زیمیس کو چنا جس کی بہت عزت ہوتی تھی - بین الاقوامی سپاہ ۱۹۰۸ء میں ہٹا لی گئی اور دول کا کام ختم ہو گیا، سب کو معلوم تھا کہ ترک و یونان کی آیندہ جنگ میں بصورت کامیابی کریٹ یونان کا ہو جائے گا۔

(۴)

دول کی نا اتفاقی

ارمنیہ اور کریٹ کے قضیوں میں یورپ کو دخل دینا پڑا اور یورپ کی دخل دہی نے دول کی باہمی نا اتفاقی کا راز فاش کیا پہلے جھگڑے میں روس و برطانیہ ایک دوسرے کے خلاف تھے مگر کریٹ کے معاملے میں انھوں نے اشتراک کیا - حق یہ ہے کہ اجتماع دول نے یورپ کے امن میں خلل نہ آنے دیا بایں ہمہ خود اس کی ساخت میں ضرور خلل آ گیا اور برطانیہ ۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۸ء تک سلطنت ترکی کے ساتھ جو کشتی کرتی رہی، اس کا انجام یہ ہوا کہ برطانیہ نے جس دم خم کے ساتھ کشتی شروع کی تھی، آخر میں اس کی وہ قوت باقی نہ رہی اور نسبتہً کمزور ہو کر اکھاڑے سے باہر آ ئی - کیونکہ اتحاد دولتین کے ساتھ تو اس کے تعلقات میں وہی سرد مہری باقی رہی جو پہلے سے چلی آتی تھی اور دول وسطیٰ سے اس کی دوستی میں فرق آ گیا۔ دوسری طرف آسٹریا اور روس نے ممالک بلقان میں اپنے اختلافات کو تھوڑی دیر کے لئے تہ کرکے رکھدیا اور جرمانیہ مسلمہ طور پر ترکی کی معین و حامی بن گئی - اطالیہ انگریزوں کی دوست رہی لیکن اس کی ہمت آزمائی کو حبشہ میں جو ناکامی پیش آئی - اس نے اسے سخت پریشان کر دیا

انگزنڈر ثالث کی آخر ۱۸۹۴ء میں وفات اور گائرز کی ۱۸۹۵ء کے اوائل میں وفات نے موقع بہم پہنچایا کہ روس اس طرز عمل پر دوبارہ غور کرے جس نے بلغاریہ کو سکندر اعظم طفیلی کی بنجائے، مشرق قریب میں روسی نفوذ کا دشمن بنا دیا تھا

نئے وزیر خارجہ لوبانوف کو زار کی روش میں شروع سے وحشت کی ادا نظر آتی تھی اور قابلیت کے اعتبار سے وہ اپنے پیش رو (گائرز) کی نسبت کہیں بہتر اور زیادہ مستقیم ارادے کا آدمی تھا[1] دوسری جانب مصالحت کی خواہش ادھر سے بھی بڑھ کر تھی کیونکہ جاہ طلب اور مشیخت پسند فردی نینڈ قابو یافتہ اسٹام بولوف کا اولش کھاتے کھاتے تھک گیا تھا۔ لہٰذا ۱۸۹۴ء میں اس نے روس دوست اسٹوئی لوف کو وزیر اعظم مقرر کیا اور اگلے سال

اسٹام بولوف کا قتل

اسٹام بولوف کو اس کے سیاسی دشمنوں نے جان سے ہی مار ڈالا۔ دوسرے فردی نینڈ نے ۱۸۹۳ء میں پارما کی شہزادی لوئیسہ سے شادی کر لی تھی جس کے بطن سے ۱۸۹۴ء میں بیٹا پیدا ہوا اور اب اسے موروثی بادشاہی کی بنیاد جمانے کی فکر تھی۔ جولائی ۱۸۹۵ء میں بلغاریہ سے ایک وفد گیا کہ الگزنڈر ثالث کی قبر پر چادر چڑھائے۔ اس کی اچھی آؤ بھگت کی گئی اور فروری ۱۸۹۶ء میں فردی نینڈ نے اعلان کیا کہ میرا بیٹا کلیسائے قدیم کے اصول کے مطابق بپتسمہ پائے گا، تو زار نے اس کا دینی باپ بننا قبول کیا اور والیٔ بلغاریہ کو مبارک باد دی کہ "حب وطن کی خاطر ایسا تہیہ" کیا۔ زمانہ حاضرہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی بپتسمہ کو بین الاقوامی وقعت حاصل ہوئی۔ اصل میں امیر پارما نے اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کی تھی کہ اسکی اولاد کیتھولک مذہب کے مطابق اٹھائی جائے گی۔ اور فردی نینڈ نے اس عہد کو توڑ دیا تو اس کی بیوی بھی اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی گئی۔ پاپائے روما نے تکفیر خفی کا فتویٰ دیا جس کے معنی یہ تھے کہ عشائے ربانی کی ہر تقریب میں فردی نیند کو از سر نو اجازت لینی پڑی۔ اور وہی آقا کے رسمی التفات نے اسے مرتدوں میں داخل کر دیا۔ اس پر والیٔ بلغاریہ نے مشیخت کے انداز میں اپنی مجلس

---

[1] خود رائے لوبانوف کی نہایت دلچسپ تصویر روزن نے اپنی کتاب "فورٹی ایرز آف ڈپلومیسی" میں کھینچی ہے۔ جلد اول باب ۱۲

مبعوثین میں یہ الفاظ کہے کہ "مغرب نے مجھے خارج از ملت قرار دیا۔ لیکن افق مشرق کی روشنی میرے خاندان کو چمکائی اور ہمارے مستقبل کو تابناک کر رہی ہے"، قیمت تو مہنگی تھی مگر جنس بھی بہت قیمتی ہاتھ آئی۔ روس نے

فرڈی نینڈ کی حکومت کا مسلّم ہونا

ناخلف بیٹے کو مشرقی رومیلی کا والی تسلیم کرا دیا اور سلطنتیں تو مدت سے اس پر آمادہ تھیں۔ سلطان نے بھی اب اس علاقے کا اسے والی مان لیا۔ پھر فرڈی نینڈ جا بجا ملاقاتیں کرنے گیا۔ البتہ فرانسس جوزف کئی سال ملنے سے احتراز کرتا رہا۔ اس طرح بلغاریہ آسٹریہ کے ہاتھ سے پھسل کر دوبارہ روس کے آغوش میں پہنچ گئی اور ۱۹۱۳ء تک وہیں رہی ۱۹۰۰ء میں رومانیہ سے بلغاریہ کی چپقلش اور دست و گریباں ہونے کی نوبت آئی اور آسٹریہ نے مقدم الذکر کے ساتھ جنگی معاہدہ کر لیا تو روس نے ۱۹۰۲ء میں بلغاریہ سے اسی قسم کا عہدنامہ کر کے وزن برابر کر دیا[5] جنگ آزادی کی پچیسویں سالگرہ درۂ شپکا میں بڑے جوش و خروش سے منائی گئی۔ لوبانوف نے ہوشیاری سے بازی کھیلی۔ روس کی بھڑک دور ہو گئی اور ممالک بلقان میں دوبارہ اس کے قدم جم گئے۔

بلغاریہ کے ساتھ ملاپ ہو جانے کا کسی کو شکوہ نہ ہو سکتا تھا۔ بعض اور قابل اعتراض منصوبے بھی روسی مدبروں کے دماغ میں چکر کھا رہے تھے ارمنیہ کے معاملے میں روس و برطانیہ کی حکمت عملی کا اختلاف حقیقت میں ساری دنیا میں ان کے باہمی عناد کا صرف ایک رخ تھا اور لوبانوف کو حریف سلطنت کے مقابلے میں ایسا جتھا بنانے کے خواب نظر آ رہے تھے، جس کے ذریعے استنبول، روس کے، مصر، فرانس کے اور جبل الطارق ہسپانیہ کے ہاتھ آ جائیں۔ یہ محض خواب تھا اور خواب دیکھنے والا بھی ۱۸۹۶ء

[5] یہ للاوسے کے مجموعے " Les Documents secrets; de Russie میں چھپ گیا ہے۔ صفحہ ۱۴۱-۱۷

کی گرمیوں میں ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ تاہم ترکی میں برطانیہ کو خفیف و سرنگوں کرنے کی خواہش مستقل ارادے کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ ممالک یورپ میں برطانیہ کی بے غرض انسانی ہمدردی کی کبھی داد نہیں ملی اور روس میں تو زار سے لے کے معمولی آدمی تک ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ ارمینیہ میں ہنگامہ مچانے سے فریبی انگریز کا مطلب صرف یہ ہے کہ روس کو پریشان کیا جائے۔ شہزادہ اک ٹومسکی کے جریدے نے تو یہ بھی صراحت کردی کہ ان ممالک میں برطانیہ کی اصلی غرض اس خواہش پر مبنی ہے کہ ہندوستان و بحر متوسط کے درمیان برّی راستہ نکل آئے۔ پس اب جب کہ برطانی حکمت عملی نے ترکی میں اپنے رسوخ کو خود خاک میں ملا دیا، کوئی وجہ نہ نظر آتی تھی کہ روس کیوں نہ آبناؤں کا مسئلہ صاف کرلے۔

۱۸۹۶ء کے آخری مہینوں میں نلی ڈوف کے جو مراسلے استنبول سے آئے ان میں دلیل پیش کی گئی تھی کہ بحر اسود سے جنگی جہازوں کے باہر آنے کا حق حاصل کرنے کا وقت آگیا ہے اور مشورہ دیا تھا کہ حق ایاب تسلیم کرنے کے عوض میں سلطان کی حکومت کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری لی جائے[۱]۔ یہ بھی لکھا تھا کہ سلطان کو ایسا ارادہ کرنے میں مدد دینے کی غرض سے بوسفورس کے دونوں کناروں پر جبراً قبضہ کرلیا جائے۔ زار نے اس منصوبے کو پسند کیا اور یہ سفیر پیٹرو گریڈ بلایا گیا۔ اوڈیسہ کے امیر البحر کو حکم ملا کہ استنبول ہو آئے اور راستے میں بوسفورس کے قلعوں کا معائنہ کرتا جائے اور اچانک حملے کا نقشہ مرتب کرے۔ نلی ڈوف نے ایک مفصل یادداشت تیار کی جس میں ترکی بدنظمی اور ارمنوں کے دارالخلافت کے بینک پر چھاپا مارنے

نلی ڈوف کی تجویز

[۱] اس واقعے کا انکشاف ڈلن نے اپنی کتاب "اک لیپس اوف رشیا" میں کیا۔ (۲۳۱ - ۲۴۴) اور اس کے بیان کی بیرن روزن نے بھی تصدیق کی: "فورٹی آئرز" جلد اول باب ۱۴۔

سے وہاں کے خلفشار کا حال بیان کیا اور لکھا کہ غالباً ارمن دوسری سازش پکار رہے ہیں جس کا نتیجہ پھر قتل عام ہوگا۔ ممکن ہے کہ سلطان معزول کر دیا جائے اور فوج میں غدر ہو جائے۔ اس وقت ارمن پھر بغاوت کریں گے۔ یورپ دخل دے گا اور اس قسم کی اصلاحات نافذ کرائے گا جن سے روس کی بحر اسود کی حفاظت اور بحر متوسط کے آنے جانے کا راستہ مخدوش ہو جائے ترکی جس قدر مضبوط و مستقل ہو گی اسی قدر روسیوں کا میدان تنگ و دشوار ہو جائے گا۔ نظر بر ایں یہ ضروری ہے کہ دول کی مداخلت سے پہلے ہی بالائی بوسفورس کے دونوں کنارے چھین لئے جائیں اور آبنائیں محفوظ کر لی جائیں۔ اس تجویز کو فوری طے کرنا اور عمل میں لانا واجب ہے۔ جہاز اور آدمی اشارے کے منتظر تیار رہیں اور یہ اشارہ میں سباسٹوپل کو ایک تار بھیج کر دوں گا جو مقررہ اشارات میں تحریر ہوگا۔ اس سے قبل کہ جہاز بوسفورس پہنچیں میں سلطان سے اجازت طلب کروں گا کہ ساحل کی بلندیوں پر ہمیں اس شرط پر قبضہ دے دیا جائے کہ روس ترکی کی خبر گیری کرے گا۔ اسی کے ساتھ دوسری سلطنتوں کو دعوت دی جائے کہ جی چاہے تو وہ دردانیال میں جہاز لا سکتے ہیں اور اگر انھوں نے ایسا کیا تو روس کا بحر متوسط کا بیڑا بھی ان کے ساتھ اندر آ جائے گا۔ اس جھپٹے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالائی باسفورس پر تو مستقل قبضہ ہو جائے گا اور دردانیال کی بندش دور ہو جائے گی اور ہر قوم کے جنگی جہاز اس میں آنے جانے لگیں گے۔ روس اپنے فعل کا جواز یہ کہہ کر ثابت کر سکے گا کہ ہمیں اپنے ہموطنوں کی سلامتی کا خطرہ تھا۔ آخر میں نلی ڈوف نے جتایا کہ کوئی سلطنت روس کے قبضہ کر لینے یا بوسفورس کے شمالی سرے پر ایک روسی جبل الطارق بنانے کی مخالفت بزور شمشیر نہیں کرے گی۔ اور جب دار چل جائے تو پھر روس ترکی کے متعلق کسی مجلس مشاورہ میں بلا تردد شریک ہو سکتا ہے۔ نلی ڈوف کے اس ڈھٹائی کے منصوبے

وِیٹے کا منصوبہ بگاڑ دینا

کو اس بزم شوریٰ کے ہر فرد نے پسند کر لیا جو غور و رائے کے لئے طلب کی گئی تھی، بجز وزیر خزانہ ویٹے

کے جس کی صنعتی اور مالی تجاویز غیر منقطع امن کی متقاضی تھیں اور زار ان تجویزوں کی منظوری بھی دے چکا تھا۔ مگر اوّل اوّل اس اکیلے کی مخالفت نہ چلی اور نلی ڈوف کو اجازت مل گئی کہ اپنے مقام پر جائے اور جس وقت چاہے اشارہ دیدے۔ لیکن سب کچھ طے ہو جانے کے بعد، عین آخری گھڑی پر وسیٹے اور زار کے ایک سابق اتالیق پولی ڈونوسٹ سف کی مشترکہ سعی نے بنا بنایا منصوبہ باطل کر دیا۔ اگرچہ یورپ کو بیس برس تک اس مجرمانہ راز اور اس خطرے کی جس سے وہ بال بال بچا تھا، خبر بھی نہ ہونے پائی۔

الگزنڈر ثالث کی موت، فرڈی نینڈ کی بادشاہی کا تسلیم کر لیا جانا، ارمینہ کے متعلق اتفاق رائے اور بعض دوسرے اسباب نے پیٹروگریڈ و وی آنا کے گسستہ تار کو پھر جوڑ دیا جو فلپو پولس کے انقلاب تک کے وقت سے ٹوٹا پڑا تھا۔ ۱۸۹۶ء کی گرمیوں میں نکولاس ثانی فرانسس جوزف کی ملاقات کو آیا اور اگلی ربیع میں اس تواضع کا عوض بھی کر دیا گیا۔ اسی دوسرے موقع پر وزارت خارجہ کے ہر دو وزیر ایک قرار داد پر متفق ہوئے جس کی اُن کے بادشاہوں نے توثیق کی۔ اس سمجھوتے کی اہم شرطوں کو گلوکوسکی نے پیٹروگریڈ سے واپس آکر اجمالاً ۸ مئی کے مراسلے میں جو وہاں کے آسٹروی سفیر کو لکھا، قلم بند کیا تھا۔[۵]

قصر سرما میں جو مشاورت ہوئی، اس نے عمل کی ایک مشترکہ راہ نکال لی ہے جس میں دونوں سلطنتوں کی ضروری اغراض اور لوازم حفاظت کو نیز

روس و آسٹریا کا میثاق

اس بات کو تو پیش نظر رکھا ہے کہ جزیرہ نمائے بلقان کی اہلتی سرزمین پر ایسی رقابت کا خطرناک عنصر دور کر دیا جائے جو امن یورپ کے حق میں برق بلا بن سکتا ہو۔ مگر یہ راہ عمل ہمیں موقع دیتی ہے کہ ممکنہ پیچیدگیوں پر ٹھنڈے دل سے نظر کر سکیں۔ جب اس پر اتفاق ہو گیا کہ ملکی تقسیم کو، جہاں تک

---

[۵] پربریم "سیکریٹ ٹریٹز" جلد اول ۱۹۵-۱۸۴

حالات اجازت دیں، علی حالہٖ رہنے دیا جائے گا۔ تو کونٹ مراویف اور ہیں سنے برضائے خود تحریر لکھدی کہ کوئی ایسا اصولی اختلاف ہیں باہمی مفاہمت کرنے میں مانع نہیں جس کے ذریعے ایسے ناگہانی مواقع کی پیش بندی ہو سکے جن کا ہماری مرضی کے خلاف زمانۂ قریب میں صادر ہونا ممکن ہے۔

۱۔ چنانچہ طے ہوا کہ اگر ملکی تقسیم کا علی حالہ قایم رہنا غیر ممکن ہو جائے تو آسٹریہ اور روس جزیرہ نمائے بلقان میں ملک ستانی کے خیال سے پیش از پیش دست بردار ہوتے ہیں اور انھوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ دوسری سلطنتوں سے بھی اس اصول کی پابندی کرائیں گے۔

۲۔ اسے بھی فریقین مان گئے کہ استنبول اور اس کے مضافات نیز آبناؤں کا مسئلہ بدرجہ اولی ایک یورپی مسئلے کی نوعیت رکھتا ہے اور جداگانہ قرارداد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کونٹ مراویف نے صاف طور پر بیان کیا کہ موجودہ حالات میں تغیر کرنے کی کوشش درکنار، روس تو معاہدہ کی تمام شرطوں کا پوری طرح پابند ہے۔ کیونکہ انہی کے ذریعے آبنائیں بند اور بحر اسود تک دول غیر کے جنگی جہازوں کی آمد و رفت موقوف ہوئی جو روس کے واسطے عین موجب اطمینان ہے۔

۳۔ لیکن اس مسئلے کو چھوڑ کر، آبناؤں اور حوالی استنبول کے سوا باقی ممالک بلقان میں کوئی ردّ و بدل ہوا تو روس و آسٹریہ کے درمیان ایک خاص عہد و پیان کی گنجایش نکل آئے گی اور یہ دونوں سلطنتیں اعلان کرتی ہیں کہ وہ حسب ذیل اصول کے مطابق اشتراک عمل سے کام لیں گی:

ا۔ بوسنیہ، ہرزی گووینہ اور نووی بازار کے سنجک پر قبضہ، ضروری نہوگا کہ کسی بحث کا موضوع بنایا جائے آسٹریہ کا حق محفوظ رہے گا کہ جب وقت آئے وہ موجودہ ہنگامی قبضے اور چھاونیاں بنانے کے حق کو مستقل الحاق کی صورت میں تبدیل کر دے۔

(ب) جنینہ (= یانیہ) اور برکۂ اسقوطری کے درمیان کا علاقہ، مشرق

کی طرف کافی رقبے سمیت ریاستِ البانیہ کے نام سے ایک جداگانہ اور آزاد مملکت بنا دیا جائیگا۔

(ج) باقی ماندہ علاقے کی ریاست ہائے بلقان میں مساوی تقسیم کی کوشش کی جائے گی اور اس معاملے میں روس و آسٹریہ کا حق رائے زنی محفوظ رہے گا۔ اگرچہ یہ دونوں حصہ داروں کی جائز اغراض و فوائد کا حتی الامکان لحاظ رکھیں گے لیکن قطعی ارادہ کر چکے ہیں کہ موجودہ اصول توازن کی حفاظت کریں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو حدود میں ترمیم و تغیر کے ذریعے ایسا موقع باقی نہ رہنے دیں گے کہ کوئی جدید الحاق و اتحاد کسی ایک بلقانی ریاست کو دوسری ریاستوں پر نمایاں غلبہ و تفوق دینے کا سبب ہو جائے۔

(د) یہ معرض تحریر میں لانے کے بعد کہ ہماری دونوں حکومتیں جزیرہ نمائے بلقان میں سوائے اس کے کہ وہاں کی قائم شدہ چھوٹی ریاستوں کو اسی طرح امن کے ساتھ ترقی دیتی رہیں، اور کوئی مقصد نہیں رکھتیں ہم نے باہم طے کر لیا ہے کہ آیندہ اس میدان میں کامل ہم آہنگی سے کام اور اسی نظر سے ہر ایسی بات سے پرہیز کریں گے جو کسی کشمکش یا بدگمانی کے پیدا کرنے کا سبب ہو۔

چند روز بعد مراویف نے روسی سفیر وی آنا کے نام ایک یادداشت کی صورت میں اس تحریر کا جواب بھیجا جس میں روس و آسٹریہ کی حکمت عملی کے اصول کے متعلق جو کچھ گلوکوسکی نے لکھا تھا، اسے تسلیم کر لیا لیکن بعض عملی تجاویز پر اعتراض کیا۔

مراویف کی تنقید

"عہد نامہ برلن نے آسٹریہ کا بوسنیہ اور ہرزیگووینہ پر جنگی قبضے کا حق مسلم کر دیا ہے تاہم ان صوبوں کے الحاق سے وسیع تر مسئلہ پیدا ہو جائے گا اور اس کے حل کے لئے مناسب وقت اور مناسب مقام پر خاص غور و تفحص کی ضرورت ہو گی۔ رہا نووی بازار کا سنجاق، تو اس کی بھی حدود متعین کرنے کی ضرورت ہو گی جو اب تک قابل اطمینان طریق پر بھی طے نہیں ہوئی ہیں۔ اسی طرح آگے چل کر البانیہ میں جداگانہ ریاست کی تشکیل اور باقی تمام علاقے کی مختلف بلقانی ریاستوں کے درمیان

منصفانہ تقسیم کا بھی خواہ مستقبل کے ایسے مسائل سے تعلق ہے کہ ان کا اس وقت فیصلہ کرنا بہت دشوار اور قبل از وقت ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ بعض خفیف اختلافات تعبیر کے باوجود، جن کی طرف آپ کی توجہ کو منعطف کرتا میں نے اپنا فریضہ سمجھا، کاؤنٹ گلوکوسکی خود دیکھ لیں گے کہ معاملات پر ہمارے نقطۂ نظر میں کامل یکسانی ہے۔" یہ دوستانہ رابطہ جو ۱۸۹۷ء میں قائم ہوا تھا، ۱۹۰۸ء تک بلقانی حکومت عملی میں روس و آسٹریہ کے تعلقات کا رہنما رہا۔ البتہ سنہ مذکور میں ایہرن تھل کے تباہ کن ہاتھ نے اس کا شیرازہ بکھیر دیا۔

روس کے مقابلے میں، جس نے آرمینیہ میں اصلاحات کی مخالفت کی تو کریت میں اس مقصد کا مویّد رہا، جرمانیہ وہ سلطنت تھی جو دونوں جگہ اصلاحات کی مخالف رہی اور جس نے بڑی ہنرمندی سے اس موقع پر استنبول میں اپنا رسوخ جمالیا۔ ترکوں کی مسیحی رعایا کے مصائب سے کمال بے پروائی اور سنگدلی برتنے میں تو قیصر بسمارک ہی کی مثل تھا۔ لیکن وہ اس نامور صدرِ اعظم کا یہ اصول، جس پر بسمارک تازندگی چلتا رہا، ترک کر بیٹھا تھا کہ مشرق قریب میں روس کو بالکل اختیار کامل دے دیا جائے۔ پھر عین اس وقت جب کہ وہ کھلے سمندر کے بیڑے کی تیاری کر رہا تھا، اس نے مشرق میں قدم بڑھایا اور جرمانیہ کو استنبول میں سب سے زیادہ با رسوخ بنا دیا۔ یہ دونوں مقصد جائز تھے لیکن ان میں سے ہر ایک یورپ کی ایک بڑی طاقت کو جرمانیہ کا دشمن بنانے والا تھا۔ چنانچہ انہی دو مقصدوں کی ایک ساتھ کوشش اس خیمے کو معرضِ وجود میں لے آئی جس کے ہاتھوں ایک روز سلطنت جرمانیہ کی متکبرانہ عمارت کا خاک میں ملنا لکھا تھا۔

قیصر و سلطان | جس وقت مغربی یورپ "خونی اعظم" پر سب و شتم کے نعروں سے گونج رہا تھا، ولیم ثانی نے کھلے بندوں اس کے خون آلود ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس نے اپنی شبیہ سلطان کی خدمت میں بطور ہدیہ روانہ کی اور جس وقت معلوم ہوا کہ دُول کریت میں فی الواقع کام کرنے پر تلی ہوئی ہیں، تو وہ ان کے اجتماع سے الگ ہوگیا۔ پھر ۱۸۹۸ء میں مارشل وان بیبراسٹین کو استنبول

کی سفارت سپرد ہوئی تو ایک ایسا سلیقہ مند اور پختہ ارادے کا مدبر ترکی میں آگیا جو دولت عثمانیہ کا اعتماد حاصل کرنے اور اسے اتحاد ثلاثہ کی سرحدی چوکی بنا دینے کا اپنے بادشاہ سے کم مصمم ارادہ نہ رکھتا تھا۔ نہ صرف وان ڈر گولڈز کے کام بلکہ جرمن سرمایے کے باموقع استعمال سے اس کا راستہ گویا پہلے سے تیار ہو چکا تھا۔ گویا جنگ کریمیہ کے بعد ایک نسل تک انگریزوں کا سب سے زیادہ رسوخ رہا پھر بھی ایشیائے کوچک میں صرف چند چھوٹی چھوٹی ریلیں بنائی گئیں تھیں اور جب تک استنبول کا وسطی یورپ سے بذریعۂ ریل ۱۸۸۸ء میں اتصال نہیں ہوا اس وقت تک ایشیائے کوچک میں کسی مرکزی ریل بنانے کی تجویز نے عملی صورت اختیار نہیں کی۔ تقریباً آدھی صدی سے دوربین جرمن جن میں لسٹ دموتلکے شامل تھے، ایشائی ترکی میں جرمن نو آبادی یا رسوخ قائم کرنے کے خیال پکار رہے تھے۔ اب قرض دینے کے معاوضہ میں جرمن سرمایہ داروں کی ایک جماعت کو یہ رعایت ملی کہ حیدر پاشا سے جو دارالخلافت کے سامنے واقع ہے، اشمید تک، ۵۰ میل کی پٹری پر ریل وہی چلائے۔ (اس پٹری کو ایک انگریزی جماعت تجار نے بنایا تھا) اس جرمن جماعت کو یہ اجازت بھی ملی کہ وہ اسے انقرہ تک وسیع کر دے اور اسے فی کیلومیٹر معقول ضمانت کے ساتھ توسیع کا حق ترجیحی بھی دیا گیا، جماعت مذکورہ میں زیادہ تر جرمن سرمایہ دار شریک تھے اور ڈیوش بنک ان کا سرگروہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء میں انقرہ تک ریل بن گئی اور اگلے سال دوسرے قرضے کے عوض میں عسکی شہر سے قونیہ تک ریل بنانے کی اجازت عطا ہوئی۔ عسکی شہر، حیدر پاشا اور انقرہ کے وسط میں واقع ہے اور ریل کی یہ شاخ قونیہ تک ۱۸۹۶ء میں تعمیر ہوئی۔

۱۸۹۸ء کے موسم خزاں میں قیصر نے بڑے تزک و احتشام سے فلسطین و شام کی سیاحت کی تو ترکی میں جرمانیہ کے رسوخ غالب کی گویا پوری توثیق اور اظہار ہو گیا۔ راستے میں وہ استنبول ہوتا گیا۔ اور گو بیت المقدس اور بیت اللحم میں اس زائر بادشاہ کی تقریریں

ولیم ثانی کی سیاحت یروشلم

پند و موعظت کے رنگ میں تھیں لیکن اس کا ایک مقصود یہ تھا کہ جرمن اقتدار کو مسلمانوں میں تقویت پہنچائے جنہیں وہ بجا طور پر سمجھتا تھا کہ عالم گیر سیاست کے ڈراما میں بہت باوقعت حصہ لینے والے ہیں۔ زار کو اس نے خط میں لکھا کہ "ترکی مرنے والی مرد بیمار نہیں بلکہ بہت کچھ زندہ اور جاندار ہے! اگر تم نے ان کی قومی عزت یا خلیفہ کو ہاتھ لگایا تو مسلمانوں سے خبردار رہنا" سیاحت کا نقطۂ اوج دمشق کی تقریر میں تھا جہاں اس نے یہ یادگار الفاظ کہے کہ "خدا کرے کہ سلطان المعظم اور تیس کروڑ مسلمانوں کے، جو روئے ارض پر پھیلے ہوئے ہیں، یہ امر دل نشین ہو جائے کہ شہنشاہ جرمانیہ ہمیشہ ان کا دوست رہے گا" برلن کی معاودت پر بلدیہ کے عمال نے اس کی بخیر رسی پر خیر مقدم کیا تو اس نے سیاحت میں جو کچھ مشاہدہ کیا تھا اس کا خلاصہ اس طرح بیان کیا کہ "ممالک و بلاد یا سمندر میں جہاں کہیں ہم گئے، جرمنوں کے نام کی وہ عزت وہ عظمت دیکھی جو پہلے کبھی میسر نہ تھی۔ میری آرزو ہے کہ یہ اثر قائم رہے اور

دنیائے اسلام کا حامی

ہماری سیاحت نئے میدانوں کے راستے کھولنے میں مدد ہوئی ہو جہاں جرمن الوالعزمی اور محنت اپنے کام کے کرشمے دکھا سکے گی۔ علاوہ ازیں میں امید کرتا ہوں کہ قیام امن عالم کے قابل شرف کام کو قوت پہنچانے میں بھی میری سعی مشکور ہوئی" حقیقت میں یہ سیاحت قیصری سراپا کامیاب رہی۔ جرمانیہ کو عبدالحمید کا اعتماد حاصل ہو گیا اور آیندہ سال اناطولیہ کی ریلوے کمپنی کو اصولاً یہ حق مل گیا کہ ایشیائے کوچک کے قلب سے خلیج فارس کے ریگستانی سواحل تک ریل کا سلسلہ وسیع کر دے۔ اور ادھر یورپ کی سب سے قوی طاقت کی دوستی حاصل ہو گئی جس کی اغراض ترکی کے حصے بخرے کئے جانے کی مانع تھیں اور جس کی پشت پناہی ترکی کو اس قابل بنا سکتی تھی کہ لندن یا پیٹرو گریڈ کے ناممود او بیجا دباؤ کا مقابلہ کرے!

باب ہشتم

فشوده

لندن و برلن کی روز افزوں کشیدگی سے لندن و پیرس کے مناقشے میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔ ڈرمنڈ وولف والے عہدنامے پر دستخط ہونے سے پانچ سال پہلے سے انگلستان و فرانس میں جیسی ان بن تھی

فرانس و برطانیہ کی باہمی رقابت

معاہدہ ہونے پر آئندہ دس سال بھی وہی کشاکش رہی[1] بلکہ سچ یہ ہے کہ قطع تعلق کا اندیشہ اس کے بعد کے زمانے میں پہلے زمانے کی نسبت زیادہ ہو گیا کیونکہ انیسویں صدی کے نویں عشرے میں ما بہ النزاع صرف ملک مصر تھا اور اب ہر جگہ" ویلٹ پولی ٹیک" کا سکہ رواں تھا اور دونوں ملک تُلے ہوئے تھے کہ اس مخدوش قمارمیں پورا حصہ لئے بغیر نہ رہیں گے۔ برطانیہ کے بحری اقتدار کا کوئی حریف نہ تھا لہٰذا اس دوڑ کے لئے اسی کی تیاری سب سے اچھی تھی لیکن فرانس کو دوبارہ قوت

---

[1] دیکھو "لاموتن" :- Europe et la Politique Pr Britannique." والے" شیفر کی کتاب "D ' une Guerre a Cantre" میں نے فرانس و انگلستان کے تعلقات کو اجمالاً بیان کیا ہے اور فرانسیسی مستعمرات کے متعلق دیکھو "La France Caloniali,,

بازو پر بھروسہ ہوگیا تھا اور ایک حلیف بھی مل گیا تھا۔ ایں وہ تہیہ کیے بیٹھا تھا کہ ولایات رہائن کے نقصان کی تلافی سمندر پار کے مقبوضات سے کی جائے چھینا جھپٹی کا بڑا میدان ابھی تک افریقہ تھا تاہم اور بھی غنائم موجود تھے اور سیاسی لڑائی دنیا کے مختلف حصوں میں لڑی گئی۔

رقابت کے اسباب خرد میں جنوبی اوقیانوس کے وہ جزیرے بھی تھے جنھیں "نیوہب ری ڈیز" موسوم کرتے ہیں۔ فرانس نیو کالی دونیا کا مالک تھا لہٰذا اب اپنے ہمسائے کے ان جزیروں پر للچائی نظریں ڈال رہا تھا اور ادھر مسیحی تبلیغ اور تجارتی فوائد کی امید نے آسٹریلیا کے دل میں بھی اس کی حصول کی ایسی ہی خواہش پیدا کر دی ۱۸۸۳ء میں فرانس نے اس تجویز کے ساتھ کہ ان جزائر پر ہم قبضہ کرلیں، یہ وعدہ بھی لکھا کہ فرانس آئندہ اپنے مجرموں کو جزائر اوقیانوس میں جلا وطن نہیں کرے گا اور تبلیغی جماعتوں کی محافظت کرے گا۔ مجرمین کی بلا سے اوقیانوس کو نجات دلانے کی نیوزی لینڈ اور نیوساؤتھ ویلز کو تو بہت خوشی تھی مگر آسٹریلیا میں عموماً اور ولایت وکٹوریا میں خصوصاً فرانس کے ان جزیروں پر قبضہ ہو جانے سے لوگوں کو سخت اختلاف تھا۔ چنانچہ لارڈ روزبری نے لکھ بھیجا کہ میں اس انتقال کو قبول نہیں کرسکتا۔ اس مراسلے کے باوجود نیو کالی دونیا سے دو فرانسیسی جنگی جہاز، توپ خانے اور دو سو جوانوں کے ساتھ روانہ کیے گئے اور دو جنگی چوکیاں بنا کے انھوں نے فرانس کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اس کارروائی کا مطلب دریافت کیا گیا تو جواب ملا کہ جہاز بھیجنے میں کوئی مقصد پنہاں نہ تھا اور مرکزی حکومت نے تو انہیں اس کا مجاز بھی نہیں کیا تھا، مقامی حکام نے صرف فرانسیسی باشندوں کی حفاظت کی غرض سے یہ جہاز بھیجدیے تھے۔ روزبری کا اندیشہ کہ معاملہ "طے شدہ امر" بن گیا تو پھر کچھ بنائے نہ بن پڑے گی، اس بیان سے رفع نہ ہوا۔ نظر براں دو انگریزی جنگی جہاز بھیجدیے گئے کہ جو کچھ گزرے اس پر نظر رکھیں۔ دوسرے سال انگریز اور فرانسیسی بحری عمّال کی ایک

نیوہب ری ڈیز

مخلوط نظارت مرتب ہوی کہ آباد کاروں کے جان و مال کی نگہبانی کرے اس دفع الوقتی کے طریقے سے نہ تو فرنگیوں میں اتفاق و ہم آہنگی پیدا ہوی اور نہ دیسی باشندوں کی فلاح و بہبود کی صورت نکل سکی پھر بھی وہ بیس برس تک چلتا رہا اور اتنے دن اس نے کوئی حقیقی اقتدار کسی فرنگی قوم کا قائم نہ ہونے دیا۔ ؎۱

فرانس نے تیونس کو انگریزوں کے استصواب سے فتح کیا تھا۔ لیکن لیکن ۱۸۸۱ء کے چھینٹے کی یاد اطالیہ والوں کے دل میں خلش کرتی رہی اور اس عشر کے اواخر میں افواہ پھیلنے لگی کہ بی زرتا کو مورچہ بند کیا جارہا ہے۔ ۱۸۸۹ء میں حکومت فرانس نے اطالیہ اور برطانیہ دونوں کو یقین دلایا کہ ہم اس بندرگاہ کو قلعہ بند کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ لیکن ان تسلی کی باتوں سے کرسپی پر کوئی اثر نہ ہوا اور ۱۸۹۰ء میں اس نے سالسبری کو اطلاع دی کہ بی زرتا میں فی الواقع مورچے بنائے جارہے ہیں۔ اور حجت کی کہ فرانس کی نئی بحری چھاونی تیار ہوگئی تو بحر متوسط میں توازن قوت کے درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور برطانی حکومت سے اصرار کیا کہ وہ فرانس سے معارضہ کرے۔ سالسبری نے جواب دیا کہ مجھے دریافت کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ جو عمارتیں بنائی جارہی ہیں وہ جنگی نوعیت نہیں رکھتیں ؎۲

کرسپی اور فرانس ایک مہینے بعد اطالوی قنصل نے کرسپی کو خبر دی کہ تیونس کا بے اس امر پر رضامند کر لیا گیا ہے کہ اس کی وفات پر کوئی جانشین نہ بنایا جائے۔ اس مرتبہ کرسپی نے برلن سے فریاد کی کہ اس طرح تو ہم بحر متوسط میں اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور اطالیہ کو دائمی

؎۱ ۔ گک : " دی فورین پولیسی اوف لارڈ روزبری" ۱۶ - ۱۲

؎۲ کرسپی : میموائرز" جلد دوم باب ۱۲ - اور بیلو کی کتاب : " ل - فرانس اے ل اطالیہ" بیلو رومہ میں فرانس کا سفیر تھا۔

خطرے میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ اگر اسے روکا نہیں جا سکتا تو متحدہ طاقتوں کو کم سے کم مل کر یہ مطالبہ تو کرنا چاہیئے کہ اطالیہ کو قابل اطمینان ضمانت دی جائے کہ اس کی سلامتی خطرے میں نہ پڑے گی۔ جنگ کی صورت میں تیونس کا بلا شرکت فرانس کے قبضے میں ہونا بہت اہم چیز ہوگا اور بی زرتا سے سسلی پر زد پڑے گی۔ اگر جرمانیہ تیونس میں اس تغیر کو نہ روک سکی تو اطالیہ سمجھے گی کہ اتحاد ثلاثہ بیکار ہے۔ برلن کو چاہیئے کہ حکومتِ فرانس کو جتا دے کہ ۹ ر جولائی کے معاہدے پر عمل ہوا تو جنگ ہو جائے گی اور اگر کچھ نہ کیا گیا تو فرانس آگے بڑھ کے طرابلس پر بھی قبضہ جما لے گا۔" کیپ ریوی نے لندن و وی آنا کو ٹٹولا کہ سب مل کر احتجاج کریں اور اگر فرانس کا تیونس پر بلا شرکت قبضہ روکنا ممکن نہ ہو تو طرابلس کو اطالیہ کے لئے نامزد کر دیا جائے۔

ریپو نے اس معاہدے کے وجود ہی سے انکار کیا جس پر یہ شکوے کئے جا رہے تھے۔ اور سالسبری اسی کے قول کو ماننے پر آمادہ تھا لیکن شعلہ خو کرسپی دوبارہ لپٹ پڑا۔ اس نے سالسبری کو لکھا کہ تیونس کو کامل طور پر فرانس کے تصرّف میں آنے سے روکنا غیر ممکن ہو گیا ہے اور اگر اس کو باز نہ رکھا گیا تو طرابلس کو بھی دبا لے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر طرابلس اطالیہ کے حوالے کر دیا جائے تو بی زرتا کے قلعہ بند ہو جانے سے بھی اطالیہ یا برطانیہ کو کوئی خطرہ نہ رہے گا۔

"یہ دراصل ہماری نجات اور تمہارے بحرِ متوسط میں بحری تفوق کا مسئلہ ہے۔" اطالوی قائم مقام نے اطلاع دی کہ اس خط سے برطانوی وزیر اعظم پر بہت گہرا اثر ہوا اور اس نے قائم مقام موصوف سے ایما کیا کہ آج ہی اپنی حکومت کو تار دے دے کہ اگر بحرِ متوسط کی سیاسی حالت میں کوئی تغیر واقع ہوا تو اس سمندر پر فرانس کا تسلط روکنے کی صورت بجز اس کے اور کوئی نہ رہے گی کہ طرابلس پر لازماً اطالیہ کو قبضہ دلوا دیا جائے۔ لیکن اس نے کہا کہ "اس کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ وہ آپ سے درخواست کرتا ہے

کہ ابھی توقف کیا جائے۔ ۹ر جولائی والے عہد نامے کا تو اسے یقین نہیں اور اگر اطالیہ نے طرابلس لے لیا تو ترکی اس کے خلاف جنگ کا اعلان کردے گی اور روس ترکی کو بچانے کے سلسلے میں اسے اپنا غلام بنا لے گا۔ طرابلس پر حملہ گویا ترکی کے خاتمے کا اشارہ ہوگا۔ یہ خاتمہ اور اس سلطنت کے حصے بخرے تو کئے جائیں گے لیکن ذرا ٹھہر کر کیونکہ ابھی انگلستان کی رائے عامّہ اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ توقف کرنے سے اطالیہ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا وہ آگے چل کے طرابلس پاسکے گی۔ لیکن ہرن جب تک زد کے اندر نہ آجائے، شکاری بندوق سر نہیں کرتا۔ ادھر اس عرصے میں ہم تاکید کریں گے کہ فرانس تیونس کی موجودہ حالت میں کوئی ردّو بدل نہ کرے۔“

چند روز کے بعد سالسبری نے خود بھی اطالوی صدر اعظم کو خط لکھا:

بی زرتا کی قلعہ بندی

”تیونس“ فرانس کا حصہ ہو چکا ہے لیکن ابھی ایک مدت تک اس قبضے کی تکمیل نہ ہوگی۔ برطانیہ اور اطالیہ اسے جائز نہ رکھیں گی کہ طرابلس کا بھی وہی حشر ہو جو تیونس کا ہوا۔ لیکن صبر کی ضرورت ہے۔ اگر اطالیہ نے زمانۂ امن میں طرابلس پر قبضہ کیا تو ہدف مطاعن بنے گی کہ پھر مسئلہ شرقیہ کو اس نے تازہ کر دیا۔“ کرسپی نے سالسبری کو بہت لکھا کہ وہ فرانس کو یہ تنبیہہ کرتے ہیں کہ تیونس کی سیادت کا کامل بادشاہی سے بدل دیا جانا، کسی طرح روا نہ رکھا جائے گا، برطانیہ بھی شریک احتجاج ہو جائے۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ ہر چند ۹ر جولائی کا عہدنامہ محض خیالی چیز تھی، تاہم بی زرتا کی قلعہ بندی فرانس کے انکار کے باوجود واقعی امر تھا۔ مگر اوائل ۱۸۹۱ء میں کرسپی عہدہ سے علیحدہ ہو گیا تو پھر اس کی کوئی مخالفت نہیں کی گئی۔

۱۸۸۵ء میں انگریزوں نے برما کا الحاق کیا تو مغرب میں انگریزی علاقے اور مشرق کی طرف فرانسوی ہندچینی کے درمیان صرف سیام کی ریاست بہ حیثیت برزخ باقی رہ گئی اور ان دنوں میں اپنے اپنے دائرہ نفوذ کی حدبندی کے بارے میں طول طویل جھگڑا پڑ گیا جو ایک وقت میں

نہایت خطرناک ہو گیا تھا۔ ۱۸۹۱ء میں ویڈنگٹن نے ایک تجویز پیش کی جس کا سالسبری نے جواب نہیں دیا۔ ۱۸۹۲ء میں یہ سفیر پھر ادھر پلٹا اور یہ صورت نکالی کہ دریائے می کونگ کو حد فاصل بنا دیا جائے۔ اس مرتبہ وزیر اعظم نے جواب دیا کہ اس خیال پر کافی غور و تامل کی ضرورت ہے اور اسے وزیر ہند کے پاس بھیجدیا۔ تین مہینے بعد جب ویڈنگٹن نے پھر جواب کا تقاضا کیا تو سالسبری نے بیان کیا کہ وزیر ہند نے ہنوز رائے نہیں لکھی ہے۔ اور "چونکہ ہم ابھی میکونگ سے کافی فاصلے پر ہیں لہذا معلوم ہوتا ہے وہ اس معاملے میں عجلت کی ضرورت نہیں سمجھتا" حالانکہ اس موقع پر وزیر اعظم بہت اچھی شرطیں منوا سکتا تھا بہ نسبت اُن کے جو اُسے بعد میں قبول کرنی پڑیں۔ لیکن تھوڑے ہی دن میں لارڈ روزبری نے اس کی جگہ لی اور اُس کے زمانے میں مسئلہ نے اتنا طول کھینچا کہ ان سلطنتوں میں جنگ تلی ہوئی نظر آنے لگی۔[1]

سیام سے ان بن

یہ پیچیدگی جو ۱۸۹۳ء میں واقع ہوئی، سرحد کے جھگڑے کے سلسلے میں نہ تھی بلکہ اس کا سبب یہ پیش آیا کہ فرانس کو سیام سے بعض شکایتیں پیدا ہوئیں۔ جو دوستانہ طریق سے رفع نہ ہو سکیں۔ لارڈ روزبری مانتا تھا کہ شکایت کی وجوہ معقول ہیں اور اس نے سیام سے اصرار بھی کیا کہ وہ فرانس کا مطالبہ پورا کر دے۔ مگر ساتھ ہی وہ نظر جمائے رہا کہ مبادا فرانس اپنے فائدے کی خاطر برطانی تجارت کو نقصان پہنچا دے یا شمالی سیام میں دست درازی سے اپنی سرحد برما سے لا ملائے۔ ۱۰ اپریل ۱۸۹۳ء میں فرانس نے تہیہ کر لیا کہ جبراً اپنے مطالبات منوا لے۔ اور برطانی حکومت نے بھی حکم دیا کہ ایک انگریزی جہاز بینگ کوک پہنچ جائے اور وہاں جو کچھ گزرے اس سے باخبر رہے۔

---

[1] گک: "دی فورین پولیسی آف لارڈ روزبری" ۲۰ تا ۵۰

جس وقت فرانس نے اپنے تہدیدی پیام پر عمل کرنے کی غرض سے ناکہ بندی کی دھمکی دی تو روزبری نے سیام کو تو دب جانے کا مشورہ دیا مگر خود دوسرا جہاز مینام کے دہانے پر بھیج دیا اور حکم دے دیا کہ تیسرا بھی تیار رہے۔ پہلی جولائی کو اس نے حکومتِ فرانس کو اطلاع دی کہ برطانی وکیل متعینہ بینگ کوک کو حکم بھیج دیا گیا ہے کہ وہ سیام کو فرانس سے دوستانہ طریق پر تصفیہ کرنے کی صلاح دے "لیکن اس خیال سے کہ شاید فرانس کا بیڑا جانے پر عام شورش برپا ہو جائے، یہ ضروری معلوم ہوا کہ چند جہاز بھی تجارتی اغراض کی حفاظت کے لئے موقع پر موجود رہیں۔" ۱۴ جولائی تک صرف ایک انگریزی جہاز سوفٹ پایۂ تخت کے سامنے رہا اور باقی دریا کے دہانے کے ایک طرف کھڑے تھے۔ ایک فرانسیسی توپ دار (گن بوٹ) بھی بینگ کوک کے سامنے لنگر انداز تھا اور ۱۳ جولائی تک لارڈ روزبری کو یہی اطلاع ملی کہ فرانس کا اور کوئی جہاز دریا کے اندر آگے نہیں بھیجا جائے گا۔ بایں ہمہ دوسرے ہی دن دو فرانسیسی جہاز مینام کے دہانے کے دو مورچے توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ لارڈ روزبری نے بھی بلا تاخیر حکم دیا کہ انگریزی جہاز جو ایک طرف ٹھہرا دیئے گئے تھے، ان کے ساتھ ساتھ بینگ کوک پہنچ جائیں۔ پندرہ دن بعد فرانس نے سیام کو جنگ کا پیام بھیجا اور ناکہ بندی کا اعلان کر کے تین دن کی مہلت دی کہ دوستدار طاقتوں کے جہاز اس عرصہ میں وہاں سے باہر چلے جائیں۔

اتوار، ۳۰ جولائی کے دن فرانسیسی امیر البحر نے اعلان کیا کہ ناکہ بندی کے انتظامات میں جنگی جہاز بھی داخل ہیں، تو برطانوی وکیل نے تار دیا کہ ہمارا جہاز لینیٹ وہاں سے رخصت ہونے کی تیاری کر رہا ہے۔ لارڈ روزبری نے فوراً جواب لکھا کہ لینیٹ کو ہرگز جگہ نہ چھوڑنی چاہیئے اور لارڈ ڈفرن کو حکم دیا گیا کہ فرانس کی وزارت خارجہ میں صراحت کر دے کہ برطانی رعایا کو بے قابو مشرقی آبادی کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا غیر ممکن ہے۔ وزیر خارجہ نے انگریز سفیر سے ۳۱ جولائی کو ملاقات کی اور بہت

نرمی سے بتایا کہ ناکہ بندی عنقریب اٹھا دی جائے گی۔ ادھر لینینٹ کے کپتان سے کہہ دیا گیا کہ فرانسیسی امیر البحر اس کے وہاں سے رخصت ہو جانیکا خواستگار نہیں بلکہ صرف جگہ بدلوانی چاہتا تھا۔ پہلی اگست کو سیام نے فرانس کی شرطیں قبول کرلیں اور ۳ اگست کو ناکہ بندی ہٹا دی گئی۔ یہ قضیہ تھا تو مختصر سا مگر تیز ضرور تھا اور لارڈ روزبری نے اقرار کیا کہ اس نازک اتوار کے دن توپیں نے لڑائی کا جوکھون گوارا کرلیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بینگ کوک میں فرانس و انگلستان کی اغراض میں کوئی ایسا تضاد و تخالف نہ تھا کہ جس کی بنا پر اُن کا وہاں تصادم جائز یا اس کی نوبت آنے کا اندیشہ ہوتا پھر بھی اگر فرانسیسی حکومت اسی وقت دب نہ جاتی تو ممکن تھا کہ توپیں آپ ہی آپ چل پڑتیں۔ لارڈ روزبری کے اس طرح زور شور سے اڑ جانے پر مدح بھی ہوئی اور نکتہ چینی بھی۔ ایک طرف تو لوگ یقین دلاتے تھے کہ اس نے ایک بے جا مطالبے کی مزاحمت کر کے برطانی وقار کو بڑھا دیا۔ اور دوسری طرف معترض کہتے تھے کہ اتنی ذرا سی بات پر وہ سلطنت کو ایک خوفناک جوکھوں میں ڈال بیٹھا تھا۔ بہرحال اب دونوں حکومتوں میں ایک بیچ کی ریاست کی حدبندی پر گفتگو شروع ہوئی جسے برطانیہ چاہتی تھی کہ بطور برزخ برما اور ہند چینی کے بیچ میں قائم رکھا جائے۔ فرانس کی خواہش یہ تھی کہ برطانیہ میکونگ کو عبور نہ کرے لیکن یہ استدعا قبول نہ کی گئی کیونکہ اس دریا کے مشرق میں پہلے ایک ریاست برما کے راجہ کی خراج گزار تھی۔ رسل و رسائل میں بہت دیر ہوئی اور ادھر ۱۸۹۵ء میں برطانیہ نے مذکورۂ بالا ضلع پر قبضہ کر لیا۔ کہیں ۱۵ جنوری ۱۸۹۶ء کو جا کے برزخی ریاست کی حدبندی بذریعہ ایک اعلان کے متعین ہوئی۔ اس آخری تصفیئے کے متعلق سالسبری کے نکتہ چیں کہتے تھے کہ اس میں فرانس بہت بے جا فائدے میں رہا۔ مگر اس میں تو شک نہیں کہ اس قرارداد سے مشرق اقصیٰ میں دو قوموں کا باہمی عناد دور ہو گیا۔

لارڈ روزبری کی حکمت عملی

لیکن اوقیانوس اور مشرق اقصیٰ کی یہ ان بن، طاس نیل کی شدید رقابت کے مقابلے میں، جس نے خواب و خور حرام کر دیا تھا، ہیچ تھی۔ ۱؎ گزشتہ صدی آخری عشرہ میں انگلستان کے آزاد خیال گروہ تک میں ایسے لوگ موجود تھے جو سچے دل سے مصر کا تخلیہ کر دینا چاہتے تھے۔ اسی طرح فرانس میں سے گلے مانسو کی طرح، ایسے لوگ موجود تھے جو اپنے ملک کی قوتوں کو منتشر کرنے کی بجائے صرف السائس لورین کی بازیابی کے لئے انھیں وقف و مجتمع کرنا چاہتے تھے، لیکن اقتضائے زمانہ ان خیالات کے خلاف تھا، ۲ راکتوبر ۱۸۹۱ء کی مشہور تقریر میں، جس سے "نیو کاسل والے ضابطۂ عمل" کا آغاز ہوا گلیڈ اسٹون نے امید ظاہر کی کہ سالسبری "کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے گا جس سے ہمیں مصر کے تکلیف دہ قبضے کے بوجھ سے سبکدوشی حاصل ہو" ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ سالسبری کے جانشین کو یہ مسئلہ طے کرنا پڑے گا" ان الفاظ سے بھی تخلیے کا مطلب نکلتا تھا لیکن جب یہ سرگروہ آزاد خیال چند ہی مہینے میں خود وزیر اعظم ہوا تو پھر اس بارے میں ایک لفظ بھی ہمیں سنائی دیا جتیٰ کہ جب خدیو عباس نے جنوری ۱۸۹۲ء میں اپنے باپ کا جانشین ہوا تھا، ایسے شخص کو وزیر اعظم بنایا جو انگریزوں کے خلاف تھا، تو روزبری نے اس تقرر کو تیز ہو کے منسوخ کر دیا اور خدیو کو یاد دلایا کہ وزرا کے عزل و نصب جیسے اہم معاملے میں برطانی حکومت کو توقع ہے کہ اس سے مشورہ لیا جائے گا۔ خدیو نے خفیف ہو کے سر جھکا دیا اور حکومت فرانس نے اس "زبردستی کی کارروائی" پر معارضہ کیا۔ لیکن نوجوان خدیو کے آزادی کے واسطے ذرا پاؤں نکالنے کا نتیجہ ہوا تو وہ یہ کہ انگریزی فوج متعینہ کی تعداد بڑھا دی گئی۔ اس

انگلستان کا قبضۂ مصر

۱؎ فشودہ سے ماقبل سنین کی فرانسیسی حکمت عملی کا جو اس واقعے پر منتج ہوئی، خود ہانوتو نے اپنی کتاب "فشودہ" میں صحت کے ساتھ حال بیان کیا ہے۔ اس کا مقابلہ کرو فرے سی نے کی کتاب "ل کو ابیستیون ایجیپتہ" سے۔

کے لئے بیرنگ نے بہ اصرار درخواست کی تھی اور گلیڈاسٹون کی وزارت نے اسے فوراً منظور کر لیا۔[1]

قاہرہ کی اس مختصر سی ہل چل کو زیادہ دن نہ ہوئے تھے۔ لارڈ روزبری کو بیل کے دوسرے سرے پر ایک تردّد انگیز معاملہ طے کرنا پڑا۔ ۱۸۹۰ء میں یوگنڈا کا علاقہ برطانی اقتدار میں آیا تو "برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی" نے اس کے انتظام کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن یہ کام اس کی مالی استطاعت سے بڑھکر ثابت ہوا اور ۱۸۹۲ء کی گرمیوں میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے عامل کرنل لوگارڈ کو واپس بلا لے۔ لارڈ روزبری اس علاقے کو جہاں سے وادئ نیل تک رسائی ہو سکے بے وارثا چھوڑنا نہ چاہتا تھا لہذا اس نے چاہا کہ بلا تاخیر اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے اور ساحل سے وہاں تک حکومت ریل تعمیر کرا دے۔ لیکن وزرا میں اختلاف تھا۔ خود گلیڈاسٹون نے روڈ میں سے شکایت کی کہ "یہ بدبخت مسیحی داعی ہمیں وسط افریقہ میں گھسیٹے لئے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس پہلے ہی بہت بوجھ اور کافی سے زیادہ دبنا موجود ہے۔" سر جیرلڈ پارٹل کو دریافتِ حال کے لئے روانہ کیا گیا اور اس عرصے میں کمپنی راضی ہو گئی کہ تخلیہ ملتوی رکھے گی۔ سر جیرلڈ کے کیفیت پیش کرنے پر حکومت نے کمپنی کو خرید لیا اور اپریل ۱۸۹۴ء میں علاقہ کا انتظام اپنے ذمہ لے لیا۔ پھر عزل حکومت سے چند روز پہلے، جولائی ۱۸۹۵ء میں اعلان ہو گیا کہ یوگنڈا اور سمندر کے درمیان کا علاقہ برطانیہ کے زیر سیادت رہے گا اور جس قدر جلد ہو سکے وہاں ریل بنا دی جائے گی!

کسی گذشتہ باب میں ہم انگلستان و کانگو کے عہد نامہ ۱۲ رمئی ۱۸۹۴ء پر جرمانیہ کے معارضہ کرنے کا حال لکھ چکے ہیں۔ لیکن سب سے شدید مزاحمت فرانس کی طرف سے ہوئی[2]، رجون کو فرانس کے

---

[1] دیکھو لارڈ کرومر کی کتاب "عباس ثانی"
[2] گُک: "دی فورین پولیسی آف لارڈ روزبری" ۳۱، ۳۳

انگلستان و کانگو کا عہد نامہ

استعمار پسند فرقے کے اکابر نے حکومت سے استفسارات کئے اور وزیر خارجہ نے جو جواب دئے اُن سے پتہ چلتا تھا کہ اس معاہدے کو پیرس میں کس قدر فکر کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ ہانوتو حجت کرتا تھا کہ سوڈان کو دینے نہ دینے کا حق بجز سلطان المعظم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس پر دستخط کر کے مملکت کانگو نے اپنی غیر جانب داری کی خود خلاف ورزی کی۔ دوسرے اس معاہدے نے افریقہ میں بلکہ دنیا میں توازن دول کو درہم برہم کر دیا اور وہ فرانس کے حقوق و فوائد کے سراسر خلاف ہے۔ جرمانیہ نے اس فقرہ کو جس کا اس سے تعلق تھا، حذف کرا دیا ہے، اب فرانس کا فرض ہے کہ جہاں تک اس کا تعلق ہے معاہدے کے باطل و کالعدم ہونے کا اعلان کر دے۔ ضرورت ہوئی تو قبضے کا جواب اسے بھی قبضے سے دینا پڑے گا۔ جس طرح حکومت کانگو کے کارندے بحر الغزل کے گرد گشت لگاتے پھرتے ہیں دوسری سلطنتوں کے عامل بھی ان علاقوں میں پہنچ سکتے ہیں۔ ... بالائی اوبانگی کے فوجی حاکم کو ہم نے حکم دیا ہے کہ فوراً اپنی جگہ پر جائے اور وہ بلا تاخیر فرانس سے روانہ ہو جائے گا۔ اس کی جمعیت کے پہلے جوق پہنچ چکے ہیں۔ مجلس روپئے کی منظوری دے تو مزید افواج بھی بھیجدی جائیں گی۔ مہم کے سردار کو ضروری ہدایات اور وسائل مہیا کر دئے گئے ہیں جو ہمارے حقوق کی تحفظ و بقا کے لئے ضروری ہیں"

پُر قوت بیان مرشند کی مہم کا کھلا ہوا پیش خیمہ تھا اور اس پر مجلس مبعوثین نے جو قرارداد منظور کی وہ بھی اسی طرح صاف اور واضح تھی:۔ "فرانس یہ تسلیم کر کے کہ انگلستان و کانگو کا عہد نامہ، قانون برلن کی صریح خلاف ورزی اور سلطنت عثمانیہ کی صیانت کے لئے موجب خطر ہے، اسے قانون کے خلاف اور کالعدم سمجھا جاتا ہے،" وزیر خارجہ نے تقریر کے بعد ہی لندن و بروسلز کو باضابطہ

اعتراض بھی لکھ بھیجا تو
برطانی اخبارات کو فرانس میں ایسا ہنگامہ برپا ہونے سے بہت ناگوار ہی ہوئی۔ لیکن دونوں طرف کے اعلیٰ حکّام برافروختہ نہ ہوئے اور فرانس کی وزارت خارجہ کے دفتر میں مصالحانہ بحث وگفتگو شروع ہوئی۔ فرانس کے وزیر خارجہ نے ایک مراسلے میں دلائل کے ساتھ وہ سب اعتراضات بیان کئے جو اس نے اپنی جون کی تقریر میں کئے تھے اور آخر میں یہ بھی لکھدیا کہ "فرانس کے ساتھ مملکت کانگو کے تعلقات کی نوعیت بہت خاص ہے اور اس لئے یہ ضروری ہے کہ کانگو کوئی عہد وپیمان کرے تو نہایت احتیاط سے اس بات کا لحاظ رکھے کہ اس قرارداد کی بنا پر سلطنت فرانس کی طرف سے کون سے نئے دعوے پیدا ہو جانے کا احتمال ہے اور یہ اس اعتبار سے کہ فرانس قانون برلن اور نیز سابقہ معاہدوں میں شریک و فریق ہے۔ اور اتصال ملکی کی بنا پر بھی، ایسی اغراض وحقوق کی حفاظت کرنا اس پر واجب ہے جو کسی جدید قرارداد کی رو سے جسمیں فرانس شریک نہ ہو، کالعدم نہیں ہوسکتے۔" مراسلے کو اس فقرے پر ختم کیا تھا کہ فرانس کے اعتراضات کا، جن میں سے اکثر کے حق بجانب ہونے کا خود لارڈ ڈفرن کو اعتراف تھا، برطانی حکومت نے کوئی مدلل جواب نہیں دیا ہے۔"
آیندہ ہفتے اس مراسلے کے جواب میں کمبرلے نے مراسلے کے دوستانہ طرز خطاب کی تعریف کی اور اس اعتراض کے جواب میں کہ زیر بحث معاہدے نے سلطان وخدیو کے بالائی نیل کے حقوق کو پس پشت ڈال دیا، یہ توجیہ پیش کی کہ جس وقت مصر وترکی ان حقوق کو منوانے کے قابل ہوں گے تو انہیں نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ علہ سلطنت ترکی کی صیانت وبقا کی جو ذمہ داری ۱۸۵۶ء کے معاہدے میں کی گئی ہے، وہ ان

کانگو کے عہد نامے کی منسوخی

علہ "ایجیپت"

افریقی ولایات پر حاوی نہیں ہو سکتی جو بعد میں مصر نے حاصل کئے ہیں۔
پھر بھی برطانیہ تیار ہے کہ ترکوں کے کسی معقول و مدلل دعوے پر غور و لحاظ مناسب کرے۔ اس حجت کے جواب میں کہ مملکت کانگو نے اپنی غیر جانب داری سے تجاوز کیا، کمبر لے نے لکھا کہ قانون نامۂ برلن میں کوئی شرط ایسی نہ تھی کہ کسی غیر جانب دار حکومت کو توسیع مملکت سے مانع ہو اور مملکت کانگو کی حدود کبھی کسی بین الاقوامی قرارداد سے معین نہیں کی گئی ہیں۔" لیکن اس پُر زور جواب کے باوجود برطانیہ نے لیوپولڈ کو شرائط معاہدہ کی پابندی سے آزاد کر دیا اور زمین پٹّے پر لینے کے متعلق اصرار نہیں کیا۔"
۱۴ اگست کو تو یہ جواب روانہ ہوا اور اسی دن فرانس اور کانگو نے ایک عہد نامے پر دستخط کر دیئے کہ اس علاقے کا، جو برطانیہ کو پٹّے پر دیا گیا تھا، ایک ٹکڑا خالی چھوڑ دیا جائے گا، یعنی کانگو اس پر قبضہ نہیں کرے گا اور بالائی اوبانگھی کے طاس میں فرانس کے دعاوی مان لیگا۔
اب فرانس نے قصد کیا کہ یہ علاقے جو بالآخر فرانس کے قبضے میں آنے والے تھے، ان کا جائزہ لے اور وہاں اپنی ہنگامی حکومت قائم کرے یہ کارروائی علانیہ اور بے دھڑک ہوتی لیکن فرانس و انگلستان کے تعلقات زیادہ اعتماد کی ہمت نہیں دلاتے تھے۔ مگر فرانس کا ۱۸۹۰ء کے رسل و رسائل کے ذریعے جب سے اوبانگھی کے دائیں کنارے پر تصرف ہوا، اسی وقت سے وہ جنوبی وادئ نیل پر نظر ڈالنے لگا تھا کیونکہ دریائے کانگو کے اس معاون کے منبع مصری دریا کے بالکل قریب تھے۔ جس وقت بلجیم نے معاہدوں کے باوجود، جو نھے خط متوازی کو عبور کیا اور بالائی اوبانگھی میں مستقر بنا کے، نیل کے طاس میں قدم جمائے تو ۱۸۹۲ء میں فرانس کی مجلس مبعوثین نے تھوڑی سی رقم کی منظوری دے دی تھی کہ بالائی اوبانگھی کی فرانسیسی چوکیوں کو کمک پہنچا دی جائے اور تار اور دریائی وسائل آمد و رفت کے ذریعے ان کا تعلق ساحل سے قائم کر دیا جائے۔
مئی ۱۸۹۳ء میں فیصلہ کیا گیا کہ یہاں کی فوجی حکومت کرنل مونتیل کے

مونتیل اور لیوتارد

حوالے کی جائے لیکن یہ مہم روانہ نہیں ہوئی اس عرصے میں بلجیم برابر بڑھے چلا آتا تھا اور فرانس کی ساری چیخ پکار کا صرف یہ مختصر جواب دے دیتا تھا کہ قبضہ ملکیت کا ثبوت ہے لیکن انگلستان و کانگو کے عہد نامے نے رائے عامہ کو خبردار کر دیا کہ نیل و کانگو کے درمیان کے علاقے میں بہت کچھ پیچیدگیاں اور طرح طرح کے امکانات ہیں، تو اس وقت کہیں ۱۷ جولائی ۱۸۹۴ء کو مونتیل جہاز میں سوار ہوا۔ مگر وہ مغربی افریقہ پہنچا تو فرانس و بلجیم کے جدید معاہدے پر دستخط ہو گئے تھے اور اسے حکم مل گیا کہ آئی وری کوسٹ کو چلا جائے۔ بالائی اوبانگھی میں کرنل لیوتارد عامل مقرر ہوا اور اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ بحر الغزل میں اور نیز نیل تک فرانس کے نفوذ کو پھیلائے۔ لیکن کارروائی کرنے کے لئے اسے ضروری ساز و سامان نہیں دیا گیا تھا۔ لہذا سوائے چند چوکیاں قائم کرنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا۔

انگلستان و کانگو کا معاہدہ تو اس طرح پارہ پارہ ہوا، لیکن اب برطانیہ نے بالائی نیل میں اپنے حلقۂ نفوذ کا ۱۸۹۰ء کے معاہدہ مابین انگلستان و جرمانیہ کی رو سے مسئلہ پیش کیا۔ فرانس رسل و رسائل پر رضامند ہو گیا اور حکومت برطانیہ کی خواہش کے مطابق اسی سلسلے میں تمام وسط افریقہ کے مسائل حاضرہ کی گفتگو شروع ہوئی۔ گفتگو فصل خریف میں اور "کوئے دَ اور سے" (یعنی فرانس کے دفتر وزارت خارجہ) میں ڈفرن اور ہانوتو کے درمیان آغاز ہوئی۔ ان کی مدد کے واسطے دونوں ملکوں کی وزارت مستعمرات کے ماہرین موجود تھے۔ سال تمام تک مختلف افریقی مسائل کے متعلق انہوں نے فیصلہ بھی کر لیا تھا، لیکن سوائے سیرالیون کی حد بندی کے

گفتگو کا بے نتیجہ رہنا

اس فیصلے کی اور سب تجویزیں برطانیہ اور فرانس دونوں کی حکومتوں نے مسترد کر دیں۔ ہانوتو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس کو اس گفتگو سے خط استوا کے علاقوں میں برطانیہ کے دعاوی کا صحیح علم حاصل ہو گیا اور متنازعہ فیہا ولایات کے ایک حد تک دونوں کی

نگرانی میں رہنے کا فیصلہ ہوا مگر وزیر خارجہ کی جس قرارداد سے تشفی ہو گئی تھی اس کے ساتھی وزیروں کو اس میں بے ضرورت نقصان کی صورت نظر آئی۔ لیکن یہ تجویزیں کبھی شائع نہیں ہوئیں اس لئے ان کے برے بھلے ہونے کے متعلق کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ البتہ انہی کی نامنظوری کے دن سے بالائی نیل تک پہنچنے کی وہ بھاگ دوڑ شروع ہوئی جس کا انجام فشودہ کا قیامت انگیز قضیہ ہوا۔

فرانس کے استعمار پسند گروہ نے ہموطنوں میں افریقہ سے بہت کافی دلچسپی پیدا کردی تھی اور ۱۸۹۵ء کے شروع میں حکومت سے تقاضا کیا گیا کہ وادی نیل میں ایک مقام پر قابض ہو کر برطانیہ کی مزید دست درازیوں کا سدباب کردے۔ نیل و کانگو کے درمیان فرانس کی سرگرمیوں کی افواہوں پر سر ایڈورڈ گرے نے ۲۸ مارچ کا وہ تاریخی بیان دیا، جو اس وقت تک کہ نو سال بعد فرانس با دل ناخواستہ ہمارے دعاوی تسلیم کرے، برطانیہ کی حکمت عملی کی بنا رہنے والا تھا۔ "افریقیہ کے مختلف اقطاع میں مہمیں بھیجی جانے کی تحریکوں کی افواہ ہم تک پہنچی ہے لیکن یہ فرض کرنے کا کوئی معقول سبب نہیں ہے کہ فرانسیسی مہم کو حکم ملا ہے یا وہ ارادہ رکھتی ہے کہ وادی نیل میں داخل ہو جائے۔ ان حقوق و دعاوی کی تشریح کے بعد، جو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں گذشتہ معاہدوں کی بنا پر حاصل ہیں یا جو ہمارے نزدیک وادی نیل میں مصر کو حاصل ہیں، اور اسی میں یہ اضافہ کرکے کہ ہمارے حکومت کے ان دعاوی اور خیالات سے کی حکومت فرانس کو صراحتاً اور پوری طرح واقفیت ہے میں اور بڑھتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں اسے ممکن نہیں سمجھتا کہ

گرے کا اعلان

ان افواہوں کو اعتبار کا درجہ دیا جائے۔ کیونکہ فرانس کی کسی مہم کا مخفی احکام کے ساتھ افریقہ کے بالکل دوسرے کنارے سے بڑھ کر ایسے علاقے میں چلے آنا جس پر اتنی مدت سے ہمارے دعاوی کا سب کو علم ہے، نہ صرف نامناسب [illegible] نامتوقع فعل ہوگا بلکہ حکومت فرانس یقیناً اسے خوب جانتی ہے کہ یہ فعل دوستانہ تعلقات

کے خلاف ہوگا اور انگلستان میں اسی نظر سے اُسے دیکھا جائے گا۔"

گرے کے اس اعلان سے فرانس کے سرکاری حلقوں میں بہت حیرانی اور ناراضی پیدا ہوئی۔ اول تو موآن تیل کی مہم کو مہینوں پیشتر ہی وادیٔ نیل سے ہٹا کر آئی وری کوسٹ کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا۔ اور بالائی نیل کی جانب کسی اور جماعت کے بھیجنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے یہ تنبیہ فرانس کو ایک بہت وسیع خطے میں قدم دھرنے سے روکتی تھی جو برطانیہ کی ملکیت نہ تھا بلکہ سلطان ترکی کی ملکیت میں تھا اور اس کے اندر حق ہونے نہ ہونے میں فرانس اور دوسری سلطنتیں سب مساوی حیثیت رکھتی تھیں۔ تیسرے اس اعلان میں ایک خلاف قانون دعوے کے ساتھ جنگ کی دھمکی بھی شامل تھی۔ سفیرِ فرانس نے بلا تاخیر کمبرلے کو اطلاع دی کہ میں اس ناخوشگواری پر جو اس اعلان سے فرانس میں پیدا ہوگئی، پردہ نہیں ڈال سکتا۔ اس نے شکایت کی کہ ہنوز گفتگو جاری تھی کہ ایک فریق نے اٹھ کے کہہ دیا کہ ہم متنازعہ فیہ سرزمین میں اپنے حقوق کے متعلق کوئی بات نہیں سنیں گے۔ انگریز وزیرِ خارجہ نے جواب دیا کہ یہ شکایت بے جا ہے کیونکہ اگر اثنائے گفتگو میں کوئی فرانسیسی مہم مذکورۂ بالا علاقے میں آوارد ہوئی تو الٹا برطانیہ کو شکایت کا حق ہوگا نہ کہ فرانس کو۔ اور اس نے امید ظاہر کی کہ فرانس مجھے اطمینان دلا دے گا کہ یہ افواہیں بے بنیاد ہیں۔ بیرن دکورسل نے جواب دیا کہ کسی مہم کی کوئی اطلاع ہی نہیں آئی ہے اور پھر شکایت کی کہ گرے کے اعلان کے معنی یہ ہیں کہ بالائی نیل کے تمام طاس کو برطانیہ فیصلے سے قبل ہی اپنا مملوکہ سمجھتی ہے۔ کمبرلے نے جواب دیا کہ ہمیں وادیٔ نیل کے اپنے حلقۂ نفوذ میں ہونے کا جو دعویٰ ہے وہ حکومت فرانس کو پہلے سے معلوم ہے اس کے فقط دہرا دینے سے یہ معنی نہیں نکلتے۔ مزید برآں برطانی حکومت فرانس کو اطمینان دلا چکی ہے کہ اگر مصر کا سوڈان پر آئندہ دوبارہ قبضہ ہوا، تو برطانیہ اس کی ملکیت کا حق تسلیم کرے گی۔[1]

[1] "ای چیٹ"

گفتگو کے متعلق یہ تو کمبرلے کا بیان ہے۔ لیکن فرانسیسی سفیر نے اسی کو جس طرح بیان کیا اُس سے مترشح ہوتا ہے کہ کمبرلے نے اپنے نائب کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش کی[1] کیونکہ بیرن دکورسل نے اپنی حکومت کو مطلع کیا کہ کمبرلے

کمبرلے کی ترمیم

بیان کرتا ہے کہ کسی نائب وزیر کا اعلان وزیر خارجہ یا وزیر اعظم کے اعلان کی طرح قابل سند نہیں ہو سکتا۔ فرانس کو بالکل آزادی ہے کہ وہ اُس دعویٰ کو منظور کرے یا مسترد کر دے۔ اور اس اعلان سے گفت و شنید ختم نہیں ہو گئی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جس وقت سوڈان مصر کو واگذاشت ہوگا تو اُس کا حال بھی وہی ہو جائے گا جو مصر کا۔ اس نے کہا "میں اس وقت کے انتظار میں ہوں کہ ہمارے قبضۂ مصر کے خاتمے کے ساتھ یہ مسئلہ بھی باعث نزاع نہ رہے۔ ہمارے ملکوں میں باہمی اعتماد و حسن ظن کا رہنا اس علاقے سے زیادہ بیش بہا ہے" فرانس کی وزارت خارجہ نے اپنے سفیر کے اس بیان کو، جو ایک معرکے کی گفتگو کے متعلق تھا، اس قدر اہم سمجھا کہ اُسے کمبرلے کے پاس بھیجا جس نے بعض جزوی ترمیمات کے ساتھ اس کی صحت کی تصدیق کی۔ ہانوتو لکھتا ہے کہ "اس طرح لارڈ کمبرلے نے سر ایڈورڈ گرے کی غلطی کی اصلاح کر دی کیونکہ اس نے تسلیم کر لیا کہ فرانس کو جواب میں اپنے دعاوی پیش کرنے کا حق ہے جیسا کہ پہلی گفتگو کے دوران میں تسلیم کیا تھا۔ اور یہ بھی مان لیا کہ ایک عارضی قبضے کی بناء پر بلا شرکت حقوق ملکیت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی"

گرے کے اعلان کے جواب میں فرانس کی طرف سے جو کچھ کہنا تھا، وہ وزیر خارجہ نے مجلس اعیان کی ۵ ر اپریل کی تقریر میں پیش کیا۔ اس نے صراحت کی کہ گو سوڈان اور استوا کے علاقوں پر مہدی کا تصرف ہے لیکن وہ سلطان اور خدیو کی ملکیت ہیں۔ ان وسیع لفظوں میں اس

عہ۲ ۱۸۹۵ء ضمیمہ چہارم عہ۳ ہانوتو: "فشودا"

وقت تک غالباً ایک فریق بھی موجود نہیں ہے۔ انگلستان و جرمانیہ نے ۱۸۹۰ء کے معاہدے میں بلاشبہ نیل کے دائیں کنارے کو حدود مصر تک برطانی حلقۂ نفوذ میں تسلیم کر لیا تھا اور بائیں کنارے کی کوئی حد معین نہیں کی گئی تھی۔ لیکن فرانس نے اس قرارداد پر بھی اعتراض کیا۔ برطانی دعاوی جنھیں قبول کر لینے کی فرانس کو دعوت دی جا رہی ہے، کبھی سرسری طور پر بھی معین نہیں کیے گئے۔ ایسی صورت میں کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ ایسے عام اعلان کرنے سے پرہیز کیا جاتا، جن میں صرف ایک فریق کی دلیلیں ہوں اور جن کے اس طرح بیان کرنے سے گفتگو پیش از پیش گھٹ کر باہمی فیصلے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے؟ جس وقت میں سوچتا ہوں کہ زیر بحث علاقے کس قدر عظیم و وسیع ہیں اور وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے ہم کس قدر ناواقفیت اور کامل بے خبری ہے، تو میں اپنے دل سے سوال کرتا ہوں کہ کیا ابھی سے بلا تحقیق و تفتیش تمام مسائل کو کاغذی حدبندیاں کر کے طے کر لینا، قبل از وقت نہ ہوگا؟ ایسے معین و مقرر حقوق کا جو قطعی اور مسلمہ دعاوی پر مبنی ہیں، میں بھی حامی ہوں لیکن وہ گفتگو جو ایک تنگ حلقے میں ہو رہی تھی جہاں سے اس کے باہر جانے کا کوئی امکان نہ تھا، اسے قبل از قبل محدود کر دینا، ایسی بات ہے کہ کم سے کم میں تو اسے دوستی کے خلاف سمجھتا ہوں۔ جب پیچیدہ مسائل درپیش ہوں اور ان کے حل کرنے کی مختلف قابل غور و مفید صورتیں نکل سکتی ہوں، تو ایسی دو سلطنتوں کے درمیان جو ایک دوسرے کا ادب کرتی ہیں اور جن کے تعلقات میں ہمیشہ تہذیب و تواضع کا لحاظ رکھا گیا ہے، خواہ مخواہ زبردستی یا بے جا تحکم کا کوئی تصفیہ نہیں پیش آ سکتا ابتداءً میں جو حدبندیاں محض نقشوں کو سامنے رکھ کر سرسری طور پر کھینچ دی گئی ہیں، انھیں کوئی شخص ایسی مستقل اور قطعی نوعیت نہیں دے سکتا جیسی کہ مدت دراز کے دستور و عمل نے ممالک یورپ کی حدود کو دے دی ہے۔ اور نہ کوئی ان جانباز لوگوں کو روکنے کا حق جتا سکتا ہے جو

فرانس کا جواب

شوق و ہمت سے ان نئے ملکوں کی سیاحت و اختراق کے لئے وہاں جائیں۔ البتہ جب ان دُور دراز ولایات کی قسمت کے قطعی فیصلہ کرنے کا وقت آئے گا تو سلطان و خدیو کے حقوق کا احترام، اور ہر فریق کو اس کے کام کے مطابق عوض دینے کا اصول مدِنظر رکھ کے میں سمجھتا ہوں کہ دونوں بڑی سلطنتیں ایسا فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائیں گی کہ ان کی اغراض باہمی میں بھی آشتی ہو جائے اور ترقی اور تمدنِ جدید کی خدمت کے انھیں جو مشترکہ ارمان ہیں، وہ بھی پورے ہو جائیں،، غرض وزیر خارجہ کی تقریر شایستہ پیرائے میں اس بات کا قطعی اعلان تھی کہ فرانس وادئ نیل میں انگریزوں کے ''منرو قانون،، (یعنی ملک میں کسی کے قدم نہ دھر سکنے کے اصول) کو نہیں مانے گا۔ چنانچہ خط استوا کی طرف اس کا اقدام جاری اور جھنڈے پر یہ توقیع موجود رہی کہ ''پہلے آیا، پہلے پایا،،

۱۸۹۵ء کی سرگرمیوں میں انگلستان میں وحدت پسندوں (یونینسٹ) کا غلبہ ہوا اور ان کی طاقتور وزارت اور نمایاں اکثریت نے انگلستان و فرانس کے درمیان تعلقات ایسے نازک کر دیئے کہ نپولین کے زمانے سے اب تک کسی وقت میں نہ ہوئے تھے۔ تخلیۂ مصر کی گفتگو ہی ختم ہو گئی اور نئی حکومت نے نہ صرف گرے کے اعلان کی تائید کی بلکہ بلا تاخیر سوڈان کو دوبارہ فتح کرنے کی تدبیریں سوچی جانے لگیں۔ اس کے متعلق فرانس کی تائید حاصل کرنے کی آخری کوشش اس وقت کی گئی جب کہ کروگر والے تار نے یکایک اور تھوڑی دیر کے لئے جرمانیہ کی دشمنی کو منکشف کیا۔ سالسبری نے فرانسیسی سفیر کو اطلاع دی کہ برطانیہ مہدی کا زور توڑنا چاہتی ہے اور ڈنگولا کو مہم

مہم ڈنگولا کی تجویز

بھیجنے کی تجویز زیر غور ہے۔ آیا اس شرط پر کہ ڈنگولا سے آگے بغیر فرانس کی رائے کے قدم نہ بڑھایا جائے۔ حکومتِ فرانس اس تجویز کی تائید کرے گی۔ بیرن وکورسل نے مفاہمت کی صلاح کو پسند کیا، اور فرانس کی بورژوا وزارت کے وزیر خارجہ بارتھلو نے بھی اسے منظور کیا لیکن دوسرے وزرا نے اس کی رائے مسترد کر دی اور بارتھلو مستعفی ہو گیا۔

یکم مارچ ۱۸۹۶ء کے ایک وقوعے سے جو افریقہ کے عین وسط میں ہوا حکومت برطانیہ کو مہم بھیجنے کا حیلہ ہاتھ آیا جو اگر معقول نہیں تو مفید مطلب ضرور تھا۔ اطالیہ تیونس کے عوض میں بحر احمر کے کنارے مسوبہ لینے کے درپے تھی۔ یہ ایک خدیوی چھاؤنی کا مقام تھا لیکن مہدی کی بغاوت نے اس کا سلسلہ مصر سے منقطع کر دیا تھا۔ اور برطانیہ خوشی سے آمادہ تھی کہ وہ دوستوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے۔ [1] اطالیہ حبشہ کی بلند سرزمین کی طرف آہستہ آہستہ بڑھی تھی مگر ۱۸۸۷ء میں دوگلی کے مقام پر اہل حبشہ نے ایک اطالوی جیش کو غارت و ہلاک کر دیا تھا۔ تاہم دو سال بعد معاہدہ اکیالی (۱۸۸۹ء) نے شاہ اطالیہ کو حبشہ اور بیرونی سلطنتوں کے درمیان واسطہ قرار دیا جس کی بنا پر اطالیہ نے آئندہ سے ملک کو اپنے زیر سیادت سمجھنا شروع کیا حالانکہ شاہ حبشہ اس دعوی کی تکذیب کرتا تھا اور اس کی دلیل یہ تھی کہ معاہدے نے مجھے اطالیہ کو وکیل بنانے کا اختیار دیا ہے، مجبور نہیں کیا ہے۔ ۱۸۹۱ء میں انگلستان و اطالیہ کے ایک میثاق نے ان دونوں فرنگی سلطنتوں کے حلقۂ نفوذ کی حدبندی کی۔ کسالا برطانیہ کے حلقے میں داخل کر دیا گیا اطالیہ کو فوجی اغراض کے لئے اس پر قبضہ کرنے کی اجازت مل گئی۔ حبشہ کو برطانیہ نے اطالیہ کے حلقۂ اثر میں تسلیم کر لیا مگر فرانس کی ان دنوں اطالیہ سے تجارتی محاصل کی لڑائی چھڑی ہوئی تھی وہ حبشہ کو برطانیہ اور اطالیہ سے شطرنج کھیلنے میں اعراب کا مہرہ سمجھتا تھا۔

۱۸۹۰ء میں ساحل سمالی پر سیادت کے اعلان نے اطالیہ کی اغراض حبشہ سے اور زیادہ وابستہ کر دیں۔ لیکن مِنے لیک شاہِ حبش کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ میرے باغی باج گزاروں کے ساتھ سازباز کر رہی ہے اور اپنے ملک پر سیادت کے لاف وگزاف

اطالیہ حبشہ میں

[1] اطالیہ کی حبشہ میں سرگرمیوں کو بیلو نے "لی فرانسے اے لی اطالیہ" میں مفصل بیان کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو اسٹل مین: فرانسس کو کریسپی

نے بھی اسے بہت ناخوش کیا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں جنرل براتائری کے زیر علم تقریباً تیس ہزار فرنگی (اطالوی) سپاہی تھے اور گو نجاشی چند ہی روز پہلے ایک اطالوی چھاؤنی کو بزور و قوت ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر چکا تھا، تاہم اُس نے ان شرطوں پر کہ اطالیہ نے حال میں جس علاقہ پر قبضہ کیا ہے اسے خالی کر دے اور معاہدہ اُکیالی کی نظر ثانی کی جائے، صلح کی خود سلسلہ جنبانی کی۔ براتائری کو معلوم ہو گیا تھا کہ عنقریب اس کی جگہ دوسرا حاکم اعلیٰ آنے والا ہے۔ اُس نے مذکورۂ بالا پیام مسترد کر دیا اور آدوا کے میدان میں ایک لاکھ حبشیوں کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ اطالیہ کے مقتولین، مجروحین اور قیدیوں کی تعداد سات ہزار تھی اور اگر اہل حبشہ تعاقب کرتے تو حملہ آوروں کا بالکل ہی خاتمہ تھا۔ براتائری پسپا ہو کے مسووہ آیا کرسپی کو عہدے سے نکال پھینکا گیا، معاہدہ اکیالی منسوخ ہوا، اور اطالیہ کی حبشہ کو مفتوح یا زیر اقتدار بنانے کی ناعاقبت اندیشانہ جدوجہد کا یک لخت خاتمہ ہو گیا۔

جس وقت اطالیہ کے جنگ آزما حبشہ کے بلند قطعات میں کھدیڑے جا رہے تھے، کسالا کو درویشوں نے آگھیرا۔ اطالوی چھاؤنی کے خطرے میں آ جانے کے علاوہ مصری حکام کو خیال ہو گیا تھا کہ بربر کی جانب سے بھی درویش اقدام کریں گے اور مصر کے فوجی عہدہ داروں نے تاکید کی کہ فوری پیش قدمی ہونی چاہیے۔ چنانچہ ۱۲ مارچ کو دارالعوام میں اعلان کیا گیا کہ وادی حلفہ کی سرحدی چوکی سے ڈنگولا کی طرف فوج بڑھا دی جائے گی اور اس کی توجیہ یہ کی گئی کہ دشمن کی توجہ منتشر ہوئی تو اس سے کسالا کی اطالوی چھاؤنی کو فائدہ پہنچے گا اور مصر بھی اس خطرے سے بچ جائیگا۔ جو بڑھ کر نہایت سنگین ہو سکتا ہے اس اعلان پر خوب گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ لابوشیر نے اطالیہ والوں کی خواہ مخواہ حبشہ پر چڑھائی کی سزا میں شکست کھانے پر اظہار مسرت کیا اور اس مہم کے خلاف صدائے اعتراض بلند کی جو ہمیں مصر میں ایک صدی تک باندھ کے بٹھا لے گی۔ سر ولیم ہارکورٹ نے فریق اختلاف کے سرگروہ کی حیثیت سے اس کارروائی کو خطرناک بتا کے سخت ہجو کی اور کہہ دیا کہ یہ مہم

یہیں تک نہ رہے گی بلکہ آئندہ خرطوم کی چڑھائی کی نوبت آئے گی
مسٹر یورلے کی تحریک ملامت کے جواب میں چیمبرلین نے دلیل پیش کی کہ لشکر اطالیہ
کی تباہی اور اس سے درویشوں میں جو ہیجان پیدا ہوا، اس کی بناء پر یہ
فوج کشی ضروری تھی۔ اس نے سمجھایا کہ مصر کا تخلیہ کیا جائے تو بھی کھوئے ہوئے
صوبوں کو دوبارہ حاصل کرنا بہر حال ناگزیر و مقدم تھا۔ بحث کو ختم کرتے وقت
اسی قسم کی حجت مسٹر بالفور نے پیش کی کہ جب تک سوڈان پر عمل و دخل دوبارہ
حاصل نہ ہو جائے، مصر کی جانب سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔

غرض گو زبان سے یہ بات کہی نہیں گئی لیکن صاف ظاہر تھا کہ ڈنگولا
پر فوج کشی سارے سوڈان کی از سر نو فتح کی تمہید تھی اور یہ کہ اس نے تخلیہ
مصر کو یوم حساب تک کے لئے ملتوی کر دیا۔ فرانس میں اس کے یہی معنی لئے گئے
اور نئے وزیر خارجہ بورژوا نے برطانی سفیر کو توجہ دلائی کہ سوڈان میں جنگ

روس و فرانس کی مزاحمت

آرائی سے کیسی کچھ پیچیدگیاں ہو جائیں گی۔ ۲ اپریل کو ایوان
مجلس میں بھی اس تنبیہ کو اس نے دہرایا کہ "ایک ایسے کام
کے نتائج سے ہم بے پروا و بے حس نہیں رہ سکتے جس سے پچھلے
معاہدوں کا ایفاء، بلا تعین مدت التوا میں پڑ جاتا ہو۔ مصر کا معاملہ سارے
یورپ سے متعلق ہے اور ہم اسکی اس نوعیت کو برابر قائم
رکھیں گے" اسی مقصد کو مد نظر رکھ کے فرانس و روس نے پہلے تو استفسار
وغیرہ کئے اور کوشش کی کہ مسئلہ مصر کو دوبارہ تازہ کر دیا جائے لیکن اس میں کچھ
پیش نہ گئی تو مجلس خزانہ میں اپنی رائے مہم سوڈان کے مصارف کے خلاف دی
یہ مصارف بقدر پانچ لاکھ پونڈ کے درکار تھے جو کل مد محفوظ کا ایک پانچواں
حصہ تھا۔ غلبۂ آرا کا پلڑا جرمانیہ کے ہاتھ میں تھا اور چونکہ وہ ۱۸۹۰ء والے
قضئے میں برطانیہ کے بالائی نیل میں حقوق تسلیم کر چکی تھی، لہذا اس نے
انگریزوں کا ساتھ دیا اور کثرت آرا سے رقم منظور ہو گئی۔ تب فرانس کے
تمسک داروں نے مخلوط عدالت میں مرافعہ کیا اور اپنا روپیہ اس خرچ
میں لگانے سے رکوا دیا۔ اس پر حکومت برطانیہ نے خود روپے کا انتظام کر لیا

اور دو لڑائیوں کے بعد ستمبر میں ڈنگولا پر قبضہ ہو گیا۔ ان لڑائیوں میں مصر کی دیسی فوج نے بڑی باضابطگی اور بہادری دکھائی۔ اب سالسبری نے یہ تصریح کر دی کہ گو سردست پیش قدمی جاری نہیں رہے گی لیکن خرطوم مستقل طور پر درویشوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا جا سکے گا۔

بورژوا کی وزارت نے خزانے سے رقم نامنظور کرا دینے پر قناعت نہیں کی بلکہ اب برطانی حکمت عملی کے محاذ میں اس کا توڑ کرنا شروع کیا۔ حکومت

مارشان کا وفد

جبشہ سے رسل و رسائل کا آغاز ہوا اور وہ خدمت جو پہلے مونتی کے تفویض ہوی تھی اب مارشان کے حوالے کی گئی۔ اس کے احکام پر وزیر مستعمرات نے ۲۴ فروری ۱۸۹۶ء کے دن دستخط کئے اور ان میں یہ ہدایت بھی لکھی تھی کہ "گزشتہ ستمبر میں تم نے اوبانگھی میں مہم لے جانے کی تجویز پیش کی تھی کہ فرانس کا اثر دریائے نیل تک پھیلایا جا سکے۔ اب اگر ہم کو انگریزوں کی پیش بندی کرنی ہے تو ہمیں ان سے پہلے وہاں پہنچ جانا ہو گا" یہ معرکہ خیز فیصلہ ڈنگولا کی انگریزی مہم سے کوئی تعارض نہیں رکھتا تھا لیکن یہ گرے کے اعلان کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ اور گو فرانس نے اس مشہور اعلان کو جائز ماننے سے انکار کیا تھا لیکن وہ خوب واقف تھا کہ اسے منسوخ نہیں کیا گیا ہے اور اس حالت میں اس سے تغافل برتنے کے نتائج کیا ہوں گے۔

فرانس کی سیاسی تدابیر و عزم کی تکمیل ہو چکی تھی کہ ۲۹ اپریل ۱۸۹۶ء کو بورژوا کی وزارت معزول ہوئی اور ملین کی وزارت میں ہانوتو محکمۂ خارجہ پر فائز ہوا۔ وہ فرانس کی استعماری ہوس و آرزو کا تو دل سے حامی تھا لیکن سمجھتا تھا کہ بورژوا کی حکمت عملی تیز روی میں شرائط حزم و احتیاط سے تجاوز کر گئی ہے بس وہ چاہتا تھا کہ اس کے خطرات کو محدود کر دیا جائے۔ اس احتیاط کا ایک اور سبب یہ ہوا کہ انگریزوں کی ڈنگولا کی پیش قدمی جرمانیہ، آسٹریہ اور اطالیہ میں بھی مقبول تھی۔ غرض ہیٹر وگرینڈ، استنبول اور بلادِ حبشہ میں فرانس کے قائم مقاموں کو بلا تاخیر ہدایات بھیجی گئیں کہ ہاتھ روک کر کام کریں۔ اور ہر چند مارشان کے وفد کو واپس طلب نہیں کیا گیا تاہم بالائی اوبانگھی

کے صوبہ دار لیوتار د کو تازہ احکام بھیجے گئے اور مارشاں کو اس کے ماتحت کردیا گیا مارشاں کا وفد فوجی نوعیت نہیں رکھتا اور فتح ممالک کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم دو سال تک جس روش پر چلتے رہے اور جس کی منزل مقصود یہ ہے کہ وادیٔ نیل میں ہمارا قدم جم جائے، اسی کو پوری پابندی سے اختیار کئے رہو۔" گویا ہانوتو نے پرامن طریق سے نفوذ بڑھانے کے اصول کو دوبارہ اختیار کرکے لندن سے رابطہ درست رکھنے کی تدبیر کی۔ بایں ہمہ تعلقات میں جو بہتری رونما ہوئی وہ محض سطحی تھی کیونکہ یہ نیا وزیر خارجہ اس خطرناک راستے کو چھوڑ دینے کی نہ طاقت رکھتا تھا نہ نیت۔ یہ انکار کردینا کہ مارشاں کا وفد فوجی نوعیت نہیں رکھتا وقت کے وقت سیاسی کشیدگی کو تو دور کرسکتا تھا اگر فرانس کے اس اولوالعزم سیاح کے ساتھ قومی پرچم اور فرانس کی امیدیں وابستہ تھیں اور فقط ظاہری پیرایہ بدلنے میں کتنی ہی عیاری سے کام لیا جائے اس واقعے پر پردہ نہیں پڑ سکتا تھا کہ یہ کارروائی صریحاً سلطنت برطانیہ کی سرکاری حکمت عملی کا توڑ ہے۔

فرانس کا الحاق مدغاسکر

اسی زمانے میں تصادم آرا کا ایک تازہ سبب الحاق مدغاسکر کی صورت میں پیش آیا۔[1] اس جزیرے کے متعلق بہت دن تک کاغذی گھوڑے دوڑتے رہے اور ادھر ادھر لڑائیاں بھی ہوتی رہیں تا آنکہ ۱۸۸۵ء میں وہاں کی حکومت سے ایک عہدنامہ ہوگیا جس کی رو سے جزیرے کے خارجی معاملات فرانس کی تحویل میں آگئے، پائے تخت میں ایک فرانسیسی قائم مقام (= ریذیڈنٹ) کے رہنے کی اجازت ملی اور خلیج دیجو سوارے، آس پاس کے علاقے سمیت فرانسیسیوں کو دے دی گئی۔ جزیرے کی ملکہ اپنے منصب پر برقرار رہی اور اندرونی معاملات میں فرانس کو دخل دینے کا حق نہ تھا۔ معاہدے میں فرانس کی سیادت کا کوئی تذکرہ نہیں آیا اور گو انگریز زنجبار کے اندر بعض فوائد لے کے ۱۸۹۰ء میں رضامند ہوگئے کہ اس نئی صورت کو تسلیم کریں لیکن مدغاسکر

[1] دیکھو ہانوتو: "ل افیر دَ مداگاسکر"

کے حکام نے آتنا عمل دخل پانے کی اجازت نہ دی جس کی فرانس توقع کرتا تھا۔ یہ حالت زیادہ عرصے قائم رہنے والی نہ تھی اور ۱۸۹۴ء میں آخری پیام بھیج دیا گیا کہ یا تو حکومت مدغاسکر سارے جزیرے میں فرانس کے اقتدار کو مانے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ پھر چونکہ مطالبات کو صرف جزءً تسلیم کیا گیا لہذا فرانس نے ملک گیری کے واسطے جنگ چھیڑ دی۔ ستمبر ۱۸۹۵ء میں پائے تخت پر قبضہ کر لیا گیا اور ۱۸۹۶ء میں ایک بغاوت فرو کرنے کے بعد جزیرہ براہِ راست سلطنت فرانس کے مقبوضات میں داخل ہو گیا۔ اور فتحمند سپہ سالار گالیینی ہی اس کا پہلا صوبہ دار مقرر ہوا۔ برطانیہ نے تجارتی امتیازات سے تو بادلِ ناخواستہ ہاتھ اٹھا لیا لیکن بھاری بھاری محاصل کے ذریعے انگریزوں کی تجارت درآمد برآمد کے عملاً مسدود کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لندن اور پیرس کے تعلقات میں اور زیادہ کشیدگی پیدا ہو گئی۔

یہ سرنگ جو ۱۸۹۶ء میں بھری گئی ۱۸۹۸ء میں اُڑی اور بیچ کا سال ۱۸۹۷ء خموشی میں گزرا۔ تاہم آنے والے طوفان کی بری بری فالیں ضرور سنائی دیتی تھیں۔ فرانس و روس نے خزانہ کی پس انداز رقم سے مہم ڈنگولا کے لیے روپیہ نہ دینے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ حکومت مصر سے فی الواقع شکوہ کیا کہ اس نے روس و فرانس کے بغیر برطانیہ کا روپیہ کیوں منظور کر لیا۔ اس تحکم کا برطانیہ کی طرف سے جواب اس وقت ملا جب کہ پارلیمنٹ کے افتتاح کے موقع پر وزیر مالیہ نے اعلان کیا کہ مزید پیش قدمی کی ضرورت ہے "مصر کو دیرپا اطمینان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک طاقت آمادہ پیکار او رخرطوم تک وادی نیل پر مسلط ہے" آخر میں اس نے کہہ دیا کہ کسی کے رکاوٹیں ڈالنے سے انگلستان محض دق آکر مصر کو چھوڑ دینے والا نہیں ہے۔ فرانس و روس کے اخبار اس تقریر پر بہت بھنبھنائے مگر سرکاری طور پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اسی سال انگریزوں نے ریل کا سلسلہ ڈنگولا سے جنوب کی طرف آگے بڑھا لیا اور اپنی بڑی پیشقدمی کے لئے سامان حرب جمع کر لیا۔

اس اثنا میں فرانس نے ممالک غیر سے تعلقات درست کئے۔ اپنے پیش رو

ڑولے فیری کی طرح ہانوتو نے بھی جرمانیہ کے ساتھ ہمیشہ دوستانہ روابط رکھے تھے۔ جرمن صدر اعظم ہوہن لوہی اپنے معالج ونداں سے مشورہ کرنے ہر سال پیرس آیا کرتا تھا، وہ اپریل ۱۸۹۶ء میں حسب معمول آیا تو اس سے نہایت پرتپاک ملاقات ہوئی اور اگلی جولائی میں تو گولینڈ کی حدود کا خیر و خوبی سے تصفیہ بھی ہوگیا۔ تھوڑے ہی دن بعد تیونس کے متعلق فرانس و برطانیہ میں قرار داد ہوگئی جس میں برطانی سوداگروں کے حق میں بعض خفیف مراعات تھیں۔ اطالیہ کے

فرانس و اطالیہ کا ارتباط

ساتھ بھی روابط زیادہ دوستانہ ہونے لگے۔ ادوا کی سخت ہزیمت اور کرسپی کی معزولی کے بعد روڈینی نے جو فرانس کا محب تھا تجارتی امتیازات سے ہاتھ اٹھالیا اور گویا فرانس کے کامل قبضۂ تیونس کو تسلیم کرلیا۔ نیز محاصل درآمد کی جو لڑائی ٹھنی ہوئی تھی اس کو ۱۸۹۸ء میں ایک تجارتی معاہدہ کرکے ختم کر دیا۔ فرانس و اطالیہ کی یہ یک جہتی کامیل بارریر کے آجانے سے پیدا ہوئی جو فرانس کے قابل ترین رجال سیاسی میں شمار ہوتا تھا اور ۱۸۹۷ء کے اواخر میں سفیر فرانس بنا کے اطالیہ بھیجا گیا۔

جس وقت شمال سے کچنر اور مغرب سے مارشان وادیٔ نیل کے جنوبی علاقے میں آہستہ آہستہ راستہ نکال رہے تھے، سالسبری کو موقع ملا کہ برطانی مقاصد میں ایک رکاوٹ کے حائل ہو جانے کا خطرہ دور کرے۔ دراصل جب سے وادیٔ نیل کے بارے میں ممالک غیر سے خط کتابت اور سفارتی کشمکش شروع ہوئی، حبشہ کا پائے تخت فرانس و روس کی ریشہ دوانیوں کا خاص مرکز بن گیا تھا اور ادوا کی فتح سے حبشی بادشاہ میں فتنہ اٹھانے کی قابلیت بھی بڑھ گئی تھی۔

حبشہ کا وفد

پس دنگولا پر فوج بھیجنے کے ساتھ قاہرہ سے مسٹر رینل روڈ کو روانہ کیا گیا کہ مینلیک (شاہ حبشہ) کو پوری طرح یقین دلا دے کہ مذکورۂ بالا مہم سے اس کی آزادی یا علاقے کے لئے کسی قسم کا خطرہ متصور نہیں ہے۔ یہ وفد پورا کامیاب ہوا اور ۱۴ مئی ۱۸۹۷ء کو ایک عہد نامے پر دستخط ہوگئے جس میں اقرار تھا کہ مہدی پر فوج کشی کے دوران میں حکومت

حبشہ غیر جانب دار رہے گی اور نجاشی "اپنے مقدور بھر کوشش کرے گا کہ مہدی اور اس کے رفیقوں کو گولہ بارود حبش کے راستے سے جانے نہ پائے کیونکہ وہ اعلان کرتا ہے کہ یہ لوگ ان کی سلطنت کے دشمن ہیں" اس عنایت کے عوض میں ملکِ شمالی کی حدود میں نجاشی کے موافقِ منشا ترمیم کر دی گئی۔ حبشہ اور اس کے شمال و مغرب کی طرف برطانیہ کے مصری دائرہ نفوذ کی حدود کا اس موقع پر کوئی تصفیہ نہیں کیا گیا کہ یہ مسائل اس وقت حسب دلخواہ طے ہو سکتے تھے جب کہ توقع کے مطابق درویشوں کی قوت پامال کر دی جائے۔ اسی عہدنامے کے ساتھ کرنل میک ڈانلڈ کو حکم ملا کہ یوگنڈا سے شمال کی طرف بڑھے اور خرطوم سے جنوب میں پیش قدمی کا وقت آئے تو یہ اپنی فوجیں لے کے مصری انگریزی افواج سے جا ملے۔ اسی طرح ایک اور مہم تیار کی گئی تھی کہ وکٹوریا نیانزا جھیل سے نیلِ ابیض کے کنارے فوجی چوکیوں کا سلسلہ قائم کر دے لیکن دیسی فوجوں سے کام لینے میں ایسی دشواریاں اور راستہ طے کرنے میں وہ طبعی مشکلات پیش آئیں کہ ان دونوں میں سے کوئی مہم بھی اپنا مقصد پورا نہ کر سکی۔

مغربی افریقہ کے معاملات

بالائی نیل کی طرح، نائیجر کے علاقے بھی فرانس کی طمع کو برانگیختہ کرتے تھے اور ساحل کی برطانی آبادیوں کے عقب میں فرانسیسی کارندے برابر ساز باز کر رہے تھے۔ اوائل ۱۸۹۷ء میں معاملات تنازعہ فیہ پیرس کی ایک مشترکہ جماعت ماہرین کے حوالے کئے گئے مگر فرانس کی پیش دستیوں میں فرق نہ آیا۔ گلڈ ہال کی تقریر میں وزیرِ اعظم کو جھینکنا پڑا کہ افریقہ اسی لئے بنایا گیا تھا کہ وزارت ہائے خارجہ کا روگ بن جائے۔ اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ مصالحت کی ایک حد ہوتی ہے اور ہم گوارا نہیں کر سکتے کہ ہمارے بنیادی حقوق تک پامال کر دئے جائیں۔ چیمبرلین کی تیز آواز گونجی کہ جن ملکوں کو ہم اپنا مال سمجھتے تھے ان پر حملے ہو رہے ہیں۔ یہ ایسی صورت ہے جسے ہم خوشی سے نہیں قبول کر سکتے اور ایک سرحدی فوج مرتب کی جا رہی ہے کیونکہ اختلافات قابلِ اطمینان طور پر طے ہوں یا نہ ہوں" اس کی ضرورت ہوگی۔ کئی مہینے کی تعطیل مذاکرے نائیجر کی جماعت تحقیقات

نے خریف میں اپنا کام دوبارہ شروع کیا اور ہانوتو نے برطانی سفیر سے نہایت دوستانہ گفتگو آغاز کی۔ فرانسیسی وکلا نے تجویز کی کہ جن معاملات کے تصفیئے کی فکر ہے اُن میں نائیجر کے بائیں کنارے کو بھی داخل کر لیا جائے اور استدعا کی کہ نائیجر میں کشتی رانی وغیرہ مراعات کے عوض میں جھیل تشاہ کے شمالی اور مشرقی ساحل ہمارے تفویض کر دئے جائیں سر ایڈورڈ مونسن نے جواب دیا کہ یہ مجلس فقط دائیں کنارے کے متعلق تحقیق کر سکتی ہے کیونکہ بائیں کنارے کے بارے میں ۱۸۹۰ء میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ رہے جھیل کے مشرق کے دعاوی، تو اس میں لحاظ رکھنا ہوگا کہ دریائے نیل کی طرف فرانس کا تسلط زیادہ وسیع ہونے نہ پائے۔ ہانوتو کو اس نے لکھا کہ "اگر دوسرے مسائل خاطر خواہ طے ہو جائیں، تو ہماری حکومت اس شرط کے متعلق کوئی دشواری عائد نہ کرے گی۔ لیکن ایسا کرتے وقت وہ یہ امر نظر انداز نہیں کر سکتی کہ اس علاقہ کا قبضہ آئندہ نیل کا راستہ کھول سکتا ہے لہذا مذکورۂ بالا شرط مان لینے کا ہرگز یہ مطلب نہ لیا جائے کہ حکومت برطانیہ سوائے انگلستان کے اور کسی یورپی طاقت کے وادیٔ نیل کے کسی حصے میں عمل دخل جمانے کا حق تسلیم کرتی ہے۔ اس بارے میں سر ایڈورڈ گرے نے حکومت برطانیہ کی رائے صاف صاف بیان کر دی ہے اور وہ سرکاری طور پر حکومت فرانس کو بھیجی جا چکی ہے ملکہ معظمہ کی وزارت حاضرہ حرف حرف اس بیان سے متفق ہے جو سابقہ وزارت کے برسر اقتدار رہنے کے وقت دیا گیا تھا" انگریزی سفیر نے سالسبری کو لکھا کہ مجھے آپ کی یہ تحریر حکومت فرانس کو پہنچانے سے بہت اطمینان ہو گیا کیونکہ میں اپنے مراسلات میں بار بار جتا چکا تھا کہ حکومت فرانس کو وادیٔ نیل کے متعلق برطانیہ کا منشا یاد دلانے کی بڑی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کارروائی سے مغربی افریقہ کے معاملات طے ہونے میں بھی کوئی دشواری واقع نہ ہو گی [1]

مارشاں کا نام اس مراسلے میں مذکور نہ تھا لیکن سالسبری نے اعلان

[1] دیکھو "مصر" بابتہ ۱۸۹۸ء

گرے کی جس قدر صراحت کے ساتھ توثیق و تجدید کی وہ ایک تازہ اور اہم تنبیہ کے مرادف تھی۔ ہانوتو نے جواب دیا کہ نائیجر اور نیل کو خلط ملط کرنے سے بجز اس کے کچھ نہ ہوگا کہ نائیجر کی مجلس تحقیقات کے کام میں فتور پیدا ہو جائے اور "وادی نیل کے مسائل جب کبھی زیر بحث آئے ہیں، حکومت فرانس نے خاص خاص امور کے متعلق اپنے تامل کا ہر دفعہ اظہار کر دیا ہے اور اب بھی وہ انھیں دہرائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ سر ایڈورڈ گرے کے اعلان کے ساتھ ہی ہمارے سفیر نے بلا تاخیر معارضہ کیا تھا اور خود میں نے حکومت کی طرف سے وہ بیان دیا تھا کہ جس کا برطانی حکومت کی جانب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور اس لیے میرا اس بیان کا حوالہ دینا اور بھی حق بجانب ہے گویا دونوں حکومتوں نے اپنے متضاد خیالات کا جن میں توفیق و آشتی کی گنجایش نہ تھی، اظہار کر دیا اور وہ بھی ایسے مسئلے کے متعلق جسے وہ دونوں بجا طور پر نہایت اہم تصور کرتی تھیں۔"

نائیجر کی گفتگو جاڑے بھر ہوتی رہی اور اصول موضوعہ یہ تھا کہ قبضہ حقدار بنا دیتا ہے۔ برطانی طرز عمل میں ہانوتو کو سرکشی اور تہدید دونوں کی شان نظر آتی تھی۔ نائب وزیر مستعمرات، لارڈ سلبورن کی بریڈ فورڈ والی ایک تقریر خاص طور پر تہدید و ترہیب سے مملو تھی:

مغربی افریقہ کا تصفیہ

"ہم امن کے خواہش مند ہیں مگر اس کی خاطر ہر شئے گوارا نہیں کریں گے۔ بدعاسکر کے لئے ہم نے جنگ نہیں کی کیونکہ وہاں ہمارے فوائد و اغراض بہت کم تھیں۔ لیکن کیا مغربی افریقہ کے واسطے بھی ہم یہی کہہ سکتے ہیں؟" خود وزیر مستعمرات کی ۱۹ فروری ۱۸۹۸ء کی پارلیمنٹ میں تقریر کا لب و لہجہ کچھ کم تہدید آمیز نہ تھا۔ لیکن اسی روز مجلس تحقیقات نائیجر کے برطانی وکلا نے فرانس کے دعادی، جن سے سنی گال، نائیجر اور آیوری کوسٹ کے علاقے متحد و مسلسل ہوگئے۔ تسلیم کر لیے حالانکہ پہلے انھیں بیجا حرص و آز پر محمول کیا جا چکا تھا۔ راضی نامہ کی تکمیل میں چار مہینے اور صرف ہوئے اور آخر ۱۴ جون کو اس دستاویز پر دستخط ہوگئے جس نے سنی گال سے ملاکس نیل تک دونوں سلطنتوں کے دائرۂ اثر کی حدبندی

کر دی۔ اس معاہدے نے مغربی افریقہ کے تمام سرحدی جھگڑے طے کر دیئے اور ہانوتو کی رائے میں فرانس کو بلا کسی بڑی قربانی کے "ہر چیز دے دی جو اسے مطلوب تھی۔ باایں ہمہ فرانس کے پُرجوش استعمار پسندوں نے سخت نکتہ چینی کی اور معاہدے کی توثیق و منظوری میں دیر لگی"

اب صرف وادیٔ نیل کا مسئلہ باقی تھا اور ہانوتو نے چاہا کہ متوقع تصادم ہونے سے قبل اس کو بھی حل کر دیا جائے۔ کچنر کی پیش قدمی مارچ میں شروع ہوئی اور ۸ اپریل کی خونریز جنگ اتبارا نے صوبۂ بربر کو آزاد کیا اور خلیفۂ سودانی کی آیندہ تباہی کا ڈنکا پیٹ دیا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مارشان اگر اس وقت تک فشودہ پہنچ نہیں گیا۔ تو اس کے آس پاس ضرور ہوگا۔ لیکن نائیجر کے مفاہمت نامے پر جس دن دستخط ہوے۔ اس کے دوسرے ہی روز میلین کی وزارت شکست ہوگئی اور وزارت خارجہ کے دفتر میں دلکاسے کا، ہفت سالہ دور شروع ہوا۔ اس کا پہلے وزیر مستعمرات رہنا اسے تجربہ کار اور جدید عہدے کے لئے خاص طور پر تیار کر چکا تھا۔

مارشان کا فشودہ آپہنچنا

مارشان ۱۰ جولائی کو فشودہ پہنچ گیا لیکن اس کے ورود کی دو مہینے تک (یورپ) میں اطلاع نہیں ہوئی۔ مہدوی افواج کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کا وقت اوائل ستمبر مقرر کیا گیا تھا اور ۲ اگست کو سالسبری نے فتح خرطوم کے بعد کے زمانے کا نظام العمل تسوید کیا۔ جنوبی اضلاع پر تسلط کے لیئے بڑے پیمانے پر کسی جنگی کاروائی کا قصد نہ تھا بلکہ نیل ابیض و اسود میں صرف جنگی کشتیوں کے بیڑے بھیجنے کی تجویز تھی۔ اگر نیل اسود میں حبشیوں کا سامنا ہو جائے تو قرار پایا کہ بیڑے کو تھم کر احکام کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور نیل ابیض کی سفائن فشودہ تک خود سردار کے زیر علم جانے والی تھیں اور اس کے ساتھ تھوڑی سی برطانوی فوج بھی تھی۔ "فرانس یا حبشہ کے حکام کا سامنا ہو تو ان سے معاملہ کرنے میں کوئی ایسی بات نہ کہی جائے، جس سے کسی طرح بھی یہ مترشح ہوتا ہو کہ ہم وادیٔ نیل کے کسی حصے میں فرانس یا حبشہ کا کوئی حق قبضہ تسلیم کرتے ہیں"

پہلی ستمبر کو انگریزی مصری فوج اُم دُرمان کے سامنے پہنچ گئی اور ۲ ستمبر کو طلوع فجر کے ساتھ تیس ہزار درویشوں نے سرفروشانہ بہادری سے حملہ کیا۔ دن کے ۹ بجتے بجتے حملہ آوروں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور فوج دارالملک کی طرف آگے بڑھی۔ پہاڑیوں کے عقب سے ایک ناگہانی یورش نے تھوڑی دیر کے لئے میمنے کو معرض خطر میں ڈال دیا تھا لیکن تیسرے پہر کو کچنر شہر میں داخل ہوا تو خلیفہ (مہدی) بچے کھچے لشکر کو لے کر افتان و خیزان شہر کے دوسرے رخ سے باہر نکل گیا۔ آتش بار توپ و تفنگ اور نیزے

کچنر کا داخلہ خرطوم میں

تلوار کی اس لڑائی میں فتحمندوں کا نقصان چند صد نفوس سے زیادہ نہ تھا بحالیکہ درویشوں کے نقصانات کا اندازہ تقریباً بیس ہزار کیا جاتا تھا۔ سودان کے طریق جنگ کے مطابق دیسی سپاہیوں نے لڑائی ختم ہونے پر بھی میدان سے گزرتے میں صدہا زخمیوں کو مار ڈالا۔ سورج چھپے برطانی اور مصری علم اس محل پر لہرانے لگا جہاں ۱۸۸۵ء میں گورڈن ہلاک ہوا تھا اور کچنر نے خلیفہ کی شکست کو خوب نمایاں کرنے کے لئے مہدی کی قبر بھی کھود کے برابر کر دی [1]

دلکاسے نے سرایڈمنڈ مونس کو "مصر کے متعلق دونوں حکومتوں میں اختلاف رائے ہونے کے باوجود" اس فتح پر دلی مبارکباد پیش کی۔ اس نے اپنا گمان ظاہر کیا کہ انگریزی بیڑا جنوب کی طرف بڑھے گا اور غالباً کپتان مارشان سے آملے گا جسے حکومت فرانس نے ہدایت کر دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو صرف تہذیب و تمدن کا ایلچی تصور کرے اور حقوق کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرے کہ یہ کام دونوں سلطنتیں خود بحث و مشورے سے انجام دیں گی۔

---

[1] فاضل مؤلف نے اس فعل کا جس ستائش آمیز پیرائے میں ذکر کیا ہے وہ اس بات کا گویا مزید ثبوت ہے کہ اہل یورپ تہذیب و انسانیت کے دعاوی کے باوجود غالباً سفاکی میں اپنے اسلاف سے کچھ بہت مختلف نہیں ہیں۔ مترجم

پھر اس نے کہا مجھے امید ہے کہ برطانی سپہ سالار کو بھی حکم دے دیا جائے گا کہ آویزش سے دامن بچائے اور میں چاہتا ہوں کہ اختلاف کے تمام اسباب امن و صلح کے ساتھ دُور کر دئیے جائیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ صاف دلی سے باہمی گفتگو ہوئی تو فیصلہ ہونے میں کچھ دقت نہ ہوگی۔[1] اس گفتگو کی سالبری کو بذریعہ تار کیفیت بھیجی گئی تو اس نے سفیر کو حکم دیا کہ حکومت فرانس سے کہہ دیا جائے کہ تمام علاقہ جو خلیفہ کے قبضے میں تھا، فتح کے حق سے برطانی اور مصری حکومت کے قبضے میں منتقل ہو گیا ہے۔ ملکۂ معظمہ کے حکام کے نزدیک اس حق کے متعلق کوئی بحث و گفتگو ہی نہیں ہو سکتی البتہ اس دعوے کے علاوہ دوسرے علاقوں کی تقسیم کے بارے میں اگر کوئی تنازعہ پیش آئے تو وہ آمادہ ہیں کہ عالی جناب وزیر خارجہ کے خیال کے مطابق اس کا تصفیہ کر لیا جائے۔" یہ سن کر دلکاسے نے صرف اتنا کہا کہ یہ جملہ کہ "تمام علاقہ جو خلیفہ کے قبضے میں تھا" قدرے مبہم ہے اور مجھے اس کی وسعت کا کوئی صحیح علم نہیں۔

اس عرصے میں کچنر کو خبر ملی کہ فرانس کا پرچم خرطوم سے پانچسو میل جنوب میں، فشودہ پر لہرا رہا ہے۔ پس ۱۰ ستمبر کو وہ ام درمان سے پانچ توپ دار کشتیاں، دوسو انگریز اور سوڈانی سپاہی اور میدانی توپ خانے لے کے دخانی جہازوں میں روانہ ہوا۔[2] ۱۸ ستمبر کو فشودہ چند میل رہ گیا تو اس نے "یورپی مہم کے سردار" کے نام یہ اطلاع دینے کے لئے ایک خط بھیجا کہ میں نے ام درمان میں فتح پائی اور عنقریب فشودہ پہنچ جاؤں گا۔ مارشان نے جواب میں سردار کو اس کی فتح پر بہت گرمجوشی سے مبارک باد لکھی

---

[1] یہ پہلی گفتگو ہے جس کا فرانس کی "زرد کتاب" میں بھی بیان نقل کیا ہے "فیری ...... بحرالغزال" ۱۸۹۸ء

[2] دیکھو اس کی مرسلہ "کیفیت" اور مارشان کے ساتھ خط و کتابت کتاب "ایجپٹ" ۳ بابت ۱۸۹۸ء

اور مطلع کیا کہ میں نے بحر الغزل کے کچھ حصے اور اضلاع شلوک پر نیل کے بائیں جانب فشودہ تک قبضہ کر لیا ہے، ۲۵ اگست کو دریا کی طرف سے درویشوں کے حملے کو میں نے پسپا کیا اور ۳ ستمبر کو ایک مقامی سردار سے عہد نامہ لکھوا لیا ہے کہ نیل کے بائیں کنارے پر اضلاع شلوک فرانس کے زیر سیادت رہیں گے بشرطیکہ حکومت فرانس اس معاہدے کی تصدیق کر دے۔ خط کو ان الفاظ پر ختم کیا تھا کہ "بالائی نیل میں تمہاری آمد پر میں دلی دعائیں پیش کرتا ہوں اور فرانس کی طرف سے فشودہ میں تمہارا استقبال کرنے سے نہایت مسرور ہوں گا۔"

کچنر کی ملاقات مارشان سے

یہ جواب جس میں خلق و تواضع کے ساتھ قطعی انکار تھا، ۱۹ ستمبر کے روز کچنر کو ملا اور اس کے چند گھنٹے بعد وہ خود فشودہ پہنچا تو مارشان اس سے ملنے آیا اور اتنے طویل و تکلیف دہ سفر کو بخیر و خوبی طے کرنے پر کچنر نے اس کی تعریف کی۔ پھر کہنے لگا کہ فرانس والوں کی وادئ نیل اور فشودہ میں موجودگی مصر و برطانیہ کے حقوق میں صریح مداخلت کے مرادف ہے اور خدیو کے علاقے میں فرانس کا جھنڈا گاڑنے پر مجھے خواہ مخواہ اعتراض کرنا پڑتا ہے۔ اس نے مارشان سے التجا کی کہ مصری اقتدار کے ازسرنو یہاں قائم ہونے میں مزاحم نہ ہو کیونکہ مصر و برطانیہ کی فوجیں فرانس کے آٹھ سرداروں اور ایک سو بیس جوانوں سے کہیں زیادہ قوت رکھتی ہیں۔ پھر اس نے امداد کی ظاہر کی کہ ہم آپ کو اور آپ کے تمام رفیقوں کو اپنی جنگی کشتی میں شمال کے کسی مقام تک پہنچا دیں گے۔ مارشان نے جواب دیا کہ میں بغیر اپنی حکومت کی ہدایت کے نہ اپنی جگہ چھوڑ سکتا ہوں اور نہ اپنا جھنڈا اکھاڑ سکتا ہوں۔ پھر درخواست کی کہ حکام پیرس سے اس معاملے میں گفتگو کی جائے اور مجھے یقینی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا تاخیر میری واپسی کا حکم دے دیں گے۔ اس طرح فرانس کا پرچم بلند رہا اور مصر کا جھنڈا چند سو گز کے فاصلے پر گاڑ دیا گیا۔ کچنر نے زبانی اعتراض کے بعد وادئ نیل کے کسی قطعے پر فرانس کے قبضہ کرنے کے خلاف تحریری بحث بھی لکھی اور آخر میں یہ بڑھا دیا کہ اب

یہ ملک حکومت مصر کے عمل و دخل میں آگیا ہے اور فشودہ کا ایک برطانی عامل مقرر کر دیا گیا ہے؛

کچنر اور مارشان کی افریقہ میں جس روز ملاقات ہوئی اس سے ایک دن پہلے دلکاسے اور برطانی سفیر کی بھی ایک معرکہ آرا گفتگو ہوئی۔

مونسن اور دلکاسے

وزیر خارجہ نے دریافت کیا کہ کیا برطانیہ اس خیال پر جمی ہوئی ہے کہ مارشان کو فشودہ میں پہنچ جانے کا کوئی حق نہ تھا؟ سر ایڈمنڈ مونسن نے کہا فرانس کو خوب معلوم تھا کہ نیل کے طاس میں کوئی پیش قدمی کی گئی تو اس فعل کو برطانیہ دشمنی کے خلاف سمجھے گی۔ ایسی صورت میں یہ وفد بھیجا ہی کیوں گیا؟ دلکاسے نے جواب دیا کہ فرانس نے بالائی نیل کے علاقے کو برطانیہ کے دائرۂ اثر میں کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ اس قسم کے بیان پر معارضہ کیا تھا۔ پھر بحر الغزال تو مدت سے مصر کے حلقۂ اثر سے باہر ہے وہاں فرانس کو فشودہ میں پہنچنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا انگریزوں کو خرطوم پہنچ جانے کا۔ سچ پوچھئے تو انگریزوں کا یہ دعویٰ بھی صرف اس وقت جائز ہو سکتا ہے جب کہ سلطان المعظم کی طرف سے انھیں سند ملی ہو؛ سر ایڈمنڈ نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کی کہ صورت حال نازک ہوگئی ہے۔ حکومت برطانیہ کسی بین بین صورت کو قبول کرنے کے لئے بھی رضامند نہ ہوگی۔ اسے جھگڑا لگانے کی خواہش نہیں ہے لیکن ایسی کارروائی پر اس کا بگڑنا قدرتی بات ہے، جس کے متعلق اس نے فرانس کو پہلے جتا دیا تھا کہ وہ اس میں مداخلت نہ کرے؛ دلکاسے نے اپنے ملاقاتی کو یقین دلایا کہ وزارت فرانس کا ہر فرد انگلستان کے ساتھ عمدہ تعلقات رکھنے کا خواہاں ہے اور اگر انگلستان کو بھی اسی قدر خواہش ہو تو پھر کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا؛

۲۷ ستمبر کو مجلس وزرا کا ایک جلسہ ہوا اور اسی شام برطانی سفیر کو دفتر خارجہ میں آنے کا بلاوا پہنچا۔ مارشان نے کچنر کو بتایا تھا کہ میں اپنے وفد کی کیفیت کی دو نقلیں بھیج رہا ہوں۔ ایک فرانسوی گانگو کی راہ سے اور دوسری براہ حبشہ۔ اب دلکاسے نے کہا کہ اس کاغذ کا جلد سے جلد ہم تک پہنچ

جانا ضروری ہے اور ہم شکر گزار ہوں گے اگر حکومت برطانیہ مارشان کو مطلع کر دے کہ وہ ایک نقل براہ راست قاہرہ بھیج دے۔ سر ایڈمنڈ نے سوال کیا کہ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک وہ کیفیت پیرس نہ پہنچ جائے گی، مارشان کو واپس نہیں بلایا جائے گا؟ ولکاسے نے جواب دیا کہ میں اس معاملے پر نہایت مصالحانہ گفتگو کے لئے آمادہ ہوں، لیکن سفیر کو لازم ہے کہ وہ غیر ممکن باتوں کی خواہش نہ کرے۔ سالسبری حکومت فرانس کا پیام بھیجد ینے پر رضامند ہو گیا مگر اس نے یہ سنا دیا کہ موجودہ صورت زیادہ عرصے تک رہی تو وہ بہت بے اطمینانی کا باعث ہوگی۔ لوگ یہ جاننے کے مشتاق ہیں کہ پس پردہ کیا ہو رہا ہے لیکن اگر صرف یہی اعلان کر دیا جائے کہ مارشان روانہ ہونے والا ہے تو کافی ہوگا۔ ۳۰ ستمبر کو سر ایڈمنڈ نے ولکاسے سے پھر ملاقات کی اور اس نے برطانی سفیر کو بتایا کہ بغیر خاص شرائط و گفتگو کے فشودہ کا تخلیہ نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی سنا دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہو سکے تو فرانس کی کانگو اور بالائی اوبانگھی کے مقبوضات کی حدبندی پر بھی بحث و گفتگو کر لی جائے۔

فرانس کا اڑے رہنا

اب تک اس بارے میں جو کچھ گفتگو ہوئی وہ پیرس میں تھی لیکن ۶ اکتوبر کو بیرن دکورسیل وزیر اعظم سے ڈاؤننگ اسٹریٹ میں ملنے آیا اور ایک طویل و ناتمام گفتگو کی جس میں بار بار زور دے کے کہا کہ فرانس میں اس قضیئے پر بہت جوش پایا جاتا ہے۔ سالسبری نے اسے یقین دلایا کہ انگلستان میں بھی لوگوں کے احساس کی شدت کچھ کم نمایاں نہیں ہے۔ اور اسے برطانی دعاوی ۱۸۹۳ء، ۱۸۹۴ء، ۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۷ء کا حوالہ دیا۔ فرانسیسی سفیر نے خیال ظاہر کیا کہ ہر دو فریق کو اعلان کر دینا چاہیئے کہ حلقہ ہائے اقتدار کی حدود دطے کی جا رہی ہیں اور دعویٰ کیا کہ نیل کے بائیں کنارے پر معقول علاقہ فرانس کو ملنا چاہیئے۔ یہی بحث دوبارہ ۱۲ اکتوبر کو ہوئی۔ بیرن نے صاف کہہ دیا کہ فرانس کو اپنے صوبہ اوبانگھی کی تجارت کے واسطے نیل پر راستہ ملنے کی خواہش ہے۔ لہذا بحر الغزال کے قابل جہازرانی ٹکڑے پر کوئی جگہ اسے دی جائے اس صوبے میں فرانس

خاصی مدت سے چوکیاں قائم کر چکا ہے اور اننے طویل اور غیر متنازعہ فیہ قبضے کی بدولت اس کا وہاں حق ملکیت ہو گیا ہے؛ سالسبری نے خیال ظاہر کیا کہ اگر مارشان اور بانگھی اور نیل کی شاخوں کے درمیان اس ملک کے فاصل آب تک ہٹ جائے تو بہتر ہے۔ اس کا بیرن نے جواب دیا کہ فاصل آب کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنا دشوار ہے اور پھر وہی تجویز پیش کی کہ جھیل شاہ اور نیل کے درمیان تمام ممالک کی نسبت ایک عمومی تصفیہ ہو جانا چاہیئے۔

وزیر اعظم کو سفیر کی گفتگو کچھ ایسی خطیبانہ انداز کی اور غیر واضح معلوم ہوئی کہ اس نے ان مسائل پر اس وقت تک بحث کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ وہ بالکل صحیح اور معین الفاظ میں پیش نہ کئے جائیں۔ چنانچہ یہ دوسری ملاقات بھی پہلی کی طرح بے نتیجہ رہی۔ لندن اور پیرس کے ان مباحثوں سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ حکومت فرانس اس بات کو خوب سمجھ گئی ہے۔ کہ فشودہ کا تخلیہ کرنا پڑے گا لیکن وہ رسل اور رسائل کر کے اپنی سبکی سے بچنا چاہتی ہے۔ مگر فرانس مشروط تخلیئے پر آمادہ تھا تو برطانیہ کو اصرار تھا کہ وہ بلا شرط برطانی مطالبہ تسلیم کر لے۔

وزیر اعظم کی روش تحمل کی برطانیہ کے اخبار یا رائے عامہ نے تقلید نہیں کی۔ ٹھیک اس وقت جب کہ وہ سفیر فرانس کی "خطیبانہ" دلائل اور استدعائیں بیٹھا سن رہا تھا، لارڈ روزبری ایسم میں اسی موضوع پر تقریر کر رہا تھا۔

لارڈ روزبری کی دخل دہی

اس نے صاف کہا کہ یہ معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے۔ پورے غور و فکر کے بعد فرانس کو خبردار کر دیا گیا تھا کہ فلاں فعل دوستی کے خلاف سمجھا جائے گا، پھر بھی عمداً اس کا ارتکاب کیا گیا۔

حکومت نے اس بارے میں جو طرز عمل اختیار کیا اس کی پشت پر تمام قوم کی قوت ہے اور کوئی جماعت حکام جو اس طرز عمل سے قدم ہٹائے یا اس میں تذبذب و تردد سے کام لے، ہفتہ بھر بھی اپنے عہدے پر نہیں رہ سکتی، ملک ان کی تائید میں ہر قسم کی قربانیاں اور جہاں تک وہ چاہیں، ساتھ دینے کے لئے آمادہ ہے؛ رود بار کی طرف بھی ایک مخدوش پیچیدگی موجود ہے۔ یہ پرچم کا سوال ہے۔ میں پرچم کی عزت کرتا ہوں لیکن جھنڈا بر داشتنی

چیز ہے۔ غیر ذمہ دار لوگ بھی اسے اُٹھا کے جہاں تہاں لے جا سکتے ہیں اور مجھے یہ ثابت ہونے کی امید باقی ہے کہ اس موقع پر یہ فرانس کا جھنڈا نہیں ہے بلکہ محض ایک واحد جہاں گرد کا جھنڈا ہے اور اس لئے تمام جمہوریت کا وزن اسے حاصل نہیں ہے۔ ایم دلکاسے کی روش مصالحانہ ہے اور مجھے توقع ہے کہ یہ قضیہ خیر و خوبی سے رفع دفع ہو جائے گا لیکن یہ معلوم رہنا چاہئے کہ حقوق مصر کے معاملے میں کوئی مساحت نہیں ہو سکتی۔ چند سال سے برطانیہ کے ساتھ کچھ اس قسم کا برتاؤ ہوتا رہا ہے کہ گویا وہ کسی شمار قطار میں نہیں ہے لیکن دوسری قوموں کو یاد رہنا چاہیئے کہ مخلصانہ روابط صرف اس اصول پر مبنی ہیں کہ فریقین ایک دوسرے کے حقوق، مقبوضات اور علم کا احترام کرتے رہیں"۔

طبل جنگ کی یہی صدائیں ہکس بیچ وزیر خزانہ کی تائید والی تقریر میں سنائی دیں:۔

"یہ ایک بڑی مصیبت ہوگی اگر اسی برس سے زیادہ مدت تک امن و آشتی رہنے کے بعد دوستانہ تعلقات میں خلل پڑ جائے حالانکہ اس زمانے میں مجھے اُمید تھی کہ غیر دوستانہ خیالات تک عملاً محو ہو چکے ہیں۔ لیکن بعض چیزیں جنگ سے بدتر ہوتی ہیں اور جو کچھ پیش آئے، ہم اس سے دم نہیں چرائیں گے"۔ چیمبرلین نے فوج محفوظ کے طلب کئے جانے اور دوسری احتیاطی تدابیر کا یہ کہہ کے اعلان کیا کہ انہیں دھمکیاں نہ سمجھنا چاہیئے۔ البتہ ہم اس تمام علاقے کے مدعی ہیں جسے ہم نے "بڑی بھاری قیمت دے کے بدنظمی اور انتشار سے نجات دلائی ہے"۔ اس ہنگامے میں بعض دھیمے سُر بھی سنائی دیئے اور اخبار ڈیلی نیوز نے فرانس کی جائز آرزوؤں" پر غور کرنے کی سفارش کی۔ لیکن جم غفیر کو ڈیلی میل کا انداز زیادہ پسند تھا۔ اُمّ درمان کی فتح کا نشہ دماغوں پر چڑھا ہوا تھا اور اس کی تکمیل میں دیر ہونے سے لوگ بپھرے پڑتے تھے۔ عوام کی پُر غضب بیتابی کا مرقع "پنچ" کا وہ کارٹون دکھاتا تھا جس میں ایک چھوٹے قد کا آلہ ساز سوال کرتا ہے کہ

برطانی بے صبری

"اگر میں جل دوں تو کیا دو گے ؟" اور اس کے جواب میں ایک تنومند جان ٹل تیور پر بل ڈال کے کہتا ہے کہ "اگر تم نہ جل دیئے تب میں تمہیں کچھ دوں گا!"
فرانس خوب واقف تھا کہ جنگ کسی وقت بھی چھڑ جائے تو تعجب نہیں اور اسی لئے اس لیے مارا ماری سے بری افتاد پیش آجانے کی تیاریاں کیں۔ مارشان کی مراسلہ کیفیت قاہرہ کے راستے ٹھیک وقت پر پیرس آپہنچی مگر وزرائے فرانس نے اس کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا بلکہ طاقت کے آگے ان کا سر جھکا اور ۴ر نومبر کو بیرن دکورسیل نے سالسبری کو اطلاع دی کہ فشودہ خالی کر دیا جائے گا۔ وزیر اعظم نے بہت خوش ہو کر اعلان کیا کہ یہ مخدوش قضیہ چک گیا۔ اور گو، اس نے کہا "بہتیرے بحث مباحثے ہوتے رہیں گے لیکن مناقشے کا ایک خطرناک سبب دور ہو گیا اور اس پر ہم جس قدر خوش ہوں بجا ہے۔"
مارشان نے مصر کے راستے فرانس واپس آنے سے انکار کیا بلکہ حبشہ سے روانہ ہو کے دراز تر راستے کو ترجیح دی۔ یورپ کی ایک بڑی طاقت کی یہ علانیہ سبکی تھی کیونکہ برطانیہ نے صرف جنگ کی دھمکی دے کے بلا شرط تخلیہ کرا لیا۔ ہانوتو جتاتا ہے کہ مارشان کے وفد کا مقصد یہ تھا کہ اعراب کے لئے ایک موقع کا مہرہ ہاتھ آجائے جسے سامنے لا کے نیل کے متعلق بھی اسی قسم کا مفید مطلب معاملہ کیا جا سکے جیسا کہ نائیجر کے سلسلہ میں کر لیا گیا تھا۔ لیکن اگر یہ گفتگو ہانوتو کی خواہش کے مطابق اُم درمان کی فتح سے قبل چھڑ جاتی، تب بھی یہ بازی خطرے سے خالی نہ تھی۔ مشرق اقصیٰ کے معاملے میں ملک کا میلان طبع دیکھکر سالسبری بہت دب گیا تھا لیکن وادی نیل کے بارے میں وہ بالکل اڑا رہا اور فرانس کو جو کچھ خفت اٹھانی پڑی یہ خود اس کی نادانی کے طفیل تھی کہ بار بار کی تہدید و تنبیہ کو وہ خاطر میں نہیں لایا۔ فرانس کا ایک دشمن پہلے سے موجود تھا اور اب ہی دوسرے کو دشمن بنانے کی اس میں استطاعت نہ تھی۔ برطانیہ سے لڑنا گویا جرمانیہ کے پھندے میں پھنسنا اور ولایات رہائن کی آئندہ واگذاشت کی امید سے ہاتھ دھو لینا تھا۔ چنانچہ دلکاسے

دلکاسے کا فیصلہ

کا مجلس میں صاف صاف کہہ دینا کہ ایسی لڑائی اتنی قربانیاں

مانگے گی جو اس کے مقصود سے کہیں زیادہ ہوں گی"۔ مبالغے سے پاک اور بالکل سچی بات تھی۔ فرانس کا بڑا کمزور تھا۔ اور اس کا دشمن چاہتا تو فرانس کی ساری نو آبادیوں کو چھین سکتا تھا۔ غرض وزیر خارجہ نے جب ایک راستہ اختیار کر لیا تو پھر اس نے تہیہ کر لیا کہ برطانیہ کی دوستی سے وہ پھل حاصل کرے جو اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے سے میسر نہ ہوا تھا۔ اہل فرانس تو اپنی خفت پر پیچ و تاب کھا رہے تھے لیکن اس نے اپنے دوستوں سے کہہ دیا کہ اب میں وزارت خارجہ سے اس وقت تک علیحدہ نہیں ہوں گا جب تک کہ انگلستان کے ساتھ دوستانہ روابط قائم نہ ہو جائیں۔ یہ تمنّا بر آئی اگرچہ بڑی پھسلتی سڑک طے کرنی پڑی تب کہیں ان حریفوں نے ۱۹۰۴ء میں جا کے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔

بعض حلقوں کی طرف سے مطالبہ ہونے لگا تھا کہ سوڈان کو برطانی سیادت میں لے لیا جائے، مگر اسے وزیر اعظم نے مسترد کر دیا اور گلڈ ہال کی ضیافت کے موقع پر صاف کہہ دیا کہ جب تک شدید ضرورت نہ پیش آئے ایسا نہیں کیا جائے گا۔ اس میں اتنا اور اس نے بڑھا دیا کہ برطانیہ کا مرتبہ مصر میں اب پہلا جیسا نہیں رہا ہے کیونکہ وہ تاریخ کے راستے میں ایک منزل میدان جنگ کی آتی ہے"۔ سوڈان کی حیثیت مصر و انگلستان کے ایک مفاہمت نامے کی رو سے معین ہوئی جس پر ۱۹ رجنوری ۱۸۹۹ء کو دستخط ہو گئے۔ قرار پایا کہ برطانیہ اور مصر کے دونوں کے جھنڈے ہر جگہ ساتھ ساتھ نصب رہیں گے بجز بندر سواکین کے۔ اعلیٰ جنگی اور دیوانی اختیارات ایک امیر الممالک (گورنر جنرل) کے تفویض ہوں گے جسے خدیو برطانیہ کی رائے سے مقرر کرے گا۔ آیندہ اعلان تک ملک میں جنگی قانون نافذ رہے گا۔ مخلوط عدالتوں کے اختیارات سماعت، سواکین کے سوا اور کہیں تسلیم نہ کیے جائیں گے۔ غلاموں کی درآمد برآمد موقوف اور آتشین اسلحہ اور شراب کے متعلق بروسلز کا آئین نافذ کر دیا جائے گا۔ سوڈان کو ان بین الاقوامی پیچیدگیوں سے الگ رکھا گیا جن کی بدولت مصر کا قبضہ دائمی جنگ و نزاع

کا سبب بن گیا تھا۔ اور اس کی پوری حکومت ایک "خیر اندیش جابر" کے سپرد کر دی گئی کہ خرطوم میں رہ کے فرمان روائی کرے۔ ایک سال بعد

خلیفہ کی موت

خلیفہ کی باقی ساتی فوج کو سر فرانسس ون گیٹ کی کلدار توپوں نے کردوفان میں پیس کے دھر دیا اور خود خلیفہ مہدی نے اطاعت پر موت کو ترجیح دی۔ پارلیمنٹ کا انعقاد ہوا تو سودان کی نئی حکومت کی کیفیت وزیر اعظم نے صاف صاف بیان کر دی کہ "ہم دو حق سے سودان پر قابض ہیں۔ اول اس بنا پر کہ وہ مصر کے مقبوضات کا جزو ہے اور دوسرا حق جو بہت دیرینہ اور ایچ پیچ سے خالی ہے وہ ہے جسے حقِ فاتح کہتے ہیں۔ حکومت فرانس کو جو اطلاع سب سے پہلے میں نے دی اس میں خاص طور پر لحاظ رکھا تھا کہ اپنے دعوے کو اسی حقِ فتح پر مبنی رکھا جائے کہ میری دانست میں اس سے زیادہ مفید، سادہ اور محکم کوئی حق نہیں ہو سکتا"

فرانس کے منطقی نکتہ چیں کہتے تھے کہ اگر برطانیہ حقِ فتح ہی پر فیصلہ منظور کرتی ہے تو مارشان بھی اسی کو حجت میں لا سکتا ہے۔ اور جب قانوناً یہ حق جائز و ثابت تھا تو پھر تلوار تولنے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ وہ کہتے تھے کہ سودان کی مشترکہ بادشاہی حقیقت میں برطانی سیادت ہے اگرچہ اس کا نام دوسرا ہوا۔ رہا مصر سے معاہدہ تو وہ از روئے قانون کالعدم ہے کیونکہ ۱۸۹۲ء کا سلطانی فرمان خدیو کو کوئی ملک یا جدید مراعات دینے سے منع کر چکا ہے۔ بہرحال یورپ کی کسی سلطنت نے صدائے اعتراض بلند نہ کی اور خود حکومت فرانس بھی گم صم رہ گئی۔ جھگڑا تو مٹ گیا مگر دونوں ملکوں میں ناخوشگواری کے خیالات موجود اور زبانوں پر آتے رہے۔ وزیر مستعمرات نے بھی ۱۰ جنوری ۱۸۹۹ء کی تقریر میں خوب جلے پھپھولے پھوڑے۔ اور بگڑ کے کہا کہ ۱۸۹۲ء میں برطانی تجارت کو مدغاسکر میں مسدود کرنا عہد شکنی کے مرادف تھا۔ نیوفاؤنڈلینڈ کی ماہی گیری کے متعلق فرانس نے جو روش اختیار کی ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کی کینہ آمیز حکمت عملی کا منشا ہی یہ ہے کہ گو اپنے آپ کو کم سے کم فائدہ پہنچے لیکن دوسروں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔ اسی زمانے کا ذکر

ہے جب کہ فرانس نے سلطان مسقط سے خلیج فارس کے ساحل پر ایک لنگر گاہ لی اور انگریزوں نے سلطان کو مجبور کیا کہ اس کی بجائے صرف کوئلہ لینے کا مقام دے دے۔

اس تسلیم کبیر کے بعد بیرن دُکوریل کی جگہ پال کامبون نے لی اور اس کے نصیب میں تھا کہ ان قوموں کے درمیان جو لڑائی کے کنارے تک پہنچ گئی تھیں، دوبارہ صلح و آشتی کرانے میں نمایاں حصہ لے۔

حلقہ ہائے نفوذ

۲۔ جنوری ۱۸۹۹ء کو نئے سفیر نے خواہش ظاہر کی کہ افریقہ کی بحث کو جہاں سے اس کے پیش رو نے چھوڑا تھا، پھر شروع کیا جائے۔ سالسبری بھی اب معاملہ کرنے پر آمادہ تھا اور ۲۱ مارچ کے اعلان سے دو نو فریق مطمئن ہو گئے۔ نائیجر اور کانگو پر فرانس کی حیثیت پہلے سے بہتر بنا دی گئی۔ ۱۸۹۰ء کے میثاق کی رو سے فرانس کو جھیل شاڈ کے صرف شمالی کنارے تک رسائی ملی تھی لیکن اب اس کے مشرق اور ایک جگہ جنوب تک اس کے قدم پہنچ گئے۔ سالسبری نے ایک اصول موضوعہ تجویز کیا تھا کہ ہر فریق ایک مقررہ خط کے پار سارے علاقے کو دوسرے کے حلقۂ نفوذ میں سمجھے۔ لیکن دلکاسے نے اسے منظور نہیں کیا کہ اس سے مصر و سودان میں انگریزوں کا اقتدار گویا دائمی ماننا پڑتا اور دوسرے یہ حق تسلیم کرنا پڑتا کہ فریقین ان ملکوں کی قسمت کا بھی فیصلہ کر سکتے ہیں، جو ان کے قبضہ و اختیار میں داخل ہی نہ تھے۔ لہٰذا اس نے یہ اصول پیش کیا اور سالسبری نے بھی اس کو مان لیا کہ "فرانس مقررہ خط کے مشرق میں اور برطانیہ اس کے مغرب میں کوئی علاقہ یا رسوخ حاصل نہیں کریں گے"، یہ خط فاصل نیل اور کانگو کے فاصل آب کے ساتھ ساتھ گزرتا تھا اس تقسیم سے وادی فرانس کے حصے میں اور دارفو، بحر الغزل اور کردوفان برطانیہ کے ہاتھ آئے۔

آخر الذکر صوبہ آزاد تجارتی علاقہ بنا دیا گیا اور اس طرح فرانس کو نیل تک تجارتی مال کے لانے لیجانے کا راستہ مل گیا۔ وادیٔ نیل قدرتی طور پر برطانیہ کے حصے میں آئی یا یوں ہمہ مصر میں برطانیہ کے دعادی، فرانس سے نہیں منوائے گئے

برطانیہ کو کوئی قربانی کرنی نہیں پڑی البتہ اس نے فرانس کا یہ حق تسلیم کر لیا کہ وہ مغربی افریقہ سے صحرائے اعظم اور اندر کی طرف اپنے مقبوضات کی توسیع کر سکتا ہے۔

فرانس کی افریقی سلطنت

گو یا سوڈان میں امید ٹوٹ جانے کے باوجود، اپنے حریف کی نسبت برّ سیاہ کا کلاں تر ٹکڑا فرانس کے حصے میں آنا مقدر تھا۔ کئی سال بعد کامبون نے بیان کیا کہ "یہ کام جلد اور سہولت سے تکمیل کو پہنچا کیونکہ لارڈ سالسبری خود اپنا منشا اچھی طرح سمجھے ہوئے تھا۔ پھر جب میں نے خیال ظاہر کیا کہ بعض اور مسائل بھی بحث طلب باقی ہیں اور انھیں بھی اسی طرح دوستانہ طریق پر طے کیا جا سکتا ہے۔ تو اس نے اپنا سر ہلایا اور مسکرا کے کہنے لگا' مجھے ایم، دکاسے پر کامل بھروسہ ہے اور اسی طرح فرانس کی حکومت حاضرہ پر۔ لیکن چند مہینے کے عرصے میں غالباً یہ حکومت غائب ہو جائے گی اور پھر اس کے جانشین بالکل مخالف سمت اختیار کریں گے۔ نہیں صاحب ہمیں ابھی توقف کرنا لازم ہے"[۱] توقف کے اس زمانے نے چار سال طول کھینچا اور یہ وہ سنین تھے جن میں نہایت اہم فیصلے اور بہت سے غیر متوقع واقعات پیش آنے والے تھے۔

---

[۱] دیکھو ملاقات کا حال۔ اخبار ٹائمز میں۔ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۰ء

باب نہم

جنگ جنوبی افریقیہ

ایشیا اور افریقیہ میں رقیبانہ اغراض اور حرص و ہوس نے برطانیہ اور روس و فرانس کے درمیان جو خطرناک کشاکش پیدا کی اور جس کا نتیجہ آخر میں فیدر آرتھر اور فشودہ کے واقعات کی صورت میں رونما ہوا، اس نے برطانی اہل الرائے کی توجہ خواہ مخواہ اس سلطنت کی طرف پھر منعطف کر دی جس سے چند روز پہلے تک ان کے سب سے زیادہ دوستانہ تعلقات تھے کروگر والے تار کو انگریزوں نے نہ فراموش کیا تھا نہ معاف۔ لیکن جنوبی افریقیہ میں کم عقلی

انگلستان و جرمانیہ کی صفائی

سے دست اندازی کرنے کی دوبارہ کوشش نہیں کی گئی۔ دوسرے سوڈان کی ازسرنو فتح میں اتحاد ثلاثہ برطانی حکمت عملی کی برابر تائید کرتا رہا اور قیصر نے اتبارا کی فتح کے موقع پر مبارکباد کا جو تار بھیجا وہ اس اعتبار سے اور بھی زیادہ موجب مسرت تھا کہ انہی دنوں فرانس و روس ہمارے راستے میں برابر روڑے اٹکا رہے تھے غرض اس صفائی نے ارتباط دوستانہ کا راستہ صاف کر دیا اور اس ارتباط کو برطانیہ نے

باقاعدہ اتحاد کی صورت میں بدلنے کی جو کوشش کی اور اس میں ناکامی ہوئی یہی واقعات اس باب کا موضوع ہیں۔

۱۸۹۵ء میں وحدت پسند گروہ کی جو مجلس وزراء مرتب ہوئی، گو اس میں سالسبری وزیر اعظم بھی تھا۔ اور وزیر خارجہ بھی، لیکن سب سے با اثر شخصیت چیمبرلین کی تھی اور اس بے چین طبیعت کی سرگرمیاں وزارتِ مستعمرات کی چار دیواری کے باہر دور دور تک پھیلتی تھیں۔ یہ وزیر اپنے بالادست کی مشرق اقصیٰ میں دبنے کی روش سے کچھ خوش نہ ہوا تھا اور مجلس وزراء کا آزاد خیال وحدت پسند رکن، ڈیوک آف ڈیون شائر بھی چیمبرلین کا ہم خیال تھا، جسے شکایت تھی کہ چین کی منڈی میں لنکا شائر کی تجارت کے معرض خطر میں آجانے سے پارچہ باف والے اس قدر چیخ پکار مچا رہے ہیں کہ ناک میں دم آگیا ہے۔ آخر فروری ۱۸۹۸ء میں **الفریڈ روتھ شائلڈ** کے ہاں ایک مختصر سی ضیافت ہوئی اور اس میں چیمبرلین اور ڈیوک نے بیرن وان اکارڈسٹین سے جو جرمن سفارت خانے کا ہر دلعزیز اول معتمد تھا، درخواست کی کہ جرمن سفیر اور چیمبرلین کی ملاقات کا موقع بہم پہنچائے۔ چنانچہ دوسرے دن یہ دونوں ملاقی ہوئے اور پھر مارچ بھر دوسرے تیسرے ان کی ملاقات اور انگلستان و جرمانیہ کے تمام تعلقات پر غیر رسمی گفتگو ہوتی رہی۔

چیمبرلین کی تحریک اتحاد پر جرمن سفیر نے لبیک کہا۔ لیکن جرمن حکومت کو اعتراض تھا کہ انگلستان کی سیاسی گروہ بندی کے باعث اس قسم کی قرارداد

چیمبرلین اور ہٹیز فیلٹ

اس قسم کی قرارداد کے استقلال پر اطمینان ہونا مشکل ہے چیمبرلین نے جواب دیا کہ پارلیمنٹ سے منظوری لے لی جائے گی، تو بیولو نے کہا کہ انگلستان و جرمانیہ کے معاہدے کی اشاعت سے برلن و پیٹرو گریڈ کے تعلقات میں فرق آجائے گا۔ غرض شروع اپریل ہی میں گفتگو رک رہی اور چیمبرلین نے سمجھا کہ

سلہ۔ اکارڈسٹین: "ارنٹرجن" جلد اول ۲۹۲ تا ۲۹۶ء

اس بحث مباحثہ کی روسیوں کو سن گن مل گئی۔ مگر الفریڈ روتھ شائلڈ کے اشارے اور ہٹینر فیلٹ کی منظوری سے اکارڈ اسٹین قیصر سے ملنے ہمبرگ آیا۔ ساری کیفیت سن کر یہ زود اثر بادشاہ اپنے انگریزی سفارت خانے کا ہمراے ہو گیا لیکن ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ ہٹینر فیلٹ نے اکارڈ اسٹین کو اطلاع دی کہ گفتگو جاری رکھنی فضول ہے۔ کیونکہ بیولو اور قیصر دونوں قرارداد کرنے کے مخالف ہیں۔ برلن کی طرف سے یہ سوکھا جواب سن کر بھی چیمبرلین ہمت نہ ہارا۔ اور پھر مقابلے کے لیے تیار ہوا اس لیے کہ اس کے پہلو میں آگ بھڑک رہی تھی اور ۱۳ مے کو اپنے انتخاب کنندوں کے حلقے میں جو تقریر اس نے کی اس میں یہ غیظ و غضب زبان سے ابل پڑا: "زیادہ طریقہ جس کے ذریعہ روس نے بندر آرتھر پر قبضہ جمایا اور عہد کر کے دو ہفتہ کے اندر اسے توڑ ڈالا۔ سو اس بارے میں میں صرف یہ ضرب المثل نقل کروں گا کہ "شیطان کے ساتھ کھانے بیٹھو تو چمچہ لمبا رکھو"۔ آیندہ ہمیں روس سے چین و افغانستان میں سابقہ پڑنا ہے۔ مگر سب سے الگ تھلگ رہ کے تنہا ہم کیا کر سکتے ہیں ہمارے بعض نکتہ چیں کہتے ہیں کہ ہمیں خود روس کے ساتھ مفاہمت کر لینی چاہئے تھی۔ مگر کوئی معاملہ ہر دو فریق کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ روس وہ چیز مانگتا ہے جو ہم نہیں دے سکتے اور یہ ممکن نہیں کہ اسے انگلی دے کر پونہچا پکڑنے کا موقع دے دیا جائے۔ دوسرے کوئی عہد و پیمان ہو بھی جائے تو اس کے پورا کرنے کی ذمہ داری کون لے سکتا ہے؟" ساری تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ انگلستان جرمانیہ کے ساتھ اتحاد کر لے۔

۳۰ مے کے ایک "ذیج کے اور نہایت راز کے" خط میں قیصر نے زار کو نئی صورت حال کے متعلق لکھا کہ مجھے بالکل یکایک ایسے اہم مسئلہ کو طے کرنا پڑ گیا ہے جس کا میرے ملک پر بڑا بھاری اثر پڑے گا اور جو اس قدر گہرا ہے کہ اس کے بعید نتائج کا اندازہ بھی میں نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے جد بزرگوار کے آغوش تربیت میں پرورش پائی اور میرے اور تمھارے شاہی خاندان

قیصر کی رائے زنی

اور ملکوں کا جو تعلق ہے وہ انھیں سے سیکھا اور تم بھی اقرار کرو گے کہ اس تعلق کو ہمیشہ میں نے محترم سمجھا اور میں ناز کرتا ہوں کہ تمھارے اور تمھارے خاندان کے ساتھ میری وفاداری ہر قسم کے شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔

اپریل کے آغاز میں میری ذات اور میرے ملک پر انگریزی اخباروں میں اعتراض اور لعنت ملامت کی جو بوچھاریں ہو رہی تھیں وہ یک بہ یک رک گئیں اور تم نے بھی احساس کیا ہوگا کہ تھوڑی دیر کے لیے سکوت سا طاری ہو گیا۔ ہمیں یہ دیکھکر نہایت تعجب ہوا اور کچھ نہ سمجھ سکے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ سچ کے طور پر مجھے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ خود ملکہ معظمہ نے اپنے ایک دوست کے ذریعے انگریزی اخباروں کو کہلا بھیجا تھا کہ یہ غیر شریفانہ اور مفترانہ کھیل ختم ہونا چاہئے۔ ایسے غیر معمولی فعل نے ہمیں خواہ مخواہ یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی بات ہونے والی ہے۔ چنانچہ ایسٹر کے قریب کے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک مشہور ومعروف سیاست داں نے ناگہاں میرے سفیر کو بلایا اور بلا تمہید وتقریب عہد نامہ اتحاد پر آمادگی ظاہر کی! کونٹ ہٹیز فیلٹ دنگ رہ گیا اور کہنے لگا ۹۵ء سے اب تک جو واقعات گزرتے رہے ہیں ان سب کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے جواب ملا کہ یہ تحریک واقعی اور بالکل مخلصانہ طور پر کی گئی ہے۔ میرے سفیر نے کہا کہ میں کیفیت لکھ بھیجوں گا مگر مجھے شبہ ہے کہ آپ کی پارلیمنٹ بھی اس قسم کے عہد نامے کی تصدیق کر دے گی؟ کیونکہ آج تک انگلستان ہر ایک سے جو سننا چاہتا ہو، صاف صاف یہ کہتا رہا ہے کہ برّاعظم کی کسی طاقت سے خواہ کوئی ہو انگلستان اتحاد نہیں کرے گا! ایسٹر کے بعد یہ درخواست بہ صیغہ ضروری دوبارہ کی گئی لیکن میرے حکم سے اس کا جواب روکھا پھیکا اور ٹالنے کا دے دیا گیا۔ میں نے سمجھا تھا کہ معاملہ ختم ہو گیا مگر اب تیسری مرتبہ پھر اس درخواست کی تجدید اس طور پر کی جارہی ہے کہ اس کی اصلیت میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں نظر آتی۔ اور میرے قطعی جواب کے لیے ایک وقت معین کر دیا گیا ہے اور تحریک کے ساتھ ایسے بھاری بھاری

وعدے کیے گئے ہیں جن سے میرے ملک کو مستقبل قریب میں نہایت وسیع وعظیم فوائد پہنچنے کی امید ہے کہ میں جرمانیہ کے واسطے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جواب دینے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کر لوں۔ ایسا کرنے سے قبل میں سچائی اور صاف دلی سے تمھیں مخاطب کرتا ہوں کہ تم میرے عزیز دوست اور ابن عم ہو۔ اور مقصد یہ ہے کہ ایسے معاملہ کی تم کو اطلاع دے دی جائے جسے میں گویا مرگ وزیست کا مسئلہ سمجھتا ہوں کیونکہ ہم دونوں یکساں رائیں رکھتے ہیں اور ان کے طالب ہیں جس کے لیے اب تک کوشاں رہے اور اسے قایم رکھا۔ مجوزہ اتحاد کا رخ جس طرف ہے اسے تم خوب سمجھتے ہو کیونکہ میں نے سنا ہے کہ معاہدہ اتحاد ثلاثہ کے ساتھ کیا جانے والا ہے اور جاپان و امریکہ بھی اس میں شامل کر لیے جائیں گے جن کے ساتھ پہلے ہی گفتگو چھیڑ دی گئی ہے۔ اس دعوت کو قبول کرنے یا رد کر دینے سے ہمارے لیے جو کچھ امکانات ہیں، وہ تم خود قیاس کر سکتے ہو۔ اب اپنے قدیم اور معتمد علیہ دوست ہونے کی بنا پر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر میں انکار کر دوں تو ازراہ کرم تم بتاؤ کہ تم مجھے کیا دے سکتے ہو اور کیا کرو گے۔ آخری فیصلہ کرنے اور اس مشکل معاملے کا حتمی جواب دینے سے قبل یہ ضرور ہے کہ میں صاف اور صحیح اندازہ کر سکوں اور تمھاری تجویز جو کچھ ہو وہ بالکل صاف اور ایسی واضح ہونی چاہیے کہ اس کی تہ میں کوئی دوسرا خیال نہ ہو۔ تاکہ میں خدا کے سامنے اپنے دل میں پوری طرح جانچ تول کر فیصلہ کر سکوں کہ میرے وطن آبائی اور دنیا کے امن کے حق میں کونسی بات بہتر ہے۔ تمھیں اپنے حلیف کی نسبت اگر اسے تمھاری خواہش کے مطابق کسی اجتماع میں داخل ہونا پڑے، فکر و تشویش کی ضرورت نہیں ہے۔

زار نے جواب دیا کہ تین مہینے ہوئے برطانیہ نے مجھ سے اس قسم کی تحریکات کی تھیں جن کی غرض یہ تھی کہ فرانس و روس کا محالفہ شکستہ ہو جائے۔ اگرچہ یہ غرض پردے میں چھپی ہوئی تھی اس کے

بعد ہی ہسم نے بندر آرتھر کو حاصل کر لیا۔ کوریہ کے متعلق جاپان سے معاہدہ ہو گیا نیز ولایات متحدہ امریکہ سے نہایت عمدہ روابط قایم ہو گئے۔ جرمانیہ روس کی دوستی پر بھروسہ کر سکتی ہے لیکن یہ امر کہ برطانی تحریک کی قدر و وقعت کیا کی جائے خود قیصر کو طے کرنی چاہیے[ع۱]

زار کا جواب

زار کے اس خط نے بیولو اور ہولسٹین کے اس فیصلہ کو اور واثق کر دیا کہ باقاعدہ اتحاد سے پہلو تہی کی جائے اور الگ الگ مسائل کو خود انکی مناسبت یا عدم مناسبت دیکھ کے طے کیا جائے۔ بایں ہمہ گفتگو کا دروازہ کھلا رہنے دیا اور جوں ہی سالسبری نے ایک ایسی سیاسی مفاہمت پر ہٹنیر فیلٹ سے گفتگو کی جس میں روس کو بھڑکنے کا موقع نہ ملے۔ لیکن یہ گفتگو آگے نہیں بڑھی۔ کیونکہ قیصر یا اس کے مشیروں کو اس وقت اپنی نسبت روس کا حسن ظن رہنا اتنا عزیز تھا کہ وہ اسے حیز خطر میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

۱۸ اگسٹ کو قیصر نے زار کو پھر لکھا کہ میرے اس خط کے بعد جو مئی میں تم کو لکھا تھا۔ اب انگلستان نے دوبارہ ہم سے گفتگو چھیڑی ہے لیکن اصلی لبلوں کو اب بھی ظاہر نہیں کرتا جہاں تک میری عقل کام کرتی ہے۔ وہ (یعنی انگریز) اس بات کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں کہ ان کی اغراض کے واسطے جنگ کرنے والی کوئی فوج براعظم پر ان کے ہاتھ آ جائے۔ مگر میرا گمان ہے کہ ایسی فوج آسانی سے ان کے ہاتھ نہ آئے گی۔ کم سے کم وہ میری فوج تو ہو گی نہیں۔ ان کی تازہ ترین چال یہ ہے کہ فرانس کو تم سے توڑ لیں۔

برطانیہ کی چھیڑ چھاڑ پر جرمانیہ کی طرف سے کوئی امید افزا جواب[ع۲] تو بھی اس سے تعلقات میں کشیدگی نہیں پیدا ہوئی کیونکہ مجلس وزراء کی

ع۱۔ یہ خط شایع نہیں ہوا۔ لیکن ہمّان نے برلن کی وزارت خارجہ سے لے کے اس کا خلاصہ شایع کر دیا ہے۔ زار نے جس برطانی تحریک کا ذکر کیا ہے۔ اس کے متعلق اور کوئی اطلاع میسر نہیں آئی۔

طرف سے کوئی باضابطہ تحریک نہیں کی گئی تھی اور نہ اس پر مجلس میں کبھی غور و بحث کی نوبت آئی۔ بغیر معاہدۂ اتحاد کے بھی اشتراک عمل ممکن تھا

انگلستان جرمانیہ اور پرتگال۔

اور اسی زمانہ میں ایک میدان ایسا نکل آیا کہ دونوں ملک بلا اندیشہ تصادم اپنے اپنے فائدے کے لیے کوشش کر سکتے تھے۔ جرمانیہ، جنوبی افریقیہ کے دعاوی سے دست برداری کر گئے جیسے وہ اپنا ایثار و قربانی کہتی تھی معقول معاوضہ پا سکتی تھی اور رہوڈس کو سلطنت برطانیہ کی توسیع کا بھی موقع مل سکتا تھا۔ پرتگال کے مصارف و مداخل میں حسب معمول گڑبڑ تھی، برطانیہ اور جرمانیہ کے قرضوں کا سود وقت پر ادا نہیں ہوا اور جرمن حکومت نے ایک معاملہ کرلینے کی تجویز کی۔ توقع تھی کہ پرتگال انہی دو میں سے کسی سے امداد کی درخواست کرے گا، اور یہ چاہتے نہ تھے کہ وہ فرانس کا رخ کرے لہذا دونوں ملک رضامند ہو گئے کہ جب ایسا سوال ہو تو جواب دیں کہ ہم روپیہ دیں گے تو مل کر ہی دیں گے اور اتنے بڑے قرض کے لیے پرتگال کو نوآبادیاں رہن یا بیع کرنی ہوں گی۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں ایک خفیہ معاہدہ پر بھی دستخط ہو گئے جس نے نوآبادیوں کو حلقہ ہائے نفوذ میں تقسیم کر دیا اور جنوبی موزنبیق، شمالی انگولا، اور مدیرا، آزور، کیپ ورڈ کے جزیرے تو برطانیہ کے حصے میں آئے اور جنوبی انگولا اور شمالی موزنبیق کی نسبت طے ہوا کہ یہ جرمانیہ کو دے دئے جائیں۔ ان کی تقسیم کی نسبت طے ہوا کہ یہ اسی وقت ہوگی جب کہ پرتگال انھیں فروخت کرنا چاہے [1]۔ سال کے اواخر میں دونوں حکومتوں کی طرف سے اس معاہدہ کا محتاط الفاظ میں علی الاعلان اشارہ بھی کر دیا گیا۔ یعنی چیمبرلین نے تو ایک تقریر میں کہا کہ جرمانیہ خطرناک حریف ہے مگر بہت سے ایسے اہم معاملات ہیں جن میں ہم اور وہ بغیر کسی

---

[1] - اکارڈ اسٹین، جلد دوم، انگلستان و پرتگال کے عہد نامہ ۱۸۹۷ء کی رو سے انگریزوں کو خلیج دلاگوا کا ٹھیکہ مل گیا تھا۔

عہد نامہ اتحاد کے متفق ہو سکتے ہیں۔ اسی کی صدائے بازگشت بیولیو کی طرف سے بلند ہوئی کہ دوسروں کے ساتھ تعلقات کو بجنسہ قایم رکھ کے اور بغیر ان میں کسی قسم کا فرق آنے دینے کے بہت سے مواقع ہیں جن میں ہم اور انگلستان مل کر کام کر سکتے ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود یہ عہد و پیمان سب بے سود ثابت ہوئے کیونکہ پرتگال کے دوالیہ ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ ادھر اس خفیہ معاہدے کو سالسبری ناپسند کرتا تھا اور پرتگال کے سفیر نے جس کی شاہی دربار میں بہت کچھ آؤبھگت ہوتی تھی، اگلے سال اسے آمادہ کر لیا کہ رسل و رسایل ہی کے پیرائے میں اس قدیم عہد نامہ کی کہ بیرونی حملہ ہونے کی صورت میں فریقین ایک دوسرے کی مدد کرینگے تجدید کر لی جائے چنانچہ یہی مکاتیب بعد میں عہد نامہ ونڈسر کے نام سے موسوم ہوئے

عہد نامہ ونڈسر ۱۸۹۹ء

سنہ ۱۸۹۰ء میں برطانیہ نے جنگ کی جو دھمکی دی تھی اور پرتگال کو جنوبی افریقہ میں ادھر سے ادھر تک تاک جھانک کرتے ہوئے پھرنے سے روک دیا تھا۔ وہ اہل پرتگال کو بہت خار گزرا تھا۔ معاہدہ ونڈسر سے یہ غبار بھی رفع دفع ہو گیا۔ مگر جرمانیہ کو اس کی سرکاری طور پر کئی سال تک اطلاع نہیں دی گئی اگرچہ وہ انگلستان و جرمانیہ کے خفیہ عہد نامے کے بظاہر کچھ معارض نہ تھا۔ پھر جب سنہ ۱۹۰۰ء میں برطانی پٹرالزبن آیا اور اس معاہدہ کا تذکرہ ہوا تو جرمانیہ کے دریافت کرنے پر لارڈ لینس ڈون نے جواب دیا کہ یہ محض ہمارے دیرینہ اتحاد کی تجدید تھی اور اس سے ۱۸۹۸ء کے خفیہ معاہدے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اشتراک عمل کے راستہ پر ایک اور قدم یہ تھا کہ رہوڈس سنہ ۱۸۹۹ء[۱۵] کی ربیع میں جرمن پایۂ تخت کی سیر کو خود آیا۔ اصل میں رہوڈس کے کسی دوست سے جرمن محکمہ مستعمرات کے ناظم نے باتوں باتوں میں یہ کہا تھا کہ جنوبی افریقہ کے

عــ۱۵۔ اکارڈ اسپٹن! جلد اول نیز باسل ولیمز "سیل رہوڈس" ۳۰۹ تا ۳۱۱۔

ارباب سیاست جرمانیہ سے بغض رکھتے ہیں۔ اس پر انگریز ملاقاتی نے کہا کہ گر کہیئے تو میں اپنے دوست (رہوڈس) سے برلن آنے کی تحریک کروں۔ اور جواب میں اسے یقین دلایا گیا کہ اس انگریز "سلطنت ساز" سے خود قیصر ملاقات کرے گا۔ رہوڈس نے بھی اس موقع کو بہت پسند کیا کہ کیپ سے قاہرہ والی ریل کی اسے دُھن لگی ہوئی تھی۔ سوڈان کی دوبارہ فتح اور رہوڈیشیہ کی شمال میں توسیع کے بعد، صرف راستے کے وسطی ٹکڑے کا معاملہ جرمانیہ یا ریاست کانگو سے طے کرنا رہ جاتا تھا۔ کیونکہ یہ اختیار میں تھا کہ ریل تانگانیکہ جھیل کے مشرق سے گزرے یا مغرب سے۔ ماورائے آفریقہ تار لگانے کا مسئلہ مالی اعتبار سے کچھ دشوار نہ تھا مگر اس میں بھی انہی غیر سلطنتوں کی رضامندی ضروری تھی۔ انگلستان و جرمانیہ کا عہد نامہ ۱۸۹۴ء جس کی رو سے انگریزوں کو کانگو میں ایک پٹی مل جاتی، منسوخ ہو چکا تھا۔ لہذا رہوڈس کو جو کچھ امید تھی وہ جرمن مشرقی آفریقہ کے علاقے سے ہو سکتی تھی ۱۸۹۹ء کے اوایل میں اس لئے مصر جا کر کچنر و کرومر سے ریل کے متعلق بحث کی تھی اور واپسی میں برلن و بروسلز بھی ہوتا ہوا آیا تھا۔ شاہ لیوپولڈ کے دارالمطالعہ سے باہر جاتے وقت اسے انگریزی سفارت خانے کا فوجی اتاشی ادھر سے گزرتا ملا تو رہوڈس نے اسے پکڑ کے کان میں یہ الفاظ پھونکے تھے کہ "میں تم کو بتاتا ہوں کہ یہ شخص (یعنی لیوپولڈ) شیطان ہے!"

قیصر سے رہوڈس کی ملاقات حد درجہ پُر تپاک تھی کرو گر والے تار کے متعلق شکوے شکایت سے گفتگو کا آغاز ہوا اور رہوڈس نے بیان کیا کہ میرے ہموطنوں کا غصہ تو مجھ پر تھا، بارے اس تار کی بدولت میرے سر سے وبال ٹل گیا' اور خاتمہ اس وعدہ پر ہوا کہ برقی تار جرمن مشرقی افریقہ سے لے جائے میں ہر قسم کی سہولت انگریزوں کو بہم پہنچائی جائے گی۔ سفارت خانے میں ضیافت کے موقع پر پھر گفتگو چھڑی اور اسی کے

رہوڈس برلن میں

بعد قیصر نے حکم دیا کہ "جب مسٹر رہوڈس ہمارے علاقے میں داخل ہو تو اسے اپنے کاریگروں کے لیے فوجی بدرقے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے کہ اس سے خواہ مخواہ کی اسے زیر باری ہوگی"۔ تفصیلی شرائط کے تصفیے میں دیر لگی اور باقاعدہ اقرارنامے پر خریف سے قبل دستخط نہیں ہوئے جرمن علاقہ سے تار لے جانے کے عوض میں چارٹرڈ کمپنی نے وعدہ کیا کہ وہ بحر اوقیانوس کی طرف کوئی ریل کی پٹری نہ لے جائے گی بجز جرمن مشرقی افریقہ کے علاقے کے۔ یہ بھی قرار پایا کہ اگر جرمانیہ اپنے علاقے کے پار ریل لے جانے کے مصارف نہ برداشت کر سکے تو رہوڈس اس کام کو اپنے ذمے لے۔ انگریز مہمان نہ صرف اس لین دین سے مسرور ہوا بلکہ اپنے میزبان سے بھی بہت خوش واپس آیا اور بیان کیا کہ "وہ بڑا اور بڑے دل کا آدمی ہے" ایک جرمن دوست کو اس نے خط میں لکھا کہ "تمھارا شہنشاہ میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آیا۔ میں عزم مصمم کر چکا ہوں کہ افریقہ میں جرمن مستعمرات سے مل کر کام کروں گا اور اس میں کوئی فرق نہ آئے گا"۔ اس کی شکر گزاری اور کامل اعتماد کا اس سے بڑھ کر فیاضانہ اظہار کیا ہوگا۔ کہ اپنے وصیت نامے میں ایک ضمیمہ بڑھایا اور لکھا کہ اوکسفورڈ یونیورسٹی کو جو رہوڈس وظایف دیے گئے ہیں ان میں سے ایک خاص تعداد کے انتخاب کا اختیار قیصر جرمانیہ کو ہوگا۔ بوئروں کی جنگ میں جرمنوں کی برطانیہ سے طرف داری کا ایک سبب یہ رہوڈس کی ملاقات بھی تھی اور کمبرلے کی محاصرے سے رستگاری پر مبارک باد کا جو تار قیصر نے دیا وہ پتہ دیتا تھا کہ اس مشہور افریقہ پسند انگریز سے گرویدگی ابھی تک تازہ ہے۔

پرتگیزی افریقہ کے متعلق انگلستان و جرمانیہ کی گفتگو کامل ہمنوائی سے طے ہوئی تھی مگر مسئلہ ساموا کی بحث نے خاصی گرمی پیدا کر دی۔ اکارڈ اسٹین کا بیان ہے کہ ہولسٹین کو سالسبری سے نفرت تھی اور سمجھتا تھا کہ سالسبری جرمانیہ کو نقصان پہونچانے کا خواہاں اور کمال مکاری سے کسی مصیبت میں پھنسانے کے درپے ہے۔ ہٹیزفیلٹ سالسبری کا زیادہ مزاج شناس تھا

اس نے اس بڑی تصویر کو غلط بتایا لیکن برلن سے جو بار بار شتابے چھوٹتے اور پریشان کن خبریں آتی تھیں ان سے جرمن سفیر کے حواس درست نہ رہ سکے۔ اور ۱۸۹۹ء کی گرمیوں میں تو انگلستان کے وزیر اعظم اور اس کے تعلقات میں اتنی کشیدگی آ گئی تھی کہ ہفتوں یہ دونوں ایک دوسرے سے نہ ملتے تھے۔ ساموا ۱۸۸۹ء سے چند حکومتوں کے تحت

ساموا کا انتظام

میں رہا تھا۔ یہ انتظام کام نہ دے سکا اور مشکلات کا حل برطانیہ اور ولایات متحدہ نے تو ایک تجویز کیا اور جرمانیہ نے دوسرا۔ ایسا لسبری غیر سرکاری ذرائع سے دھمکیاں سنکر بہت بگڑا اور غلط رو ہولسٹین نے اشارہ کیا کہ اگر قابل اطمینان فیصلہ جلدی نہ ہو گیا تو قیصر سفارتی تعلقات منقطع کر دے گا۔ سالسبری نے اس طرح کی دھمکی سننے کے بعد گفتگو جاری رکھنے ہی سے انکار کر دیا اور ایسا کرنا واجبی تھا اس لئے ڈیوک آف ڈیون شائر سے طنزاً کہا کہ اب میں روزانہ پیام جنگ کا انتظار کرتا ہوں۔ افسوس ہے کہ اب تک ایسا کوئی پیام نہیں آیا۔ اور اگر نہ آیا تو گویا جرمانیہ وقار و تمکین کے ساتھ نہ صرف ساموا بلکہ اپنی تمام نوآبادیوں سے پیچھا چھڑانے کا بہت ہی عمدہ موقع کھو بیٹھے گی جن سے وہ بظاہر ضرورت سے زیادہ زیر بار ہوئی جاتی ہے۔ اور وہ ہاتھ اٹھالے تو پھر ہم مقبوضات کی تین دین کر کے فرانس سے اتحاد کر سکیں گے۔" اب ہٹیز فیلٹ نے اکارڈ اسٹین کو بلایا جو کچھ عرصے کے لیے سفارتی خدمت سے علحدہ ہو گیا تھا کہ آئے اور چیمبرلین سے سلسلہ جنبانی کرے۔ اکارڈ اسٹین نے بہت خوشی سے یہ خدمت اپنے ذمہ لی اور برلن سے اپنی اس تجویز کی منظوری بھی لے لی کہ ساموا میں جرمن حقوق کے عوض کہیں اور فوائد حاصل کر لیے جائیں پھر دو ماہ کی گفتگو کے بعد ایک راضی نامہ طے ہو گیا جس کے روسے جرمنوں نے انگریزوں کے سولومن جزایر کو گولڈ کوسٹ کا ایک ٹکڑا لے کے اپنے حقوقِ ساموا سے ہاتھ اٹھالیا۔ اس عہد و پیمان کو ہولسٹین نے

پسند کیا مگر ٹرپٹز نے مخالفت کی اور قیصر اور بیولو کو بھی اپنا ہمراے بنا لیا۔ اس عرصے میں بوئروں سے جنگ چھڑ گئی اور صورت حال بالکل بدل گئی یعنے دادوستد میں جرمانیہ کا پلہ کہیں بھاری ہوگیا اور اس نے اپنے جزایر سولومن دے کے بالآخر سوائی اور اپولو حاصل کر لیے۔ ولایات متحدہ کو جزیرہ توتو تلا ل گیا۔ اور برطانی علم مجمع الجزایر سا موا سے غائب ہوگیا۔

جس وقت برطانیہ اور جرمانیہ میں بحر الکاہل کے ان چند جزیروں کی نسبت تو تو میں میں ہو رہی تھی، زار کی دعوت کے جواب میں دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ہیگ میں جمع ہوئیں کہ تخفیف اسلحہ کے مسئلہ پر غور و بحث کریں۔

مشاورہ ہیگ

نکولاس کی اس تحریک کو سربرآوردہ انگریزوں نے نگاہ استحسان سے دیکھا جن میں اسٹیڈ سب سے پیش پیش تھا کہ یہ عالم انسانیت کو ایک بے غرض دعوت ہے۔ افواہ تھی کہ ایک دولت مند پول ساہوکار اور امن پسند بلوخ نامی نے جنگ کے مستقبل پر نہایت بسیط و ضخیم کتاب لکھوائی اور اسی نے بادشاہ کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کیا۔ لیکن اس مشاورت کا اصلی راز حقیقت میں کچھ اور، اور کہیں زیادہ پیچیدہ تھا، جیسا کہ ڈلن نے کئی سال بعد منکشف کیا۔[1] دراصل ۱۸۹۸ء کے شروع میں روس کے وزیر جنگ کروپٹکن نے زار کے لیے ایک یادداشت مرتب کی اور اس میں بتایا کہ فرانس و جرمانیہ نے جدید اور بہتر قسم کی توپیں مہیا کر لی ہیں تو روس و آسٹریا پیچھے نہیں رہ سکتے مگر چونکہ اس میں زر کثیر خرچ کرنا پڑے گا۔ لہٰذا دونوں ملکوں کا فایدہ اس میں ہے کہ معاہدہ کر لیں کہ یہ نئی توپیں نہ خریدیں گے وزیر خزانہ سے رائے لی گئی تو اس نے جواب دیا کہ ایسی تحریک سے آسٹریا سمجھے گی کہ روس کا دوالہ نکل گیا ہے یا وہ کسی غیر مصرحہ مقصد پر اپنا روپیہ خرچ کرنا چاہتا ہے دوسرے یہ تجویز عام طور پر روس کی ساکھ کو بگاڑ دے گی۔ لہٰذا بہتر

[1] ڈلن۔ "دی ایکلپس اوف رشیا" ۲۶۹ تا ۲۷۸۔

تدبیر یہ ہو گی کہ تمام دول اسلحہ میں کفایت شعاری کی پابند ہو جائیں؛ اس استدلال نے زار کو قایل کر دیا۔ اور نئی تجویز کو محکمہ خارجہ نے سفارتی انشا پردازی کا لباس پہنایا ۲۴ اگسٹ کو مراولیف نے دول کے تمام روسی سفرا کو زار کی اس تحریر کی ایک ایک نقل دے دی۔

تمام حکومتوں نے جنہیں خط بھیجا گیا۔ دعوت قبول کر لی اور پہلی مجلس مشاورۃ ہیگ کا ۱۸ مئی ۱۸۹۹ء کو جلسہ ہوا جس میں یورپ کا ہر ملک اور ولایات متحدہ اور جاپان شریک تھے[۱]۔ مگر یہ بات بہت جلد ظاہر ہو گئی کہ اصلی مقصد جس کے لیے یہ مجلس منعقد ہوئی تھی، پورا نہیں ہو سکتا۔ روس نے تجویز پیش کی کہ پانچ سال تک افواج اور مصارف جنگ میں

جرمانیہ کی تنسیخ

کوئی سلطنت اضافہ نہ کرے تو جرمانیہ کا قائم مقام اٹھا اور بیان کیا کہ میرے ملک پر کوئی ایسا بار نہیں ہے جسے وہ برداشت نہ کر سکتا ہو۔ پس جرمانیہ کو اسلحہ کی تخفیف یا روک تھام پر بحث کرنے تک سے انکار ہے۔ اس اعلان سے نہ صرف مجلس مشاورۃ پر ضرب شدید لگی بلکہ امن یوروپ کی عمارت بھی ہل گئی کیونکہ بحر و بر پر ساز و سامان جنگ کو بے روک ٹوک بڑھائے چلے جانے کے معنی یہ تھے کہ ہر سلطنت کے ہمسایے بالقوی موجب خطر بن جائیں اور حکام و وزرا و ارباب سفارت و خزانہ معوثین اور صاحبان صحائف جس کشمکش میں جیتے اور کام کرتے تھے وہ زیادہ ہو جائے۔ جرمن تاویل کرنے والوں نے بعد میں توجیہیں پیش کیں کہ ایک طرف غضب آلود فرانس اور دوسری طرف اسلافی عفریت کے ہوتے ساتھی اہل جرمانیہ سے نہیں بن پڑتا کہ اپنے دفاعی ساز و سامان کا کوئی حصہ بھی کم کر دیں؛ اس میں کلام نہیں کہ زار کی تحریر کو عمل میں

[۱] دیکھو جے۔ بی۔ اسکوٹ۔ دی ہیگ پیس کانفرنس" نیز ایک جرمن نمائندے کی کتاب۔ " Die beiden Haager . . . .

اور اعداد کی صورت میں لانا کچھ آسان نہ تھا اور عجب نہیں کہ ناممکن ثابت ہوتا لیکن جرمانیہ کی تنسیخی رائے نے اس کوشش کی نوبت ہی نہ آنے دی مزید برآں یہ فیصلہ محض اس بنا پر نہ تھا کہ جرمانیہ کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے متعلق واجبی طور پر خوف و اندیشہ تھا۔ بلکہ اس کا سبب "قومی" یا "بل" کا وہ نظریہ تھا جس کو اہل جرمانیہ نے ایک والہانہ جوش وخروش کے ساتھ قبول کرلیا تھا دوسرے فوج اور بیڑے کے کامل اقتدار میں کسی حدبندی کا خیال ایسی چیز تھا۔ جو قیصر کو اس وقت اور آیندہ بھی ہمیشہ اپنے امتیاز شاہی میں شیطانی رخنہ اندازی کے مرادف نظر آتا تھا۔ غرض مجلس مشاورۃ کو فقط اس بے جان سی رائے دہی پر قناعت کرنی پڑی کہ جنگی سازوسامان کی روک تمام نوع انسان کی اخلاقی اور مادی فلاح وبہبود کے حق میں ضروری ہے البتہ قوانین جنگ کی اصلاح کی کوشش میں اس مجلس نے بعض مفید خدمات انجام دیں اگرچہ برطانیہ نے سمندروں میں املاک ذاتی کی حرمت کو تسلیم نہیں کیا جس پر امریکہ اور جرمانیہ والے زور دیتے تھے مگر مجلس کا سب سے قابل قدر کام یہ تھا کہ ایک مستقل عدالت ثالثی۔ مقرر کی گئی اور اس کا قیام زیادہ تر برطانیہ کے وکیل اول **سر جولین پونس فوٹ** سفیر متعینہ واشنگٹن کی سلیقہ مندی اور دلیری کی بدولت عمل میں آیا۔

مجلس ہیگ کے قانون عامہ پر ۲۸ شرکا میں سے ۲۶ حکومتوں نے ۲۹ جولائی کو دستخط کردیے لیکن جنگی سازوسامان کے اضافے میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور

برطانیہ کی جنگ

۹ر اکتوبر کو سلطنت برطانیہ خود جنگ میں مصروف ہوگئی اس جنوبی افریقہ کی جنگ کے واقعات کا اس کے اسباب کی طرح یورپ کے عصر جدید کی تاریخ لکھنے والے سے بہت کم تعلق ہے۔ لیکن اس جدوجہد کا یورپ کی سیاسیات پر بڑا بھاری اثر پڑا۔ جنگ شروع ہوئی تو برطانیہ کی حیثیت مخدوش علحدگی کی نہیں تو "شاندار" تنہائی کی ضرور تھی فرانس وروس کی اس کے ساتھ خصومت لاعلاج نظر آتی تھی۔ جرمانیہ اتنی مخالف نہ تھی مگر دوست بھی نہ تھی۔ ولایات متحدہ کے

دل میں وینی زوے لا کے زمانہ کا زخم ہماری ہسپانوی جنگ کے وقت علانیہ ہمدردی کر لینے سے مندمل ہو گیا تھا، تاہم وہ یورپ کے مناقشوں سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہتی تھی۔ جاپان نے اس وقت تک لندن و پیٹرو گریڈ میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ اور اہل آسٹریہ و اطالیہ عالمگیر سیاسیات میں کوئی عملی حصہ نہ لیتے تھے۔ جنگ کا موقع اور احوال ایسے پیش آتے کہ برطانیہ کی یہ تنہائی اور بھی بری ہو گئی۔ کسی کو نہ خبر تھی اور نہ پروا تھی کہ ٹرینسوال میں یوئٹ لینڈ والوں پر کیا بیتا پڑی ان کی ذلتوں اور صعوبتوں کے باوجود جن کا وہ رونا روتے تھے دنیا کو تو یہ نظر آتا تھا کہ وہ لاکھوں روپے کمائے جاتے ہیں۔ اس یورش کو تو لوگ بھول گئے تھے اور معاملہ کی تہ تک تحقیقات کرنے اور رہوڈس کو سزا دینے میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی اس نے یہ شبہ درجہ ثبوت کو پہنچا دیا تھا کہ اعلیٰ سیاسی اور مالی حلقوں کی بوئروں کی جمہوری ریاستوں پر للچائی ہوئی نظریں پڑ رہی ہیں۔ پھر یہ کہ چیمبرلین کی شرر فشانی ایک سے زیادہ قوموں کے چرکے لگا چکی تھی اور یہ واقعہ کہ جنوبی افریقہ سے رسل ورسایل کرنے کا کام ملوکیت لیندوں کے اسی سردار کے ہاتھ میں دیا گیا، برطانیہ کی بات صبر سے سننے جانے کے حق میں مفید و ممد نہ تھا۔ چنانچہ پریٹوریا کے پیام جنگ کو یورپ کے تماشائیوں نے انگلستان و ہندوستان سے فوج بھیجنے کا بالکل واجبی جواب تصور کیا۔ پھر جب یہ معلوم ہوا کہ بے سدھے بوئر کبھی کبھی برطانیہ کی افواج باقاعدہ کو شکست دے سکتے ہیں تو ہمدردی نے جوش حمایت کی صورت اختیار کر لی اور دو چھوٹی ریاستوں کا اپنی آزادی کے لیے اتنی بڑی سلطنت سے لڑنا کمال اشتیاق کے ساتھ معاینہ کیا جانے لگا اور اس دلیری پر شدومد سے داد ملنے لگی۔ دشمنوں کی آنکھ میں انگلستان بڑا ہی ڈھیٹ ڈاکو نظر آتا تھا کہ آدھی دنیا کو پہلے ہی ہضم کر چکا ہے اور اب بچارے دہقانوں کی

برطانیہ کی سطوت میں فرق آتا ہے

دو جمہوری ریاستوں کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے جن میں بے حساب معدنی دولت موجود تھی۔ غرض مشکل ہی سے کوئی مستثنیٰ ہوگا ورنہ یورپ بھر کے اخباروں نے بوئروں سے ہمدردی ظاہر کی اور سفرا سے ملاقات کے ایک موقع پر شہنشاہ فرانسس جوزف کا برطانی سفیر سے یہ کہنا کہ "میں اس لڑائی میں انگلستان کی طرف ہوں" برطانیہ کے سرکاری حلقوں میں اس لیے اور بھی قدر کی نظر سے دیکھا گیا کہ اس ہُو کے میدان میں یہی ایک آواز اپنے موافق سنائی دی تھی[1]۔

با اختیار برطانی نو آبادیوں نے مادر وطن کا ساتھ دیا اور یہ شے سلطنت کی قوت و پیوستگی کی دلیل تھی لیکن یورپ کے لعن طعن اور تمسخر اور استہزا کا کافی بدل نہ ہو سکتی تھی اور جنگ چھڑ جانے کا سیاسیات عالیہ کی فضا میں پہلا ہی نتیجہ یہ ہوا کہ برلن سے پھر سلسلہ وداد قائم کیا جائے۔ قیصر چار سال سے انگلستان نہ آیا تھا۔ اب گرمیوں کے شروع میں اس نے ہیٹز فیلیٹ کو ہدایت کی کہ ذرا احتیاط سے اپنے بلائے جانے کے متعلق دریافت کرے۔ اکارڈ اسٹین کی مدد ایسے موقعوں پر ناگزیر تھی۔ اسی کے ذریعے شہزادہ ولی عہد کو ٹٹولا گیا اور اس نے جواب دیا مجھے کوئی عذر نہیں بشرطیکہ میرا بھانجہ زمانہ ورود میں تشیخت آمیز تقریریں نہ کرے نیلین ملکہ کا دعوت نامہ خزاں میں آنے کے لیے ملے دیر نہ ہوئی تھی کہ متلون مزاج بادشاہ نے یہ دھمکی دی تھی کہ اگر ساموا کا معاملہ بلا تاخیر طے نہ ہو گیا تو میں نہیں آؤں گا۔ لیکن جیمبرلین اور اکارڈ اسٹین نے اس معاملے پر دوستانہ بحث و گفتگو شروع کی تو قیصر کا غصہ کافور ہو گیا۔ انگلستان آنے کی تحریک برلن سے ہوئی تھی مگر جنوبی افریقہ کی جنگ چھڑ جانے کے بعد مہمان سے زیادہ میزبان خواہش مند تھے کہ یہ ارادہ پورا ہو۔ انگریزی نقطہ نظر سے، فی الواقع یہ بات نہایت مفید تھی کہ عسکری اور غیر عسکری بوئر سب کو معلوم ہو جائے کہ جرمن ان کی مدد نہیں کریں گے اور یہ افواہیں کہ دول یورپ مل کر بوئروں کی

---

[1] رمبولڈ: فائنل ری کلکشنز"۔

طرف سے مداخلت کریں گے۔ محض لغو ہے۔

میرلبد کی سالانہ ضیافت کے موقع پر وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ہمارے تعلقات جرمانیہ کے ساتھ اتنے اچھے ہیں کہ اس سے بہتر ہونے ممکن نہیں۔

قیصر کا ورود

اور ۱۹ نومبر کو قیصر و قیصرہ انگلستان میں وارد ہوئے اس دفعہ کی آمد بہت ہی کامیاب رہی اور قیصر نے اس کے ماموں ایک دوسرے کی صحبت سے محظوظ ہوئے دوسرے کروگر والے تار کے تراقے کے بعد اس آمد سے فقط شاہی خاندان والوں ہی میں صلح و صفائی نہیں ہوئی بلکہ سیاسیات عالیہ پر بھی بحث وگفتگو کا موقع ملا۔ چونکہ بیولو بھی اپنے بادشاہ کے ہمراہ انگلستان آیا تھا۔ ۱۸۹۸ء کی بہار اور ۹۹ء کے آغاز خریف میں جو گفتگوئیں ہوئیں تو چیمبرلین نے ساموا کے بحث مباحثے کے دوران ہی میں اکارڈ اسٹین کو خبردار کر دیا تھا کہ اگر جرمانیہ سے معاملہ طے نہ ہوسکا تو ہم فرانس وروس کے ساتھ معاملہ کریں گے۔ ان بحثوں نے گویا راستہ صاف کر دیا تھا۔ کیونکہ گو ہولسٹین، ولہلم سٹراسس کی نیم تاریک فضا میں غنودہ تھا اور اس دھمکی کو محض بندر بھبکی سمجھا لیکن ہٹزفیلٹ کی نظر زیادہ تیز تھی اور اس نے اپنے ماتحت کو باقاعدہ اتحاد کی گفتگو پر آمادہ کیا جب قیصر انگلستان پہنچا تو چیمبرلین نے اپنی مرغوب خاطر تجویز چھیڑی اور ہمت افزا جواب پایا چنانچہ یکم دسمبر کے خط میں وہ اکارڈ اسٹین کو لکھتا ہے کہ "قیصر سے میری دو طویل گفتگوئیں ہوئیں اور ان سے میری سابقہ رائے کی تصدیق ہوگئی کہ وہ مسایل یورپ میں غیر معمولی نظر رکھتا ہے۔ بیولو کے اوصاف کا بھی میرے دل پر گہرا نقش ہوا۔ اسی نے یہ خواہش کی تھی کہ میں ولایات متحدہ، جرمانیہ اور انگلستان کے مشترک اغراض و فوائد کے متعلق کچھ کہوں اور اسی کا نتیجہ میری کل کی لیسٹر والی تقریر تھی۔" اگر لیسٹر کی تقریر دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجی تو اس میں کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ برطانی سیاسیات میں چیمبرلین سب سے زوردار آدمی تھا اور جب سے جنوبی افریقہ کی جنگ چھڑی سارے یورپ کی نظریں چیمبرلین کی طرف لگی ہوئی تھیں اس نے

تقریر کو بیرونی اخباروں کی شکایت سے آغاز کیا جنھوں نے ملکہ کی محترم ذات کو بھی نہ چھوڑا تھا اور کہا کہ "علیا حضرت پر ان حملوں سے قدرتاً ہیں وہ اشتعال پہونچا ہے کہ اگر ہمارے ہمسائے اپنے اخلاق و آداب کی اصلاح نہ کریں گے تو بہت خراب نتیجہ نکلے گا۔ فرانس کی ان پر زور الفاظ میں تنبیہ اور ولایات متحدہ کے دوستانہ طرز عمل کی پُرجوش توصیف کے بعد وہ اس موضوع کی طرف رجوع ہوا جو اس کے دماغ پر مسلط تھا۔ "ایک اور شے بھی ہے کہ میری دانست میں انگلستان کے بعض سیاست داں مدت سے اس کے خواہاں ہوں گے اور وہ یہ ہے کہ ہم مستقل طور پر ممالک یوروپ سے انقطاع و علیحدگی کی حالت میں نہیں رہ سکتے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس خواہش کے ساتھ ہی ہر شخص کو یہ امر بدیہی نظر آتا ہوگا کہ قدرتی طور پر ہمارا اتحاد جرمانیہ کی دولت عظمیٰ سے ہوسکتا ہے بے شبہ ہمارے اور اس کے درمیان اختلافات، غلط فہمیاں، جھگڑے قضیے سبھی موجود ہیں لیکن ان سب کی تہ میں ہمیشہ ایک طاقت ایسی رہی ہے جو ہم دونوں کو لازماً ایک دوسرے کے قریب لاتی رہی

چیمبرلین اتحاد کی تجویز کرتا ہے

ہماری کونسی اغراض ایسی ہیں جو سلطنت جرمانیہ کی اغراض کے معارض ہوں؟ مجھے تو پیش بینی بہت سے معاملات ایسے دکھا رہی ہے جو مدبرین یوروپ کے لیے لازماً موجب تشویش ہوں گے مگر جن میں انگلستان و جرمانیہ کے فوائد یکساں ہیں اور جن میں وہی مفاہمت جس کا امریکہ کے متعلق میں نے ذکر کیا، جرمانیہ تک وسیع کردی جائے تو دنیا کے قیام امن کے حق میں شاید ایسی اچھی ضمانت ہوسکتی ہے کہ کوئی جنگی اجتماع بھی نہ ہوگا۔ زیادہ غائر نظر سے دیکھئے تو تیوتانی اور انگلوسیکسن نسلوں کی جبلت میں بہت خفیف فرق نظر آئے گا۔ اور اگر انگلستان و امریکہ کا اتحاد امن عالم کے حق میں عنصر قوی ہوسکتا ہے تو انگلوسیکسن نسل کی دو شاخوں اور تیوتانی نسل کے درمیان ایک جدید اتحاد ثلاثہ یقیناً دنیا کے لیے اور بھی قوی تر عنصر امن و فلاح ہوگا۔ میں نے اتحاد کا لفظ استعمال کیا لیکن شرائط اتحاد کاغذ پر تحریر کی جائیں

یا ایسی کوئی مفاہمت ہو جائے جو ہر ملک کے ارباب بست وکشاد کے دلوں میں جاگزیں ہو۔ ان دونوں صورتوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ بلکہ مفاہمت شاید اتحاد نامے سے بہتر ہے"۔

ہرچند اس تقریر کی تشویق جرمانیہ کے حکام کی طرف سے ہوئی تھی لیکن خود جرمانیہ کے باشندوں نے اس پر کوئی لبیک نہ کہی۔ جرمنوں کی عام رائے بوئیروں کی حامی تھی اور ایسے وقت میں جبکہ بھیڑیا بھیڑ کو پھاڑ کھانے میں مصروف تھا۔ بھیڑیے کی دعوت اتحاد حقارت آمیز غصے کے ساتھ مسترد کر دی گئی موم کی ناک بیولو اس ہنگامہ عام کے سامنے نہ ٹھیر سکتا تھا کیونکہ وہ صدارت عظمیٰ تک پہونچنے کی امیدیں باندھ رہا تھا اور دوسرے حق یہ ہے کہ وہ دل سے کبھی بھی برطانیہ کے ساتھ عہد اتحاد کا خواہاں نہ تھا واٹنتاگ میں اس نے جو تقریر کی اس سے ہموطنوں کی نظر میں تو دوبارہ قبولیت حاصل ہوگئی۔

جرمانیہ کا رک رہنا

لیکن چیمبرلین نے اسے بڑی حقارت سے دیکھا جو دبکنے اور جھکنے والے کو کبھی معاف نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اکارڈ اسٹن کو لکھا کہ جس طریق سے بیولو نے میرے ساتھ برتاؤ کیا میں اس پر کچھ نہیں کہوں گا لیکن عہد نامہ اتحاد کے لیے اب رسل ورسائل کرنا بیکار ہے۔ یہ دیکھنا البتہ باقی ہے کہ جنوبی افریقہ کی جنگ کے جس نے فضا کو اس قدر مکدر کیا، خاتمے پر بھی گفتگو کو دوبارہ شروع کرنا ممکن ہوگا یا نہیں؟ بہرحال مجھے حقیقی تاسف ہوا کہ تمھاری دلی کوشش رایگاں نظر آتی ہے ورنہ اب تک سب باتیں حسب مراد ہوئی تھیں اور سالسبری مائل بہ آشتی اور ہمارے ساتھ ہوگیا تھا"۔ بیولو نے اکارڈ اسٹین کی وساطت سے انگریز وزیر مستعمرات کو صیغہ راز میں خط بھیجا اور اپنی ناخوش گوار تقریر کی بہت کچھ تاویلیں کیں اور بتایا کہ میرے لیے یہ کیسا نازک موقع تھا ورنہ میرے طرز عمل میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ لیکن یہ سب بے سود تھا۔ دوسرے ایسے واقعات پیش آگئے اور آیندہ آتے رہے کہ جن سے انگلستان وجرمانیہ کے ارتباط سیاسی کی امیدیں اور بھی ضعیف وزائل ہوگئیں ؏

۱۸ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو کہ، بوئروں کو پیام جنگ بھیجے۔ ایک ہی ہفتہ گزرا تھا، قیصر نے ہیمبرگ میں ایک نئے جہاز کے سمندر میں ڈالنے کی تقریب کو مناسب سمجھا کہ اپنے ہموطنوں سے، جو کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے تھے پھر ایک دل ہلانیوالی استدعا کرے۔ اس نے کہا "ہم ایک قوی بیڑے کے بہت بری طرح محتاج ہیں۔ ہیمبرگ بیرونی ملکوں میں ہماری اغراض کی حمایت کرنے کے لیے ایک زبردست قوت کی شدید ضرورت کو اور اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ سمندر پر ہماری جنگی طاقت میں اضافہ ہونا کیسا ناگزیر ہے باایں ہمہ ہمارے وطن میں اس ضرورت کا احساس بہت ہی آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے اور بدنصیبی سے ملک والے لایعنی فرقہ بندی کے جھگڑوں ہی میں اپنی طاقت ضایع کر رہے ہیں ایسے مسایل عظیم سے جو عالمگیر اہمیت رکھتے ہیں، اپنی قوم کی واقفیت و دلچسپی میں میں جس قدر سست ترقی دیکھ رہا ہوں، اس نے مجھے نہایت تشویش و خلش ہوتی ہے میں اپنے عہد حکومت کے ابتدائی آٹھ سال میں پیہم منت سماجت تنبیہ و تاکید کرتا رہا اور اس دوران میں تحقیر و استہزا سے کبھی محفوظ نہیں رہا۔ لیکن اگر بحری قوت کو بڑھانے کی یہ استدعا برابر مسترد نہ ہوتی رہتی تو آج اپنی رونق پذیر تجارت اور ماورائے بحر مفاد کو ہم کیسی کچھ ترقی دینے کی قابلیت بہم نہ پہونچا لیتے۔ باایں ہمہ میری امیدیں کہ اہل جرمانیہ کمر ہمت

جرمن بحری قوت

باندھ لیں گے، کلیتہً زایل نہیں ہوئی ہیں کیونکہ وطن آبائی کی محبت سے ان کے سینے لبریز ہیں اور حقیقت میں یہ عمارت جسے میرے باپ اور دادا اور ان کے اسلاف بزرگ نے بنانے میں محنت صرف کی، حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ آج وہ عظیم الشان سلطنت جسے ہمارے اجداد دیکھنے کے آرزومند اور ہمارے شعرا جس کے گیت گاتے تھے پوری عظمت و شان کے ساتھ جلوہ آرا ہے "لیکن اس داعی بادشاہ کے لیے بھی، اپنے محبوب مقصد میں ہموطنوں کے دلچسپی نہ لینے کی شکوہ گزاری کا یہ آخری موقع تھا اور اس کے بعد سب پر ظاہر ہوگیا کہ کیا ہونے والا ہے۔ ۲۱ نومبر کو بلجیم کے وکیل نے کیفیت لکھی کہ "قیصر کی نسبت توقع ہے کہ وہ

ایک جدید تختۂ تجاویز پیش کرے گا۔ کیونکہ جنگ ہسپانیہ ناگفتودہ اور جنوبی افریقہ کے تازہ واقعات نے اسے بہت متاثر کیا ہے۔ یعنی ان کا وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ جرمانیہ اس خطرہ کی زد میں ہے کہ اس نے اتنی محنت مشقت سے جو استعماری سلطنت بنائی ہے اس پر ہاتھ نہ پڑ جائے اور اس سے بھی بدتر یہ کہ کہیں اس کو بیرونی تجارت اور تجارتی جہازوں سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ ۱۸۹۸ء کے مجوزہ جہاز جرمن سواحل کی حفاظت کے لیے کافی ہیں لیکن آگے بڑھ کر نہیں لڑ سکتے۔ جدید تجاویز بھی غالباً منظور ہو جائیں گی کیونکہ جن مصلحتوں نے قیصر کو جو کنّا کیا ہے ظاہر ان سے اسی قسم کا اثر جرمنوں کی اکثریت پر پڑ رہا ہے"[۱]

ٹرپٹز اپنی سوانح میں لکھتا ہے کہ ریشتاگ کو تیار داری کی ضرورت ہے اور ۱۸۹۸ء میں پہلی خوراک کامیابی سے پلانے کے بعد میں نے ۹۹ء کی گرمیوں میں مصمم ارادہ کر لیا کہ دوبارہ وہی تجربہ کیا جائے اور اس میں ۱۹۰۱ء سے زیادہ دیر نہ ہونے پائے۔ مصارف کا جو انتظام ہو گیا تھا وہ ناقص ثابت ہوا۔ اور مناسب معلوم ہوا کہ ہر سال یکساں تعداد جہازوں کی تیار ہوا کرے۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ کیوبا منیلا اور فتودہ کے سبق نے فضا کو بہت مناسب حال بنا دیا۔ ٹرپٹز کے ان خیالات کا وزیر خارجہ دل سے حامی تھا اور اس نے ۱۱ ڈسمبر کو ریشتاگ کو خطرات حاضرہ کی طرف اس طرح توجہ دلائی :۔ ہمیں بر و بحر کی جانب سے اچانک گرفت آ جانے کے امکانات کو اچھی طرح سوچنا چاہیئے ہمیں اتنا طاقتور بیڑا رکھنا لازم ہے کہ کوئی طاقت بھی حملہ آور ہو ہم اسے روک سکیں۔ نہیں معلوم کس وقت طوفان برپا ہو جائے۔ ۱۸۹۸ء سے اب تک جو واقعات پیش آئے ان سے پہلے قانون بحری کی حکمتیں بخوبی ظاہر ہو چکی ہیں۔ تمام سلطنتیں اپنے بیڑے بڑھا رہی ہیں۔ بہت معقول اضافے کے بغیر ہم دنیا میں اپنے رتبے پر فرانس و

---

[۱] شورٹ فیگر۔ جلد اول۔ ۵۰

انگلستان روس و امریکہ کے پہلو بہ پہلو قائم نہیں رہ سکتے۔ پھر ہم سیاسی اور اقتصادی حسد کا ہدف ہیں یہ نہ ہونا چاہیئے کہ پھر ہماری سیاسی ناطاقتی اور اقتصادی وسیاسی سرنگونی کا زمانہ آجائے آیندہ صدی میں جرمن قوم لازمًا یا ہتوڑا ہوگی یا گھن بلہ اور ایسے زوردار الفاظ آہنی صدر اعظم کے بعد رائیشتاگ میں کبھی نہ گونجے تھے؛

چند ہی روز گزرے تھے کہ افریقہ کے مشرقی ساحل پر انگریزوں نے جرمنوں کے تین تجارتی جہاز روک لیے اور سامان ممنوعہ دیکھنے کی غرض سے تلاشی لی اس واقعہ نے حکومت جرمانیہ کی تبلیغی کوششوں کو بڑی غیر متوقع مدد پہنچائی۔ ان جہازوں میں سے دو کو جانے کی اجازت دے دی گئی لیکن "بندس رتھ" نامی جہاز کو پکڑکے ڈربن کی عدالت غنائم میں پیش کیا گیا اس پر

بندس رتھ کا روک لیا جانا

جرمن حکومت نے جس شدومد کے ساتھ مکابرہ کیا وہ انتہائی محبان وطن کو مطمئن کرنے کے واسطے بھی کافی تھا۔ اور اس کے لب ولہجہ پر سالسبری نے سخت حیرت ظاہر کی ہٹیزفیلیٹ علیل اور رخصت پر گیا ہوا تھا اور معاملے نے بہت بے لطفی کی شکل اختیار کرلی کیونکہ معلوم ہوتا تھا کہ جرمن حکام آپے سے باہر ہیں اور لوگ سمجھنے لگے کہ وہ سفارتی تعلقات منقطع کرنے پر تیار ہیں۔ اکارڈاسٹین پھر سرکاری ملازمت میں داخل اور قیصر کے ورود کے زمانہ میں سفارت خانہ کا معتمد اول ہو گیا تھا اس نے اطلاع دی کہ وزارت چاہتی ہے کہ ایسی خطا دوبارہ ہونے نہ پائے لیکن دوسری دفعہ وہ وزارت خارجہ کے دفتر میں آیا تو یہ خلاف امید خبر سنی کہ ایک جرمن امیر البحر لندن پہونچنے والا ہے جس کی جیب میں ۴۸ گھنٹے کے اندر مطالبہ پورا کرنے ورنہ جنگ، کی اطلاع ہوگی۔ لیکن سالسبری اس وقت بہت ہی آشتی پر مائل تھا۔ اس نے بتایا کہ "بندس رتھ" کے مال کی کوئی سرکاری اطلاع ابھی تک نہیں پہونچی ہے لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں

ع۱؎ ۔ بیولو۔ ریڈن۔ جلد اول۔ ۱۱ر دسمبر ۱۸۹۹ء

ممنوعہ سامان جنگ نہ تھا۔ میں عدالت غنائم کی کیفیت کا بھی انتظار نہیں کرتا

سالسبری کا نرم جواب

بلکہ فوراً جہاز کو چھوڑے دیتا ہوں اور ہرجانہ بھی ادا کروں گا اور وعدہ کروں گا کہ آئندہ جرمن جہازوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی

یہ ایک خوشنما سپر اندازی تھی اور ۱۰ جنوری کو بیولو نے سرکاری طور پر بیان کیا کہ انگلستان نے معافی مانگ لی، ہرجانہ ادا کردیا اور احکام جاری کردیئے کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے اس لئے آخر میں یہ بھی کہا کہ "جرمانیہ بارہا دکھا چکی ہے کہ وہ دست درازی کے میلان سے بری ہے۔ لہذا وہ مصالحت آمیز سلوک کی خاص طور پر مستحق ہے" اس واقعے سے حکام اور شاہی خاندانوں کے تعلقات کو کوئی خاص صدمہ نہیں پہنچا اور چند ہی روز بعد ولی عہد برطانیہ پر کوپن ہیگن آتے وقت بروسلز میں گولی چلی تو قیصر برلن سے دوڑا آیا کہ اس کے سلامت بچ نکلنے پر مبارک باد دے مگر دوسرے پہلو سے دیکھیئے تو بندس رٹھ کے ماجرے کا جرمن ذہنیت پر بہت دیرپا اور گہرا اثر ہوا چنانچہ یہی جنوری ۱۹۰۰ء کا زمانہ ہے جس نے قیصر و ٹرپٹز اور حزب بحریہ سب کی دعوت و تبلیغ سے بڑھ کر یہ بات جرمن قوم پر عیاں کردی کہ سمندر پر وہ کیسے بے دست و پا ہیں بیولو نے تو یہ خبر سنکر کہا کہ "یہ ایک فاسد ہوا ہے جس سے کسی کو فایدہ نہیں پہونچ سکتا" لیکن ٹرپٹز نے یہ سمجھائی کہ برطانی جہاز کا سردار اس قابل ہے کہ اسے تمغہ دیا جائے"۔ اور قیصر اپنی سوانح میں بیان کرتا ہے کہ صدر اعظم (ہوہن لوہی) نے شراب انگوری طلب کی اور ہم تینوں نے مل کر برطانی بیڑے کا جام صحت پیا جو ہمارا اس قدر معین و مددگار ثابت ہوا"

اب دوسرے قانون بحریہ کے پیش کرنے کا وقت آگیا ٹرپٹز تحریر کرتا ہے کہ "ہم عرصے تک مذبذب رہے کہ قانون کی تمہید میں برطانی خطرے کا اشارہ کیا جائے یا نہیں؟ میں تو اسے ترجیح دیتا کہ انگلستان سے بالکل قطع نظر کرلی جائے۔ لیکن ایسا غیر معمولی مطالبہ

یعنے بیڑے کو پورا دگنا کرنے کی تجویز کو سامنے لاتے وقت یہ ممکن نہ تھا کہ اصلی سبب کی طرف کوئی اشارہ تک نہ کیا جائے" چنانچہ یہ توضیح کردی گئی کہ جرمانیہ کے پاس اتنا طاقتور بیڑا ہونا چاہیئے کہ اس کا سب سے قوی بحری حریف بھی جنگ کرے تو اسے اتنے خطرے نظر آئیں کہ اس کی بحری فوقیت جوکھوں میں پڑ جائے۔ جدید تجویز نے ۱۸۹۸ء کے کام کو دگنا کردیا۔ اس میں سولہ سال کے اندر چونتیس جہازوں کی تعمیر کا منصوبہ تھا کہ قطار جنگ میں کل اڑتیس جہاز فراہم ہو جائیں۔ پہلے قانون کے ساحلی سفائین کی تجویز ترک کردی گئی لیکن دس بڑے دریا نورد جہازوں کی بجائے چودہ اور تیئیس چھوٹوں کی جگہ ۳۸ کردئے گئے اور سفائن حراقہ کو بڑھا کے اسی کردیا۔ پھر اگر چھ دریا نوردوں کا مطالبہ چھوڑا گیا تو اس سے کچھ حرج متصور نہ تھا کیونکہ فنی مشکلات کی بنا پر اس وقت ان کا بنایا جانا ممکن نہ تھا جدید مسودہ قانون میں بھی مصارف کو پہلے کی طرح سالانہ موازنہ آمد و خرچ میں داخل کردیا گیا جس سے مجلس کے حامیان اقتدار کی بھی اصلی تشفی ہو گئی اور یہ گنجایش بھی نکل آئی کہ اگر ضرورت ہو تو زیادہ بڑے اور زیادہ لاگت کے جہاز تیار کرائے جائیں۔

قانون بحریہ کی منظوری

اس مسودہ کی اتنی مخالفت نہ ہوئی جتنی پہلے کی ہوئی تھی اور فریق وسط کی مستقیم تائید نے اسے ہر طرح کے خدشہ سے بچا لیا[۱]۔ اشتراکیین مخالفت کرتے رہے متوسط طبقے کے وکلا میں صرف ریختر لڑتا رہا اور بیولاٹو بیان کرتا ہے کہ مداخل و مصارف کی ذیلی مجلس کے ایک طویل و تند اجلاس کے بعد وہ میرے پاس آیا اور سچ کے طور پر کہنے لگا کہ مجھے ہرگز یقین نہ تھا

---

[۱] یہی موقع ہے کہ وطن پرست آزاد خیالوں کے سرگروہ بیسرمین نے ایک بڑے بیڑے کی مستقل اور زبردست تائید شروع کی۔ ملاحظہ ہو بیہلی تقریر اس کی "ریڈن" جلد اول میں۔

لیکن اب ظاہر ہو گیا کہ غلبہ آرا تمھاری طرف ہو گا اور تم جیت جاؤ گے، میں نے وضاحت کے ساتھ اسے بتایا کہ میری سمجھ میں کسیطرح نہیں آتا کہ تم اس تجویز کے مخالف کیوں ہو۔ جرمانیہ کے جمہور تو کئی نسل سے سمندر پر قوت و استعداد کے طالب رہے ہیں اور جرمن بیڑے کی گہوارہ جنبانی ہی ہروغ نے کی اور ۱۸۴۸ء میں سب سے پہلے جنگی جہاز تعمیر ہوئے۔ پھر میں نے اسے سمجھایا کہ ہمیں سمندر پر اپنی تجارت و مصنوعات کو محفوظ رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ وہ غور سے سنتا رہا اور بالآخر اس نے یہ کہا کہ ممکن ہے تم حق بہ جانب ہو لیکن میں تو بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور اس نئی روش میں حصہ نہیں لے سکتا"۔ قیصر اپنی کوششوں کو بامراد ہوتے دیکھکر نہایت مسرور ہوا اور جولائی ۱۹۰۰ء میں ایک نئے جہاز کو سمندر میں ڈالتے وقت اس نے دعویٰ کیا کہ "جرمانیہ کی عظمت کے لیے سمندر ناگزیر ہے۔ مگر سمندر ثبوت فراہم کرتا ہے کہ اس پر یا اس کے پار کوئی اہم فیصلہ بغیر جرمن قیصر کے نہیں ہو سکتا"۔ بیولو کے دلی اطمینان کا اظہار حسب معمول ایسے الفاظ میں ہوا جن میں ممالک غیر کی رائے عامہ کو تسلی تشفی دینے کا خیال ملحوظ تھا۔ چنانچہ ۱۲ جون کو قانون بحریہ کی تیسری خواندگی پر اس نے بہ آواز بلند کہا کہ "ایک مثال تو کوئی مجھے ایسی دکھاوے جس میں ہمارا طرز عمل اعتدال سے متجاوز ہوا ہو۔ دراز دستی اور بیجا مداخلت کا خیال ہمارے دلوں میں نہیں ہے البتہ یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ ہمیں پامال کر دیں یا کسی شمار قطار میں ہی نہ لائیں ہمیں اس بات کی ضمانت درکار ہے کہ ہم امن و امان کے ساتھ سیاسی اور معاشی دونوں میدانوں میں اپنی ترقی جاری رکھ سکیں گے"۔ چند سال بعد بھی اس نے بیان کیا کہ مادّی فوائد اور عزت و وقار سب کا مقتضی یہی تھا کہ جرمانیہ اپنی بین الاقوامی حکمت عملی کے لیے بھی وہی آزادی حاصل کر لے جو اسے اپنی یورپ کی حکمت عملی میں حاصل تھا؛ برطانیہ کا انقطاع اور بوئر جمہوری ریاستوں سے یورپ والوں کی عام ہمدردی سے خواہ مخواہ ثالثی یا مداخلت کی افواہیں اڑنے لگیں ؎۱

؎۱ دیکھو ہمان کی کتاب "Zur Vorgeschichta' وغیرہ

مرادیف پیرس میں

مرادیف اکتوبر ۱۸۹۹ء میں خرلیف کی تعطیل بیارٹز میں گزار کر وطن جاتے وقت پیرس میں بھی ٹھیرا اور فرانس کے حکام سے مسایل حاضرہ پر گفتگو کی۔ اس کی روانگی سے پہلے بعض انگریزی اخباروں نے لکھنا شروع کیا کہ حکومت روس جنوبی افریقیہ کی جنگ میں مداخلت کیا چاہتی ہے اور روسی اخبار انگریزوں کے خلاف فرانس و روس کی مفاہمت کا چرچا کرنے لگے پیرس کی ان گفتگوؤں کی کوئی تفصیل شایع نہیں ہوئی لیکن ٹرولے ہاسن نامی ڈنمارکی جو فرانس میں توطن گزین اور فرانسیسی وزارت خارجہ کے عجیب عجیب کاموں میں دوڑایا جاتا تھا۔ جنگ کے آغاز ہونے پر برلن ضرور گیا کہ یہ معلوم کرنے کہ آیا مداخلت میں جرمانیہ بھی حصہ لے گی یا نہیں؟ بیولوئے اس سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور گو وہاں کسی باوقعت آدمی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تاہم اس نے حکومت برطانیہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ خود جرمانیہ نے فرانس کو مداخلت کا خیال دلایا۔ مگر یہ کوشش چل نہ سکی۔ کیونکہ اکارڈ اسٹین[۱] نے برطانوی وزرا کو پہلے سے خبردار کر دیا تھا کہ اس کی ریشہ دوانیوں سے ہوشیار رہیں فرانس کے عام لوگ بے شبہ ہر قسم کی کارروائی کو جس سے بوئروں کی ہمدردی ظاہر ہوتی ہو، سراہتے۔ لیکن یہ یقین کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ حکومت فرانس بھی معاندانہ نیت رکھتی تھی۔ صدر جمہوریہ **لوبے** اور وزیر اعظم **والدیک روسو** فرانس کے دو بہترین دماغ فکر میں تھے کہ جس طرح ہو ملک قضیہ درے فوکے بحران سے نجات و راحت پائے اور گو دلکاسے کو انگلستان سے ذرا محبت نہ تھی لیکن اس کو پوری طرح معلوم ہو گیا تھا کہ بغیر انگلستان کی رضامندی کے بیرونی مقبوضات کی توسیع ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اسی کے ساتھ، وہ اسی زمانہ میں پیٹرو گراڈ جا کے آیا تھا اور وہاں روسیوں نے جو تحریکیں کی ہوں گی، ان سب سے صاف صاف انکار بھی مشکل سے کر سکا ہو گا۔

---

[۱] اکارڈ اسٹین، "ارن زنجن"

مرادیف پیرس کے قیام کے بعد ہیس گیا جہاں اس کا آقا (زار) اپنی سسرال والوں کا مہمان تھا اور ۹ نومبر کو زار پوٹسڈم واپس آیا تو مرادیف بھی اس کے ہمراہ تھا۔ اس چند گھنٹے کی ملاقات میں طاہرا شائستی وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا اور ادھر چند ہی روز ہوئے تھے کہ قیصر اور بیو کو انگلستان روانہ ہو گئے بعد میں بھی کوئی کارروائی اس وقت تک نہیں کی گئی جب تک کہ ابتدائی ہزیمتوں نے انگلستان کو پریشان نہیں کیا اور بندس رٹھ کے روکے جانے سے جرمانیہ میں اشتعال نہیں ہوا۔ البتہ فروری ۱۹۰۰ء کے آخر میں، فرانس سے

روس مداخلت کی تجویز کرتا ہے۔

از سر نو گفتگو کر کے برلن کے روسی سفیر نے استفسار کیا کہ اگر قیام امن کے لیے کوئی سلسلہ جنبانی لندن سے کی جائے تو آیا جرمانیہ، روس وفرانس کے ساتھ شرکت کرے گی ؟[عـ۵] اس کا جواب جرمن سفیر متعینہ پیٹرو گریڈ کے ذریعے یہ دیا گیا کہ جب تک جرمانیہ کو فرانس کی عداوت کا اندیشہ ہے وہ پیچیدگیوں میں اپنے آپ کو نہیں ڈال سکتی اس لیے وہ دریافت کرتی ہے کہ آیا فرانس وروس تیار ہیں کہ جرمانیہ کے ساتھ ایک دوسرے کے یوروپی مقبوضات کے ضامن ہو جائیں اس بظاہر سیدھے سادے سوال کا وہی نتیجہ نکلا جس کی خواہش نہیں تو توقع ضرور تھی کیونکہ فرانس اس پھندے میں پھنسکر عہدنامہ فرنیک فرٹ کو تسلیم کرنے والا نہ تھا۔ اکارڈ اسٹین نے اس واقعے کو اپنے دوست الفریڈ رود تھ تنایلڈ سے بیان کیا جس نے وزرائے برطانیہ کو اطلاع دے دی۔ روس کے عامل سفارت خانہ نے برطانی وزارت خارجہ کو یقین دلایا کہ برلن برابر فرانس وروس کو اپنے ساتھ شریک ہونے پر آمادہ کر رہا ہے اور روس نے ابھی تک

عـ۵۔ بورڈے اے پاڑے اپنی کتاب۔
(صفحہ ۲۸۸) اس بات میں کوئی شبہ نہیں رکھتے کہ روس نے اپنی تجویز اصل میں جرمنوں کی تحریک سے کی تھی لیکن اس یقین کی کوئی دلیل انھوں نے بیان نہیں کی ہو

اس کی بات نہیں مانی ہے لیکن اس اطلاع کا اس گمنام و بے تاریخ فرانسیسی زبان کی یادداشت سے زیادہ اثر نہیں ہوا، جو شہزادہ ویلز کو کوپن ہیگن میں پیش کی گئی تھی اور جس میں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ جرمانیہ نے ایک دفعہ سے زیادہ فرانس و روس کے کان میں کہا ہے کہ وہ انگلستان پر عقب سے وار کر گزریں۔

جرمانیہ کے انکاری جواب

پیٹروگریڈ سے کوئی مزید تحریک نہیں ہوئی تا آنکہ اکتوبر ۱۹۰۱ء میں برلن کے روسی عامل نے ایک یادداشت پیش کی جس میں ثالثی کے متعلق حکومت جرمانیہ کی رائے دریافت کی گئی تھی۔ جرمن حکومت نے جواب دیا کہ ہم جنگ ختم کرنے کی کوشش میں حصہ لینے کے لیے ہمیشہ سے تیار ہیں لیکن ملکر کارروائی کرنے کی صورت تہدید کی سی ہو جائے گی۔ پس ہمارے خیال میں یہ بہتر ہو گا کہ کوئی ایک سلطنت، مثلاً روس ثالثی کی تحریک کرے۔ یہ جواب نائب وزیر خارجہ نے روسی عامل کو زبانی دیا اور اس نے کہا کہ اس کے سوا اور کسی جواب کی مجھے توقع بھی نہ تھی۔

چند سال بعد ڈیلی ٹیلیگراف کے نامہ نگار سے ملاقات کے دوران میں قیصر نے دعویٰ کیا کہ روس و فرانس کی مل کر مداخلت کرنے کی کوشش کو میں نے درہم برہم کیا۔ اور اس میں کلام نہیں کہ باہمی ضمانت کا جو مطالبہ اس نے پیش کیا تھا اس نے اشتراک کے راستے میں بڑی رکاوٹ ڈال دی۔ رہا یہ کہ اگر فرانس اس کی شرط مان لیتا تو اس صورت میں آیا وہ کچھ کرنے کے لیے آمادہ تھا اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مداخلت تہدید کی صورت میں ہوتی یا محض دوستانہ خدمت کے پیرائے میں اس واقعے کا جب انکشاف ہوا تو اخبار طان نے نیم سرکاری طور پر جواب دیا کہ وہ تجویز انگلستان کو خوار و سرنگوں کرنے کی غرض سے نہ تھی بلکہ محض ثالثی کے واسطے پیش کی جاتی" اصل یہ ہے کہ فرانسیسیوں کی طرح عام اہل جرمانیہ بھی اپنی حکومت کی کسی پرزور کارروائی پر احسنت و مرحبا کہتے لیکن دوسرے موقعوں پر قیصر و بیولاد کا بوئروں کی طرفداری سے پیہم پہلو تہی کرتے رہنا۔ ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے برطانیہ کے

جنگی منصوبے کی تکمیل میں روڑے اٹکانے کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ قیصر اپنی تزک میں بیان کرتا ہے کہ ملکہ وکٹوریہ نے مجوزہ دباؤ میں شریک نہ ہونے پر میرا دلی شکریہ ادا کیا۔ بیولاؤ نے بھی رشتاگ میں بیان کیا کہ جبراً دخل دینے کا خیال کبھی ہمارے دل میں نہیں آیا اور کوئی سلطنت بھی دوستانہ ثالثی کے سوائے اور کسی قسم کا ارادہ نہ رکھتی تھی جن سلطنتوں نے نظری طور پر ثالثی کی تجویز کو مرتب کیا انھوں نے ہمیشہ یہ صراحت کر دی کہ ہمیں انگلستان کو اس کی منشار کے خلاف صلح پر مجبور کرنے کا کوئی خیال نہیں ہے" اس پر ہم برطانی سفیر سر فرینک لاس کیلس کی اس پر زور شہادت کا اضافہ کرسکتے ہیں کہ بویروں کی جنگ کے زمانہ میں جرمن حکومت نے کوئی کارروائی انگریزوں کے خلاف نہیں کی[1] عہدے سے علٰحدہ ہونے کے بعد بیولاؤ اس زمانہ پر نظر ڈالتا ہے تو اس وقت بھی سادگی سے یہ رائے دیتا ہے کہ جرمن غیر جانب داری قومی مفاد کی بنا پر ضروری ہوگئی تھی۔ اگر ہم یورپ میں کوئی کارروائی کر کے انگلستان کی جنوبی افریقہ کی حکمت عملی میں رخنہ ڈالنے میں کامیاب بھی ہوجاتے تو ہمارے باہمی تعلقات برسوں کے لیے تلخ ہوجاتے۔ برطانیہ نئی جرمانیہ کی بین الاقوامی حکمت عملی کی خاموش مزاحم تھی اور یہ مزاحمت آئندہ عملی دشمنی کی صورت اختیار کرلیتی جنوبی افریقہ میں انگلستان کو شکست ہوجاتی تو بھی وہ ہماری بحری قوت کو گہوارے ہی میں کچل کے دھر دیتی۔

روس نے دوسری مرتبہ برلن کو ٹٹول کر انکاری جواب پایا تو پھر زار نے خود شاہ ایڈورڈ کو خط لکھا اور وہ بھی اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ مداخلت کی تجویز کوئی اندیشہ ناک نوعیت نہیں رکھتی تھی[2]

زار کی استدعا زار لکھتا ہے دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء ازراہ کرم ایسے نازک معاملے

[1] پال ال گوٹ : ۶ نومبر ۱۹۱۱ء

[2] یہ خط سر سڈنی لی نے ٹائمز میں (ماہ مئی ۱۹۲۲ء) چھپوا دیا ہے۔

کے متعلق میرے لکھنے کو معاف کیجیے گا۔ جس کی نسبت میں کئی مہینے سے برابر غور کرتا رہا ہوں لیکن میرے ضمیر نے بالآخر دل کی بات لکھ دینے پر مجھے مجبور کر دیا۔ میرا اشارہ جنوبی افریقہ کی جنگ کی طرف ہے اور جو کچھ لکھتا ہوں محض آپ کے محب بھانجے کی حیثیت سے لکھتا ہوں۔ یہ تو آپ کو ضرور یاد ہو گا کہ لڑائی شروع ہوئی تو انگلستان کی مخالفت کے خیالات کیسے شد و مد سے دنیا بھر میں پھیل گئے تھے۔ روس میں بھی دوسرے ملک والوں کی طرح سخت ناراضی تھی۔ بہت سی عرضیاں، خطوط، تار وغیرہ عام جلسوں کی جانب سے مجھے وصول ہوئے جن میں مداخلت بلکہ سخت کارروائی کرنے کی التجا کی گئی تھی مگر میرا اصول یہ ہے کہ دوسروں کے معاملات میں کوئی دخل نہ دیا جائے کیونکہ اس سے میرے ملک کو کوئی تعلق نہیں۔ پھر بھی ان سب باتوں کا میرے دل پر بار ضرور رہا۔ یہ خیال ہی کہ عیسائی عیسائی سے لڑ رہا ہے نہایت رنجیدہ ہے کتنے ہزار بہادر نوجوان انگریز اب تک وہاں ہلاک ہو چکے ہوں گے! کیا آپ کا نرم دل بیقرار نہ ہو گا کہ کسی طرح اس کشت و خون کو ختم کیا جائے آپ ایسا کریں تو ساری دنیا آپ کے فعل پر صدائے احسنت بلند کرے گی۔" ایسی استدعا پر کوئی شخص برا نہ مان سکتا تھا۔ شاہ ایڈورڈ نے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ سے مشورہ لے کے نرمی سے جواب لکھ بھیجا کہ لڑائی کا خاتمہ اب زیادہ دور نہیں ہو سکتا اور جس وقت امن و انتظام کا دوبارہ دور ہو گا۔ تو یہ علاقے اسی اطمینان و فراغت اور عمدہ نظم و نسق سے متمتع ہوں گے جس سے ہر ملک جو انگلستان کے زیر نگین آیا، بلا استثنیٰ بہرہ مند ہوا ہے۔ قیصر نے اپنے ماموں کو بھی اسی طرح خبردار کیا تھا جس طرح نانی کو، کہ سلطنت برطانیہ پر حملہ کرنے کی غرض سے فرانس و روس کا جتھا تیار ہو رہا ہے اور آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا۔ کہ صرف میرا شخصی اثر اس طوفان بلا کو دفع کر سکتا ہے لیکن اس تحریر کو برطانی حکومت کوئی وقعت دینے پر آمادہ نہ ہوئی۔

اس طویل جنگ کی مختلف منازل میں قیصر کے اندرونی خیالات خواہ کچھ ہی ہوں، اس کے افعال برابر دوستانہ رہے۔ ڈیلی ٹیلیگراف والی ملاقات میں

اس نے بیان کیا کہ جنگ کے نہایت مخدوش زمانے میں میں نے اپنے فوجی سرداروں کی مدد سے ایک نقشہ جنگ تیار کر کے ملکہ وکٹوریہ کو بھیجا تھا۔ یہ بیان اخبار میں چھپا تو صدر اعظم نے ریشتاگ میں فوراً اس کی تکذیب کی اور بتایا کہ ملکہ کو تحریر بھیجی گئی اس میں سوائے حربی گُر لکھنے کے اور کچھ نہ تھا لیکن اسکی نوعیت جو کچھ بھی ہو بے شبہ وہ دوستی کی علامت تھی اس سے بھی بڑھکر

کروگر کی آمد یورپ میں

مفید خدمت یہ تھی کہ جب ۱۹۰۰ء میں کروگر پرٹوریا سے بھاگ کر یورپ آیا اور پیرس میں بڑے زور شور کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا اور دلکا سا ملاقات کا موقع دیا، تو قیصر نے ملنے سے انکار کر دیا۔ یعنی ۲ ڈسمبر کو وہ کولون پہونچا تو اسے اطلاع دے دی گئی کہ قیصر اس سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ تاہم جرمانیہ کے اس پہلے شہر میں استقبال ایسا پر تپاک اور ہمت افزا تھا کہ اس نے برلن تک جانے ہتیہ کر لیا کہ شاید فرماں روائے جرمانیہ کی رائے بدل جائے اس پر لکسمبرگ کے جرمن وکیل کو مارا مار بھیجا گیا کہ کروگر کا ارادہ ملتوی کرائے ریشتاگ میں حکومت کے اس فعل پر سخت نکتہ چینی کی گئی لیکن بیولو نے جو ابھی دنوں ہوہن لوہی کی جگہ صدر اعظم ہوا تھا، جواب دیا کہ کروگر کی آمد نہ اسکے لئے مفید ہوتی نہ جرمانیہ کے لیے۔ پیرس جانے ہی سے کیا فایدہ ہوا جب کہ دلکا سے نے کوئی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم بھی دوسری قوموں کی مثل بوئروں سے ہمدردی رکھتے ہیں مگر ہمیں اپنے جذبات کی پیروی کرنی نہیں چاہیئے۔ یہ پوچھنے یا کہنے کی بھی کچھ ضرورت نہیں کہ کونسا فریق برسر حق ہے ہم آمادہ ہیں کہ انگلستان کے ساتھ کامل مساوات اور باہمی رواداری اصول پر یورپ میں امن دوستی کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہمیں ڈان

کوئیک زوٹ

بننے اور انگلستان کی پون چکیوں پر نشانہ تاکنے کی کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔" اس نے آخر میں یہ بھی کہا کہ جنگ روکنے کی جو کچھ کوشش ممکن تھی اس میں ہم نے دریغ نہیں کیا اور (ڈچ حکومت کی وساطت سے) مئی جون اور اگست ۱۸۹۹ء میں بار بار کروگر سے تاکید کی انگلستان سے

مصالحانہ معاملہ کرلے۔ میں نے اسے بتادیا تھا کہ جرمانیہ سے درخواست کرنا فضول ہوگا اور مشورہ دیا تھا کہ وہ امریکہ کو بیچ میں ڈالنے کی کوشش کرے۔

برطانیہ میں قیصر کے معزول صدر نشین ٹرنسوال سے انکار کردینے کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور اس کو تقویت اس طرز عمل سے پہونچی جو قیصر نے اپنی بزرگ نانی کی وفات پر مرعی رکھا۔ یعنی یہ خبر پاتے ہی کہ ملکہ کی حالت خطرناک ہے وہ دوڑا ہوا اوس برن آیا اور وفات سے دو دن پہلے پہنچ گیا۔[1] شاہی خاندان اور ملک میں اس آمد سے بڑا اثر ہوا اور یہ فعل اس لیے اور بھی قابل قدر سمجھا گیا کہ اگر وہ اپنے ہموطنوں میں ہر دل عزیزی کا لحاظ کرتا تو اس موقع پر وطن ہی میں ٹھہرا رہتا۔ اس پندرہ روز کے قیام میں اس نے عقاب سیاہ کا تمغہ لارڈ روبرٹس کو عطا کیا جو ابھی دنوں جنوبی افریقہ کی فوج کی زمام لارڈ کچنر کے ہاتھ میں دے کے آیا تھا۔ اہل نظر قیصر کے اپنے ماموں کے ساتھ مخلصانہ تعلقات دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اور انگلستان کے نئے بادشاہ نے بھی حسن اعتماد کے ثبوت میں ولی عہد جرمانیہ کو، جو باپ کے ہمراہ آیا تھا، گارٹر نذر کیا۔ بلجیم کا وکیل اپنی حکومت کو لکھتا ہے کہ "قیصر کی اس آمد سے عوام کے خیالات میں کامل انقلاب ہوگیا ہے۔ یہ تغیر اس کے ۱۸۹۹ء میں آنے سے شروع ہوا تھا۔ بایں ہمہ قیصر سے انس کا حلقہ جرمن قوم تک وسیع نہیں ہے جو لارڈ رابرٹس کو عقاب سیاہ کو دینے پر بہت نکتہ چینی کررہی ہے۔ دوسرے انگریز جرمنوں کو خطرناک تجارتی حریف سمجھنے لگے ہیں۔ غرض قیصر کی آمد سے شاہی درباروں کے روابط پر نہایت عمدہ اثر ہوا لیکن قوموں کے باہمی خیالات میں اس سے کوئی ترمیم نہیں ہوئی۔

ملکہ وکٹوریہ کی وفات

---

[1] قیصر کی گاڑی اسٹیشن سے نکلی تو ایک شخص پکارا "قیصر تمھارا شکریہ"! اور یہ سن کر شہزادہ ویلز کہنے لگا اس وقت سب کے دل میں یہی بات ہے جو اس شخص نے کہی۔ اور لوگ تمھاری اس آمد کو کبھی نہ بھولیں گے" (قیصری تنک۔ باب چہارم)۔

جرمن حکومت کی دوستی خاص طور پر قابل قدر اس لیے بھی تھی کہ ولیم ثانی کے عہد حکومت میں جرمن رسوخ واقتدار دوسری بڑی طاقتوں کی نسبت اس وقت جس قدر زیادہ تھا۔ اتنا کبھی نہیں ہوا۔ اس کے ممتاز مرتبے کی یہ واقعہ دلیل روشن بن گیا تھا کہ ۱۹۰۰ء میں جب بین الاقوامی مہم چین بھیجی گئی کہ باکسروں کی شورش فرو کرے اور پیکین کے سفارت خانوں کو نجات

پیکین کے سفارت خانے

دلائے تو کونٹ والڈرسی کو تمام دول نے مہم کا سپہ سالار تسلیم کر لیا۔ اصل میں تو سب سے زیادہ فوج روس نے بھیجی تھی اور اس لیے وہ طبعاً خواستگار تھا کہ یہ رتبہ اعلیٰ اس کو دیا جائے۔ لیکن جاپان اور برطانیہ نے مشرق اقصیٰ میں اس کے غلبے کو جو پہلے سے نمایاں تھا مزید تقویت پہنچانے پر اعتراض کیا اسی طرح روس جاپانی یا برطانی سپہ سالاری کے خلاف تھا پس قیصر نے موقع دیکھ کے اسے ہاتھ سے جانے نہ دیا اور سالسبری کو آمادہ کیا کہ جرمن سپہ سالار کا نام پیش کر دے۔ پھر اسے متامل دیکھکر زار کو ٹٹولا مگر اس نے بھی اپنے آپ کو پابند بنانے سے انکار کر دیا۔ ہمان لکھتا ہے کہ قیصر اپنے منظور نظر والڈرسی کو مہم کا صدر بنانے کے لیے بیتاب تھا اور اس نے اب یہ کہنا شروع کیا کہ زار نے یہ تقرر میرے حوالے کر دیا ہے۔ روسی وزیر لامس ڈورف نے چاہا تھا کہ اس بیان کی غلطی صاف کر دے لیکن زار نے یہی طے کیا کہ اس پر کچھ نہ کہا سنا جائے اس طرح یہ تقرر حقیقت میں زور و زور آوری کی شاطری پر مبنی تھا مگر عام طور پر لوگوں کو ان وسایل کی کوئی اطلاع نہ تھی جن سے یہ رتبہ اعلیٰ حاصل ہوا پس ہر ملک میں اس کے معنے یہی سمجھے گئے کہ تمام حکومتیں اس ممتاز مرتبے کو تسلیم کرتی ہیں جو جرمانیہ نے زور بازو سے حاصل کر لیا ہے۔ مگر اس کامیابی کی درخشندگی کو اس واقعے نے ضرور دھندلا کر دیا کہ مہم پر جانے والی فوج کو شہنشاہ نے یہ تاکید فرمائی کہ دشمن کو مطلق امان نہ دیں اور کوئی قیدی (زندہ) نہ رکھیں۔ اور ہر چند جرمن سفیر کا پیکین میں مارا جانا۔ اس شدت کا سبب تھا بایں ہمہ یہ باتیں اشور

کلدہ کے کسی کشور کشا کے منہ پر زیادہ زیب دیتی تھیں بہ نسبت اس کے کہ بیسویں صدی کا کوئی مسیحی تاجدار ایسی بات کہے۔

جس طرح سفارت خانوں کو محاصرے سے نجات دینے میں انگلستان و جرمانیہ کا اشتراک کام میں آیا اسی طرح انہی دونوں سلطنتوں نے مل کر چین کو شمال والوں کی تجارتی یا ملکی دراز دستی سے بچایا۔ اقرارنامہ ینگسی

اقرارنامہ ینگسی

جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو باہمی مراسلت کے ذریعے مرتب ہوا لازم کرتا تھا کہ وادی ینگسی اور چین کے تمام علاقے جہاں تحفظ کرنے والوں کا اثر کام دے سکے سب قوموں کی تجارت کے لیے کشادہ رہنگے اور چین کی صیانت میں کوئی خلل نہ آنے دیا جائے گا۔ اگر کوئی تیسری طاقت ملکی مراعات حاصل کرنے کے درپے ہو تو متعاہدین مل کر مناسب کارروائی کرنے کے متعلق غور و بحث کریں گے روس کی دھمکیوں کے مقابلے میں جرمانیہ کا چین کی صیانت کا ذمہ لینا، اتنا بیش قیمت سمجھا گیا کہ برطانیہ نے وادی ینگسی میں کسی خاص حق کا دعویٰ نہیں پیش کیا۔ دوسری سلطنتوں نے بھی اس میثاق کو تسلیم کرلیا کیونکہ روس نے چین کی صیانت قائم رکھنے کا خود ہی اعلان کر دیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ منچوریا کو خالی کر دیا جائے گا۔ دوسرے بیولاؤ کی یہ تدبیر بھی چل گئی یا کم سے کم وہ سمجھتا تھا کہ چل گئی کہ مذکورۂ بالا اقرارنامے سے منچوریا کو خارج رکھا جائے اور سالسبری کی یہ ایسی دست برداری تھی کہ ڈیوک ڈیون شائر نے اس پر یہ رائے زنی کی اب اس اقرارنامہ کی اتنی بھی قیمت نہیں جتنی کہ اس کے کاغذ کی ہے۔

ملکہ وکٹوریہ کی وفات اور قیصر کے انگلستان آنے کے وقت صورت حال یہ تھی اور چونکہ نہ تو فرانس اور نہ روس کی دشمنی میں کوئی فرق آیا تھا لہٰذا وزیر مستعمرات کا خیال پھر انگلستان و جرمانیہ کے عہدنامہ اتحاد کی اسی تجویز کی طرف رجوع ہوا جو ۱۸۹۹ء کے اواخر سے طاق نسیاں پر رکھا ہوا تھا۔[1] جنوری ۱۹۰۱ء کے وسط میں چیمبرلین اور اکارڈ اسٹین دونوں ڈیوک ڈیون شائر

---

[1] دیکھو اکارڈ اسٹین: ’’وغیرہ اور ’’سمیاتہ اورت مہیاتی‘‘

کے چیٹس ورتھ میں مہمان تھے اور وہیں یہ گفتگو از سرِ نو شروع ہوئی۔ چیمبرلین نے بحث کی کہ "شاندار انقطاع" کا زمانہ گزر چکا۔ اب انگلستان تیار ہے کہ مدت کے الجھے ہوئے معاملات، خاص کر مراکو اور مشرقِ اقصیٰ کے مسائل کو یورپ کے ایک یا دوسرے مجموعۂ دول کے ساتھ مل کر طے کرلے۔ [illegible] جرمانیہ کو ترجیح دے گی لیکن اگر ایسی کوئی مفاہمت ممکن نہ ہوئی تو ہم بڑی سے بڑی قربانیاں دے کر بھی فرانس اور روس کے ساتھ معاملہ کر لیں گے۔ قیصر کی خواہش تھی کہ قیصر معاہدۂ اتحاد یا دوسرے مسائل زیر بحث کے متعلق کوئی گفتگو نہ کرے کہ کہیں وہ اپنے آپ کو کسی خاص بات کا پابند نہ بنا آئے۔ مگر ایکارڈاسٹین نے چیٹس ورتھ کی گفتگو کی اطلاع دی تو اس بادشاہ نے فوراً لارڈ لینسڈون سے گہری دوستی کی باتیں شروع کر دیں۔ ہمان کا بیان ہے کہ اتحاد کی بات کرنے سے اس نے پہلوتہی کی تاہم اسے انگلستان کے قیام سے آئندہ وسائل و رسائل کا راستہ صاف کر دیا۔

اسی زمانے میں ایک تازہ مانع یہ پیش آیا کہ قصہ اتحاد ابھی بیچ ہی میں تھا جب اطلاع ملی کہ روس تیلنس مین میں اپنی نو آبادی کو قلعہ بند کرنے والا ہے۔

جرمانیہ کا اشتراک سے انکار

لارڈ لینسڈون نے اقرار نامہ ۱۹۰۰ء کی پابندی کا معاہدہ کرنے کی تحریک کی اور گو وزرائے جرمانیہ نے اس اقرار نامے کے اس موقع پر چسپاں ہونے کو تسلیم نہ کیا تاہم تجویز قبول کرنے پر آمادہ تھا اور اسی نے منیز دلف شیرنگ سے کہا کہ انگلستان کہاں تک لندن اور پیٹروگراڈ کے بیچ میں جھولتا رہے گا۔ کیا بات تو بہتر یہ ہے کہ دو مونڈھوں کے بیچ میں نہ گر پڑوں۔ ادھر جاپان نے حکومت برطانیہ کو مطلع کیا کہ روس پیکن پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ مشرقِ اقصیٰ میں روس کے صدر قائم مقام الکزیف اور ایک چینی سپہ سالار کے درمیان جو خفیہ معاہدہ ہوا ہے اس کی تصدیق و توثیق کر دی جائے حالانکہ یہ معاہدہ شمالی چین میں یورپ کی اغراض کے معارض ہے۔ اسی نظر سے جاپان نے تجویز کی کہ پیکن میں بھی

اسی قسم کے باہمی اقرار نامے کا اعلان کر دیا جائے کہ چینیوں کی مزاحمت کرنے میں پشت قوی ہو جائے۔ لارڈ لینس ڈون نے جرمن حکومت کی رائے دریافت کی تو جواب ملا کہ اقرار نامۂ ینگسی، منچوریا پر چسپاں نہیں ہوتا البتہ جرمانیہ آمادہ ہے کہ حکومت چین کو ٹوک دے کہ کسی تیسری سلطنت کو مالی یا ملکی مراعات نہ دی جائیں۔ لارڈ لینس ڈون نے ایسی تنبیہ میں شرکت کے وعدے کو سراہا مگر معاہدۂ ینگسی کی تعبیر کی لنسبت کوئی ذکر نہ کیا۔ بایں ہمہ اختلاف رائے منکشف ہوئے بغیر نہ رہا اور ۱۵ مارچ کو صدر اعظم نے ریشتاگ میں اسے ظاہر کر دیا۔ اس نے کہا عہد نامے کی عبارت سے آشکار ہے کہ اس میں منچوریا داخل نہیں ہے اور رسل و رسائل کے وقت ہم نے اسے صاف کر دیا تھا۔ اس صوبے سے جرمنوں کی کوئی حقیقی اغراض وابستہ نہیں ہمیں چین میں صرف اپنے فوائد و حقوق کی نگرانی کرنی ہے۔ یہ انگلستان کا کام ہے کہ وہ اپنے حقوق کی پاسبانی کرے" اس نے یہ بھی کہا کہ جرمانیہ دوسروں کے درمیان محض واسطہ بننے کے لیے نہیں ہے۔ مذکورۂ بالا بیان کی نائب وزیر خارجہ لارڈ کرین بورن نے بلا تاخیر تردید کی اور واضح کر دیا کہ معاہدۂ ینگسی میں حدود وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں۔ لہٰذا استعمالی چین اس میں داخل ہے۔ ہمان کا بیان ہے کہ سالسبری نے ۳۸ عرض بلد کو معاہدے کے دائرۂ اثر کی شمالی حد تجویز کیا تھا مگر جرمنوں کو منچوریا کی پروا نہ تھی اور اسی کو چھپانے کی غرض سے اس عرض بلد کی بجائے یہ الفاظ تحریر کیے گئے کہ "جہاں کہیں فریقین کا اثر کام دے سکے" جرمنوں نے ان الفاظ کو اس لیے اختیار کیا تھا کہ اگر منچوریا کو صراحتہً خارج کیا جاتا تو انگریز بہت مایوس ہوتے۔ لارڈ لینس ڈون کو اعتراف تھا کہ اس فقرے سے حد بندی کا پہلو تو نکلتا ہے لیکن یہ دراصل آزادی تجارت کے متعلق ہے نہ کہ ممالک چین کی صیانت کے بارے میں۔ اسی وقت جاپانی حکومت نے علانیہ کہا کہ جاپان معاہدۂ ینگسی کا بلا شرط شریک ہے۔ مگر برطانی اور جرمن تعبیر کا اختلاف باقی رہا اور فریقین کو ایک دوسرے

تعبیر میں

سے کبیدگی پیدا ہوئی؛

منچوریا میں روسیوں کی دراز دستی روکنے میں جرمانیہ نے شرکت سے انکار کر دیا تھا پھر بھی ۱۸ مارچ کو لارڈ لینس ڈاون نے اکارڈ اسٹین سے خیال ظاہر کیا کہ میں ایک دفاعی انتظام کا امکان سوچ رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں میرے کئی باوقعت ساتھی وزراء اس کو پسند کریں گے۔ پھر اگر مجلس وزراء نے اسے منظور کیا اور جرمانیہ سے بھی تائید ہوئی تو میں اسے سرکاری طور پر پیش کر دوں گا۔ الفاظ "دفاعی انتظام" عمداً اختیار کئے گئے تھے کیونکہ ہوسٹین انگلستان سے "ارتباط" کا تو مؤید تھا مگر عہد اتحاد کے لفظ سے بھی بیزار تھا۔ اکارڈاسٹین نے جواب میں خیال ظاہر کیا کہ ممالک چین کی صیانت اور آزادی تجارت قائم رکھنے کے لیے انگلستان و جرمانیہ و جاپان کے درمیان معاہدہ ہو جانا چاہیے اور کہا کہ مجھے معلوم ہے میرا دوست اور جاپان کا سفیر ہیاشی اس کی تائید کرے گا۔

اتحاد کے آثار

۲۰ مارچ کو ہوسٹین نے اس سے بھی وسیع تر تجویز پیش کی کہ اگر جرمانیہ کو سلطنت برطانیہ کا ضامن بنایا جائے تو برطانیہ کو چاہیے کہ وہ اتحاد ثلاثہ میں جاپان سمیت شریک ہو جائے۔ اس نے یہ لکھا کہ اس اتحاد کی شرطیں وی آنا میں طے ہونی چاہئیں۔ پہلی گفتگو کے ایک ہفتے بعد یعنی ۲۰ مارچ تک خاص خاص موضوعات طے کر لئے گئے کسی فریق پر حملہ ہونا حلیفوں کی مداخلت کی شرط قرار پائی۔ طے ہوا کہ مشرق اقصیٰ کے بارے میں جاپان سے جرمانیہ اور برطانیہ الگ الگ عہد نامہ کر لیں۔ مگر لینس ڈاون نے جب سنا کہ ہوسٹین چاہتا ہے یہ گفتگو وی آنا میں طے ہو تو کہا کہ پہلے جرمانیہ کے متعلق معاملہ صاف ہو جانا چاہیے؛

ایک مرتبہ پھر داد و ستد کرنے والوں کے کام میں برلن سے پیچیدگی اور رخنہ اندازی کی جانے لگی۔ قیصر خیال کرتا تھا کہ انگلستان جرمن تلوار سے روس کے خلاف کام لینے کے درپے ہے والڈرسی مشرق اقصیٰ سے یہ یقین لے کر واپس آیا کہ برطانیہ اپنے اور روس کے درمیان جرمانیہ کو

برزخ بنانا چاہتی ہے۔ اس نے قیصر سے اصرار کیا کہ جرمن فوج واپس بلا لی جائے اور بحری محاصل کے بلا تامل اضافے سے ہرجانے کی رقوم کی کفالت کی جائے۔ چنانچہ ایک کارندہ انگلستان آیا اور مطالبہ کیا گیا کہ جنوبی افریقہ کے جرمن آباد کاروں کے دعاوی تاوان کا فیصلہ کیا جائے اور چین کے جہازی محاصل بڑھا دئے جائیں۔ چونکہ حکومت برطانیہ پہلے ہی وعدہ کر چکی تھی کہ جنگی حالات کے اجازت دیتے ہی جرمن دعاوی کی تحقیق اور نقصانات کا معاوضہ دینے میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے گی۔ اور چینی محاصل میں اضافہ قبول کرنے سے انکار کر چکی تھی، لہٰذا اس مطالبے پر لارڈ لینس ڈون کو طبعاً ناگواری ہوئی۔ چند ہی روز ہوئے تھے کہ قیصر کا شاہ انگلستان کے پاس ایک خط آیا جس میں اس کے وزیروں کی "سراپا غباوت" کے الفاظ سے مذمت لی تھی۔ بادشاہ نے لارڈ اسٹین سے اس کے آقا کے طرز عمل کا شکوہ کیا اور کہا کہ "تمھیں میری رائے معلوم ہے کہ میں انگلستان و جرمانیہ کو قدرتی حلیف سمجھتا ہوں۔ لیکن ہم قیصر کی ان طراریوں میں شریک نہیں ہو سکتے۔ پھر بعض وزراء خاص کر سالسبری قیصر و بیولاؤ دونوں کی طرف سے نہایت مشتبہ ہے۔ میں نے شبہ دفع کرنے کی کوشش کی مگر ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ مزید براں "فلوٹن واربن" کی تہدید اور سب وشتم کچھ ہماری اطمینان دہی کی ممد نہیں ہو سکتی"۔

ان دشواریوں کے باوجود اتحاد کی گفتگو جاری رہی۔ علیل ہٹنر فیلٹ برائٹن سے اور سالسبری ریورا سے واپس آ گئے۔ وزیر اعظم تنہا جرمانیہ سے اتحاد کرنے پر رضامند تھا۔ لینس ڈون نے تجویز کی کہ عہد اتحاد

برلن کی رکاوٹ

کی تمہید یہ ہو کہ جداگانہ مسائل پر بحث کر لی جائے، مگر بایوس کن ہولسٹین نے جواب دیا کہ پہلے انگلستان کو یہ وعدہ کرنا چاہئے کہ یہی نہیں کہ اگر جرمانیہ پر دو طاقتوں کا حملہ ہو ابلکہ اس صورت میں بھی انگلستان مدد دے گا جب کہ جرمانیہ کو اپنے کسی حلیف کو مدد دینے پر مجبور ہونا پڑے۔ لارڈ لینس ڈون نے تحریری بیان طلب کیا تو ہولسٹین نے تحریر دینے سے انکار کر دیا۔

وسط جون تک چیمبر لین تو نا امید ہو گیا اور لارڈ اسٹین سے بطور شکوہ کہنے لگا کہ "اگر برلن کے لوگ ایسے تنگ نظر ہیں تو پھر کوئی چارۂ کار نہیں ہے" غرض اتحاد کے رسل و رسائل ایک مرتبہ اور ناکام رہے۔ آئندہ جولائی میں ارتباط کا ایک اور موقع اس وقت نکلا تھا جب کہ مراکو کے متعلق ایک وفد لندن آیا۔ فرانس کے ارادے مراکو کے بارے میں ظاہر ہوتے جاتے تھے اور طنجہ کا برطانوی وکیل مسٹر آرتھر نکلسن جرمن سفارت خانے میں لارڈ اسٹین سے جا کے ملا۔ اس نے بیان کیا کہ فرانس اسے باج گزار بنانے کی فکر میں ہے اور لارڈ لینس ڈون اشتراک چاہتا ہے کہ مراکو کی سیاسی حالت علی حالہ رکھی جائے اس کی تمہید یہ ہو سکتی ہے کہ انگلستان و جرمانیہ تقسیم مراعات کی نسبت باہم قرار داد کر کے حکومت مراکو سے ایک تجارتی معاہدہ کریں اور تجارتی، مالی یا سیاسی جو کارروائی بھی کی جائے وہ مشترکہ طور پر ہو۔ لارڈ اسٹین نے اس تجویز کی برلن میں اطلاع بھیجدی مگر وہاں سے کچھ جواب نہ آیا۔ وہ ۱۸۹۹ء میں چمبرلین اور رہوڈس سے اور پھر جرمنی ۱۹۰۱ء میں چینیس ورتھ پر چیمبرلین اور ڈیون شائر سے اس بارے میں گفتگو کر کے ایک تجویز بھی مرتب کر چکا تھا کہ ہسپانی حلقۂ اقتدار کے باہر بحر متوسط کے ساحل اور طنجہ پر برطانیہ قبضہ کر لے اور بحر اوقیانوس کے کوئلہ لینے کے مقامات جرمانیہ کو مل جائیں اور یہ دونوں سلطنتیں آخر میں پورے ملک کو آپس میں بانٹ لیں۔

مگر جس قدر دن گزرتے گئے اسی قدر کسی مضبوط قرار داد کے امکانات بھی دور ہوتے گئے۔ بیولاؤ کی جگہ رختوفن وزیر خارجہ مقرر ہوا تھا اس لئے نومبر میں لارڈ اسٹین سے یہ دکھڑا رویا کہ ہولسٹین کو تو خود معلوم نہیں کہ اسے کرنا کیا ہے اور بیولاؤ اس شئے کے اول سے خلاف تھا۔ اصل میں ہولسٹین کو اذعان ہو گیا تھا کہ سالسبری جرمنوں کا دشمن ہے اور جب تک کہ وہ انگلستان کا ناخدا ہے، کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن بعض دوسرے اسباب بھی، جن کا ذاتیات سے اس قدر تعلق نہ تھا، ایسے عارض ہوئے کہ جرمانیہ کے ارباب اقتدار نے پیش کردہ اتحاد کو مسترد کرنے ہی میں مصلحت سمجھی۔ اول تو انھیں یقین تھا کہ برطانیہ کے ساتھ

زیادہ گہرا اتحاد ان کے روس سے دوستانہ تعلقات کو اگر برباد نہیں تو مخدوش ضرور کر دے گا اور اپنے اتحادی کے ساتھ روسیوں سے طرح طرح کے مناقشوں میں مبتلا کر دے گا۔ دوسرے بوئروں کی جنگ میں برطانیہ سے عام ناراضی نے انھیں متامل کر دیا کہ وہ ایسی قوم سے کیونکر اتحاد کریں جس کے جرائم کو وطن آبائی کا قریب قریب ہر اخبار ببانگ دہل مشتہر کرتا رہتا تھا۔ اسی قلبی اثر کو ہلکا کرنے کی غرض سے ہولسٹین نے بحث مباحثہ کا مقام وی آنا میں منتقل کر لیے اور جرمانیہ سے

ہولسٹین کی شرطیں

علیحدہ عہدنامہ کرنے کی بجائے برطانیہ کو (جاپان سمیت) اتحاد ثلثہ میں لانے کی تجویز کی تھی۔ اس کے اندیشے محض اوہام نہ تھے مگر برطانیہ کے اقدام پر دور باش کہہ دینا ان سے بھی زیادہ خطرات کا حامل تھا مگر ہولسٹین اندھوں کا اندھارہ نما تھا اور برطانیہ کی روس و فرانس سے عداوت اس کے نزدیک سیاسیات یورپ کی ایک ابدی خصوصیت تھی چنانچہ چیمبرلین کے اس سرسری اشارے کو کہ اگر ہمیں (یعنی انگریزوں کو) ایک جتھے میں مدد نہ ملی تو ہم لازماً دوسرے جتھے میں لینے جائیں گے' اس نے محض دھمکی سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ البتہ جب برطانیہ کی تجویز کے مسترد کیے جانے کے دو سال بعد شاہ ایڈورڈ پیرس آیا، تو اس وقت وِلہلم اسٹراس کی چھچھوندروں کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔

جرمانیہ اور برطانیہ کے عام لوگ اس رسل و رسائل اور اس ناکامیابی سے بے خبر تھے۔ لیکن حکام اور عوام کے مزاج کو اس خطیبانہ جنگ نے اور برہم کیا جو جرمن صدر اعظم اور انگلستان کے وزیر مستعمرات کے درمیان چھڑ گئی۔ جنوبی افریقہ میں انگریز سپاہیوں کے طرز عمل پر کینہ آمیز نکتہ چینی کے جاری رہنے سے چیمبرلین کو کہنا پڑا (۲۵ اکتوبر ۱۹۰۱ء) کہ جو قومیں آج ہماری وحشت و سفاکی پر نام دھر رہی ہیں انھوں نے پولینڈ، قفقاز، بوسینہ، ٹونکین اور ۱۸۷۰ء کی لڑائی میں وہ کچھ کیا ہے کہ ہم اس تک پہنچ نہیں سکتے۔ اس دشنام نمائی نے جرمانیہ میں مخالفت

جرمن فوج

کا طوفان برپا کر دیا اور ریشتاگ میں ایک مقرر نے جتایا کہ جس شخص نے جرمن فوج کی توہین کی' اس نے جرمن قوم کو ذلیل کیا'۔ اس پر احسنت و تصدیق کا غل مچا۔ ٹھنڈی مٹی کا صدر اعظم

خوب جانتا تھا کہ انگریزی "بھاڑے کے سپاہیوں" کے جو افسانے مشہور ہیں، جنھیں سن کر چیمبرلین کو غصہ آیا اور تردید میں آواز بلند کرنی پڑی، ان میں سے اکثر بے سر وپا ہیں لیکن چونکہ اسے ٹوکا گیا تھا، لہذا لامحالہ وہ مقابلے پر آمادہ ہوا اور اس نے یہ کوشش بھی کی کہ وزرائے انگلستان معافی مانگیں اگرچہ اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ خود اپنی صفائی میں اس نے ۸ رجنوری کو تقریر کی اور اس میں بتایا کہ "کسی وزیر کو دوسرے ملکوں سے کچھ سروکار رکھنا نہیں چاہیے۔" جرمن افواج کا مرتبہ اتنا بلند اور نشان اتنا درخشاں ہے کہ نا انصافی کی رائے، ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

فریڈرک اعظم نے اپنی پروشوی فوج کی کسی کو تعریض کرتے سن کر کہا تھا "اسے اپنے حال پر چھوڑ دو اور برا نہ مانو، وہ سنگ سماق پر منہ مار رہا ہے۔" آج یہی بات ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد چیمبرلین کو مجمع عام میں تقریر کا موقع ملا تو اس نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ "غیر ملک کے مدبروں کو نہ میں سبق دینا چاہتا ہوں اور نہ ان سے سیکھنا منظور ہے۔"

غرض چار سال تک ٹھیر ٹھیر کے رسل ورسایل کے بعد یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ انگلستان وجرمانیہ کا اتحاد غیر ممکن ہے اور وزیر مستعمرات کا تیز دماغ فوراً دوسری صورت کی طرف متوجہ ہوا۔ ۸ رفروری ۱۹۰۳ء کو شاہ ایڈورڈ نے اپنے وزرا اور سفرائے خارجہ کی مہمانی کی۔ کھانے کے بعد اکارڈاسٹین نے دیکھا کہ چیمبرلین اور سفیر فرانس سے آدھے گھنٹے تک بہت پرشوق گفتگو ہوتی رہی۔ "مراکش" اور "مصر" کے وہم انگیز لفظ بھی اس کے کان تک پہنچے۔ اور اسی شام کو چیمبرلین نے اس سے کہا کہ بیولاؤ نے دوسری مرتبہ پھر ریشتاگ میں میری مذمت کی، تو اکارڈاسٹین کو کچھ حیرت نہیں ہوئی کیونکہ اسے چیمبرلین کا رنگ نظر آگیا تھا چنانچہ یہ انگریز وزیر کہنے لگا "میرے ساتھ اس برتاؤ کی اب حد ہوگئی اور آئندہ جرمانیہ سے مل کر کام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔" دوسرے مہمان چلے گئے تو بادشاہ نے اکارڈاسٹین کو روک لیا اور چند معنی خیز کلمات اضافہ کئے۔ اس نے کہا "اخباروں کے حملے اور صدر اعظم کی تقریر نے اس قدر لوگوں کو بھڑکا دیا ہے کہ کم سے کم ایک مدت تک تو مل کر کام کرنے کی اب

کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ اور عصر فرانس ہمیشہ سے زیادہ اصرار کر رہا ہے کہ ہم تمام نوآبادیوں کے جھگڑے اس کے ساتھ مل کر طے کر لیں۔

اکارڈاسٹین نے بادشاہ کے یہ اقوال بیولاؤ اور قیصر کو لکھ بھیجے تھے مگر انھوں نے شاید ہی ان کی اہمیت کا کوئی اندازہ کیا ہو۔ پھر ستمبر ۱۹۰۲ء میں اکارڈاسٹین، ہائی بری گیا تو وہاں بھی اس کا میزبان غیظ و غضب کی حالت میں ملا، اور چلا کر کہنے لگا کہ برلن سے یہ نامہ و پیغام کا نتیجہ خراب ہی نکلا۔ اکارڈاسٹین نے پوچھا، کیا واقعی فرانس و روس کے ساتھ اتحاد کے ارادے ہیں؟ تو جواب ملا ابھی تو نہیں، مگر آئندہ یہ بھی ممکن ہے۔ لارڈ لیس ڈون سے آئرلینڈ میں ملاقات ہوئی تو اس بیان کی تصدیق ہوئی کہ سفیر فرانس کے ساتھ ان انگریز وزیروں کی گفتگو کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا کیونکہ جبل الطارق کے مسئلے نے مراکش کے معاملے کو بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔

۱۹۰۱ء کے نامہ و پیام میں، نئے جتھے کے اندر جاپان کے شریک کیے جانے پر بھی گفتگو ہوئی تھی مگر جب برطانیہ کے ہاتھ کو برلن نے مسترد کر دیا تو لندن و ٹوکیو نے فیصلہ کیا کہ خود وہ عہد و پیمان کر لیں۔ جاپان بھی برطانیہ کی طرح سیاسی انقطاع کے خطرات محسوس کرنے لگا تھا لیکن اس کے بزرگان سیاسی اس خطرے کو دور کرنے کے وسائل میں مختلف الرائے تھے۔ شہزادہ اٹیو کی خواہش تھی کہ روس کے ساتھ صاف صاف گفتگو کی جائے اور اسی غرض سے پیٹرو گراڈ بھی گیا، اور بے نیل مرام واپس پھرا۔ اکثریت کی رائے پہلے سے یہ تھی کہ روس سے قابل اطمینان قرارداد ہونی ممکن نہیں اور اس کے حریف سے اتحاد کر لینا زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ جاپانی سفیر بیرن ہیاشی اور لارڈ لینس ڈون کے درمیان لندن میں رسل و رسائل شروع ہوئے اور جنوری ۱۹۰۲ء میں پانچ سال کے واسطے ایک عہد نامہ مرتب ہو گیا۔ دونوں حکومتوں نے چین و کوریہ کی خود مختاری کو تسلیم کیا اگرچہ اس کے ساتھ ایک دوسرے کو اجازت دی کہ اپنے خاص حقوق کی حفاظت کے لیے مداخلت کر سکتے ہیں بشرطیکہ کسی دوسری سلطنت کی دست درازی یا اندرونی ہنگاموں کی

جاپان سے اتحاد

وجہ سے وہ حقوق خطرے میں پڑ جائیں۔ اس صورت میں اگر دونوں میں سے کوئی اپنے حقوق کی حمایت میں جنگ کرے تو دوسرا فریق کامل غیر جانب دار رہے، لیکن اگر ایک دو طاقتوں سے ہونے لگے تو دوسرے حلیف کو اپنے اتحادی کی مدد کرنی ہوگی۔ اس معاہدے کو دونوں ملکوں میں پسند کیا گیا اگرچہ تنبیہ کرنے والوں کی آوازیں بھی بلند ہوئیں کہ معاہدے کی بدولت ایسے ایسے خطرات پیش آسکتے ہیں۔ جاپان کو یورپ کی ایک بڑی طاقت کا مساوی حیثیت سے شریک اتحاد کرنا گویا اسے وہ رتبہ دینا تھا جو کسی خالص ایشیائی سلطنت کو نصیب نہ ہوا تھا۔ دوسرے اس عہدنامے سے اسے ضمانت مل گئی کہ روس کے ساتھ لڑائی کی نوبت آئی تو صرف ایک دشمن سے لڑنا پڑے گا۔ برطانیہ کا فائدہ نسبتہً اتنا نمایاں نہ تھا خصوصاً اس لیے کہ جاپانیوں نے اپنی ذمہ داری کا دائرہ ہندستان تک وسیع کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر بھی جاپان کے روز افزوں جنگی ساز و سامان کا ہمارے مشرق اقصیٰ کی امکانی قوت میں اضافہ ہو جانا کچھ کم بات نہ تھی۔ دونوں اتحادی یہ خیال کرنے میں حق بجانب تھے کہ دشمنوں کا کوئی جتھا ان کے سامنے آئے وہ اس سے مقابلہ کر سکیں گے اور اپنے تجارتی اور سیاسی حقوق کی، جو روس کی چیرہ دستی سے معرض خطر میں نظر آنے لگے تھے، بخوبی حفاظت کر سکیں گے۔ برطانیہ کا نیا دوست ہر چند فاصلے پر تھا اور اس کی پوری طاقت ابھی تک سر بخفی تھی، بایں ہمہ اس واقعے نے کہ انگریز بھی اب تنہا نہیں ہیں، برطانیہ کے وقار کو تمام دنیا میں بڑھا دیا۔

جون ۱۹۰۲ء میں بوئروں نے ہتھیار رکھ دیے اور جنوبی افریقہ کی جنگ ختم ہوئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید برطانیہ اور جرمانیہ میں پھر پہلی سی دوستی قایم ہو جائے۔ لارڈ روبرٹس اور وزیر جنگ مسٹر بوڈرک نے مصنوعی جنگ میں دعوت منظور کر لی۔ ادھر قیصر نے ان بوئر سرداروں کو، جو اپنے مصیبت زدہ ہموطنوں کے لیے چندہ وصول کرنے یورپ آئے تھے اس وقت تک باریاب کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ برطانی سفیر ان کا تعارف نہ کرے۔ اور یہ ایسی شرط تھی جسے بوئروں نے منظور نہیں کیا۔ نومبر میں قیصر ننھیال

قیصر کا انگلستان آنا والوں سے ملنے بادشاہ کی سالگرہ کے موقع پر سینڈ رنگہم آیا جنگ کے خاتمے پر سالسبری کی جگہ اس کا بھانجا بالفور وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ وہ، لارڈ لینس ڈون اور وزیر مستعمرات قیصر سے ملاقات کے لیے بلائے گئے۔ گلڈ ہال کی ضیافت میں مسٹر بالفور نے حقارت سے اخباروں کے "واہی تباہی تخیلات" کا تذکرہ کیا جو انھوں نے قیصر کی آمد کے متعلق قائم کئے تھے۔ مگر اس چشم نمائی کو کچھ مدت بھی نہ گزری تھی کہ جنوبی امریکہ کی ایک سرکش ریاست کے مقابلے میں جنگی اشتراک کی نوبت آگئی؛

بیسویں صدی کے آغاز میں وینی زولا کی ریاست وہاں کے رئیس جمہوریہ کاسترو کے پنجے میں آگئی تھی۔ اور وہ غیر سلطنت کی رعایا کے ساتھ بھی اسی قدر کم مصلحت برتتا تھا، جس قدر ان باغیوں کے ساتھ جو اس کے **کاسترو کی تادیب** استبداد کا مقابلہ کرنے کی جسارت کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ء کی گرمیوں میں لارڈ لینس ڈون کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور برطانی حکومت کو جب یقین ہوگیا کہ کاسترو صرف قوت کے آگے سر جھکائے گا، تو فیصلہ کیا گیا کہ اس کی ناکہ بندی کر لی جائے۔ چونکہ جرمانیہ کو بھی اسی قسم کی شکایتیں اور دعوے تھے، لہذا سرکاری طور پر اس کی شرکت کی استدعا کی گئی اور دونوں حکومتوں نے اقرار کیا کہ ایک دوسرے کے مطالبے کی تائید کریں گی۔ کاسترو کسی تنبیہ و تہدید کو خاطر میں نہ لایا تو ۷ر دسمبر کو پیام جنگ بھیجا گیا اور جنگی جہاز لاگوارا میں گرفتار کر کے ساحل کی ناکہ بندی کر لی گئی۔ تھوڑی دیر ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد رئیس جمہوریہ نے تجویز کی کہ دعاوی کا ایک حصہ عدالت ثالثی میں پیش کر دیا جائے اور جھگڑا عدالت ہیگ کے سامنے لایا گیا۔ اس موقع پر دونوں حکومتوں نے ہمنوائی سے حق اشتراک ادا کیا مگر برطانی اہل الرائے کے بڑے بڑے گروہوں میں یہ بات اتنی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی کہ وزیروں کو مصلحت اسی میں نظر آئی کہ اپنی ذمہ داریوں کو خفیف کر کے دکھائیں۔ جرمن یہ غیر دوستانہ ادا حیرت و نارضامندی سے دیکھے بغیر نہ رہ سکے۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۰۳ء کے دن بیولاؤ نے ریشتاگ میں جتایا

کہ وہ ہم پوری مصالحت اور کامل وفاداری سے کام کرتے رہے۔ اسی لیے بعض برطانی اخبارات کی مخالفت پر زیادہ تعجب ہوتا ہے اور اس کا سبب بجز اس کے کچھ خیال میں نہیں آتا کہ بوئروں کی جنگ کے زمانے میں برّاعظم کے اخباروں نے جو حملے کیے تھے، ان سے انگلستان میں ایک خاص تلخی پیدا ہوگئی۔ مگر مجھے یہ بیان کرنے میں خوشی ہے کہ بادشاہوں اور مجلسین وزرا کے تعلقات میں کوئی تغیر نہیں آیا اور وہ پہلے کی طرح دوستی اور یگانگی سے باہم ملتے ہیں۔

وینی زولا کا عزیمت طلب معاملہ مشکل سے اتمام کو پہنچا ہوگا کہ برطانیہ کی مجلس وزرا کے سامنے ایک ایسا مسئلہ آگیا جو انگلستان و جرمانیہ کے تعلقات کے حق میں کہیں زیادہ اہم تھا۔ [1] سنہ ۱۹۰۲ء میں بغداد ریلوے کمپنی کو قونیہ سے خلیج فارس تک ریل بنانے کی اجازت اور کیلومیٹروں کے حساب سے ضمانت حاصل ہوئی۔ یہ ضمانت صراحۃً معین نہ کی گئی تھی اور نہ کوئی مقام طے ہوا تھا کہ ریل کہاں ختم ہوگی، لہذا یہ محض ایک مسودہ تھا۔ اور اصل اقرار نامے پر ۵ر مارچ سنہ ۱۹۰۵ء کو دستخط ہوئے جس میں ریل کو قونیہ، ادانہ، موصل اور

بغداد ریلوے کے مراعات

بغداد کے راستے سے بصرے تک پہنچانا قرار دیا تھا اور حلب، عرفہ، خانقین اور بڑی لین کے شمال و جنوب میں دوسرے شہروں تک شاخیں نکالنے کی تجویز تھی۔ ان مراعات میں ریل کے دونوں طرف بیس کیلومیٹر کے اندر تمام معدنیات کے استخراج اور بغداد اور بصرے میں بندرگاہیں تیار کرنے اور ان دریاؤں میں جہازرانی کرنے کی اجازت شامل تھی، جن سے کمپنی کام لے۔ یہ شاہانہ مراعات تھے اور ان سے پورا فائدہ اٹھانے میں برطانیہ کی تائید و دوستی درکار تھی۔ قیصر کے سنہ ۱۸۹۹ء کے ورود کے وقت چیمبرلین نے رائے ظاہر

---

[1] بغداد ریلوے کی نسبت جو رسل و رسائل ہوئے ان کا ابتدا سے سنہ ۱۹۱۴ء تک کا ایک نیم سرکاری بیان اکتوبر ۱۹۱۷ء کے کوارٹرلی ریویو میں چھپ چکا ہے۔

کی تھی کہ میرا جی چاہتا ہے ایشیائے قریب میں برطانیہ جرمن سعی میں شریک وسہیم ہو۔ مگر فرانس کے سرمایہ داروں نے تو حصص لیئے بھی اور جرمنوں کی کوشش کہ انگریز بھی ہاتھ بٹائیں، بے نتیجہ رہی۔ یہ ڈائش بنک کے بانی اور ناظم، جورج وان سیمنس کی، جو لندن تک خود چل کر آیا، وزارت خارجہ نے کوئی ہمت افزائی نہیں کی؛

۵ مارچ کے اقرار نامے پر دستخط ہونے کے کچھ روز بعد ہی افواہیں اڑنے لگیں کہ برطانیہ نے اگر فی الواقع مدد کا وعدہ نہیں کر لیا ہے تو زیر غور ضرور ہے۔ اور ۸ اپریل کو خود وزیر اعظم نے خبر دی کہ اس معاملے پر غور کیا جا رہا ہے۔ جرمانیہ نے خیال ظاہر کیا تھا کہ انگریزوں کا سرمایہ اور اثر کسی دوسری سلطنت سے کم نہ ہو اور ترکی محصول کروڑگیری کے اضافے کی بھی انگریز منظوری دیں۔ ہندوستان کی ڈاک اسی ریل سے آئے جائے اور برطانیہ اپنی دوستانہ کوشش سے ریل کو کویت یا اس کے قریب تک لے آنے کی صورت نکالے۔ وزیر اعظم نے حجت کی کہ ہم مدد دیں یا نہ دیں ریل تو بہرحال بنے گی۔ جرمن اور فرانسیسی سرمایہ دار ہمنوا ہو گئے ہیں اور ہمیں غور کرنا ہے کہ آیا یہ مناسب ہوگا کہ ہندوستان کا قریب ترین راستہ کلیتہً غیر سلطنتوں کے ہاتھ میں ہو۔ دوسرے یہ کہ آیا ریل کا آخری اسٹیشن ہمارے دائرۂ نفوذ کے اندر یعنی کویت میں بنایا جائے اور آخری بات یہ ہے کہ اگر برطانی سرمایہ لگایا گیا تو برطانی تجارت کو کیا فائدہ ہوگا؟ وزیر اعظم نے اپنی تقریر کو اس فقرے پر ختم کیا کہ "میری دانست میں یہ بین الممالک شریان بزرگ، ایک یا دو کی بجائے تین طاقتوں کے ہاتھ میں ہو تو بہتر ہے۔ یہ ہمارے فائدہ کی بات ہے کہ جن ملکوں کو ہم خود جذب نہیں کر سکتے دوسرے بھی انھیں جذب کرنے نہ پائیں"۔ اس بیان سے وزیر اعظم کا رجحان صاف ظاہر تھا لہٰذا جرمانیہ سے اشتراک کی مخالفت کرنے والوں نے اور بھی شدت سے کام لیا۔ اور ۲۳ اپریل کے روز وزیر اعظم نے دارالعوام کو اطلاع دی کہ جرمن استدعا مسترد کر دی گئی۔ برطانی حکومت کی خواہش تھی کہ پوری لین، جس میں پہلے کا بنا ہوا ٹکڑا بھی شامل ہو، بین الاقوامی بنا دی جائے اور انگلستان،

فرانس و جرمانیہ کو منافع، اقتدار تعمیر و تنظیم سب میں مساوی حصّہ ملے جرمن تجاویز میں ان شرطوں کو پوری طرح بجا لانے کی ذمہ داری نہ تھی۔ لہٰذا انگریز ان کی استدعا پوری نہ کر سکے۔ اس فیصلے سے وحدت پسند فرقے کو بڑا اطمینان ہو گیا کہ گویا ملک ایک ایسی سلطنت سے ہم آغوش ہونے سے بچ گیا جس کی حرص و ہوس شبہات و خوف پیدا کرنے لگی تھی۔ اس فرقے نے مذکورۂ بالا فیصلے کی بہت داد دی! البتہ جو لوگ انگلستان و جرمانیہ کی مفاہمت کے حامی تھے وہ متاسف ہوئے کہ اس جواب سے مفت میں وہ اختلافات بڑھ جائیں گے جو دونوں قوموں کو ایک دوسرے سے دور کر رہے تھے؛

بغداد ریلوے کے رسل و رسائل کے عقب ہی میں ایک مناقشہ جس کا پہلے فیصلہ نہ ہوا تھا، پھر چھڑ گیا۔ ۱۸۹۷ء میں کینیڈا کی حکومت نے وطن مادری

کینیڈا کی ترجیح۔

کے سامان در آمد پر ۳۳ ½ فیصدی محصول کی کمی منظور کی اور اس پر جرمانیہ و بلجیم سے صدائے اعتراض بلند ہوئی کہ ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۵ء میں جو عہدنامے ان سے "عزیز ترین ملک" کا برتاؤ کئے جانے کے متعلق کئے گئے تھے، یہ ترجیح اس کی خلاف ورزی ہے۔ سالسبری نے جواب میں، حسب شرائط ایک سال کے عہدنامہ ختم کرنے کی اطلاع بھیجدی۔ اور ایک نئے عہدنامے کی صورت پیش کی جس میں خود اختیار نو آبادیوں کو اندرون سلطنت اپنا معاملہ خود طے کرنے کی اجازت دی جائے۔ جرمن قانون کی رو سے تجارتی معاہدہ ختم ہوتے ہی محاصل عامہ یا گراں تر محاصل از خود برطانیہ کے مال پر عائد ہو گئے۔ لیکن ۱۸۹۸ء میں جرمن حکومت نے رسل و رسائل کی مہلت کی غرض سے ایک سال اور سلطنت برطانیہ کے تمام حصوں کے ساتھ، بہ استثنائے کینیڈا[1]، عزیز ترین قوم ہی کا سلوک مرعی رکھا؛ اور آئندہ تین سال تک اسکی تجدید ہوتی رہی بلکہ ۱۹۰۱ء میں ۱۹۰۳ء آخر تک کے لیے اسی ہنگامی حکمت عملی کی تجدید کر دی گئی۔ ۱۸ مارچ ۱۹۰۳ء کے مراسلے میں لارڈ لینس ڈون

[1] ملاحظہ ہو خط و کتابت حکومت ہائے بلجیم و جرمانیہ سے" ۱۹۰۳ء ۱۶۳۰۔

نے دریافت کیا کہ ۳۱ دسمبر کے بعد جرمانیہ کیا کارروائی کرنے کا قصد کرتی ہے اور وزیر خارجہ رختوفن نے جواب دیا کہ ہمیں امید ہے کہ برطانیہ کے ساتھ یہ سلوک آئندہ بھی جاری رکھا جا سکے گا لیکن اگر سلطنت برطانیہ کے مختلف حصوں میں ایسی تفریق ملحوظ رکھی گئی جس سے ہمیں نقصان ہو اور علی الخصوص اگر جنوبی افریقہ نے بھی کینیڈا کی تقلید کی تو پھر

جرمانیہ بدلا لینے کی دھمکی دیتی ہے

مجھے شبہ ہے کہ رائے عامہ اس تجدید و تطویل کو منظور نہ کرے گی۔ مسٹر فرینک لیسیلز نے پھر جواب لکھا کہ محاصل کی جنگ چھڑی تو دونوں ملکوں کو بے حساب نقصان پہنچے گا اور آخر میں دوستانہ طور پر جتا دیا کہ اگر عزیز ترین قوم کا سلوک منسوخ کرنے سے برطانی تجارت میں کوئی بڑی کمی آئی تو برطانی حکومت کو بھی بدلا لینا پڑے گا۔ اس موقع پر ایک نیا عنصر مناقشے میں یہ بڑھ گیا کہ کینیڈا کے قانون محاصل میں یہ دفعہ اضافہ کر دی گئی کہ جو ملک کینیڈا اور دوسرے ملکوں میں تفریق کرے گا، اس کے مال پر دس فیصدی اور بھی زیادہ محصول لیا جائے گا۔ اس فیصلہ کی جرمن حکومت سے تشریح کرتے وقت لارڈ لینس ڈون نے بتایا کہ کینیڈا کی اجناس کے ساتھ مناسب برتاؤ کرانے کی سب کوششیں ناکام ہوئیں تو مجبوراً یہ طرز عمل اختیار کیا گیا اور اگر اب بھی جرمانیہ عزیز ترین ملک کی شرائط پر عمل کرے تو یہ قاعدہ منسوخ کر دیا جائے گا۔ چونکہ برطانی منڈی اتنی بیش بہا تھی کہ منطق اور قومی غرور کی خاطر اسے ہاتھ سے کھونا جرمنوں کو منظور نہ تھا، اور چونکہ انگلستان کو حقوق ترجیح ملنے کے باوجود کینیڈا سے جرمنوں کی تجارت برابر بڑھ رہی تھی، لہٰذا پھر کسی جوابی یا بدلے کی کارروائی کا ذکر سننے میں نہ آیا۔ البتہ اس قضیے کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ دونوں ملکوں میں ناخوشی اور سوء ظن کا جو ذخیرہ فراہم ہوتا جاتا تھا، اور جو برطانیہ کے ارباب حل و عقد کو فرانس کی سمت دھکیل رہا تھا، اس میں اضافہ ہو گیا۔

باب دہم

انگلستان و فرانس کا اتحاد

(۱)

جس وقت برطانیہ اور جرمانیہ کے تعلقات بد سے بدتر ہو رہے تھے، دوستی کی جانفزا ہوا کے جھونکے برطانیہ اور فرانس کے درمیان چلنے لگے[۱]۔ جون ۱۸۹۸ء میں دلکاسے کے وزارت خارجہ پر آتے ہی ارتباط کا خیال وجود میں آ گیا تھا کیونکہ ابتدا میں "انگریز ترس" ہونے کے باوجود فرانس کے تمام مشہور رجال سیاسی کی طرح جس سے صرف کلیمانسو مستثنیٰ تھا، اس نے وزارت خارجہ کے سب سے پہلے ملاقاتی سے اپنا ارادہ کہ انگلستان سے دوستانہ روابط بحال کئے جائیں گے، ظاہر کر دیا تھا۔ فشودہ کو خالی کر دینے کے فیصلے سے حکمت عملی کی ایسی تغیر کا راستہ بھی صاف ہو گیا تھا جس سے بیرونی مقبوضات کے حصول میں سہولت پیدا ہوا اور اسی کے ساتھ عہدنامۂ فرینک فرٹ پر نظر ثانی کرنے کی امید بھی باطل نہ ہو۔ لیکن فشودہ اور ذرے فوس کی خراش پر بوائروں کی جنگ نے نمک مرچ کا کام دیا۔ پھر بھی مصالحت کے علمبرداروں نے امید اور

جنگ بوئرون

[۱] ملاحظہ ہو: جی۔ ایچ۔ اسٹوئرٹ "فرینچ فورین پالیسی ۱۸۹۸ء تا ۱۹۱۴ء" رینالڈ، ملتے وغیرہ وغیرہ۔

کوشش سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ سر ٹامس بارکلے نے وہ کام انجام دیا جس کی اہمیت مدتوں تک رہنے والی تھی کہ ۱۹۰۰ء میں جس سال وہ پیرس کی مجلس تجارکا صدر نشین منتخب ہوا تو اسی کو یہ خیال آیا کہ برطانی مجالس تجار کا جلسہ پایۂ تخت میں منعقد کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ اس تجویز میں سالسبری کو کوئی اعتراض نہ ہوا اور داکاسے نے اسے منظور کر لیا۔ یہ جلسہ نہایت کامیاب رہا اور انگریز سیاح جوق جوق نمائش دیکھنے آئے۔ اور نوابن کے چند روز بعد ہی کروگر یہاں آیا لیکن یہ تحریزی بیکار نہ گئی اور ملکہ وکٹوریہ کے جو شرمناک خاکے اڑائے جا رہے تھے وہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔ پھر بوئروں کی جنگ کے زمانے میں تو کوئی ترقی ممکن نہ تھی مگر شاہ ایڈورڈ کی تخت نشینی اور سالسبری کے استعفے سے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔[1]

۱۹۰۳ء کی فصل بہار میں شاہ ایڈورڈ پیرس آیا اور یہ تین سال سے شاہ ایڈورڈ کا وہ زیادہ کی مدت میں پہلی دفعہ کا آنا تھا۔ پال کامبون کو اہی ہتا ہے کہ "پیرس کی سیاحت کا خود بادشاہ کو خیال آیا اور وزارت خارجہ دا سی کی طرف سے جب یہ استفسار کیا گیا کہ بادشاہ کس قسم کا استقبال پسند کرے گا تو لارڈ موٹس کچھ کم متحیر نہ ہوا۔ اس نے فوراً بادشاہ کو تار دیا اور وہاں سے جواب ملا کہ استقبال جہاں تک ممکن ہو سرکاری طور پر کیا جائے اور جس قدر بھی زیادہ اعزاز و اہتمام ہو اسی قدر اچھا ہے" تار دو جو استقبال کے وقت موجود تھا لکھتا ہے کہ جس وقت گاڑی سالا شانزلیزے میں بڑھتا آیا تو تماشائی پریشان اور چپ تھے بلکہ بعض نوں نے پہلے سے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا تھا کہ مخالفت کے آوازے بھی کسیں گے پاامیں ہمہ بادشاہ جس نے مخالفانہ مظاہرے کا کوئی خیال نہیں کیا تھا بازی جیت گیا۔ لوگوں کی طرف سے اس کے دل استقبال بے جوش و خروش تھا

---

[1] دیکھو ٹائمز ۲۲ دسمبر ۱۹۲۰ء میں اس کی گفتگو نامہ نگار اخبار سے۔ بادشاہ کی سیاحتوں کی کیفیت جے اے فرے زر نے "انگلینڈ انڈر ایڈورڈ ہفتم" میں قلمبند کی ہے۔

بے شک نہ تھا، لیکن اول اول ادب و لحاظ اور پھر ایک ادائے موانست آگئی۔ گویا راستہ کھل گیا۔"

اس تقریر میں، جس نے فرانس کا دل موہ لیا کچھ ایسے ذاتی جذبات کا اظہار تھا جو شاہی تقریروں میں شاذونادر ہی سننے میں آتے ہیں۔ اس نے کہا "یہ بیان کرنا چنداں ضروری نہیں ہے کہ مجھے پھر ایک مرتبہ پیرس آنے کی کتنی بھی مسرت حاصل ہوئی کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اس شہر میں میں کس قدر روز افزوں شوق کے ساتھ بار بار آتا رہا ہوں اور اس شہر سے کتنا انس رکھتا ہوں جسے بے شمار مسرت بخش اور نہ بھولنے والے واقعات گزشتہ کی یاد نے مستحکم کر دیا ہے۔ دونوں ملکوں میں، باہمی خصومت کا زمانہ مجھے یقین ہے کہ ختم ہو چکا۔ میرے نزدیک انگلستان و فرانس ایسے دو ملک ہیں جن کی خوش حالی اس قدر ایک دوسرے پر منحصر ہے کہ دنیا کے اور کسی دو ملکوں کی اتنی نہ ہوگی۔ عہد ماضی میں غلط فہمی اور مناقشے کے جو اسباب بھی رہے ہوں، خوش نصیبی سے اب وہ سب ختم اور نسیاً منسیا ہو گئے۔ میری ساری توجہ دونوں ملکوں میں وداد و دوستی پر مسلسل مصروف ہے اور میں آپ سب صاحبوں سے جو فرانس کی میزبانی سے اس کے پرشکوہ شہر میں بہرہ مند ہو رہے ہیں، توقع رکھتا ہوں کہ مجھے اس مقصد کے حصول میں مدد دینگے" شاہی مہمان کی قصر الیسیہ میں سرکاری ضیافت کی گئی اور فوج کے معائنے کے لئے وہ صدر جمہوریہ کے ہمراہ ون سینس اور پھر وہاں سے گھوڑدوڑوں میں لانگ شان گیا غرض اس سیاحت نے ان ملکوں کی وہ کدورت جو فشودہ کے وقت سے شروع ہوئی تھی دُور کر دی۔

تین مہینے بعد صدر جمہوریہ لوبے ملاقات بازدید کے لئے انگلستان آیا اور قصر سینٹ جیمس میں ٹھیرایا گیا۔ میزبان بادشاہ نے جو تقریر کی اس میں وہ گرم جوشی تھی جو ایسے موقع پر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اس نے کہا مجھے امید ہے آپ کی جس طرح آج پیشوائی کی گئی ہے اس نے آپ کے ذہن نشین کر دیا ہوگا کہ میرا ملک فرانس کے ساتھ کیسی دوستی رکھتا ہے۔ میں کیوں گا کہ کیسی عزیزانہ محبت رکھتا ہے گلڈ ہال میں

لوبے کی آمد لندن میں

میر بلد کی جام صحت کی تجویز میں بھی کچھ کم تپاک نہ تھا مختصر یہ کہ اس ورود کو بڑی

دھوم دھام کی کامیابی حاصل ہوئی اور صدر کے وداعی پیام کے جواب میں بادشاہ نے تار دیا کہ "میری دلی تمنا ہے کہ دونوں ملکوں میں یہ ارتباط مدت دراز تک قایم رہے۔"

اتحاد کی منزل میں دوسرا قدم یہ معاہدہ تھا کہ "قانونی نوعیت کے اختلاف علی الخصوص نافذہ معاہدوں کی تعبیر کے سلسلے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں، وہ حسب دفعہ ۱۶ مفاہمت نامۂ ہیگ، عدالت مستقلۂ ثالثی میں لائی جائیں گی، بشرطیکہ متعاہدین کے اہم حقوق اور عزت و وقار پر کوئی حرف نہ آئے اور وہ پیچیدگیاں سفارتی وسائل سے حل نہ ہوسکیں" یہ "معاہدہ" زیادہ تر سرٹامس بارکلے کی سعی و تردد کا ثمرہ تھا۔ اسے پال کامبوں ایک خط میں لکھتا ہے کہ "اس معاہدے سے بیسیوں روزمرہ کی مشکلات اور اس قسم کے قضیوں کا فیصلہ ہو جائے گا جن کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا رنگ لے آئیں"[1]

لوبے کے ہمراہ دلکاسے بھی لندن آیا تھا جہاں اس نے لارڈ لینس ڈون سے نئے حالات پر بحث کی۔ پھر اس موقع پر جو مباحث چھڑے تھے، ان پر آٹھ مہینے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا اور کامیابی کا امکان ہی اس لئے پیدا ہوا کہ مناقشے کا میدان بیحد وسیع تھا۔ سال کے آخر میں لیمنس ڈورف زار کا قلمی خط لے کر پیرس آیا جس میں اس ارتباط پر جو زار کے حلیف اور برطانیہ میں ہوا، اطمینان ظاہر کیا تھا۔ لارڈ کرومر نے اس بارے میں لکھا ہے کہ "اتحاد کی ابتدا کا پتہ زیادہ تر مصر کی مقامی حالت میں ملے گا۔ مصر کی مالی حالت ہر طرح بہتر و امید افزا تھی مگر بین الاقوامی قیود کے باعث ملک پس انداز اقوام سے کوئی حقیقی نفع نہیں اٹھا سکتا تھا حالانکہ یہ قیود ایسی صورتوں میں عائد کی گئی تھیں، جن کا اب وجود نہ تھا۔

[1] بارکلے کی کتاب "اینگلو فرنچ ریمی نی سینسز" میں مخاصمت کے رفتہ رفتہ مودت بننے کے حالات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

مصر و مراکش

پس واقعہ یہ ہے کہ یہ حالت ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔"
ادھر فرانس کو مراکش میں اپنا راستہ صاف کرنے کی کچھ کم فکر نہ تھی۔ مولائے اسماعیل کی رحلت کے بعد سے، جو مراکش کا لوئی چہاردہم تھا، ملک میں امن و اطمینان گویا مفقود تھے۔ اور الجزائر پر قبضہ ہونے سے فرانس کو ہمسایگی کی حیثیت سے مراکش کے امن و آسودگی کا خواہ مخواہ خیال پیدا ہو گیا تھا۔ سرحد کا بھی سرسری طور پر ۱۸۴۵ء کے عہد نامے سے تعین کیا گیا تھا اور ۱۸۷۷ء میں خود مولائے حسین نے ایک مستقل جنگی جماعت ماہرین کی استدعا کی جو مراکش کی از سر نو تنظیم میں مدد دے۔
۱۸۸۰ء میں دول کی مجلس مشاورت میڈرڈ میں منعقد ہوئی جس میں بسمارک نے حکومت فرانس کو اطلاع دی کہ جرمانیہ کو مراکش سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، اور جرمن وکیل، فرانس کے وکیل کی روش کے مطابق طرز عمل اختیار کرے گا۔ جلسے میں اس رسم کی کہ دول غیر کے قنصل اہل مراکش کی حفاظت اپنے ذمے لیتے تھے، حد بندی کر دی گئی کیونکہ وہ مداخلت کا ایک حیلہ بن گئی تھی اور سب دستخط کرنے والی طاقتوں کے لئے اقوام کے تجارتی حقوق منظور ہوئے۔
مشرق میں تیونس اور جنوب میں گیمبیا پر قبضہ ہوا تو بہت سے فرانسیسی چاہنے لگے کہ کسی طرح مراکش کے پورے ایک حصے کے الحاق سے ان کی مغربی افریقہ کا علاقہ مسلسل ہو جائے اور فرسودہ کی حوالگی پر اس کے عوض کا مطالبہ بھی پیدا ہوا۔ ۱۸۹۴ء میں مولائے حسین کی جگہ شانزدہ سالہ مولائے عبدالعزیز وارث تخت ہوا مگر عملی اختیارات ۱۹۰۰ء میں اس کے ہاتھ آئے۔ یہ نوجوان بادشاہ ہوشیاری اور ادائے دلکشی سے خالی نہ تھا لیکن سکل و موٹر، تصویر کشی و آتشبازی وغیرہ مغربی تمدن کی صدہا ترغیبات کی شیفتگی نے خزانہ خالی اور قدامت پسند رعایا کو اس سے بیزار کر دیا۔ الجزائر کی سرحد کا عدم تعین اور قبائل کی سفاکی سے آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے تھے اور فرانسیسی حکام کیا عسکری اور

عمال ملکی، چیختے چلاتے رہتے تھے[1]۔ شاہ ایڈورڈ کی تخت نشینی پر مراکشی وفد لندن آیا تو لارڈ لینس ڈون نے اسے خبردار کر دیا کہ اگر سلطان امن قائم نہ رکھ سکا تو فرانس کو اپنے فوائد کی حفاظت کرنی پڑے گی۔ برلن میں بھی وفد کی کچھ بہت ہمت افزائی نہیں ہوئی اور بتاریخ ۲۰ر جولائی ۱۹۰۱ء حکومت فرانس اور مراکش کا ایک مفاہمت نامہ مرتب ہوا جس میں ۱۸۴۵ء کے معاہدے کی ترمیم اور سرحد پر کوتوالی انتظام رکھنے میں دونوں حکومتوں نے مل کر کام کرنا طے کیا۔ اس قرارداد کی شرطوں پر عمل کرنے کی غرض سے فرانس و مراکش کے ماہرین کی ایک جماعت مقرر ہوئی اور دلکاسے نے سلطان کو اطلاع دی کہ فرانس کو اس امر سے باخبر رکھنا کہ ملک میں سلطان کی حکمرانی ہے، خود سلطان پر منحصر ہے۔ ایک دوسرے عہد نامے پر شہر الجزائر میں دستخط ہوئے جس کے تحت فرانس نے چند فوجی معلمین کو مہیا کیا کہ سرحد پر امن قائم رکھنے کی غرض سے مراکشی افواج کو جنگی تعلیم دیں۔ نیز فرانس کے ایک بینک نے کچھ روپیہ بھی قرض دیا۔ اس مدد کے باوجود ۱۹۰۳ء میں سلطان کے خلاف بغاوت برپا ہوئی اور سال بھر اس کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن فرانس کا امن امان کے ساتھ ملک میں نفوذ اسی صورت میں ممکن تھا کہ جس سے رقابت کا احتمال تھا، انھیں رضامند رکھا جائے۔ ۱۹۰۰ء میں دلکاسے نے اطالیہ کے طرابلس میں دعاوی مان کر اس کی دوستانہ غیر جانب داری کا اطمینان کر لیا۔ پھر وہ ہسپانیہ کی طرف رجوع ہوا اور اگر صورت حاضرہ کو قائم رکھنا محال ہو جائے تو ملک کو آپس میں تقسیم کر لینے کی تجویز کی۔ چنانچہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء کو یہ طے ہو گیا کہ اسپین شمالی کھانچہ، جس میں طنجہ اور فاز (= فیض) داخل تھے، لے لیگا اور جنوب میں اس کا حلقۂ نفوذ بڑھا دیا جائے گا۔ یہ معاہدہ تیار ہو چکا تھا کہ وزارت سگاستا

فرانس اور مراکش ۱۹۰۱ء

[1] دیکھو لیورسے شردان: "افیرے دومیروک ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۵ء"

معزول ہوئی اور رسلولا نے انگریزوں کی چین جبیں کے خوف سے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ولکا سے نے یہ راستہ چھوڑ کر برطانیہ کا رخ کیا۔[1]

اب اگر مصر و مراکش میں عوض معوض کے اسباب موجود تھے، تو داد وستد کا یہ اصول دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی بخوبی کام دے سکتا تھا۔ برطانیہ کو فکر تھی کہ جس طرح ہو سکے نیوفونڈ لینڈ کے متعلق جو "فرانسیسی ساحل" کا قضیہ چلا آتا ہے، اس کا قصہ پاک ہو اور ادھر فرانس کی مغربی افریقہ میں بعض چھوٹی موٹی چیزوں پر نظر لگی ہوئی تھی اور اس کی آرزو کو پورا کرنا ہماری قدرت میں تھا، دوسرے اختلاف کے سلجھنے میں زیادہ دشواری نہ تھی اور جاپان و روس کی جنگ چھڑ جانے سے یہ ضرورت اور بھی نمایاں ہو گئی کہ فرانس و انگلستان میں کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ چنانچہ ۸ اپریل کو متعدد

مصر و مراکش قرار دادوں پر دستخط ہوئے جو مجموعی طور پر عہد نامہ ۱۹۰۴ء کہلاتے ہیں اور ان میں سب سے اہم اعلان متعلقۂ مصر و مراکش تھا۔ اس میں برطانیہ نے اقرار کیا کہ وہ مصر کی سیاسی حیثیت میں کوئی تغیر نہ کرے گی اور فرانس نے ذمہ لیا کہ وہ برطانی قبضے کی مدت معین کرنے پر زور نہ دے گا اور کسی طرح برطانی کاموں میں روڑے اٹکائے گا۔ طے پایا کہ کم سے کم تیس برس تک دونوں ملکوں میں تجارت کی آزادی رہے گی۔ جبل الطارق کے مقابل، ساحل مراکش پر کوئی قلعہ بندی جائز نہ ہوگی اور مراکش کے متعلق فرانس، اسپین سے مفاہمت کرلے گا متعاہدین ایک دوسرے کی اس اعلان پر عمل کرنے میں سفارتی تائید و امداد کریں گے۔ اعلان کے ساتھ خدیوی فیصلہ بھی چھپاں تھا جس میں

[1] سلولا کہنے لگا "یہ معاہدہ بہت اچھا، بہت ہی اچھا ہے۔ کیا ہم اسے انگلستان کی اجازت بغیر قبول کر سکتے ہیں؟" (آر۔ میلٹ) بنیون نے "فرانسیسی اے آلمان" میں فرانس و ہسپانیہ کے اس معاہدے کی نقل دی ہے (صفحات ۲۸۶ تا ۲۹۱) نیز دیکھو مورا وغیرہ۔

قرضۂ مصر کے متعلق ضوابط لکھے تھے اور حکومت مصر کو اجازت تھی کہ جب تک قرض کا سود بروقت ادا ہوتا رہے وہ اپنے مداخل کو جس طرح چاہے کام میں لاسکتی ہے۔ مجلس قرض اس کے بعد بھی موجود رہی لیکن ۵۵ لاکھ پونڈ کی پس انداز جو اس کی تحویل میں تھی، قرار پایا کہ وہ حکومت مصر کے حوالے کر دی جائے گی۔ اس مالی آزادی کے عوض میں، نہر سویز کی قانونی نوعیت بزمانۂ جنگ، کو فرانس کے حسب نشا مان کر معاملہ طے کر لیا گیا۔

۱۹۰۴ء کی ایک اور دیرپا کامیابی نیوفئونڈلینڈ کی ماہی گیری نزاع کے فیصلے کو سمجھنا چاہیئے۔ یہ پرانا مناقشہ عہدنامۂ یوٹریکٹ کے وقت سے چلا آتا تھا جس میں جزیرے کی ملکیت تو انگریزوں کو دی گئی تھی مگر "مچھلیاں پکڑنے اور سکھانے کا حق" ساحل کے ایک حصے پر فرانسیسیوں کو دے دیا تھا اور یہی آئندہ "فرانسیسی ساحل" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس معاہدے اور اس کے سلسلے میں جو دوسرے معاہدے کیئے گئے، ان کی تعبیر میں صدہا جھگڑے اور خطرناک بگاڑ کی نوبت آ آ گئی۔ اب فرانس نے یوٹریکٹ اور اس کے متاخر معاہدوں میں جو امتیازات ملے تھے ان سے ہاتھ اٹھا لیا اور ماہی گیری کے موسم میں فرانسیسی ساحل کی قانونی حدود کے اندر ہر قسم کی مچھلیاں پکڑنے کا حق حاصل کر لیا

نیوفئونڈلینڈ کی ماہی گیری

اس ساحل کی کسی بندرگاہ میں فرانسیسی مچھیرے داخل ہو سکتے تھے، اور انھی شرطوں پر جو خود وہاں کے باشندوں سے مرعی رکھی جاتی تھیں وہ طعمے کا سامان اور اپنے لیئے پناہ طلب کر سکتے تھے، اگرچہ ماہی گیری مقامات کو ترقی دینے کے بعض ضوابط کی پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ ان ماہی گیروں کو اگر اپنے کارخانے کے چھوڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس صورت میں قرار پایا کہ انھیں معاوضہ دیا جائے گا۔ غرض، اس طرح جھگڑے کی سب سے بڑی بنیاد یعنی فرانسیسی ساحل پر لنگراندازی کا

حق، باقی نہ رہے۔ اس امتیاز سے دست برداری کے بدل میں فرانس کو مغربی افریقہ میں تین رعایتیں دی گئیں۔ ۱۸۸۹ء میں برطانی گیمبیا کی نوآبادی اور سینی گیمبیا کی جو سرحد قائم کی گئی تھی، اس میں تھوڑی سی ترمیم کر دی گئی کہ فرانس کو دریا کے قابل جہازرانی حصے تک پہنچنے کا راستہ مل جائے۔ دوسرے جزائر لوس کو جہاں سے فرانسیسی گی آنا کا صدر مقام زد میں تھا، حوالے کر دیئے گئے۔ تیسرے اس سرحد میں بھی تبدیلی کر دی گئی تھی اور جس کی وجہ سے فرانس کے قاصد جو نائجر سے جھیل شاہ کو جاتے، انھیں بہت چکّر کے بے آب راستے سے جانا پڑتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس ردّو بدل سے فرانس کو چودہ ہزار مربع میل کا رقبہ اور نائجر سے شاہ تک مسلسل اپنے علاقے میں راستہ مل گیا۔

معاہدے کی تیسری دستاویز میں سیام، مدغاسکر اور نیوہبریڈیز کے متعلق اعلان تھا۔ سیام میں دونوں حکومتوں نے ۱۸۹۶ء کی قرارداد کی تصدیق کی اور مینام کے طاس میں فوجی مداخلت یا خاص حقوق حاصل کرنے سے باز رہنے کا اقرار کیا۔ اس موقوفہ خطّے اور خلیج سیام کے مغرب کے سیامی علاقہ کو جس کے اندر جزیرہ نمائے ملایا اور نواح کے جزیرے بھی شامل تھے، فرانس نے تسلیم کیا کہ وہ برطانیہ کے دائرۂ اثر میں رہے گا اور اس خطّے کے مشرق اور جنوب مشرق کے سارے سیامی مقبوضات کو برطانیہ نے آئندہ سے فرانس کے زیر اثر مان لیا۔ رہا مدغاسکر تو برطانیہ نے ۱۸۹۶ء میں اس بنا پر معارضہ کیا تھا کہ قبضہ کر لینے کے بعد فرانس نے محاصل درآمد کو بڑھا دیا اور اس اعتراض پر برابر قایم تھی، سو اب اس سے رجوع کر لیا۔ اور نیوہبریڈیز میں جو تملیک اراضی اور دیسیوں پر عدالتی اختیارات کے جھگڑے ہوا کرتے تھے، ان کی نسبت طے پایا کہ ایک نظارت کے سپرد کر دیئے جایا کریں گے جس کے اختیارات اور طریق کار کا تصفیہ ایک جداگانہ اور خاص قرارداد کے ذریعے کر لیا جائے گا۔[1]

[1] "مفاہمت نامۂ نیوہبریڈیز" پر جس کے ذریعے وہاں فرانس و انگلستان کا مشترکہ اقتدار قائم ہوا، ۱۹۰۶ء میں دستخط ہوئے۔

ہر شتہ مراسلے کے اخیر میں لارڈ لینس ڈون نے استدلال کیا تھا کہ یہ مواثیق نہ صرف خود اپنی خوبیوں کی بنا پر مفید اور حسب دلخواہ ہیں، بلکہ انھیں جدا گانہ

لارڈ لینس ڈون کا اطمینان خاطر

قراردادوں کا سلسلہ سمجھنے کی بجائے درحقیقت ایک وسیع منصوبے کے اجزا سمجھنا چاہیئے جو دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر بنانے کی غرض سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے عہد ماضی کا غبار و سوئے ظن دور ہو کر دوستی کی بنیاد پڑتی ہے اور شاید حکومت کا یہ امید کرنا جائز رکھا جائے گا کہ اتنی مدت کے اختلافات کو باہمی مراعات کے اصول پر سلجھا کر اور ایک دوسرے کی جائز ضروریات اور خواہشوں کو صاف دلی سے تسلیم کر کے، حکومت نے ایک نظیر مہیا کر دی ہے جو بین الاقوامی مواخات اور امنِ عامہ کے تحفظ و بقا میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے گی"۔

دوسری سلطنتوں نے بھی کچھ عرصے بعد خدیوی فیصلے کی تائید کی اور "مسئلۂ مصر" آئندہ سے بین الاقوامی قضیہ نہیں رہا۔ ان مواثیق وعہود کا انگلستان میں شور احسنت سے استقبال ہوا جس میں مخالفت کی کوئی آواز اٹھی تو وہ صرف لارڈ روزبری کی گرجتی آواز تھی۔

فرانسیسی کتاب اصفر ۲۶ مئی کو شایع ہوئی، جو اس داد و ستد کی نسبت ہمارے شریک کی رائے ظاہر کرتی تھی۔ دلکاسے نے جتایا تھا کہ دونوں حکومتوں نے سمجھ لیا کہ بہت وزنی اخلاقی اور مادی اغراض دوستانہ تصفیے کی متقاضی ہیں۔ نیو فونڈ لینڈ میں فرانس نے صرف اُن امتیازات سے ہاتھ اٹھایا ہے، جن کا قائم رکھنا دشوار تھا اور جن کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی بحالیکہ ملکی حدود کے اندر سمندر میں ماہی گیری کا حق، جو حقیقت میں کار آمد چیز ہے، محفوظ رہا اور تمام فرانسیسی ساحل پر شکار کھیلنے اور طعمہ خریدنے کا حق صراحۃً تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے عوض میں انگریزوں نے مغربی افریقہ میں جو مراعات دی ہیں وہ بہت معقول و اہم ہیں۔ نائجر و شیڈ کی سرحد پہلے سے بہتر بنادی گئی ہے اور کونا کری کی کنجی اب فرانس کے ہاتھ میں ہے۔

"ہمارے اقتدار میں رہ کے مراکش، ہماری شمالی افریقہ کے مقبوضات کے لئے موجب تقویت ہوگا۔ اگر کسی دوسری سلطنت کے ہاتھ پڑا تو ہمارے شمالی افریقہ کے علاقے مستقل طور پر مخدوش اور خطرے کے رہ جائیں گے۔ غرض یہ فیصلہ کرنے کا وقت آگیا تھا کہ مراکش میں کس کا اثر غالب رہے۔ حالتِ حاضرہ کے مستقیم رہنے کی صورت ہی یہ ہے کہ اسے قوی اور بہتر بنایا جائے۔ انگلستان سے یہ وعدہ لے لینا کہ وہ ہمارے کام میں رخنہ نہ ڈالے گا، جو کچھ اہمیت رکھتا ہے اس پر زور دینا غیر ضروری ہے۔ ہمیں تمدّن کی خدمت تکمیل کو پہنچانی ہے اور ثابت کرنا ہے کہ ہم مراکش کے اس لئے بہترین دوست ہیں کہ اُس کی فلاح و خوشحالی سے ہماری سب سے زیادہ اغراض وابستہ ہیں۔ غرض اس (معاہدے) سے فرانس کی قوت کو بڑا استحکام پہنچے گا بغیر اس کے کہ کسی کے مسلّمہ حقوق پر کوئی برا اثر پڑے۔ نیز اس سے آگے چل کے بالیقین ہر شخص کو نفع ہوگا" اُس کے مقابلے میں مصر میں جو رعایت دی گئی وہ بہت کم ہے

دلکاسے کا اطمینان

اس لئے کہ اس کی سیاسی حیثیت میں کوئی تغیر ہونے نہ پائے گا اور فرانس کے مالی حقوق کے متعلق تمام ضروری ضمانتیں حاصل کر لی گئی ہیں آخر میں دلکاسے نے انگریزوں کے مفاہمۂ نہر سویز مرتبۂ ۱۸۸۸ء کے مطابق عمل درآمد کرنے کے اقرار پر خاص مسرت کا اظہار کیا۔

برطانیہ اور فرانس کی مصالحت سے قبل ہی فرانس و اطالیہ کی مصالحت عمل میں آچکی تھی۔ شمالی افریقہ کی حد بندی کے متعلق انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جو عہد نامہ ۱۸۹۹ء میں ہوا، اس کے بعد ہی حکومتِ اطالیہ نے پیرس سے حال دریافت کیا اور تصریحی جواب پایا۔ وزیر خارجہ ویس کونتی وِنوستا، کاوور کے گروہ کا آخری نمائندہ تھا۔ اس نے خیال ظاہر کیا کہ یہ اطمینان دہانی زیادہ واضح طور پر دُہرا دی جائے تو مناسب ہوگا[1] اس پر باریرے

---

[1] یہ مراسلات اور قرار دادیں جو سرکاری کتاب بابت ۱۹۱۹ء میں چھپی تھیں، پربب ریم نے

۱۴ دسمبر ۱۹۰۰ء کو اسے اطلاع دی کہ مارچ ۱۸۹۹ء کے عہد نامے کی تقسیم اقتدار کے حلقے سے ولایت طرابلس کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ان دوستانہ تعلقات کو جو فرانس و اطالیہ کے مابین قائم ہو گئے ہیں، ملحوظ رکھا ہے اور یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ اس تصریح سے تعلقات اور بہتر ہو جائیں گے نیز یہ کہ فرانس کاروانوں کے وسائل آمد و رفت میں خلل ڈالنے کا کوئی قصد نہیں رکھتا۔
وس کونتی ونوستا نے لکھا کہ مراکش میں فرانس کی کارروائی کا منشا یہ ہے کہ اس کے مقبوضات کے مراکش کے ہمسائے میں ہونے سے جو حقوق پیدا ہوئے ہیں، ان سے کام لے اور ان کی نگہبانی کرے۔ یہ کارروائی اطالیہ کے حق میں بہ حیثیت بحر متوسط کی سلطنت ہونے کے، موجب نقصان نہیں ہے۔ البتہ مراکش کے علاقہ یا سیاسی مرتبے میں رد و بدل کی نوبت آئی۔ تو اطالیہ یہ حق محفوظ رکھے گی کہ وہ طرابلس میں اپنے اثر کو ترقی دے۔

فرانس و اطالیہ کا ملاپ

غرض بیس برس کا جھگڑا حسب معمول اسی طرح طے ہوا کہ دوسروں کے مال میں حصے بٹ ٹھیرائے گئے معاہدہ کے متن کو خواہ مخواہ صیغۂ راز میں رکھا گیا کیوں کہ طرابلس ترکی ولایت (صوبہ) تھا۔ پھر بھی دنیا کو آپس کے تعلقات کی اطلاع دینے کی غرض سے ۱۹۰۱ء کے موسم بہار میں اطالیہ کا ایک بحری دستہ تولون بھیجا گیا۔ ادھر اتحاد ثلاثہ کی بنیاد بھی اگلے سال ختم ہوتی تھی۔ لہذا فرانس سے گفتگو کے ساتھ ساتھ برلن و وی آنا سے بھی اطالیہ کی خط و کتابت جاری تھی۔ مارچ ۱۹۰۲ء میں پرینیتی اطالیہ وزیر خارجہ نے باریر سے صراحت کی کہ اتحاد ثلاثہ کی عبارت میں توڑ دو بدل کرنا محال ہوگا البتہ فرانس کو اس قسم کا اطمینان دلایا جا سکتا ہے جس سے اس کے اندیشے زائل ہو جائیں۔ پھر بیولاؤ سے وینس میں ملاقات ہوئی تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دوبارہ چھاپ دی ہیں۔ (جلد دوم صفحات ۲۲۶ تا ۲۵۷)؛ نیز مقابلہ کرو: آر، ہنن کی کتاب "L'Empire de-la-medilerance" سے۔

پری نیتی، نے بہت چاہا کہ عبارت میں کچھ ترمیم کر دی جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ دوسرے، ترمیم ہو بھی جاتی تو اس کا اظہار فرانس پر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور خود فرانس اسی بدگمانی کی بنا پر چاہتا تھا کہ اطالیہ سے براہ راست معاملہ کیا جائے۔

چنانچہ اطالی وزیر خارجہ نے باریر کے ساتھ اپنی گفتگو کے مکمل ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا بلکہ ۴ جون ۱۹۰۲ء کو پیرس یہ تار بھیج دیا کہ "اتحاد ثلاثہ کی تجدید میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ فرانس کے معاملے میں دست اندازی کے مرادف ہو۔ نہ ہمیں پابند کیا گیا ہے کہ کسی حالت میں بھی ہم ایسی لڑائی میں شریک ہوں جو فرانس کے خلاف کی جائے اور نہ ایسی کوئی شرط کی گئی ہے جس سے فرانس کی حفاظت اور امن و فراغت میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو اتحاد ثلاثہ کے وہ ضمیمے یا ضمنی عہد و پیمان جن کی نسبت حال میں بہت کچھ چرچے سنے گئے تھے کہ وہ اصلی عہد نامے کی وفاعی نوعیت کو بدل دیں گے بلکہ فرانس کے خلاف اقدامی شرائط کے حامل ہوں گے، کوئی وجود نہیں رکھتے" اس مرکے کی اطلاع کا خلاصہ چند ہی روز مجلس مبعوثین اور سیاسی فریقوں کو سنا دیا گیا۔ جواب میں دلکاسے نے اطالی سفیر سے، فرانس کے دلی سپاس کا "اظہار کیا کہ اطالیہ نے امن کی حکمت عملی کا کمال وفاداری سے ساتھ دیا اور اس کا یہ ثبوت بہم پہنچایا۔ دلکاسے کے الفاظ سے وسطی سلطنتوں کو خیال ہوا کہ اطالیہ اندر ہی اندر سازش میں مصروف ہے۔ لیکن مذکورہ بالا تار سے درحقیقت اتحاد ثلاثہ کی شرطوں کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوتی تھی کہ ان میں اطالیہ کو کہیں بھی فرانس پر حملہ میں شرکت کا پابند نہیں بنایا گیا تھا جرمن صدر اعظم نے حسب عادت لیپ چوپ کر دی اور ہنسی سے کہنے لگا کہ خوش دلی کے شادی بیاہ میں شوہر اس بات میں کچھ مضایقہ نہیں سمجھتا کہ اس کی بیوی بے لوثی کا ایک آدھ ناچ زیادہ ناچ لے غرض ۲۰ جون کو اتحاد ثلاثہ کی تجدید ہو گئی۔ لیکن آئندہ سے اطالیہ کا

ایک پاؤں اس گروہ میں تھا اور دوسرا دوسرے گروہ میں۔ اور الجزائر کی مجلس مشاورۃ میں نیز اس سے بھی زیادہ اہم موقع پر اس نے جو طرزِ عمل اختیار کیا، وہ اسی تغیرِ حالات کا باعث تھا۔ چنانچہ رومہ کے جرمن سفیر کونٹ مونٹس نے تو کھلم کھلا انداز سے اپنی صدرِ حکومت کو لکھ بھیجا تھا کہ اطالیہ ناقابلِ اعتبار حلیف ہے اور فرانس و جرمانیہ کا تصادم ہوا تو وہ اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے گی۔

پری نتی کے اصولِ مصالحت بیان کر دینے کے بعد تفصیلی مفاہمت کی بحث شروع ہوئی اور اس کے نتائج وزیرِ خارجہ اور سفیر کے خطوط مورخہ یکم نومبر میں قلمبند کر لیے گئے دونوں طرف سے ذمہ لیا گیا کہ نہ صرف بالواسطہ یا بلاواسطہ حملہ ہونے کی صورت میں بلکہ ایسی حالت میں بھی جب کہ متعاہدین میں سے کسی کو "اشتعال انگیزی کی بنا پر اور اپنی عزت یا حفاظت کی خاطر خود اعلانِ جنگ کرنے پر مجبور ہونا پڑے" دوسرا فریق غیر جانبدار رہے گا۔ آخر الذکر صورت میں ہر فریق کو اپنے ارادوں سے دوسرے کو مطلع کرنا ہوگا تاکہ وہ اس بات کا فیصلہ کر سکے کہ آیا براہِ راست اشتعال کا سبب موجود ہے یا نہیں؟ متعاہدین نے ایک دوسرے کو اطمینان دلایا کہ اس اعلان کے خلاف کوئی جنگی عہد نامہ موجود نہیں اور نہ آئندہ کیا جائے گا۔ مگر خود یہ قول و قرار اخفا میں رہے

لوبے کا ورود رومہ میں

تاہم رئیس جمہوریہ فرانس لوبے ۱۹۰۳ء میں شاہ امانوئیل سے ملاقات کے لئے آیا اور پاپا کے دنیاوی اقتدار سلب ہونے کے بعد ایک کیتھولک سلطنت کے حاکم کی یہ پہلی مرتبہ کی آمد تھی، تو یہ گویا اعلانِ عام تھا کہ مدت کا جھگڑا مٹ گیا اور لاطینی بہنوں میں ملاپ ہو گیا۔

(۲)

مراکش میں فرانس کی کوششوں کے سرسبز و بار آور ہونے میں برطانیہ

کی دعائیں شامل حال تھیں لہذا اہل فرانس نے جوش و خروش سے اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔[1] دلکاسے نے فرانس کے وکیل کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ اہل فرانس دوست بن کر فاز (فیض) میں آئے ہیں۔ سلطان کی سطوت و اقتدار کم تو ایک طرف وہ اس میں اضافے کے متمنی ہیں۔ یہ پیام بھیجتے وقت وکیل نے آخر میں یہ بھی لکھا کہ "مجھے یقین ہے کہ آپ اصلاحات کی حتمی ضرورت کو خود بخوبی سمجھتے ہیں جن سے حکومت کا اقتدار افزوں ہو جائے گا اور جن میں فرانس آپ کی مدد کرے گا"۔ چنانچہ اصلاحات کا کام چلانے کی غرض سے محاصل تجارت کی کفالت لے کر فرانس نے دو کرور ۲۰ لاکھ فرانک مراکش کو قرض دے اور اس کی بذریعہ تار تمام دول کو اطلاع دے دی۔ انہی دنوں رسولی ایک امریکی شخص پردی کارس کو بھگا لے گیا تھا۔ اس واقعہ سے ایک طاقتور ہاتھ کی ضرورت ثابت ہو گئی اور "مصالحانہ نفوذ" کی راہ نکل آئی۔ سال کے ختم پر حکومت فرانس نے ارادہ کر لیا کہ اصلاحات کی مفصل تجویز سلطان کی خدمت میں پیش کی جائے اور ۱۵ دسمبر کو دلکاسے نے سین رینے تیلاندیے کے لئے

فاز کو وفد

ہدایات تحریر کر دیں جو فاز بھیجے جانے کے واسطے چنا گیا تھا۔ وزیر فرانس نے لکھا تھا کہ طاقتور مراکو کے وجود میں آنے کی صورت یہی ہے کہ ہر دو حکومتوں میں نہایت قوی اور باہمی اعتماد کے روابط قائم رہیں۔ فرانس قرض دے کر اور مقامی فوجوں کی از سر نو درستی کے لئے سردار مہیا کر کے اپنی اعانت کا ثبوت فراہم کر چکا ہے۔ مقدم ضرورت امن کو قائم کرنے کی ہے اور اسی غرض سے فرانس کے عمال پولیس کی ترتیب میں مدد کرینگے۔ سڑکیں اور تار بھی درکار ہیں اور سرکاری مصرف (بینک) قائم کیا جائے تو بہت مفید ہوگا۔ یہ سفیر فروری ۱۹۰۵ء میں فاز پہنچا اور کیفیت لکھی کہ سلطان کہتا ہے کہ گو اکثر

---

[1] ملاحظہ ہو لورے ثروان: "افریقہ دو مسروک سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۰۵ء جرمن ویس بخ مراکو کے متعلق، بابتہ سنہ ۱۹۰۶ء"؛ مورل "مراکو ان ڈپلومیسی" وغیرہ وغیرہ۔

مجوزہ اصلاحات قابل عمل ہیں لیکن بعض کو قبول کرنا بہت دشوار ہوگا اور ان کے بارے میں حکومت مراکش (مخزن) سے بحث و گفتگو کی جائے۔ بحث شروع ہوئی لیکن اس کے اتمام کو پہنچنے سے پہلے ہی ایک تیسرا فریق آکودا۔

انگلستان و فرانس کے عہدنامے کی جانب اوّل اوّل جرمانیہ کے سرکاری حلقے دوستانہ روش رکھتے تھے ۲۳ مارچ ۱۹۰۴ء کو دلکاسے کی پہلی ملاقات کے وقت شہزادہ راڈولن نے دریافت کیا کہ "کہیے تو ایک خلاف محل ساسوال بھی کردوں؟" پھر پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ انگلستان اور فرانس کے درمیان کوئی معاہدہ ہو گیا یا ہونے والا ہے؟ دلکاسے نے جواب دیا نہ یہ صحیح ہے نہ وہ۔ لیکن کچھ مدت سے ہم وزرائے لندن کے ساتھ اس غرض سے گفتگو ضرور کر رہے ہیں کہ ہم دونوں ملکوں کا جن مسائل سے تعلق ہے، انھیں دوستانہ طریق پر طے کرنے کی صورت نکل آئے۔ چنانچہ یہ معلوم ہو گیا ہے کہ باہمی مفاہمت ممکن ہے اور غالباً عنقریب ہو جائے گی" وہ کہتے ہیں نیوفونڈلینڈ کا مسئلہ زیر بحث ہے؟

"ہاں ہم نے اس کا تذکرہ بھی چھیڑا ہے؟"

"اور مراکش؟" "اس کا بھی مگر اس مسئلے میں تمھیں ہماری رائے معلوم ہے کہ ہم سیاسی اور ملکی تقسیم کو علیٰ حالہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر اسے پائدار بنانا ہے تو اس کو درست کرنا ضروری ہوگا۔ گزشتہ سال بار بار کی دست درازی نے ہمیں جائز طور پر موقع دیا تھا کہ مداخلت کریں میں پہلو تہی کرتا رہا مگر ہر دفعہ زیادہ دشواری پیش آئی۔ ہمیں بہت کافی خرچ اٹھا کے فوج بڑھانی اور کمک بھیجنی پڑی۔ ہماری اعانت کی سلطان کو بھی قدر ہو گئی ہے لیکن یہ اعانت اسی طریق پر دی جا سکتی ہے کہ ہر فریق کو فائدہ ہو کیونکہ تجارت کے واسطے حفاظت لازمی شرط ہے۔ یہ کہنا ضروری ہے کہ تجارتی آزادی کا ہر حال میں پورا لحاظ رکھا جائے گا۔"

"اور ہسپانیہ؟"

"ہم اس کے حقوق اور جائز خواہشوں کا پورا لحاظ رکھیں گے" وزیر خارجہ

نے اس گفتگو کی جو کیفیت لکھی اس میں یہ بھی بڑھا دیا کہ "شہزادہ راڈولن نے میرے بیانات کو بالکل واجبی اور معقول سمجھا" ۸ اپریل کو عہدنامے پر دستخط ہو گئے تو دلکاسے نے فرانسیسی سفیر کو ہدایات کی کہ وہلم اسٹرس کو مطلع کر دے کہ لارڈ لینس ڈاون اور میں نے صرف اپنے ملکوں کے حقوق سے سروکار رکھا ہے بغیر اس کے کہ کسی دوسرے ملک کو زیادہ پہنچے۔ اور عہدنامے کی نقل بھیجنا میں نے اس لئے ضروری نہیں سمجھا کہ وہ عام طور پر سب کو معلوم ہو چکا ہے ؛

اس پر سرکاری حلقوں کی رائے زنی بھی عہدنامے کی تائید میں تھی اخبار نورڈ ڈیوتش ایمان زیٹنگ نے لکھا کہ "جرمن فوائد کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور پائداری زیادہ ہونے سے ہم سب کو نفع ہوگا" فرانسیسی سفیر نے کیفیت لکھی کہ بڑے بڑے اخبارات معترف ہیں کہ جرمانیہ کی تجارتی اغراض کے لئے کوئی جوکھوں نہیں ہے ؛ پروفیسر شیمان نے تحریر کیا کہ ہمیں شکوے کا کوئی موقع نہیں بشرطیکہ فرانس کی حکمت عملی مصالحانہ نفوذ کے راستے سے منحرف نہ ہو اور آزاد تجارت کا دروازہ بند نہ کیا جائے۔ اسی کی صدائے بازگشت صدر اعظم کی تقریر میں سنائی دی کہ "یہ گمان کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ یہ معاہدہ کسی دوسری سلطنت کی مخالفت کا پہلو رکھتا ہے۔ ظاہرا یہ ایک کوشش ہے کہ امن و آشتی کے ساتھ بہت سے اختلافات دور کر دیئے جائیں اور جرمن اغراض کو پیش نظر رکھ کے، اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ رہا مراکش، جو معاہدے کی جان ہے، تو اس کی اقتصادی حالت سے ہماری اغراض وابستہ ہیں۔ یعنی وہاں ہمارے تجارتی تعلقات ہیں، جن کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور ہم اس کو انجام دیں گے۔ لیکن یہ اندیشہ کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ ان تجارتی حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے گا یا ان میں دست اندازی ہو گی ؛ دو دن بعد مباحثے کو ختم کرتے وقت

اتحاد جرمانیہ والوں کی ناراضی

صدر اعظم نے اتحاد جرمانیہ کے حامیوں کی خبر لی "ریونٹ لو کہتا ہے کہ اس معاہدے، خاص کر مراکشی دفعات پر

جرمانیہ کو نہایت ذلّت اور خوف کا احساس ہوا کیونکہ ہمیں کسی دوسری سلطنت کو وہاں اپنے سے زیادہ رسوخ حاصل کرنے نہ دینا چاہیے۔ اس قول کے صرف ایک ہی معنی ہیں اور وہ یہ کہ ہم مراکش کا ایک ٹکڑا خود بھی طلب کریں۔ لیکن اگر اس سے انکار ہو تو کیا ہمیں جنگ کرنی چاہیئے؟ اب ریونٹ لو صاحب خاموش ہیں"

اتحاد جرمانیہ کے حامی صدر اعظم کے اس طرح بات کو اڑا دینے سے خواہ مخواہ بڑبڑائے۔ اخبار رہائنش ویسٹ فالیس زیٹنگ نے ۱۱ اپریل کو لکھا کہ "مراکش، بلحاظ ہماری آبادی کے روز افزوں ہونے اور بحری مقامات کی ضرورت کے، جرمانیہ سے خاص طور پر تعلق رکھتا ہے اگر جرمانیہ دعاوی قائم نہ کرے گی تو دنیا کی تقسیم سے وہ خالی ہاتھ واپس پھرے گی۔ کیا جرمن باشندے ہی محروم رہے گا۔ وقت آگیا ہے کہ جرمانیہ ملک مراکش کا کوہستان اطلس سے سمندر تک کا علاقہ اپنے لئے محفوظ کر لے" اتحاد جرمانیہ کی ۳ جون کو مجلس منعقد ہوئی۔ اس نے بھی جرمانیہ کی سبکساری کا اعلان اور ساحل اوقیانوس کا مطالبہ کیا۔ لیکن شاہ ایڈورڈ ڈیل آئے تو قیصر نے ان سے کہا کہ مجھے مراکش سے کبھی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی[۱]۔

لیکن فرانسیسی سفیر کا وسیع وہمہ گیر اصلاحات کا پلندا لے کے فاز جانا، برلن کی روش بدلنے کا گویا اشارہ تھا۔ ۴ جنوری ۱۹۰۵ء کو یہ افواہ سن کر کہ مراکش والوں کا کوئی وفد برلن جائے گا، میڈرڈ کے جرمن وکیل نے فرانسیسی عامل سے خیال ظاہر کیا کہ اگر کوئی وفد فرانس وہسپانیہ کے باہمی قول وقرار کے خلاف فریاد کرنے جرمانیہ آیا، تو اس کی خاطر خواہ تواضع کی جائے گی۔ اور ۱۱ فروری کو فرانس کے عامل طنجہ نے دلکاسے کو اپنے جرمن ہم عہدہ کی ایک تحریر کی اطلاع دی جو خالی از علت نہ تھی۔ کھل مین نے

کھل مین کا بیان بیان کیا کہ ۱۹۰۴ء میں فرانس وانگلستان کا معاہدہ ہوا

---

[۱] اکارڈ اسٹین: جلد سوم صفحہ ۹۸

تو ہم سمجھے کہ حکومت فرانس جدید صورت حالات سے ہمیں اس وقت اطلاع دے گی جب کہ ہسپانیہ کے ساتھ بھی معاملات طے ہو جائیں اور اسی کا وہ انتظار کر رہی ہے لیکن اب جب سب کچھ طے ہو گیا تو معلوم ہوا کہ ہمیں عمداً الگ رکھا گیا۔ صدر اعظم نے مجھے بتایا کہ مراکش کے متعلق جو کچھ قول و قرار ہوئے، ان سے جرمن حکومت بالکل بے خبر رہی اور اس لئے میں کسی طرح کسی معاملے میں پابند نہیں ہوں" دلکاسے نے اپنے برلن کے سفیر کو ہدایت کی کہ وہ اس طرز گفتگو کی شکایت کرے اور حکومت جرمانیہ کو یاد دلائے کہ اس سے راڈولن نے جو کچھ ۲۳ مارچ ۱۹۰۴ء کو استفسار کئے، ان سب کے جواب دیئے گئے تھے اور یہ کہ بجز روس کے، معاہدہ ہونے سے قبل اس کی اطلاع سوائے جرمانیہ کے کسی کو نہیں دی گئی۔ پھر جرمانیہ کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں چاہی گئی۔ رہا فرانس و ہسپانیہ کا معاہدہ اس کی بھی اشاعت سے قبل فرانس کے سفیر نے جرمن حکومت کو اطلاع دے دی تھی۔ جرمن نائب وزیر خارجہ نے یہ شکایت سن کر جواب دیا کہ کھل مین کے بیان کی مجھے کچھ خبر نہیں مگر یہ واضح رہے کہ جرمانیہ، فرانس کے انگلستان و ہسپانیہ کے ساتھ معاہدے کی پابند نہیں ہے۔

فرانس کے فاز وفد بھیجنے کے بعد ہولسٹین نے تحریک کی کہ خود قیصر طنجہ کی سیاحت کرے اور صدر اعظم نے اسے پسند کیا[1] ۲۲ مارچ کو فرانسیسی سفیر نے نئے صدر کو کیفیت لکھکر بھیجی تو اس میں بتایا کہ جرمانیہ تجارتی مساوات اور سلطان مراکش کی آزادی کا مطالبہ کرتی ہے۔ برطانیہ اور ہسپانیہ سے فرانس کے جو عہدنامے ہوئے ہیں، اگر ان کے مقاصد کی نسبت کوئی تحریری اعلان کر دیا جائے تو شاید وہ مفید مطلب ہو کیونکہ اندیشہ ہے کہ فرانس کو اچانک کسی ناگوار صورت حال سے نہ سابقہ پڑ جائے۔

سفیر کے یہ اندیشے نورڈ یوس ایمان کی اس تنبیہ سے اور بڑھ گئے

---

[1] ہمان۔ باب ششم۔

کہ فرانس کے فاز میں نامہ و پیام کرنے سے، مراکش کو علی حالہ رکھنے کی ظاہری حکمت علی کی تائید نہیں نکلتی قیصر کی سیاحت کا مقصد صدر اعظم نے ۲۰ر مارچ کو ریشتاگ میں یہ بیان کیا کہ "ایک سال ہوا قیصر نے شاہ ہسپانیہ سے کہا تھا کہ جرمانیہ مراکش میں ملک ستانی میں ساعی نہیں۔ پس اس کے طنجہ جانے پر یہ خیال کرنا کہ اس میں مراکش کی صیانت و آزادی کے خلاف کوئی خود غرضی مضمر ہے، بے معنی ہے۔ جو ملک خود دست درازی کی نیت نہیں رکھتا اسے خوف و تردد کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ ہماری اغراض تجارتی ہیں

بیولاؤ کی رائے مراکش کے بارے میں

اور چین کی طرح مراکش میں بھی ہمارا فائدہ اس میں ہے کہ تجارت کا دروازہ کشادہ رہے" خود قیصر کے خیالات اس پیام سے ظاہر ہوئے جو ۶ر مارچ کو اس نے روزویلٹ رئیس جمہوریۂ ولایات امریکہ کو بھیجا اور اس میں استدعا کی کہ امریکہ بھی ہماری ہم آہنگ ہو کر سلطان سے اصرار کرے کہ حکومت میں ضروری اصلاحات کی جائیں۔ اور وعدہ کرے کہ اگر ایسا ہوا تو پھر ہم ہر ملک کے مقابلے میں جو تنہا اقتدار حاصل کرنا چاہے، سلطان کی مدد کریں گے۔ اس نے استدلال کیا کہ فرانس اور ہسپانیہ سیاسی طور پر ایک ہو گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مراکش کو آپس میں بانٹ کر اس کی منڈیاں دوسروں کے لئے مسدود کردیں۔ اور اگر ہسپانیہ کا طنجہ پر اور فرانس کا اندرونی علاقے پر تسلط ہو گیا تو مشرق قریب و بعید کے راستے گویا ان کے ہاتھ آجائیں گے"۔ رئیس جمہوریہ نے جرمانیہ سے دوستی اور اپنے اس عقیدے کا اظہار تو کیا کہ قیصر کی حکمت علی امن خواہی کی ہے لیکن امریکہ کی اغراض مراکش سے بہت کم وابستہ تھیں لہذا اس کے معاملے میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔

قیصر نے بیولاؤ کی سیاسی مظاہرے کی تجویز کو بادل ناخواستہ منظور کر لیا۔[1]

---

[1] دیکھو قیصر کی تزک، باب چہارم۔ اور شون: میموآئرز آف این ایمبسیڈر، ۱۹۰۶ء، ۲۴۴؛ اسپکرناگل کا بیان ہے کہ قیصر نے یہ تقریریں فی البدیہہ کی تھیں۔ ("فٹ بیولو" ۶۵)

اور ۳۱ مارچ کو ساحل طنجہ پر اتر کے جرمن باشندوں کے سامنے یہ تقریر کی کہ "میں جرمانیہ کے صنعت و تجارت کے علم برداروں کو نہایت مسرت سے سلام کرتا ہوں جو ایک آزاد ملک میں وطن آبائی کے حقوق و فوائد قائم رکھنے کے کام میں میرے ممد و معاون ہیں۔ سلطنت جرمانیہ مراکش کے اندر روز افزوں اور اہم اغراض رکھتی ہے۔

تجارت کی ترقی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ تمام سلطنتوں کی نسبت یہ سمجھا جائے کہ وہ مساوی حقوق رکھتی ہیں اور سلطان کی حکومت اور آزادی ملک کا احترام کرتی ہیں۔ میرا آنا اسی آزادی مراکش کا اعتراف ہے"

سلطان کا چچا سفیر خاص بنا کے بھیجا گیا تو اُس کے سامنے بھی قیصر نے تقریر میں اسی منشا کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ اس لئے کہا "میرے آنے کا مقصود یہ دکھانا ہے کہ جہاں تک میری قدرت میں ہے میں مراکش میں جرمنوں کے تجارتی حقوق کی حفاظت کروں گا۔ یہ سمجھ کر کہ سلطان آزاد فرماں روا ہیں، میں ان سے ان وسائل کے متعلق گفتگو کرنی چاہتا ہوں جن سے یہ حقوق کما حقہٗ محفوظ ہو جائیں۔ رہیں وہ اصلاحات جو سلطان کے زیر غور ہیں، تو میری دانست میں انھیں بڑی احتیاط سے قدم اٹھانا چاہیئے اور لوگوں کے مذہبی حسیات کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ کہیں امن عامہ میں فتور نہ پڑ جائے"۔ یہ بیان جرمن سفیر نے حکومت فرانس کے پاس بھجوایا تھا۔ مگر فرانس کے مقامی عمال نے جو نقل بھیجی اس میں یہ دو تمہیدی فقرے اور درج تھے کہ "آج یہاں میں سلطان ہی کے پاس بہ حیثیت ان کے ایک آزاد فرماں روا ہونے کے آیا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ممدوح کی بادشاہی میں آزاد مراکش کا دروازہ تمام قوموں کی تجارتی مسابقت کے لئے کشادہ رہے گا اور بغیر کسی اجارے یا الحاق کے سب کے ساتھ کامل مساوات کا برتاؤ ہوگا"

طنجہ کا مظاہرہ

جرمانیہ کی روش کے اس طرح یک بہ یک بدل جانے کا سبب فرانس و برطانیہ میں عام طور پر یہ بتایا جاتا تھا کہ روس کو مشرق اقصیٰ میں

ہزیمت ہوئی تو قیصر کو یہ موقع ملا کہ اس کے حلیف کو دبا ے۔ اتحاد جرمانیہ کے حامیوں نے اصلی مقصد صاف صاف بیان کر دیا تھا۔ لیکن حقیقت میں حکومت جرمانیہ کی اس حکمت عملی کی تہ میں کچھ اور اسباب بھی پنہاں تھے۔ فرانس کے اخبار علانیہ لکھ رہے تھے کہ مراکش میں بھی وہی عمل دخل کیا جائے جو تونس میں ہوا تھا۔ پس جرمن حکام باور کرنے لگے کہ اگر ابھی سے روک تھام نہ کی گئی تو مراکش ان کی آنکھوں کے سامنے نکل جائے گا۔ دوسرے فاز کے وفد سے جو شبہات ہوئے تھے، ان کو خفیہ معاہدوں کے موجود ہونے کی خبر سے اور تقویت پہنچی۔

۸ر اپریل ۱۹۰۴ء کو جب فرانس و انگلستان کا معاہدہ شایع ہوا، تو اسی تاریخ لارڈ لینس ڈون اور پال کیمبوں نے ایک اور عہدنامے پر بھی دستخط کیے۔ اس کا منشا یہ تھا کہ اگر متعاہدین میں سے کوئی آئندہ واقعات کی بنا پر مجبور ہو کہ مصر یا مراکش کے بارے میں اپنی حکمت عملی کو بدلے تو اس صورت میں بھی تجارتی آزادی، نہر سویز کی بے روک آمد و رفت اور آبنائے جبل الطارق پر قلعہ بنانے کی ممانعت کی شرطیں بحال و نافذ رہیں گی۔ دونوں حکومتوں نے اقرار کیا کہ اگر ایک فریق تجارتی امتیازات کو مٹانا چاہے گا تو دوسرا اس کی مخالفت کرے گا۔ لیکن معاہدے کی جان

خفیہ عہدنامے

یہ تیسری دفعہ تھی کہ جس وقت سلطان کے اقتدار کا خاتمہ ہوا، تو ملیلا سے رود سیبو تک ساحل بحر متوسط ہسپانیہ کے زیر اثر آ جائے گا۔ اور وہاں کا نظم و نسق اسی ملک کے ہاتھ میں ہوگا، جس کے عوض میں ہسپانیہ پابند ہوگی کہ تجارتی آزادی قائم رہے اور آبنائے کے کنارے پر جنگی قلعہ تعمیر نہ ہو اور نہ اس علاقہ کا کوئی ٹکڑا منتقل کیا جائے۔ پھر جب ہسپانیہ اگلے ستمبر میں انگلستان و فرانس کے اس اعلان کا شریک ہو گیا اور خود بھی اس نے اعلان کر دیا کہ وہ "سلطان کے زیر حکومت سلطنت مراکش کی صیانت و خود مختاری کا پوری قوت سے مؤید ہے" تو مخفی طور پر اس نے بھی ایک معاہدہ کیا جس میں صاف صاف ملک

کے حصے بخرے کرنے کی تجویز مضمر تھی۔ یہ دونوں معاہدے ۱۹۱۱ء تک شایع نہیں ہوئے لیکن لندن، پیرس اور میڈرڈ میں متعدد اشخاص کو ان کا علم تھا اور ان کی نقل پیٹرو گریڈ بھی بھیجی گئی تھی۔ لہذا ان کی شرائط بہت جلد برلن میں معلوم ہو گئیں۔[1] پس جرمانیہ کا یہ عذر تھا کہ اگر فوری کارروائی نہ کی گئی تو ایک دن وہ آئے گا کہ اس کی تجارت کے لئے مراکش کے دروازے بند ہو جائیں گے۔

بنیادی غلطی یہ تھی کہ دلکاسے نے پیش از پیش جرمانیہ کی رضامندی نہیں خریدی۔ اطالیہ کو طرابلس میں اس کے دعاوی قبول کر کے دوست بنا لیا گیا اور برطانیہ کی تائید مصر میں اس کے اقتدار کا اعتراف کر کے خرید لی گئی اور ہسپانیہ کو شمالی ساحل کے آئندہ قبضے کا وعدہ کر کے رضامند کر لیا گیا۔ مگر جیسا کہ ژینے میلے نے لکھا ہے[2] "حیرت انگیز اندھے پن سے حکومت نے سب کے ساتھ تو حفظ ماتقدم کا برتاؤ کیا اور نہ کیا تو اسی ہمسائے کے ساتھ جس سے ڈرنے کی سب سے معقول وجوہ موجود تھیں"، مگر اشتعال کے باوجود جس کا یہ جواب دیا گیا، طنجہ کا مظاہرہ بجائے خود کچھ کم سنگین غلطی نہ تھا کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک محدود عہد و پیمان نے وسیع ہو کر ایک عام دفاعی مفاہمت کی صورت اختیار کر لی۔ قیصر کو طنجہ گئے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ سرکاری طور پر خبر شائع ہوئی کہ برطانی جہازوں کا دستہ جولائی میں برسٹ آئے گا اور فرانس کے جہاز باز دید کے لئے پورٹس متھ جائیں گے۔ اور شاہ ایڈورڈ اپنی ملکہ سے مارسیلز میں ملنے کے لئے راستے میں پیرس ٹھیریں گے۔

طنجہ کے مظاہرے کے بعد قیصر نے اپنی مغربی سرحد پر ان تقریروں کا سلسلہ شروع کیا جن سے بوئے فساد آتی تھی۔ ۲۷ اپریل کو کارلس روہ میں اس نے کہا "مجھے امید ہے کہ امن میں رخنہ نہ پڑے گا۔ مجھے امید ہے

---

[1] وینٹن ٹائمن: "ڈیوئش لینڈز اوس پولی ٹیک"

[2] "تو تردے پولی ٹیک ایکس تار یور" ۲۲۴۔

جو واقعات اس وقت رونما ہو رہے ہیں، وہ ہماری قوم کو ہوشیار و بیدار رکھیں گے اور اس کی ہمت مضبوط کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ اگر دنیا کی سیاسیات میں ہمیں دخل دینا پڑا، تو ہم آپس میں متحد و متفق الرائے پائے جائیں گے"۔

اسی قسم کے سہم انگیز فقرے منیز اور سار برک کی تقریروں میں تھے

مشاورت کی دعوت

پھر طنجے کی دھمکی جس تماشے کا پہلا باب تھا، اس کا دوسرا حصہ اس وقت شروع ہوا جب کہ ممالک یورپ کو مجلس مشاورت کی دعوت دی گئی۔ جرمن صدر اعظم نے بتاریخ ۱۱ اپریل ایک گشتی مراسلہ روانہ کیا جس میں اپنے طرز عمل کی وکالت کے ساتھ عہد نامۂ میڈرڈ کے شرکا کو دعوت دی تھی کہ دوبارہ مشاورے کے لئے جمع ہوں۔ اس نے شکایت لکھی تھی کہ معاہدۂ مراکش کی کوئی زبانی یا تحریری اطلاع جرمن حکومت کو نہیں دی گئی۔ اس پر بھی جرمانیہ خاموش رہی کیونکہ معاہدۂ مذکورہ میں حالت سابقہ کو قائم رکھنے کی شرط تھی، اور اسی بنا پر ہم نے سمجھا کہ اگر فرانس اس قسم کی تبدیلی کا جویا ہے جس سے شرکائے معاہدہ کے حقوق محدود ہوتے ہیں تو وہ ہم سے بھی مشورہ کرے گا۔ البتہ جب حکومت مراکش نے ہم سے دریافت کیا کہ کیا واقعی فرانس کو تمام دول نے مختار کار بنا دیا ہے، اور نیز جب ہمیں فرانس کے منصوبے کا جزوی علم ہوا اور بڑے بڑے اخبارات نے تیونس کی نظیر پیش کی، تو اس وقت ہاتھ پاؤں ہلانے ضروری ہوئے"۔ ان سب باتوں کو لکھ کر صدر اعظم نے نتیجہ یہ نکالا تھا کہ اس قضیئے کا بہترین حل یہ ہوگا کہ مجلس مشاورت منعقد کی جائے کیونکہ جرمانیہ علیحدہ عہد و پیمان کر کے امتیازات حاصل کرنے نہیں چاہتی اور اس کی اغراض دوسری سلطنتوں کی اغراض ہی کے مثل اور مساوی ہیں"۔

فرانس کا سفیر خاص فروری سے فاز میں شد و مد سے بحث و گفتگو کر رہا تھا اور ۱۱ اپریل کو اس نے اطلاع دی تھی کہ سلطان نے طنجہ، رباط، کیسابلانکا اور ازجہ کی فوجوں کو فرانس کے نمونے کے مطابق مرتب کرنے کی

منظوری دی ہے۔ لیکن جب ۳ا مئی کو ایک جرمن سفیر کاؤنٹ ٹاٹن باخ، فانزیبں وار و ہوا تو آناً فاناً ہوا بدل گئی اور ۲۰ مئی کو سلطان عبد العزیز نے فرانسیسی تجاویز مسترد کر دیں۔ دلکاسے حجت کرتا تھا کہ اگر مجلس مشاورت کو قبول کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سلطان ماتحتی میں آگیا اور اس نے وہ راستہ چھوڑ دیا جس پر سالہاسال سے چل رہا تھا حالانکہ ایسی تبدیلی مجھے قابل قیاس بھی نہیں نظر آتی۔ بایں ہمہ عبد العزیز نے کہا تو یہی کہ میں فرانس کی تجاویز صرف اس وقت قبول کروں گا جب کہ دول بھی ان کی تصدیق کر دیں۔ اور ۳۰ مئی کو عہدنامہ ۱۸۸۰ء کے شرکا کو اس لئے طنجہ میں اپنے وکیل بھیجنے کی دعوت دی۔

دلکاسے مجلس مشاورت کی مخالفت پر اڑا رہا اسے روس و برطانیہ کی تائید حاصل تھی اور حکومت آسٹریا نے بھی یقین دلایا تھا کہ ہم کثرت رائے کے ساتھ ہوں گے جس سے دلکاسے کو اور بھی قوت پہنچی۔ لیکن اس کا رویہ ساتھ کے وزیروں کو خطرناک نظر آتا تھا شہزادہ ہینکل وان ڈونرس مارک کبھی انھیں دنوں پیرس آیا اور وزیر اعظم اور بعض دوسرے وزیروں سے ملاقات کی۔ نیز اپنے آنے کا مقصد اخبار گالوے کے نامہ نگار سے بہ صراحت بیان کیا[۱] اور اس میں جتایا کہ "بظاہر تم ان واقعات کی جو تیار ہو رہے ہیں نازکی کا اندازہ بھی نہیں کرتے اور انھیں کو بتانے کی غرض سے میں سرحد پار تمھارے ملک میں آیا ہوں۔ قیصر اور اہل جرمانیہ یہ دیکھ کر بہت جھلائے ہوئے ہیں کہ انھوں نے اخلاق و تواضع کے تعلقات قائم رکھنے کی جو کوشش کی، اسے مسترد کر دیا گیا اور ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ جرمانیہ سب سے الگ رہ جائے۔ یہ اہل فرانس کی حکمت عملی ہے یا محض دلکاسے کا ذاتی خیال ہے؟ اگر تم سمجھتے ہو کہ تمھارا وزیر خارجہ تمھارے ملک کو جوکھوں

جرمانیہ کی دھمکیاں

[۱] یہ بیان دلکاسے کے استعفیٰ کے بعد شائع ہوا۔

کے راستے پر لے جا رہا ہے، تو اپنی برائت علانیہ ظاہر کرو، اس طرح کہ اسے الگ کرو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی خارجی حکمت عملی کا رنگ بدل دو۔ قیصر جنگ کا خواہشمند نہیں ہے لیکن اگر تم نے شکست کھائی تو تمہارا سارا خون چوس لیا جائے گا" طرح طرح کی افواہیں گرم تھیں کہ جرمنوں نے پیام جنگ بھیج دیا اور ہماری فوج کی تیاری ناقص ہے۔ اسی موقع پر یہ خبر آئی کہ سلطان نے فرانسیسی تجاویز مسترد کر دیں۔ بولانژے کے بعد اتنا نازک موقع فرانس و جرمانیہ کے باہمی تعلقات کے لئے کبھی نہ آیا تھا۔ ۶/ جون کو مجلس وزرا کا جلسہ ہوا جس میں ملک کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ رئیس جمہوریہ لوبے وزیر خارجہ کی تائید میں ثابت قدم رہا لیکن دوسرے سب وزیر مخالف تھے۔ دلکاسے نے حجت کی کہ اگر فرانس مجلس مشاورت میں شریک ہوا تو اس کی بڑی سبکی ہوگی اور دعویٰ کیا کہ دو دن ہوئے میرے پاس برطانیہ سے یہ پیام پہنچا ہے کہ وہ بیڑا فراہم کر کے ایک لاکھ سپاہی شلیس وگ ہولسٹین میں اُتار دینے پر آمادہ ہیں۔ وزیر اعظم نے جواب دیا کہ اس برطانی وعدۂ امداد کو قبول کرنا جنگ کے مرادف ہوگا۔ اور یہ کہ مجلس مشاورت کو منعقد کرنا ہی ضروری ہے۔ دوسرے وزیروں نے بھی وزیر اعظم کی تائید کی اور وزیر خارجہ انھیں جتا کے کہ اس بزدلی سے جرمنوں کی ہماہمی اور زیادہ ہو جائے گی، جلسے سے چلا گیا اور مستعفی ہو گیا۔[۱]

برطانیہ کی روش | برطانیہ کا وعدۂ امداد جس کے بھروسے پر دلکاسے جنگ کے جوکھوں میں پڑنے پر آمادہ تھا، فقط اس کے تخیل میں وجود رکھتا تھا اگرچہ اس میں شک نہیں کہ وہ آج تک اس افسانے کو گائے جاتا ہے اور بیرونی ممالک میں بھی لوگ اسے باور کرتے ہیں۔ ورنہ اصل یہ ہے

[۱] ۔ اسٹیفان لوزان نے اکتوبر کے ماتاں میں یہ قصہ بیان کیا اور پھر میویل نے اپنی کتاب "دی لا پے .... الجی سیرا" میں تفصیل سے اسے درج کیا ہے۔ یہ کتاب گویا اول سے آخر تک دلکاسے کی صفائی کا بیان ہے۔

کہ دلکاسے نے فوجی امداد کا وعدہ لینا چاہا اور اس میں ناکام رہا۔ البتہ لارڈ لینس ڈون نے فرانس و جرمانیہ دونوں کے سفیروں سے یہ صراحت ضرور کی کہ انگلستان کی رائے عامہ طنجہ کی سیاحت کے تماشے کو فرانس کی طرح انگلستان کی بھی دوستی کے خلاف فعل تصور کرتی ہے اور اگر فرانس پر حملہ ہوا تو خاموش نہیں بیٹھی رہے گی بلکہ ممکن ہے کہ مداخلت کا مطالبہ کرنے پہنچے[1] ظاہر ہے کہ اس قسم کی تنبیہ اور جنگ میں حصہ لینے کے باقاعدہ اقرار میں بہت بڑا فرق ہے۔ مگر دلکاسے کو حکومت برطانیہ کے متعلق یہ غلط خیال بعض عالی رتبہ اشخاص کے قطعی حکم لگانے سے پیدا ہوا حالانکہ انھوں نے فقط اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا تھا۔

دلکاسے کی علحدگی کے بعد وزیر اعظم نے وزارت خارجہ کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں لیا اور ۱۱ جون کو جرمن سفیر سے اپنی حکمت عملی کی تصریح کی۔ اس نے بتایا کہ "مجلس مشاورت کا ہونا مجھے پسند نہیں ہے۔ لیکن اگر میں اسے قبول کروں گا تو پہلے ایک ابتدائی مفاہمت ہو جانی چاہیئے۔ مراکش کی صیانت یا بادشاہی میں رخنہ ڈالنے سے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مگر بارہ سو کلومیٹر تک ہماری سرحد مراکش سے ملی ہوئی ہے پس وہاں کے امن و انتظام سے ہمارا تعلق سب سے زیادہ ہے۔ ادھر معلوم ہوتا ہے تم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ہماری ہر تجویز میں رکاوٹ ڈالو۔ ایسی صورت میں ہم مجلس مشاورت کو کیونکر قبول کر سکتے ہیں جہاں یہ ہونے والا ہو۔ اسی لئے ہمیں پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جرمانیہ اصلاحات کو کس نظر سے دیکھتی ہے"۔ بیولاؤ کا طرز عمل ایک حد تک استنبول کے سفیر مارشل کی رائے پر مبنی تھا جو پوری کوشش کر رہا تھا کہ دنیائے اسلام کو اپنا بنالے اور اس نے تاکید کی تھی کہ سلطان مراکش کی حمایت کی جائے۔ چنانچہ صدر اعظم نے یہی جواب

صدر اعظم کی تنبیہ

دیا کہ جرمانیہ مسائل بحث طلب پر صرف اس وقت گفتگو

---

[1] ہمان: ۱۳۶-۱۳۵

کرے گی جبکہ فرانس انعقادِ مجلس کو منظور کر لے، جس کے ذریعے مراکش فرانس کے جائز مقاصد پورے کر سکے گا اور خود فرانس کو سارے یورپ کی طرف سے منظوری حاصل ہو جائے گی۔ فوج اور کوتوالی کی جدید تنظیم احکام یورپ کے مطابق ہوگی۔ یعنی الجزائر کی سرحد پر یہ خدمت فرانس کے تفویض ہوگی اور دوسرے حصّوں میں دوسری سلطنتوں کے۔ مالی اصلاحات بین الاقوامی حیثیت سے عمل میں آئیں گی اور مراکش کے سرکاری مصرف (بنیک) کے سرمائے اور انتظام میں سب دول کا حصّہ ہوگا۔ اس پر وزیر اعظم روویر نے مجلس مشاورت کی تجویز کو منظور یا مسترد کیے بغیر ۲۱ جون کو دوبارہ جرمن سفیر سے اپنی حکمت عملی بیان کی کہ "سلطان سے جو تجاویز ہم نے کی ہیں، ان کی نوعیت وہ نہیں ہے جیسی کہ جرمانیہ سمجھ رہی ہے۔ ہم اندرونی یا بیرونی معاملات پر اقتدار حاصل کرنے میں ساعی نہیں ہوئے اور نہ اس کے ذریعے لے ہیں کہ مراکش میں بھی تیونس کی مثل انتظام کر دیا جائے۔ مراکش نے جرمن تاجروں کو جو حقوق ازروئے معاہدہ دیے ہیں، ان میں کمی کرنے کا کبھی خیال بھی ہمیں نہیں آیا۔ اگر ہماری تجاویز مان لی جائیں تو تمام سلطنتوں کو اس سے فائدہ ہوگا۔ مجلس مشاورت کو پہلے سے قرارداد کیے بغیر منعقد کرنا تو ہمیں مخدوش نظر آتا ہے اور قرارداد اگر ہو جائے تو پھر اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ بایں ہمہ ہم قطعی انکار نہیں کرتے"۔ اور واقع میں انکار کرنا خطرے سے خالی نہ تھا جیسا کہ فرانسیسی سفیر کی گفتگو سے جو صدر اعظم کے ساتھ ہوئی، پتا چلا۔ اس نے اطلاع دی کہ "گو وہ بہت اخلاق سے پیش آیا مگر بار بار زور دیتا تھا کہ اس مسئلہ کو جو بڑا اور بہت بڑا ہے، طول نہ دینا ہی مصلحت ہے کہ وہ ایسے راستے پر کھنچا کھنچا نہ پھرے جس کے سرے پر جا بجا گڑھے اور کھائیاں واقع ہیں۔ اس کا فوری تصفیے پر اتنا اصرار دیکھ کر مجھ پر بڑا اثر ہوا اور آپ کو بھی رائے قائم کرتے وقت اس کا لحاظ رہے۔ لیکن صدر اعظم نے آخر میں یہ بھی کہا کہ اگر فرانس نے مشاورت کو قبول کر لیا تو جرمن وکلا ایسا طرز عمل اختیار کریں گے جس سے فرانس

کو کسی شکایت کا موقع نہ ملے"۔

اس تہدید آمیز گفتگو کے دوسرے ہی دن سرکاری مراسلہ بھی پہنچا کہ مراکش پر اقتدار حاصل کرنے کے ارادے سے فرانس کا انکار سن کر حکومت جرمانیہ کو بہت مسرت ہوئی علی الخصوص اس لئے کہ خود حکومت مراکش فرانس کی تجویزوں کو کسی اور رنگ میں دیکھ رہی تھی۔ اگر فرانس نے اس قضیئے کو تنہا طے کیا تو عجب نہیں کہ واقعات کی نوعیت رفتہ رفتہ اسے چارو ناچار ایسے مقام پر پہنچا دے جہاں پہنچنے کی وہ بیان کرتا ہے کہ اسے کوئی تمنا نہیں ہے۔ فوج اور خزانے کے بارے میں فرانس کی تجاویز، جو حکومت مراکش نے جرمانیہ بھیجی ہیں، اس کی بادشاہی میں صریح فتور لانے والی ہیں اور ان سے دوسری سلطنتوں کی بجائے پہنچے گا تو فرانس ہی کو فائدہ پہنچے گا۔ ایسی خصوصیت کا کسی اکیلی سلطنت کو حاصل ہو جانا عہد نامہ میڈرڈ کی دفعہ ۱۷ کے معارض ہے جس میں ہر دستخط کرنے والے ملک کو عزیز ترین قوم کے سلوک کا حقدار بنایا گیا ہے اور یہ اصول جرمانیہ کی نظر میں اقتصادیات کے دائرے سے آگے تک وسیع ہے۔ غرض جرمانیہ کے ساتھ شیریں تعلقات یا فقط فرانس کا وقار قائم رکھنے ہی کے لئے نہیں، بلکہ ایک ناگوار صورت حال سے بچنے کے لئے مجلس مشاورت کا ہونا مناسب ہے"۔

روزویلٹ سے مداخلت کی درخواست

جس وقت کہ حکومت جرمانیہ دلائل اور دھمکیوں سے فرانس پر دباؤ ڈال رہی تھی، قیصر روزویلٹ کے سر ہو رہا تھا کہ وہ بھی اُس روزویلٹ سے استدعا میں شریک ہو جائے[1]۔ گیارھویں جون کو خط میں لکھتا ہے کہ "روزویر صریحاً جرمانیہ کی طرف دوستانہ میلان ظاہر کر رہا ہے، اسی نے جرمن عامل کو کنایتہً بتایا کہ انگلستان نے فرانس کے ساتھ دفاعی اور اقدامی اتحاد کرنے کے لئے باضابطہ آمادگی ظاہر کی ہے جو جرمانیہ کے مقابلے میں کیا جائے گا۔ ابھی تک فرانس کے سربرآوردہ اہل الرائے ایسے اتحاد کے خلاف ہیں کیونکہ انھیں جرمانیہ سے

[1] ملاحظہ ہو بشپ: "تھیوڈور روزویلٹ" جلد اول

قابل اطمینان تصفیہ ہو جانے کی امید باقی ہے۔ بالواسطہ طور پر جرمانیہ کو یہ بھی جتایا گیا ہے کہ حکومت فرانس ہیں وائرۂ حقوق کے نام سے مراکش کا ایک حصہ دینے کی خواہاں ہے اور کلاں تر حصے پر خود فرانس قبضہ لے لیگا۔ لیکن اسے جرمانیہ قبول نہیں کرسکتی۔ میرے اہل وطن یقین رکھتے ہیں کہ اب انگلستان جرمانیہ کے مقابلے میں فرانس کی تلوار سے پشت پناہی کرے گا جس کا سبب مراکش نہیں بلکہ مشرق اقصیٰ میں جرمن حکمت عملی ہے۔ حکومت برطانیہ نے مجلس مشاورت کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے مہلت مانگی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اب آپ لندن اور پیرس والوں کو اشارۃً جتا سکتے ہیں کہ آپ کے خیال میں مراکش کے مسئلے کو امن امان کے ساتھ طے کرنے کا سب سے مستحسن ذریعہ مجلس مشاورت کا انعقاد ہوگا۔ اس سے ان کی رائے نہ بدلی تو بھی آپ کا اثر انگلستان کو فرانس و جرمانیہ کی کسی ایسی جنگ میں شریک ہونے سے روک سکے گا جس کا باعث فرانس کی دراز دستی ہو،، روزویلٹ بیان کرتا ہے کہ "اس معاملے نے جنگ کی سی صورت اختیار کر لی تھی۔ لہذا اسپیک اور ڈیوران کی وساطت سے میں نے مستعدی سے اسے گرفت میں لیا اور کم سے کم عارضی طور پر سب باتوں کو صاف کر دیا۔ میں نے فرانس کو جنگ کے سخت خطرے سے آگاہ کیا اور سمجھایا کہ انگلستان کس قدر کم کام آسکتا ہے نیز یہ کہ مجلس مشاورت فرانس کے حقوق میں کوئی دراندازی جائز نہیں رکھ سکتی۔ جب تک فرانس رضامند نہ ہو، میں مجلس کی دعوت قبول نہ کروں گا لیکن شریک ہوا تو ضرورت کے وقت جرمانیہ کے ایسے طرز عمل کی جم کر مخالفت کروں گا جو مجھے بیجا اور غیر منصفانہ نظر آئے،، بالآخر ۲۳ جون کو فرانس نے مجھے اطلاع دی کہ وہ مجلس کا انعقاد منظور کرلے گا" جب فرانس کی رضامندی حاصل ہو گئی تو صدر جمہوریہ دوسرے فریق نزاع کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے اسپیک سے کہا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جنگ کرنیکو کوئی معقول آدمی مناسب نہ سمجھے گا نہ معاف کرے گا۔" میں قیصر سے ملتجی

روزویلٹ کی مسالمت بالخیر

ہوں کہ وہ اس سعی کامیابی پر اطمینان ظاہر کرے۔ اب جزئیات کے متعلق جرح قدح کرنا بہت ہی افسوسناک ہوگا۔" غرض صدر جمہوریہ نے اس خوبی سے مصالحت کا کام کیا کہ دونوں فریق شکر گزار ہوئے اور اس نے خود رائے ظاہر کی کہ میرا بغیر شور مچائے قضیۂ مراکش میں صلح کرا دینا، دھوم دھام سے روس و جاپان کے معاملے میں دست اندازی کرنے کی نسبت زیادہ باوقعت تھا۔

۸ جولائی کو وزیر اعظم فرانس اور جرمن سفیر کے مابین وہ اعلان طے ہوا جس میں فرانس کے مجلس مشاورت کو قبول کرنے کی شرطیں تھیں۔ اور جرمن سفیر نے سرکاری طور پر اعتراف کیا کہ جرمانیہ انگلستان و فرانس کے ۱۹۰۴ء والے معاہدے کی مخالف نہیں ہے۔ تب" فرانس نے مجلس میں شرکت کی دعوت اس وثوق پر قبول کر لی کہ جرمانیہ کسی ایسے مقصد کے لئے ساعی نہ ہوگی جو فرانس کے جائز مفاد یا بروے معاہدہ حقوق کو معرض خطر میں ڈال دے۔ نیز ان اغراض کو پیش نظر رکھکر کہ سلطان کی خود مختاری اور بادشاہی سلطنت کی صیانت اور اقتصادی مساوات میں کوئی فرق نہ آئے گا، کوتوالی اور خزانے کے انتظامات بین الاقوامی اتفاق رائے سے عمل میں آئیں گے، الجزائر کی سرحد کی وجہ سے اور قیام امن میں فرانس کی جو خاص اغراض وابستہ ہیں انھیں تسلیم کیا جائے گا، فرانس مجلس میں شریک ہونے پر آمادہ ہے" حکومت برطانیہ نے بھی ۱۲ جولائی کو مجلس کا انعقاد قبول کر لیا، اور بتاریخ یکم اگست وزیر اعظم نے کوتوالی، خزانہ اور تعمیرات عامّہ کے متعلق اصلاحی تجاویز کی فہرست جرمن سفیر کے حوالے کی جسے ۲۶ کو راڈولن نے قبول کر لیا۔ زیادہ تفصیل سے ڈاکٹر روزن کے ساتھ گفتگو ہوئی جو طنجہ کا جرمن وکیل تھا اور پیرس بھیجا گیا تھا۔ وزیر اعظم نے امید ظاہر کی کہ راڈولن کے الفاظ میں "نہ کوئی فریق فاتح ہوگا نہ مفتوح" اور ۲۸ ستمبر کو جس اقرارنامے پر راڈولن اور روویر کے دستخط ہوئے، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ آرزو بر آئی[1] طے ہوا کہ الجزائر کی سرحد کے سوا باقی

ابتدائی اقرارنامے کا طے ہو جانا

[1] مصالحت میں روزولٹن کے ایک تار سے سہولت پیدا ہوئی کہ اس مقام پر قیصر نے ویٹا سے

مقامات کی کوتوالی بین الاقوامی طور پر مرتب کی جائے۔ کوتوالی، فوج اور تعمیرات عامہ کے لئے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے ایک سرکاری بینک کھولا جائے۔ مراکش کسی محکمے کو کسی خاص جماعت کے فوائد کی خاطر منتقل نہ کرے اور عمارات سرکاری کے واسطے بلا تفریق قومیت کام تفویض کرنے کا اصول اختیار کیا جائے۔ مجلس مشاورت کے لئے الجزائر کا مقام طے ہوا اور قرار پایا کہ دونوں وفد فاز سے واپس ہو جائیں۔

۶ دسمبر کو وزیر اعظم نے مجلس مبعوثین کو اطلاع دی کہ سلطان نے تجاویز اور مقام مشاورت کو منظور کر لیا ہے۔ پھر اس کام کی تکمیل پر اطمینان کا اظہار کیا کہ فرانس کے سرحدی حقوق جرمانیہ نے تسلیم کر لئے اور انھیں مسائل اختلافی سے علیحدہ کر دیا پس یقین ہے کہ الجزائر کی مجلس حسب دلخواہ کامیاب رہے گی۔[1] عین اسی وقت جرمن صدر اعظم نے ریشتاگ میں صورت حال پر تقریر کی جس میں اپنے تردد کو چھپا لینے کی بھی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس نے کہا کہ "یورپ میں امن اور موجودہ حالات کو اتحاد ثلاثہ ہی قائم رکھے گا۔ اس کی بنا ہی تھی اور یہی اس کا مقصود ہے۔ بایں ہمہ جرمانیہ کو قوی رہنا ضروری ہے تاکہ اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو وہ بغیر کسی حلیف کے بھی اپنے پاؤں پر کھڑی رہ سکے۔ عہد وسطیٰ میں سب سے مالدار خانقاہوں کی سب سے چوڑی فصیلیں ہوتی تھیں"

بیولاؤ کی توجیہ	پھر اس نے اپنی مراکش کی حکمت عملی کی مفصل توجیہ شروع کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میثاق بجورکو کا ذکر کیا اور رویٹ نے اپنے میزبان سے اصرار کیا کہ مراکش میں فرانس کو رضامند کرنے کی کوشش کرے۔

[1] کائیو اپنی کتاب "اگادیر" میں بیان کرتا ہے کہ رودیر نے دو مرتبہ ناکام کوشش کی کہ جرمانیہ کو معاوضہ دے کے مسئلہ طے کر لیا جائے۔ یعنی پہلے تو نومبر میں جگادو، اور اندرونی علاقہ پیش کیا اور دوسری دفعہ دسمبر میں یہی کوشش کی جب کہ فرانس کے ایک بحری سردار پولے نے طنجہ کے جرمن مدیر اول کعل ئین سے خط و کتابت شروع کی۔ یہ دونوں تحریکیں مسترد کر دی گئیں کیونکہ جرمانیہ ایک اصولی تصفیہ اور فرانس کی تذلیل کی خواہاں تھی۔

اور ایک آزاد مملکت میں اقتصادی مساوات کی حفاظت' اس کا اصلی منشا قرار دیا۔ اس نے کہا "فرانس و انگلستان کے کسی معاہدے سے جرمن حقوق منسوخ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عہدنامۂ میڈرڈ نے تمام شرکائے معاہدہ کو عزیز ترین قوم کے برتاؤ کا حق دار بنایا ہے اور جرمانیہ کو قانونی حق حاصل ہے کہ مراکش کی ہر تبدیلی کے متعلق اس سے مشورہ کیا جائے۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارے تجارتی تعلقات اتنے زیادہ نہیں ہیں کہ ہماری خاص طور پر رائے زنی جائز ہو، تو میرا جواب یہ ہے کہ جب معاہدے کے حقوق اور قومی وقار کا سوال بیچ میں آجائے تو پھر یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں رہ جاتی۔ مجھے بڑی امید تھی کہ ہمارے حقوق اور انگلستان و فرانس کے عہدنامے کی شرطوں میں سہولت کے ساتھ آشتی ہو جائے گی اور جس وقت میں نے یہ کہا تھا کہ یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ عہدنامہ ہمارے مقابلے میں کیا جا رہا ہے، اس وقت میری تقریر سراپا مصالحانہ تھی۔ مگر میری توقع کہ دوسرے فریق مراکش میں اپنے مقاصد برآری کی کوشش شروع کرنے سے پہلے ہماری طرف آئیں گے، پوری نہیں ہوئی۔ پھر جب فرانس نے اپنا سفیر خاص ایسی اصلاحی تجاویز کے ساتھ فاز بھیجا' جن سے مراکش بھی دوسرا تیونس بن جاتا' تو ہمارے ہاتھ پاؤں ہلانے کا وقت آیا کیونکہ اس میں صاف طور پر ہمارے حقوق بروئے معاہدہ ۱۸۸۰ء کو نقصان پہنچتا تھا اور ہماری اقتصادی اغراض خطرے میں پڑتی تھیں۔ اگر ہم مراکش میں اپنے اقتصادی حقوق خاموشی سے چھوڑ بیٹھیں تو دنیا کو ہمت ہو جائیگی کہ وہ دوسرے اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ بڑے معاملات میں بھی ہمارے ساتھ اسی قسم کا طرز عمل اختیار کرے۔ یہ الزام کہ ہم فرانس پر حملہ کرنے کے خواہاں ہیں یا اسے جرمانیہ کے ساتھ ہو کر انگلستان کے خلاف جنگ کرنے پر مجبور کرنا چاہتے ہیں، محض لغویت ہے۔ سیاحت طنجہ کی ساری ذمہ داری میں اپنے سر لیتا ہوں جسے بیل اشتعال دہی کی سیاحت قرار دیتا ہے مگر جس کا یہ فائدہ تو ہوا کہ اس مسئلے کی بین الاقوامی نوعیت کا عام طور پر علم ہو گیا" Cet animal est tres mechant: quand on l'attaque il se defend ۔ یہ بڑا موذی جانور ہے کہ ہم اس پر حملہ کرتے ہیں تو وہ اپنا بچاؤ کرتا ہے!

اُدھر ۴ دسمبر کو بالفور نے استعفا دیا اور کیمبل بینرمین نے گروہِ احرار کی وزارت مرتب کی اور ۲۲ دسمبر کو ایلبرٹ ہال میں اپنی حکمتِ عملی کی تشریح کی۔ اس میں معاملاتِ خارجہ کا تذکرہ مختصر لیکن صاف الفاظ میں تھا۔ اس نے کہا "میں

کیمبل بینرمین کی حکمتِ عملی

چاہتا ہوں کہ پوری قوت کے ساتھ اس امر کی دوبارہ تصدیق کردوں کہ میں فرانس سے رابطۂ دوستانہ کی حکمتِ عملی کا پختہ مؤید ہوں۔ ایسے کسی واقعی آلۂ کار سے بھی کہیں زیادہ کارگر شے دونوں قوموں کے درمیان حقیقی دوستی کا قائم ہو جانا ہے اور ہماری حکمتِ عملی کا ایک مقصد یہ ہوگا کہ دوستی کی اس روح کو بجنسہ زندہ رکھا جائے۔ رہا روس، تو اس ملکِ عظیم کی نسبت اچھے خیالات کے سوا اور کوئی بات ہمارے دل میں جاگزیں نہیں ہے۔ جرمانیہ کے معاملے میں بھی مجھے ایک بھی وجہ بیگانگی پیدا ہونے کی نہیں نظر آتی۔ جاپان کے ساتھ ہمارے روابط کا حال دنیا کو اس معاہدے ہی سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے جو اسی زمانہ میں مرتب ہوا ہے اور ولایاتِ متحدۂ امریکہ سے ہم نسل و روایات، رفاقت و مشارکت کے قوی ترین رشتوں سے وابستہ ہیں۔ یہ کمال دلخوش کن کیفیت ہے اور مجھے بھروسا ہے کہ آئندہ کسی ممکن وقوعے سے اس میں خلل نہ آئے گا۔ اجمالاً ہماری بیرونی حکمتِ عملی زبردستی اور بے جا اولوالعزمی کے مخالف ہوگی اور اس کا منشا یہ ہوگا کہ تمام قوموں کے ساتھ بہترین تعلقات رہیں۔"[۵۱]

نئے وزیرِ اعظم کے اس اطمینان بخش تبصرے کو چند ہی روز گزرے تھے کہ اخبار ٹائمز کے جنگی مقالہ نگار نے جرمانیہ کی فرانس سے دشمنی پر ایک مضمون لکھا جس کے اخیر میں برلن کو تنبیہ کی گئی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو جنگ سے غیر متوقع مقامات میں بھی مخالفت کے دروازے کھل جائیں[۵۲]۔ پھر دوسرے ہی دن یعنی ۲۸ دسمبر کو فرانس کے جنگی اتاشی نے اس مضمون پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ فرانس کے سفارت خانہ میں ترددہ ہے کہ لارڈ لینس ڈاون نے جو اطمینان دلایا تھا

---

۵۱ "تقاریر" ۱۷۹
۵۲ رپنگٹن: دی فرسٹ ورلڈ وار، جلد اول باب اول

سر ایڈورڈ گرے نے اس کی ہنوز تجدید نہیں کی۔[1] یہ وزیر خارجہ اپنے حلقۂ انتخاب میں مصروف کار تھا۔ کرنل رپنگٹن نے مذکورۂ بالا گفتگو کی اسے اطلاع دی۔ اس نے جواب دیا کہ میں کسی چیز سے جو لارڈ ہلڈین ڈون نے کہی ہے نہیں پھر اہوں۔

سفیر فرانس اپنی تعطیل سے واپس آیا تو دس جنوری کے دن اس نے سر ایڈورڈ کو مطلع کیا کہ حکومت فرانس خطرے کو حقیقی سمجھتی ہے اور دریافت کرتی ہے کہ آیا برطانیہ کے نزدیک بھی جوکھوں اتنا زیادہ ہے کہ فرانس پر بلا اشتعال کے حملہ ہوا تو برطانیہ اسے روکنے میں شریک ہو جانے پر آمادہ ہوگی۔ اگر اس طرز عمل کا امکان بھی ہو تو مناسب ہوگا کہ فوج کے اعلی عمال شمالی فرانس کے حصے میں اشتراک عمل کی صورت پر بحث و گفتگو کرلیں۔ وزیر خارجہ نے جواب دیا کہ میں کسی بیرونی سلطنت سے کوئی وعدہ نہیں کرسکتا جب تک کہ آیندہ واقعات **سر ایڈورڈ گرے** انگلستان کی رائے عامہ کو وقت آنے پر ایسے وعدہ کا دل سے مؤید نہ بنادیں۔[2] "میں نے کہا کہ میری رائے میں اگر مراکش کے مسئلے پر جبراً فرانس سے لڑائی چھیڑی گئی تو اس ملک کی عام رائے فرانس کی مادی اعانت پر متفق ہو جائےگی میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا، لیکن جب یہ قضیہ پیش آیا تو فرانس اور جرمانیہ کے سفیروں سے میں نے اس رائے کا اظہار کر دیا۔ میں نے نہ تو کوئی وعدہ کیا اور نہ کوئی تہدید حکومت فرانس نے اس موقع کو تسلیم کر لیا مگر مجھ سے کہا، اور میری دانست میں ان کا کہنا بجا تھا، کہ "اگر تمھارے نزدیک یہ ممکن ہے کہ یکایک کسی خلش کے پیدا ہونے پر برطانیہ کی عام رائے فرانس کو جنگی امداد دینے کے موافق ہو جائے گی۔ جس کا تم پیش از پیش وعدہ نہیں کر سکتے، تو اس صورت میں اس وقت تک کہ بحری اور بری فوج کے ماہرین میں پہلے سے کوئی گفتگو نہ ہو جائے، یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ عین وقت پر تم فرانس کی مدد کرو، گو تمھاری کتنی ہی خواہش کیوں نہ ہو" اس حجت میں یقیناً قوت تھی۔ میں نے اسے مان لیا اور اس قسم کی گفتگو کرنے کی اجازت دی لیکن

---

[1] ہالڈین: معبفوروی وار، ۲۹، ۳۰۔

[2] تقریر ۳۔ اگست ۱۹۱۴ء۔

تصریحاً یہ مفاہمت ہو گئی تھی کہ ان جنگی ماہرین کے درمیان جو کچھ طے ہو گا۔ اس کی کوئی حکومت پابند نہ ہو گی اور نہ وقت آنے پر کسی حکومت کی اس آزادی میں کوئی کمی یا فرق آئے گا کہ وہ مدد دینے یا نہ دینے کا جو مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ مذکورۂ بالا اجازت کی ذمہ داری بھی مجلس وزرا کی منظوری کے بغیر مجھے لینی پڑی کیونکہ مجلس کا انعقاد نہیں کیا جا سکتا تھا اور جواب دینا ضروری تھا۔ البتہ میں نے وزیر اعظم سرہنری کیمبل بینرمین سے مشورہ کیا۔ اور لارڈ ہالڈین سے بھی جو ان دنوں وزیر جنگ تھا۔ اسی طرح موجودہ وزیر اعظم مسٹر ایسکویتھ سے، جو ان دنوں وزیر خزانہ تھا۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا تھا اور ان صاحبوں نے اس صریحی شرط پر اجازت دی کہ یہ اجازت حکومت کی آزادی میں، جب کبھی قضیہ برپا ہو، کوئی فرق نہ ڈالے گی۔"

فوج کے عمال کی گفتگو ۱۰ جنوری سے شروع ہوئی اور وقفوں کے ساتھ ۱۹۱۴ء تک ہوتی رہی۔ قریب قریب اسی وقت برطانیہ کے فوجی اتاشی متعینۂ بروسلز نے اسی قسم کی، گو غیر سرکاری بحث و گفتگو بلجیم کے فوجی عمال سے شروع کی۔

مجلس کا افتتاح

الجزائر کی مجلس شاورۃ کا جس میں مراکش کے علاوہ، بارہ ملکوں نے شرکت کی، ۱۶ جنوری کو افتتاح ہوا۔ **دوک دال مودوار** جلسے کا صدر تھا اس نے شروع ہی میں سلطان کی بادشاہی، مراکش کی ملکی صیانت اور تجارتی آزادی کے مسائل کو یہ کہہ کر کہ یہ سب کے نزدیک مسلمہ ہیں، خارج از بحث قرار دیا۔ شاہ ایڈورڈ نے کیمبون (سفیر فرانس) سے کہا تھا کہ "ہر معاملے میں تم جو کچھ چاہتے ہو بتا دو ہم بلاکم و کاست تمھاری تائید کریں گے۔"[1] دو سب سے خاص معاملے یعنی پولیس اور سرکاری بینک کے متعلق تو فروری کے اوائل ہی میں بحث پیش آ گئی۔ فرانس کا مطالبہ کہ محکمۂ کوتوالی کا

---

[1] دیکھو بورے ژوان: "ایرے دو میروک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"
اور تاردیو: "کون فے انیس و الجی سیرا"

دول کی طرف سے انتظام اسے مل جائے جس میں بعد میں اس نے یہ ترمیم بھی کی کہ ہسپانیہ اس کا شریک مقرر کر دیا جائے۔ جرمانیہ نے مسترد کر دیا اور اس نے اول تو تحریک کی کہ سلطان چھوٹی سلطنتوں کے اشخاص کو کوتوالی کے عہدوں کے لئے منتخب کرے اور پھر یہ ترمیم کی کہ یہ انتخاب بیرونی ممالک سے کیا جائے ان تجویزوں کو فرانس و ہسپانیہ نے اپنی باری پر مسترد کر دیا اور ادھر اسی زمانے میں سرکاری مصرف (بینک) کے مسئلے میں بحث رک کے رہ گئی۔ عام طور پر خیال تھا کہ سلسلۂ گفتگو منقطع ہو جائے گا مگر پس پردہ حامیان امن و آشتی کے ہاتھ مصروف کار تھے۔ صدرنشین روزویلٹ نے فرانس سے مجلس کو قبول کر لینے کی تاکید کی تو وعدہ کیا تھا کہ اس کے ساتھ انصاف ہوگا۔ اور وسط فروری میں اس نے فرانس کی حمایت میں قیصر سے خفیہ خط و کتابت شروع کی[1] روزویلٹ مراکش کی پولیس کو فرانس و ہسپانیہ کے تفویض کرنے کی تائید میں تھا اور جب قیصر نے اعتراض کیا کہ یہ منظوری اس محکمے کو تمام و کمال ان کے ہاتھ میں دیدے گی تو روزویلٹ نے جتایا کہ بہ حیثیت حکم بردار کے وہ تمام دول کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اسی زمانے میں ہیولاؤ کو نظر آگیا کہ ہوسٹین کی حکمت عملی سیدھی جنگ کی طرف لے جا رہی ہے۔ اور اس نے ہوسٹین کے ہاتھ سے اختیارات لے لئے۔ ایک دوسری تحریک مصالحت آسٹریا کی جانب سے آئی جس نے تجویز کی کہ آٹھ بندرگاہوں میں سے جو تجارت کے لئے کھلی ہوئی ہیں، چار کی پولیس کی ترتیب فرانس، تین کی ہسپانیہ اور ایک کی سوئٹزرلینڈ یا ہالینڈ کے حوالے ہونی چاہیئے۔ روزویلٹ نے اس شکل کو ناپسند کیا کہ اس سے بوئے تقسیم ملک آتی تھی اور آخرکار مارچ کے اخیر میں آسٹریہ کی یہ دوسری تجویز منظور کر لی گئی کہ سارا کام تو فرانس و ہسپانیہ کے تفویض کیا جائے مگر پولیس کا صدر اعظم سوئٹزرلینڈ کا باشندہ ہو۔ سب سے بڑی دشواری اس مسئلے میں تھی، جب یہ طے ہو گئی تو وکلا کو

---

[1] بشپ: "تھیوڈور روزویلٹ" جلد اول۔ صفحہ ۴۸۵ تا ۵۰۵

اپنے اپنے وطن جانے کی جلدی ہوئی اور ۷ اپریل کے دن دستور العمل "الجزائر" پر دستخط ہو گئے۔

اس دستور العمل کی رو سے مراکش کی آٹھ بندرگاہوں میں دو ہزار سے ڈھائی ہزار تک کوتوالی کے جوانوں کا تقرر طے ہوا اور تیس سے چالیس تک ماتحت عہدہ داروں کے ساتھ فرانسوی اور ہسپانوی عہدہ دار مقرر ہوئے جنھیں تعلیم و تربیت کی خدمت سپرد کی گئی اور سوئیس ناظم کا مستقر طنجہ قرار پایا۔ مراکش کے سرکاری بینک کو یہ امتیاز دیا گیا کہ سوائے اس کے اور کوئی مصرفی اوراق (بینک نوٹس) جاری نہ کر سکے گا۔ اور سلطنت کے خزانچی اور بخشی کے مناصب اسی کو حاصل رہیں گے۔ وہ دس لاکھ فرانک تک حکومت کو پیشگی دے سکے گا اور کوتوالی اور عمارات عامہ کے جمع و خرچ کا کھاتہ کھول دے گا۔ مصرف کے سرمایہ کی نسبت طے ہوا کہ "دستور العمل" پر جتنی دول نے دستخط کیے، اسے اتنے ہی حصوں میں تقسیم کر کے ہر سلطنت کو اپنا حصہ ادا کرنے کا حق ہو۔ اس کی کل مقدار ڈیڑھ سے دو کروڑ فرانک تک قرار پائی اور علاوہ جماعت نظما اور صدر ناظر کے جن کا تقرر سلطان کے ہاتھ میں تھا چار مشرف (سینسر) مقرر ہونے والے تھے جنھیں انگلستان، جرمانیہ فرانس اور ہسپانیہ کے بینک نامزد کریں۔ اور جن کا کام یہ دیکھنا ہو کہ دستور العمل کی منشا کے مطابق عمل ہوتا ہے اور سالانہ کیفیت لکھ کر پیش کریں سرکاری ملازمتوں کی شخصی فوائد کے لئے منتقلی ناجائز ٹھیرائی گئی اور غیر ملک والوں کو اجازت ملی کہ ملک کے جس حصہ میں چاہیں زمین خریدیں اور مکانات تعمیر کریں۔ طے ہوا کہ الجزائر کی سرحد پر فرانس اور مراکش، تجارتی محاصل اور اسلحہ کی تجارت کے متعلق مل کر دستور العمل کے ضوابط پر عمل کریں۔ اور ریف کے علاقہ میں یہی کام مراکش اور ہسپانیہ کے تفویض ہو۔ دستور العمل کے آخری فقرے میں اعلان تھا کہ مراکش اور شرکائے معاہدہ کے درمیان جس قدر عہد نامے، مفاہمت نامے یا قرار دادیں پہلے ہوئی ہیں، وہ سب نافذ رہیں گی۔ لیکن جس صورت میں ایسی شرطیں، اس دستور العمل سے

محکمۂ کوتوالی اور مصرف بینک

ٹکرائیں، تو دستور العمل کی قراردادوں کو ترجیح حاصل ہوگی۔ ولایت متحدہ امریکہ کی طرف سے ایک علیحدہ اعلان یہ شامل تھا کہ دستور العمل اور اسکے ضمیمے پر دستخط کرنے سے ہم اس کے نفاذ کی کوئی ذمہ داری نہیں لیتے اور برطانی وکیل نے الکحلی شرابوں کی درآمد اور فروخت کی حد بندی کرنے کا سوال اٹھایا اور اور اس کی تجویز پر مجلس نے یہ معاملہ طنجہ کی سفارتی جماعت پر محول کر دیا اور تجاویز کے ساتھ اپنی ہمدردی تحریر کی۔ سر آرتھر نکلسن نے چند اعلان پڑھکر سنائے جن میں امید ظاہر کی گئی تھی کہ سلطان غلامی کی رسم کو بتدریج موقوف کر دے گا اور علانیہ بردہ فروشی کو ممنوع قرار دے گا، نیز قید خانوں کے انتظام کی اصلاح کرے گا، جنھیں مراکش کے وکلا کے سوا باقی سب مندوبین مجلس نے منظور کر لیا۔ مراکش والوں نے شکایت کی کہ ان میں سے کوئی مسئلہ بھی مجلس کے نظام اوقات (پروگرام) میں درج نہ تھا۔[1]

مشاورہ الجزائر جرمانیہ اور فرانس کے درمیان ایک طویل زور آزمائی تھی فرانس کی روس، برطانیہ اور ہسپانیہ علانیہ پشت پناہی کر رہے تھے اور ولایات متحدہ پس پردہ تائید پر تھی۔ اس کے برخلاف جرمانیہ اگرچہ خود اپنی اغراض کی خاطر بین الاقوامی ذمہ داری کے اصول کی حمایت میں سرگرم تھی لیکن اسے اپنے دوستوں سے مشکل سے کوئی مدد ملی کیونکہ آسٹریہ نے ارادہ کر رکھا تھا کہ فرانس سے جھگڑا مول نہ لے گی اور اطالیہ کے پہلے ہی مراکش وطرابلس کے متعلق خفیہ عہد نامہ کر لینے سے ہاتھ بندھے ہوئے تھے

غیر حتمی مجلس

بالایں ہمہ یہ ایک ناتمام جنگ رہی۔ کہ ادھر تو فرانس اپنے اور اپنے حصہ دار کے حق میں کوتوالی کی تفویض کا سب سے اہم مطالبہ منوانے میں کامیاب ہو گیا اور ادھر جرمانیہ نے یہ حجت منوا دی کہ یہ معاملہ تمام دول سے تعلق رکھتا ہے دونوں حکومتوں نے اظہار اطمینان کیا۔ فرانس کے وزیر خارجہ لورژیوے نے مجلس مبعوثین کے سامنے بیان کیا کہ فرانس کے خاص حقوق اور اغراض اس قسم کی

[1] دیکھو کتاب ابیض: "مراکش" ۱ء سنہ ۱۹۰۶ء۔

مراعات کے ذریعے محفوظ کر لئے گئے ہیں جن سے نہ گزشتہ محنت کا پھل ہاتھ سے جائے گا نہ مستقبل کی امیدیں جوکھوں میں پڑیں گی۔ اصلی اور بنیادی مسئلہ کوتوالی کا تھا اور اس میں میں نے ایک غیر جانب دار صدر ناظم کا تقرر قبول کرلیا مگر وہ صرف محکمے کے کام کے نتائج کی نگرانی کرے گا۔" آخر میں وزیر خارجہ نے روس کی غیر متزلزل استقامت کا سپاس ادا کیا اور "اسی طرح انگلستان نے جو ہمارا ایسا ہی وفادار دوست ہے، ہمارا ساتھ دیا۔"

ریونٹ لاؤ لکھتا ہے کہ الجزائر میں جرمنوں کو شکست ہوئی۔ اور صدر اعظم کو ملامت کرتا ہے کہ وہ جنگ کی دھکیاں دیتا رہا حالانکہ نیت جنگ کی نہ تھی۔[1] اس کے مقابلے میں، جرمن حکومت نے اطمینان ظاہر کیا۔ قیصر نے آسٹریہ ہنگری کے وزیر خارجہ گولوکاوسکی کا، مجلس مشاورۃ میں ساتھ دینے کی بنا پر بذریعہ تار شکریہ ادا کیا۔ اور لکھا کہ وہاں اس نے " بنردگاہ میں اپنے آپ کو نہایت سبک دست مددگار" ثابت کیا۔ اور آخر میں یہ بھی بڑھا دیا کہ آئندہ ایسی ہی صورت میں امید ہے کہ پھر وہ ایسی ہی خدمت انجام دے گا۔ صدر اعظم نے بھی اس فیصلہ کو مستحسن قرار دیا جو جرمانیہ اور فرانس دونوں کے لئے یکساں اور قابل اطمینان اور تمام مہذب ممالک کے حق میں مفید تھا۔ اس نے کہا کہ مراکش کے واسطے جرمانیہ لڑنے کی خواستگار نہ تھی کیونکہ اس کی براہ راست سیاسی اغراض وابستہ نہ تھیں اور نہ وہ وہاں کوئی ملکی منصوبے رکھتی تھی۔ البتہ حقوق معاہدہ کو بغیر اس کا مشورہ لئے نظر انداز کر دینے میں قومی وقار کا مسئلہ آجاتا تھا لیکن گو دونوں فریق اس کشتی کے نتائج پر اطمینان کا بہانہ کر رہے تھے، حقیقت میں ثابت ہوا کہ مجلس آیندہ کشتیوں کے درمیان میں فقط دم لینے کا وقفہ تھی البتہ اس کا مستقل نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس و برطانیہ کے

اطمینان وہی یا نزعہ

---

[1] "Folitische......Weltkrieges" صفحہ ۱۱۷ تا صفحہ ۱۲۹۔ اس کے مقابلے میں دیکھو۔ ہارکی بلیغ تنقید: "ڈائی امیرابیو لو" ۱۵ تا ۳۰۔

روابط زیادہ مضبوط ہو گئے جنھیں کمزور کرنے کے لیے جرمن وکیل **سر آرتھر نکولس** پر بہت زور دیا گیا مگر اس کی کوشش رائگاں گئی۔ ہیو لاو کے ہاتھ میں اوزار تو بہت اچھا تھا لیکن اس نے بھونڈے پن سے کام لیا۔ اس مجلس کے بعد ہی اس عمل کا آغاز ہو گیا جسے انگریز تو محافظت کہتے ہیں اور جرمن نرغہ کشی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔[عہ]

عہ۔ یہ اصطلاح "Einkreisungspolitik" ہولسٹین کی ایجاد تھی۔

باب یازدہم

انگلستان و روس کی یاری

جس وقت فرانس اور برطانیہ کے ارباب بست وکشاد خوشی خوشی باہمی مخاصمت کی چھری زمین میں دفن کر رہے تھے، برطانیہ اور فرانس کے حلیف کی ان بن اسی طرح رہی۔ انگلستان و جرمانیہ کا عہد نامہ سنہ ۱۹۰۰ء اور انگلستان و جاپان کا معاہدہ سنہ ۱۹۰۲ء گویا بیانگ دہل اعلان تھا کہ انگریز مشرق اقصیٰ میں روس کے مقاصد سے کیا کچھ سوئے ظن رکھتے ہیں۔ ادھر انگریزوں کی دفاع ہند کی ذمہ داری مقتضی تھی کہ مشرق وسطیٰ میں وہ روس کی سرگرمیوں کو نگاہ رقابت سے دیکھے۔ سالسبری نے ایک تجویز تمام ممالک ایشیا میں تعلقات کو درست کر لینے کی مرتب کی تھی، جسے پیٹرو گریڈ میں مسترد کر دیا گیا تھا۔ ایران سے سرحد کا اتصال اور ایران کی کمزوری روس کو وہاں سیاسی اور اقتصادی دباؤ ڈالنے کا موقع دیتی تھی اور انیسویں صدی کے آخر سنین میں ان دونوں سلطنتوں کی طہران میں رقابت کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ صورت حالات کو

لارڈ کرزن کے اندیشے

لارڈ کرزن نے مجلس وزرا کی درخواست کے جواب میں کہ حکومت ہند کی رائے لکھی جائے، اپنے مراسلے مورخہ

۲۱ ستمبر ۱۸۹۹ء میں تفصیل سے سمجھایا ہے[1]۔ اس میں لکھا ہے کہ "شاہ کی پہلی سیاحت فرنگ کے زمانے سے، ایران روز بروز سیاسیات یورپ کے چکر میں آتا جاتا ہے۔ وہ ان ملکوں میں ہے جن کا ایک نہ ایک دن یورپ کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرنا ناگزیر تھا کچھ تو اس لئے کہ یہ ملک روز بروز کمزور ہوتے جاتے ہیں مگر زیادہ تر اس واسطے کہ ان کے اندر مادّی قوت کے پوشیدہ، گو تغافل زدہ وسائل سجھائی دیتے ہیں۔ ادھر ایران اور افغانستان کے اوپر ایک ایسی سلطنت کا روز افزوں اور بڑھا ہوا بوجھ جھک رہا ہے جس کے ایشیائی فوائد ہمیشہ ہماری اغراض سے آشتی و موافقت نہیں رکھتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ خلیج دوسری اور بعض اوقات ہماری رقیب قوموں کو جلب منفعت کے لئے اپنی جانب کھینچنے لگی ہے۔ فی الحال ہمارے منصوبے اس حد تک محدود ہیں کہ ہم نے اب تک جو فوائد حاصل کر لیے ہیں انھیں برباد ہونے سے بچایا جائے اور جب تک موجودہ سیاسی حالات بجنسہ قائم رہیں، ہم ان میں کوئی خلل ڈالنے کے خواہاں نہیں ہیں لیکن ہم زور دیتے ہیں کہ اس معاملہ کا جلد کوئی فیصلہ کر لیا جائے اور جلد عملی کارروائی کی جائے کہ مبادا قوت کا توازن جو لرز رہا ہے وہ قبل اس کے کہ ہم ہاتھ پاؤں ہلائیں، حسب قرائن ظاہری اس طرح ایک طرف کو نہ آرہے کہ ہم نقصان میں رہیں۔ ان بیابانوں سے روس کا آگے بڑھ آنا جو مغربی اور مشرقی ایشیا میں قدرتی حد فاصل کا کام دیتے ہیں، حکومت ہند کے لئے خواہ مخواہ فکر و پریشانی کا موجب ہے کیونکہ روسیوں کے وعدے کہ وہ ایران کے حقوق اور خود مختاری کا احترام کریں گے، ایرانی یا برطانی اغراض کو استیصال کن اسباب سے بچانے میں بالکل ناکافی ہیں ہندوستان کی حفاظت اور سلطنت کے وقار کے لئے،

خلیج فارس

ایران سے بھی زیادہ خلیج فارس میں اپنی حیثیت قائم رکھنی ضروری تھی جہاں ۱۷۶۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے کارخانہ کھولا اور ۱۸۱۲ء سے ایک سیاسی عامل وہاں رہتا

---

[1] یہ ایک کتاب ابیض کی صورت میں ۱۹۰۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

تھا[1]۔ انگریزوں نے بحری قزاقوں کے مامن اجاڑے اور ان کے بیڑوں کو برباد کیا، غلاموں کا انسداد کیا۔ خلیج کی پیمائش کی اس میں پن کوٹے (Buoy) ڈالے اور وبائے طاعون کو قابو میں رکھنے کا بندوبست کیا۔ قبائل کے شیوخ اپنے جھگڑے فیصلے کے لیے بوشہر کے (رزیڈنٹ) انگریز قائم مقام کے پاس لاتے تھے اور عہد نامہ کر چکے تھے کہ کسی دوسری سلطنت سے معاملہ نہیں کریں گے۔ بحرین میں ہماری باج گزار ریاست تھی، اور کویت میں ترجیحی حقوق حاصل تھے۔ ان سب جانے بوجھے حقوق کے باوجود، روس کے قاصد یعنی فوجی سردار جو جغرافیہ نویسوں اور "طاعون کی تحقیقات کرنے والے" اطبا کے بھیس میں ہوتے، برابر خلیج کے علاقوں میں بہ تعداد کثیر چلے آتے تھے۔ جنوبی افریقہ کی جنگ ختم ہوئی اور برطانیہ کو آزادی سے کام کرنے کا موقع ملا تو ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء کو لارڈ لینس ڈون نے انگریزی حکمت عملی کے متعلق وہ اعلان کیا جو سرایڈورڈگرے کے اعلان ۱۸۹۵ء کے بعد سب سے اہم تھا:-

"اول یہ کہ ہمیں خلیج میں برطانی تجارت کی حفاظت اور ترقی کی کوشش کرنی چاہیے، دوسرے یہ کہ ہم کو دوسروں کی جائز تجارت کو خارج کرنا نہ چاہیے تیسرے، اگر کسی دوسری سلطنت نے خلیج فارس میں بحری مستقر یا قلعہ بند بندرگاہ بنائی، تو اسے ہم لامحالہ برطانی حقوق کے واسطے سخت خطرہ تصور کریں گے اور بلاشبہ ہر ممکن طریق سے جو بن پڑے، اس کی مزاحمت کریں گے"۔

اس نے آخر میں یہ بھی کہہ دیا تھا کہ مذکورۂ بالا بیان کی تہ میں کوئی تہدید نہیں ہے کیونکہ ابھی تک کسی کا ایسا منصوبہ ہی میرے علم میں نہیں ہے۔ ادھر زوردار تنبیہ کی تائید لارڈ کرزن کے خلیج میں نومبر ۱۹۰۳ء کے بحری مظاہرے سے ہوئی[2]۔ اس سیاحت نے برطانی وقار کو بڑھا دیا اور نہ صرف ان کو جنھوں نے

---

[1] دیکھو سویٹ فریزر: "انڈیا انڈر لارڈ کرزن" اور چرول: "دی مڈل ایسٹرن کرائسس"

[2] اس موقع پر جو تقریریں لارڈ کرزن نے کیں وہ "لارڈ کرزن ان انڈیا" میں چھپ گئی ہیں صفحہ (۵۰۰) تا صفحہ (۵۰۷)۔

بیڑے کو دیکھا اور وایسرائے کی تقریر سنی، بلکہ طہران، برلن اور پیٹرو گریڈ کے دور دراز رہنے اور کان رکھنے والوں کو بھی جتا دیا کہ برطانیہ تلی ہوئی ہے کہ خلیج فارس میں کوئی اسے ٹوکے یا حملہ کرے تو وہ اپنے ہاتھ آئے ہوئے موقع کی مدافعت کرے گی۔

ہندوستان اور چین

روسی دراز دستی کے خلاف فقط منچوریا اور ایران ہی میں نہیں تبت کے بلند علاقے پر بھی کشمکش ہوئی جہاں کے مذہبی پیشواؤں نے، جو سلطنت چین کی برائے نام بادشاہی کے ماتحت حکومت کرتے تھے، اپنی طرف سے پورا اہتمام کیا تھا کہ جنوب کی طرف سے ان کے ملک میں کوئی داخل نہ ہونے پائے مارچ ۱۸۹۹ء میں لارڈ کرزن نے وزیر ہند کو کیفیت لکھ کر بھیجی کہ[1] "معلوم ہوتا ہے ہم ایک جادو کے دائرے میں چکر لگائے جاتے ہیں۔ اگر تبت سے درخواست کرتے ہیں تو یا تو کوئی جواب ہی نہیں ملتا اور یا چین کے قائم مقام کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس قائم مقام سے رجوع کرتے ہیں تو وہ کچھ نہ کرنے کا عذر یہ پیش کرتا ہے کہ میں حکومت تبت پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔" اس دیدہ و دانستہ شوخ چشمی سے جو غیظ آیا اس میں شدت اس لئے بھی پیدا ہوئی کہ اسی کے ساتھ ستمبر ۱۹۰۰ء میں زار نے سائبیریا کے ایک بدھ مت کے آدمی دورجیو نامی سے ملاقات کی جس کی سیاحتوں نے تبت کو تو یہ سبق دیا تھا کہ اپنی حمایت کے لئے روس کا سہارا تکے اور روس کو سکھایا تھا کہ وہ تبت کو برطانیہ کے خلاف اپنی عالمگیر بازی میں اعراب کا مہرہ تصور کرے۔ جب والی لاما کے ساتھ رسل و رسائل کی تیسری کوشش بھی ناکام رہی تو ویسرائے نے تجویز کی کہ سکم کا سیاسی عامل ان مقامات پر ستوں ہنوا دے جہاں تبت والوں نے دست درازی کی تھی۔ اور اگر یہ ستون توڑ دیئے جائیں تو ہم وادی چمبی پر قبضہ کرلیں۔ جب مجلس وزرا نے اسے منظور کرلیا تو ۱۹۰۲ء کی گرمیوں میں انگریز

---

[1] تبت کی نسبت جو کتب از رق چھپتی رہی ہیں وہ معمول سے زیادہ مفصل ہیں، اور کرنل ہس بینڈ نے اپنا پورا قصہ انڈیا اینڈ تبت، میں علٰحدہ سنایا ہے۔

عامل سیاسی سکّم کے شمال کی طرف چل پڑا اور سرحد کے اندر جو تبت والے داخل ہو گئے تھے انھیں واپس جانے کا حکم دیا۔ بتاریخ ۸ارجنوری ۱۹۰۳ء حکومت ہند نے ایک پروزن مراسلے میں لہاسا کو مہم بھجانے کی تجویز پیش کی۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ محض سرحدی جھگڑے یا تجارتی ترقی سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ ہے یعنی دراصل یہ ہمارے تبت کے ساتھ آیندہ تمام سیاسی تعلقات کا نیز یہ مسئلہ ہے کہ ہم کس حد تک کسی دوسری سلطنت کو وہاں رسوخ حاصل کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں روس کی سرحد تبت سے کہیں بھی نہیں ملتی اور چین، نیپال اور ہندوستان کے سوائے اور کسی سلطنت کا تبت سے علاقہ یا رشتہ نہیں ہے۔ جب روسی سفیر نے اعتراض کیا تو لارڈ لینس ڈون نے جواب دیا کہ جہاں ایک متمدن ملک کو کسی غیر متمدن ملک سے متصل ہو وہاں متمدن ملک کو کسی حد تک مقامی غلبہ ملنا لازمی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس ملک کی خودمختاری بھی سلب کرنے کا قصد کیے

نیگ ہز بینڈ کا وفد ۱۹۰۴ء کے اخیر میں سرحد سے پار ہوا اور کوچ کرتا ہوا ۳ر اگست کو لہاسا میں داخل ہو گیا جہاں سے ولائی لاما فرار ہو چکا تھا۔ ایک مہینے بعد حکومت تبت نے ایک عہدنامے پر دستخط کر دیئے جس میں اس نے ذمہ لیا کہ ۱۸۹۰ء کے میثاق کی پابندی کی جائے گی۔ سرحدی پتھر نصب کر دیئے جائیں گے۔ تین مقامات پر منڈیاں قائم کر کے ہر ایک میں ایک کارندہ مقرر کیا جائے گا کہ مراسلات کو آگے بڑھادے، اور ان مقامات تک آنے والے راستوں کو کھلا رکھے۔ اور یہ کہ پایۂ تخت تک راستے پر جو قلعے بنے ہوئے ہیں ان کو مسمار کرادیا جائے گا آخری اور اہم دفعہ کا منشا یہ تھا کہ روسی خطرے کا قطعی ازالہ کر دیا جائے۔ یعنی اس میں تبت نے اقرار یہ کیا تھا کہ حکومت برطانیہ کی پہلے سے منظوری لئے بغیر تبت کا کوئی ٹکڑا کسی دوسری سلطنت کو بذریعہ فروخت یا رہن یا تعہد یا حوالگی یا اور کسی طرح قبضے کے لئے نہیں دیا جائے گا کسی ایسی غیر سلطنت کو مجاز نہ ہو گا۔ کہ وہ تبت کے معاملات میں حصّہ لے کسی غیر سلطنت کے نائب یا قائم مقام کو ملک میں داخل نہ کیا جائے گا اور

ینگ ہس بینڈ کا وفد

ریل، تار، سڑک بنانے، کان کھودنے یا اور کسی قسم کی مراعات کسی غیر سلطنت یا غیر سلطنت کے باشندے کو نہ دی جائیں گی جب تک کہ اسی قسم کے یا مساوی حیثیت کی مراعات برطانیہ کو بھی نہ دی جائیں۔ غیر سلطنت یا غیر سلطنت کے کسی باشندے کو تبت کے مداخل کا کوئی حصہ تفویض یا حوالے نہ کیا جائے گا۔

سب ضروری سیاسی اور اقتصادی مقاصد حسب دلخواہ حاصل ہو گئے تو ینگ ہزبینڈ نے اس درخواست کو قبول کر لیا کہ تاوان جنگ جو پانچ لاکھ پونڈ ٹھہرا تھا، وہ پچھتر سال تک ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے حساب سے ادا ہو اور اس تبدیلی کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ وادی چمبی پر قبضے کی میعاد بھی اتنے ہی سال تک کے لئے بڑھانی پڑی۔ اس قابل لحاظ ترمیم کے ساتھ معاہدے پر، ستمبر کو امبن کی موجودگی میں دستخط ہو گئے جس نے اقرار کیا کہ جب چین کی اجازت مل جائے گی تو میں بھی دستخط کر دوں گا۔ قائم مقام مشیر حکومت، مجلس شوریٰ اور مجلس قومی اور تین بڑی خانقاہوں کی مہریں معاہدے پر ثبت ہوئیں۔ اسی دن ایک علیحدہ اقرار نامہ بھی مرتب و مکمل ہو گیا جس میں برطانیہ کے تجارتی عامل متعینہ گیانت سی کو مجاز کیا گیا تھا کہ تجارتی معاملات پر گفتگو کرنے کی غرض سے لہاسا آ سکے گا۔

اس معاہدے سے تاوان جنگ کے فقرے کو مجلس وزراء نے مسترد کیا کہ انھوں نے جو ہدایت کی تھی کہ تاوان کی ایسی رقم ہونی چاہیے جو تین سال میں ادا ہو جائے، یہ اس کی خلاف ورزی تھی۔ نیز تبت کو اطلاع دے دی گئی کہ تجارتی عامل کے لہاسا جا سکنے کی نسبت اقرار نامہ بھی غیر ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ مجلس وزراء نے روس کو بار بار یقین دلایا تھا کہ ہم ملک پر کسی طویل قبضے یا اندرونی معاملات میں دست اندازی کے ہرگز خواہاں نہیں ہیں۔ باقی انگریزی وفد کے دوگانہ مقاصد بظاہر پورے ہو گئے۔ تبت کے صاحبان خانقاہ کو معلوم ہو گیا کہ برطانیہ کا دست قوی اتنا لمبا ہے کہ "شہر ممتنع" تک پہنچ سکتا ہے۔ دوسرے سرحد، تجارت، رسل و رسائل کے مسائل مہم پر ہمارے مطالبات قبول کر لئے گئے۔ پھر یہ کہ مسٹر بروڈرک کے الفاظ میں تبت کے دوسری سلطنتوں سے سیاسی تعلقات قائم کرنے کا خطرہ دور ہو گیا۔

عہد نامہ لہاسا

حتیٰ کہ لارڈ کرزن کے حامی تو یہاں تک دعویٰ کرتے تھے کہ اسی کی شبانہ روز مستعدی اور ہوشیاری نے تبت کو روس کے زیر سیادت لے لئے جانے سے بچا لیا۔

کوہستانی سرحد کے شمالی حصّے سے تو روسیوں کا خطرہ رفع دفع کر دیا گیا مگر شمال مغربی سرحد پر ابھی یہ اندیشہ باقی رہا اور مسٹر بالفور کی مئی ۱۹۰۵ء کی تقریر میں جو دفاع سلطنت کے مسئلے پر کی گئی تھی، صاف صاف الفاظ میں تنبیہ موجود تھی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ روس افغانستان کی طرف برابر قدم بڑھا رہا ہے اور ریلیں تعمیر کی جا رہی ہیں جن کی نوعیت حربی ہو سکتی ہے۔ جنگ کا قرینہ قوی تو نہیں ہے لیکن یہ اسباب موجودہ صورت کو لا محالہ بدل دیتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کو اچانک حملہ سے کوئی آدبائے۔ لیکن شمال مغربی سرحد پر کوئی جنگ چھڑی تو اس کا بہت کچھ مدار حمل ونقل اور رسد رسانی پر ہوگا۔ پس ہمیں واجب ہے کہ وسائل حمل ونقل میں کسی قسم کی سہولت بہم نہ پہنچانے دیں۔ اور روس کی

روس وافغانستان

جنگی ریلوں کے سلسلے میں کوئی کوشش جو افغانستان کے اندر ریل بنانے کی کی جائے، اسے بلا واسطہ اپنے خلاف دراز دستی کا فعل سمجھیں۔" بایں ہمہ میرے پاس باور کرنے کی خفیف سی وجہ بھی نہیں ہے کہ روس اس قسم کی ریل بنانے کا قصد رکھتا ہے۔ البتہ اگر کبھی ایسی کوشش کی گئی تو وہ ہماری سلطنت ہند پر ایسی شدید ضرب کے مرادف ہوگی کہ آج تک کسی نے نہ سوچی تھی۔ یاد رہے کہ جب تک ہم اس بات پر جمے ہوئے ہیں کہ افغانستان میں ریل جنگ ہی کے عالم میں بن سکتی ہے، اس وقت تک ہم ہندوستان کو بالکل محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ اندھے پن یا نامردی سے ہم نے اس ملک کا آہستہ آہستہ ہضم کر لیا جانا گوارا کر لیا اور جنگی ریلوں کو پھیلتے پھیلتے اپنی سرحدوں کے قریب تک آ جانا جائز رکھا تو پھر ہمیں کہیں زیادہ فوج رکھنی پڑے گی۔"

چین، ایران، تبت اور افغانستان میں کشاکش ہونے سے روس و برطانیہ کی موروثی کشیدگی بہت بڑھ گئی تھی کہ مشرق اقصیٰ کی جنگ نے ایک خطرناک زمانہ نزاع کا آغاز کیا۔ اتحاد دولتین کا دائرہ مشرق اقصیٰ تک وسیع نہ تھا لہٰذا فرانس اپنے حلیف کا ساتھ دینے پر مجبور نہ تھا۔ لیکن دوستانہ غیر جانبداری،

کسی وقت بھی شراکت جنگ کی صورت میں بدل سکتی تھی۔ ادھر برطانیہ کی عام رائے تو علانیہ جاپان کی تائید پر تھی۔ مگر حکومت قطعی غیر جانب داری پر قائم رہی اور ۱۲ فروری کو لارڈ لینس ڈون نے اس بے تکی افواہ کی تردید کی کہ جاپان کو وی ہے وی کے جنگی مستقر بنانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ انگلستان و فرانس کا عہد نامہ مکمل ہوا تو ان دنوں شاہ ایڈورڈ شاہ ڈنمارک سے ملنے آیا ہوا تھا۔ اس نے روسی وکیل ازوولسکی سے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس نئے معاہدہ ہو جانے سے امید بندھتی ہے کہ روس کے ساتھ ایسی قسم کی مفاہمت ہو سکے گی۔ یہ بھی کہا کہ سر چارلس ہارڈنگ سفیر ہو کے حال میں ان ہدایات کے ساتھ پیٹرز گرڈ پہنچا ہے کہ تعلقات کو بہترین بنائے۔ گو مختلف مسائل بحث طلب پر باہمی رضامندی دشوار ہو گئی تاہم کوشش تو کرنی چاہیے۔ ازوولسکی نے جواب میں انگلستان و جاپان کے اتحاد کا دکھڑا رویا اور استدلال کیا کہ اسی اتحاد نے جاپان کے حامیان جنگ کے حوصلے بڑھائے ہیں۔ یہ گفت و شنید بے سود نہ تھی کیونکہ تھوڑے ہی دن میں ازوولسکی وزیر خارجہ ہونے والا تھا۔ با ایں ہمہ جنگ و جدل کے زمانہ میں کوئی قدم آگے نہ بڑھ سکا۔ مزید برآں، زار کی شدید مخالفت میں کچھ فرق نہ آیا تھا اور اسے جاپان کے ساتھ ہمارا اتحاد، روسی تارکان وطن کو ہمارا پناہ دینا اور انگلستان میں یہودیوں کا روز افزوں اقتدار سخت ناگوار تھا۔[1]

ایسی کشمکش میں جس میں جہازوں کی سیاہیوں سے کم ضرورت نہ تھی، دردانیال کا سوال اٹھنا یقینی بات تھی۔[2] ۱۹۰۲ء کی خریف میں روسیوں

آبناؤں کا سوال نے چار تباہ کن جہازوں کے آبناؤں سے گزرنے کی اجازت

---

[1] سڈنی لی: "دی ٹائمز" ۲۲ جولائی ۱۹۲۱ء

[2] ڈلن: "دی ایکلپس آف رشیا" ۳۰ ر ۳۲۹۔

[3] ملاحظہ کول مین فلپس اور نویل بکسٹن کی قابل تعریف کتاب "دی کوسچن آف دی بوس فورس اینڈ ڈارڈینلز"

حاصل کر لی تو برطانی سفیر نے باب عالی میں باضابطہ اعتراض پیش کیا اور صاف کہدیا کہ جنگ کی صورت میں ہم اس نظیر سے کام لینے میں تامل نہ کریں گے؛ جنگ جاپان کے ابتدائی مہینوں میں، بحر اسود کے بیڑے نے ہاتھ پاؤں نہیں ہلائے لیکن جولائی میں خلفشار پیدا ہوا جب کہ سفائن مطوعہ کے دو دریانوردوں نے جنگی جہازوں کی شان اختیار کی اور برطانی اور جرمن جہازوں کو بحر قلزم میں روکا۔ یہ بیڑا در اصل پنج دہ کے جھگڑے کے زمانے میں مرتب ہوا اور تجارتی جھنڈا لگا کے آبناؤں سے گزر گیا تھا۔ اب اسی بیڑے کے جہازوں نے پی اینڈ او کے جہاز "ملاکا" کی تلاشی لی۔ حالانکہ انھیں بہت کچھ یقین دلایا گیا کہ اس میں یوکوہاما کے لئے تجارت کا عام مال ہے اور گولہ بارود ہانگ کانگ کے برطانی بیڑے کے واسطے ہے۔ روسی کپتان نے تجارت کے مال کو دکھانے کے لئے کہا اور چونکہ اسے بغیر جہاز کی پائداری کو خطرے میں ڈالے ہوئے دکھانا ممکن نہ تھا، لہذا مال غنیمت بنا کے پورے جہاز پر اپنے ملاح سوار کر دیئے اور حکم دیا کہ وہ واپس سویز جائے اور وہاں سے روسی عدالت غنائم کے مقام لی بو بھیجا جائے۔ قریب قریب اسی زمانے میں اردوا اور فارموسا نامی جہاز بھی پکڑ لیئے گئے جن میں سے پہلا برطانی جہاز تھا اور ولایات متحدہ سے آتش گیر اشیا لئے ہوئے منیلا جا رہا تھا۔

روس کے جنگی جہازوں کا غیر جانب داروں کی تلاشی لینا، بے شبہ جائز تھا۔ مگر اس طرح صورت بدلے ہوئے دریانورد ایسا حق نہ رکھتے تھے۔ قیصر نے زار کو تار دیا کہ بین الاقوامی قانون کی ایسی خلاف ورزی سے جرمانیہ میں حیرت و کدورت پیدا ہو گئی۔ اور زار نے جواب دیا کہ آئندہ ایسا واقع نہ ہوگا۔ برطانی سفیر نے سخت معارضہ پیش کیا اور اس بنا پر کہ روسی دریانورد کی حیثیت بے ضابطہ تھی اور گولہ بارود برطانی بیڑے کے لئے جا رہا تھا اور اس پر برطانی حکومت کا نشان بنا ہوا تھا، مطالبہ کیا کہ ملاکا کو چھوڑ دیا جائے۔ جواب مصالحت آمیز آیا کہ ملاکا عدالت غنائم میں نہ جائے گا اور نہ آئندہ ایسا واقعہ ہوگا۔ بایں ہمہ "ضابطہ پری کی غرض سے"

اس کے مال کی کسی غیر جانب دار بندرگاہ میں جانچ ہو گی۔ چونکہ اس جواب سے مطوعہ جہازوں کے جنگی دریا نوردوں کی صورت میں منتقل کر لئے جانے کا پہلو

سفائن مطوعہ

نکلتا تھا، لہذا بحر متوسط کے بیڑے کو سکندریہ روانہ کر دیا گیا اور ایک دریانورد کو حکم ہوا کہ سویز جا کے اردو اکے پہلو میں لنگر ڈالے۔ اسی وقت، ایک اور جہاز "نائٹ کمانڈر" کو جو نیو یارک سے یوکوہاما جا رہا تھا ولاڈی وسٹک کے بیڑے نے اشیائے ممنوعہ لے جانے کے شبہ پر غرق کر دیا کیونکہ اس جہاز میں اتنے فالتو ملاح نہ تھے کہ اسے غنیمت بنا کے کسی بندرگاہ تک لے جاتے۔ اس مجرمانہ حرکت کی خبر دیتے وقت وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نے آخر میں یہ بھی کہا کہ روس نے احکام صادر کر دیئے ہیں کہ سفائن مطوعہ کا جہازوں کو پکڑ لینا، جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ اور انہیں بحر قلزم سے واپس طلب کیا ہے۔ دو روسی جہاز" اسمولنسک" اور " پیٹرس برگ" جنوبی افریقہ کے سمندر میں پھر ہنگامہ مچانے لگے تھے لیکن وزیر اعظم نے خبر دی کہ روس کی درخواست پر برطانی دریانورد روانہ کر دیئے گئے ہیں کہ ان جہازوں کو جن تک سرکاری احکام نہیں پہنچے، انی سرگرمی موقوف کرنے کے لئے کہیں اور اس اطلاع سے شورش فی الجملہ دب گئی۔ پھر مذکورۂ بالا روسی جہاز زنجبار میں مل گئے اور آئندہ جنگ کے باقی ایام میں کسی برطانی جہاز پر دست اندازی نہیں کی گئی۔

برطانیہ سے اتنی کشیدگی کے باوصف، زار اپنے بحر اسود کے جہازوں سے کام لینے کا سخت مشتاق تھا اور اکتوبر میں قیصر نے بھی اسے ایسا کرنے کی ہمت دلائی۔ یعنی لکھا مورخہ ۱۰ اکتوبر) کہ "شیبکو نے مجھے خبر دی کہ تم بحر بالٹک کے بیڑے کے ساتھ بحر اسود کے بیڑے کو بھی باہر نکالنے کا قصد رکھتے ہو۔ اور اس بارے میں میری رائے دریافت کی۔ سچ کہوں؟ مجھے تو مدت سے اس تدبیر کے عمل میں لائے جانے کی توقع تھی۔ یہ نہایت درست جنگی تدبیر ہے اور اس کے اختیار کرنے سے فتح ہونا یقینی ہے۔ یہ ہم دونوں اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلطان مزاحمت میں انگلی تک نہ ہلائے گا۔ اور ایک دفعہ تمہارے جہاز

پار ہو گئے تو پھر ہم سب چپکے سے "شدنی امر" کو تسلیم کرلیں گے۔ مجھے ذرہ برابر شبہ نہیں کہ انگلستان بھی اسے قبول کرلے گا گو وہاں کے اخبار کڑکیں چمکیں اور ان کے بیڑے بھی تھوڑی دیر فوں فوں کریں[1]"۔ اس ہمت افزائی کے باوجود زار کی دانشمندی تھی کہ یہ تجویز منسوخ کر دی گئی اور صرف بالٹک بیڑے کو مشرق اقصیٰ جانے کا حکم ملا۔

ہل کے ماہی گیروں کا واقعہ

ازوولسکی، کوپن ہیگن میں روسی وکیل تھا۔ وہ تحریر کرتا ہے کہ "آبنائے (بیلٹ) سے بیڑے کے گذرتے وقت میں اس میں آیا اور امیرالبحر روجسٹ ونسکی اور دوسرے عہدہ داروں سے ملاقات کی۔ میں نے ان سب کو اس اطلاع پر کہ جاپان نے تباہ کن کشتیاں یورپ بھیجدی ہیں نہایت مضطرب پایا۔ اس اطلاع کا بانی روسی خفیہ پولیس کا ایک رکن، ہارٹنگ نامی تھا جو کئی مرتبہ کوپن ہیگن بھی آیا تھا اور اس نے مجھے خبر دی تھی کہ جاپانی تباہ کن قرب و نواح میں ہیں مگر مجھے پتہ چل گیا کہ یہ خبر بے بنیاد ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ روپیہ اینٹھ لے۔ میں نے اپنی حکومت کو مطلع کر دیا تھا مگر وہاں کسی نے اعتنا نہ کی۔ مجھے اندیشہ ہوا۔ جاپان سے نہیں بلکہ ان نقائص سے جن کے باعث آبنائے کلاں کا راستہ اندیشہ ناک ہو گیا تھا۔ اور اسی بنا پر میں نے ڈنمارک کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے بہترین ناخدا چند روز کے لئے ہمیں دے دے اور خطرے کے مقامات پر توپ دار کشتیاں متعین کر دے"۔ القصہ روسی امیرالبحر آبنائے کو عبور کر آیا تو ناروے کے چند جہازوں کو جاپانی تباہ کن سمجھا اور ان پر کئی گولے چلائے جو ان تک پہنچ نہ سکے۔ ۲۱ اکتوبر کو روسی بیڑے کا ایک جہاز "کمکاٹکا" انجن کی خرابی سے پیچھے رہ گیا تھا۔ شام ہوتے اسے ایک سویڈن کا اور بعض نامعلوم جہاز ملے جن پر اس نے گولہ باری کی اور لاسلکی کے ذریعے امیرالبحر کو اطلاع دی

[1] برونٹس کی کا بیان ہے کہ بیڑے کے باہر نکلنے کی افواہ سن کر برطانیہ نے صاف کہدیا تھا کہ ہمارا بیڑا مزاحمت کرے گا۔ اس لنیڈ ..... ص ۱۵۱

کہ مجھ پر ہر طرف سے سفائن جراقہ نے ہجوم کیا ہے۔ آدھی رات سے ذرا پہلے ایک سبز ہوائی چھوٹی اور امیر البحر کے جہاز پر جو مضطرب پہرے والے تھے، وہ سمجھے کہ انھیں کوئی مشتبہ جہاز نظر آیا۔ ساتھ ہی آتشباری کا حکم دے دیا۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ اس رات تیس ماہی گیر کشتیوں کا، گیم کوک کا بیڑا جس میں چودہ کے قریب دوسرے بیڑے کی کشتیاں بھی شامل تھیں، ہل سے آیا اور ڈوگر بینک پر تھا اور یہ ہوائی ماہی گیری کے اشارے کے طور پر انہی نے سر کی تھی۔

لارڈ روزبری نے "ناگفتنی حملے" کی جو مذمت کی وہ گویا قوم کی ترجمانی تھی۔ ملکی بیڑے کو کرومارٹی، روو بار کے بیڑے کو جبل الطارق اور بحر متوسط کے بیڑے کو پولا میں احکام بھیج دیے گئے کہ ایک دوسرے کی اعانت کریں اور ادھر چار جنگی جہاز پورٹ لینڈ اور تحت البحر کشتیاں ڈوور روانہ ہوئیں۔ بایں ہمہ دونوں حکومتوں نے اعتدال سے نیچا و نہ ہونے دیا اور زار نے پیام بھیجا کہ تفصیلی خبر نہ ملنے کی صورت میں مجھے اس واقعے کی توجیہ سوائے اس کے کچھ نہیں نظر آتی کہ وہ قابل تاسف غلط فہمی تھی اور جانوں کا جو نقصان ہوا، اس پر مجھے دلی افسوس ہے اور جس وقت یہ معما صاف ہو جائے گا، اسی وقت میں نقصان اٹھانے والوں کی پوری تلافی کر دوں گا۔

انگلستان میں ناراضی۔

۲۸ اکتوبر کے دن مجلس وزرا کا جلسہ ہوا اور اسی شام کو وزیر اعظم ایک عام جلسے میں تقریر کرنے ساوتھمپٹن گیا۔ بے شبہ روسی اپنے راستے کے خلاف جا رہے تھے اور انھیں علم تھا کہ ڈوگر بینک ماہی گیروں کا رمنا ہے لیکن خوش قسمتی سے روسی حکومت نے اظہار تاسف کیا، زار نے فیاضانہ تلافی کا وعدہ کیا اور قرار پایا کہ سردار اور خاص خاص گواہ وِگو میں ٹھہر گئے، بین الاقوامی عدالت تحقیقات کرے گی مجرم سزا پائیں گے اور روس احکام جاری کرے گا آئندہ ایسی خطا نہ ہونے پائے چنانچہ بینز و گریڈ کے ایک مفاہمت نامے نے جس پر بتاریخ ۲۵ نومبر دستخط ہوئے یہ قضیہ ختم کر دیا۔ اس تصفیے میں دلکاسے کی مسالمت سے بہت سہولت ہوئی۔ جماعت تحقیق ۲۲ دسمبر کے دن مجتمع ہوئی اور ۲۵ فروری ۱۹۰۵ء تک کام پورا کر لیا اس نے جو کیفیت ورائے پیش کی اس میں روسی دعوے کو

صراحتہً نہیں تو کنایتہً خارج کر دیا تھا یعنی لکھا تھا کہ ماہی گیر کشتیوں نے کوئی دشمنی کا کام نہیں کیا تھا محض دھوکا ہوا کیونکہ کوئی جاپانی حراقہ اس پاس نہ تھی اور اس لئے گولہ باری ناجائز تھی۔ تاہم اس جرم کو خفیف کرنے والے بھی اسباب موجود تھے۔

یہ بھی شاید اچھا ہی ہوا کہ اس وقت تک برطانی وزرا کو یہ خبر نہ تھی کہ زار ان نازک ایام میں کس طرح پیچ و تاب کھا رہا ہے اور نہ وہ روس و جرمانیہ کے مابین اتحاد نامہ کئے جانے کے ارادہ سے آگاہ تھے۔ واضح رہے کہ قیصر نے زار کو یہ یقین کر لینے کی جراءت دلائی تھی کہ جنگ میں روس کا جیتنا لازم ہے اور وہی جیتے گا۔

جرمانیہ روس کی مدد ہے

اور برلن کی علانیہ ہمدردی دیکھ کر پولینڈ کی سرحد سے روسی فوجیں بھی طلب کرنے کا موقع نکل سکا تھا۔[1] یہ سچ ہے کہ روس کو ان خاطیوں کی ایک ایک طرفہ تجارتی عہد نامے مرتبہ ۲۸ جولائی کی صورت میں قیمت ادا کرنی پڑی لیکن جاپان سے لڑائی سخت ٹھنی ہوئی تھی، اور جرمنوں کی امداد کے بغیر فتح کی بہت کم امید نظر آتی تھی۔ ۱۵ اگست کو لارڈ لینس ڈون نے جرمن سفیر کو خبردار کیا کہ اگر غیر جانبداری کی خلاف ورزی کے باعث جاپان، جرمانیہ سے اُلجھ پڑا تو برطانیہ بروئے عہد نامہ شرکت کی وجہ موجہ تسلیم کرے گا۔ ادھر ۲۷ویں اکتوبر کو قیصر نے تار دیا کہ "کچھ عرصہ سے انگلستان کے اخبار جرمانیہ کو دھمکا رہے ہیں کہ وہ کسی طرح بالٹک بیڑے کے جاتے وقت اسے کوئلہ پہنچانا جائز نہ رکھے۔ یہ بھی غیر ممکن نہیں کہ جاپانی اور برطانی حکومتیں مل کر ہمارے روسی جہازوں کو کوئلہ دینے کے خلاف مکابرہ اور اسی کے ساتھ مطالبہ کریں کہ آئندہ یہ سلسلہ بند کر دیا جائے۔ جنگ کی ایسی دھمکی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایندھن نہ ملنے کے باعث تمہارا بیڑا آگے نہ جا سکے گا۔ اس لئے

---

[1] آسٹریا نے بھی روس کو اطمینان دلایا تھا کہ اسے جنوبی سرحد پر فوج رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے جواب میں روسیوں نے وعدہ کیا تھا کہ اطالیہ کے حملے کی صورت میں ہم غیر جانبدار رہیں گے۔ دیکھو سڑی لاسی: "ڈرانسٹر گینگ..." ص ۱۸۰۔

خطرے کا روس و جرمانیہ کو مل کر مقابلہ کرنا ہوگا۔ اور یہی دونوں تمہارے حلیف فرانس کو اس کے فرائض یاد دلائیں گے۔ یہ تو خیال بھی نہ کرنا چاہیئے کہ فرانس اوائے فرض سے قاصر رہے گا۔ اور گو دلکاسے انگریز پرست ہے اور بہت بگڑے گا، مگر امید ہے اتنی عقل اس میں ہوگی کہ وہ سمجھ لے کہ برطانی بیڑا پیرس کو بچانے میں ذرا بھی کام نہیں آسکتا۔ اس طرح برّاعظم کی تین سلطنتوں کا ایک طاقتور جتھا تیار ہو جائے گا اور انگلستانی گروہ والے اس پر سوچ سمجھ کر ہی ہاتھ اٹھا سکیں گے؛ یہ کام کرنے سے پہلے اسے ہرگز نہ بھولنا کہ نئے جہازوں کی فرمایش بھجوا دو۔ صلح کی گفتگو کے وقت ان کی تیاری سے عمدہ اثر ڈالا جا سکے گا۔ ہمارے غیر سرکاری کارخانے نہایت خوشی سے ٹھیکہ قبول کریں گے۔ بحر شمالی میں جو حادثہ ہوا اس کا مجھے افسوس ہے" اس کا ۲۹ اکتوبر کو زار نے جواب دیا کہ بحر شمالی کے حادثے کی ابتدائی جزئیات ہمارے امیرالبحر کے تار سے تم کو معلوم ہوگئی ہوں گی۔ اس سے سارے واقعے کا خودبخود رنگ بدل جاتا ہے۔ انگلستان کی حرکتوں پر مجھے جیسا غصہ آیا ہے اسے بیان کرنے کو لفظ نہیں ملتے جرمن کشتیوں

زار کی تجویز

کے ہمارے جہازوں کو کوئلہ پہنچانے پر اس نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کے متعلق میں تمہاری شکایت کو بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں مگر خود انگلستان غیر جانبداری قائم رکھنے کے ضوابط کے معنی ہی کچھ اور سمجھتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس بات کو روکنا نہایت ضروری ہے۔ اور جیسا کہ تم نے لکھا اس کی ایک ہی صورت ہے یعنی یہ کہ جرمانیہ روس اور فرانس بلا تاخیر متحد ہو کر ایسا انتظام کریں کہ انگلستان و جاپان کے تمرّد و سرکشی کا نشان باقی نہ رہے۔ کیا تم اس قسم کے معاہدے کا خاکہ تیار کر کے مجھے اطلاع دو گے؟ ہم نے اسے تسلیم کر لیا تو پھر فرانس کو لازماً اپنے حریف کا ساتھ دینا ہوگا۔ میرے دل میں ایسے اتحاد کا بارہا خیال آیا۔ اور وہ باقی دنیا کے حق میں امن و امان کے مرادف ہوگا۔"

جواب میں قیصر نے تار دیا کہ "تمہارے تار کا بے حد شکریہ خط اور معاہدے کا مسودہ جس کی آج شام تم نے استدعا کی ہے۔ روانہ کر دیا گیا ہے۔

خفیہ طور پر مجھے اطلاع ملی ہے کہ ہل کے ماہی گیروں نے اقرار کیا کہ انھیں اپنی کشتیوں میں پردیسی جہاز نظر آیا تھا جو ان کے ماہی گیری بیڑے کا نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ دغا کھیلی گئی ہے۔[1]

یہ تار بھیج کر قیصر نے ایک خط تحریر کیا:۔ میں نے بلاتاخیر صدر اعظم کو اطلاع دی اور ہم نے مخفی طور پر تمھاری خواہش کے مطابق معاہدے کی تین دفعات مرتب کر لی ہیں۔ وہی سہی جو تم کہتے ہو۔ آؤ ہم تم مل کر صف آرا ہوں ظاہر ہے کہ اتحاد یورپ حملہ آور یا حملہ آوروں کے مقابلے میں خالص دفاعی اور باہمی بیمے کے پیرائے میں ہوگا۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ امریکہ ہمارے قول وقرار کو تہدید نہ سمجھے۔ رہا فرانس، تو میں اور تم دونوں جانتے ہیں کہ وہاں کے اصولی (ریڈیکلز) اور دشمنانِ مسیحیت کے گروہ جو اس وقت دوسروں سے قوی ہیں، انگلستان کی جانب میلان رکھتے ہیں لیکن جنگ کے مخالف ہیں کیونکہ ایک فتح مند سپہ سالار اِن مرِل غیر مصافیوں کی جمہوریت کا جب چاہے قلع قمع کر سکتا ہے۔ خود یہ اذعان کہ فرانس لڑائی سے الگ رہنا، بلکہ انگلستان کو اپنی سفارتی مدد دینا چاہتا ہے، انگلستان کی حکمت عملی میں موجودہ غیر معمولی اور وحشیانہ اطمینان پیدا کر رہا ہے۔ لہٰذا جس وقت فرانس کو صاف صاف طور پر پیٹرس برگ یا لندن کا ساتھ دینے پر مجبور کیا جائے گا، تو پھر یہ عجیب وغریب صورت حال ہرگز نہ رہے گی۔ اگر تم اور ہم شانہ بہ شانہ صف آرا ہوئے تو فرانس کو شریک ہونا واجب ہوگا۔ اس سے غیر جانبداری کی نام نہاد خلاف ورزیوں کی گھڑی ہوئی شکایتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور جب یہ بات پوری طرح تکمیل کو پہنچ گئی، تو میں امید کرتا ہوں کہ میں امن قائم رکھ سکوں گا اور تمھیں جاپان سے بے روک ٹوک بھگت لینے کا موقع مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ فرانس سے سلسلہ جنبانی ہم اسی وقت کر سکیں گے جب کہ بحر شمالی کا یہ اُکتانے والا قضیہ، جیسے

---

[1] عہد نامۂ بجورکو کا حیرت انگیز قصہ دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو قیصر کے خطوط زار کے نام" برنس ٹین کے تارے ہوئی نیکی کرس پونڈینس"" از ودسکی کے میموائرز" وغیرہ وغیرہ۔

میں خوش ہوں کہ تم نے عدالت ہیگ کے فیصلہ پر محول کر دیا لازماً ختم ہو جائے۔ عہد نامے کا مسودہ ملفوف کرتا ہوں۔ خدا کرے تمھارے حسب منشا ہو۔ اس کی کسی کو، حتیٰ کہ میرے دفتر خارجہ کو بھی خبر نہیں ہے۔ سارا کام میں نے اور بیولاو نے خود بیٹھ کر کیا ہے۔

مسودے کا مضمون

"دونوں شہنشاہ جنگ کو مقامی رکھنے کی غرض سے ایک دفاعی اتحاد کی حسب ذیل دفعات طے کرتے ہیں:

(۱) اگر ایک پر کوئی یورپی سلطنت حملہ کرے گی تو دوسرا اپنے حلیف کی مدد کرے گا۔ ضرورت کے وقت دونوں حلیف مل کر بھی کام کریں گے تاکہ فرانس کو عہد نامۂ روس و فرانس کے فرائض یاد دلائے جا سکیں۔

(۲) بطور خود کوئی حلیف علیحدہ صلح نہ کرے گا۔

(۳) مدد کے وعدے میں ایسے افعال بھی شامل ہیں، جیسے حالت جنگ میں حلیف کو کوئلہ پہنچانا، جن کے متعلق جنگ کے بعد کوئی تیسری طاقت غیر جانب داروں کے حقوق کی خلاف ورزی کا بہانہ بنا کے شکایتوں کا موقع پا سکتی ہے۔"

زار نے یہ مسودہ ایک فقرہ بڑھا کے واپس کیا جس میں قیصر کو پابند کیا گیا تھا کہ روس جنگ میں جو علاقے جیتے قیصر ان کی مدافعت کرے گا۔ قیصر نے جواب دیا "اگر یہ بات ظاہر ہوئی تو دنیا یہ نتیجہ نکالے گی کہ دفاعی اتحاد کی بجائے ہم نے ایک قسم کی سند یافتہ شرکت مرتب کی ہے جس کا منشا ملک ستانی ہے اور جس کے پردے میں ممکن ہے جرمانیہ کے مالی نفع کے خفیہ فقرات بھی ہوں غرض بہتر یہ ہو گا کہ صرف اس وعدے پر اکتفا کی جائے کہ جرمانیہ کسی ایسی تجویز کی تائید نہ کرے گی جس کا مقصد روس کو فتح کے ثمرات سے محروم کرنا ہو" اس کے آگے قیصر نے برطانی بھیڑیئے کو بھٹ میں رو کے رکھنے کی اور صلاحیں بھی دی تھیں۔ یعنی لکھا کہ "ایک چلتی ہوئی تدبیر برطانی اکڑفوں مٹانے کی یہ ہو گی کہ ایران و افغانستان کی سرحد پر کوئی جنگی مظاہرہ

کیا جائے جہاں انگریز یہ سمجھ رہے ہیں کہ تم دوران جنگ میں فوج لے کے آہی نہیں سکتے اگر تمھاری فوج ہندوستان پر واقعی حملہ کرنے کے لئے کافی نہ ہو تو ایران کے لئے جس کے پاس کوئی فوج نہیں، بہت ہے۔ اور ایران کی طرف سے سرحد ہندوستان پر دباؤ ڈالا گیا تو لندن کے شوریدہ سر طالبان جنگ کے ہوش و حواس درست کرنے میں نہایت کارگر ہوگا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہی چیز ہے جس سے ان کی جان پر بنتی ہے اور تمہارے ترکستان کی جانب سے ہندوستان میں اور ایران کی طرف سے افغانستان میں گھس آنے کا خوف ہی سبب ہوا کہ تین ہفتے پہلے جبل الطارق اور برطانی بیڑے کی توپیں خاموش رہیں۔ عہدنامے کا ترمیم یافتہ مسودہ تمھاری مرضی کے مطابق ہو تو اس پر بلاتامل دستخط ہو سکتے ہیں۔ خدائے تعالےٰ نے اپنی رحمت سے ہمیں صراط مستقیم دکھائے کہ جنگ کی پرخار وادی سے گزر جائیں اور وہی عز اسمہٗ ہماری تدبیروں میں برکت دے۔

روس و فرانس

زار نے ۲۳ نومبر کو بذریعۂ تار ترمیم مسودے کی رسید کے ساتھ لکھا کہ دستخطوں سے پہلے مناسب ہوگا کہ فرانسیسی اسے دیکھ لیں۔ قیصر نے جواب دیا "مجھے کامل وثوق ہے کہ جب تک ہم دونوں دستخط نہ کرلیں فرانس کو خبر کرنا سراسر خطرے کی بات ہوگی۔ فرانس کو اگر کوئی شئے مجبور کرسکتی ہے کہ وہ انگلستان پر امن سے رہنے کا دباؤ ڈالے تو وہ صرف یہ علم الیقین ہے کہ ہم دونوں بروے معاہدہ ایک دوسرے کو مدد دینے کے پابند ہو چکے ہیں۔ اگر فرانس کو علم ہوا کہ روس و جرمانیہ کا معاہدہ ہنوز تجویز کی صورت رکھتا ہے تو وہ فوراً انگلستان کو خبر کرے گا جو اس کا خفیہ حلیف نہیں تو دوست ضرور ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ انگلستان و جاپان فی الفور جرمانیہ پر یورپ اور ایشیا میں بھی حملہ کردیں گے۔ ان کی بحری قوت کہیں زیادہ ہے اور وہ میرے مختصر بیڑے کا بہت جلد کام تمام کر ڈالے گی۔ غرض فرانس کو پہلے سے اطلاع دینا مصیبت کو گھر لانے کے مرادف ہوگا۔ اس سے کہیں زیادہ محفوظ صورت یہ ہے کہ عہدنامہ کرنے ہی سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔"

(۳) دسمبر کو خبر شائع ہوئی کہ ایک جرمن جہاز "فورین ان لسٹ مینٹ ایکٹ"

کے ماتحت کارڈف میں کوئلہ لینے سے روک دیا گیا کیونکہ اس بیں جو مال اسباب تھا اس کی نسبت باور کیا جاتا تھا کہ وہ روسی بیڑے کے واسطے بھیجا جا رہا ہے۔
بیڑے کی زغال رسانی

اس پر قیصر نے فوراً پیپر و گنڈے پر زور ڈالنا شروع کیا اور ۲۰ دسمبر کو لکھا کہ حکومت برطانیہ سمجھتی ہے کہ تمھارے بیڑے کو کوئلہ پہنچانے کے خلاف کارروائی کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ اس حیلے کی آڑ میں کہ غیر جانبدار رہنا اس کا فرض ہے، اس نے جرمن جہازوں کو برطانی بندرگاہوں سے جانے سے حکماً روک دیا ہے خود وہ ہیمبرگ امریکہ لائن کے ہوں یا اس کا اجازت نامہ رکھتے ہوں۔ مجھے اسی صورت کے پیش آنے کا ڈر تھا اور وہی اب پیش آگئی ہے چنانچہ مجھے اب جرمانیہ کا آئندہ طریق عمل معین کرنا پڑے گا۔ میری ہرگز یہ نیت نہیں ہے کہ تمھیں عہدنامے کے بارے میں جواب دینے کے لئے جلدی کر کے گھبرا دوں مگر اس حقیقت سے یقیناً تم بخوبی آگاہ ہو گئے کہ اب مجھے قطعی اور حتمی طور پر علم ہونا چاہیے کہ اگر روسی بیڑے کی زغال رسانی کی بنا پر انگلستان و جاپان مجھ سے جنگ کریں تو کیا تم مجھے تنہا بغیر امداد کے چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اگر تم اپنے آپ میں یہ ذمہ لینے کی قابلیت نہیں دیکھتے کہ ایسی جنگ میں میرے دوش بدوش ہو کر ثابت قدمی سے لڑو گے، تو میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے بلا تاخیر جرمن جہازوں کو ممانعت کرنی پڑے گی کہ وہ تمھارے بیڑے کو کوئلہ پہنچانے کا سلسلہ موقوف کر دیں" چنانچہ ۱۱ دسمبر کو ایک اقرار نامے پر دستخط ثبت ہو گئے جس میں روس نے وعدہ کیا کہ وہ جرمانیہ کے "دوش بدوش استادہ ہو گا اور جرمانیہ نے بیڑے کو کوئلہ پہنچانے کا ذمہ لیا۔ مگر یکم جنوری ۱۹۰۵ء کو بندر آرتھر تسخیر ہوا تو روسی جہازوں کا مدغاسکر سے بحری سفر زیادہ خطرناک ہو گیا اور قیصر نے تجویز کی کہ روس جرمن زغال برداروں کو خرید لے روسیوں کے پاس ملاح نہ تھے کہ ان جہازوں کو سنبھالتے لہٰذا ہیمبرگ امریکہ کمپنی کے کارپرداز بالین کو جواب دے دیا گیا کہ تم جو کچھ کرو اس کام کی ذمہ داری اور جوکھوں خود تمھیں اٹھانا پڑے گا۔ ادھر ملکی عہد نامے کا مسودہ کئی مہینے تک پڑا سوتا رہا۔

سقوط بندر آرتھر کے بعد صدر جمہوریہ روز ویلٹ نے غیر سرکاری طور پر روس کو صلح کر لینے کا مشورہ دیا مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا لیکن ۳۱ رمئی کی سوشیما پر سب سے نمایاں فتح کے بعد جاپان نے بصیغۂ راز صدر سے استدعا کی کہ متخاصمین کو نامہ و پیام کی دعوت دے۔ زار نے اصولی طور پر اسے مان لیا اور بتاریخ ۸ رجون روز ویلٹ نے اسی مضمون کی استدعا تار پر کی اور وقت و مقام تعین کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ فرانس و جرمانیہ تو پہلے ہی سے روس سے اصرار کر رہے تھے کہ صلح کر لی جائے، روز ویلٹ نے اشارہ کیا کہ لارڈ لینس ڈاون بھی جاپان پر زور ڈالے۔ لیکن انگریز وزیر خارجہ نے

عہدنامہ پورٹس متھ

اسے قبول نہ کیا اور متحاربین پورٹس متھ میں جمع ہوئے اور صدر نشین روز ویلٹ نے اس کوشش میں کہ انقطاع گفتگو کی نوبت نہ آئے۔ بڑی جوانمردی سے کام لیا۔ اس وقت بھی انگریز اس قابل نہ ہوئے کہ اس کی تائید کرتے۔ چنانچہ روز ویلٹ نے ۲۳ اگست کو لکھا کہ حکومت انگلستان نادانی سے تامل کرتی رہی کہ جاپان کو اعتدال و معقولیت سے کام لینے کی رائے دے" پھر ۱۱ ستمبر کو جب عہد نامے پر دستخط ہو گئے تو وہائٹ لارڈ سے اس نے کہا کہ قیصر تو سرہنگ کی طرح برابر میرے ساتھ استادہ رہا[1]

ہر چند برطانی حکومت نے اپنے فتحمند حلیف پر زور ڈالنے سے ابا کیا تاہم ایک کارروائی ایسی کی جس سے جاپان کے اپنے مطالبات کم کرنے پر رضامند ہو جانے میں مدد ملی یعنی گو معاہدہ ۱۹۰۲ء پانچ سال کے واسطے مرتب ہو چکا تھا مگر اب بتاریخ ۱۲ راگست ۱۹۰۵ء لندن میں ایک اور عہد نامہ دس برس کے لئے کیا گیا جس کا دائرۂ اثر پہلے کی نسبت زیادہ وسیع تھا اور اس میں کوریا کو جاپان کے تفویض کر دینے کے علاوہ دو نئے اصول پیش کئے گئے جو برطانیہ کے حق میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ اول تو یہ کہ معاہدہ کی وسعت

---

[1] بشپ: "تھیوڈور روز ویلٹ" جلد اول۔ باب ۳۱ و ۳۲۔

اتنی بڑھادی گئی کہ ہندوستان بھی اس میں آگیا اور اس طرح ۱۹۰۲ء کے عہدنامے کی نسبت جو عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ اس میں فریقین کے فوائد مساوی رکھنے کا لحاظ نہیں کیا گیا، وہ سقم دور ہو گیا ۔ دوسرے یہ کہ فریقین میں سے کسی پر کوئی ایک سلطنت بھی حملہ کرے تو دوسرا حلیف مدد کو آئے گا اور یہ وہ شرط تھی جس سے نہ صرف ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئیں بلکہ اس میں یہ پابندی بھی مضمر تھی کہ اگر ہمارے اتحادی اور ولایات متحدہ امریکہ میں جنگ ہو جائے، تو ہم کو بھی اس میں حصہ لینا پڑے ۔ لارڈ لینس ڈوون نے سر چارلس ہارڈنگ کو ہدایت کی کہ اس جدید عہدنامے کی (حکومت روس کو) اطلاع کر دے ۔ جس کا مقصد خالصتہً صلح جویانہ ہے اور جو ان حقوق و فوائد کے تحفظ میں ممد ہو گا، جن کے جواز و صحت میں کسی شک و گفتگو کی گنجائش نہیں، مگر دوسری مرتبہ جب ملاقات ہوئی تو لامس ڈورف نے بتایا کہ زار سے لے کے ادنیٰ آدمی تک یہ سمجھتا ہے کہ یہ معاہدہ روس کے مقابلے میں کیا گیا ہے ۔ انگریزی سفیر نے جواب دیا کہ ہندوستان کا ذکر آجانے سے ایسا خیال ہو تو ہو، ورنہ یہ عہدنامہ سراسر دفاعی ہے ۔ ان اطمینان دہانیوں کا زار پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ در اصل اسی زمانے میں اس نے جرمانیہ سے وہ عہدنامہ مرتب کر لیا تھا، جس پر گذشتہ تعریف میں بحث ہوتی رہی ۔

بجورکو کی ملاقات

۱۹ جولائی کو قیصر نے زار کو سویڈن کی ایک بندرگاہ سے جہاں وہ شاہ سویڈن سے مل نے گیا ہوا تھا، تار دیا کہ "خلیج فن لینڈ کے دروازے سے گزرنا اور تم کو دعا پیار نہ لکھنا، مجھ سے ممکن نہ ہوا ۔ اگر تمھیں ذرا بھی میرے ملنے کی خوشی ہو، تو ظاہر ہے کہ میں حاضر ہوں "۔ زار نہایت "مسرور" ہوا اور وی برگ کے قریب بجورکو میں ملاقات تجویز کی چنانچہ بتاریخ ۲۳ جولائی شاہی نواڑے وہاں آپہنچے ۔ قیصر نے صلاح دی تھی کہ یہ آمد بغیر سرکاری رسوم و ضوابط کے محض ایک سیدھے سادے "سیاح" کی سی ہونی چاہئے اور اسی لئے زار کسی سیاسی مشیر کو بھی اپنے ساتھ نہیں لایا ۔ تاہم ان فرماں رواؤں نے باہم طے کر لیا کہ اگر برطانیہ بالٹک پر

حملہ کرے تو ہم اپنی اغراض کا دفاع کریں گے اور جنگ کے زمانہ تک کے لئے ڈنمارک پر قبضہ رکھیں گے۔ پھر قیصر نے ایک عہد نامہ کا مسودہ نکالا اور زار کو ترغیب دی کہ اس پر دستخط کر دے۔ یہ ہوہن زولرن جہاز پر ۲۴ جولائی کا واقعہ ہے قیصر کو اصرار تھا کہ گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہوں چنانچہ اس میثاق پر چرسکی اور امیر البحر بیری لف نے بھی ایک طرف دستخط کر دئیے۔ امیر البحر نے تو دستاویز کو خود پڑھا بھی نہیں، جس کا مضمون یہ تھا:۔

(۱) اگر کوئی یورپی سلطنت فریقین میں سے ایک پر حملہ کرے گی تو دوسرا فریق اپنی تمام فوجوں سے اس کی مدد کرے گا۔

(۲) کوئی فریق بطور خود علیحدہ صلح نہ کرے گا۔

(۳) عہد نامے کا نفاذ جاپان سے صلح ہو جانے پر ہو گا اور اسے صرف ایک سال پہلے سے اطلاع دے کر منسوخ کیا جا سکے گا۔

(۴) روس عہد نامے کی شرطوں سے فرانس کو آگاہ کرے گا اور ساتھ ہی ساتھ استدعا کرے گا کہ بہ حیثیت حلیف کے وہ بھی اس پر دستخط کر دے۔

قیصر اپنی اس کاریگری پر بہت خوش خوش گھر واپس آیا اس نے لکھا کہ "یہ اتحاد روس کے حق میں بہت کارآمد ہو گا کہ اس سے لوگوں کی پریشاں خاطری دور ہو جائے گی اور امن یورپ کے قیام کی نسبت زیادہ اطمینان پیدا ہو گا اور ممالک غیر کے سرمایہ داروں کو ہمت ہو گی کہ بلاد روس تک رسائی حاصل کرنے کے جدید وسائل پر سرمایہ مہیا کر دیں حتیٰ کہ کچھ مدت بعد عجب نہیں کہ خود جاپان اس میثاق میں شریک ہونے پر مائل ہو۔ اس سے انگلستان کی ہمہمی اور بیہودگی کا جوش فرو ہو جائے گا۔ غرض ۲۴ جولائی کا دن سیاسیات یورپ میں ایک نیا سنگ منزل اور دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا ورق الٹتا ہے یعنی اس کا جو برّ اعظم کی دول عظمیٰ میں امن و مواخاۃ کا باب ہو گا جس وقت اس شیرازہ بندی کی خبر عام ہو گی، ہالینڈ، ڈنمارک، بلجیم، سویڈن اور ناروے، سب کے سب اس جدید نقطۂ تجاذب کی طرف کھنچ آئیں گے پھر وہ (روس، جرمانیہ، فرانس، آسٹریہ اور اطالیہ کی) بڑی طاقتوں کے

دائرۂ فلکی میں گردش کریں گے"، خلاصہ یہ کہ معلوم ہوتا تھا قیصر کا دیرینہ خواب کہ انگلستان کو اپنے مرتبے پر رکھنے کی غرض سے دول یورپ جرمانیہ کی سیادت میں متحد ہو جائیں عمل میں آگیا۔

ویٹ کی واپسی

ایک مہینہ ہوا تھا کہ ویٹ کو امریکہ سے واپس آتے وقت قیصر نے رومن ٹین میں بلا بھیجا، اور زار سے اجازت لے کر اسے بتایا کہ بجور کو میں ایک دفاعی معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں جس میں شرکت کی فرانس سے استدعا کی جائے گی۔ روسی مدبّر بیان کرتا ہے کہ "یہ عجیب و غریب خبر سنانے کے بعد اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ کہیئے آپ بھی اس سے مطمئن ہیں، اور میں نے، کہ بالکل بے خبر تھا، جواب دیا کہ مجھے نہایت مسرت ہوئی"۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر فرانس کو شریک کیا جائے تو مراکش کے معاملے میں اسے زیادہ دبانا نہ چاہیئے۔ بتاریخ ۲۶ ستمبر قیصر نے تحریر کیا کہ "وہ روس و جرمانیہ و فرانس کے اتحاد کا پکّا حامی اور وکیل ہے اور اسی لئے جب میں نے بجور کو میں جو کام انجام دیا تھا اس کی خبر دی تو بہت خوش اور متعجب ہوا۔ دراصل برّاعظم کی طاقتوں کا جتھا، جس کے ایک بازو پر امریکہ ہو ساری دنیا کو جان بل کے قبضۂ مالکانہ میں جانے دینے سے روکنے کی واحد صورت ہے۔ اور جان بل بے پایاں مکرو سازش سے تمام متمدن اقوام کو ذاتی نفع کے لئے قابو میں لاکے ساری دنیا کو مزے سے ٹھگتا رہتا ہے۔ اب جب کہ نامۂ امن پر دستخط ہو گئے ہیں کیا تمہارے نزدیک یہ بات کارآمد نہ ہوگی کہ ہم بیرونی درباروں میں اپنے اپنے سفیروں کو یہ یکساں ہدایات بھیجیں کہ عام حکمت عملی کے تمام مسائل میں ہمارے سفیروں کو مل کر کام کرنا چاہیئے۔ گو عہد نامہ ہو جانے کی ان سفیروں کو خبر نہیں دی جائے گی، مشترکہ مقاصد کے لئے ایسا اشتراک دیکھکر دنیا پر یہ اثر پڑے بغیر نہ رہے گا کہ اب ہمارے تعلقات پہلے سے زیادہ قریبی و قوی ہو گئے ہیں۔ اور اس سے تمہارے فرانسیسی حلیف رفتہ رفتہ اس تغیر و تجدد کے لئے تیار ہونے لگیں گے جو ہمارے معاہدے میں شرکت کے لئے ان کی حکمت عملی میں واقع ہونا لازمی ہے"۔

ادھر قیصر ایک ایسے ثنوی اور ثلاثی اتحاد کے خواب دیکھ رہا تھا جو اس کے زیر سایہ مرتب ہو، اور ادھر زار کو اپنے چوری کے کام سے دل ہی دل میں سخت انفعال ہوتا رہا تھا۔ جب وہ بجورکو سے واپس آیا تو لامس ڈورف نے اسے کچھ سٹ پٹایا ہوا پایا اور جب جاپان کی جنگ ختم ہوئی اور اس نے چار و ناچار وہ راز وزیر خارجہ سے بیان کیا تو وزیر کو یقین نہ آیا کہ جو کچھ دیکھتا اور سنتا ہوں، وہ صحیح ہے" امیر کبیر نکولاس، وزیر جنگ اور فوجی حکام کے صدر کو بھی اطلاع دے دی گئی لیکن ویٹ کی واپسی تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ جیسا کہ اوپر تحریر ہوا، قیصر نے زار کو اطلاع دی تھی کہ ویٹ نے عہد نامہ کو پسند کیا اور خود ویٹ نے پہلی ملاقات کے موقع پر زار کو مبارک باد دی۔ نکولاس نے ویٹ کے استحسان کا لامس ڈورف سے تذکرہ کیا اس نے گھبرا کے ویٹ سے پوچھا کہ واقعی یہ بات ہے؟ ویٹ نے کہا میں نے اصل معاہدہ نہیں دیکھا ہے اور وزیر خارجہ نے اسے پیش کیا تو وہ حسب معمول پھٹ سے بول اٹھا کہ "کیا اعلیٰ حضرت کو یہ علم نہیں ہے کہ ہمارا فرانس سے بھی ایک معاہدہ ہے؟ کمزور اور فرماں بردار لامس ڈورف تک یہ صاف رائے رکھتا تھا کہ اس جدید میثاق کو باطل کرنا ضروری ہے ورنہ فرانس کو یا تو جرمن دائرۂ اقتدار میں چکر کھانا پڑے گا اور یا وہ روسی اتحاد سے ہاتھ دھوئے گا۔

زار کی پشیمانی

متلون مزاج زار پہلے ہی اپنی مشکلات کا (قیصر سے) اشارہ کر چکا تھا۔ اس پر بتاریخ ۲۹ ستمبر قیصر نے بذریعۂ تار ایک اور چھنٹا دیا کہ "معاہدے پر عمل درآمد سے روس و فرانس کے اتحاد میں کوئی خلل نہیں پڑتا بشرطیکہ یہ اتحاد صاف طور پر میرے ملک کے خلاف نہ ہوا ہو دوسرے، روس پر فرانس کی احسان مندی اور فرائض دوستی کا اسی حد تک اثر ہوسکتا ہے، جس حد تک کہ خود فرانس کا طرز عمل اس کا مستحق ہو۔ جاپان سے لڑائی کے تمام زمانے میں تمہارے حلیف نے تمہیں بھنور میں چھوڑے رکھا بجالیکہ جرمانیہ، غیر جانبداری کے قوانین سے تجاوز کیئے بغیر جس حد تک ممکن تھا تمہاری مدد کرتی رہی۔ اس سے اخلاقی طور پر بھی روس ہمارا زیر بار ہوگیا۔ میں تمہارے اس کہنے کو پوری طرح تسلیم کرتا ہوں کہ فرانس کو ہماری شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے، بہت وقت،

محنت اور صبر درکار ہے۔ لیکن مراکش کا معاملہ ضابطے میں آچکا ہے، لہذا کسی بہتر مفاہمت کا راستہ صاف ہے اور ہمارا معاہدہ ہی اس عمارت کو چننے کے واسطے بہت اچھی بنیاد بن سکتا ہے۔ ہم نے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے خدائے تعالےٰ کے سامنے عہد نامے پر دستخط کئے ہیں اور خدائے تعالےٰ نے ہمارے عہدو پیمان کو سماعت فرمایا ہے۔ پس میری دانست میں عہد نامے کے نفاذ میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہئے۔ جو لکھا جاچکا، لکھا جاچکا۔ خدائے تعالےٰ ہمارا شاہد و مصدق ہے۔

عہد نامے کی بازگشت

لامس ڈورف اور ویٹ کو روسی سفیر متعینہ پیرس کے جواب سے اور تقویت پہنچی کہ جب اسے ہدایت کی گئی کہ حکومت فرانس کو ٹٹولے تو اس نے لکھ بھیجا کہ ایسا کرنا فضول ہے کیونکہ فرانس کسی جرمن جتھے میں ہرگز شریک نہ ہوگا اور نہ اس فیصلہ کو جو ۱۸۷۱ء میں ہوا تھا جائز تسلیم کرے گا۔ تب ویٹ نے برلن کو لکھا کہ وہ میثاق واجب العمل نہیں ہے کیونکہ اس پر وزیر خارجہ کے دستخط ثبت نہیں ہیں۔ جس کا بیولاو نے جواب دیا کہ "جس پر دستخط ایک بار ہوے، سو ہوے" حتیٰ کہ ویٹ کے مشورے سے جو ۲۰ر اکتوبر کو وزیر اعظم مقرر ہوا تھا، یہ آخری کارروائی عمل میں آئی کہ زار نے معمولی سفارتی وسائط سے قیصر کے نام ایک خط بھیجا اور روسی سفیر سے ہدایت کی گئی کہ یہ بھی سنادے کہ اس معاہدے کا اس وقت تک نفاذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ روس، جرمانیہ، فرانس تینوں رضامند نہ ہو جائیں۔ نیز یہ کہ وہ اتحادِ دوتین کے معارض ہے۔ اس پر بھی معلوم ہوتا تھا کہ قیصر یہ نہ سمجھا کہ جو بازی اس نے بچھائی تھی، وہ ختم ہو گئی۔ چنانچہ ۸ر نومبر کے خط میں لکھتا ہے کہ "صدر اعظم کو میں نے تمہارے خط کے فقرے جگہ جگہ سے پڑھ کر سنائے تو اس نے مجھے بتایا کہ ہمارا خالص دفاعی قول و قرار کسی طرح تمہارے فرانس سے معاہدے کے منافی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر منافی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ روس فرانس کی مدد کرنے کا پابند ہو چکا ہے گو فرانس خود جرمانیہ سے زبردستی جنگ پر آمادہ ہو۔ ورنہ اگر تمہارا فرانس سے معاہدہ خالصتہً دفاعی ہے، تو ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہوگا۔" البتہ جب

لامس ڈورف کی ہدایات جو مشاورۂ الجزائر کے روسی مندوب کو دی گئی تھیں شائع ہوئیں اور ان سے ظاہر ہوگیا کہ روس نے جرمن قیادت کے حلقے سے اپنی گردن نکال لی ہے۔ تو صرف اس وقت قیصر پر منکشف ہوا کہ وہ نامۂ اتحاد رفت وگزشت ہو چکا ہے۔ اس طرح معاہدۂ بجور کو جس پر دغابازی سے دستخط کرائے گئے اور پھر فوراً اس کی تکذیب ہوئی، اس کا الٹا ایک سبب ثابت ہوا کہ روس کی حکمت عملی کا رخ آیندہ دوسری طرف پھیر دے۔[1]

قیصر سے میثاق کو فسخ و باطل کر کے زار برطانی سفیر سر چارلس ہارڈنگ سے ان مسائل پر گفتگو کرنے لگا، جو روس و برطانیہ میں مابہ النزاع تھے۔ بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء سر ایڈورڈ گرے نے سٹی لبرل کلب کی تقریر میں بیان کیا کہ جنبیت کی جڑیں محض عہد ماضی میں گڑی ہیں۔ پھر اس نے دونوں حکومتوں پر زور دیا کہ باہمی اعتماد کو ترقی دیں۔ چند ہفتے گزرے تھے کہ یہی مقرر وزیر خارجہ کے عہدے پر مامور ہوا اور البرٹ ہال کی تقریر میں کیمبل بنرمین نے اپنے نظام عمل کے دوران میں اعلان کیا کہ نئے وزراروسی قوم سے بجز حسن ظن کے اور کوئی خیال نہیں رکھتے الجزائر کی مجلس مشاورۃ نے اشتراک اور باہمی مشورے کا حسب دلخواہ موقع بہم پہنچایا۔ برطانی مندوب، سر آرتھر نکولسن، پہلے ہی اپنا بنا لیا گیا تھا اور روسی وکیل کسونٹ کاسینی سے اسکی جو باتیں ہوئیں انہیں سرڈونالڈ میکنزی والس نے بھی حصہ لیا جو اہل برطانیہ میں روس کے حالات کا سربرآوردہ مبصر تھا اور دربار روس میں اسکی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ اسی زمانہ میں ترکی نے طابہ پر قبضہ کر کے برطانیہ کے قبضہ مصر کو ٹوکا، تو روسی سفیر استنبول نے باب عالی کو اطلاع دے دی کہ حکومت روس برطانی دعاوی کی موید ہے۔

برطانیہ کی عام رائے ۱۹۰۵ء کی اصلاحی تحریک کی خیر طلب تھی اور مئی ۱۹۰۶ء میں ڈیوما کے موعودہ افتتاح کی بے غرضانہ اطمینان کیساتھ مشتاق ہوئی لیکن روس کے حکمراں طبقے جب تک باہر سے

روسی قرضہ قرضہ طے جاتا اس وقت تک اس جدید مجلس مبعوثین کو دور رہی دور روکے رکھ سکتے تھے۔ اور ادھر جنگ جاپان سے جو مالی پریشانی

[1] یہ بات کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ مصنف نے اس بیان میں رنگ آمیزی اور کھلے ہوئے تعصب سے کام لیا ہے۔ وہ قیصر کی دغابازی یا فتنہ انگیزی کا ایک ثبوت بھی نہیں پیش کر سکا، بلکہ خود اسکے طعن آمیز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیصر کی کوشش فی الواقع امن و مصالحت کی غرض سے تھی۔ مترجم۔

پیش آئی۔ وہ متقاضی تھی کہ نہایت معقول رقم قرض لی جائے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ویٹ نے وزیراعظم مقرر ہوتے ہی بین الاقوامی قرضے کے لئے نامہ و پیام شروع کئے[1] حکومت فرانس سے طبعاً توقع ہوتی تھی کہ اس قرض میں سب سے زیادہ حصہ لے گی لیکن جب تک مراکش کا قضیہ ختم نہ ہوا وہ ادھر توجہ نہ کرسکی دوسرے وزیر خزانہ پوانکار کو شبہ تھا کہ روسی حکومت ڈیوما کی منظوری کے بغیر قرض لے لینے کا قانوناً حق بھی رکھتی ہے یا نہیں؟ بالآخر عہدنامہ الجزائر پر دستخط ہو گئے اور اصول قانون کے ماہر ماہرین نے قانونی مسائل طے کر دیئے، تو اس وقت قرض کے تعہد نامے کی بتاریخ ۳ اپریل پیرس میں تکمیل ہوگئی۔ ویٹ ازراہ تفاخر لکھتا ہے کہ "اقوام جدید کی تاریخ میں یہ سب سے بڑا بیرونی قرضہ تھا اور اس کے وسیلہ سے روس نے سکہ طلائی کا عیار بجنسہ قائم رکھا اور (جاپان کی) جنگ شوم اور اس لایعنی فساد کے بعد بھی، جسے انقلاب سے موسوم کیا گیا، وہ اس لائق ہو گیا کہ پہلی سی قوت دوبارہ حاصل کر لے۔ غرض اس قرض نے حکومت کو سارے گرم و سرد زمانے کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا دیا"۔ جرمن حکومت نے منصوبۂ بجوزکو کے درہم برہم ہو جانے کے انتقام میں، اہل جرمانیہ کو شرکت سے منع کر دیا اس کے برخلاف برطانی سرمایہ نے جنگ کریمیہ کے بعد پہلی دفعہ روسی قرض میں حصہ لیا۔ شرکت کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ اس کے خلاف نہ صرف لندن بلکہ خود پیرس و پیٹروگریڈ میں صدائے تنبیہ بلند ہوئی تھی۔ جریدۂ لا اورہ میں کلیمنسیو نے اپنے ہموطنوں کو خبردار کیا تھا کہ ان جدید قرضوں میں، جن سے زار کی اپنی رعایا پر فتح یقینی ہو جائیگی، حصہ لینے سے باز رہیں۔

پہلی ڈیوما

ٹائمز کے نامہ نگار پیٹروگریڈ نے بتاریخ ۹ اپریل تحریر کیا کہ فریق مقابل کے اخبارات ڈیوما کا اجلاس ہونے سے پہلے ہی برابر اس جدید قرض کے خلاف شرر فشانی کر رہے ہیں۔ انھیں خوف ہے کہ حکومت کے ہاتھ میں اتنی رقم کثیر آگئی تو وہ ڈیوما کو دہشت زدہ کرنے کی کوشش کرے گی" اور ان اخباروں کے یہ اندیشے بہت کچھ حقیقت پر مبنی تھے۔ ڈیوما کا ۹ مئی کے دن اجلاس شروع ہوا اور چند ہی روز میں یعنی بتاریخ

[1] ویٹ: "میموائرز"، باب دوم۔

۲۲ جولائی، اسے برطرف بھی کر دیا گیا۔ ٹائمز جو اس وقت تک روسیوں کا مخالف اخبار تھا لکھتا ہے کہ "حکومت کے اس خود رائی کے فعل سے ان مصلحتوں کے قول کی پوری طرح صداقت ثابت ہوتی ہے جنھوں نے مغرب میں آئینی آزادی کے ہوا خواہوں سے التجا کی تھی کہ مطلق العنانی کو اور زیادہ روپے نہ دیئے جائیں۔ روسی حکومت نے اپنا قرض جن طریقوں سے حاصل کیا ہے، اب غیر معمولی طور پر ان میں اور چھوٹے حیلوں میں تشابہ نظر آتا ہے۔ لیکن ایسی تدبیریں ہمیشہ کام نہیں دے سکتیں ایک جھنجلائی ہوئی قوم کو وہ کب تک قابو میں رکھنے کی امید کر سکتے ہیں؟" انفساخ ڈیوما کی خبر لندن میں عین اس وقت پہنچی جب کہ پارلیمنٹ کی مختلف جماعتوں کی انجمن اتحاد کا جلسہ ہونے والا تھا۔ اور کیمبل بنرمین نے خطبۂ افتتاحیہ میں چند فقرے اور اضافہ کر دیے جن میں ایک طرف تو حکومت روس کو جہراً تنبیہ کی گئی تھی اور دوسری طرف روسی قوم کے نام ایک پیام امید تھا کہ "ڈیوما مُردہ۔ زندہ باد ڈیوما"

مگر دونوں حکومتوں کے باہمی نامہ و پیام جاری رہے اور لامس ڈورف کی جگہ اِزوولسکی نے لی تو وزارت خارجہ پر ایک ایسا مدبر آیا جو پہلے سے اتحاد ثلاثہ کی ضرورت کا اذعان رکھتا تھا۔ چنانچہ اہرنتھل نے اس تقرر کی خبر سن کر رائے ظاہر کی کہ "اب روس ایک نئی پلٹی لے گا کیونکہ وہ (یعنی ازوولسکی) انگلستان کی طرف مائل ہے" مئی ۱۹۰۷ء میں اخبار ٹائمز نے اشارۃً لکھا کہ ایک اقرار نامے کی تکمیل ہونے والی ہے۔ وزیر خارجہ نے جواب میں بیان کیا کہ ایسی کوئی دستاویز وجود نہیں رکھتی۔ لیکن مجھے یہ اضافہ کر دینا واجب ہے کہ دونوں ملکوں میں یہ میلان پایا جاتا ہے کہ مشترکہ اغراض کے جو مسائل پیدا ہوتے رہیں، ان میں دونوں ملک دوستانہ طرز اختیار کریں۔ اس میلان کا نتیجہ تھا کہ حال میں ایک سے زیادہ مواقع پر دونوں حکومتوں نے اشتراک کیا یہ ایسا میلان ہے جسے ہم خوش ہو کے ترقی دیں گے، اور اگر یہ قائم رہا تو قدرتی طور پر مسائل کا بتدریج حل اور ان حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کی تقویت، اس میلان کا نتیجہ ہوگی۔"

بتاریخ یکم فروری ۱۹۰۷ء، روسی وزرا کا ایک جلسہ ہوا کہ اس مسئلے کے ایرانی پہلو پر بحث کرے[1] اِزوولسکی نے صراحت کی کہ انگلستان ایران کو

[1] سائی برٹ ..... ۳۱۵ تا ۹۱۹ -

روس اور بغداد

حلقہ ہائے نفوذ میں تقسیم کرنے کی تجویز کرتا ہے۔ تھوڑے دن پہلے تک روس کی رائے عامہ اس خیال کی مطلق حامی نہ تھی اور سرکاری حلقے وثوق رکھتے تھے کہ ایران کو تمام و کمال روس کے زیر اقتدار آنا چاہیئے اور روس کو ایران کے وار پار ریل لے کے خلیج فارس کے کسی قلعہ بند مرکزی مقام تک بڑھ جانا چاہیئے۔ مگر تازہ واقعات اس خیال کا ناممکن ہونا بتا چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ ہر ایسی بات سے جو انگلستان سے تصادم کا موجب ہو، احتراز کرنا لازم ہے۔ بہترین صورت یہی ہے کہ نفوذ کے حلقوں کی حدبندی کر دی جائے۔ پھر اس نے مسئلہ ایران کے تصفیئے اور بغداد ریلوے کے درمیان جو قوی تعلق تھا، اس کا تذکرہ کیا کہ انگلستان سے جو فیصلہ کیا جائے اس سے حسب لخواہ نتائج اسی صورت میں برآمد ہو سکتے ہیں جبکہ جرمانیہ کو مخالفت کا موقع نہ دیا جائے جو ابھی سے انگلستان و روس میں رابطہ اتحاد کا امکان دیکھ کر پریشان ہو رہی ہے۔ اسی بنا پر میں نے برلن کو اطمینان دلایا ہے کہ روس کوئی ایسی ذمہ داری جس کا کسی طرح بھی جرمن اغراض و مفاد سے تعلق ہو، پہلے سے مفاہمت کئے بغیر اپنے اوپر عائد نہیں کرے گا۔ غرض جرمنوں سے سمجھوتا ہو جانے کی ضرورت ہے۔ آج تک روسی بغداد ریلوے کے بننے میں رکاوٹیں ڈالتے رہے مگر وزرا کو اب فیصلہ کرنا چاہیئے کہ آیا اس طرزِ عمل کو بدلنا دانشمندی ہے یا نہیں؟ وزیر خزانہ کوکوسٹ سف نے جرمانیہ سے مفاہمت ہو جانا تو پسند کیا مگر حجت کی کہ ریل کے بننے میں جو اعتراضات پہلے تھے وہ پھر بھی باقی رہتے ہیں۔ اس کی بدولت عراق عرب اور ایشیاء کوچک مالامال ہو کر روسی غلہ کی تجارت برآمد کے حریف بن جائیں گے اور سرحدِ ایران کی طرف اس کی شاخیں بن جانے سے جرمن اور انگریزی مصنوعات روس کے حلقہ رسوخ تک پہنچنے لگیں گی اور شمالی ایران میں اس کے فوائد کو معرض خطر میں ڈال دیں گی لیکن چونکہ ریل کی تعمیر کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا اسے چار و ناچار قبول کر لینا واجب ہے البتہ اس کا عوض حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ وزیر تجارت وزیر جنگ اور فوج کے اعلیٰ حکام نے بھی مان لیا کہ اب تو مساوضے کی فکر

کرنی چاہیئے۔

بغداد ریلوے کے متعلق برلن و پیٹرو گریڈ میں تو ۱۹۱۱ء تک نامہ و پیام ہی ہوتے رہے مگر انگلستان و روس کے باہمی تصفیے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی اور بتاریخ ۳۱ اگست ۱۹۰۷ء سر آرتھر نکولسن اور ازوولسکی نے پیٹرو گریڈ میں ایک عہدنامہ پر دستخط کر دیئے۔ لارڈ سالسبری کے اس مشہور قول پر کہ ہم نے مشرق ادنیٰ میں ہارنے والے گھوڑے پر شرط لگادی، یورپ کی کشاکش ختم ہوئی اور ادھر انگلستان و جاپان کے اتحاد اور جاپان سے روس کے شکست کھانے سے مشرق اقصیٰ میں جو اندیشے تھے، وہ دور ہو گئے۔ اس طرح ۱۹۰۷ء کے میثاق نے ۱۹۰۴ء والے کی نسبت محدود الاثر ہونے کے باوصف وہی نتیجہ پیدا کیا کہ وہ تاریخی حریفوں کے درمیان سے اسباب عناد و شقاق کا ازالہ کر دیا۔

عہدنامۂ انگلستان وروس

تین قول و قرار میں سے پہلا اور سب سے اہم ایران سے تعلق رکھتا تھا۔

"برطانیہ اور اس کی حکومتیں ایران کی صیانت و آزادی کی باہم پابند ہو کر اور اس مخلصانہ آرزو کے ساتھ کہ ملک بھر میں امن قائم اور خیر و خوبی سے ترقی ہوتی رہے نیز تمام دوسری قوموں کو تجارت و صناعت کے مساوی فوائد کے مستقل اسباب بہم پہنچائے جائیں اور یہ پیش نظر رکھکر کہ جغرافی اور اقتصادی وجوہ نے ان دونوں سلطنتوں کو خاص طور پر غرض مند بنادیا ہے کہ ایران کے خاص خاص صوبوں میں جو ایک طرف سرحد روس کے قریب یا متصل ہیں اور دوسری طرف افغانستان و بلوچستان کے نزدیک یا ملے ہوئے ہیں، امن و انتظام قائم رہے۔ اور اس خواہش کی بنا پر کہ مذکورۂ بالا صوبوں میں متعاہدین میں ہر ایک حقوق و فوائد کے درمیان جو نزاعی اسباب ہوں ان سے کنارہ کشی کی جائے۔ حسب ذیل شرائط قبول کرتے ہیں۔

فقرات متعلقۂ ایران

۱۔ برطانیہ ذمہ لیتی ہے کہ اس خط کے ماوریٰ، جو بغداد سے گزر کر قصر شیریں تک کھینچا جائے اور اصفہان اور یزد اس کے اندر داخل ہوں اور وہ ایرانی سرحد کے اس نقطے پر منتہی ہو جہاں روس و افغانستان کی سرحد آملی ہے کسی قسم کی سیاسی یا تجارتی مراعات کے

در پے نہ ہوگا اور نہ اس قسم کے ان مراعات کی جن کی روسی حکومت پشت پناہی کرے اس علاقے میں مزاحمت کرے گا۔
(۲) حکومت روس ذمہ لیتی ہے کہ وہ اس خط کے پار کسی قسم کی مراعات نہیں چاہے گی جس کے اندر گزک، برجند اور کرمان داخل ہیں اور جو بندر عباس پر ختم ہوتا ہے۔ اور اگر اس خطے میں برطانی حکومت کی تائید سے کسی رعایت کا مطالبہ کیا جائے گا، تو روس مزاحمت نہ کرے گا۔
(۳) روس و برطانیہ شرط کرتے ہیں کہ ان خطوں کے درمیان، جن کا فقرہ اول وثانی میں ذکر ہے، اگر کوئی روسی یا برطانی باشندہ رعایت حاصل کرے تو پہلے سے قرارداد ہوئے بغیر ان میں سے کوئی حکومت، اس کی مخالفت نہ کرے گی۔"
خلاصہ یہ کہ ایران کو ایک کلاں تر روسی اور چھوٹے سے انگریزی حلقہ اقتدار میں تقسیم کردیا گیا اور بیچ میں ایک علیحدہ ٹکڑا خالی چھوڑ دیا جس میں دونوں ملکوں کو مساوی مواقع مل سکیں۔
سر ایڈورڈ گرے کے ایک خط بنام سر آرتھر نکولسن میں اس بات کی وجوہ لکھی تھیں کہ معاہدے میں خلیج فارس کو کیوں نہیں شامل کیا گیا۔
"ایران کے متعلق جو انتظام کیا گیا ہے وہ اس ملک کے ان خطوں تک محدود ہے جو برطانیہ کے ایشیائی مقبوضات یا ایشیائی روس کی اپنی اپنی سرحد سے متصل ہیں۔ خلیج فارس ان خطوں میں شامل نہیں اور خالص ایرانی علاقہ ہے پس یہ مناسب محل نہیں سمجھا گیا کہ خلیج فارس میں برطانیہ کے جو خاص حقوق ہیں ان کی نسبت اس معاہدے میں کوئی ایجابی اعلان داخل کردیا جائے۔ بحالیکہ وہ حقوق برطانیہ کی سو سال کی محنت کا ثمرہ ہیں۔ حکومت برطانیہ کے پاس یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ اگر آیندہ واقعات کی رفتار نے خلیج کے برطانی حقوق کی نسبت مزید مباحثہ ضروری بنایا، تو یہ مسئلہ ہر دو سلطنتوں کے مابین مشکلات کا باعث نہ ہوگا۔ کیونکہ حالیہ قرارداد جس بحث و گفتگو کا نتیجہ ہے اس کے دوران میں حکومت روس صراحتہً بیان کرچکی ہے کہ وہ برطانیہ کے خلیج فارس میں خاص حقوق سے انکار نہیں کرتی۔ اور

خلیج فارس

حکومت برطانیہ نے اس بیان کو باضابطہ قلم بند کر لیا ہے۔ اس امر کو بالکل صاف کر دینے کی غرض سے کہ حالیہ قرارداد سے خلیج کی حالت پر کوئی اثر ڈالنا مدنظر نہیں ہے اور نہ اس کے متعلق برطانیہ کی حکمت عملی میں کوئی فرق مرکوز خاطر ہے برطانیہ مناسب سمجھتی ہے کہ برطانی حکمت عملی کے متعلق سابقہ اعلانات کی طرف توجہ منعطف کرے اور عام طور پر ان بیانات کی توثیق کی جائے جو خلیج فارس میں برطانی حقوق کی نسبت کئے جا چکے ہیں اور ان کے قائم رکھنے کی ضرورت پر مکرر زور دیا جائے حکومت برطانیہ خلیج کی حالت کو بجنسہ رکھنے اور برطانی تجارت کے قیام و دوام کے لئے پوری سعی کرتی رہے گی۔ گو ایسا کرنے سے اس کی یہ خواہش نہیں ہے کہ کسی دوسری سلطنت کی جائز تجارت کو خارج کر دے۔"

افغانستان کے بارے میں، برطانیہ نے اعلان کیا کہ وہ اس کے سیاسی مرتبے میں کسی تبدیلی یا اندرونی معاملات میں دست اندازی کی نیت نہیں رکھتی اور نہ خود ایسی کارروائی کرے گی نہ افغانستان کو ترغیب دے گی جس سے روس کو خطرہ لاحق ہو۔ ادھر روس نے اپنی طرف سے افغانستان کو اپنے حلقۂ نفوذ سے باہر تسلیم کیا اور وعدہ کیا کہ اس ملک سے جو سیاسی تعلقات وہ قائم کریگا وہ برطانی حکومت کی وساطت سے عمل میں آئیں گی۔ ایک تیسری قرارداد وہ کی گئی جس میں دونوں سلطنتوں نے تبت کی ملکی صیانت کے احترام اور اس کے اندرونی نظم و نسق میں دخل دینے سے احتراز کرنے کا اقرار کیا۔

عہد نامے کو روس میں مختلف نظروں سے دیکھا گیا[1] ویٹ کے خیال میں یہ برطانی سیاست کی جیت تھی کہ اس عہد نامے سے روس کا ایران کو الحاق کرنا غیر ممکن ہو گیا ادھر برطانی پارلیمنٹ کا اجلاس معاہدے کی تکمیل سے پہلے ختم ہو گیا تھا اور ماہرین خصوصی کی تنقید کو ۱۹۰۸ء کے اجلاس تک ملتوی رکھنا پڑا۔ اعتراضات کی بارش ۶ فروری سے ہوئی اور لارڈ کرزن نے اس کا آغاز

[1] دیکھو ٹروبٹزکوئی کی کتاب "Russland...."

کیا۔ اس نے معاہدہ کی نسبت کہا کہ حکومت برطانیہ نے کوئی دوسرا ایسا مہتم بالشان عہدنامہ گزشتہ نصف صدی میں نہیں کیا مگر اس میں بہت کم کوئی چیز نظر آتی ہے جس کی ستائش کی جا سکے۔ یہ خیال تو بالکل درست تھا مگر عمل میں سقم ہوا۔ افغانستان کی نسبت جو تصفیہ کیا گیا ہے وہ مشکوک، تبت کے بارے میں بد اور ایران کے متعلق اس سے بھی بدتر ہے۔ اس کے مقابلے میں لارڈ لینس ڈوون نے جزئیات پر خردہ گیری کی لیکن روس کی صداقت پر اعتماد ظاہر کیا کرزن بھی گو اس کا اس طرح ذکر کرتا تھا گویا روس دشمن ہے جس سے ہر وقت ہوشیار رہنا ضروری ہے، اگرفریق اختلاف کے سرگروہ اور ان کے اکثر متبعین آمادہ تھے کہ اسے دوست سمجھیں۔

اصل یہ ہے کہ حکومت اور اس کے مشورہ کار ماہرین کو ۱۹۰۷ء کی طرح ۱۹۰۱ء میں بھی وہ سب جو بحالات موجودہ اور کم سے کم قیمت میں مل سکتا تھا، حاصل ہو گیا۔

موازنہ

سر اڈورڈ گرے کی حجت یہ تھی کہ ہمارے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں گئی جو پہلے سے جا نہیں چکی تھی۔ لیکن اس آخری معاہدے کے نفع نقصان کی فہرست پر اگر محض تجارتی معاملے کی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو وہ بہت ہی کم مفید رہا۔ بات یہ ہے کہ داد و ستد کی یہ نوعیت ہندوستان کے سپہ سالار افواج، لارڈ کچنر نے طے کرائی تھی کیونکہ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ وہ ایران کے کتنے حصے کا دفاع کر سکتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں صرف جنوب مشرقی حصہ کا ذمہ لے سکتا ہوں۔ یہی بنیاد تھی کہ ہم نے (یعنی انگریزوں نے) اپنے حلقۂ نفوذ کو سیستان اور ایرانی مکران و کرمان کے بڑے حصے تک محدود کر دیا اور اصرار کیا کہ بیچ میں ایک غیر جانب دار پٹی چھوڑ دی جائے گو یہ بات ازوولسکی کی منشا کے خلاف تھی۔ یہ شئے کہ آیندہ سے ہندوستان کی رہ گزاریں روس کی زد میں نہ آسکیں، بڑی بھاری اہمیت رکھتی تھی لیکن اصولی طور پر دیکھئے تو ہم نہ صرف جنوب میں بلکہ خلیج میں بھی، جہاں ایک صدی سے ہمارے اقتدار کو کوئی آنکھ بھر کر دیکھنے والا نہ تھا، اپنے ترجیحی حقوق چھوڑ بیٹھے۔ اس نکتہ چینی کا کہ روس نے خود اپنے الفاظ اور دستخطوں سے ہمارے خلیج کے حقوق کی کہیں صراحت نہیں کی، حکومت کے وکیلوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ادھر افغانستان کے بارے میں جو دفعات درج معاہدہ

تھیں، امیر کے منظوری نہ دینے کے باعث وہ محض بے کار و معطل رہیں۔
لیکن نفع نقصان کے اعتبار سے یہ معاہدہ نکتہ چینی سے ماوریٰ نہ تھا، تو سیاسی لحاظ سے اس کے مفید ہونے میں کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہ ہو سکتی تھی۔ روس کو بڑی طاقت کا مرتبہ اب صرف اس طرح ہاتھ آ سکتا تھا کہ فرانس کے اتحاد کے ساتھ انگریزوں کی دوستی بھی شامل حال ہو۔ اور ادھر برطانیہ صاف طور پر فرانس کی طرف ہو گئی تو جرمانیہ کے روز افزوں خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے روسی اعانت کی بھی احتیاج ہو گئی اس طرح جو فرانس میں پیش آیا تھا، یہاں بھی مقامی کشمکش کے ازالے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے میدانوں میں سیاسی اشتراک عمل کی شکل نکل آئی۔ اور انگلستان و فرانس کا ارتباط اور اتحاد دولتین پھیل کر ائتلاف ثلاثہ بن گیا جو یورپ کی بساط شطرنج پر اب اتحاد ثلاثہ کا حریف مقابل تھا۔ شہزادہ

بیولاو کی راز نی

بیولاو نے کوشش کی، اگرچہ زیادہ کامیابی نہ ہوئی، کہ ایک تاریخی نزاع کے ختم ہونے سے، اس کے ہموطنوں میں جو فکر پیدا ہوئی تھی، اسے دبا دیے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء کی تقریر میں اس نے بتایا کہ "جو اطمینان ہمیں دلائے گئے ہیں، ان کی بنا پر ہم داد و ستد کے طے ہو جانے کو بغیر کسی تشویش کے غور سے دیکھ رہے ہیں۔ شاید کوئی کہے کہ میں انگلستان و روس کے ارتباط پر ضرورت سے زیادہ سکون سے کام لے رہا ہوں۔ مگر میں اسے ویسا ہی سمجھتا ہوں جیسا کہ وہ ہے، یعنی وہ ایک کوشش ہے کہ ان پیچیدگیوں کو دور کیا جائے، جنھیں بیرونی ممالک میں دیکھ کر میں یہاں بیان کر چکا ہوں۔ اور یہ کہ ہاتھی اور مگرمچھ کا بیر ناقابل تغیر چیز نہیں ہے۔ رہا یہ امر کہ ہم خطرات اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں سو اس سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ باخبر نہیں ہے یہ ہمارے غیر مصئون محل وقوع کا نتیجہ ہیں مگر ہمیں ایسے ارتباطوں اور معاہدوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں جو ہم سے غیر متعلق مسائل کے لئے کئے گئے ہوں۔ ہم دوسری قوموں کی باہمی عداوت کے بھروسہ نہیں زندہ رہ سکتے۔ ہمیں چاہیے کہ دوسروں کو بھی وہی آزادیٔ عمل دیں جس کے اپنے واسطے مدعی ہیں" اس کے برعکس **ریونٹ لو** کو یہ معاہدہ جرمانیہ کے حق میں انگلستان و فرانس کے میثاق ۱۹۰۴ء سے بھی سخت تر ضرب نظر آیا

اور "این کر سونگ" کی شکایتیں ہمیشہ سے زیادہ عام طور پر سنی جانے لگیں[1]۔
روس و برطانیہ کی مصالحت کی توثیق اس طرح ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک کے حلیفوں میں باہم ارتباط قائم ہو گیا۔ بتاریخ ۹ جون ۱۹۰۷ء فرانس

روس و جاپان کی مصالحت

و جاپان رضامند ہو گئے کہ چین کی صیانت کا احترام اور تمام قوموں کی اقتصادی مساوات کو مانا جائے پھر اگلے ہی مہینے میں روس و جاپان کے درمیان اسی قسم کا عہد نامہ ہو گیا کہ موجودہ حالت بجنسہٖ رکھی جائے گی اور امن و صلح کی ہر ممکن طریق سے اس کا احترام کرایا جائے گا۔ پھر چند مہینے گزرے تھے کہ انھوں نے تین عہد کئے جو اصولاً پورٹس متھ میں طے ہو گئے تھے۔ یہ ماہی گیری، تجارت، جہاز رانی اور منچوریا کی ریلوں کے متعلق تھے۔ اس طرح جنگِ روس و جاپان کا خطرناک غبار باقی تھا، وہ دور ہو گیا، دونوں فریق، یعنی ایک طرف برطانیہ اور جاپان اور دوسری جانب روس و فرانس۔ آپس میں دوست ہو گئے۔ روس کو مشرقِ اقصیٰ کے خطرات سوچنے کی آئندہ ضرورت نہ رہی اور وہ اس قابل ہو گیا کہ اپنی غیر منقسم توجہ سیاسیات یورپ کی طرف مبذول کرے جو اس سے بھی زیادہ خطرناک بازی تھی۔

---

[1] "Potitische Vorgeschichte" ۱۳۰ تا ۱۳۵

باب دوازدہم

مشرق ادنیٰ

(۱)

مقدونیہ میں ترکی بدنظمی کے مرض کہنہ سے ہمسائے کی مسیحی ریاستوں کو جرات ہوئی کہ مسلح تبلیغ اور باضابطہ قتل عام کر کے، ان پر اپنے آیندہ دعاوی کی بنیادیں قائم کریں۔[1]

مقدونیہ کی بدنظمی جون ۱۹۰۲ء میں ترکی نے دول سے استدعا کی کہ بلغاریہ پر دباؤ ڈال کر وہاں کی انجمن مقدونیہ کو شکست کرادیں لیکن روس و آسٹریہ نے، کہ ۱۸۹۷ء ہی میں بلقان میں اشتراک عمل کا قول قرار کر چکے تھے، سلطان عبدالحمید کو اطلاع دی کہ اس میں پہلا قدم خود تمھیں اٹھانا چاہئے۔

---

[1] مقدونیہ پر کثرت سے سرکاری (نیلی) کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اس موضوع پر سب سے اچھی تصنیفات یہ ہیں:-

سر سی الیٹ: "ترکی ان یورپ"؛ بریلس فورڈ: "مے سی ڈونیہ" اور "دی بالکن کوایسچن" مرتبہ ایل دلاری۔

سلطان نے اصلاحات کا وعدہ کیا اور ان کے نفاذ کے لئے حلمی پاشا کو صدر ناظم مقرر کیا، تجاویز کا ناکافی ہونا عیاں تھا اور جنوری ۱۹۰۳ء میں لارڈ لینس ڈون نے خود اپنے نظام العمل کا خاکہ پیش کیا:۔ "ہماری رائے میں مقدونیہ کے باشندوں کی حالت قریب قریب ناقابل برداشت ہوگئی ہے۔ استنبول کی جماعت تحقیقات یا مقدونیہ کی مجلس نظارت میں ایک دو عیسائیوں کا مقرر کیا جانا' بے شبہ نہایت کارآمد ہوگا مگر صرف تحقیقات سے کام نہیں چل سکتا۔ محکمہ ہائے عدالت و مالیات میں بھی یورپی ناظروں کی، اور کوتوالی اور ژندارمہ کی نئی ترتیب کے لئے یورپی عہدہ داروں کی ضرورت ہے۔ مشاہروں کے وقت پر ادا ہونے کا بندوبست ہوئے بغیر کوئی اصلاح ممکن نہیں ہے" زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ آسٹریہ اور روس کے سفیروں نے وزیر خارجہ کو ان تجاویز کا خاکہ لا کے دیا' جسے لامس ڈورف اور گلوکوسکی نے مرتب کیا تھا اور چاہا کہ وزیر موصوف ان کی تائید کرے۔ ان میں صدر ناظم کے واسطے یہ شرط تھی کہ وہ مقررہ زمانے تک کے لئے رہے اور بجز دول کی رضامندی کے معزول نہ کیا جاسکے۔ کوتوالی اور ژندارمہ کی از سر نو تنظیم بیرونی ماہرین کریں اور ژندارمہ میں مسیحی اور مسلمان دونوں ہوں۔ باب عالی اہل البانیہ کی مسیحیوں پر دست درازی کا سد باب کرے۔ اسی زمانے میں تین ولایتوں میں جو ہنگامے ہوئے تھے، ان کے سیاسی ملزموں یا مجرموں کو معافی دی جائے ہر ولایت کے مداخل و مصارف کا موازنہ تیار کیا جائے اور مقامی آمدنی، اوٹومن بنک کی تنقیح سے سب سے پہلے مقامی نظم ونسق کی ضروریات کے واسطے مخصوص کی جائے اور آخری بات یہ تھی کہ عشر کی وصول یابی کے لئے آیندہ کوئی ٹھیکہ نہ دیا جائے"۔ وزیر خارجہ نے اصولاً ان تجاویز کو مان لیا اور سلطان کی خدمت میں ان کی سفارش کرنے کا وعدہ کیا لیکن تفصیلی تنقیح کے بعد ردوبدل کرنے کا حق محفوظ رکھا

تجاویز نامہ فروری"

یہ "تجاویز نامہ فروری" سلطان نے تمام وکمال منظور کر لیا اور ذمہ لیا کہ نہ صرف ترکی بلکہ یورپ کی تینوں ترکی ولایات میں انھیں نافذ کر دیا جائے گا۔ یہ اطمینان دلانے کی غرض سے کہ ترکی کو کچھ نہ کرنے کا حیلہ نہ مل سکے لامس ڈورف خود سوفیہ اور بالگریڈ آیا اور وہاں کے وزیروں کو تاکید کی کہ

انقلابی شورش کو فرو کیا جائے۔ اس پر حکومت بلغاریہ نے بلغاریہ کی مجلس مقدونیہ کو توڑ دیا اور ترکی میں اپنے تجارتی گماشتوں کے پاس احکام بھیجے کہ بلغاری سرگروہوں کو خبردار کر دیں کہ کوئی بغاوت بپا ہوئی تو بلغاریہ کوئی مدد نہ دے گی۔

تجویز اصلاحات کو سلطان کے اصولاً قبول کر لینے اور بلغاریہ کے ہاتھ روک لینے پر آمادگی کے باوجود، بلقان کا مطلع بادلوں سے مکدر رہا۔ اور جولائی ۱۹۰۳ء میں وہ مادہ، جیسا کہ امید تھی، پھوٹ پڑا۔ باغیوں کے باقاعدہ سپاہ کے مقابلے میں جیتنے کا کوئی امکان نہ تھا اور ۱۳ اگست کو بلغاریہ نے دول سے امداد کی التجا کی۔ روس و آسٹریا کی تحریک تھی کہ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ دول یورپ ترکی اور بلغاریہ دونوں کو متنبہ کر دیں کہ اگر روس و آسٹریہ کی پیش کردہ تجاویز میں انھوں نے روڑے اٹکائے، تو دونوں میں سے کوئی بھی مدد کی توقع نہ رکھے مگر لارڈ لینس ڈاون نے جواب دیا کہ ہیں نے شروع سے سخت تر تجاویز کرنے کا حق محفوظ رکھا اور اب ان کا وقت آگیا ہے۔ بغاوت اواخر ستمبر تک فرو ہوگئی اور وزیر خارجہ نے اب بعض امور لکھ کر وی آنا بھیجے، جہاں لامس ڈورف اور گلوکوسکی جدید فہرست اصلاحات کے مرتب کرنے میں مصروف تھے۔ اس میں ایک مسیحی والی کی، جس کا بلقان یا دول عظمیٰ سے کوئی تعلق نہ ہو، یا مسلمان والی کی تجویز تھی کہ یورپی ارباب شوریٰ اسے مدد دینے کے لئے مقرر ہوں۔ یورپی عمال، کافی تعداد میں ژندارمہ کی از سر نو تنظیم کریں۔ ترکی سرحد بلغار سے اپنی فوج واپس بلا لے۔ اور آسٹریہ اور روس ضامن ہوں کہ بلغاریہ اپنی فوجیں نہ بھیجے گی نہ اپنے جوق سرحد کے پار اترنے دے گی۔ اور ہر طاقت، فوجوں کی ہمراہی کے لئے چھ چھ سردار بھیجے۔ روس اور آسٹریا کی حکومتوں نے برطانی وکیل کی تجاویز پر اس کا شکریہ ادا کیا اور آخر میں لکھا کہ مرز اسٹیگ میں جہاں شہنشاہ اور وزرا اپنے وزرائے خارجہ کی معیت میں انہی معاملات پر بحث کرنے کی غرض سے ملاقی ہوئے تھے، وہاں جو کچھ فیصلے کئے گئے، ہم ان کے ہمنوا ہیں۔

مرز اسٹیگ کی یہ تجویزیں آسٹریہ اور روس کے سفیر ۲۴ر اکتوبر کو ڈونٹنگ اسٹریٹ میں لائے :-

مرز اسٹیگ کی تجاویز

(۱) آسٹریہ اور روس کے دیوانی عامل صدر ناظم کے ہمراہ رہیں۔ اس کی توجہ عیسائیوں کی ضروریات اور مقامی عمال کی بدعنوانیوں کی طرف مبذول کریں۔ اصلاحات کے نفاذ اور ملک میں امن و امان کی نگرانی کریں اور اپنی اپنی حکومتوں کو کیفیت لکھ کر بھیجتے رہیں ؛

(۲) ایک غیر ملکی سپہ سالار، غیر ملکی سرداروں سمیت ژندارمہ کے لئے مقرر کیا جائے اور نگرانی، تربیت اور تنظیم کی غرض سے ملک کو چند حصوں میں تقسیم کر دے ؛

(۳) امن و امان ہو جانے کے بعد ترکی انتظامی اضلاع کی حدود میں اس نظر سے رد و بدل کرے کہ مختلف قومیت کے باشندے زیادہ باقاعدگی کے ساتھ ایک ہی علاقے کے اندر لائے جا سکیں ؛

(۴) نظم و نسق اور عدالت کے محکموں کی از سر نو تنظیم کی جائے اور مسیحیوں کو سرکاری ملازمت میں داخل کیا جائے ؛

(۵) مخلوط ذیلی مجلسیں بنائی جائیں جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد مساوی ہو اور وہ گزشتہ فسادات میں جو مظالم ہوئے تھے، ان کی تحقیقات کریں ؛

(۶) مسیحی پناہ گزینوں کے دوسری جگہ وطن بنانے کے، اور مکانات، گرجے اور مدارس کی تعمیر کے جنھیں ترکوں نے منہدم کیا، مصارف ترکی برداشت کرے یہ روپیہ ایسی مجلسوں کے ذریعے تقسیم ہو جن میں مسیحی عمائد اجلاس کریں اور آسٹریہ اور روس کے قنصلوں کا کام یہ ہو کہ وہ اس کی نگرانی کریں ؛

(۷) آتش زدہ دیہات میں مسیحیوں پر ایک سال کا لگان معاف کر دیا جائے ؛

(۸) ترکی ذمہ لے کہ فوری اور مرز اسٹیگ کی مجوزہ اصلاحات پر بلا تاخیر

عملدرآمد شروع کر دے گی۔

(۹) فوج بے قاعدہ کے ہتھیار کھلوا دیئے جائیں۔

آسٹریہ اور روس کی تہدید آمیز تنبیہہ پر مرز آسٹیگ کی تجاویز اصولاً قبول کر لی گئیں۔ ایک آسٹروی اور ایک روسی مشورہ کار (اسیسر) مقرر ہوا۔ ژندارمہ کی تعلیم کے واسطے جنرل ڈی جیورجیس کا تقرر عمل میں آیا اور پچیس غیر ملکی سردار اس کی مدد کے لئے رکھے گئے۔ مقدونیہ کی چند پٹیاں کر دی گئیں۔ اسکوپ، آسٹریہ کے، مناستر، اطالیہ۔ کے سلانیک، روس کے۔ سیرس فرانس کے۔ اور درپما برطانیہ کے تفویض ہوا۔ اپریل میں روس

ژندارمہ کی اصلاحات

وبلغاریہ کی باہمی قرارداد نے ایک اور شورش برپا ہونے کا اندیشہ رفع کر دیا۔ روس اور آسٹریہ کو بہت اچھی امیدیں تھیں۔ دیوانی عاملوں نے اطلاع دی کہ صدہا عرضیاں آرہی ہیں اور آسٹریہ کے عامل نے لکھا کہ ہر طرف یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ایک نیئے دور کا آغاز ہوا" برطانیہ کے تجربہ کار قنصل گریوز نے سلانیک سے ایک عارضی بہتری کی خبر دی مگر آخر میں لکھدیا کہ جب تک آمد و خرچ اور عدالت کی اصلاح نہ ہو گی یہ بہتری کی شکل زیادہ عرصہ نہیں رہ سکتی۔ نیز یہ کہ ترکی حکومت کے طریق عمل میں ہنوز کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

لارڈ لینس ڈون کو شروع سے باور نہیں ہوا تھا کہ روس و آسٹریہ کی مجوزات پوری طرح ضرورت کے موافق ہوں گی اور ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء کو اس نے ایک مراسلے میں زیادہ دلیرانہ تدابیر کا خاکہ تیار کیا۔ اس میں بتایا تھا کہ اصلاحی تجاویز کا جزاب تک عمل میں نہیں آیا بجز ژندارمہ کی تنظیم کے، اور اس میں بھی یورپی عہدہ داروں کی تعداد ابھی بہت کم ہے۔ ضرورت روپے کی ہے اور وہ صرف فوج کی تعداد کم کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اجتماع دول سست اور ناکارسا ہو گیا تھا۔ برطانیہ الگ کھڑی رہی اور اب تک اس قضیئے کی روس اور آسٹریہ ہی عقدہ کشائی میں مصروف رہے۔ لیکن ترکی جس طرح پیہم اور کامیابی کے ساتھ اصلاحات کے راستے میں روڑے اٹکاتی رہی، اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام دول عظمیٰ بالاتفاق دباؤ ڈالیں۔ پہلا مطالبہ یہ ہونا چاہیئے کہ مقدونیہ اور

لارڈ لینس ڈون کی تجویز

قریبی علاقوں کی فوج میں تخفیف کر کے صرف اتنے سپاہی رکھے جائیں جو اندرونی امن قائم رکھنے کے لئے کافی ہوں اور ساتھ ہی بلغاریہ بھی تخفیف کرے اور اپنے ہاں کی جرگہ بندی کو روکے۔ اگر وہ انکار کرے تو دول ہی مشترکہ طور پر ضامن ہو سکتی ہیں کہ بلغاریہ کو ترکی علاقے پر قبضہ کی اجازت نہ دی جائے گی۔ دوسرا مطالبہ مندوبین کی ایک مجلس نظارت بنانے کا ہونا چاہیئے، جنھیں دول صدر ناظم کی زیر صدارت نامزد کریں اور انھیں انتظامی اور عاملانہ اختیارات دیئے جائیں[1]۔ اور مالی اصلاحات میں عشر میں رد و بدل کرنا اور ہر ولایت سے باب عالی کا صرف ایک معینہ رقم وصول کرنا، شامل تھا تاکہ جو کچھ روپیہ بچے وہ مقامی ضرورتوں میں کام آئے۔ یہ بھی تجویز تھی کہ صدر اعظم ہی کو اس نظارت کی مدد سے، فوج کی قیادت کا کام سپرد کیا جا سکتا ہے۔

اسی زمانے میں روس و آسٹریہ نے مالی اصلاحات کی ایک تجویز پیش کی کہ مقدونیہ کے تمام مداخل کا اوتومن بینک کی مقامی شاخوں کے ذریعے جمع و خرچ ہو اور یہی بینک صدر ناظم اور دیوانی عاملوں کی نگرانی میں مصارف کا انتظام کرے۔ دونوں سلطنتیں آمادہ تھیں کہ محاصل درآمد ۸ سے ۱۰ فیصدی کر دیئے جائیں، بشرطیکہ اس اضافے کو مقدونی اصلاحات اور ۱۹۰۳ء کے مسیحی مصیبت زدوں کی تلافی نقصانات کے واسطے مخصوص کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں ترکی نے اپنے طرف سے مالی اصلاح کی جدید تجاویز پیش کیں جن میں بیرونی نگرانی کو اڑا دیا تھا۔ مگر لینس ڈون نے اس کو اور پہلی، دونوں تجویزوں کو ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ محاصل درآمد میں اضافہ قبول کرنے سے پہلے، مجھے یہ دریافت کرنا لازم ہے کہ مداخل کی کمی کو فوجوں کی تخفیف سے کیوں

---

[1] مذکورۂ بالا بیان سے بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انگریزی حکومت ترکی سلطنت کے کمزور و شکست کرنے میں کوشش کرتی رہی۔ لیکن کمال یہ ہے کہ جنگ یورپ کے موقع پر انگریزوں کو سب سے زیادہ شکوہ ترکوں سے تھا کہ وہ اپنی خیر خواہ حکومت برطانیہ سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ مترجم

پورا کر دینا ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ ضمانت ملنی چاہیئے کہ یہ روپیہ اوٹومن بنک کی بجائے کسی ایسی صاحب اختیار جماعت کی تحویل میں دیا جائے گا جو فی الواقع اسے مقدونیہ کی اصلاحات میں خرچ کرے۔ کیونکہ بنک یہ ذمہ لینے کی قوت نہیں رکھتا۔ روس و آسٹریہ رضامند ہو گئے کہ مداخل و مصارف کی نگرانی کے لئے دوسری سلطنتیں ایک ایک نائب روانہ کریں جو دیوانی عاملوں کے ساتھ مل کر کام کریں اس طرح مالی نائبین کا تقرر دول کی باضابطہ حکمت عملی ہو گیا اور اگست میں چھیؤں سفیروں نے ترکی سے اصرار کیا کہ انھیں دیوانی عاملوں کے ساتھ مل کر باقاعدہ کام کرنے کی اجازت دی جائے۔ جب ترکی نے انکار کیا تو لینس ڈون نے بحری مظاہرہ کرنے کی تحریک کی چنانچہ نومبر میں پہلے تو متفقہ یادداشت پیش کی گئی جس میں صدر ناظم، دیوانی عامل اور ژندارمہ کے انتظامات کی دو سالہ توسیع اور نظارت مال کی تنظیم کا جو صدر ناظم روسی اور آسٹروی عامل اور باقی چاروں دول کے ایک ایک نائب پر مشتمل ہو مطالبہ کیا گیا اور پھر سوائے جرمانیہ کے دول نے جزیرہ مدلّی کے سامنے بحری مظاہرہ کیا اور محصول خانے اور تارگھر پر قبضہ کر لیا تا آنکہ سلطان نے ناچار ہو کے مطالبات مان لئے۔

اسی زمانے میں لینس ڈون کی جگہ سر ایڈورڈ گرے وزیر خارجہ مقرر ہوا اور اسے معلوم ہوا کہ دول یورپ کی اجتماعی قوت کو گزشتہ کوشش نے مضمحل کر دیا ہے لہٰذا اسے بادل ناخواستہ کچھ عرصہ تک خاموش رہ کر گھات لگانی ہی مناسب نظر آئی۔ نئی ژندارمہ کو باشندوں کا اعتماد حاصل ہو گیا تھا اور برطانی نائب نے بھی مالی نظام کے کام کی نسبت امید افزا کیفیت لکھی۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں سر ایڈورڈ گرے نے محاصل درآمد میں جولائی سے ۳ فی صدی کا اضافہ مان لیا اور اسی کے ساتھ بن کن ڈورف کو اطلاع دی کہ اگرچہ نظم و نسق بہتر ہو گیا ہے مگر میری رائے

یونانی جرگے

میں دول کو جرگوں کا انسداد کرنے میں کہیں زیادہ خاص طور پر کوشش کرنی پڑے گی اور سارے قضیے کی جڑ یونانی جرگے ہیں۔ چنانچہ برطانیہ کے اصرار سے روس و آسٹریہ کی حکومتوں نے بتاریخ ۳۰ ستمبر یونان، بلغاریہ اور سرویہ کے نام

متفقہ یادداشت لکھی۔ اس میں خیال ظاہر کیا کہ یہ جرگے آپس میں اس لئے لڑ رہے ہیں کہ مرز آشٹیگ کے نظام نامے کی دفعہ ۳ کے متعلق انھیں غلط فہمی ہے۔ اصلاح کی آیندہ حد بندی کے موقع پر مختلف قوموں کی اس نئی گروہ بندی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا جو اول جرگوں کی کوشش سے حال میں عمل میں آئی ہو، بلکہ یہ حد بندی پہلی تقسیم حاضرہ کے مطابق ہوگی۔ یہ غلط فہمی دور ہوگئی تو یونان، بلغاریہ اور سرویہ کی حکومت پر واجب ہے کہ وہ اپنے اپنے جرگوں کو کوئی مدد نہ پہنچنے دیں۔ اس یادداشت کی دوسری دول کے وکیلوں نے بھی تائید کی مگر کسی ملقانی ریاست نے تسلیم نہ کیا کہ دفعہ ۳ بنائے فساد ہے۔ غرض کوئی فائدہ نہ ہوا اور ادھر سلطان نے تھوڑے ہی دن میں ثابت کر دیا کہ وہ اپنی ہٹ پر اسی طرح قائم ہے گا جس طرح پہلے رہا تھا۔ دول نے استدعا کی کہ بیرونی نیابت کو سات سال کے واسطے بڑھا دیا جائے کہ اسی مدت کے لئے محاصل کا اضافہ منظور ہوا تھا، تو جواب ملا کہ دیوانی عامل اور مالی نظارت کے ارکان کو ژندارمہ کے عمال کی طرح باقاعدہ ترکی ملازمت میں داخل ہونا پڑے گا۔ پھر ہفتوں تقاضے اور تخویف و ترہیب کے بعد کہیں جا کے وہ دبا اور بیرونی نائبوں کے اختیارات کی سنہ ۱۹۱۴ء تک کے لئے توسیع کر دی۔

دول کی اس سعی و تردد کے باوجود مقدونیہ کی حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی اور سنہ ۱۹۰۷ء کے اواخر میں سر ایڈورڈ گرے نے دلیری سے خود پیش قدمی کی۔ اس نے اصرار کیا کہ دول باب عالی سے عرض کریں کہ ترکی فوج پیسے کے مصارف وائرہ جن کا مقدونیہ کے مداخل پر بار پڑتا ہے، ان خدمات کا جو یہ فوج قیام امن کے ذریعے انجام دیتی ہے نہایت غیر متناسب معاوضہ ہیں اور قزاقانہ جرگوں کو قابو میں لانے کی کوئی کارگر صورت ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ ژندارمہ میں وسیع پیمانہ پر اضافہ کیا جائے، ان کے گشتی دستے تیار کئے جائیں اور ان کے سرداروں کو عاملانہ اختیارات دئے جائیں۔ فوج کو کم کر دینے سے جو روپیہ بچے گا وہ ژندارمہ کے اضافے اور اس کے سازو یراق کے کام آئے گا۔ مگر اس پرزور آواز سے کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ روس و آسٹریہ نے حصہ لینے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ ان مطالبات

کو سلطان قطعی طور سے مسترد کر دے گا۔ دلف میٹرنک نے انگریز وزیر خارجہ کے منہ پر صاف کہدیا کہ حکومت جرمانیہ کے نزدیک یہ تجویزیں نا قابل عمل ہیں۔ ادھر تی تونی نے لکھا کہ زندارمہ میں اضافہ چاہنے سے پہلے دول کو چاہیئے کہ ابتدائی قول و قرار کے ایفا کرنے پر زور دیں۔

کچھ نہ کرنے کی عذر و معذرت کے یہ خط ڈوننگ اسٹریٹ میں آ ہی رہے تھے کہ اتنے میں دول مجتمعہ کے زوال پذیر وقار کو ایک بڑا بھاری صدمہ یہ پہنچا کہ بتاریخ ۲۷ جنوری ۱۹۰۸ء اہرن تھل نے اعلان کیا کہ مجھے سلطان المعظم نے سنجک نووی بازار کے درمیان سے ریل گزارنے کی اجازت دے دی ہے جس سے بوسینہ کی ریلوں کا سلسلہ ترکی ریل کے آخری مقام مٹروویٹزا سے متصل ہو جائے گا[۱]۔ اہرن تھل وہ زوردار مدبر تھا جو ۱۹۰۶ء میں اطاعت پسند گولوکاوسکی کی جگہ آسٹریہ کی وزارت خارجہ پر فائز ہوا اور جس نے پیٹروگریڈ میں سفیر ہونے کے زمانے میں خواہش کی تھی کہ اتحاد قیاصرہ کا احیا کیا جائے۔

سنجک کی ریل

واضح رہے کہ عہد نامہ برلن کی دفعہ ۲۵ نے آسٹریہ کو اختیار دیا تھا کہ سنجک کے علاقے میں فوجی اور تجارتی سڑکیں تیار کرے اور ہر چند صریح الفاظ میں ریل کا ذکر نہ تھا لیکن کسی شخص نے یہ حجت نہیں کی کہ آسٹریہ کا وزیر اپنے حقوق سے تجاوز کر رہا ہے۔

سلطانی منظوری کی خبر دیتے وقت اہرن تھل نے اعلان کیا کہ آسٹریہ اپنی بلقانی حکمت عملی پر سچائی سے قایم ہے اور اس کا منشا ملک ستانی نہیں ہے بلکہ وہ محض سلانیک تک پہنچنے کا ایک دوسرا راستہ بنا رہی ہے کہ اگر تجارتی جنگ چھڑی تو بحالت موجودہ سرویہ آسٹریہ کے ایجین تک پہنچنے کا راستہ روک سکتی ہے ۲۴ مارچ کو بیولاؤ نے آسٹریہ کے منصوبہ کا خیر خواہانہ تذکرہ کیا

---

[۱] دیکھو مولڈن: "Giat Achremthal

.... صفحہ ۳۲ تا ۳۸۔

"اگرچہ اس میں ہم سے نہ رائے لی گئی نہ ہم نے کوئی رائے دی" اطالیہ کی مجلس معوثین میں بھی اسی قسم کی تقریر ٹیٹونی نے کی کہ "مجھے اس ارادے کی اطلاع مل گئی تھی مگر آسٹریہ کے اس حق پر میں کوئی حرف نہ لاسکتا تھا۔ اگر تمام سلطنتیں ریل کو مقدونی اصلاحات کا جزو سمجھیں تو اس کے بننے سے دول مجتمعہ کی قوت یا امن میں کوئی خلل نہیں آتا" لیکن روس میں اس خبر کو بالکل دوسری طرح سنا گیا جہاں ازووسکی نے شکوۂ تلخ کیا کہ یہ کارروائی میثاق ۱۸۹۷ء اور اقرار نامہ مرز اشٹیگ کے منشا کی صریح خلاف ورزی ہے۔ غرض ۱۸۹۷ء سے بلقان میں جو اشتراک عمل شروع ہوا تھا، اس کا یکبارگی خاتمہ ہوگیا اور یہ زخم اتنا گہرا تھا کہ پھر اہر نتھل نے ایک ریل کی تجویز کو جو ڈینیوب کے کنارے، سرویہ اور رومانیہ کے مقام اتصال سے ساحل البانیہ کے مقام گیووینی ڈی میڈووا تک بنائی جانے والی تھی، قبول کر کے چاہا بھی کہ اس کی تلافی کردے، مگر نہ ہوئی۔

ادھر روس کو تو مقدونی کسانوں سے ہمدردی کی بجائے زیادہ غصہ اس لئے آیا کہ وہ بلقان میں آسٹریہ کا رسوخ بڑھنے سے جلتا تھا، اور برطانیہ کو اس واسطے تاسف ہوا کہ ایسے موقع پر جب کہ اجتماع دول عدالتی اصلاحات کے مطالبے مرتب کر رہا تھا، ایک سربرآوردہ طاقت نے اپنے مراعات مانگنے کا دنیا کو تماشا دکھایا جس سے اصلاحات کا امکان اگر بالکل نہ مٹ گیا تو کم ضرور ہوگیا۔ چنانچہ سرایڈورڈ گرے نے آسٹریا کی اس کارروائی پر شائستہ الفاظ میں مگر بالکل صاف صاف اظہار خیال کیا۔ یعنی بتاریخ ۲۸ فروری یہ بیان کیا کہ ہمارا طرز عمل ان ریل کے منصوبوں کی نسبت دوستانہ غیر جانب داری کا ہے۔ لیکن یہ سب سے آخری منصوبہ بلاشبہ بہت کچھ قیل وقال کا موجب ہوا ہے۔ اتنی بڑی ریل کی تجویز کے لئے جس میں سلطان کی منظوری ضروری ہے خاص یہی وقت منتخب کرنے سے لامحالہ شبہ ہونا چاہئے تھا کہ کہیں دول یورپ فرداً فرداً ایسے مقاصد کی فکر میں تو نہیں پڑ گئی ہیں جن سے خاص طور پر ان کے ذاتی فوائد وابستہ ہیں۔ اگر ایسا خیال پیدا ہوگیا، تو مجھے فی الواقع تاسف ہوگا کیونکہ

سرایڈورڈ گرے کی رائے زنی

ہیں مقدونی اصلاحات کے لئے اجتماع دول کی سلامتی کا خواہاں ہوں؟ اس نے بتایا کہ اسی سے ایک نازک تر معاملے کا بھی تعلق ہے :۔" مقدونیہ کے مسئلے پر بحث کیجئے تو خود ترکی مسئلہ کچھ دور نہیں رہتا جو ایک سے زیادہ مرتبہ ممالک یورپ میں جنگ و جدال کا سبب ہو چکا ہے ۔ اور اجتماع دول کا وجود ہی کسی حد تک اس بات کی ضمانت ہے کہ اس قضیئے سے جنگ کی نوبت آنے نہ پائے گی" آگے چل کے اس نے ان تجاویز کا اعادہ کیا جو خود اس نے اسی سرما میں پیش کی تھیں اور یہ پر معنی الفاظ اضافہ کئے کہ " اگر ایسا ترک والی معینہ مدت کے لئے مقرر ہو، جس کی سیرت اور قابلیت دول میں مقبول و مسلم ہیں، اور اگر اس کا منصب محفوظ رہا اور اختیارات کامل مل گئے تو میں سمجھتا ہوں کہ عجب نہیں تمام مسئلہ مقدونیہ صاف ہو جائے ۔ باقی مرز اسٹیگ، کے تجویز نامے کا راگ گانے سے تو صورت حالات میں کوئی بہتر تبدیلی ہوتی نہیں"

اس تقریر پر آسٹریہ نے برا مانا تو سبب وہ خود تھی ۔ کیونکہ جب اس نے مقدونیہ کے معاملے میں دغادی تو پھر قدرتی بات تھی کہ ایڈورڈ گرے اسے اپنے ہاتھ میں لے کہ وہ دل سے اسے طے کرنے کی فکر میں تھا ۔ آسٹریہ کے اخباروں نے جن کا سرگروہ فریم ڈن بلاٹ تھا، پلٹ کے جواب دیا کہ کسی خود مختار والی کا تقرر بغیر ترکی پر جبر کئے ممکن نہیں ہے ۔ اور یورپ کے دوسرے سدر مقامات میں بھی اسی طرح کی رائے زنی کی گئی جو انگریزی حکومت کے لئے کچھ تقویت رساں نہ تھی ۔ لیکن اپنی تقریر کی اتنی مخالفت ہونے پر بھی سر ایڈورڈ باز نہ آیا بلکہ اس تقریر کا ضروری ملخص اس نے ایک زوردار مراسلے میں لکھکر دول کے پاس بھیجا ۔ روسی حکومت کا مستعدانہ جواب نہ صرف برطانی خیال کی تائید بلکہ خوش آیند ترقی پر دلالت کرتا تھا کیونکہ سنجک والے جھٹکے سے اسے آزادی مل گئی تھی کہ جو روش چاہے اختیار کرے ۔ اس نے مقدونیہ میں والی کے تقرر کو اصولاً تو پسند کیا مگر یہ اعتراف کئے بغیر چارہ نہ دیکھا کہ اس تقرر کو دول کے بالاتفاق منظور کرنے یا سلطان کے قبول کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے ۔ ادھر یہی مقصد قابل اطمینان طریق پر اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ

صدر ناظم کو بڑا دول کی منظوری کے چند سال کے واسطے مستقل کرادیا جائے کہ سلطان اسے معزول نہ کر سکے۔ اس جواب پر سر ایڈورڈ خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اس نے قریب قریب یہ تجویز مان لی کہ حلمی پاشا کو وزارت کے مرتبے پر ترقی دے کر چند سال کی مدت کے لئے مستقل کردیا جائے اور وہ سوائے دول کی منظوری کے اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جاسکے۔ غرض معلوم ہوتا تھا کہ کچھ نہ کچھ قدم بڑھانے کی صورت نکلی۔ لیکن اس کی تکمیل روس و برطانیہ کے دوستانہ تعلقات قوی ہوئے بغیر نہ ہوسکتی تھی اور باہمی اعتماد و اشتراک کا یہی علاقہ مضبوط کرنا منظور تھا کہ شاہ ایڈورڈ نے زار کی (جون میں ریوال آنے کی) دعوت قبول کرلی۔

برطانی بادشاہ کی یہی پہلی سیاحت روس تھی اور اس کی جانب وطن میں اور باہر، لوگوں کو غیر معمولی طور پر توجہ ہوئی۔ فرقہ کابین (لیبر پارٹی) کی طرف سے اس پر جس تندی سے ایراد ہوئے اسی قدر سرگرمی سے ایڈورڈ گرے نے اس کی حمایت کی اور بیان کیا کہ یہ سیاحت مدت سے

ریوال کی ملاقات

ہم پر واجب ہے۔ اور بادشاہ سات سال سے زار سے نہیں ملا اور زار ملکہ وکٹوریہ سے مل نے بال مورل آچکا ہے۔" اگر دونوں ملکوں کے تعلقات دوستانہ ہیں تو اس ملاقات کو ملتوی کرنا بجز کمال کج خلقی کے، ممکن نہیں ہے۔ ایسا ہو تو مناسب ہوگا کہ آپس کے معاہدے کو بھی خاک کردیا جائے۔ اور پھر اصلاحات مقدونیہ کی بحث جاری رکھنا بھی بے سود ہوگا۔" غرض دس جون کو بادشاہ اور ملکہ، سر جان فشر، سر جان فرینچ اور سر چارلس ہارڈنگ کے ساتھ ریوال آپہنچے۔ زار نے تقریر کی کہ "مجھے وثوق ہے کہ یہ ملاقات ان بے شمار اور قوی روابط کو اور مضبوط کردے گی جو ہمارے دونوں گھرانوں کو باہم وابستہ کئے ہوئے ہیں؛ اور ہمارے ملکوں کو قریب تر لانے اور امن عالم کو قائم رکھنے کا خوشگوار نتیجہ پیدا کرے گی۔ گذشتہ سال ہی بعض مسائل جو روس و برطانیہ کے واسطے خاص اہمیت رکھتے تھے، خیر و خوبی سے طے ہوئے۔ ان باہمی تصفیوں کی قدر و قیمت جس قدر میرے دل میں ہے، بالیقین اعلیحضرت بھی اسی قدر ان کے قدر شناس ہیں کیونکہ محدود الاثر ہونے کے باوصف ان سے ہمارے ملکوں میں باہمی اعتماد

اور دوستی کے جذبات پھیلنے میں تو مدد ہی ملے گی"۔ بادشاہ نے جواب میں کہا "میں دل سے حضور کے الفاظ کی، جو تازہ معاہدۂ روس و برطانیہ کے متعلق فرمائے ہیں، تائید کرتا ہوں۔ میری دانست میں یہ ہمارے ملکوں کے روابط کو قوت بخشے گا" اور مجھے پورا یقین ہے کہ اس کے ذریعے مستقبل کے بعض ضروری معاملات کا بخیر و خوبی تصفیہ ہو سکے گا۔ مجھے وثوق ہے کہ وہ امن عالم کے قائم رکھنے میں بھی بہت کچھ مدد دے گا"۔ ان تقریروں کے علاوہ، ازوولسکی اور سر چارلس ہارڈنگ نے بھی سرکاری اطلاعیں شایع کیں کہ ہم تمام مسائل میں کامل اتفاق رکھتے ہیں۔

ان تسلی بخش اطمینان دہانیوں سے قیاس آرائی کو اور بھی تحریک پہنچی۔ اور اس بازی کے بازی گروں سے بہت دور دور کے ارادے منسوب کیے جانے لگے۔ امیر کبیر بیولاؤ نے جیسے ہی کے استفسار کیے انہی سے اس کی تشویش ظاہر ہوتی تھی۔ اور ازوولکی نے اسے یقین دلایا کہ "انگلستان و روس کے درمیان کوئی ایسا خفیہ یا علانیہ عہد نامہ وجود میں نہیں آیا جس کی جرمن اغراض و مفاد پر زد پڑتی ہو" اہرنتھل کو بھی اسی قسم کی تھپکیاں دی گئیں۔ ان سے بھی اونچے مقامات میں خوف و شبہات ہونے کا انکشاف اس تقریر سے بھی ہوا جو قیصر نے ڈوبےاٹز کے فوجی جائزے کے موقع پر اپنے سرداروں سے کی۔ اس نے کہا "بظاہر لوگ ہمیں ہر طرف سے گھیرنا اور اشتعال دینا چاہتے ہیں۔ مگر یقین ہے کہ ہمیں لغزش نہ ہوگی جرمن اس وقت جب کہ ہر طرف اسے مقابلہ کرنا پڑے، سب سے اچھا لڑتا ہے" پھر ہمبرگ کی کشتیوں کے دوڑ کے موقع پر اس کا بڑے جوش و خروش اور نغمہ Die Watcham Rden "وچشم برائن" سے استقبال ہوا تو اس نے کہا "اس جوش و خروش کو دیکھ کر میں سوچتا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ کہ اتنے میں ہمارے قدیم جرمن گیت کی صدا بلند ہوئی اور میں مطلب سمجھ گیا صاحبو میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تمہارا مدعا سمجھ گیا ہوں۔ یہ تمہاری طرف سے اس شخص کے ساتھ پر تپاک مصافحہ ہے جو اپنے راستے پر چلا جاتا ہے اور جانتا ہے

جرمن اندیشے

کہ اس کی پشت پر بھی لوگ ہیں جو اس کے ارادوں سے واقف اور اعانت پر آمادہ ہیں" مگر جرمانیہ کی یہ تو غلطی تھی کہ ریوال کے ممتاز ملاقاتیوں سے یہ ارادے منسوب کر رہی تھی کہ وہ جرمانیہ کی حفاظت وسلامتی کے خلاف بحث و بزکر رہے ہیں۔ البتہ اس کا یہ سمجھنا درست تھا کہ اس ملاقات نے دونوں سلطنتوں کے باہمی روابط کو مضبوط کر دیا۔

ریوال کی ملاقات پر اس سے زیادہ تشویش کے ساتھ کہیں سرگوشیاں نہیں کی گئی ہوں گی جتنی کہ سلطان کے ممالک محروسہ کے اندر اور باہر بعض خفیہ گوشوں میں ہوئیں۔ خارج البلد نوجوان ترک مدت سے جمہوریت یا دستوری حکومت کی تدبیریں سوچتے اور سازشیں پکایا کرتے تھے لیکن ۱۹۰۵ء سے اصلاح کی تحریک خود ممالک محروسہ دولت عثمانیہ کے اندر پھیلی اور پیرس کی رہ نمائی سے مستغنی ہوگئی تھی۔ یورپی اور ایشائی ترکی میں خفیہ انجمنوں کا جال سا تیار کر لیا گیا تھا اور ان کا صدر مقام سلانیک تھا۔ مقدونیہ کی بدنظمی دول کی مداخلت کا ایک مستقل حیلہ فراہم کرتی تھی اور نوجوان ترکوں نے اصلاح کی ضرورت مان کر قصد کر لیا کہ اصلاحات خود ترکی کے ہاتھوں سے نافذ ہوں۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ کسی نازک موقع پر فوجیں کام چھوڑ بیٹھیں، اور اس کام کے لئے تیسرا جیش، جو مقدونیہ میں تعینات تھا منتخب کیا گیا تھا۔ یلدیز کوشک کے جاسوسوں کو کبھی کبھی سازش کے سراغ بھی اتفاقیہ مل گئے اور ۱۹۰۸ء میں استنبول سے ایک ناظر بھیجا گیا کہ شہادتیں جمع کرے۔ مجلس اتحاد و ترقی نے ڈر کر کہ راز افشا نہ ہو جائے، منصوبہ سوچا کہ ستمبر میں بغاوت کا علم بلند کر دے لیکن ریوال کی ملاقات ملک میں مداخلت کی تیاری نظر آئی لہٰذا انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ پیش بندی کے لئے جو کچھ کرنا ہے فوراً کر گزریں۔ بتاریخ ۳ر جولائی نیازی بے نے اپنے وطن موضع ریسنا میں سرکشی کا جھنڈا بلند کیا اور پہاڑیوں میں چلا آیا جہاں

نوجوان ترک

ملہ دیکھو مور:۔ "مدی اورینٹ ایکسپرس" باب ۲۱:۔ "دی ینگ ٹرکس"

انور بے سنعدی کے ساتھ نکل کے اس سے جا ملا۔ ۶ جولائی کے دن مناستر کی چھاونی کے سردار سلطانی نوکری کو چھوڑ کر آملے اور مقدونیہ اور البانیہ سے جوق جوق مطوعین آنے لگے۔ بتاریخ ۲۲ جولائی نیازی بے فاتحانہ جلوس کے ساتھ مناستر میں داخل ہوا اور دوسرے دن ۱۸۷۶ء کے آئین کی منادی کرادی۔ اگلے دن یہ اتمامی پیام پہنچا کہ "ہتھیار رکھ دو ورنہ استنبول پر فوج کشی کرتے ہیں" تو سلطان عبدالحمید نے آئین کو منظور کر لیا۔ اور دوپہر کے وقت خود حلمی پاشا نے سلانیک کی کوشک کے زینے پر کھڑے ہوکر یہ اعلان سنایا۔ اعلان کا ہونا تھا کہ خونی جرگے آناً فاناً غائب ہو گئے جیسے کسی نے جادو کر دیا۔ بلغاری اور یونانی، مسلمان اور عیسائی گلی کوچوں میں ایک دوسرے سے معانقے کرنے لگے۔ اخباروں کو آزادی ملی۔ عورتوں نے نقابیں الٹ دیں اور سلطنت عثمانیہ کے مصیبت مارے باشندوں نے چند روز مسرت و خوش دلی کے دور میں قدم رکھا۔[1] انہی گرمیوں میں بیرونی رسوخ و اقتدار کے تمام آلات، یعنی ژندارمہ، نظارت مال اور دیوانی عامل، برطرف کر دیئے گئے۔

(۲)

الحاق بوسینہ

ابھی یورپ نوجوان ترکوں کے انقلاب کی مدح خوانی ہی میں مصروف تھا کہ فرانسیس جوزف کے اعلان سے وہاں کے وزارت خانوں میں ہل چل سی مچ گئی۔ اس اعلان میں بوسینہ ہرزی گووینہ کی اپنے علاقہ سے باقاعدہ الحاق کی اور سنجک نووی بازار کے

---

[1] دیکھو "ترکی نمبر ۱، ۱۹۰۸ء (مکاتبات، ترکی کی آئینی تحریک پر) سر آر بکسٹن نے "دی ریوالیوشن ان ٹرکی" میں اور سر اے پیرز نے "فورٹی ایرز ان کونس ٹین ٹن اوپل" میں اس چند روزہ عہد امید کی نہایت عمدہ تصویریں کھینچی ہیں۔ نوجوان ترکوں کی تحریک کے دوسرے مرحلے کو جی ایف ایبٹ نے "ٹرکی ان ٹرانزیشن" میں بیان کیا ہے۔

تخلیئے کی اطلاع دی گئی تھی[1] (الحاق کی وجہ یہ بتائی تھی کہ اس ولایت میں آئینی حکومت کا نفاذ کرنے سے پہلے سلطنت آسٹریہ میں شامل کر لینا ناگزیر تھا)۔ قیاصرۂ ثلاثہ کی شیرازہ بندی میں جس کی تکمیل ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی، آسٹریہ کو ان صوبوں کے الحاق کا جب کبھی وہ مناسب سمجھے، حق حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن وزیر خارجہ کالنوکی نے اس حق سے کام نہیں لیا اور کچھ عرصے بعد ۱۸۸۴ء میں اس اتحاد کی تجدید ہوئی تو بلغاریہ کے مشرقی رومیلی پر قبضہ کر لینے کے باعث روس کا غیظ و غضب دیکھ کر آسٹریہ متنبہ ہو گئی تھی کہ اسے زیادہ اشتعال نہ دلائے۔ پھر ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۶ء تک کے دس برس ان بن رہی تو یہ معاملہ خواہ مخواہ دب رہا بلکہ ۱۸۹۷ء میں فرانسس جوزف، زار کی ملاقات ۱۸۹۶ء کی بازدید کے واسطے روس گیا اور یہ تجویز پیش ہوئی کہ الحاق کے حق کی توثیق کر دی جائے، تو اس وقت بھی یہ روکھا جواب ملا تھا کہ "مناسب وقت آنے پر اس کی خاص طور پر تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہوگی"۔ بوسینہ میں کیلے کا جانشین بورین مقرر ہوا وہ علانیہ الحاق کا حامی تھا۔ ادھر بلگریڈ میں آسٹریہ پسند کی بجائے روس پسند خاندان شاہی ۱۹۰۳ء میں تخت پر بیٹھا، تو آسٹریہ کے جنوبی صوبوں کے واسطے تازہ خطرے کی صورت نکل آئی۔

اہرنتھل نے سنجاک ریلوے کی رعایت روس کے مشورہ کئے بغیر حاصل کر لی تھی۔ لیکن پہلے سے سمجھوتہ کئے بغیر بوسینہ کا الحاق اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ سنجاک والے مناقشے ہی سے ازوولسکی بہت خفا اور بدگمان ہو گیا تھا۔ ڈیوما میں ملیوکوف اور دوسرے مقرروں کی نکتہ چینی نے جوش دلایا کہ دوبارہ کھویا ہوا وقار حاصل کیا جائے کئی ہفتے وزیر خارجہ

---

[1] دیکھو آسٹریہ کی کتاب احمر: "Diplomatische

" Entententepolitik ....

اسٹیڈ: "دی ریلم اوف دی ہیپس برگز"

بوگویش وچ، "کازز اوف دی وار"

وغیرہ وغیرہ۔

کا طرز آسٹریہ کے سفیر خارجہ برختولڈ سے بہت سرد مہری کا رہا مگر پھر یہ کیفیت جاتی رہی اور اپریل میں ان کی بحث و گفتگو کا نتیجہ ایک یادداشت کی صورت میں وجود پذیر ہوا جس میں اس کی یہ خواہش تحریر تھی کہ ان دونوں سلطنتوں کا ارتباط از سرنو قائم ہونا چاہئے۔ آسٹریہ ڈین یوب تا اڈریاٹک کی ریل کو منظور کرے جس کے ذریعہ سرویہ براہ البانیہ سمندر تک راستہ پا جائے گی۔ اہرنتھل نے جواب دیا کہ ریل بوسینیہ میں سے گزرنی واجب ہے۔ ازوولسکی نے اپنا ترپ کا پتہ ضمنی یادداشت مورخہ ۱۲ر جولائی کی شکل میں یہ چلا کہ سنجک ریلوے کی تعمیل قبول کر لی اور آمادگی ظاہر کر دی کہ اگر موجودہ سیاسی تقسیم ناممکن ہو جائے، تو میں ملکی تغیرات کی نسبت جن میں بوسینہ، ہرزی گووینہ اور سنجک کا الحاق بھی شامل ہے، گفتگو کروں گا اور اس کے عوض میں روس کے جنگی جہازوں کے واسطے آبنائوں کا راستہ مل جائیگا

ازوولسکی کی سبقت اہرنتھل کی طرف

یہ تحریر بلا فرانس یا برطانیہ کے مشورے کے لکھی گئی تھی۔ اور اس غیر متوقع اطلاع سے کہ آسٹریہ، بوسینہ کا الحاق کر سکے گی، اہرنتھل نہایت مسرور ہوا۔ پھر جب روس کی طرف سے مشروط منظوری کا اطمینان ہو گیا تو اس نے ارادہ کر لیا کہ اس خیال کو بلا کسی ممکن تاخیر کے عمل میں لے آئے۔ ادھر ازوولسکی نے اگر راہ دکھائی تو نوجوان ترکوں کے انقلاب نے گویا موقع پیش کر دیا۔ چنانچہ یہ خبر آئی تو اہرنتھل نے اپنی بیوی سے کہا کہ "اب مجھ ہی کو فضیحت اپنے سر لینی پڑے گی اور وہ کام کرنا پڑے گا جسے اندراسی کے وقت سے میرے پیش رو کرنے سے ڈرتے رہے"، حکومت روس کو اسنے جواب میں لکھا کہ اگر روس اپنے جنگی جہازوں کے ساتھ رومانیہ بلغاریہ کے جنگی جہازوں کے لئے بھی ابنائیں کھول دینے کی وکالت کرے اور ضمانت دے کہ استنبول پر روسی بیڑا حملہ نہ کرے گا، تو میں سنجک کا تخلیہ کر دونگا اور جبل اسود میں آسٹریا کے حقوق سے دست بردار ہو جاؤنگا، پھر ۱۹ر اگست کی شاہی مجلس شوریٰ میں، اس نے یہ معاملہ کرنے کی جرمانیہ اور اطالیہ سے بھی اصولی رضامندی حاصل کر لی۔ اور ازوولسکی نے سرویہ کے وزیر خارجہ میلووانووچ سے بھی اشارۃً یہ حال کہہ دیا۔

آخری تصفیے کی باتیں اس وقت ہوئیں جب ازووسکی نے جو کارلس بیڈ آیا ہوا تھا، برختولڈ کے لکھنے پر اہرنتھل سے ملنا قبول کیا اور بتاریخ ۱۵ ستمبر برختولڈ کے قصر بُک لاؤ واقع بوہیمیہ میں ملنے آیا۔ چونکہ یہ گفت وشنید بغیر کسی شاہد کے آپس میں ہوئی اور ضبط تحریر میں نہیں آئی اور پھر ان صاحبان بست وکشاد نے جو بیان شایع کئے وہ ایک دوسرے کے متناقض تھے[1]۔ لہذا ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ لیکن باہمی تصفیے کے اصولی مقدمات تو پہلے ہی سے مرتب ہو چکے تھے اور اہرنتھل نے ازووسکی کی یہ تجویز قبول کر لی کہ مجوزہ تغیرات کی تصدیق کے واسطے دول یورپ کی مجلس مشاورت منعقد کی جائے۔ البتہ آگے چل کے ازووسکی اس پر جما رہا کہ میں اہرنتھل کی تجاویز کو خلاف قانون بتاتا تھا اور میں نے صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم مخالفت نہ کریں گے۔ بحالیکہ جس دن گفتگو ہوئی اسی شام اہرنتھل نے فرانس جوزف کو جو خط لکھا اس میں اطلاع دی تھی کہ روسی مدبر دوستانہ طرز عمل کا وعدہ کرتا ہے۔ اسی بیان کی میزبان نے بھی، جس سے دونوں وزیروں نے گفتگو نقل کی تھی، تصدیق کی۔ مگر بیانات میں دوسرا تناقض اس سے کہیں زیادہ سنگین تھا یعنی اہرنتھل کے بادشاہ کے نام خط میں تو لکھا تھا کہ میں نے ازووسکی کو اطلاع دی ہے کہ عجب نہیں الحاق کی کارروائی وفود کے اجتماع سے قبل اوایل اکتوبر میں کی جائے۔ روسی وزیر کا تقاضا تھا کہ اس میں تاخیر کی جائے۔ مثلاً میری پیٹرزبرگ مراجعت تک یعنی وسط اکتوبر تک توقف کیا جائے۔ اہرنتھل نے جواب دیا کہ یہ تاخیر مشکل سے مناسب ہوگی مگر وعدہ کیا کہ آپ کو کافی وقت دے کے پہلے سے آگاہ کر دوں گا، لیکن الحاق کے بعد ازووسکی بہت چیخا چلایا کہ مجھے دھوکا دیا گیا۔ اس پر پیٹرزبرگ کے آسٹروی سفیر برختولڈ نے اسے بُک لاؤ کی گفتگو یاد دلائی تو اس سے وہ انکار نہ کر سکا کہ اوائل اکتوبر کا تذکرہ آیا تھا۔ بہرحال یہ پریشانی خود اس کی لائی ہوئی تھی کیونکہ اس نے اقرار کیا تھا کہ بُک لاؤ میں

[1] فورٹ نائٹ لی ریویو۔ ستمبر و نومبر ۱۹۰۹ء

جو کچھ طے ہوا، اسے صحت کے ساتھ قلمبند کر کے دی آنا بھیجدے گا مگر کچھ بھی نہ کیا۔

کارلس بیڈ میں علاج ختم ہوچکا تو روسی مدبر نے ایسی اترکے اطمینان اور فرصت سے ممالک یورپ کی سیاسی سیاحت شروع کر دی جس کی غرض یہ تھی کہ آبناؤں کے کھول دیئے جانے کے مسئلہ پر اطالیہ، فرانس اور برطانیہ سے گفت وشنید کیجائے برخلاف اس کے وزیر آسٹریہ بیرن ایرنتھل نے شونن سے کہا کہ روسی ریچھ غرآئے گا مگر بھنبوڑے گا نہیں۔ البتہ ٹرکی کا معارضہ کرنا یقینی تھا لہذا ایرنتھل نے قصد کر لیا کہ بلغاریہ کو اپنا طرفدار بنالے بتاریخ ۲۳ ستمبر فرڈی نینڈ شہنشاہ سے ملنے بوڈاپسٹ آیا اور شاہانہ اعزاز واکرام کے ساتھ اس کا استقبال ہوا ایرنتھل کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ اس نے

بلغاریہ کا میل

"رئیس بلغاریہ سے ازوولسکی کے ساتھ جو کچھ قرار داد ہوئی تھی، اس کا کچھ تذکرہ نہیں کیا نہ مجوزہ الحاق کا حال بتایا اس لئے ان میں مل کر کام کرنے کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایرنتھل نے اشارةً کچھ کہہ دیا ہو" بہرحال، یہ یقینی ہے کہ فرڈی نینڈ کو اطمینان ہوگیا کہ میں اگر خودمختاری کا اعلان کروں گا تو آسٹریہ کوئی اعتراض نہ کرے گی مگر بک لاؤ کی طرح یہاں بھی کسی وقت کا تعین نہیں کیا گیا۔ پھر فرڈی نینڈ خفیہ طور سے وی آنا آیا اور دوبارہ وزیر خارجہ سے ملاقات ہوئی۔ اورینٹل ریلوے کی ہڑتال اور اسی سلسلے میں بلغاریہ کے اس ریلوے پر قبضہ کر لینے کے ساتھ سلطان کا بلغاری وکیل کو دربار شاہی میں دعوت دینے سے انکار کرنا، محرک ہوگیا کہ جو فیصلہ ہوا تھا اس کو بہ سرعت عمل میں لایا جائے اور ۵ اکتوبر کے دن ٹرنوو میں بلغاریہ کی خودمختاری کا اعلان کر دیا گیا۔

فرانس، اطالیہ، برطانیہ اور جرمانیہ میں آسٹریہ کے جو سفیر متعین تھے ان کے پاس پہلی اکتوبر ہی کو خاص شہنشاہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خط روانہ کر دیئے گئے تھے اور حکم مل گیا تھا کہ انھیں ۵ اکتوبر کے دن مذکورۂ بالا حکومتوں کے حوالے کیا جائے۔ لیکن خود ازوولسکی ۳ اکتوبر کو پیرس پہنچا تو اسے ایرنتھل کا ۳۰ ستمبر کا خط ملا جس میں اطلاع تھی کہ الحاق کی کارروائی ۷ اکتوبر کو عمل میں آئے گی۔

ادھر فرانس کا رئیس جمہوریہ ۵ر اکتوبر کے دن کہیں باہر جانے والا تھا لہذا آسٹریہ کے سفیر کی ملاقات دو روز پہلے یعنی ۳ر اکتوبر ہی کی مقرر کر لی گئی اور اس تاریخ تین بجے سہ پہر کے وقت فرانسس جوزف کا خط اس کے سامنے رکھدیا گیا۔ صدر جمہوریہ اسے دیکھ کر کہنے لگا کہ "یہ خط بوسینہ کے الحاق کی خبر لایا ہے۔ مگر بلغاریہ کی آزادی کا کیا ہوا؟" سفیر دخیون ہلرم کا جواب خلاف مصلحت تو تھا مگر اس نے بے تامل کہدیا کہ "اس کا بھی پورا انتظام ہو چکا ہے۔ بلغاریہ ہم سے ایک دن پہلے سبقت کرے گی" اس طرح یہ معرکہ آرا خبر مختلف صدر مقامات میں بوقت واحد ظاہر ہونے کی بجائے، پیرس میں قبل از وقت دنیا پر ظاہر ہو گئی۔ اور خیون ہلر نے فرانس کے وزیر خارجہ کو یہ بھی بتایا کہ روس و جرمانیہ اور اطالیہ کی حکومتیں ہماری اس کارروائی کو پسند کر چکی ہیں؛ پھر فرانسس جوزف نے ۷ر اکتوبر کی بجائے ۶ر اکتوبر کے دن الحاق کا اعلان کر دیا؛

افشائے راز

فرانس کا وزیر اعظم کلیمنسو، اہرنتھل سے معاہدۂ برلن کی خلاف ورزی کی بنا پر اتنا ناراض نہ ہوا جس قدر کہ ازووسکی سے کہ حکومت روس نے اپنے حلیف (فرانس) سے مشورہ تک نہ لیا۔ ورنہ فرانس میں عام طور پر الحاق نے لوگوں کو کچھ زیادہ پریشان نہیں کیا۔ چنانچہ ہانوتو لکھتا ہے کہ " اس سے نظام یورپ میں کوئی گہرا تغیر نہیں ہوتا۔ معاملہ سخت سہی، مہلک نہیں ہے[1]" برخلاف اس کے روس و سرویہ میں جہاں ابتدائی دادوستد کی لوگوں کو خبر نہ تھی، حیرت طاری ہو گئی۔ پیرس میں سرویہ کا وکیل وسنیچ تھا۔ اس سے گفتگو میں ازووسکی نے صاف کہہ دیا کہ سرویہ کے اتنے اضطرار و اشتعال کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا کیونکہ اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا بلکہ روس کی تائید و حمایت حاصل ہو گئی اسی طرح روس کے سفیر متعینہ وی آنا نے وہاں کے سروی وکیل سے توجیہ کی کہ سنجک کا تخلیہ کافی معاوضہ ہے کہ آسٹریہ کے بجانب سلانیک پھیلنے میں یہ علاقہ حائل ہو جائے گا

[1] "لاپولی تیک ...." وغیرہ

اور اس کے تخلیئے سے سرویہ کے ہاتھ آجانے کی صورت نکل آئی ہے۔ مگر منظر عام پر ازووسکی نے کچھ اور لب و لہجہ اختیار کیا اور بیان کیا کہ اہرنتھل نے بغیر میرے علم کے یہ کام کیا ہے۔ پھر اپنے از دست رفتہ وقار کو ازسرنو قایم کرنے کی غرض سے اس نے تہیہ کیا کہ آسٹریہ کو سارے یورپ کی پنچائت کے سامنے طلب کرے کہ اس کام کی منظوری کے ساتھ شاید ممالک یورپ روس کے حق معاوضہ کو بھی تسلیم کریں۔ اسی امید میں کہ برطانیہ اس کی تجویز مان لے گی وہ بتاریخ ۹ر اکتوبر پیرس سے لندن روانہ ہوا۔ لیکن یہاں بھی مایوسی اس کے نصیب میں تھی اور اسے دوبارہ چاروناچار طعن و تعریض سننی پڑی کہ دوستوں سے اپنے منصوبے کیوں چھپائے۔

ازووسکی انگلستان میں

انگلستان میں آسٹریہ کے سفیر نے شہنشاہ کا قلمی خط پیش کیا تو شاہ ایڈورڈ نے اپنے ناخوشی چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اپنے قلم سے جواب لکھا تو اس میں آسٹریہ کے فعل پر اظہار تاسف کیا اور اپنے عالی رتبہ مخاطب کو ۱۸۷۱ء کے واجب الاحترام عہدوپیمان یاد دلائے۔ بتاریخ ۱۷ر اکتوبر سر ایڈورڈ گرے نے بھی حلقۂ انتخاب میں تقریر کرتے وقت جتایا کہ معاہدہ برلن کی ہر ترمیم کے لئے ممالک یورپ کی دوبارہ موتمر کا انعقاد اسی طرح لازمی ہے جس طرح روس نے ۱۸۵۶ء کے شرائط متعلقہ بحر اسود سے تبری کی تو لندن کے مشاورۂ ۱۸۷۱ء میں اس کی منظوری لینی پڑی تھی اور اسی مجلس نے فتویٰ دیا تھا کہ "کوئی طاقت اپنے آپ کو ان شرطوں سے آزاد نہیں کرسکتی جو بروے عہدنامہ قبول کرچکی ہو اور نہ شرکائے معاہدہ کی رضامندی کے بغیر شرائط میں کسی قسم کی ترمیم کرسکتی ہے"۔ برطانیہ، فرانس اور روس کے سفرا متعینۂ استنبول کو ہدایت کردی گئی کہ باب عالی سے کہدیں کہ عہدنامۂ برلن کی تبدیلی کے لئے اس کے دستخط کرنے والوں کی منظوری درکار ہے۔ اور برطانیہ جہازوں کا ایک دستہ بھی حمایت و ہمدردی کے اظہار کی دلیل میں ایجین کو روانہ کیا گیا۔ ۲۰ر اکتوبر کی سرکاری اطلاع نے خبر دی کہ روس و برطانیہ کے وزرا مجلس مشاورۃ طلب کرنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ اس طرح ازووسکی اپنے منصوبے کی پہلی مد منوانے میں تو

کامیاب ہوگیا۔ مگر اس کا دوسرا جزو اور سب سے اہم مطالبہ، کہ روس کو معاوضہ دیا جائے۔ کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ عہدنامہ برلن کے خلاف ریشہ دوانی کی سرایڈورڈ گرے کو کانوں کان خبر نہ تھی، دوسرے اس سے تجاوز کرنے پر آسٹریہ کو برا بھلا کہہ چکا تو پھر وزیر روس کی رائے کے مطابق خود ترکی بادشاہی میں مزید دست بردگی مشکل ہی سے حمایت کرسکتا تھا غرض اس نے اپنے ملاقاتی سے صاف کہہ دیا کہ مجلس مشاورۃ میں آبناؤں کا مسئلہ ہرگز نہ چھیڑا جائے۔ البتہ اسی تنبیہ کے ساتھ تحریراً اطمینان دلایا کہ میں روس کے ان مقاصد میں اس کا خیر طلب ہوں اور یہ ممانعت صرف ہنگامی ہے[1] بتاریخ ۱۳ راکتوبر شہزادہ بیولو نے برطانی حکومت کو آگاہ کیا کہ آسٹریہ انعقاد مجلس کے خلاف ہے اور جرمانیہ لازماً اس کی تائید کرے گی۔ بریں ہمہ ۲۲ راکتوبر کو اہرنتھل نے مجلس وفود کے روبرو صراحت کی کہ اگر مجلس کا نظام اوقات میری رائے کے مطابق طے کیا جائے اور الحاق پر کوئی بحث مباحثہ نہ ہو بلکہ اس کی صرف منظوری دی جائے تو مجھے اس کے انعقاد پر اعتراض نہیں ہے۔

اتحاد ثلاثہ کا تیسرا شریک ان واقعات سے کچھ پوری طرح مطمئن نہ تھا اور دکٹر امان ویل نے تو الحاق کو عہدنامہ برلن پر خنجر زنی سے تمثیل دی اور رومہ میں

اطالیہ والوں کی رائے

قصر وتنے زیا کے روبرو آسٹریہ کے خلاف مظاہرے ہوئے پھر عام طور پر جو ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ سابق وزیر اعظم فورٹس کی ایک پرجوش تقریر کی صورت میں بروے کار آئی۔ یہ ۳ر اور ۴ر دسمبر کے مباحثے کے دوران میں ہوئی جب آسٹریہ کا سفیر کان لگائے سننے والوں میں موجود تھا۔ اس نے کہا "صرف ایک سلطنت ایسی ہے جس سے اطالیہ کو آویزش کا امکان نظر آتا ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ وہ ہماری حلیف ہے۔ حکومت پر واجب ہے کہ قوم کو ایثار کی دعوت دے تاکہ اس موقع کی ضرورتوں کے مطابق قشون جنگ کی تنظیم و ترتیب کی جاسکے۔" اس نے حجت کی کہ بوسینہ کا قبضہ ایک معقول نفع

[1] سای ہرٹ - ۵۱۷

کی صورت ہے، مگر اس قضیئے میں پڑ کر اطالیہ کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ وزیر اعظم تیتونی کو بڑی دقت پیش آئی کیونکہ وہ پیش از پیش الحاق سے بطیب خاطر اتفاق رائے کر چکا تھا۔ اس موقع پر اس نے بیان کیا کہ مجھے یہ علم تو تھا کہ الحاق کیا جانے والا ہے لیکن اہر نتھل کی ایک بہ ایک یہ کارروائی میرے لیئے بھی موجب حیرت ہوئی۔ پھر اس نے صراحت کی کہ اتحاد ثلاثہ کی رو سے اطالیہ اس صورت میں معاوضے کا استحقاق رکھتی ہے جب کہ البانیہ یا مقدونیہ کی سیاسی تقسیم یا حالت میں کوئی تغیر کیا جائے۔ باقی آسٹریہ کا از خود سنجک سے دست بردار ہو جانا، نہایت اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے آسٹریہ کے سلانیک کی طرف بڑھنے کے تمام خدشے دور ہو گئے۔ عہد نامہ میں تبدیلی کرنے کی غرض سے مجلس کا انعقاد ضروری ہوگا مگر آسٹریہ کو سب و شتم کرنے سے کچھ فائدہ نہیں نظر آتا۔

اگر الحاق سے اہل برطانیہ چونک پڑے اور اسی طرح روس و اطالیہ کے حکام نہیں تو عوام پر وہ سخت شاق گزرا، تو جبل اسود اور سرویہ کے حق میں وہ ایک

سرویہ میں ہلچل

ضرب شدید کا حکم رکھتا تھا جنھوں نے فوراً جنگی تیاریاں شروع کر دیں وزیر خارجہ میلوواںوچ نے وی آنا کے ایک اخبار نویس سے فریاد کی کہ "میرے ملک کو اس الحاق سے قریب قریب ایسی ہی تکلیف ہوئی جیسی کسی کو جسمانی درد سے ہوتی ہے چنانچہ لوگوں کی روح بیقرار ہو گئی اور وہ چیخ اٹھے" آیندہ بھی سرویہ، آسٹریہ کے قبضۂ بوسینہ سے کبھی رضامند نہیں ہوئی اور شاہ میلان نے ایک مرتبہ خیال ظاہر کیا کہ صرف میں ایسا سروی ہوں جس نے اس الحاق کو معاف کر دیا۔ اصل میں شاہ پیٹر کی تخت نشینی کے وقت سے سرویہ میں یہ امید نہایت مضبوطی سے جاگزیں ہو گئی تھی کہ آخر کار روس کی اعانت سے

علہ۔ اس کیفیت کو ویم ملر نے بیان کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ گیولیتی "غور سے اہل مجلس کا رنگ دیکھ کر" کھڑا ہوا اور مقرر کو مبارک باد دی۔ دیکھو کوارٹرلی ریویو: اپریل ۱۹۱۶ء کا مضمون "دی فورین پولیسی اوف اٹلی" تیتونی کی تقریر اس کی ممالک خارجہ اور نوآبادیوں کے متعلق تقاریر کے مجموعے میں چھپ چکی ہے۔ (ترجمہ انگریزی)

یوگوسلافی صوبے سلطنت آسٹریہ سے جدا کر لیے جائیں گے۔ ۱۹۰۸ء ہی میں جب سرویہ اور بلغاریہ کے محاصل درآمد میں مجوزہ اتحاد سن کر آسٹریہ نے ان کے خلاف تجارتی جنگ چھیڑ دی تھی تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ اس "خنزیری جنگ" نے ساری قوم میں سخت جھونجل پیدا کر دی تھی اور کرپوسوٹ کو (جنگی سامان کی) بڑی بڑی فرمائشیں بھیجدی گئی تھیں۔ میلوو انووچ خوب واقف تھا کہ الحاق کو مسترد کرا دینا تو ممکن نہیں، لہذا وہ یورپ کی مختلف وزارتوں میں جانے کے لئے روانہ ہوا کہ بوسنیہ اور ہرزیگووینیہ کے واسطے دول کی ضمانت میں حکومت خود اختیاری کی استدعا کرے اور سرویہ کے لئے بطور اشک شوی اڈریاٹک میں ایک بندرگاہ مانگے۔ اس نے اطلاع دی کہ سرایڈورڈ گرے نے معاوضے میں علاقہ دئے جانے کے مطالبے کی تائید کا وعدہ کیا ہے جب تک کہ روس بھی ایسا ہی کرتا رہے[1]۔ پیٹرو گریڈ میں شہزادہ جورج اور پاسیچ کی اس سے بھی زیادہ تپاک سے آؤبھگت ہوئی۔ اور پاسیچ نے لکھ کر بھیجا کہ "زار نے سرویہ کے ساتھ بڑی ہمدردی ظاہر کی مگر نصیحت کی کہ کام خاموشی سے کیا جائے کیونکہ گو ہمارا دعویٰ سچا ہے لیکن ہماری تیاریاں ضعیف ہیں بوسنیہ ہرزیگووینیہ کے مسئلہ کا صرف تلوار فیصلہ کر سکتی ہے۔ آسٹریہ کسی حکومت خود اختیاری یا علاقے کے معاوضے پر رضامند نہ ہوگی۔ روس الحاق کو تسلیم نہیں کرے گا۔ ایسے یقین ہے کہ آسٹریہ سرویہ پر حملہ نہیں کرے گی۔ مگر ہمیں ہرگز اشتعال نہ دینا چاہئیے" اعتدال ملحوظ رکھنے کے ان مشوروں کے باوجود اہل سرویہ کے خیالات جنگجویانہ رہے۔ لیکن ترکی سے جو استعانت اس نے کی تھی وہ بھی اسی طرح بے نتیجہ رہی دراصل سنجک کے تخلیہ نے کڑوی گولی پر میٹھی تہ چڑھا دی تھی۔ اور گو کامل نے اعلان کیا کہ ہم الحاق کو جائز تسلیم نہ کریں گے اور آسٹریہ کے مال کا مقاطعہ ہوا جو لوگوں کی حق بجانب ناراضی کی دلیل تھا، تاہم اس وزیر اعظم نے سرویہ سے عملی اشتراک کرنا منظور نہ کیا۔

موسم خزاں گزرا اور جاڑے آ گئے۔ یورپ میں برابر اسی الحاق کی گڑبڑ ہوتی رہی

---

[1] بوگی شیوچ: "کازز اوف دی وار"

اگرچہ کسی ملک کو یہ پروا یا جرأت نہ ہوئی کہ جنگ کے لئے ٹوک کر آسٹریہ کی استقامت کی آزمائش کرتا۔ بلگریڈ کی دیوانہ وار چیخ پکار نے وی آنا میں حقارت آمیز غصہ پیدا کیا اور جنگی حکام کے آتش مزاج صدر کونارڈ وان ہوٹ زن ڈورف نے، جسے کامل یقین تھا کہ اگر آسٹریہ الگ الگ اپنے دشمنوں سے نہ بھگت لے گی تو ایک روز سارے دشمنوں کے جتھے کا اسے مقابلہ کرنا پڑے گا، پیہم اصرار کیا کہ سرویہ کی قرار واقعی سرکوبی کر دی جائے۔ جرمانیہ وفادار حلیف تھی، اطالیہ کسی شمار قطار میں نہ تھی، روس کمزور، فرانس بے پروا اور برطانیہ مصالحت جو تھی اہرنتھل نے اپنے انگریز ملاقاتیوں سے بیان کیا کہ "تمھارا سر ایڈورڈ گرے امن کا خواستگار ہے"، اور جب اسے تنبیہ کیا گیا کہ برطانی اثر کو حقیر نہ جانے تو اس نے جواب دیا "انگلستان ہمارا کیا کر سکتا ہے؟ یہ اعتماد اواخر

شہزادہ بیولاو کی تائید

سال کی بیولاؤ اور ازووسکی کی تقریروں سے اور قوی ہو گیا۔ یعنی ۲ویں دسمبر کی تقریر میں جرمن صدر اعظم نے جہاں نوجوان ترکوں کی با موقع ستائش کی وہیں اپنے حلیف کی غیر متزلزل تائید بھی شامل کر دی اس نے کہا "تمام متمدن دنیا انھیں خیر خواہی اور احترام کی نظروں سے دیکھ رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ ہم ان کے (یعنی نوجوان ترکوں کے) مخالف ہیں کیونکہ سابقہ بادشاہی سے ہمارے تعلقات اچھے تھے۔ لیکن ہم دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں کوئی دخل نہیں دیا کرتے ہماری خواہش صرف یہ ہے کہ اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے ترکی کو قوی تر دیکھیں۔ ہم نے ترکی سرزمین کبھی نہ لی نا مانگی۔ بوسنیہ کی بازی میں ہمیں پیش پیش ہونے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس کے الحاق کے ارادے کی ہمیں بھی قریب قریب اسی وقت خبر ملی جب روس و اطالیہ کو ملی۔ لیکن وقت کی اطلاع نہ تھی۔ آسٹریہ کا فرض ہے اپنے حقوق و معاملات کو جس طرح مناسب جانے خود طے کرے۔ ہم نے جہاں تک ہماری طاقت میں تھا، ان حقوق کی حمایت کرنے میں کمی نہیں کی۔ اور ازووسکی سے میں نے کہہ دیا تھا کہ مجلس مشاورت کے بارے میں ہمیں اپنے حلیف سے جدا ہونا نہ چاہیے" ادھر ازووسکی کی جس تقریر کا بہت دن سے انتظار تھا، وہ ڈیوما میں بتاریخ ۲۸ر دسمبر بہت دھیمی سروں میں ہوئی اور حقیقت میں اس نے گویا اعتراف کر لیا کہ بازی ہاتھ سے نکل گئی حتیٰ کہ

ازووسکی کی معذرت

برختولڈ سے اس نے دکھڑا رویا کہ میرے تو گھٹنے ٹوٹ گئے۔ تقریر میں اس نے بیان کیا کہ بوسینہ کے معاملے میں روس کی آزادی عمل میں تیس سال کے عہد و پیمان بانع ہیں۔ بغیر ارادۂ جنگ مکابرہ کرنا دیوانگی ہوتی سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ مختلف مجالس وزرا سے ابتدائی بحث و گفتگو کرکے، مجلس مشاورۃ کے انعقاد پر زور دیا جائے اور اس میں آسٹریہ کی کوئی مخالفت مضمر نہ تھی۔ ازووسکی کی پہلی تقریروں کے مقابلے میں یہ بہت دھیمی گفتگو تھی اور اسے وی آنا والوں نے اہرنتھل کی اس دھمکی کا نتیجہ قرار دیا کہ اگر روسی وزیر خارجہ اس کی نیک نیتی پر حملہ کرنے سے باز نہ آیا تو وہ مخفی دستاویزیں شایع کردے گا۔[1] غرض نیا سال شروع ہوا تو مجلس مشاورۃ کی تحریک پر اوس سی پڑتی جاتی تھی۔ آسٹریہ نے ابتدائی قرارداد، اور الحاق کے مباحثے کو خارج از بحث کئے بغیر مجلس میں شرکت سے انکار کردیا۔ اور جب اس کے فعل پر پیش از پیش بچارا ہی پھیرنا تھا تو پھر اس اہتمام و احترام کے ساتھ دول کی مجلس خاص جمانا فضول معلوم ہوتا تھا۔ بایں ہمہ تین قضیے چکانے ضروری تھے یعنی اوّل تو آسٹریہ اور ترکی کے تعلقات دوسرے بلغاریہ اور ترکی کے تیسرے آسٹریہ اور سرویہ کے تعلقات کا قضیہ۔ اور تینوں اپریل سے پہلے بلا کسی کشت و خون کے طے ہوگئے۔

اہرنتھل دلیل پیش کرتا تھا کہ ترکی کے بوسینہ اور ہرزی گووینیہ پر فرضی حقوق زایل ہونے کی یہ تلافی بالکل کافی ہے کہ ہم نے سنجک اسے اپنی چھاونیاں بلا درخواست اٹھالیں۔ لیکن آسٹریہ کے مال کا ترکی میں مقاطعہ دیکھ کر اور نیز اس خواہش نے کہ دشمنوں کی تعداد میں کمی ہو جائے، اسے آخر میں زر تسلیہ دینے پر بھی آمادہ کر دیا۔ اور جس وقت خبر آئی کہ آسٹریہ الحاق کردہ صوبوں کی سلطانی املاک کا پچیس لاکھ تاوان ادا کرے گی تو سرایڈورڈ گرے نے "پہلا صاف مطلع"

---

[1] مگر خانگی طور پر ازووسکی جلے دل کے پھپولے پھوڑتا رہا۔ چنانچہ آسٹریہ کے عامل سفارت خانہ کے روبرو اس نے چلا کے کہا کہ اہرنتھل شریف آدمی نہیں ہے۔

(مسنری لاسی: ....۱۹۴)

کہ کے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس اطمینان کو اور تقویت پہنچی جب کہ بلغاریہ نے ترکی سلطنت سے جو دغا کی تھی اس کے کفارے کے لئے یہ معاہدہ کیا کہ اورینٹل ریلوے میں اپنے حصہ کے پچاس لاکھ کی خود کفیل ہو گی۔ اور ترکی تاوان جنگ ۱۸۷۸ء میں سے اتنی ہی رقم تخفیف کر کے اس معاملت کی تکمیل کرا دی۔

اہرنتھل کہتا تھا کہ اصلی مالک نے الحاق قبول کر لیا تو جن سلطنتوں کا بلا واسطہ اتنا تعلق نہیں، انھیں بھی رضا مند ہو جانا واجب ہے۔ اور ہر چند اس رائے سے سرویہ متفق نہ ہوئی، تاہم ائتلاف ثلاثہ نے پسپائی کے لئے پل تیار کرنے کی کوشش کی۔ دول کی فہمائش کا سرویہ نے سرکاری طور پر جو جواب بھیجا وہ

سرویہ کا اڑے رہنا

نہ بال پلاٹز کو خوشنود کر سکا نہ ڈاؤننگ اسٹریٹ کو۔ لہذا اہرنتھل اور سر ای کارٹ رائٹ نے زیادہ اطاعت گزاری کا مسودہ اس کی طرف سے خود مرتب کیا۔ پیچیدگی دور ہونے میں اب کچھ دیر نظر نہ آتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے ایک خلفشار ہونا بدا تھا۔ وہ یہ کہ بتاریخ ۱۴؍ مارچ پورتالے نے ازوولسکی کو اطلاع دی کہ جرمن صدر اعظم تیار ہے کہ اہرنتھل کو صلاح دے کہ وہ دول کے پاس باقاعدہ ترکی کے الحاق تسلیم کر لینے کی اطلاع بھیجے اور پھر اگر روسی منظور کریں تو ہو سکتا ہے کہ خود جرمانیہ روس کے ساتھ ہو کر دول کو باہمی مراسلت کے ذریعے اسے تسلیم کرنے کا مشورہ دے اور اس طرح پیٹرو گریڈ کا یہ منشا کہ دول کی منظوری لینی چاہئے، حاصل ہو جائے۔ ازوولسکی نے پورتالے کی دوستانہ تحریر کا شکریہ لکھا "جو یہ قضیہ شروع ہونے کے بعد جرمن حکومت کی اس خواہش کی پہلی علامت تھی کہ نزاع رفع ہو" مگر خیال ظاہر کیا کہ اس میں مجلس مشاورۃ کی تجویز منسوخ ہونے، سرویہ کو آسٹریہ کے حوالے کر دینے اور آسٹریہ کو دوسرے مسائل حل کرنے سے بے نیاز کر دینے کا پہلو نظر آتا ہے۔ پھر اس نے بلا تاخیر تار سے لندن و پیرس کو یہ اطلاع بھیجدی اور آخر میں لکھا کہ مجلس مشاورۃ کے انعقاد کی شرط پر ممکن ہے میں اس تجویز کو قبول کر لوں۔

بتاریخ ۲۳؍ مارچ، یعنی جب جرمن تحریک کا ۶ دن تک کوئی جواب نہ ملا، تو امیر کبیر بیولاؤ نے اس تدبیر سے کام لیا جسے وہ تو نرم دباؤ کے نام سے

یاد کرتا تھا مگر دنیا کی نظر میں وہ پیام جنگ سے بہت مشابہ تھی[1]۔ اس میں تحریر تھا کہ "حکومت جرمانیہ کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ روسی حکومت جرمانیہ کے فعل کے دوستانہ منشا کو پہچانتی ہے اور جرمن تجویز قبول کر لینے پر مائل ہے جرمانیہ آمادہ ہے کہ وزارت وی آنا کو دول سے یہ استدعا کرنے کی صلاح دے کہ وہ سرکاری طور پر عہد نامۂ برلن کا فقرۂ بست وپنجم منسوخ کرنے کی منظوری دیں۔ اسی کے ساتھ حکومت آسٹریہ ترکی سے اپنی قرارداد بغرض اطلاع ارسال کر دے لیکن یہ تحریک کرنے سے قبل جرمن حکومت چاہتی ہے کہ اسے پورا یقین ہو جائے

جرمانیہ روس پر دباؤ ڈالتی ہے

کہ روسی وزارت آسٹریہ کی استدعا قبول کرنے پر تیار ہے۔ گویا ہم ایک حتمی جواب "ہاں" یا "نہیں" چاہتے ہیں۔ گول مول بات لکھی ہوئی آئی تو اسے ہمیں انکار سمجھنا پڑے گا۔ اور اس صورت میں ہم معاملات کو چھوڑ دیں گے کہ وہ جو رنگ چاہیں اختیار کریں پھر آیندہ جو کچھ پیش آئے اس کی ساری ذمہ داری ازوولسکی پر ہوگی"[2]۔

ازوولسکی نے زار سے مشورہ کرکے جواب دیا کہ اگر آسٹریہ نے فقرۂ بست وپنجم کی تنسیخ دول سے چاہی تو روسی حکومت باضابطہ اور غیر مشروط قبول کا اعلان کر دے گی۔ اس گتھی کو سلجھانے کی خواہش کا یہ تازہ ثبوت دے کر اس نے امید ظاہر کی کہ برلن اپنے اثر سے کام لے کر وی آنا کو آمادہ کرے گا

---

[1] جیگو لکھتا ہے کہ "وہ کوئی پیام جنگ نہ تھا بلکہ بیچ بچاؤ کی تجویز تھی جسے ازوولسکی نے سخت دقت سے نکلنے کا بہت اچھا مخلص سمجھا۔ اور اس کے مددگار شاری کوف نے کہا کہ جرمانیہ نے روس کی بڑی خدمت انجام دی"۔ لیکن منصرم وزیر خارجہ کیڈرلن واخٹر نے ٹیک جونسکو کے سامنے فخریہ بیان کیا کہ وہ پیام جنگ تمام وکمال تنہا میں نے مرتب کیا۔ "میں جانتا تھا کہ روس لڑائی کے لئے تیار نہیں ہے شون ہوتا تو یہ جسارت نہ کرتا"۔ (دیکھو ٹیک جونسکو: "پرسنل امپریشنز" صفحہ ۱۵۸) حکومت جرمانیہ نے فرانس کو بھی اس نمائش میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی مگر بے نتیجہ رہی۔

[2] بیولاؤ کا تار پورتالے کے نام تہمان کی کتاب میں چھپ گیا ہے۔

کہ وہ برطانی تحریک کی پیروی میں بلگریڈ سے مفاہمت منظور کرلے۔ ازوولسکی نے اس حال کی لندن و پیرس کو اطلاع دی اور تصریح کی کہ مخالفت کا کوئی امکان نہ تھا کہ اس کے معنی یہ تھے کہ پھر یا تو سرویہ کا الحاق بلا تاخیر و تامل قبول کرنا پڑے اور یا اس پر آسٹریہ کا جنگی حملہ ہو جائے۔ ایسی جنگ وآویزش روس اور امن عالم کے حق میں اور نیز حفاظت سرویہ کے لئے جس درجہ خطرناک تھی اُسے پیش نظر رکھ کر سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ جرمن تحریک کو قبول کر لیا جائے۔ روسی سفیروں کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ برطانی اور فرانسیسی حکومتوں سے اچھی طرح صراحت کر دیں کہ اس موقع پر امن و صلح کی خاطر دولت روس نے کتنے بڑے ایثار سے کام لیا ہے اور ساتھ ہی یہ کہدیں کہ اب روس کا مجلس مشاورہ کے مقدم رکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ ایرنتھل نے صدر اعظم سے اُحسان مندانہ اطمینان" ظاہر کیا لیکن روس کا دب جانا ایسا ناگہانی تھا کہ اخبار نیوہ فرائی پریس نے بتاریخ ۲۵ر مارچ ایک جنگ جویانہ مضمون شائع کیا جس میں موٗرخ فریڈ جونگ نے سرکاری دستاویزوں کی شہادت پیش کر کے سرویہ قوم کے کروٹ سرگروہوں پر الزام عاید کیا کہ وہ بلگریڈ سے باغیانہ ساز باز رکھتے ہیں۔ یہ دستاویزیں جن میں سے بعض جعلی تھیں) آسٹریہ کے سفارت خانۂ بلگریڈ سے آئی تھیں اور خود حکومت آسٹریہ نے مضمون نگار کو مہیا کر دی تھیں۔

ادھر بیولاؤ نے فوراً اپنے سفیروں کو لکھا کہ روما، پیرس اور لندن سے پیٹرو گریڈ کی پیروی کرنے کی استدعا کریں۔ اطالیہ نے اسے منظور کر لیا اگرچہ ٹیتونی مطالبے کے ایسے ایکا ایکی کئے جانے پر جز بز ہوا[1]۔ فرانس نے لکھا کہ ہم منظور کر لیں گے مگر امید ہے کہ جب تک سرویہ سے معاملہ طے نہ ہو جائے۔ آسٹریہ اپنی یہ استدعا حیز التوا میں رکھے گی سر ایڈورڈ گرے سر آرتھر نکلس کی ناراضی میں حصہ دار تھا اس نے ہٹ کی کہ الحاق کا تسلیم کیا جانا آسٹریہ و سرویہ کے تصفیے کے

[1] ٹیتونی نے کاؤنٹ مونٹس سے ملاقات کا حال اپنی چھوٹی سی کتاب "ہوو زرس پولیٹیل نوروی وار؟" میں بیان کیا ہے۔

مابعد ہو گا نہ کہ ماقبل؛ باایں ہمہ اہرنتھل نے ۲۶ مارچ کے دن اعلان کیا کہ ہم ۲۸ مارچ تک توقف کریں گے لیکن پھر بھی فیصلہ نہ ہوا تو بلگریڈ کو پیام جنگ روانہ کر دیں گے۔ کارٹ رائٹ نے اطلاع دی کہ اہرنتھل حقیقت میں ایسا کرنے پر آمادہ ہے۔ اور بتاریخ ۲۸ مارچ سر ایڈورڈ گرے نے اہرنتھل و کارٹ رائٹ کا مرتبہ مسودہ آخری شکل میں منظور کر کے اعلان کیا کہ جب سرویہ اُسے روانہ اور آسٹریہ قبول کر لے گی تو آسٹریہ کی استدعا پر میں فقرہ بست و پنجم کی تنسیخ کو تسلیم کر لوں گا۔ چنانچہ بتاریخ ۳۱ مارچ سرویہ کا وکیل قصر بال پلاٹز میں اپنے

سرویہ کا قبول اطاعت

وطن کی قبول اطاعت کا باضابطہ اقرار لایا جس میں سرویہ نے تسلیم کیا تھا کہ بوسنیہ اور ہرزی گووینہ کے الحاق سے ہمارے حقوق میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ دول عظمیٰ کی صلاح سے حکومت سرویہ ذمہ لیتی ہے کہ آیندہ مجادلے اور مکابرے کی روش چھوڑ دے گی اور اپنی حکمت عملی کا رُخ بدل کے آسٹریہ کے ساتھ آیندہ دوستانہ طور پر رہے سہے گی۔ آسٹریہ کی صلح جوئی کے بھروسے، سرویہ عہد کرتی ہے کہ اپنی فوج ۱۹۰۸ء کی ربیع کے پیمانے کے مطابق کم کر دے گی۔ یہ معاملہ طے ہو گیا تو ائتلاف ثلاثہ نے فقرۂ بست و پنجم کی استدعائے تنسیخ کو مان لیا اور اس کے عوض میں آسٹریہ جبل اسود کے سمندر پر نگرانی رکھنے کے حق سے دست بردار ہو گئی۔

وزارت خانوں کی یہ بلا کشیت و خون زور آزمائی یورپ کے سیاسی جسم پر گہری چوٹیں لگائے بغیر نہ رہی۔ اہرنتھل نے بڑی بڑی بازیاں لگائیں اور جیت

نفع اور نقصان

گیا۔ معاہدۂ برلن سے یہ تجاوز اس نے ایسے سلیقے اور عزم مصمم کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا جس کو ہر ملک نے سراہا نہیں تو مانا ضرور۔ اور اس کی حکمت عملی کی ظاہری کامیابی سے سلطنت ہیپس برگ میں خود اعتمادی کا تازہ احساس پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء میں اس نے وفات پائی تو ہمشیوں نے اسے میٹرنک کے بعد آسٹریہ کے سب سے بڑے وزیر کے نام سے یاد کیا۔ وی آنا اور برلن کے گہرے روابط کا اشتہار یہ تھا کہ قیصر "چمکتے زرہ بکتر میں" جلسۂ عام میں آیا۔ بے شبہ برلن کی طرف سے الحاق کی نہ تحریک ہوئی

اور نہ خواہش تھی۔ مگر جونہی مخالفت وجود میں آئی جرمانیہ کی اغراض و فرائض بھی بروئے کار آ گئے۔ ہولسٹین صدر اعظم پر یہ زور دینے کے لئے گوشۂ خلوت سے نکل آیا کہ بلا تامل و تذبذب اپنے حلیف کی تائید کی جائے۔ جب قضیہ رفع دفع ہو گیا تو بیولاؤ نے ریشتاگ میں یہ محاکمہ صادر کیا کہ "حق آسٹریہ کی طرف ہے۔ الحاق، محض خود غرضانہ چوری نہیں ہے بلکہ تیس سال قبل جو سیاسی اور تہذیبی کوشش شروع ہوئی تھی، یہ اس کا تکملہ ہے۔ آسٹریہ نے محنت مشقت کے زور سے ان صوبوں کا حق ملکیت حاصل کیا ہے اور وہ جرم جو بھی طور پر عائد ہوتا ہے اس کی ترکی کے ساتھ قرارداد سے تلافی ہو گئی ہے۔ سرویہ کی آرزوئیں اتنی قیمتی نہیں ہیں کہ ان کے لئے عالمگیر جنگ مول لی جائے۔ روس کے تازہ طریق عمل نے امن عالم کے تمام خیر خواہوں کو اپنا زیر بار احسان بنا لیا ہے"۔ لیکن عہدے سے الگ ہونے کے بعد اس نے زیادہ صاف گوئی سے رائے زنی کی اور کہا کہ "آسٹریہ اور جرمانیہ کے اتحاد کی پہلی مرتبہ قوت اس تکلیف دہ آزمائش میں ثابت ہوئی الجزائر میں دول کے جس جتھے کی طاقت کو اتنا بڑھا چڑھا کے بتایا جاتا تھا۔ اس کے ممالک یورپ کے سنگلاخ سیاسی مسائل سامنے آتے ہی ٹکڑے ہو گئے"؛ اس کا یہ قول درست ہے لیکن پوری حقیقت پر مشتمل نہیں ہے۔ دول وسطی کو فتح تو حاصل ہوئی مگر اس میں شدید نقصان مضمر تھا۔ ہر چند ائتلاف ثلاثہ کے وقت کے جوڑ بند ہل گئے لیکن آگے چل کر یہی واقعہ اس کے تعلقات مضبوط کرنے کا باعث ہوا[1]۔ ازوولسکی کا غصہ ایک حد تک اس پیشہ ور پہلوان کی خفت سے مشابہ تھا، جو حریف کی ہنرمندی اور بہتر داؤں پیچ سے پچھڑ گیا ہو۔ مگر اس سے کہیں زیادہ قابل لحاظ عام اہل ملک اور فرماں روائے روس کا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانا تھا۔ اہل روس کو نظر آتا تھا کہ ان کے سیاسی حریف نے بلقان میں اپنی قوت بڑھا لی اور دولت روس کے

---

[1] بیولاؤ کا دعویٰ تھا کہ روس کی اطاعت گزینی "شاہ ایڈورڈ کی" ان کرے سونگ پولی ٹیک" کا خاتمہ" تھی۔ گرجواب میں ہا آر لکھتا ہے کہ اس کے برخلاف وہ حقیقت میں اس شیرازہ بندی کا آغاز ہوئی۔

وہ معاوضہ بھی ہاتھ نہ آیا جس کی خاطر الحاق پر رضامند ہوئی تھی۔ وہ مجلس مشاورت منعقد کرنے میں ناکام رہی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سرویہ اور بلقان بھر کی اسلافی ریاستوں کے روبرو گویا یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئی کہ وہ اتنی کمزور ہے کہ ان کے حقوق کی حمایت نہیں کر سکتی۔ آئندہ سے پیٹرو گریڈ اور بلگریڈ کو انتقام انگیز واقعات اور مستقبل کی امیدوں نے مضبوطی سے زنجیر بند کر دیا۔

روس کا سخت کینہ زار نے ولیم ثانی کو معاف کیا مگر فرانسس جوزف کی طرف سے کینہ اس کے دل سے صاف نہ ہوا۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء میں وہ شاہ اطالیہ سے ملنے آیا تو ظاہر طور پر آسٹریہ کے علاقہ میں ہو کے گزرنے سے پہلوتہی کی۔ اور گو معمولی سفارتی تعلقات فروری ۱۹۱۰ء میں دوبارہ قائم ہو گئے تاہم اس کھلی ہوئی تذلیل کی خلش باقی رہی۔ مزید برآں، دسمبر ۱۹۰۹ء میں ایک خفیہ معاہدے نے روس و بلغاریہ کے میثاق ۱۹۰۲ء کی جگہ لی اور جدید شرطوں کا اضافہ کیا۔ ساتھ ہی صاف طور پر تحریر کر دیا کہ اسلافی اقوام کی بلقان میں آرزوئیں صرف اس وقت بر آنی ممکن ہیں جب کہ روس و دول ثلثہ پر نتیجیاب ہو۔[1]

قیصر جرمانیہ روس کی حکمت عملی کا رنگ دیکھ کر مدت سے پریشان تھا۔ جب یہ قضیہ پیش آیا تو اس نے صاف صاف زار سے اپنے دل کا حال کہہ دیا۔ یعنی بتاریخ ۸ جنوری ۱۹۰۹ء لکھا کہ تمہارا یہ قول کہ گذشتہ سال پر از واقعات گزرا، درست ہے۔ بوسنیہ کا الحاق سب کے لئے فی الواقع حیرت انگیز شے تھا، خاص کر ہمارے لیے کیونکہ آسٹریہ کے ارادوں کی، تم سے بھی زیادہ دیر بعد خبر دی گئی۔ لیکن جب آسٹریہ بغیر ہمارے مشورے کے یہ کام کر گزری تو پھر بحیثیت وفا کیش حلیف کے ہمارا تامل و تذبذب کرنا خارج از بحث تھا۔ یقیناً تم سب سے پہلے ہماری اس وفاداری کی قدر کرو گے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ

---

[1] معاہدۂ روس و بلغاریہ، لیلائے کی کتاب "دوک یومانت سیکرت" میں چھپ چکا ہے۔ سلطنت ہیپس برگ اور اسلافی اقوام کے پرکینہ تنازعے کے لئے ملاحظہ ہو سٹن واٹسن کی کتاب "دی سدرن سلیوز" سوڈلینڈ دکہ گرو شیہ کے پیلار کا بناوٹی نام ہے) کی کتاب۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہم اپنے قدیم دوستانہ تعلقات چھوڑ بیٹھے۔ ان کی قلبی قدر و قیمت میرے دل میں ہے اسی قدر میں زیادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جو شے ان تعلقات میں خرابی ڈالنے والی ہو، اسے دور کر دیا جائے۔ حال میں ہماری نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وسط ایشیا کے بارے میں تمھاری انگلستان سے قرارداد ہو جانا ہمیں بہت ناگوار گزرا۔ اسی قسم کی افواہیں شاہ انگلستان کی ریوال میں تم سے ملاقات کی بابت گشت کر رہی ہیں۔ یہ سب لغو محض ہیں۔ ہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ اس وقت روس کو برطانیہ کے ساتھ الجھنے سے بچنا واجب ہو گیا ہے۔ اور تم مجھے بار بار اطمینان دلا چکے ہو کہ انگلستان سے کوئی عام قسم کا معاہدہ نہیں کرو گے۔ غرض میرے عزیز نکی انگلستان سے تمھاری قرارداد یا ریوال والی ملاقات نے جرمانیہ میں کوئی مایوسی یا بےچینی نہیں پیدا کی۔ اس کا سبب بالکل دوسرا ہے۔ یہ مسلمہ واقعہ ہے کہ گذشتہ دو سال سے روس کی حکمت عملی برابر ہم سے دوری کی سمت جا رہی ہے اور ان دول کے جتھے کی جانب کھچ رہی ہے جو ہم سے مائل بہ دوستی نہیں ہیں۔ فرانس و روس و انگلستان کے مابین ائتلاف ثلاثہ کا، کہ یہ ایک امر واقعہ ہے، ساری دنیا میں چرچا ہو رہا ہے انگلستان و فرانس کے اخبار کوئی موقع یہ دکھانے کا نہیں چھوڑتے کہ یہ نام نہاد ائتلاف ثلاثہ جرمانیہ کی مخالفت میں تیار ہوا ہے اور روس کے اخبارات بھی بارہا اسی طائفے کے ساتھ لے ملاتے ہیں۔ حال میں جو قضیہ پیش آیا، اس میں روسی حکمت عملی کا انگلستان و فرانس کی جانب رجوع کو ترجیح دینا خاص طور پر نمایاں تھا۔"

قیصر اور زار

جب روس نے ہار مان لی تو قیصر نے زار کا شکریہ ادا کیا کہ "تم نے نہایت شریفانہ اور وفادارانہ طریق پر قیام امن کی راہ دکھائی۔ یہ تمھاری ہی عالی ظرفی اور بے لوث سبقت کی بدولت ہے، کہ یورپ ایک عالمگیر جنگ کی شدائد سے بچ گیا۔ بعض اخبار الحاق کا بانی ہونے کا سہرا میرے سر باندھ رہے ہیں اور منجملہ دوسری لغویات کے الزام دیتے ہیں کہ مصالحت کی تجاویز پیش کر کے میں نے ہی روس کو ذلیل کرایا۔ بے شبہ تم سارے حالات کو بہتر جانتے ہو۔

ذاتی طور پر اخباری گپ شپ کی طرف مجھے مطلق اعتنا نہیں لیکن ایک خاص قسم کے فکر سے میں نہیں بچ سکتا کہ اگر فوراً تکذیب نہ کر دی گئی تو ان غلیظ اور ناپاک تہمتوں کا جو میری حکمت عملی اور وطن کی نسبت لگائی جارہی ہیں، اقتضا یہ ہوگا کہ ہماری قوموں کے درمیان ناگواری پیدا ہو جائے۔ اب اگر میں اور تم تحفظ امن کے لیئے علانیہ اور مخلصانہ اشتراک کریں، جو میری بڑی پرجوش آرزو ہے تو میں کامل اذعان رکھتا ہوں کہ نہ صرف امن قائم رہے گا بلکہ اس میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا" دونوں فرمانرواؤں کے یہ دوستانہ روابط قائم رہے

پوٹس ڈم کا عہد نامہ

اور سنہ ۱۹۱۱ء میں ایران اور بغداد ریلوے کی نسبت جو اقرار نامہ ہوا اسے کیڈرلن واخٹر بسمارک کے معاہدہ اطمینان دہانی مرتبہ سنہ ۱۸۸۷ء کے ہم ہموزن بتاتا تھا۔ بایں ہمہ کوئی مستقل ارتباط کی صورت نہیں نکلی اور دونوں ملکوں کے اخبارات ایک دوسرے کی حکمت عملی اور منصوبوں کی نسبت پہلے سے بھی زیادہ بدگمان اور نکتہ چیں ہوتے گئے۔ گویا عالمگیر جنگ کے لیئے اکھاڑا تیار ہو گیا اور اس کی شاندار مشق بھی کر لی گئی ہو

باب سیزدہم

انگلستان و جرمانیہ کی رقابت

سنہ ۱۹۰۰ء کے قانون بحریہ نے جرمانیہ کو اس مقام پر پہنچا دیا، جسے جرمن اہل قلم "منطقۂ خوف" سے موسوم کرتے ہیں۔ اور بیولاؤ نے جو اپنی سیاسی صفائی لکھی ہے اُس میں اس نازک موقع پر کمال حزم و احتیاط سے کام انجام دینے پر داد طلب کی ہے[1]

بیولاؤ اور انگلستان

بیبل نے ریشتاگ میں بعض بحری عمال کے مضامین نقل کئے جن میں حجت پیش کی گئی تھی کہ جرمن بیڑے کا اتنا طاقتور ہونا ضروری ہے کہ وہ انگلستان کو شکست دے سکے۔ بیولاؤ نے انھیں یہ کہہ کے اُڑا دیا کہ محض لغو باتیں ہیں جن کی طرف کوئی ذی ہوش جرمن توجہ بھی نہ کرے گا۔ جب سنہ ۱۹۰۰ء کے نظام العمل کی تکمیل ہوگئی اُس وقت تک بھی وہ یہی جتاتا رہا کہ ہمارا بیڑا فہرست میں چوتھے یا پانچویں درجے پر ہوگا اور اُس کی تہ میں کوئی دست درازی کی نیت نہیں ہے[1]۔ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء میں ایک انگریز اخبار نویس نے ملاقات چاہی تو اس گفتگو میں بھی بیولاؤ یہی کوشش کرتا رہا کہ اُس کی حکمت عملی اور طبیعت سے جو بدگمانیاں ہوں، انھیں دور کرے[2]۔ ریشتاگ میں بتاریخ ۵۔ دسمبر اُس نے بیان کیا کہ

---

[1] "ریڈن" ۲۲۔ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء۔

[2] یہ حال "کولنیش زیٹنگ" اور "نائینٹینتھ سینچوری" میں چھپا، اور پھر بیولاؤ کی کتاب "ریڈن"

مَیں مسٹر بیٹش فورڈ سے ملنے کے لئے اسی واسطے آمادہ ہوگیا کہ گزشتہ چند مہینوں میں بعض برطانی اہل قلم انگلستان و جرمانیہ کے روابط میں بس کے بیج بو رہے ہیں۔ "مَیں گمان بھی نہیں کرسکتا کہ کوئی معقول آدمی جنگ کے خیال کو سنجیدگی سے دل میں بھی لاسکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ دونوں ملکوں کی قسمتیں ہمیشہ ایسے عاقبت اندیش افراد کے ہاتھ میں رہیں گی جنھیں معلوم ہے کہ انگلستان و جرمانیہ کی نہ صرف اب بلکہ آیندہ بھی بہترین خدمت یہی ہے کہ موجودہ امن و آشتی کے تعلقات قائم رہیں"

لیکن اُن سرکاری اطمینان دہانیوں سے حکومت برطانیہ کی تشویش رفع نہ ہوئی کیونکہ اس کی وجہ صرف ۱۹۰۰ء کے قانون بحریہ کی وسعت یا شاہ اڈیورڈ کا کیل جا کے اس قانون کے ابتدائی ثمرات کا معائنہ کرنا ہی نہ تھی بلکہ قیصر اور اُس کی رعایا کے بعض افراد کے اشتعال انگیز اقوال بھی (انگریزوں کو) تردد میں ڈالتے تھے۔ اسی نئی سمت سے خطرے کی پیش بندی کے لئے ۱۹۰۳ء میں فیصلہ کیا گیا کہ روزیتھ میں ایک اوّل درجے کا بحری مرکز تیار کیا جائے۔ کاوڈر کے چار جنگی جہاز سالانہ بنانے کا نظام العمل منظور ہوا اور ۱۹۰۴ء میں سرجان فشر نے امیر البحر مقرر ہوکر بیڑے کا وطنی سمندروں میں اجتماع شروع کیا' فرسودہ جہاز توڑ دیئے گئے اور اکتوبر ۱۹۰۵ء میں دُنیا کا سب سے بڑا اور قوی ترین اسلحہ کا جنگی جہاز "ڈریڈناٹ" نامی پانی میں ڈالا گیا۔

واضح رہے کہ انگریزوں کی جرمن بیڑے کے ارادوں سے بدگمانی شروع ہونے سے کہیں پہلے خود جرمنوں کو انگریزی بیڑے کی قوت سے خوف ہوگیا تھا۔ سٹیٹرڈے ریویو کا احمقانہ مضمون جو ۱۸۹۷ء میں شائع ہوا اور جس میں استدلال تھا کہ اگر کُل جرمانیہ کا صفایا ہوجائے تو ہر انگریز کی دولت میں اضافہ ہوجائیگا' اس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جلد دوم ۔ ۳۹۳ تا ۴۰۰ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

ہیمان کی روایت ہے کہ بیولو امیر البحر کالسٹر کی طرح سیاسی وجوہ سے یہی چاہتا تھا کہ جرمن بیڑے میں بیشتر دفاعی قسم کے جہاز ہوں مگر ٹرپٹز نے بڑے بڑے جہاز بنانے پر اصرار کیا۔

بیڑے کے لئے جوش پیدا کرنے میں خوب کام لیا گیا۔ اور ۱۹۰۵ء کے ایک مقالے کو جو "آرمی اینڈ نیوی گزٹ" میں چھپا، اور جس میں خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ برطانیہ کو چاہیے آیندہ جرمانیہ میں جنگی جہاز نہ بننے دے۔ مان لیا گیا کہ یہ امارت بحریہ کی مستند رائے ہے۔ اوائل ۱۹۰۵ء میں وزارت کے ایک رکن نے اس سے بھی زیادہ

آرتھر لی کی تقریر

خشمگیں آواز سنائی۔ یعنی وزیر بحریہ مسٹر آرتھر لی نے اپنے حلقۂ انتخاب والوں کو یہ سمجھانے کے ضمن میں کہ انگریزی بیڑے کو وطنی سمندروں میں مجتمع کرنے کی حکمت عملی کا مقصود اور نتائج کیا ہیں، سامعین سے تاکید کی کہ فرانس اور بحر متوسط سے نگاہ ہٹالیں اور بحر شمال کی طرف رخ پھیرلیں۔ کہ اگر جنگ کا اعلان ہو تو ممکن ہے کہ اس سے قبل کہ دوسرا فریق اخباروں میں خبر پڑھے، پہل کرنے والا وار کر جائے۔ بعد میں مقرر نے ہر چند واویلا مچائی کہ میری تقریر کی نقل کرنے اور سمجھنے میں غلطی ہوئی، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ قیصر نے برطانی سفیر سے شکوہ کیا اور جرمن اہل الرائے کے بعض بڑے بڑے طبقے یہ یقین کرنے لگے کہ ہمارا وطن اچانک حملے کی زد میں ہے۔ ڈریڈ ناٹ نامی جہاز کی تیاری سے خوف و بے بسی کا احساس بہت قوی ہو گیا۔ اور ٹرپٹز لکھتا ہے کہ[1] "مجھ پر ہر طرف سے اس مطالبے کی یورش ہوئی کہ برطانی دھمکیوں کے جواب میں کثیر اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ میری مارچ ۱۹۰۶ء کی تجویزیں وہ چھ دریا نورد بیڑے میں بڑھا دئے گئے جن کو ۱۹۰۰ء میں نامنظور کر دیا گیا تھا۔ اور نہر کیل کو چوڑا کرنے کی غرض سے روپیہ مل گیا کیونکہ پہلے اس نہر سے ڈریڈ ناٹ نہیں گزر سکتے تھے" بحری رقابت اب ایک نئی اور خطرناک منزل میں آپہنچی۔ ہر امارت بحریہ دوسرے فریق سے درازدستی کے ارادے منسوب کرنے لگی اور دونوں ملکوں میں اخبارات کے ایک طبقے نے اپنا دلچسپ کام کہ گیہوں کے کھیت میں گوار بوئے، پوری تن دہی سے انجام دیا۔ جرمن سفیر ولف میٹرنک اصل معاملہ تاڑ گیا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں اس نے برلن کو اطلاع دی کہ تجارتی رقابت نہیں

[1] سوانح باب پانزدہم۔

بلکہ ہمارے بیڑے کی روز افزوں وقعت، سیاسی کشیدگی کا حقیقی سبب ہے"۔

بالفور کی رائے حملے کے متعلق

دوسری طرف، وزیر اعظم کی ۴ مارچ ۱۹۰۵ء کی ایک تقریر نے کسی حد تک خیالات کو دھیما کرنے میں مدد دی۔ اس تقریر میں نوساختہ "مجلسِ دفاعِ سلطنت" کی آرا کی صراحت کی تھی۔ اُس نے کہا کہ بحری اور بری فوجوں کو جہاں تک ممکن ہوا، جمع کیا جائے گا لیکن ماہرین فیصلہ کر چکے ہیں کہ اگر ہماری باقاعدہ فوج باہر ہو اور منتظم بیڑے فاصلے پر ہوں، تو بھی ستر ہزار سے کم آدمی سے کوئی حملہ نہیں ہوگا"۔

مجلس الجزائر کے بعد جو ارتباط وجود پذیر ہوا، اس سے آزاد خیال گروہ کی وزارت نے، جو اُن ہی دنوں برسر اقتدار ہوئی تھی، کام لیا اور کوشش کی کہ اضافۂ افواج و اسلحہ کی روک تھام کرے۔ اعلان کیا گیا کہ کاؤڈر کے نظام العمل کے چار جہازوں میں سے ایک اُڑا دیا جائے گا۔ اور اسی مناسبت سے تباہ کن اور تحت البحر سفائن میں کمی کی جائے گی۔ لیکن اگر یہ توقع تھی بھی کہ اس کارروائی کے جواب میں برلن بھی اسی قسم کی تخفیف پر آمادہ ہوگا تو اس میں بہت جلد مایوسی ہوئی۔ قیصر نے سرفرنیک لیسلز سے کہہ دیا کہ اگر آیندہ مجلس ہیگ میں اسلحہ کشائی کا مسئلہ لایا گیا، تو میں اپنا نائب بھیجنے سے انکار کر دوں گا[۱]۔ ہر سلطنت کو خود ہی اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیئے کہ اُسے کتنی فوج درکار ہے"۔ اگست میں شاہ ایڈورڈ کرونبرگ آیا تو وہاں قیصر نے سرچارلس ہارڈنگ کے سامنے یہ رائے زنی کی کہ مجلس مشاورۃ جو عنقریب ہونے والی ہے، بہت بڑی لغویت ہے۔ اس طرزِ عمل کا برطانیہ کی عداوت پر مبنی نہ ہونا، اُس خاطر مدارات سے ثابت ہوتا ہے جو اس نے برطانی وزیر جنگ کے ساتھ برتی۔ یعنی اسے ستمبر کی مصنوعی جنگ میں آنے کی دعوت اور جرمن وزارت جنگ کی تنظیم کا معائنہ کرنے کی اجازت دی[۲]۔

قضیۂ مراکش کی زور آزمائی نے صدر اعظم کو اتنا ہلکان کر دیا تھا کہ کہیں پھر

---

[۱] گوگ: "ہاؤ برٹینیا اسٹرو فورپیس" (سرکاری ماخذوں سے)

[۲] ہالڈین: "بیفور دی وار" ۲۳-۲۸۔

بیولاؤ کا تبصرہ ممالک یورپ پر

۱۴۔ نومبر کو اُسے ریشتاگ میں آ کے صورت دکھائی اور ممالک یورپ کے حال پر تبصرہ کیا: "ہمیں فرانس و انگلستان کی دوستی میں بگاڑ ڈالنے کا کوئی خیال نہیں ہے، فرانس و روس کا اتحاد امن کے حق میں کچھ ناسازگار نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس اس اتحاد سے دنیا کی گھڑی کے صحیح صحیح چلنے میں مدد ملی۔ ہمیں امید ہے کہ فرانس و انگلستان کے ائتلاف کی نسبت بھی یہی الفاظ کہہ سکیں گے۔ جرمانیہ و روس کے دوستانہ تعلقات نے فرانس و روس کے اتحاد میں کوئی خلل نہیں ڈالا اور اگر ائتلاف امن کے راستے پر گامزن رہا، تو وہ جرمانیہ اور انگلستان کی رسم مودت سے متناقض نہ ہوگا۔ ورنہ شرکائے ائتلاف کے جرمانیہ سے اگر اچھے تعلقات نہ رہے تو وہ امن کے لئے موجب خطر ہو جائے گا۔ جرمانیہ کو ہر طرف سے اس طرح گھیرنے کی تدبیر کرنا کہ وہ دول کے حلقے میں آ کے دُنیا سے الگ تھلگ پڑی رہ جائے، فی الواقع خطرناک ہوگا۔ ایسی نرغہ بندی بغیر دباؤ کے ممکن نہیں۔ اور دباؤ کا جواب دباؤ ہوا کرتا ہے اور پھر دوطرفہ دباؤ کا نتیجہ یہ ہے کہ مادہ پھوٹ پڑے۔ انگلستان اور جرمانیہ میں کسی دیرینہ مخاصمت کی یاد نہیں ہے۔ اور نہ کوئی گہری سیاسی مخالفت ہے۔ اقتصادی رقابت سے ملکی مخالفت کا پیدا ہونا لازم نہیں آتا۔ جرمانیہ بھر میں کوئی صاحب عقل آدمی ایسا نہیں ہے جو صفائی اور آشتی کے تعلقات کا خواہشمند نہ ہو۔ بوئیروں کے ساتھ ہمدردی، انگریزوں سے بغض پر مبنی نہ تھا بلکہ جرمنوں کی بلند خیالی کا نتیجہ تھی۔ مجھے تاسف ہے کہ اشتراکی اخباروں میں برابر یہ پڑھ رہا ہوں کہ ہماری دفاعی بحری تیاریاں، انگریزوں کی ناخوشی کا موجب ہو رہی ہیں۔ یہ قیاس کہ جرمن بیڑا انگلستان کے خلاف تیار ہو رہا ہے محض حماقت ہے۔ اور انگریزوں کا ایسے بیڑے سے اندیشہ مند ہونا جو ابھی تک وجود ہی میں نہیں آیا، میری فہم سے باہر ہے۔ ہمیں یہ خیال بھی نہیں ہے کہ انگریزوں کے برابر زبردست بیڑا تیار کریں اور ہم کبھی امن شکنی نہ کریں گے۔ وقت اور تحمل کی ضرورت ہے۔ مقیاس الہوا، باد و باراں سے گزر کر موسم کو تغیر پذیر دکھا رہا ہے۔ اگر اُسے صاف کے نقطے پر رکھنا ہے تو ہر دو فریق کو تیزی کرنے سے بچنا واجب ہے، دونوں بادشاہوں کے مابین

مفروضہ خلش کو ضرورت سے زیادہ وقعت دی گئی ہے۔ حالانکہ کروِن برگ کی ملاقات نے ذاتی تعلقات کی عمدگی کو مزید قوت بخشی ہے"

کیمبل بنیرمین، اسلحہ کی حدبندی کی کوشش میں قیصر کی مخالفت سے نہ رکا بلکہ اخبار نیشن میں وکالت کی کہ یہ مسئلہ ہیگ میں زیر بحث لایا جائے۔ لکھنے والے کی سچائی ۱۹۰۸ء کے بحری نظام العمل سے ثابت ہوتی تھی جس میں تین بڑے جہاز بنانے تجویز کئے تھے اور وعدہ تھا کہ اگر دوسرے ایسا کریں تو ایک جہاز اور کم کر دیا جائے گا۔ اس آمادگی کی سرکاری طور پر سات سلطنتوں کو اطلاع دی گئی لیکن بتاریخ ۳۰ اپریل امیر کبیر بیولاؤ نے، کہ حقیقت میں استدعا کا مخاطب وہی تھا، ریشتاگ میں صاف صاف سنا دیا کہ حکومتِ جرمانیہ ایسے مباحثے میں کوئی حصہ نہیں لے سکتی جسے وہ خطرناک نہیں تو ناقابل عمل ضرور سمجھتی ہے۔ ادھر روس و آسٹریہ نے بھی خواہش کی کہ اس مسئلے کو ابھی ملتوی رکھا جائے۔

اسلحہ کی روک تھام

دُول کے چین بجبیں ہونے کے باوجود برطانی وکیل مختار سر اڈورڈ فرای نے مجلس کے چوتھے اجلاس کامل میں بتاریخ ۱۷ اگست یہ بحث چھیڑ ہی دی[۱] اس نے مراویف کے ۱۸۹۸ء کے گشتی مراسلے کے اقتباس سے تقریر شروع کی اور کہا کہ اس کے سچے اور بلیغ الفاظ آج جتنے برمحل اور چسپاں ہیں، پہلے کبھی نہ تھے۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ حضرات اس بارے میں مجھ سے بالکل متفق ہوں گے کہ وہ ۱۸۹۹ء کی آرزو اگر بر آئے تو تمام نوع بشر کے حق میں برکت عظیم ہوگی۔ کیا اس امید کا پورا ہونا ممکن ہے؟ جواب میں، میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے وطن کی حکومت اُن اعلیٰ خیالات اور تمناؤں کی دل سے گرویدہ ہے اور اُس نے مجھے یہی کام تفویض کیا ہے کہ میں اس شریفانہ مقصد کو ملکر عمل میں لانے کی آپ سے استدعا کروں۔ اگر برطانی حکومت کو معلوم ہو اکہ کئی طاقتیں اپنے فوجی مصارف کی حدبندی کرنے کی خواہشمند ہیں اور یہ خواہش ہر حکومت کے

---

[۱] گیارہ کامل اجلاسوں کے ضمیمے صفحہ ۲۷-۳۱ C.D. 4081, 19. 8

بجائے خود کارروائی کرنے سے پوری ہو سکتی ہے، تو وہ تیار رہے کہ خود بھی ہر سال اُن طاقتوں کو اپنے جدید جنگی جہازوں کی مع اُن کی لاگت کے اطلاع دیتی رہے۔ بشرطیکہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔ آخر میں، مَیں یہ قرارداد تجویز کرتا ہوں کہ "مجلس ہذا ۱۸۹۹ء کی منظور کردہ قرارداد[1] کی تصدیق کرتی ہے اور یہ دیکھ کر کہ جنگی مصارف اس سنہ کے بعد سے قریب قریب ہر ملک میں بہت کچھ بڑھ گئے ہیں، اعلان کرتی ہے کہ یہ نہایت مناسب ہوگا کہ تمام حکومتیں اس مسئلہ پر غور و فکر سے مصروفِ توجہ ہو جائیں۔"

برطانی وکیل مختار نے اپنی فصیح و بلیغ گزارش ختم کی تو میر مجلس نے امریکہ کے صدر وکیل کا خط پڑھ کر سنایا۔ اس میں (مسٹر کوایٹ) نے لکھا تھا کہ "اگرچہ افسوس ہے اس وقت مسئلۂ مذکور اور آگے نہیں چل سکا تاہم ہمیں یہ جان کر مسرت ہوئی کہ قومیں ایسی مساعی سے دست بردار ہونے کی نیت نہیں رکھتیں۔ اور برطانی وفد نے جو تجویز پیش کی اور خیالات ظاہر کئے ہم اس کی تائید اور دل سے خیر طلبی کا اظہار کرتے ہیں" اسی کی صدائے بازگشت ایم بورژوا نے بلند کی کہ "فرانس کے وفد کی طرف سے، مَیں برطانی تجویز کی صراحۃً تائید کرتا ہوں۔ پہلی مجلس کی آرا کے مؤید و ساعی کی حیثیت سے، میں اس اعتماد کا اظہار کرتا ہوں کہ اس وقت سے آیندہ مجلس ہونے تک اس مسئلے پر چم کر توجہ جاری رکھی جائیگی۔" اسی قسم کا تائیدی خط ہسپانیہ کی طرف سے پڑھا گیا۔ ارجنتائن اور چلی کی مشترکہ تحریر پیش ہوئی جس میں ازرہ ناز دعویٰ کیا گیا تھا کہ صرف ہماری مملکتیں سب سے اوّل (۱۹۰۲ء میں) معاہدہ کر کے اپنی بحری فوجوں کی حدبندی کر چکی ہیں۔ پھر میر مجلس نے

مسئلہ داخلِ دفتر

ایک مختصر تقریر کے بعد بحث ختم کی۔ نیلی ڈوف نے بتایا کہ ۱۸۹۹ء میں ایسے گرما گرم مباحثے ہوئے تھے کہ مجلس کے درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ اسی خیال سے کہ ایسی بحث کچھ نتیجہ بخش نہیں ہو سکتی

[1] یہ کہ جنگی مصارف دُنیا پر بارگراں ہو گئے ہیں اور نوعِ بشر کی اخلاقی اور مادّی فلاح کے لئے ضروری ہے کہ ان مصارف کی حدبندی کی جائے گی۔

دولتِ روس نے اُسے نظام العمل میں داخل نہیں کیا اور طے کرلیا کہ اس مباحثے میں کوئی حصہ نہ لے۔ بہترین صورت یہی ہوگی کہ ۱۸۹۹ء کی قرارداد کی تجدید و توثیق کردی جائے۔[1] چنانچہ قرارداد رائے کے لئے پیش ہوئی اور میرِ مجلس نے اعلان کیا کہ جس ہم آہنگی کے ساتھ شورِ احسنت بلند ہوا ہے، اُس کے مدِ نظر رائے شماری کی ضرورت نہیں۔ غرض اس طرح ۱۸۹۹ء کا عمدہ تخیل دوبارہ کاغذوں میں دبا دیا گیا جس پر بعض کو قلق ہوا اور بعض یہ سمجھے کہ جھگڑے سے نجات ملی۔ مجلس مشاورت کے اس اجلاس کا سب سے یادگار کارنامہ یہ تھا کہ بحری جنگ کے قوانین کی اصلاح کی گئی اور ایک بین الاقوامی عدالتِ غنائم کا قیام منظور ہوا۔

ونڈسر کی ملاقات

اگست ۱۹۰۷ء میں روس اور انگلستان کا عہد نامہ مرتب ہوا تو نہ اُسکے بعد ہی کوئی سفارتی اشتراکِ عمل میں آیا اور نہ کسی نے اُس کی یہ تعبیر کی کہ وہ جرمانیہ سے دوستانہ تعلقات رکھنے میں مانع ہے۔ ۱۹۰۷ء کی خریف میں قیصر کو ونڈسر آنے کی دعوت دی گئی اور اُس نے فیصلہ کیا کہ اپنی مختصر تعطیل سولنٹ کی معتدل ہوا میں گزارے اور یہ بات دونوں ملکوں میں محبانِ امن کے لئے موجبِ اطمینان و مسرت ہوئی۔ ۱۱ر نومبر کے دن ہوہن زولرن جہاز پورٹس متھ کی بندرگاہ میں داخل ہوا اور ونڈسر کے میر بلد کے سپاسنامے کے جواب میں شہنشاہ نے یہ خیالات ظاہر کئے کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ اپنے گھر میں آگیا۔ یہاں ہونے سے میرا دل ہمیشہ خوش ہوتا ہے"۔ سیاحت کا نقطۂ عروج گلڈ ہال کی تقریب تھی شہنشاہ نے اپنی آخری سیاحت ۱۸۹۱ء کے حوالے سے، جبکہ اُسے "شہری آزادی" کا اعزاز ملا تھا، تقریر یوں شروع کی کہ "جب میں نے اسی مقام سے سولہ برس پہلے سر جوزف سیور سے خطاب کیا تو کہا تھا کہ میرا سب سے بڑھ کر مقصد امن قائم رکھنا ہے۔ اور میں اس امید کی جرأت کرتا ہوں کہ تاریخ ازرہِ انصاف

---

[1] ۱۸۹۹ء کی قرارداد یہ تھی: "جنگی مصارف جو دنیا پر بوجھ ہوگئے ہیں، اُن کی حد بندی ضروری ہے تاکہ بنی نوع انسان کی مادی اور اخلاقی نشوونما و بہبود میں ترقی ہو"۔

شہادت دے گی کہ اس وقت سے میں بلا تردد برابر اس مقصد کیلئے کوشاں رہا۔ ہمارے دو ملکوں کے باہمی دوستانہ تعلقات کا قائم رہنا، امن عالم کا سب سے بڑا سہارا اور بنیاد ہے؛ اور جہاں تک میری طاقت میں ہے میں ان تعلقات کو مزید قوت دوں گا۔ جرمن قوم کی آرزو بھی میری آرزو کے مطابق ہے" بتاریخ ۵ ار نومبر لارڈ کرزن نے "ڈاکٹر اوف سول لا" کی سند شہنشاہ کو دی۔ ۸ اویں تاریخ وہ ونڈسر سے قلعۂ ہائی کلف روانہ ہوا اور قیصرہ واپس جرمانیہ چلی آئی ؛

دونوں ملکوں کے اہل الرائے اور جریدہ نگاروں نے جو امیدیں باندھی تھیں، بظاہر وہ بالکل پوری ہوئیں۔ پروفیسر شیمان نے کریوزٹینگ میں تحریر کیا کہ "اس سیاحت نے صاف طور پر بتادیا کہ دونوں قومیں دوستانہ تعلقات کی خواہشمند ہیں" شہنشاہ کے اوصاف اور ہماری حکمت عملی کی ضروریات سمجھنے میں انگریزی اخباروں نے پوری فراست سے کام لیا اور جس تپاک سے ہمارے بادشاہ کا خیر مقدم ہوا، اُس کا ہم احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں۔ حقیقت میں ہماری باہمی اغراض میں کوئی تضاد وتخالف نہیں ہے" ووسیش زیٹنگ نے جسے صدر اعظم سے گہرا ربط تھا، لکھا کہ اس سیاحت نے دونوں قوموں کی مصالحت پر مُہر تصدیق ثبت کردی اور اب کوئی وجہ نہیں باقی رہی کہ برطانیہ سے نرغہ کرنے کی حکمت عملی منسوب کی جائے؛ انگلستان میں بھی سے ٹرڈے ریویو کے سوا، جینے حسب معمول طائفے کے خلاف آہنگ آواز بلند کی، باقی فریق اختلاف تک کے اکثر مقالہ نویسوں نے وہی گرمجوشی دکھائی جو اُن کے ساتھی آزاد خیال اخباروں نے ظاہر کی تھی۔ ٹائمز گو نکتہ چینی پر مائل رہا، لیکن موقع کی اہمیت کے امکانات سے اعراض نہ کرسکا۔ اُس نے تحریر کیا کہ "ہم سے دوستی رکھنے کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ ہمارے دوستوں کے ساتھ بھی آشتی کا برتاؤ پیش نظر رکھا جائے۔ جرمانیہ کی نسبت ہمیں احساس ہوتا تھا کہ وہ اپنے فائدے کی خاطر، سوائے جنگ کے اور سب کچھ کرگزرنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر برلن سمجھ لے کہ دوسری قومیں اس کے ساتھ نزاع کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتیں اور یہ کہ مخالفاتِ حاضرہ میں دست اندازی کرنے سے اسے کچھ

حاصل نہ ہوگا، تو پھر کسی خلفشار کا سبب باقی نہیں رہے گا۔ قیصر کا ورود گو واقعی قرار دادوں کی نوعیت کو تبدیل نہ کرے، تاہم یہ ہوسکتا ہے کہ آجکل کے سیاسی مسائل پر ایک دوسری اور زیادہ خوش آیند روشنی پڑے اور ہر چیز دوسری ہی صورت میں نظر آنے لگے۔"

صورت حالات کا بہتر ہو جانا

کرسئ ادارت کے غیر سرکاری فتوے کی وزارت خانوں کی باضابطہ آواز نے تصدیق کی۔ امیر کبیر بیولاؤ نے ریشتاگ میں بیان کیا کہ ہمارے بادشاہ اور ملکہ کا شاہ انگلستان اور انگریزی قوم نے جس طرح خیر مقدم کیا ہے میں اُس پر اظہار اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ گزشتہ عشرکی تاریخ اصلی ماخذوں سے لکھی جائے گی، تو ظاہر ہوگا کہ انگلستان و جرمانیہ کی کشیدگی کا، جس نے ایک عرصے تک دُنیا کو پریشان کر دیا تھا، اصلی سبب ایک بڑی غلط فہمی پر مبنی تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے وہ مقاصد منسوب کرتی تھیں، جو حقیقت میں اُن کے نہ تھے۔ ان غلط فہمیوں کو دور کرنا اور پھر اُنکی وجہ سے جو شکوک ہوتے تھے، اُن کا ازالہ اس وقت تک اُن حکومتوں کے بس میں نہ آسکتا تھا جب تک کہ وہ سرتاپا حسن ظن سے کام نہ لیں۔ اسیں رائے عامہ کی مدد لازمی تھی۔ اور یہ بات کہ انگلستان میں حامیان امن کی محنت رائگاں نہ گئی، قیصر و قیصرہ کے استقبال سے روشن ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ میں یہ کہتے وقت اس مجلس کی اور جرمن قوم کی سچی ترجمانی کر رہا ہوں کہ ہم ان مصالحانہ اور دوستانہ خیالات میں حصہ دار ہیں اور دل سے ان کا بدل کرتے ہیں"

اُدھر سراڈورڈ گرے کی اپنے حلقۂ انتخاب میں بیرک کے مقام پر تقریر گویا اُسی کی بازگشت تھی کہ "سارے ملک کو مسرت ہوئی۔ اور اس کا عمدہ اثر ہونا لازمی ہے۔ کارِسفارت کی آدھے سے زیادہ مشکلات کافور ہو جاتی ہیں جبکہ قوموں کو یہ اذعان ہو جائے کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی نسبت بُری نیت نہیں رکھتا۔" وزیر خارجہ نے ائتلاف ثلاثہ کے استحکام کی توثیق کر کے فرانس کو مطمئن کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے نہ دیا مگر مکرر کہا کہ یہ ائتلاف

کسی ملک کے مقابلے میں نہیں کیا گیا ہے" مجھے یہ شکایت کرنی نہیں ہے کہ جرمانیہ وسیع پیمانے پر بیڑا تیار کر رہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہمیں بھی اپنا بیڑا بڑھانا پڑے گا۔ تاہم حالت، کم سے کم ایک دو سال کیلئے تو بالکل قابل اطمینان ہے"
قیصر کے خطوط میں چند ہی فقرے ہیں جن میں انگلستان کی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ ان ہی میں سے ایک یہ تھا جو اُس نے ۲۸ دسمبر (۱۹۰۷ء) کے زار کے نام کے خط میں تحریر کیا کہ "میں سمجھتا ہوں میرے انگلستان جانے سے غلط فہمی اور بےاعتباری کے بہت سے اسباب دُور ہو گئے اور فضا صاف ہونے سے احتیاط خانے پر جو دباؤ پڑ رہا تھا، وہ کم ہو گیا ہے"
وِنڈسر آ کے، جرمن وزیر خارجہ بیرن وان شوئن نے ایک اخباری ملاقاتی سے بیان کیا کہ کسی خاص اور معین سیاسی مسئلے پر غور و بحث کا ارادہ نہیں ہے"

بغداد ریلوے

بایں ہمہ خود قیصر سے یہ ممکن نہ تھا کہ اپنی گفتگو سے سیاسیات عالیہ کو خارج رکھے۔ بیرونی حکمت عملی میں اُسے مجوزہ بغداد ریلوے سے زیادہ اور کسی مسئلے سے شغف نہ تھا، اور برطانیہ کا عملی شرکت سے انکار کر دینا نہ صرف مایوس کُن بلکہ تجویز کی کامیابی میں سخت سدِ راہ بن گیا تھا۔ ہر چند برطانیہ کی طرح حکومت فرانس نے بھی سرکاری اشتراک سے ۱۹۰۳ء میں جواب دے دیا تھا، تاہم اوٹومن بینک کا فرانسیسی گروہ برابر خواہاں رہا کہ اُسے بھی حصہ مل جائے۔ مگر سرکاری خزانے کے بغداد ریلوے کا حصہ لینے میں شریک نہ ہونے سے اس گروہ کی شرکت کچھ زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ جرمن سوداگروں کو اپنے ہی وسائل پر بھروسہ کرنا پڑا اور وہ ریل کی پٹری کو آگے تیار کرتے رہے۔ مراعات ۱۹۰۳ء میں قونیہ سے خلیج تک پورا فاصلہ آ گیا تھا، لیکن ترکی ضمانت صرف دو سو کلومیتر یعنی بل گر لو تک ملی تھی اور یہ حصہ ۱۹۰۴ء میں تکمیل کو پہنچ گیا۔ ۱۹۰۶ء میں ڈائش بینک اور اناطولیہ کی ریلوے کمپنی نے ہلفرخ کو استنبول بھیجا کہ ریل کی پٹری کو کوہستان طارس کے اندر سے اور ممکن ہو تو حلب تک لے جانے کی ترکی حکومت سے قرارداد کر لی جائے۔ ہلفرخ خوب جانتا تھا کہ انگلستان کے ساتھ سمجھوتا ہونا ازبس ضروری ہے، مگر وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا

کہ ضرورت ہو تو برطانیہ اس کام کی تنہا تکمیل کر سکتی ہے اور اس طرح آیندہ معاملہ کرنے کے واسطے ایک عمدہ وسیلہ اُس کے ہاتھ آجائے گا۔ ۱۹۱۱ء میں درآمد پر تین فی صدی کا اضافہ سر ایڈورڈ گرے نے اصلاحات مقدونیہ کیلئے مخصوص کرا دیا تھا، تاہم ترکی خزانے کے بعض دوسرے مداخل میسّر آگئے اور کیفیت پیش ہوئی کہ تعمیر کا کام دوبارہ جاری کرنا ممکن ہے؟

ہالڈین سے گفت و شنید

صورت حال یہ تھی جبکہ قیصر نے ونڈسر کے مہمانوں میں مسٹر ہالڈین کو دیکھ کر، برطانی اشتراک پر گفتگو چھیڑی[1]۔ ہالڈین لکھتا ہے کہ میں نے کہا میں وزارت خارجہ کی طرف سے تو جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن بحیثیت وزیر جنگ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہمیں ایک "پھاٹک" ایسا درکار ہوگا کہ نئی ریل سے فوجیں ادھر آئیں تو ہم ہندوستان کی محافظت کر سکیں۔ قیصر نے دریافت کیا "پھاٹک" سے تمھاری مُراد کیا ہے۔ میں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیج فارس کے قریب ریل کا جو حصہ ہو، اُس پر ہمیں اقتدار دیا جائے۔ اُس نے جواب میں کہا "یہ پھاٹک میں تمھیں دوں گا" پھر میں وزیر خارجہ سے ملا جس نے سوچنے کے لئے وقت مانگا اور پھر ایک یادداشت جو اُس نے مرتب کی تھی، مجھے دی۔ اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت برطانیہ قیصر کی تجویز پر خوشی سے گفتگو کرے گی لیکن کوئی قرار داد ہونے سے قبل یہ ضروری ہوگا کہ روس و فرانس کو بھی گفتگو میں لایا جائے کہ اُن کے بھی حقوق و اغراض وابستہ ہیں۔ چند ہفتے بعد برلن کیطرف سے دشواریاں پیدا کی گئیں۔ جرمن حکومت نے کہا کہ ہم حکومت برطانیہ سے ریل کے آخری ٹکڑے کی نسبت بحث و گفتگو کرنے پر آمادہ ہیں مگر اس میں دوسری طاقتوں کو شریک کرنا نہیں چاہتے کیونکہ پھر یہ باہمی مشاورۃ غالباً ناکام رہے گی اور ہمارے دوسری طاقتوں کے اختلاف بڑھ جائیں گے۔ اس طرح یہ معاملہ ختم ہو گیا۔[2] غرض امیر کبیر ہیولاؤ کے دول اربعہ کی برلن میں مشاورۃ کو نامنظور کر دینے سے

[1] ہالڈین "بفوردی وار" باب دوم۔ مقابلہ کرو، شون: "میموائرز" ۵۹ تا ۶۳۔

وہ چند روزہ زمانہ بھی ختم ہوگیا جس میں انگلستان و جرمانیہ کا دوبارہ ملاپ ہوتا نظر آتا تھا[1] دراصل عام طور پر اہل انگلستان کے پُرجوش خیر مقدم کے آشتی انگیز اثر نے شہنشاہ کی انگریزی خیالات و آئین سے وجدانی کراہت کو صرف تھوڑی دیر کے لئے دبا دیا اور خاندانی تعلقات کی یاد اور یہ خواہش تازہ کردی تھی کہ اپنے شروع عہد حکومت کی سیاسی دوستی دوبارہ قائم کی جائے؛ لیکن حق یہ ہے کہ اگر سنہ ۱۹۰۱ء میں انگریزوں کا اشتراک سے انکار کرنا غلطی تھی تو جرمنوں کا سنہ ۱۹۰۸ء میں برطانی شرائط کو نامنظور کردینا مصیبت انگیز واقعہ تھا؛

ٹویڈ متھ والا خط

اجلاس سنہ ۱۹۰۸ء کے آغاز میں بادشاہ کی تقریر قیصر کے ورود کے تپاک آمیز حوالے سے شروع ہوئی۔ مگر زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ پھر مطلع ابر وغبار سے تاریک ہوگیا؛ کرنل رنپگٹن لکھتا ہے[2] کہ "مجھے تو فروری کے کہیں آخری ہفتوں میں معلوم ہوا کہ قیصر نے لارڈ ٹویڈ متھ کو بحری اصول عمل کے متعلق ایک خط تحریر کیا ہے۔ مجھے اس خط کا لکھنا برطانیہ کے ایک بحری حاکم اعلیٰ کو جرمن اغراض کے موافق متاثر کرنے کی مخفی کوشش کے مرادف نظر آیا اور وہ بھی بڑے نازک موقع پر یعنی ٹھیک اُس وقت کہ مصارف کا تخمینہ پارلیمنٹ میں پیش ہونے والا تھا" ٹائمز نے ایک ہفتہ غور میں لگایا اور پھر بتاریخ ۶ مارچ اپنے حربی نامہ نگار کی طرف سے ایک مختصر خط "کس بادشاہ کے ماتحت" کے عنوان سے چھاپا۔ اس میں تحریر تھا کہ قیصر نے جرمانیہ اور برطانیہ کی بحری حکمت عملی کے متعلق لارڈ ٹویڈ متھ کو خط لکھا اور اس کا جواب بھی روانہ کیا گیا۔ ضرور ہے کہ ان دونوں کو بلا تاخیر پارلیمنٹ کے سامنے پیش کردیا جائے۔ ایک تند لہجہ مقالے میں بحث کی تھی کہ قیصر جرمانیہ برطانی جہاز سازی کو رکوانا چاہتا ہے کہ

---

[1] شون جس نے سر اڈورڈ گرے سے اس مسئلے پر بحث کی تھی، نامنظوری کی توجیہ یہ کرتا ہے کہ "ایسی مشاورت میں جرمانیہ کو تین دول سے تنہا مقابلہ پیش آتا جو آپس میں متحد ہو کر کام کریں اور جرمانیہ کی جانب مائل بہ دوستی نہ ہوتیں"۔

[2] "دس تی جیا" باب ۲۱۔

چپکے چپکے ہماری بحری فوقیت پر بازی لے جائے۔ مگر وزیر اعظم نے نکتہ چینوں کو یہ کہہ کے چپ کیا کہ "وہ محض نج کا خط تھا جو خالص دوستانہ رنگ میں لکھا گیا اور جواب بھی اسی طرح غیر سرکاری اور نج کا تھا مجلس وزرا کو نہ اس خط کی اطلاع دی گئی تھی اور نہ جواب کی۔ رہا بحری مصارف کا تخمینہ سو اُسے وزرا خط کے پہنچنے سے پہلے طے کر چکے تھے"۔

اسی قسم کا جواب امیر کبیر بیولاؤ نے اپنے نکتہ چینوں کو دیا اور کہا کہ "خط کو میں شائع نہیں کرسکتا کیونکہ وہ نج کا ہے۔ کاش کہ میں ایسا کر سکتا! ہم میں سے کوئی شخص بھی، اور دوستانہ تعلقات کا کوئی حامی بھی یہ خط لکھ سکتا ہے[1]، ہر بادشاہ کو حق ہے کہ دوسرے ارباب سیاست سے خط کتابت کرے۔ یہ خیال کرنا کہ اُس کے ذریعے کسی وزیر کو جرمانیہ کے موافق متاثر کرنے کی کوشش کی گئی تھی، یا وہ برطانیہ کے ملکی معاملات میں دخل اندازی تھی، سخت توہین ہے۔ ہمارا شہنشاہ ہرگز ایسا آدمی نہیں ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ کسی انگریز وزیر کی حب وطن اپنے بحری مصارف میں بیرونی صلاح و مشورہ کو قبول کرنا گوارا کرے گی۔ ہم تو انگلستان کے ساتھ امن و صلح سے رہنا چاہتے ہیں اور اسی لئے ہمیں نہایت ناگوار گزرتا ہے کہ انگریز اہل قلم کا ایک طبقہ ہر وقت جرمن خطرے کے راگ گاتا رہتا ہے۔ حالانکہ انگریزی بیڑا کہیں زیادہ بڑا ہے اور دوسری قوموں کے پاس بھی ہم سے بڑے بیڑے موجود ہیں اور وہ اُن کی ترقی میں کچھ کم جوش و خروش سے کام نہیں لے رہی ہیں۔ بایں ہمہ جب دیکھئے جرمانیہ اور صرف جرمانیہ ہی وہ سلطنت ہے جس کے خلاف رودبار کے پار حق و ناحق تہمتیں تراش کر عام رائے کو مشتعل کیا جاتا ہے۔ دونوں ملکوں بلکہ دنیا کے امن و سکون کی خاطر بہتر ہوگا کہ یہ تہمت انگیزی کا سلسلہ موقوف کیا جائے۔ جس طرح بغیر ہمارے انگلستان اپنی جنگی تیاری کا پیمانہ خود ہی طے کرتا ہے اور اس بات کا

امیر کبیر بیولاؤ کی رائے زنی

[1] واضح رہے کہ قیصر نے یہ خط شوان کو دکھا دیا تھا اور اُسے اسے روکنے کی کوئی وجہ نہ دیکھی تھی۔

کوئی خیال نہیں کرتا کہ وہ ہمارے لئے موجب خطر ہوگا، اور ہم انگلستان کے اس حق میں کوئی بحث نہیں کرتے، اسی طرح اگر ہم نہیں چاہتے کہ ہماری جہاز سازی دوسروں کو مبارزطلبی کے مرادف نظر آئے" تو اس میں کسی کو شکایت کی کونسی گنجائش ہوسکتی ہے۔ قیصر کے خط میں سوائے اس کے کہ جیسے ایک بھلا آدمی دوسرے کو لکھتا ہے یا ایک بحری دوسرے بحری آدمی کو خطاب کرتا ہے، اور کیا ہے۔ قیصر کو برطانی بیڑے میں امیرالبحر ہونے کا جو اعزاز حاصل ہے، اس کی وہ بہت قدر کرتا ہے۔ خط کے لب و لہجہ اور رنگ سے بھی یہی ظاہر ہے اگر ایسے عمدہ مطالب کو برے معنی پہنائے جائیں تو یہ نہایت افسوس کی بات ہوگی اور مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس قسم کی کوششوں کو عام طور پر ناپسند کیا گیا۔"

۱۹۰۹-۱۹۰۸ء کے بحری مصارف میں صرف دو ڈریڈ ناٹوں کا انتظام پیش کیا گیا تھا اور اسی سے انگریز وزرا کی مصالحانہ روش کی تصدیق ہوتی تھی۔ پھر میرین بیڈ جاتے وقت شاہ ایڈورڈ کرون برگ میں اترا تو اس موقع سے بھی مجلس وزارت نے گفتگو چھیڑنے کا کام لیا۔ سر چارلس ہارڈنگ نے قیصر کو انگریز وزرا کی فکرمندی کی وجہ بتائیں، بحری رقابت کے خطرے جتائے اور تاکید کی کہ دونوں حکومتوں کے درمیان دوستانہ بحث مباحثہ ہونا چاہیئے۔ قیصر نے اپنی دوستانہ روش کا پھر یقین دلایا مگر جوش میں آکے صاف کہہ دیا کہ بحری ساز و سامان کے متعلق کسی غیر سلطنت کا تحکم برداشت نہیں کیا جاسکتا اور اسے گوارا کرنے کی نسبت میں جنگ کو ترجیح دوں گا، اسی طرح ہر وان جنیش نے جو جرمن وزارت خارجہ کا بھیجا ہوا آیا تھا، برطانی تحریک کا شد و مد کے ساتھ صاف جواب دے دیا۔ باقی شخصی تعلقات کے اعتبار سے ملاقات ہر طرح

سلہ جون میں بالن اور سر آرتھر کیسل نے بحری رقابت کے مسئلے پر نیم سرکاری طور پر پہلی گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا جس کی اطلاع قیصر اور شاہ ایڈورڈ کو دیدی گئی۔ دیکھو ہیلڈرمین "برلن" باب ہشتم۔

پرلطف رہی۔ چنانچہ ۱۸ اگست کے خط میں قیصر نے زار کو خبر دی کہ "میرا انگریز ماموں، کرون برگ میں بہت خوش اور سراپا تبسم بنا ہوا تھا"[1]

اشل کی گفتگوئیں

کرون برگ سے شاہ ایڈورڈ اشل گیا کہ فرانسس جوزف کو اُس کی شصت سالہ تاج پوشی کی سالگرہ کی تہنیت ادا کرے۔ اہرنتھل کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ وہاں اُس نے جرمن بیڑے کا مسئلہ چھیڑا اور اپنے میزبان سے استدعا کی کہ وہ جرمانیہ کو جہاز سازی کی حد مقرر کرنے کی ترغیب دے۔ مگر فرانسس جوزف نے انکار کر دیا۔ اہرنتھل کی رائے میں جرمانیہ کا بیڑا چھوٹا رہتا تو زیادہ بہتر ہوتا لیکن وہ اس بارے میں کوئی دخل نہ دے سکتا تھا۔" شاہ ایڈورڈ کا منشا سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ اس کشیدگی کو کم کرے جس سے امن و صلح خطرے میں پڑی جاتی تھی۔ لیکن شہنشاہ نے خیال ظاہر کیا کہ ہمارا مہمان برخاستہ خاطر رخصت ہوا اور وسطی یورپ کے تنگ نگاہ والوں کو ایسا نظر آیا کہ شاہ ایڈورڈ کی یہ کارروائی بھی اتحاد ثلاثہ کی مضبوطی کم کرنے کیلئے اُس کی ریشہ دوانی کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ خود فرانسس جوزف نے کونارڈ سے شکایت کی کہ "وہ مجھے جرمانیہ سے توڑنے کی کوشش کرتا تھا مگر میں نے اُسے ٹال دیا"[2] اس واقعے کے بعد یہ دونوں فرماں روا ایک دوسرے سے نہ ملے۔

ادھر بتاریخ ۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء ڈیلی ٹیلیگراف میں کسی شخص نے بلا اظہار نام و تاریخ قیصر کی ایک ملاقات کا حال چھپوایا جس سے ایک تازہ طوفان برپا ہو گیا۔ یہ گفتگو خود قیصر کی منظوری سے "دوستانہ تعلقات کو

---

[1] قیصر نے سر چارلس ہارڈنگ کے ساتھ جو کچھ گفتگو ہوئی، اُس کی ایک طولانی اطلاع تار پر نورڈرنی میں صدر اعظم کو بھیجی اور اس میں بیان کیا کہ بحری رقابت کے مسئلے پر بحث کرتے وقت ہارڈنگ کا لب و لہجہ بہت تیز اور قریب قریب تحکمانہ تھا۔ یہ سب تار ہیمان کی کتاب "Bilder.....Kaiserzeit" میں چھپ گئے ہیں ۱۴۱ تا ۱۴۴۔

[2] کونارڈ "Ans Meiner..........." 4 جلد اوّل ۵۵۔

تقویت پہنچانے کی غرض سے شائع ہوئی تھی لہذا یہ دیکھ کر کہ نتیجہ بالکل برعکس برآمد ہوا اُسے نہایت کوفت ہوئی گفتگو کا موضوع انگلستان سے اپنی دوستی کا اظہار تھا جو سرا ؔ و علانیہ بوئروں کی جنگ کے دوران میں اُس سے کیا جاتا رہا حالانکہ نہ اُس میں ہم وطن شریک و سہیم تھے اور نہ جرمنی کے ساتھ دوستی

ڈیلی ٹیلیگراف میں ملاقات کا حال

کی جا رہی تھی اُنھوں نے کوئی اعتراف کیا تو ڈیلی ٹیلیگراف نے اپنے قارئین کو اطلاع دی کہ ملاقات کا یہ حال سفارتخانے کے ایک وظیفہ یاب عہدہ دار نے مرتب کیا ہے لیکن اخبار نورڈیوش الیمان زیٹنگ نے ایک بیان شائع کیا کہ قیصر کی خدمت میں انگلستان کے ایک صاحب نے ایک مضمون کا مسودہ بھیجا تھا جس میں مختلف اوقات کی مختلف اشخاص سے گفتگو کا خلاصہ ایک جا لکھ کر درخواست کی تھی کہ باہمی تعلقات بہتر رکھنے کی خاطر اُسے چھاپنے کی اجازت دی جائے۔ قیصر نے اُسے صدر اعظم کے پاس نورڈرنی روانہ کر دیا اور اُس نے نظر ثانی کے لئے وزارت خارجہ کے دفتر میں بھیج دیا۔ وزارتِ خارجہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا، لہذا وہ شائع ہو گئی[1]، چھپنے کے بعد بیولاؤ نے اُسے دیکھا تو قیصر کو اطلاع دی کہ میں نے اُسے پہلے نہیں پڑھا تھا ورنہ اس مضمون سے آگاہ ہوتا تو اس کی اشاعت کو ناپسند کرتا[2]۔ اسی زمانے میں جرمانیہ کے دفتر خارجہ نے رائٹر کو مطلع کیا کہ شہنشاہ نے اشاعت کی خواہش نہیں کی تھی البتہ

---

[1] قیصر نے اس احوال کو چھپنے سے پہلے پڑھا اور دو ایک لفظ بھی درست کئے کہ اُس کا مطلب زیادہ واضح ہو جائے۔ اس مضمون کو ڈی، جی، ہل نے اپنی کتاب "ایمپرر ولیم سیکنڈ" ... "اپرے شنز اوف دی کیزر" کے ضمیمہ دوم میں نقل کر دیا ہے۔

[2] وزارت خارجہ کے ایک فرستادہ مضمون کے حصے صدر اعظم کو پڑھ کر سنائے تو اُس نے ہدایت کی کہ اسے احتیاط سے دفتر خارجہ میں جانچا جائے۔ اس واقعے کا نہایت مکمل حال اسپی کرنا جل نے اپنی کتاب "فیوسٹ بیولاؤ" کے باب پنجم میں درج کیا ہے۔ نیز دیکھو شون کی کتاب اور قیصر کی تنزک باب چہارم۔

کہہ دیا تھا کہ وزارت خارجہ منظوری دے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ قیصر اپنی تزک میں تاویل کرتا ہے کہ میں نے بعض الفاظ حذف کر دینے کا مشورہ دیا تھا لیکن کسی سہو کی وجہ سے وہ حذف نہیں کئے گئے "۔

جرمانیہ میں اس مضمون پر ادھر سے اُدھر تک حیرت اور غصہ پیدا ہو گیا۔ اور ریشتاگ میں ۱۰ر نومبر کی تقریر میں صدر اعظم نے اپنے جذبات کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اُس نے اقرار کیا کہ اس گفتگو کے چھپنے سے بڑا نقصان پہنچا جس کے بعض اہم حصے نادرست ہیں۔ مثلاً جنوبی افریقہ کے لئے جنگ کا کوئی نقشہ مرتب نہیں کیا گیا تھا محض چند عام اور نظری "گر کی باتیں" جنگ کے متعلق جمع کر دی تھیں اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ نہ اس مجموعے کا ہمارے صدر فوجی عمال کو کوئی علم تھا۔ جرمانیہ دو رنگی چال چلنے کی مجرم نہیں "اکتوبر ۱۸۹۹ء ہی میں ہم نے بوئروں کو متنبہ کر دیا تھا کہ انھیں تنہا لڑنا پڑے گا اور مئی ۱۸۹۹ء میں ہم نے انھیں براہ راست اور ڈچ حکومت کی وساطت سے سمجھایا کہ جس طرح ہو معاملہ کر لیں ورنہ جنگ کے معنی صریح شکست ہوں گے"۔ اُس نے روس و فرانس کی مجوزہ مداخلت کے بیان کو بھی نادرست ٹھہرایا اور کہا کہ یہ غلط ہے کہ جرمانیہ کے اکثر باشندے انگلستان کے دشمن ہیں۔ پھر جاپان کو اطمینان دلایا کہ جرمانیہ مشرق اقصیٰ میں کوئی ہوس ملک ستانی نہیں رکھتی۔ اُس نے کہا

صدر اعظم کی صفائی

"اگر یہ انکشافات علیحدہ علیحدہ اور صحت کے ساتھ شائع ہوتے تو خفیف سی ہلچل ہوتی۔ قیصر تو بیس سال سے، اور اکثر سخت دشواریوں کے باوجود، برابر یہی کوشش کر رہا ہے کہ دوستانہ تعلقات پیدا ہوں۔ البتہ ہماری قوم کی بوئروں سے پرجوش ہمدردی کے باعث بعض شدید اور نامنصفانہ حملوں کی نوبت آئی سو اسی طرح انگلستان کی طرف سے خود ہم پر نامنصفانہ حملے ہوئے۔ ہمارے ارادوں کا خلاف واقعہ مدعا سمجھا گیا اور ہم سے ایسی معاندانہ تدبیریں منسوب کی گئیں جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ گزری تھیں۔ قیصر کو یہ تو یقین کامل ہو گیا تھا کہ یہ کیفیت دونوں ملکوں کے واسطے قابل افسوس اور متمدن دنیا کے لئے

موجب خطر ہے، لیکن اُس کے پائے استقامت میں لغزش نہ ہوئی اور اُس کے خلوص نیّت یا حُبّ وطن کی نسبت کوئی شبہہ کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔ واقعی یہ بالکل قرینِ عقل ہے کہ اپنی سچی کوشش اور خلوص کا یہ عوض دیکھ کر کہ اُس کی بحری تدابیر پیہم طعن و تشنیع اور بدگمانی کا ہدف بنائی جارہی ہیں، اسے اور بھی زیادہ صدمہ ہوا ہو۔ اور اب یہ علم کہ زیرِ بحث مضمون کی اشاعت سے انگلستان میں تو وہ نتیجہ ہوا نہیں جس کی خواہش تھی، اور جرمانیہ میں اُلٹا رنج و اضطراب پھیل گیا، آیندہ گفتگو میں بھی ضبط و تامّل سے کام لینے کا مقتضی ہوگا جو ہماری حکمت عملی کی وحدت اور اقتدار شاہی کے قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ ایسا نہ ہوا تو میں یا میرا کوئی جانشین بھی فرائض سرکاری کا بار نہیں اُٹھا سکے گا۔ اس مرتبہ جو غلطی ہوئی ہے، اُس کی ذمّہ داری میں اپنی گردن پر لیتا ہوں۔ وزارت خارجہ کے عمّال نے اعتماد کا ذکر کیا کہ اس مضمون کو میں پڑھ چکا ہوں جیسا کہ اکثر چیزیں پڑھ لیتا ہوں۔ مَیں نے اُسی وقت استعفیٰ دینے پر آمادگی ظاہر کی تھی اور یہ زندگی میں سب سے دشوار تہیہ تھا کہ قیصر کی خواہش سے مَیں عہدے پر رہ گیا۔ بایں ہمہ ایک افسوسناک امر کو تہلکہ نہ بنا دینا چاہیئے۔ جو خرابی پیدا ہوئی وہ اتنی بڑی نہیں ہے کہ تدارک ممکن نہ ہو۔ البتہ یہ ہم سب کے واسطے ایک تازیانہ ہے جسے ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیئے"[1]

غرض ڈیلی ٹیلیگراف کے احوالِ ملاقات نے، لارڈ ٹویڈ متھ کے خط کی طرح گو اس کا مقصود کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو، اُلٹا اس بدگمانی کے طوفان کو بڑھا دیا جس کے روکنے کی غرض سے اُسے شائع کرایا گیا تھا۔ قیصر کا یہ اعتراف کہ اس کی رعایا مجموعی طور پر انگلستان سے بُردل تھی، اسے تو عام طور پر (انگلستان میں) باور کر لیا گیا مگر جس جگہ اُس نے خود اپنے غیر متزلزل حُسنِ ظن کا اقرار کیا تھا، وہاں

---

[1] دیکھو بیرنہن کی تقریر "ریڈن" جلد اوّل میں۔ اور ہیمان: "ام ون کیزر" باب ششم۔ ولی عہد جرمانیہ نے بھی اس قضیئے کے وقت اپنے باپ کی بیولاؤ سے خفگی اور ظاہری و باطنی صدمہ جانکاہ کا تذکرہ کیا ہے۔ (سوانح: ۷۰، ۸۰) قیصر فریاد کرتا تھا کہ صدر اعظم نے مجھے "دغا دی" ہے۔

وہ پورا یقین دلانے میں کامیاب نہ ہوا۔ مزید برآں لب و لہجہ کی بے احتیاطی سے یورپ بھر میں یہ اندازہ جو پہلے سے عام تھا، پختہ ہو گیا کہ قیصر کی شخصیت سیاسیاتِ عالم میں ایک آتش گیر مادہ ہے۔ اسی زمانے میں قیصر کی شاہی کشتی میں ایک امریکی جریدہ نویس کے ساتھ ملاقات کا حال بھی دسمبر کے سینچوری میگزین میں چھپنے والا تھا اور وزارتِ خارجہ نے اس کی اجازت دے دی تھی لیکن عین وقت پر اُسے دبا دیا گیا ورنہ اسی قسم کا ایک اور ہنگامہ برپا ہو جاتا۔[1]

برطانی اندیشے

بہرحال برطانی وزرا تو جرمانیہ کی حسن نیت پر اظہار اعتماد کر رہے تھے لیکن اہل نظر کی روز افزوں تعداد جنگ و مصادمت کو ناگزیر نہیں تو نہایت قرین قیاس سمجھنے لگی۔ صدی کے آغاز ہی میں مسٹر لیو میکس نے نیشنل ریویو میں صاف لکھ دیا تھا کہ اصلی حریف جرمانیہ ہے اور ملک کی سلامتی اسی میں ہے کہ فرانس و روس کے ساتھ ارتباط قوی کیا جائے۔ دارالامرا میں لارڈ کرومر نے حکومت کو خبردار کیا کہ "آپ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے اس جنگ یورپ کے لئے قبل از وقت تیاری کر لیں جو غیر اغلب نہیں۔ کہ زیادہ سال گزرنے نہ پائیں کہ ہم کو ناچار ہو کر اس میں حصہ لینا پڑے" ۱۹۰۸ء میں شاہ ایڈورڈ علاج کی غرض سے میرین بیڈ آیا تو وہاں قیام کے زمانے میں کلیمنسیو، وزیر اعظم فرانس نے ملاقات کی اور سمجھایا کہ انگریزی فوج وطنی تو بچوں کا کھیل ہے ضرور ہے کہ ایک قومی لشکر مرتب کیا جائے۔ ۲۳ نومبر کے دن لارڈ رابرٹس نے دارالامرا میں ایک تقریر کی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ جبری خدمت، ایک حقیقی تصفیہ طلب مسئلہ بن گئی۔ اُس نے کہا "ہماری نظر کے روبرو ایسا حیرت انگیز منظر ہے کہ کبھی مشاہدہ نہ ہوا تھا۔ ہمارے سواحل سے چند گھنٹے کی جہازی مسافت پر ۶ کروڑ سے زیادہ افراد کی ایک قوم آباد ہے جو تجارت میں ہماری سب سے مستعد رقیب اور دنیا کی

[1] ملاحظہ جیمز ہیل کے قول کے مطابق اس رسالے کے مطبوعہ نسخے ، پیدکر ایک جرمن جنگی جہاز زیرِ سمندر میں سپید کر گئے اور آتشدان گرم کرنے کے کام میں آتے تھے۔ (امپیریلیشن اور دی کیزر" ۱۹۶)۔

سب سے بڑی جنگی طاقت ہے۔ وہ اپنی بے حساب سپاہ میں بحری قوت کا اضافہ کرتی ہے اور عزم مصمم اور کمال سرعت کے ساتھ اُسے ترقی دے رہی ہے مگر ہم ہیں کہ اُس کے جواب میں کوئی فوجی حفظ ماتقدم نہیں کرتے۔ الفاظ اس ذمہ داری کو جو اعضائے مجلس (= پارلیمنٹ) پر عائد ہوتی ہے، ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم سلطنت کے مستقبل کے امین ہیں۔ اور مجھے کامل تیقن ہے کہ بغیر ایسی حربی تنظیم کے جو آیندہ کے یقینی خطرات کے لئے اس سے زیادہ اچھی طرح مکتفی ہو، ہماری سلطنت ہاتھ سے نکل جائے گی اور ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا"

جس وقت لارڈ رابرٹس اپنے اندیشوں کا اعلان اور اُن کے تدارک کی تدبیریں پیش کر رہا تھا، سر جان فشر نے خفیہ طور پر بالکل دوسرے طریق سے خطرے کا

سر جان فشر

سدباب کرنے کی تجویز کی۔ واضح رہے کہ اس امیرالبحر اوّل نے مقرر ہونے کے بعد ۱۹۰۵ء ہی میں ایک تحریری یادداشت میں پیشین گوئی کر دی تھی کہ اگست ۱۹۱۴ء میں انگلستان و جرمانیہ کی جنگ چھڑ جائے گی[1] اور بتاریخ ۱۴ مارچ ۱۹۰۸ء شاہ ایڈورڈ کو لکھا تھا کہ "یہ امر کہ ہمیں بالآخر جرمانیہ سے لڑنا ہوگا، اتنا ہی یقینی ہے جتنی کوئی بات یقینی ہو سکتی ہے" وہ لکھتا ہے کہ "۱۹۰۸ء کے اوائل میں میں نے بادشاہ سے بہت دیر تک صیغۂ راز میں باتیں کیں اور زور دیا کہ ہمیں جرمن بیڑے کو نہر کیل میں اسی طرح یک بہ یک دبوچ لینا چاہیئے جس طرح نیلسن نے کیا تھا۔ پھر میں نے بہت افسوس کیا کہ اس وقت نہ ہم میں کوئی پٹ ہے نہ بسمارک کہ حکم صادر کر دے" حالت صلح میں ایک غیر سلطنت کے بیڑے کو پکڑ لینے کا یہ مجرمانہ ارادہ، جس کے لئے کیننگ کا ۱۸۰۷ء والا حیلہ بھی موجود نہ تھا، وزراء تک نہیں پہنچایا گیا۔ کیونکہ سر جان فشر ۷ جنوری ۱۹۰۸ء کے خط میں لارڈ ریشر کو لکھتا ہے کہ "میں اپنا نقشۂ جنگ کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا، حتّٰی کہ کیبنٹ پر بھی اس کا اظہار نہ کروں گا۔

---

[1] "میموریز" ۶۴۔

صرف ایک شخص سر آرتھر ولسن البتہ اس راز کو جانتا ہے اور وہ سربمہر لفافے کی مثل خاموش ہے۔ اس منصوبے کی کامیابی کا مدار ہی یک بیک اور خلاف توقع کام کر گزرنے پر ہے۱‘‘ مگر جن افراد کو اس راز کا محرم بنایا گیا تھا، انھوں نے تجویز کو جس طرح سنا، اُس سے مجوّز کی یہ ہمت نہ پڑی کہ عوام کو بھی اپنے رازداروں کے حلقے میں شریک کرتا۲۔

ٹرپٹز اور بیولاؤ

کشیدگی کا احساس اور تاسف سب سے زیادہ جرمانیہ کے سفیر لندن کو تھا۔ اور وہ شکایت کرتا تھا کہ جرمن بیڑے کی دھوم دھام ایسے اشتعال انگیز طریق سے مچائی گئی کہ جس سے خواہ مخواہ انگریزوں کو دہشت ہوئی۔ اس سفیر کی نسبت ٹرپٹز لکھتا ہے کہ ’’ جرمانیہ سے یہ روز افزوں خوف دیکھ کر کونٹ وُلف میٹرنک کی تشویش بھی بڑھتی گئی۔ اوّل اوّل وہ اس صحیح نقطۂ نظر پر قائم تھا کہ انگریزوں کو ہمارے قانون بحری کا عادی ہونا پڑے گا اور وہ ہو جائیں گے۔ لیکن گو یہ عذر معقول نہ ہو، سمجھ میں ضرور آسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ء میں گرد و پیش کے انگریزی حلقوں کا ایسا دباؤ پڑا کہ انگلستان و جرمانیہ کے باہمی حسد کے گہرے اسباب اُس کی نظر سے مخفی ہو گئے۳ اُس کی مرسلہ کیفیات نے بیولاؤ پر یہ اثر کیا کہ سردیوں بھر مجھ سے تفصیلی بحث مباحثے کرتا رہا۔ آخر جنوری کے مہینے میں نے آمادگی ظاہر کر دی کہ ہم ایسا تناسب رکھیں گے جو برطانیہ کی مستقل فوقیت کو ہمیشہ کے واسطے محفوظ کر دے گا‘‘۔ انگریزوں کا خلوص و اعتماد دوبارہ حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ تھا لیکن قیصر اور اُس کا تیسرا صدر اعظم دونوں اَڑ گئے کہ وہ اس راستے کو اختیار نہ کریں گے۔ بتاریخ ۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۰۸ء بیولاؤ نے ریشتاگ میں بیان کیا کہ ’’ مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ ہم (بحری) حدبندی کے خلاف کیوں ہیں۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اس میں بہت سی

---

۱ ’’ میموریز‘‘ ۱۸، ۱۹ ۔ ۱۸۳ ۔

۲ شون نے ٹرپٹز اور سفیر کے تخالفِ آرا کو بیان کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امیر البحر نے بارہا استعفیٰ کی دھمکی دے کر اپنی رائے جبراً منوائی۔

عملی دشواریاں ہیں۔ جہازوں کی صرف تعداد اور طول وعرض ہی قابل لحاظ نہیں ہوتا۔ پھر آپ یہ کس طرح طے کریں گے کہ فلاں سلطنت کی بحری اغراض وضروریات کتنی ہیں؟ نئی ایجادوں کے معاملے میں کیا فیصلہ ہوگا۔ دوسرے ہم یورپ کے وسط میں، اور دُنیا کے نقشے میں جنگی اعتبار سے سب سے بے موقع جگہ پر ہیں۔ یورپ کی موجودہ صورتِ حال کچھ بہت تشفی بخش نہیں ہے۔ اگر ہم نے اُس پیمانے سے جو یورپ میں ہمارے محل وقوع کا مقتضا ہے جنگی ساز وسامان کم کر دیا تو ہم پر یقیناً بُری بنے گی اور امن وصلح معرضِ خطر میں پڑ جائیں گے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ ہمارا بیڑا ایک قانون کا پابند ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ ہمارے سواحل اور تجارت کی پوری طرح حفاظت ہوتی رہے" اُدھر اس اثنا میں ایک طاقتور بیڑے کی تعمیر کا کام شدّومد سے ترقی کرتا رہا جس کے ساتھ ساتھ اتحاد جرمانیہ کی منڈلی بہ آوازِ دُہل اپنے راگ الاپتی رہی اور دونوں ملکوں میں عام طور پر لڑائی کا چرچا ہونے لگا[1]

شاہ ایڈورڈ کی آمد برلن میں

قضیۂ بوسینہ کے ابتدائی مراحل میں برطانیہ کے تعلقات جرمانیہ سے اتنے کشیدہ نہ تھے جس قدر آسٹریہ سے۔ کیونکہ ہر شخص واقف تھا کہ جرمنوں کو اپنے حلیف کا ساتھ دینا پڑا۔ پھر فروری ۱۹۰۹ء میں بادشاہ اور ملکہ سرکاری طور پر برلن آئے تو یہ شدنی نزاع نرم ضرور ہو گئی۔ اس سیاحت میں نئی بات یہ تھی کہ بادشاہ "راتھوس" میں بھی آیا اور اس بلدیہ کے "شاندار استقبال" پر احسانمندانہ تقریر کی۔ نزاعی مباحث سے بہ احتیاط پہلو بچایا گیا۔ اور افتتاحِ پارلیمنٹ کے موقع پر خطبۂ شاہی میں اعتراف کیا گیا کہ قوم کے ہر طبقے نے جس تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا اُس سے میں بہت مسرور ومتاثر ہوا۔ اُدھر صدر اعظم نے بیان کیا کہ یہ آمد "بہ اعتبار کمال ہم آہنگی سے طے ہوئے گئے"

---

[1] "اتحاد جرمانیہ" کے حالات مطالعہ کرنے ہوں تو ذیل کی کتابیں دیکھیے:۔

Zwanzig Jahr...1910 W. T. Arnold's

"German Ambitions" وغیرہ۔

بہت ہی خوشگوار واقعہ تھی۔ پُر تپاک خیر مقدم جو یہاں ہوا اس کی صدائے بازگشت جو انگلستان میں بلند ہوئی اور سب سے بڑھ کر بادشاہ کی محبت اور صلح وآشتی کے مخلصانہ الفاظ، ان سب باتوں سے ایک مرتبہ پھر دونوں قوموں پر ظاہر ہو گیا کہ آپس میں ایک دوسرے کا پاس ولحاظ اور صلح وخیر کے ساتھ مل کر کام کرنے کے کتنے اسباب موجود ہیں۔ جرمانیہ انگلستان کے مال کی اور انگلستان ہمارے اسباب وتجارت کا سب سے اچھا گاہک ہے"

روس کے نام جرمانیہ کے اس تہدیدی پیام سے، جس نے نزاع بوسینہ کا قصہ چکایا، چند روز پہلے اہل برطانیہ کے اعصاب کو ایک اور صدمہ پہنچا:۔ سنہ ۱۹۰۸ء کے قانون بحری نے بڑے جہازوں کے استعمال کی مدت پچیس سال کی بجائے گھٹا کر بیس برس کر دی اور یہ عام دستور کے موافق بات تھی جس سے وائٹ ہال میں کوئی انتشار پیدا نہ ہوا۔ لیکن موسم خریف میں محکمۂ امارت بحری نے سنا کہ سنہ ۱۹۰۹ء کے نظام العمل کی قبل از قبل تکمیل کی جا رہی ہے اور جنوری سنہ ۱۹۰۹ء میں سر ایڈورڈ گرے نے جرمن حکومت کو اطلاع دی کہ اسی کی بنا پر برطانی مصارف جنگ میں بھی معقول اضافہ کیا جائے گا۔ امارت بحری کی تجویز یہ تھی کہ جرمانیہ کے نئے قانون بحری کے مقابلے میں سنہ ۱۹۰۹ء میں چھ اور آیندہ دو سال میں بھی اسی قدر ڈریڈ ناٹ تیار کئے جائیں۔ اس پر مجلس وزرا کے اندر اور باہر سخت مناقشہ ہوا لیکن امیر اول نے فتح پائی کہ اگر اس کی تجویز نہ مانی جاتی تو وزیر خارجہ بھی استعفیٰ دینے پر آمادہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مصارف کی

بحری مصارف کا تخمینہ

منظوری چار جہازوں کے لئے لی گئی تھی لیکن یہ الفاظ بڑھا دئے تھے کہ "ممکن ہے حکومت کو یہ ضروری معلوم ہو کہ اور چار بڑے زرہ پوش جہاز بہ عجلت بنانے کی تیاری کرے"

پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا تو ابتدائی ہفتوں میں غلام گردش کے کونے کونے میں آیندہ جھگڑے کی نسبت سرگوشیاں ہوتی تھیں لیکن اس حیرت انگیز نظارے کے لئے کوئی تیار نہ تھا جو تاریخ ۱۶ مارچ کو دیکھنے میں آیا۔ یعنی مسٹر میک کینا نے کھڑے ہو کر تقریر ان الفاظ سے شروع کی کہ "سلطنت کی سلامتی تمام دوسری

مصلحتوں سے مقدم ہے" یہ پہلا موقع تھا کہ اضافۂ مصارف کا سبب بنانے میں جرمانیہ کا خاص طور پر نام لیا گیا کہ ہمیں اپنی ضروریات کا پیمانہ اُس کے معیار پر مقرر کرنا چاہیئے۔ اور آیندہ سنین تک کے جنگی جہازوں کی تعداد اور اوزان ایک دوسرے کے متقابل دکھائے گئے۔ مسٹر بالفور نے یہ سُنا سُنا کے لوگوں کو دَہلا دیا کہ ممکن ہے اپریل ۱۹۱۲ء میں ہمارے حریف کے پاس چھبیس جہاز ہو جائیں؛ وزیر اعظم نے اس قسم کے وہمی مبالغوں کی تو تردید کی مگر اقرار کیا کہ اپریل ۱۹۱۲ء میں جرمانیہ کے پاس سترہ جہازوں کے تیار ہو جانے کا امکان اور تیرہ ہونے کا حتمی یقین ہے۔ ان تقریروں نے مُلک میں یہاں سے وہاں تک دہشت پھیلا دی لوگ علانیہ جنگ کے ممکن بلکہ قرین قیاس ہونے کی باتیں کرنے لگے اور خفیہ سرعتِ جہاز سازی کا فسانہ اس بات کا قطعی ثبوت نظر آنے لگا کہ دشمن برطانیہ کے ہاتھ سے بحری بادشاہی چھیننے کا ارادۂ فاسد رکھتا ہے؛

سر ایڈورڈ نے جرمن تصریحات اور اطمینان دہانی کو قبول کر لیا جن میں سے "بعض ۱۶ مارچ سے پہلے کی، لیکن زیادہ قطعی اس کے بعد کی تھیں" اور ان میں یقین دلایا گیا تھا کہ جہازوں کی تکمیل میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوئی کہ وہ مقررہ وقت سے پہلے تیار ہو جائیں۔ بایں ہمہ عام لوگ یہی باور کئے گئے کہ جرمانیہ اپنے حریف سے چُپکے چُپکے فوقیت لے جانے کی کوشش میں تھی۔ اس ہنگامے کا سیاسی نتیجہ یقیناً افسوسناک ہوا مگر برطانی بیڑے کو تو لوگوں کے ہَول سے ضرور فائدہ پہنچ گیا کہ ۱۰-۱۹۰۹ء کے نظام العمل میں ۸ بڑے جہازوں میں سے ۶ کلاں تر ڈریڈ ناٹ تھے جن میں ۱۲ انچ کی بجائے ۵ء۱۳ انچ دہانے کی توپیں تھیں۔ اِدھر اس چال نے اُن جرمن جہازوں کی تکمیل میں جو بننے شروع ہو چکے تھے؛ تاخیر کرا دی اور جس وقت ۱۹۱۲ء کی فصل بہار میں نازک موقع آیا تو جرمانیہ کے قبضے میں بجائے تیرہ عفریت پیکروں کے جس کی کمال وثوق کے ساتھ مسٹر ایسکوئتھ نے پیشین گوئی کی تھی، صرف نو بڑے جہاز تھے۔ اس کے مقابلے میں مسٹر میک کینا آٹھ بنانے کے بعد ہر سال پانچ پانچ ڈریڈ ناٹوں کا اضافہ کرتا رہا اور اس طرح اپنی سہ سالہ وزارت کے باقی دو برس میں اُس نے اٹھارہ کا منصوبہ پورا کر لیا جس کی

اپنے ساتھی وزرا سے شروع میں تجویز کی تھی؟

واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے ہمیں پھر چند سال پیچھے ہٹنا چاہیئے کہ جس تاریخ ہیولاؤ سرعتِ تعمیر سے تبرّی کر رہا تھا، اُسی دن برطانی پارلیمنٹ میں

ملامت کی تجویز

آرتھر لی نے اپنی حکومت کے خلاف ملامت کی تجویز پیش کی کہ وہ بلا تاخیر آٹھ ڈریڈ ناٹ کیوں تعمیر نہیں کرتی۔ جواب میں وزیر خارجہ نے نہایت پُر وزن تقریر کی اور بتایا کہ مجھے یقین نہیں ہے کہ چار زائد جہازوں کی ضرورت پڑے گی۔ اور بہرحال جولائی سے قبل تو انکی فرمائش کا کوئی موقع نہیں کیونکہ فرمائش کی جائے بھی تو وہ اتنے وقت سے پہلے مکمل نہ ہو سکیں گے جتنا جولائی کے بعد فرمائش کرنے کی صورت میں درکار ہوگا۔ بایں ہمہ اس مسئلے کی قابل تشویش نوعیت کو اُس نے چھپانے کی کوشش نہیں کی اور کہا کہ "صورتِ حال واقعی نازک ہے۔ جرمنوں کے نظام العمل سے خواہ وہ جلد پورا ہو یا دیر میں، اس مُلک کے واسطے ایک نئی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ یعنی جس وقت یہ نظام العمل پورا ہوگا، اُس وقت جرمانیہ کے پاس ۳۳ ڈریڈ ناٹ ایسے ہوں گے کہ دُنیا میں اتنا طاقتور بیڑا کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اس سے ہم پر یہ ضرورت عائد ہوتی ہے، جس کا ابھی صرف آغاز ہے کہ سوائے موجودہ ڈریڈ ناٹ جہازوں کے، ہم اپنے سارے بیڑے کو ازسرِنو تعمیر کریں"۔ تقریر کا خاتمہ اس معقول تجویز پر ہوا تھا کہ امارت بحر کے دفتروں کو چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے کو معلومات اور بحری اٹاچیوں کے معائنے کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ تاکہ آیندہ گھبراہٹ اور خوف کے موقعے کم ہو جائیں۔ لیکن جرمن حکومت نے اسے قبول نہیں کیا؟ ماہِ جولائی میں اعلان کر دیا گیا کہ وہ چار ڈریڈ ناٹ بھی بنائے جائیں گے جنھیں "حسبِ ضرورت" کی مد میں رکھا گیا تھا۔ اور اس فیصلے پر کسی نے چون وچرا تک نہ کی۔ ۹ جولائی کے دن نو آبادیوں کے جدید ہنگاروں کی دعوت میں لارڈ روزبری نے ایک پُر اثر تقریر میں بیان کیا کہ "جنگی تیاریاں روز افزوں ہیں۔ اور طوفان سے پہلے کا یہ سکون سخت دہشت انگیز ہے"۔ ہیگ کی "عدالت غنائم" کی سہولت کے واسطے بحری ماہرین نے گزشتہ سرما میں

جو "اعلان نامۂ لندن" مرتب کیا تھا، اُسے بھی ایوان اُمرا میں مُسترد کر دیا گیا۔ کیونکہ قدامت پسند گروہ کے حلقوں میں یہ اندیشہ بڑھتا جاتا تھا کہ ممکن ہے زیادہ زمانہ گزرنے نہ پائے کہ برطانیہ کو جنگ سے سابقہ پڑ جائے۔ لہٰذا زمانۂ جنگ کے حقوق سے ہاتھ اُٹھا کر اپنے آپ کو کسی شرط کا پابند بنا لینا دانشمندی کے خلاف ہے۔

بیولاؤ کی بحری حکمت عملی

امیر کبیر بیولاؤ نے اپنی کتاب "امپی ریئل جرمنی" میں جو ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی اُن خیالات کی توضیح کی ہے، جو ایک بڑا بیڑا بنانے کے محرک ہوئے۔ وہ لکھتا ہے کہ لوگوں میں حُبِّ وطن کا ایسا جوش پیدا کرنا کہ وہ بیڑے کی ضرورت کا پورا احساس کرنے لگیں اور پھر جرمانیہ کے انگلستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات میں بھی کوئی ناقابل تلافی نقصان نہ آئے، بڑا نازک کام تھا کہ انگلستان ہی وہ طاقت تھا جس کے مقابلے میں جرمن بحری قوت برسوں تک کم رہتی اور جس کے رحم و کرم پر جرمن ۱۸۹۳ء میں ایسے بے بس پڑے تھے جیسے چھری کے سامنے مکھن۔ پس ہمارے لئے اتنا قوی ہونا ضروری اور عین مناسب تھا کہ کوئی بحری قوت سخت جوکھوں مول لئے بغیر ہم پر حملہ نہ کر سکے تاکہ ہم اپنے ماورائے بحر حقوق کی آزادانہ حفاظت کر سکیں اور دوسری بحری طاقتوں کے اثر میں نہ رہیں اور نہ ان میں کسی کو ملحوظ رکھنے پر مجبور ہوں۔ ہماری، زیادہ تر صنعتی میدان میں، زبردست قومی ترقی نے ہمیں سمندر عبور کرنے پر مجبور کیا اور نہ صرف ہماری عزت و وقار بلکہ اغراض کا لازمی مقتضا ہو گیا کہ ہم اپنی بین الاقوامی حکمتِ عملی میں بھی اتنی ہی آزادی حاصل کریں جتنی ممالکِ یورپ کے معاملات میں حاصل تھی۔ مجھے ہمیشہ سے یہ اذعان تھا کہ جنگ و جدال کی کبھی نوبت نہ آنے پائے گی۔

(۱) بشرطیکہ ہم ایسا بیڑا تیار کر لیں جس پر سخت جوکھوں کے بغیر کوئی حملہ نہ کر سکے۔

(۲) بشرطیکہ ہم بلا ضرورت اور غیر محدود جہاز سازی میں مصروف نہ ہو جائیں۔

(۳) بشرطیکہ ہم کسی طاقت کو اپنی شہرت یا وقار سے مجروح کرنے کی اجازت نہ دیں۔

(۴) بشرطیکہ ہم کوئی ایسی بات جائز نہ رکھیں جس سے ہمیشہ کے لئے انگلستان سے بگاڑ پڑ جائے۔

(۵) بشرطیکہ اعتدال و نرمی کو ہاتھ سے نہ دیں اور نہ انگلستان کو نقصان پہنچائیں نہ اُس کے پیچھے دوڑیں۔"

لیکن بیولاؤ کی امن پسندی کے یہ اُصول محض سلبی نوعیت رکھتے تھے اور محض یہ واقعہ کہ وہ اور اُس کا آقا بحری سامانِ جنگ کی حدبندی پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے اس اعتمادِ باہمی کے حق میں جو امن وصلح کی واحد بنیاد ہوتا ہے، سخت نقصان رساں ہوا۔ بسمارک کے اس ذکی ترین خلیفہ میں، اُستاد کی وہ قابلیت مفقود تھی کہ اپنی حکمت عملی کے بعید نتائج کا صحیح اندازہ کر لیتا۔

بیولاؤ کی "ویلٹ پولی ٹیک"

دول عظمیٰ میں "ویلٹ پولی ٹیک" (یعنی شہنشاہی) ایسی مقبول تھی کہ اُس کی یہ خواہش کہ جرمانیہ بھی اس میں حصہ دار ہو، بالکل طبعی امر تھا لیکن وہ "ویلٹ پولی ٹیک" کے معنی یہ سمجھتا تھا کہ دُنیا کی قوی ترین سپاہ کے علاوہ ایک زبردست بیڑا بھی جلد سے جلد تعمیر کر لیا جائے۔ ہرچند اس کی نسبت دست درازی کے ارادے منسوب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے تاہم جب کہ ہمارا (یعنی انگریزوں کا) طریق عادیہ یہ تھا کہ حملے سے اپنی حفاظت کا بند و بست رکھیں اور اپنی قوم کے واسطے ایک ناقابلِ فتح بیڑا بہم پہنچائیں، تو جرمن صدر اعظم کی مذکورۂ بالا حکمت عملی گویا ہمارے اس مقررہ اُصول سے مکابرے کے مرادف تھی۔ آہنی صدر اعظم نے ماورائے بحر مقبوضات بغیر کسی بیڑے کے اور بغیر ایک گولی چلائے، حاصل کر لئے تھے پھر اگر نئی آرزوؤں کا تقاضا تھا کہ بسمارک کے آخر زمانے کی حکمت عملی سے تجاوز کیا جائے تو اُس کے جانشینوں کو اس بسمارکی اصول کی پیروی کرنی چاہیئے تھی کہ ایک وقت میں صرف ایک مقصود حاصل کریں اور ایک ہی خطرہ مول لیں۔ ولیم ثانی ایسے لوگوں میں گھرا ہوا تھا جو آگے قدم بڑھانے کی خواہش میں متفق تھے اور بعض کی نظر ترکی سلطنت پر پڑتی تھی اور بعض کی اوقیانوس کی طرف۔ ہرصورت الگ الگ

امید وبیم کے پہلو رکھتی تھی۔ یہ تدبر کا کام تھا کہ مشرقی اور مغربی حکمت عملی میں کسی ایک کو اختیار کر لیتا[1]۔ قیصر و بیولاؤ کی ناعاقبت اندیشی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مشرقِ ادنیٰ میں روس کے راستے میں روڑے اٹکانے کے علاوہ انھوں نے ایک ہی وقت میں برطانیہ کی بحری فوقیت کو تذبذب میں ڈال سکے، اُسے بھی اپنا دشمن بنا لیا۔

جولائی ۱۹۰۹ء میں بیٹ مین ہول وگ نے بیولاؤ کی جگہ لی تو مسند صدارت کچھ پھولوں کی سیج نہ تھی۔ وہ اپنے "افکار" میں دوسرے الفاظ میں لکھتا ہے کہ "یہ امر تو خارج از بحث ہو چکا تھا کہ اگر جرمانیہ انگلستان کی سلسلہ جنبانی پر متوجہ ہو جاتی اور کوئی بحری مفاہمت کر لیتی تو کیا صدی کے آغاز میں وہ بالکل ایک دوسرے اور عالمگیر جتھے میں شریک غالب نہ ہو جاتی؟ کیونکہ ۱۹۰۹ء میں اصلی بنیادیں تیار ہو چکی تھیں۔ انگلستان، فرانس و روس کے پہلو میں جگہ لے چکا تھا اور ادھر جرمانیہ بحری نظام العمل طے کر کے مشرق ادنیٰ کی حکمت عملی کو دور تک بڑھا لائی تھی۔ دونوں طرف سے ترش باتیں کہی گئیں اور مطلع ژالہ آلود اور شبہات سے مکدر ہو چکا تھا۔ امیر کبیر بیولاؤ نے مجھے مطلع کیا کہ انگلستان کا طرزِ عمل بہت تشویش انگیز صورت اختیار کر گیا ہے گو ہمیں امید ہے کہ مناسب تداوی سے اس میں فرق پڑ جائے گا۔ بیڑا جرمانیہ کی محبوب ترین شئے بن گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ قوم کی ساری اقدام طلب قوتیں اُس کے بنانے میں واضح ترین صورت میں مجتمع ہو گئی ہیں۔ ہماری بحری حکمت عملی سے نہایت نازک بین الاقوامی پیچیدگیوں کے جو اندیشے پیدا ہوئے،

بیٹ مین ہول وگ اور ٹرپٹز

[1] قیصر نے حجت کی ہے کہ میری حکمت عملی ہر قسم کے بیم و خطر سے خالی تھی۔ (تزک۔ باب ۱۴) لیکن دو میں سے ایک صورت اختیار کرنے کی ضرورت۔ ٹرپٹز کی سوانح میں صاف طور پر تسلیم کی گئی ہے جو ایک مسلک کا تھا اور اُدھر پرنس لورف کی کتاب میں ہے جو دوسرے مسلک کا قائل تھا کہ جو ہانیس ہالر کی چھوٹی سی درخشاں کتاب "Die aera Bulow" میں بیولاؤ کے طرزِ عمل کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ جواب میں بیولاؤ نے بتاریخ ۱۴ جون ۱۹۱۹ء ایک دلچسپ خط لکھ کر اپنی صفائی کی تھی جو "فیورسٹ بیولاؤ" میں دوبارہ چھپ چکا ہے (صفحہ ۹۲-۱۰۴)

اُنھیں ایک زور دار ہنگامے میں دبا دیا گیا۔ اس شورش کی باگ ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جو سیاسی اقتدار کا زعم رکھتا تھا۔ جب کبھی بیڑے اور سیاسیات کے معاملے میں اختلاف ہوتے، تو رائے عامہ قریب قریب ہمیشہ بیڑے کی پُشتی پر ہوتی۔ اور بین الاقوامی پہلوؤں کی جانچ تول کو محض دول خارجہ کی چاپلوسی پر محمول کیا جاتا تھا۔ اتحادِ جرمانیہ کی تحریک قدامت پسند اور وطنی احرار کی جماعتوں تک میں جاگزیں ہو چکی تھی اور گو اس میں جنگ کی خواہش نہ تھی، تاہم ایسی سرکشی ضرور تھی جس سے میرا کام زیادہ دشوار ہو گیا"[1]

صدرِ اعظم کو ٹرپٹز سے یہ سوئے ظن تھا تو اس کے جواب میں اُدھر بھی صدرِ اعظم کی نسبت ایسے ہی جذبات تھے۔ چنانچہ یہ امیر البحر لکھتا ہے کہ "امیر کبیر بیولاؤ سے میرے دل میں جو اطمینان ہوا کرتا تھا، وہ اُس کے خنکی اور ناتجربہ کار جانشین کے زمانے سے بالکل مختلف تھا۔ بیولاؤ بیڑے کا پورا خیر خواہ تھا لیکن اُس کے عہدے سے دست کش ہونے کے بعد مجھے نہایت ضروری قوم کے واسطے بھی زور آزمائی کرنی پڑتی تھی حتیٰ کہ میں تھک کے بیٹھ رہتا تھا۔ یہ کشمکش اتنی ریشتاگ سے نہ ہوتی تھی جو کہ روز بروز زیادہ معاملہ فہم ہوتی جاتی تھی، جتنی کہ خزانے اور صدر اعظم سے کہ وہ ایسی بہت سی تجویزیں دبا دیتا تھا جو جرمانیہ کے جنگی ساز و سامان کے لئے درکار تھیں" اتحادِ جرمانیہ کے حامی بھی اپنی مخالفت کو چھپاتے نہ تھے۔ ریونٹ لو نے لکھا ہے کہ "بیٹ مین کی نظر میں تو جرمن حکمت عملی کا مقصدِ اول یہ تھا کہ برِّ اعظم کی کسی جنگ کی صورت میں برطانیہ کی غیر جانبداری کی طرف سے اطمینان کر لیا جائے۔ وہ ایک طاقتور جرمن بیڑے کی ضرورت کے اذعان میں شریک نہ تھا اور سمجھتا تھا کہ بیڑے سے امن و صلح کی بجائے جنگ کا اثر پیدا ہوتا ہے"۔

القصہ گو نیا صدرِ اعظم جہاز کا رخ بدلنے کی طاقت نہ رکھتا تھا تاہم اُس کے آنے سے وزارت خانہ ولہلم اسٹراس کی ہوا میں آشتی آمیز کیفیت ضرور پیدا ہو گئی اور ادھر کدرلین واختر بھی اُس کا ہم رائے تھا کہ جرمانیہ کو صرف اتنے بیڑے پر

[1] "رفلیکشنز" جلد اول۔ باب اول۔

اکتفا کرنی چاہیئے جس سے برطانیہ نہ بھڑکے ۔ کدرلین کو قیصر کی ناپسندیدگی کے باوجود بیٹ مین وزارت خارجہ پر لایا تھا اور وہ حقیقت میں اس سے زیادہ اقتدار کو کام میں لاتا تھا، جتنا کہ کسی وزیر خارجہ کو عموماً حاصل ہوا کرتا ہے ۔ ریونٹ لو سے اُس نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی کہ " فوج امن کی ضامن ہے اور بیڑا اُسے خطرے میں ڈالتا ہے" صدر اعظم برطانی حکومت کے حُسنِ ظن پر کامل وثوق رکھتا تھا۔ اُس نے ارادہ کر لیا کہ کشادہ دلی سے تبادلۂ خیالات کیا جائے ۔ اس میں جہاں تک او نچے رُتبے کے لوگوں کا تعلق تھا، کوئی دقت نہ پیش آئی جیسا کہ خود اس نے بیان کیا ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ " فرانس و روس کی شراکت کو گُسستہ کرنا تو ممکن نہ تھا، لہذا اُس کے خطرات کم کرنے کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ ہم انگلستان سے مفاہمت کر لیں ۔ اس رائے سے قیصر کو صرف اتفاق ہی نہ تھا بلکہ اُس نے بار بار مجھ سے کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی حکمت عملی ہی نہیں ہو سکتی ۔ اگست کے ابتدائی ایام میں میں نے سرایڈورڈ گوشن سے بیڑے کی نسبت گفتگو شروع کی لیکن اس گفت وشنید کا کوئی نتیجہ نہ نکلا کیونکہ وزرائے لندن اُس کی کامیابی کے کچھ بہت خواستگار نظر نہ آئے اور نہ کوئی ایسا اُصول موضوعہ مل سکا جس سے دونوں ملکوں کے محکمۂ بحریات کی تشفی ہو جاتی "۔ قیصر اپنی تزک میں بیان کرتا ہے کہ میں نے ان کوششوں کی تائید کی گو کامیابی کی امید نہ تھی۔[1]

بحری گفت وشنید

سرایڈورڈ گک کا بیان یہ ہے کہ " صدر اعظم نے برطانی سفیر کو بلا بھیجا اور کہا ۔ کہ مجھ پر بخوبی ظاہر ہو گیا ہے کہ انگلستان بحری مسئلے ہی کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے جو دونوں مُلکوں کے درمیان صحیح معنی میں دوستانہ تعلقات ہونے کی مانع ہے ۔ پس جرمن حکومت اس کے تصفیے کے لئے نئی تجاویز کرنے پر آمادہ ہے لیکن اس بحث پر گفتگو چھیڑنے کی سب سے مفید صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اُسے ایک عام اور وسیع تر مفاہمت کا جزو بنا دیا جائے، اور یہ مفاہمت اس اذعان پر مبنی ہو کہ کوئی مُلک دوسرے کے خلاف

---

[1] اوبری ٹین اسٹرو خو رہیں " ۔

دراز دستی یا دشمنی کی نیت نہیں رکھتا۔" صدر اعظم کے ان پیاموں سے برطانی حکام کو طبعاً خوشی ہوئی اور انھوں نے اس اقدام کا تپاک سے جواب دیا۔ اُن کے لئے سب سے اہم سوال بیڑے کا تھا لیکن عام مفاہمت کی ہر تجویز پر جہاں تک کہ وہ دوسرے دول خارجہ کے ساتھ حاضرہ معاہدوں کے معارض نہ ہو، برطانیہ پوری التفات کرنے پر آمادہ تھی۔" مگر ہر فان بیٹ مین ہولوگ نے بیڑے کے متعلق جو تجویزیں پیش کیں، وہ کچھ مبہم سی تھیں۔ یعنی اُس نے بیان کیا کہ جرمانیہ کے قانون بحریہ سے بحیثیت مجموعی کوئی تخالف تو خارج از بحث ہے، کیونکہ اس کی رئیشتاگ میں ایسی مخالفت ہوگی جو کسی کے دبائے نہ دبے گی۔ البتہ حکومت جرمانیہ نئے جہاز بنانے کی "رفتار سست کرنے" کے مسئلے پر گفتگو کے لئے آمادہ ہے۔ اس قول کی ٹھیک ٹھیک صراحت کرائی گئی تو وہ یتسر نہ ہوئی۔ جو کچھ مفہوم سمجھ میں آیا وہ یہ تھا کہ ۱۹۱۸ء تک جس قدر تعداد میں جہاز بننے والے ہیں، اس میں تو کوئی کمی نہ ہوگی مگر ابتدائی سنین میں بڑے جہازوں کی تعداد کم کردی جائے گی اور آگے چل کے اسی تناسب سے اس میں اضافہ ہوجائے گا۔ جس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ مصارف یا پورے نظام العمل میں آگے چل کے کوئی معین تخفیف نہ ہوگی۔"

"اس طرح بحری گفت وشنید کی جو بنیاد صدر اعظم نے تجویز کی، وہ غیر معین، کمزور اور موہوم تھی اور اس کے عوض میں جو شرط وہ طلب کرتا تھا، وہ قطعی، واضح اور نہایت پُر وزن تھی۔ یعنی برطانیہ کو اس قول و قرار کا شریک بنانا چاہتا تھا کہ (۱) دونوں میں سے کوئی مُلک دراز دستی کا ارادہ نہیں رکھتا اور فی الواقع کوئی بھی دوسرے پر حملہ نہ کرے گا۔ اور (۲) دونوں میں سے کسی پر تیسری طاقت یا مجموعۂ دول نے حملہ کیا تو جس پر حملہ نہیں ہوا، وہ مُلک علیحدہ رہے گا۔"

"پہلی شرط پر کوئی اعتراض نہ تھا نہ ہوسکتا تھا۔ لیکن دوسری شرط پر برطانیہ کے نقطۂ نظر سے سخت اعتراض وارد ہوتا تھا۔ کیونکہ دول یورپ کی

غیر جانبداری کا مسئلہ

عام حالت کے مدنظر اس شرط کے معنی یہ ہوتے کہ جب اعظم یورپ میں کوئی جنگ چھڑے تو برطانیہ پابند ہوجائے کہ وہ الگ کھڑی رہے گی۔

جرمانیہ کے لئے یہ دشوار نہ تھا کہ جنگ کی صورت میں اُس کے آغاز کی ذمہ داری آسٹریہ پر ڈالنے کا انتظام کرلے اور اگر آسٹریہ اور روس برسرپیکار ہوں تو جرمانیہ بروئے عہد نامہ آسٹریہ کی اعانت پر مجبور ہوتی۔ اُدھر روس کی دو سلطنتوں سے جنگ چھڑنے کی صورت میں فرانس کا فرض ہوتا کہ وہ روس کا ساتھ دے۔ اس طرح جرمن حکومت جس شرط کا مطالبہ کرتی تھی، اُس کی بنا پر برطانیہ فرانس کی تائید نہ کرسکتی خواہ جنگ کے اسباب اور نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس طرح فرانس کا اعتماد اور حُسنِ ظن زائل ہو جاتا کہ اگر جرمانیہ کسی مطالبے پر اڑی اور جنگ کرنے تک آمادہ ہوگئی تو برطانیہ فرانس کے کچھ کام نہ آسکے گی۔ انگریز وزرا جو اپنی قوم کے مستقبل کے امین تھے، اس بات کو نظرانداز نہ کرسکتے تھے کہ ممکن ہے برطانیہ کی یہ جبری غیر جانبداری کا زمانہ، جو جرمن صدرِ اعظم کی تجاویز میں مضمر تھا، اس کام میں لایا جائے کہ جرمانیہ شدّ و مد کے ساتھ برِ اعظمِ یورپ میں اپنی سیادت کی بنیادیں مضبوط کرلے۔ اس صورت میں برطانیہ مفلوج تماشائی کی طرح یہ سیر دیکھتی رہتی تاآنکہ جرمانیہ کو موقع مل جاتا کہ اپنی غیر منقسم قوّت خود اُس کے زیر کرنے میں صرف کرے جو یورپ بھر میں اکیلی آزاد سلطنت رہجاتی۔ مزید برآں جرمانیہ کی تجویز سے ضمناً اور خاص خاص حالتوں میں اُن شرطوں سے انحراف لازم آتا تھا جن کی بلجیم سے متعلق، برطانیہ بروئے معاہدہ پابند تھی مثلاً جرمانیہ اور فرانس کی لڑائی چھڑتی اور جرمانیہ حملہ کرنے کی غرض سے بلجیم پر یورش کرتی، تو اس صورت میں بھی برطانیہ جرمنوں کے مجوزہ عہد و پیمان کی رُو سے بلجیم کو جنگ سے محفوظ رکھنے کی کوئی تدبیر نہ کرسکتی۔ غرض یہ ذرا بھی حیرت کی بات نہیں ہے کہ سنہ ۱۹۰۹ء کی فصلِ خریف میں حکومت برطانیہ نے جرمن حکومت کی تجویز ماننے سے انکار کردیا۔ سیاسی اعتبار سے اِس تجویز میں سخت اعتراض تھے بحالیکہ بحری لحاظ سے، وہ مصارفِ بحریہ میں کسی معقول تخفیف کی امید نہ دلاتی تھی۔

اگر ٹرپِٹز کا قول مانا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جرمن صدر اعظم کی ان کوششوں میں یہ وزیر بحریہ بھی اُس کا شریک و معاون تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ "جس دن سے

ٹرپٹز کی روش

وہ صدر اعظم مقرر ہوا، میں برابر اس کی سعی میں کہ انگریزوں کے جو مختلف مطالبات پیش ہوں، حتی المقدور انھیں پورا کیا جائے، ممد و معاون تھا۔ خصوصاً شہنشاہ کو اس طرف میں نے ہی مائل کیا اور بحری قرار داد ہو جانے کے لئے جو کچھ مجھ سے ممکن تھا، وہ کیا۔ جنوری ۱۹۰۹ء سے میں تیار تھا کہ جس تناسب کا فیصلہ ہو جائے اُس کا پابند رہوں۔ ابتداکرنے کے لئے میں نے ۳ : ۴ کی نسبت پیش کی، پھر ۲ : ۳ اور آخر میں ۱۰ : ۱۶ تک پر رضامند ہوگیا کہ کسی طرح تصفیہ ہو جائے۔ ہر چند چرچل نے بعض گوشے بحری فوقیت میں اور بھی بیشی کے لئے رکھ لئے تھے مگر میں نے انھیں بھی اس یقین پر نظرانداز کر دیا کہ ہمارے قانون بحریہ کی تکمیل اس دفاعی منشا کو پورا کر دے گی جو ہم سب کا اصلی مقصود تھا" لیکن گو بیٹ مین کی وہ تائید کرتا رہا، تاہم اُسے اس کوشش کی کامیابی کا اعتبار نہ تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ "گفت و شنید کے دوران میں مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ انگلستان کی حکومت بحری قرار داد ہو جانے کی کچھ دل سے خواہاں نہیں ہے بلکہ فقط اس بات کی فکر میں ہے کہ ہماری وزارت خارجیہ کو اس فرضی امر پر وثوق ہو جائے کہ ساری خرابی کا ذمہ دار بیڑا ہے۔ اس خیال کا کہ بین الاقوامی سیاسیات میں انگلستان و جرمانیہ کے دوش بدوش کام کرنے کا واحد مانع جرمنی بیڑا ہے، ایک ممتاز و سوید و مقر، ہمارے سفارت خانۂ لندن کا معتمد کیوہل مین تھا۔ بیٹ مین کی اساسی غلطی یہ سمجھنا تھی کہ بحری معاملات میں طرح دینے سے گویا معمولی خاطرداری سے ہمارے تعلقات کی نوعیت بدل جائے گی۔ حالانکہ چند جہازوں کا ہونا نہ ہونا انگلستان کے لئے یکساں بات تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اُن کا دل تو یہی چاہتا ہے کہ ہم پچاس بلکہ سو فی صدی کم قوت کا بیڑا بھی نہ بنائیں۔ اور اُن کی طرف سے اعتراف ہونے کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہ تھی کہ جہاز سازی کو مطلقاً موقوف کر دیا جائے"

مئی ۱۹۱۰ء میں قیصر شاہ ایڈورڈ کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے لندن آیا اور اُس کی نمایاں غمگساری کی دل سے قدر کی گئی۔ گرمیوں میں

۱۹۱۰ء کی گفت و شنید

گفت و شنید کا پھر سلسلہ چھڑا جس کے واقعات کو

آگے چل کے سر ایڈورڈ گرے نے یوں بیان کیا ہے:-
"جولائی ۱۹۱۰ء میں مسٹر ایسکوئتھ نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "ہم نے جرمن حکومت کی طرف سبقت کی مگر وہ کچھ نہ کر سکی اور نہ اپنے بحری قانون کو ریشتاگ کے باضابطہ فیصلے کے بغیر منسوخ کر سکتی تھی۔ اُس نے ہم سے بیان کیا اور بلاشبہ اس میں بہت کچھ سچائی تھی، کہ نظام العمل میں ترمیم کی گئی تو جرمانیہ کی رائے عامہ حکومت کی تائید نہ کرے گی"۔ اس تقریر کے جواب میں صدر اعظم نے کہا کہ جرمن حکومت نے برطانی سلسلہ جنبانی کے مقابلے میں محض سکوت و انکار سے کام نہیں لیا۔ یہ سچ ہے کہ جہاز سازی میں ہم تخفیف نہ کر سکے لیکن عارضی تاخیر پر گفتگو کرنے کے واسطے آمادہ تھے۔" اس تجویز کا دوبارہ ٹھیک ٹھیک مطلب دریافت کیا گیا تو کوئی صاف جواب نہ ملا۔ تاہم برطانی حکومت بلاتاخیر پیام سلام پر تیار ہو گئی اور اگست میں اُس نے اپنی سابقہ شرط سے بھی ہاتھ اُٹھا لیا کہ پہلے موجودہ جہاز سازی کے نظام العمل میں تخفیف کی جائے تب کوئی بحری قول و قرار ہو سکے گا۔ بلکہ اُس نے لکھ بھیجا کہ ہم حسب ذیل باتوں کے لئے آمادہ ہیں: (۱) عارضی تاخیر کی تجویز پر غور و بحث کی جائے۔ (۲) بحری عہد و پیمان کی نسبت اس بنیاد پر گفتگو شروع ہو کہ جرمانیہ کے موجودہ نظام العمل میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے گا اور ہر ملک میں جہاز سازی کی ٹھیک ٹھیک رفتار سے ایک دوسرے کو اطلاع دی جاتی رہے گی (۳) سیاسی مفاہمت کے متعلق اطمینان دلایا جائے کہ برطانیہ نے کسی دوسری طاقت کے ساتھ ایسا معاہدہ نہیں کیا ہے جس میں کسی شرط کا منشا جرمانیہ کی مخالفت ہو اور نہ برطانیہ خود اس کی نسبت کوئی معاندانہ ارادہ رکھتی ہے۔"

حکومت جرمانیہ کا جواب اکتوبر میں موصول ہوا اور ۱۹۱۱ء کے موسم بہار تک نامہ و پیام ہوتے رہے۔ (۱) "عارضی تاخیر" کا وعدہ بھی جرمانیہ نے مئی ۱۹۱۱ء میں واپس لے لیا، حالانکہ یہ وہ تجویز تھی جسے خود جرمانیہ نے پیش کیا اور پھر اس بات کی دلیل بنایا تھا کہ ہم نے برطانیہ کو کوئی ناقابل عمل جواب نہیں دیا۔ طرفہ تر یہ کہ اس وعدے کے واپس لینے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ صنعت جہاز سازی کی مدد کے لئے حکومت کا معین مقدار میں فرمائش کرنا ضروری ہے۔ بحالیکہ جب پہلے، عارضی تاخیر پر

آمادگی ظاہر کی گئی، تو یہ وجہ اُس وقت بھی پیش کی جا سکتی تھی ؟ (۲) رہی بحری معاہدے کی گفت و شنید، جس کی شرائط یہ ہوں، کہ جرمن نظام العمل میں کوئی بیشی نہ کی جائے اور ایک دوسرے کی جہاز سازی سے اطلاع دی جاتی رہے، تو اس کے صرف آخری جزو پر جرمن حکومت گفتگو کے لئے آمادہ ہوئی۔ مہینوں رسل و رسائل ہوتے رہے۔ آخری برطانی یادداشت جنوری ۱۹۱۲ء کے اخیر میں روانہ کی گئی جس میں ضروری معاملات پر ساری جرمن شرطیں مان لی گئی تھیں۔ اور جس کا اُدھر سے کوئی جواب نہ آیا، البتہ نظام العمل میں اضافہ نہ کرنے کے متعلق اکتوبر ۱۹۱۱ء میں جرمانیہ نے سوال کیا تھا کہ اس کے عوض میں برطانی حکومت کیا شرط قبول کرے گی۔

قیصر سدِ راہ ہوتا ہے

لیکن برطانی وزرا ابھی جواب سوچ رہے تھے کہ شہنشاہ نے انگریز سفیر سے صاف کہہ دیا کہ میں کبھی کسی ایسے معاہدے کی منظوری نہ دوں گا، جو جرمانیہ کو بحری نظام العمل میں اضافہ نہ کرنے کا پابند بنا دے ؟ شہنشاہ اور صدر اعظم کے طرز عمل میں اس تناقض کی توجیہ اور صفائی نہ ہوئی۔ البتہ مئی ۱۹۱۱ء میں جرمن حکومت نے لکھ بھیجا کہ جنگی مصارف میں باہم تخفیف کی کوئی تجویز پیش کی گئی تو وہ اُس پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہے بشرطیکہ قانون بحری کے دواعی سے انحراف کا احتمال نہ ہو؟ مگر چونکہ عارضی تاخیر کے وعدے کو جرمنوں نے اُسی زمانے میں منسوخ کیا تھا، لہذا مذکورہ بالا تحریر سے کامیابی کی کچھ بہت امید نہ بندھ سکتی تھی اور ادھر بحری قرار داد پر غور و بحث کرنے کی اس آمادگی سے قبل ریشتاگ میں جو سرکاری اعلان کیا گیا وہ بہت ہی دو ٹوک تھا؟ ”واضح ہو کہ بتاریخ ۱۳ مارچ ۱۹۱۱ء سر ایڈورڈ گرے نے پارلیمنٹ میں ایک تقریر کی جس میں کنایتہً جرمانیہ کے ساتھ نامہ و پیام کا تذکرہ تھا اور اُن حدود کو بتایا گیا تھا، جن کے اندر یہ گفت و شنید امید افزا طریق پر جاری رہ سکتی تھی۔ اور آخر میں صاف کہہ دیا تھا کہ دوستی کے جذبات صادق اور پھر جنگی ساز و سامان میں اضافہ؟ اجتماع ضدین نظر آتا ہے؟ جرمن اخباروں میں اس تقریر کو نگاہ قبول سے دیکھا گیا۔

بیٹ مین ہولوگ کے شکوک

لیکن ریشتاگ میں یہ مبحث پیش ہوا، تو صدر اعظم نے حوصلے سرد کرا دئے اُس نے کہا ”میرے نزدیک ہر قسم کی نگرانی قطعی ناقابل عمل ہے اور

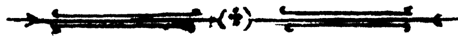
اس کے لئے جو کچھ کوشش کی جائے گی اُس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہ ہوگا کہ باہمی بدگمانی اور دائمی نزاع جاری رہے۔ کون ہوگا جو اپنے وسائلِ دفاعی کو کمزور کردینا چاہے گا جب تک کہ اس بات کا کامل یقین نہ ہوجائے کہ ہمسایہ مقررہ تناسب سے جس کی ازروئے معاہدۂ تخفیف اسلحہ اجازت ملی ہے خفیہ طور پر بیشی نہیں کررہا ہے؟ نہیں، حضرات، کوئی شخص جو عالمگیر تخفیف اسلحہ کے مسئلے پر پوری طرح غور و خوض کریگا، سوائے اس کے اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا کہ جب تک انسان، انسان، اور حکومتیں، حکومتیں رہیں گی، اُس وقت تک یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔"

"(۳) جس وقت جرمانیہ نامۂ و پیام کے بحری پہلو پر اس طرح کبھی بڑھتی اور کبھی پیچھے ہٹتی تھی، جرمن حکومت انگلستان سے سیاسی مفاہمت کو برابر نہایت ضروری سمجھتی رہی۔ اکتوبر ۱۹۱۰ء کے جواب میں بھی اُس نے اسی پہلو پر بہت زور دیا اور جب انگلستان انتخاب عام کے بعد دوبارہ گفت و شنید کا سلسلہ چھڑا تو برطانی حکومت بھی جرمنوں کی اس رائے کو مان گئی کہ بحری قرارداد کی مقدم شرط ہی یہ ہونی چاہئے کہ سیاسی نوعیت کا کوئی وسیع تر فیصلہ باہم کرلیا جائے۔ چنانچہ ایسے فیصلے پر بحث کرنے کی غرض سے برطانیہ نے بعض مبادی بھی پیش کئے۔ جس قسم کے بند و بست کا صدر اعظم نے خاکہ کھینچا تھا، جو ایک عام سیاسی کلیے پر مبنی ہوتا، وہ وسعت و جامعیت اور تعلقات کی مضبوطی کے اعتبار سے ایسا ہوتا کہ انگلستان نے، قطع نظر باقاعدہ اتحاد کے، کسی دوسری سلطنت سے اتنا بااثر قول و قرار نہیں کیا تھا۔ لہٰذا کچھ عجب نہ تھا کہ اس قسم کی قرارداد فرانس و روس میں بدگمانی پیدا کرتی۔ خود فرانس و روس کے ساتھ برطانیہ کے عہد و پیمان ایسے عام سیاسی کلیے پر مبنی نہ تھے بلکہ وہ فقط خاص خاص مسائل کے ایسے تصفیوں پر مشتمل تھے کہ جن کے ہوجانے سے آئے دن کی کشاکش اور چھیڑ چھاڑ دور ہو کے دوستانہ روابط قائم ہوگئے۔ مگر ان روابط میں کوئی اختصاص کی شان نہ تھی اور فرانس و جرمانیہ میں نیز جرمانیہ و روس میں بعض معاملات خیر و خوبی سے طے ہوگئے تو برطانی حکومت کو خوشی ہوئی تھی؛ بنظر بریں سوال یہ تھا کہ جرمانیہ اور برطانیہ کے مابین بھی اسی قسم کے کسی ارتباط کی کوشش کیوں نہ کی جائے؟

اس قسم کے خیالات تھے جو برطانیہ کی طرف سے ظاہر کئے گئے اور جرمن حکومت کا جواب (مورخہ مئی سنہ ۱۹۱۱ء) بھی مائل بہ رضامندی تھا اگرچہ سابقہ بحری وعدے کی تنسیخ کسی قدر حوصلہ شکن تھی۔ بہرحال جرمنوں نے اقرار کیا کہ مذکورۂ بالا برطانی تجاویز خاصی طرح باہمی تصفیے کی بنیاد بن سکتی ہیں، گو انھوں نے مکرر لکھا کہ ہمارے نزدیک کوئی ہمہ گیر سیاسی کلیہ طے ہو جانا بہتر ہوتا"

قیصر کا ورود

باہمی کشاکش میں تخفیف کے آثار نظر آنے لگے۔ مئی میں قیصر نے ملکۂ وکٹوریہ کی یادگار کو بے نقاب کرنے کی رسم میں شرکت کی دعوت جو شاہ جارج پنجم نے بھیجی تھی، قبول کی۔ اور اُس کا حسب معمول تپاک سے استقبال کیا گیا۔ چنانچہ کونٹ **لیلیناگ** (بلجیم کے وکیل مختار) نے یہ کیفیت لکھی تھی کہ "میں نے برائے العین مشاہدہ کیا کہ عوام کی جانب سے خیر مقدم کا جوش یوماً فیوماً ترقی کر رہا ہے۔ شاہ ایڈورڈ کی وفات معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان و جرمانیہ کے تعلقات کے واسطے ایک خفیف سے اتحاد کا پیام ہوگئی ہے[1]" لیکن عین اسی زمانے میں برلن کے ایک ناعاقبت اندیشی کے ارادے نے پھر دونوں قوموں کو بالکل جدا اور یورپ کو ایسے قضیے میں مبتلا کر دیا جو سنہ ۱۹۰۸ء کے جھگڑے سے کہیں زیادہ اندیشہ انگیز تھا۔



[1] دیکھو شورٹ فیگر کی کتاب: جلد سوم ۲۴۵۔

باب چہاردہم

اگادر

فرانس، مراکش میں

مشاورۂ الجزائر سے نہ تو فرانس و جرمانیہ کے تعلّقات میں بہتری کی صورت پیدا ہوئی اور نہ خود مراکش کے اندرونی معاملات میں[1] معاہدے کا لُبِ لُباب یہ تھا کہ آٹھ بندرگاہوں کے واسطے فرانس و ہسپانیہ سوئیس مہتمم کے ماتحت پولس مرتّب کریں گے لیکن بھرتی اور تعلیم میں بہت دیر ہوئی بلکہ اُن کی تکمیل کی نوبت ہی نہ آسکی۔ ادھر طنجہ میں ایک فرانسیسی سردار گولی سے مار دیا گیا اور ایک فرانسیسی ڈاکٹر قصبۂ مراکش میں خونیوں کا شکار ہوا؟ اپریل ۱۹۰۷ء میں جنرل لیوتی نے سرحد الجزائر کے قصبۂ اُجدا (عُضدا؟) "پر اُس وقت تک کے لئے کہ تاوان ادا ہو" قبضہ کرلیا۔ سر ہنری میک لین، مراکشی فوج کا اُستاد تھا اُسے جولائی میں رسولی اُڑا لے گیا۔ جولائی میں بعض بحری سپاہی جو کاسابلنکا کی بندرگاہ کی تعمیر کر رہے تھے، قبرستان کو مخدوش بنانے کی بنا پر جان سے مار دئے گئے۔ جواب میں قصبے پر گولہ باری ہوئی اور گرد و نواح کے علاقے پر قبضہ کرلیا گیا۔ اس طرح "ارض موعود" کے

[1] ملاحظہ ہوں: "Affaires du Maroc," 4 vol : 1905—12
"La Conference d' Algeciras"
"Morroco in Diplomocy" (Morel) وغیرہ وغیرہ

مشرق و مغرب دونوں سروں پر فرانس کے مورچے قائم ہو گئے۔ اجانب کی دراز دستی سے مُلک میں مخالفت پھیلی تو اسی کے بل پر مولائے حفیظ نے اپنے بھائی عبدالعزیز (سلطان مراکش) کے خلاف جنوب میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، اور جنوری ۱۹۰۸ء میں بہ مقام فاز اپنی بادشاہی کی منادی کرا دی۔ عبدالعزیز کو شکست ہزیمت نصیب ہوئی اور سال کے اخیر تک مولائے حفیظ کو دول یورپ نے اس شرط پر فرماں روائے مراکش تسلیم کر لیا کہ وہ فیصلہ نامۂ الجزائر کا احترام کرے گا۔ بایں ہمہ وہ مُلک میں امن قائم نہ کر سکا۔ شمال میں ریفی اُس کے قابو میں نہ آئے اور جنوب میں ایک نئے مدعی الروغی نے سرکشی کی۔

۱۹۰۷ء میں کلیمنسو کے وزیر خارجہ پیشاں نے اس گفت و شنید کی تائید کی جو "لا ایپش مروکین" کے مدیر رینوا و رطنجہ کے جرمن سفارت خانے میں چھڑی تھی اور جس سے ثابت ہوتا تھا کہ جرمانیہ کو اپنی علیحدگی کے عوض میں بعض نفع آور کاموں میں حصہ مل جائے تو باہمی ارتباط ممکن ہے۔ جنوری ۱۹۰۸ء میں ژول کامبوں نے بھی اطلاع دی کہ جرمن وزیر خارجہ اقتصادی اتحاد پر گفتگو کرنی چاہتا ہے۔ مارچ میں بیرن شون نے ریشتاگ کو بتایا کہ جرمانیہ و فرانس کے تعلقات حسب معمول درست بلکہ دوستانہ ہیں اور جرمانیہ پوری طرح معترف ہے کہ فرانس ۱۹۰۶ء کے فیصلے پر سچائی سے کاربند رہا، لیکن ان لگاوٹ کی باتوں کو ستمبر کے ایک واقعے نے بُری طرح کاٹ دیا اور کئی ہفتے تک امن عالم بیم و رجا کی حالت میں رہا۔

کاسابلانکا کے مفرور سپاہی

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۰۶ء میں کاسابلانکا کے بعض جرمن باشندوں نے اپنے قنصل کی تائید سے ایک دلالی کا کارخانہ بنایا کہ مراکش کے "جیش اجانب" سے سپاہیوں کو باقاعدہ بھگایا جائے۔ ستمبر ۱۹۰۸ء میں ان ہی لوگوں نے ۶ سپاہیوں کو فوج سے فرار ہو جانے کی ترغیب دی۔ جن میں دو جرمن، ایک جرمن جو فرانس کی رعایا بن گیا تھا، ایک روسی ایک سوئیس اور ایک اسٹروی سپاہی تھا۔ قنصل نے اُن کے واسطے غیر مصافی لباس مہیا کیا، اور کئی دن شہر میں چھپائے رکھا۔ ارادہ یہ تھا کہ انہیں ایک جرمن جہاز میں جو بندرگاہ سے کچھ دُور لنگر انداز تھا، روانہ کر دیا جائے۔

۲۵ ستمبر کو صبح سویرے قنصل خانے کے ایک عہدہ دار کی معیت میں وہ گودی تک آئے لیکن جس کشتی میں سوار کرا کے جہاز پر بھیجا گیا، وہ اُلٹ گئی اور اُنھیں مجبوراً ساحل پر واپس آنا پڑا۔ گودی کے فوجی داروغہ نے اُنھیں دیکھ کر گرفتاری کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر کشتم گشتا بھی ہوئی اور پھر جرمن قنصل نے شور مچایا کہ تین جرمن اشخاص ہمیں واپس دئے جائیں۔

صدر حکومتوں کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آسٹریہ نے تو کوئی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا لیکن بیرن لینکن فرانس کی وزارت خارجہ میں وارد ہوا اور "بلا تاخیر پوری طرح اطمینان دہی" کا مطالبہ کیا۔ وزیر فرانس نے جواب میں مطالبہ کیا کہ قنصل کے اس فعل سے جرمن حکومت نفرت و تبرّی کرے۔ دس پندرہ دن بعد جرمن حکومت نے ثالثی کی تجویز کی لیکن جب پیشیان نے اُسے منظور کر لیا تو برلن سے کاسابلانکا کے عمالِ بندرگاہ کو سزا دینے کا، اور تینوں جرمنوں کو چھوڑ دئے جانے کا مطالبہ ہوا کہ یہ ہو جائے تو پھر جرمن قنصل کو بھی سزا دے دی جائے گی۔ پیشیان نے جواب دیا کہ اب معاملہ ثالثوں کے تفویض کر دیا گیا ہے مگر جرمن سفیر نے پھر مطالبہ کیا کہ تینوں جرمنوں کو چھوڑ دیا جائے اور جرمن قنصل خانے کے دو آدمیوں کے چوٹ آئی ہے اُس کا تاوان دلایا جائے۔ دوسرے دن بیولاؤ نے فرانس کے سفیر برلن کو مطلع کیا کہ اگر دوسرا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو قیصر اپنے سفیر کو واپس بُلا لیگا۔ پیشیان ثابت قدم رہا اور اُس نے کہہ دیا کہ مجھے ثالثی کے فیصلے کا انتظار کرنا واجب ہے۔ بتاریخ ۶ نومبر بیولاؤ نے آخری مرتبہ پھر کوشش کی کہ ثالثی کی تحقیقات شروع ہونے سے قبل فرانس مفرورین کو حراست میں لینے کی معافی مانگ لے مگر یہ بھی بے سود رہی۔ تاردیو فرانس کی وزارت خارجہ کے اندرونی حالات سے واقفیت کی بنا پر لکھتا ہے کہ "شاہ ایڈورڈ نے حکومت فرانس کو اطلاع پہنچا دی تھی کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو میں پانچ ڈویژن پیادہ اور ایک ڈویژن سوار فوج یورپ میں بھیج دوں گا کہ حکومت فرانس کے حسب الحکم کام کرے اور خطِ ثانی کے میمنے پر صف آرا کیا جا سکے"۔ ۷ نومبر کو برطانی اور روسی سفیروں نے "کے دارسے" (= وزارت خارجہ) کو اطلاع دی کہ ہماری حکومتیں فرانس کے فعل کو کلیتہً پسند کرتی

اور اُس کی حکمتِ عملی کی شریک ہیں۔ دو دن بعد آسٹریہ کے سفیر نے پیشان کو بتایا کہ

رفع نزاع

میرے آقا نے قیصر پر جو ان دنوں شہنشاہ کا مہمان تھا، زور دیا ہے کہ اس معاملے کو خیر خوبی کے ساتھ طے کر لیا جائے اور قیصر بھی مان گیا ہے۔ غرض طوفان دب گیا اور کیڈرلین واختر اور ژول کامبون اس اعلان کو مرتب کرنے بیٹھے جس میں ۲۵ ستمبر کے واقعات پر اظہارِ تاسف اور امورِ واقعی نیز قانون کے مسائل کو ثالثی کے تفویض کیا گیا تھا۔ عدالتِ ہیگ کے فیصلے میں جرمن قنصل خانے کے صدر کی سخت مذمت کی گئی کہ اُس نے غیر جرمن عسکریوں کے فرار میں مدد دی جو "نہایت سنگین اور کھلی ہوئی خطا" تھی۔ فرانسیسی عمّال کے فعل کو حق بجانب قرار دیا گیا بجز اس کے کہ مفرورین کی گرفتاری میں وہ غیر ضروری تشدد کو کام میں لائے[1]۔

کاسابلانکا کے قضیئے کو انتہا تک نہ پہنچانے کے جرمن فیصلے کی ایک وجہ تو وہ ہنگامہ تھا جو ان ہی دنوں ڈیلی ٹیلیگراف میں قیصر کی ملاقات کا احوال چھپنے سے برپا ہوا اور دوسرے یہ کہ دُول وسطیٰ بوسینہ کے جھگڑے میں پھنسی ہوئی تھیں۔ ۲۶ جنوری کے دن ژول کامبون نے کیفیت لکھی کہ "آج بیرن شون کیطرف سے کیڈرلین مجھ سے ملاقات کرنے آیا۔ جرمانیہ جو یقین دلا چکی ہے کہ وہ مراکش میں صرف اقتصادی مقاصد رکھتی ہے، اُس کی تجدید کی۔ میں نے کہا فرانس مراکش کی صیانت قائم رکھ کر جرمن اغراض کی تائید کو نمایاں کرے اور جرمانیہ اس ارادے کا اظہار کرے کہ فرانس کے سیاسی حقوق میں دراندازی نہ کرے گی۔ دونوں اپنی یہ خواہش ظاہر کریں کہ فرانس کا خاص اور مسلّمہ مرتبہ پیشِ نظر رکھ کر وہ اپنے ہم وطنوں کو اقتصادی کاموں میں دوش بدوش دیکھنے کے متمنی ہیں" باہمی قرار داد کا اُصولِ موضوعہ ۳ فروری کے دن طے ہوا اور اس کا مرتب، ژول کامبون اپنی حکومت کی منظوری لینے پیرس روانہ ہوا۔ چنانچہ ۸ فروری کو

مراکش کے متعلق نیا عہد و پیمان

اس اعلان پر دستخط ہو گئے :۔ "دونوں حکومتوں کی یکساں خواہش ہے کہ فیصلۂ الجزائر کے مطابق عملدرآمد ہونے میں آسانی بہم پہنچائیں۔

[1] شون "میموائرز" ۹۰ تا ۹۳۔

لہٰذا اُنھوں نے باہم طے کر لیا ہے کہ اُس کی دفعات کے جو مطالب وہ سمجھتی ہیں، اُنھیں معین و واضح کر دیا جائے تاکہ آیندہ کسی قسم کی غلط فہمی کا موقع نہ پیدا ہو۔ اسی بنا پر فرانس، جو مراکش کی آزادی و صیانت کا دل سے خواہاں ہے ارادہ کر چکا ہے کہ اقتصادی مساوات محفوظ رہے اور اسی نظر سے جرمانیہ کے تجارتی اور صنعتی حقوق میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ اُدھر جرمانیہ کہ محض اقتصادی اغراض رکھتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ فرانس کی مخصوص سیاسی اغراض، اندرونی امن اور قانون کی تقویت ہی سے بہت زیادہ وابستہ ہیں، تہیہ کر چکی ہے کہ ان اغراض میں سدِّ راہ نہ ہوگی۔ نظر بر ایں دونوں سلطنتیں اعلان کرتی ہیں کہ وہ کسی ایسی کارروائی کا آغاز یا ایما نہ کریں گی جس سے خود اُن کے حق میں یا کسی دوسری سلطنت کے حق میں اقتصادی امتیاز پیدا ہوتا ہو۔ اور یہ کہ وہ اپنے ہم قوموں کو اُن کاموں میں شریک و سہیم بنانے کی فکر کریں گی، جو ان سلطنتوں کو میسر آ جائیں۔" اسی تاریخ کامبوں اور شون کے درمیان اس مضمون کی مراسلت ہوئی کہ "جرمانیہ کی سیاسی بے غرضی" سے اُن عہدوں پر کوئی اثر نہ پڑے گا جو پہلے سے اُس کی رعایا کے پاس ہیں۔ البتہ اس اعلان میں یہ پہلو مضمر ہے کہ وہ کسی سیاسی نوعیت کی سرکاری ملازمت کے سامی نہ ہوں گے اور جب ان کی اغراض مشترک ہو جائیں گی تو اس بات کو مان لیا جائیگا کہ سب سے اہم فرانس والوں کی اغراض ہیں۔"

عارضی ارتباط

اس قرارداد سے معلوم ہوتا تھا کہ فرانس و جرمانیہ کے باہمی تعلقات میں بڑی بھاری تبدیلی واقع ہو گئی۔ چنانچہ پشیان نے بیان کیا کہ اس قرارداد سے مراکش کے تصادم کے سارے اسباب رفع ہو گئے اور جرمن سفیر شہزادہ رادولن نے خوشی خوشی یہ اور اضافہ کیا کہ ایک پائدار ائتلاف قائم ہو گیا۔ قیصر نے شون کو مبارکباد دی۔ بیولاؤ نے ریشتاگ کو بتایا کہ مذکورۂ بالا قرارداد سے، بغیر اس کے کہ فرانس کو ملک پر قبضہ کر لینے کی اجازت دی جائے، مراکش میں فرانس کے جائز سیاسی اقتدار مسلّم ہو گئے۔ اہرنتھل نے فرانسیسی سفیر سے بیان کیا کہ "میں نہایت مسرور ہوں اور اسی طرح میرے تمام اہل وطن، جن کا تمھارے ساتھ دلی اُنس یوماً فیوماً بڑھتا جاتا ہے، خوشی منا رہے ہیں۔" اسی طرح کی مبارکبادیں

تیتونی نے رومہ سے بھیجیں۔[1] ژول کامبون نے سرایڈورڈ گرے کو اعلان کے مضمون سے مطلع کرتے وقت بیان کیا کہ اس سے دوسری قوموں کے حقوق و اغراض میں کوئی دست اندازی نہیں ہوتی۔ وزیر خارجہ نے جواب میں کہا کہ برطانی حکومت قضیہ کا رفع دفع ہونا سن کر خوش ہوئی۔[2] مگر ان سب کے برخلاف حکومت روس کو نہ خوشی ہوئی نہ اس نے بناوٹ سے خوشی کا اظہار کیا۔ کیونکہ مراکش کے معاملے میں جرمانیہ سے میل کر لینے کا مفہوم اسے یہ نظر آیا کہ اس کا حلیف (= فرانس) بوسینہ کے جھگڑے میں روس کی حمایت کرنے سے رک رہا ہے اور یہ اسی تامل و تذبذب کی تازہ شہادت ہے۔[3]

پیشان کا اعلان تھا کہ "کوئی نئی کارروائی کرنا ہمارے خیال میں بھی نہیں ہے۔ ہمارے حقوق و اغراض آج بھی وہی ہیں، جو کل تھے فیصلۂ الجزائر کی مقررہ حدود سے ہم ایک قدم بھی آگے بڑھانا نہیں چاہتے" مگر دراصل یہ معاملے کو خفیف کر کے دکھانا تھا۔ کیونکہ جرمانیہ سے تازہ قرارداد میں معاہدۂ سنہ ۱۹۰۶ء کا جو احترام کیا گیا وہ محض زبانی جمع خرچ تھا ورنہ اس نے فرانس کی آزادیٔ عمل بڑھا دی اور وہاں کے ایک اخبار نے بھی لکھ دیا کہ الجزائر کی ہنڈی بھنانے کا اب ہمیں موقع مل گیا، بایں ہمہ خود فرانس میں یہ قرارداد نکتہ چینی سے محفوظ نہ رہی۔ کیلو نے رائے زنی کی کہ "اس کے کلیات اور مواعید کا ابہام دیکھ کر ہی حیرت ہو جاتی ہے۔ جرمانیہ نے ہماری کامل آزادیٔ عمل کو تسلیم نہیں کیا اور فرانس سے گراں قیمت مالی حقوق گرو رکھوا لئے"۔[1]

بہرحال جرمانیہ کی طرف سے فنی مباحثے کی تحریک میں دیر نہ ہوئی اور ایک فرانسیسی ماہر برلن روانہ کر دیا گیا جہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جرمانیہ الجزائر کے فیصلۂ مشترکہ کی تنسیخ کی خواہاں ہے۔[2] فرانس کو اس نے اجازت دی کہ وہ

---

[1] جولائی سنہ ۱۹۱۱ء میں ازوونسکی نے کیلو سے اس قرارداد سنہ ۱۹۰۹ء کی مذمت کی اور ٹرویٹ زکوی نے طعن کی کہ "یہ تو ایسی بات ہوئی کہ پہلوان کشتی ہی لڑتے رہے اور ان کے حمایتیوں میں بھائی چارہ ہو گیا"۔

[2] تاردیئو نے مراکش اور فرانسیسی کانگو میں اشتراک عمل کی کوششوں کو مفصل بیان کیا ہے "ادستری ذرگادر"۔

اپنے کاروبار میں چاہے تو انگلستان و ہسپانیہ کو شریک کرلے مگر انھیں جو حصہ دیا جائے وہ فرانس کے حصے میں سے ہونا چاہیئے۔ گویا مراکش میں مساوی مراقع کی بے غرضانہ حمایت کرتے رہنے کے باوجود جرمانیہ کا منشا یہ تھا کہ آیندہ سے مُلک خالص اُس کی اور فرانس کی شکارگاہ بن جائے۔ برلن کی ضمنی یادداشت جس میں ان نتائج کا خلاصہ قلمبند کیا تھا، ۹ر جون کو پیرس پہنچ گئی۔ پیشان پر دباؤ پڑ رہا تھا کہ وہ نئے شریک کی خاطر اپنے دوستوں کو قربان کردے لیکن وہ اکتوبر تک ٹالتا رہا تاآنکہ چند شرطوں کے ساتھ جرمانیہ کی تحریک قبول کرلی مالِ غنیمت میں معادن، عماراتِ عامّہ اور ریل بنانے کے ٹھیکے شامل تھے۔

مراکش کے معادن سو ان تینوں کے متعلق جھگڑے کھڑے ہوگئے۔ شنائڈر، کروسوٹ اور کرپ نے مل کر ۱۹۰۷ء میں "حزبِ معادن" قائم کی تھی مگر برادران مینس مَن کی مخالفت کے باعث کوئی کام نہ ہوسکا کیونکہ ان بھائیوں نے مولائے حفیظ کو زمانۂ بغاوت میں پیشگی روپیہ دیکر اُس کے عوض معدنی مراعات حاصل کرلی تھیں۔ ان تجارتی گروہوں کی باہم گفت وشنید پیرس میں شروع بھی ہوئی لیکن مینس مَن کے دعاوی اتنے حد سے بڑھے ہوئے تھے کہ قضیئہ اگادر سے قبل کوئی تصفیہ نہ ہوا[1]۔ عماراتِ عامّہ کے معاملے میں بھی کچھ کم مایوس کُن رکاوٹیں نہ پیش آئیں۔ فرانس اور جرمانیہ کے مہاجنوں نے ایک "انجمن مراکشی عماراتِ عامّہ" مل کر بنائی اور آب رسانی، ٹراموے، بحری مینار اور بندرگاہوں کی عمارات کے تفصیلی نقشے بھی مرتب کیے۔ لیکن پہلی ہی تجویز پر، جو بحری میناروں سے متعلق تھی، برطانی حکومت نے اعتراض کیا کہ اس کا انجمن کو ٹھیکا کیوں دیا گیا اور بروئے فیصلۂ الجزائر دعویٰ کیا کہ اس کام میں شرکت کی عام اجازت ہونی چاہیئے۔ پس وہ تجویز یوں ہی پڑی رہ گئی۔

مراکشی ریلیں ریلوں کی تعمیر میں اس بنا پر تاخیر ہوئی کہ بعض پٹریوں کی نسبت فرانسیسیوں نے دعویٰ کیا کہ وہ حربی نوعیت رکھتی ہیں۔ فوجی حکام کا مدت سے

[1] یہ لوگ شوان کے خار پہلو بن گئے تھے۔ دیکھو "عیسر ائرز" صفحہ ۱۱۵۔

تقاضا تھا کہ کاسابلانکا سے شاویہ اور سرحد الجزائر سے عضد تک ریل بنائی جائے اور فوجی انجنیروں نے مصارف تعمیر کی بھی منظوری دے دی تھی جنوری ۱۹۱۱ء میں شوئن نے پیشان کو لکھ بھیجا کہ ہمیں فوجی حلقۂ اقتدار میں ریلوں کے بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ وہ یکساں قواعد پر سب کی تجارت کے لئے کھلی رہیں۔ البتہ اگر عضد کے آگے فاز کی طرف ریل بنائی گئی تو اس کے لئے ایک جداگانہ قرارداد ضروری ہوگی۔ پھر تجویز کی کہ "مراکشی انجمن" سے اس میں کام لیا جائے اور اول طنجہ سے فاز تک ریل بنائی جائے۔ پیشان رضامند تھا کہ فرانسیسی ریلیں، فرانس کے فوجی انجنیروں کی نگرانی میں انجمن تیار کرے اور طنجہ و فاز کی ریل پہلے بننے میں بھی اسے کوئی اعتراض نہ تھا۔ باضابطہ قرارداد ہونے میں کچھ دیر نظر نہ آتی تھی اور کامبون نے اپنی حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ جرمن مسودے پر دستخط کردئے جائیں کہ اتنے میں وزارت معزول اور فرانس کی حکمت عملی بدل گئی۔ نئے وزیر خارجہ کروپی نے بتاریخ ۴ مارچ کامبون کو تار دیا کہ "مجھے اس پر دستخط کرنے میں فائدہ نظر آتا ہے۔ لیکن کیا انگلستان و ہسپانیہ اس فقرے پر اعتراض نہ کریں گے جس میں فرانس و جرمانیہ ذمہ لیتے ہیں کہ "طنجہ و فاز" کی مراعات انجمن مراکشی سے مخصوص کردی جائیں گی؟" سفیر نے جواب دیا کہ "اگر ہم نے دستخط نہ کئے تو بہت دقت پیش آئے گی۔ ہماری تجویز انگلستان و ہسپانیہ کو عام مقابلے میں حصہ لینے سے نہیں روکتی۔ اگر ہم نے اس موقع پر جب کہ ملک سے نفع اٹھانے کا ایک ذریعہ زیر بحث ہے، اپنی روش بدل دی تو جو کچھ نتائج حاصل ہو چکے ہیں وہ سب برباد جائیں گے اور اقتصادی نفوذ کا موقع بھی غارت ہو جائے گا۔ دوسرے اگر ہمارے طرز عمل سے جرمانیہ یہ سمجھنے لگی کہ ہم ۱۹۰۹ء کے معاہدے سے بچنے کے حیلے نکال رہے ہیں، تو بہت سی دشواریاں اٹھ کھڑی ہوں گی اس پر کروپی نے جدید قرارداد میں ایک جزئی تبدیلی تجویز کی جسے کیڈرلین نے قبول کرلیا۔ مگر پھر کروپی کا تار ملا کہ ان شرائط کی تنقیح لازمی ہے۔ اور کامبون کو پیرس بلایا گیا۔

معاہدۂ ۱۹۰۹ء سے مراکش کی طرح کانگو میں بھی فرانس و جرمانیہ کی حکومتوں کے لئے مل کر کام کرنے کی راہ نکل آئی تھی۔ فرانس کی "نگوکو سانگھا کمپنی" نے

اپنی مراعات سے کام لینے میں تغافل کیا۔ لہذا جرمن تاجر وہاں کے باشندوں کی ضروریات فراہم کرتے اور بدل میں ہاتھی دانت اور ربر لے لیتے تھے۔ حالانکہ یہ اشیا اصولاً مذکورۂ بالا کمپنی کا مال تھیں۔ لیکن جب کمپنی نے تاوان دلائے جانے کا وعدہ کیا تو حکومتِ فرانس نے اُسے مسترد کر دیا۔ کمپنی نے مجلس مبعوثین سے مرافعہ کیا اور اُس کی ذیلی مجلسِ امورِ خارجہ نے سفارش کر کے پچیس لاکھ فرانک ہرجانے کی منظوری دلوا دی۔ اس کے بعد کمپنی مائل ہوئی کہ جنوبی کیمرون کے جرمن تاجروں سے اشتراکِ عمل کیا جائے۔ برلن میں بھی اس تحریک کا خیر مقدم کیا گیا اور سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر میں ایک معاہدہ طے ہو گیا۔ مگر جب اس قول قرار کی خبر ہوئی تو فرانس کی حکومت نے اس اشتراک کو جائز تسلیم کرنے سے انکار کیا تاوقتیکہ مجلس مبعوثین اس کی منظوری نہ دے دے۔ پھر جس وقت موٹی کی وزارت مرتب ہوئی تو اُس نے اعلان کیا کہ ہم اس اشتراک پر عملدرآمد نہیں کرسکتے۔

اُدھر اس عرصے میں فرانس و مراکش کا اشتراکِ عمل فرانس و جرمانیہ کے مل کر کام کرنے کی کوشش سے زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں فرانس نے روپیہ دے کر سلطان کے قرض چکا دئے تھے مگر چند ہی روز میں وہ پھر مقروض ہو گیا۔ اور سنہ ۱۹۱۱ء میں دوبارہ جو قرضہ اُسے دیا گیا اُس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اسی طرح فوجی مسائل کا

مراکش میں بدنظمی

انفصال کچھ کم غیر تشفی بخش نہ تھا۔ چنانچہ جب سلطان نے جنرل مین جن سے فوج کی ازسرِنو تنظیم کے واسطے کہا تو اُس کی یہ درخواست کہ فرانسیسی سردار رکھے جائیں، منظور نہ ہوئی اور سنہ ۱۹۱۱ء میں فاز کی گرد و نواح کے قبائل نے سر اُٹھایا تو پائے تخت کو بچانے کے لئے فوج میسر نہ تھی؛ مختصر یہ کہ سنہ ۱۹۰۹ء کے عہد و پیمان سے جس پر وہ کچھ احسنت و مرحبا کے نعرے بلند ہوئے تھے، نہ تو فرانس کو کوئی سیاسی نفع حاصل ہوا نہ جرمانیہ کا کچھ تجارتی بھلا ہوا۔

فرانس کی جدید مجلس وزرا کا ریل کے متعلق عہد نامے کی تصدیق و توثیق سے دم پھرانا دیکھ کر برلن میں اور بھی ناگواری ہوئی کیونکہ ان ہی دنوں افواہ اُڑ رہی تھی کہ مراکش میں فرانس آگے ہاتھ ڈالنے پر آمادہ ہے۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کے دن

کیڈرلین نے ژول کامبون سے مراکش میں جنگی کارروائی کی افواہوں کا تذکرہ چھیڑا اور کہا کہ "ممکن ہے اس سے جرمانیہ میں اضطراب پھیلے لہٰذا قرینِ مصلحت ہوگا کہ جرمانیہ کو پہلے سے مطلع کر دیا جائے۔ چھوٹے چھوٹے مہم فوجی معرکوں کا ممکن ہے یہ نتیجہ ہو کہ فرانس کو وسیع پیمانے پر لشکر آرائی کرنے کی نوبت آ جائے اور آخر کار فیصلۂ الجزائر پر قلمِ تنسیخ پھر جائے۔" سفیر نے جواب دیا کہ فرانس کا ارادہ معین نہیں ہوا ہے لیکن وہ فیصلۂ الجزائر کا برابر احترام ملحوظ رکھیگا جس طرح کہ اب تک کرتا رہا ہے۔ پیرس میں چند روز اسی ریلوں کے معاہدے کے سلسلے میں ٹھہرنے کے بعد کامبون برلن آیا تو ۲۸ اپریل کو پھر کیڈرلین سے ملا۔ لکھتا ہے کہ "میں نے مراکش سے بُری بُری خبروں کے آنے اور فرنگیوں کی سلامتی کا ذکر کیا کہ اگر وہ گھر گئے تو کیا ہوگا۔ یہ بھی کہا کہ غالباً ہمیں رباط پر مجبوراً قبضہ کرنا پڑے گا لیکن ہم ہر حال میں فیصلۂ الجزائر کے منشاء اور سلطان کی بادشاہی کا احترام مرعی رکھیں گے۔" یہ سن کے کیڈرلین نے خشک منہ سے جواب دیا کہ مجھے تو مراکش سے کوئی خبر نہیں ملی اور نہ فرانس نے اس قسم کی جنگی کارروائی کی تو مجھے اندیشہ ہے کہ نہ معلوم جرمانیہ کی عام رائے پر کیا اثر پڑے گا۔ بتاریخ ۱۹ اپریل کروپی نے خبر دی کہ فرنگیوں کو خطرے میں دیکھ کر فرانس سلطان کی صدائے استغاثت پر متوجہ ہو گیا ہے کہ فاز کو چھڑانے کی غرض سے ایک مراکشی سپاہ مرتب کرے۔ خود فرانسیسی فوج کا ایک دستہ بھی مہیا رہیگا کہ ضرورت ہو تو پایۂ تخت کی دستگیری کرے۔[1]"

جرمانیہ کا فرانس کو متنبہ کرنا

جرمن صدر اعظم کو یہ خبر ملی تو فرانسیسی سفیر سے کہنے لگا کہ ملنچہ سے کچھ خوش آیند خبریں نہیں آ رہی ہیں تاہم مجھے امید ہے کہ جوش رفتہ رفتہ فرو ہو جائے گا۔ البتہ اگر فرانس نے دست اندازی کی تو معاملہ بگڑ جائے گا۔"

[1] ازولسکی بیان کرتا ہے کہ کروپی معاملاتِ خارجہ سے مطلق جاہل اور فاز پر مہم بھیجنے کے اثرات سے قطعاً بےخبر تھا اور اُسے یہ سمجھ نہ تھا کہ فیصلہ ۱۹۰۶ء کے اندر داخل ہے۔" ملاحظہ ہو "ناز" جلد اوّل صفحہ ۵۲۔

”مراکش کے بارے میں جرمن رائے کا تم کو علم ہے اور مجھے لامحالہ اس کا لحاظ رکھنا پڑیگا۔ اگر تم فاز میں داخل ہو گئے تو سارا مسئلہ مراکش از سر نو اٹھانا پڑے گا جس سے میں تا حدِ امکان بچنے کا خواہاں ہوں“ کامبون نے پوچھا ”آپ سے کون کہتا ہے کہ ہم پایۂ تخت کا تخلیہ نہیں کریں گے؟“ صدر اعظم نے جواب دیا ”تجارت ہے تو سلطان کے خلاف ہے فرنگیوں کے خلاف نہیں ہے۔ میں صرف یہی کرسکتا ہوں کہ فیصلۂ الجزائر کی پابندی کرنے کی ضرورت پر زور دوں کیونکہ فرانسیسی فوج کے فاز میں داخل ہوتے ہی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ میں اس کارروائی پر صاد نہیں کرسکتا۔ میں فقط حزم و احتیاط کی صلاح دیتا ہوں۔ چونکہ تمھارے ہموطنوں کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا اس واسطے میں صاف صاف یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ایسا نہ کرو مگر اسی کے ساتھ میں پھر کہتا ہوں کہ میں تمھاری ہمت افزائی نہیں کرسکتا“۔ کامبون نے کیفیت لکھی کہ ”صدر اعظم مراکش میں ہاتھ مارنے کی فکر میں نہیں ہے بلکہ صرف جرمانیہ کے اقتصادی حقوق محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اتحاد جرمانیہ کے حامی اس پر قانع نہیں ہیں۔ پس ہمیں مراکش کی گتھی سلجھانے میں بہت بڑھ بڑھ کر قدم مارنے نہ چاہئیں۔ ہمارے اخباروں میں مراکش کی ”تونس سازی“ پر جو مضامین نکل رہے ہیں اور جو ہمارے سرکاری بیانات کی تکذیب میں پیش کئے جاتے ہیں، مجھے ان پر بہت تاسف ہے“۔ بتاریخ ۲۵ اپریل صدر اعظم نے پھر ٹوک کر سفیر سے کہا کہ ”فاز میں سلطان ہے، فرنگی نہیں ہیں۔ جب تم ایک دفعہ فاز میں داخل ہو گئے تو کیا پھر تم اسے چھوڑ سکو گے۔ اگر نہیں، تو کیا تم سمجھتے ہو کہ مراکشی آزادی بجنسہ سلامت رہے گی؟ میرے نزدیک تو وہ دشواریاں پیش آئیں گی کہ تین سال کی ساری محنت اکارت جائے گی“۔

جس وقت صدر اعظم فرانس کی کارروائی کو اس طرح فکر و تردد سے بیٹھا تک رہا تھا، جرمن وزیر خارجہ دل میں خوش تھا کہ سلطنت کی حکمت عملی کو ایک نئے رُخ پر لانے کا موقع ہاتھ آیا۔

اتحاد جرمانیہ کی شورش

اُس نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ”اگر سلطان فرانسیسی سنگینوں کی مدد کا محتاج رہے تو ہم سمجھ لیں گے کہ فیصلۂ الجزائر سے انحراف واقع ہوا اور ہمیں بھی آزادیٔ عمل حاصل ہو جائیگی“۔

سفیر نے جواب دیا "ہم وہاں چند ہفتے ٹھہریں گے اور امن قائم ہوتے ہی واپس چلے آئیں گے" کیدرلین نے پلٹ کر کہا "میں تمھاری نیت پر شبہہ نہیں کرتا۔ لیکن بھلا وہ فرانسیسی عامل جو موقع پر موجود ہیں کب تک یہ خیال کریں گے کہ ہمارا کام اتمام کو پہنچ گیا؟" ادھر اس اثنا میں جرمن اخباروں نے جوابی دعاوی پیش کرنے شروع کر دئے تھے۔ "پوسٹ" جرمن الجزائر" کا مطالبہ کرتا تھا اور برلینر ٹیگ بلاٹ تک ایک اگادر کی بندرگاہ کے لئے شور مچا رہا تھا۔ بتاریخ یکم مئی نور ڈیوش الیمان ٹزٹینگ نے سرکاری طور پر یہ رائے ارقام کی کہ فیصلۂ الجزائر کی خلاف ورزی، ارادۃً ہو یا بلا ارادہ، تمام شرکائے معاہدہ کو آزادانہ عمل کی رخصت دے دے گی۔

فرانس کے اخبارات پیشقدمی کے معاملے میں مختلف الرائے تھے۔ طان حجت کرتا تھا کہ فاز کے عارضی قبضے سے فیصلۂ الجزائر کی خلاف ورزی نہ ہوگی ہانو تو کی دلیل یہ تھی کہ کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہیں ہے کیونکہ اگر فاز پر باغیوں کا قبضہ اور سلطان قتل ہو جائے تو سارے ملک میں طوفان بے تمیزی برپا ہو جائے گا۔ مگر ان سب کے برخلاف اخبار ژورنل دے دے با نے حکومت کو خبردار کیا کہ "نام بدل کے فتح کے منصوبے" اسپین و جرمانیہ کو لازماً ہمارا مخالف بنا دیں گے۔ اور ژورس نے کھلے بندوں کہہ دیا کہ مہم لے جانا خالی دغابازی ہے کہ حقیقت میں نہ سلطان خطرے میں ہے نہ فرنگی۔ اس رائے سے ہسپانیہ کو بھی اتفاق تھا کہ نئے نئے حالات رونما ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہ کہہ کے کہ فرانس کی فوجی مداخلت نے ہمیں بھی حسب دلخواہ وہ کام کرنے کی آزادی دے دی جس کا ۱۹۰۴ء میں خفیہ معاہدہ ہوا تھا، اس نے لراش میں اپنی فوج ساحل پر اتار دی اور فرانس چون و چرا کرتا ہی رہا، اس نے القصر پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کا وزیر اعظم کنالیجاس ہاتھ ملتا تھا کہ "فرانس سارے ملک کے مالی اور فوجی انتظامات پر قابض ہوا جاتا ہے اور ہسپانیہ کے لئے کچھ باقی نہ بچے گا۔"

اسپین اور جرمانیہ کی حکومتیں تو فاز پر لشکر کی پیشقدمی کو فیصلۂ الجزائر کا خاتمہ

برطانی طرزِ عمل قرار دے رہی تھیں، لیکن ادھر سر ایڈ ورڈ گرے نے پیرس کے تسکین آمیز مواعید کو قبول کرلیا۔ دوسری مئی کے جلسۂ پارلیمنٹ میں مسٹر ڈلن نے وزیرِ خارجہ سے استفسار کیا کہ آیا مراکش کی فوجی کارروائیوں کی نسبت آپ سے کوئی مشورہ لیا گیا اور آیا آپ مراکش میں خود مختاری پر اس ضرب کے لگائے جانے کو پسند کرتے ہیں۔ گرے نے جواب دیا کہ فرانس نے دوسری سلطنتوں کی طرح برطانی حکومت کو بھی ان تدابیر کی جو فرنگیوں کی دستگیری کے واسطے عمل میں لائی جارہی ہیں، اطلاع دی تھی۔ اس عمل سے فرانس کا مقصد مراکش کے سیاسی مرتبے کو بدلنا نہیں ہے اور میں اس میں کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں پاتا۔ پھر وہ مئی میں قیصر سے ملنے برلن آیا تو جرمن سفیر کے دریافت کرنے پر ایسا ہی جواب اُسے دیا کہ فرانس کا فرنگیوں کی دستگیری کرنا نہ صرف بجا بلکہ اُس کا فرض تھا اور اس کارروائی سے ساری دُنیا کو فائدہ پہنچے گا۔ سر ایڈورڈ نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ میڈرڈ کے برطانی سفیر کو ہدایت کی وہ حکومتِ ہسپانیہ کو متوجہ کرے کہ اسپین کی کارروائی میں کیا کیا خطرے ہیں۔ اور اس قسم کے اعلان کی رائے دے کہ القصر میں امن قائم رہا تو فوج لراش پر واپس ہٹالی جائے گی۔ کیونکہ فرانس بھی اعلان کرچکا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو افاز سے ہٹ آئے گا۔

جس وقت فوج فاز کی طرف کوچ کررہی تھی، کروپی نے کوشش کی کہ ریل کے متعلق پھر پیام سلام شروع کیے جائیں۔ لیکن پیرس کے جرمن سفیر کو صدر سے کوئی ہدایت نہ ملی تھی اور کیڈرلین تعطیل منانے چلا گیا تھا۔ پس ژول کامبون ۱۱ رجون کو صدرِ اعظم سے ملنے آیا۔ صدرِ اعظم نے ان کلمات سے گفتگو آغاز کی کہ "مجھے ابھی تک مراکش کے بارے میں بڑی تشویش ہے جرمن رائے عامہ جو کتنی ہوگئی ہے۔ فرانس کا مُلک میں اقتدار بڑھ رہا ہے خواہ اُس کا اپنا یہ منشا ہو یا نہ ہو اگر تم نے فاز کو خالی کردیا تو بھی تم ایک سال کے اندر پھر اُس میں داخل ہونے پر مجبور ہوجاؤ گے۔ ادھر جرمانیہ میں لوگ کہیں گے کہ جرمن حقوق سے تغافل کیا گیا

لہ دیکھو ...ert کی کتاب "Didlomatische ۱۷م۔

غرض مجھے انتہا درجے کی دشواریوں کا امکان نظر آتا ہے" سفیر نے کہا "ممکن تو ہے۔ مگر ایک نہ ایک دن مراکش کے ہمارے زیر اقتدار آنے کو کون روک سکتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم آپس میں سوائے السَّاس لورین کے اور سب مسائل بحث طلب پر گفتگو کریں؛ ہم جرمن اہل الرائے کی ایسی تشفی کر سکتے ہیں کہ پھر وہ بےچین ہوئے بغیر مراکش میں ہمارے اقتدار کا ترقی کرنا جائز رکھیں گے۔ صدر اعظم نے جواب دیا "میں اس پر غور کروں گا۔ مگر تم کسن جن جا کے کیڈرلین سے بھی مل لو۔"

سفیر نے اس مشورے پر عمل کیا اور بتاریخ ۲۲ جون ملاقات کے نتیجے سے اطلاع دی۔ اس کی روایت کے مطابق جرمن وزیر خارجہ نے شروع ہی میں کہہ دیا کہ اب جبکہ سارے ملک میں فوج فرانس کے سرداروں کے ماتحت پھیل گئی اور سلطان فرانس کے حکم پر چل رہا ہے صورت حالت بالکل بدل چکی ہے۔

کسن جن سے مکالمات

کامبون نے جواب دیا "سلطان کے اقتدار و مزاج کی نسبت آپ کی رائے درست نہیں اگر ملک کو لانظمی کے حوالے کرنا اور تجارت کو تباہ ہونے دینا منظور نہیں، تو ہمیں لامحالہ سلطان کے واسطے فوجی جمعیت مہیا اور باقاعدہ بنانی پڑے گی۔ کیا تم ۱۹۰۹ء کا عہد و پیمان بھول گئے جس میں فرانس کے سیاسی اقتدار کا اعتراف کیا گیا ہے؟ پھر ہمارے اس اقتدار سے کام لینے میں تمہیں اعتراض کیوں ہے؟" کیڈرلین نے جواب دیا "اقتدار سیادت و باجگزاری کے مرادف نہیں ہے۔ حالانکہ تم ملک کو فی الواقع باجگزار بنانے کے راستے پر جارہے ہو۔ اور یہ چیز نہ ۱۹۰۶ء کے عہد نامے میں ہے نہ ۱۹۰۹ء کے۔ جس طرح تمہارا اشادیہ یا مشرق پر تصرف داخل معاہدہ نہیں ہے" کامبون نے بات نکالی کہ ایک غیر متمدن حکومت کے معاملے میں یہ معین کرنا آسان نہیں ہے کہ اقتدار کہاں تک بڑھ سکے گا۔ اور تجویز کی کہ اس قسم کی ایک عام گفتگو کی جائے جیسی ۱۹۰۴ء میں فرانس و انگلستان کے درمیان ہوئی تھی۔ کیڈرلین نے کہا "مجھے اس سے اتفاق ہے۔ اگر مراکش تک گفتگو رہی تو اس میں کامیابی نہ ہوگی۔ گرتی دیوار پر تھوپا تھاپی کرنا فضول ہے" اس موقع پر سفیر نے ایک حدبندی

یہ کردی کہ "اگر تم مراکش کا کوئی ٹکڑا چاہتے ہو تو اہل فرانس اسے گوارا نہ کریں گے۔ آدمی چاہے تو دوسری طرف نظر دوڑا سکتا ہے" کیڈرلین نے جواب میں کہا "ٹھیک ہے۔ مگر تم ہمیں یہ ضرور بتادو کہ تم کیا چاہتے ہو؟" کامبون نے ان خیالات و آرا کے اپنی حکومت تک پہنچانے کا وعدہ کیا۔ رخصت ہوتے وقت بھی جرمن وزیر خارجہ نے آواز دی "واپسی میں پیرس سے ہمارے لئے کچھ نہ کچھ لیکر آنا!" کامبون یہاں سے سیدھا پیرس گیا اور کروپی سے کیفیت بیان کی مگر اسی شام یہ وزارت ہی ٹوٹ گئی اور کیلو کی وزارت نے اُس کی جگہ لی۔ لیکن قبل اس کے کہ نئی وزارت کامبون کی اطلاعات پر غور کر سکے، جرمن حکومت نے وہ کام کیا جس سے یورپ کی بنیادیں تک ہل گئیں[1]؛

ریونٹ لو کے بیان کے مطابق کیڈرلین کی مدت سے خواہش تھی کہ مراکش کا قضیہ چکا دیا جائے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ہیولاؤ کی حکمت عملی ناکام رہی اور اُس کی تلافی اس طرح ہونی چاہیئے کہ دوسرے مقبوضات لے کر جرمانیہ سیاسی دعاوی سے دست بردار ہو جائے۔ فاز کی مہم نے وہ موقع بہم پہنچا دیا

پین تھر (یعنی چیتے) کی جست	جس کی وہ بہت دن سے تاک میں تھا، اور پھر اس موقع کو اُس نے ہاتھ سے جانے نہ دیا[2]؛

[1] قیصر اپنی توزک میں بیان کرتا ہے کہ میں نے اگادِر کے فیصلے کی شدومد سے مخالفت کی گر بے سود رہی۔

[2] کیڈرلین کا طرز عمل یقینی طور پر معلوم نہیں تاہم وہ صریحاً خطرناک آدمی تھا۔ عام تقریروں میں وہ ہمیشہ مراکشی علاقے کی خواہش سے بیزاری کرتا رہا۔ مگر اتحاد جرمانیہ کے حامی اسے خاص اپنا آدمی کہتے تھے۔ اور حزب اتحاد جرمانیہ کے صدر نشین کا قول تھا کہ کیڈرلین اور اُس کا نائب وزیر زمرمین دونوں مراکش کا ایک حصہ لینے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ ۱۷ فروری ۱۹۱۲ء کی تقریر میں وزیر خارجہ نے ریشتاگ کے روبرو اعتراف کیا کہ میں نے کلاس سے حُبِ وطن کے جذبات اُبھارنے کے وسائل پر تو بحث کی لیکن اس سے آگے کوئی بات نہیں ہوئی؛ کیڈرلین کے دوست ریونٹ لو نے اگادِر کے چھاپے پر تو نفرین کی مگر شہادت دی کہ کیڈرلین کے خیال میں بھی مراکش میں کہیں پنجہ جمانے کا ارادہ نہ تھا، اور وہ جانتا تھا کہ انگلستان ایسا کرنے سے روکے گا۔ البتہ اُس نے جان کر جا گفور رکھا کہ اُس کے ارادے مبہم

بتاریخ یکم جولائی (سنہ ۱۹۱۱ء) پیرس کے جرمن سفیر نے فرانس کے نئے وزیر خارجہ ایم۔ وی۔ سیلو کو اطلاع دی کہ جرمن جنگی جہاز "پینتھر" اگادر (= غدیر) کو روانہ کردیا گیا ہے تحریری اطلاع پیش کرتے وقت اُس نے یہ اور اضافہ کیا کہ فیصلۂ الجزائر کا خاتمہ ہوچکا ہے۔ اور اب جرمانیہ چاہتی ہے کہ مراکش کا قضیہ دوستانہ گفت وشنید سے چکا لیا جائے۔ فیصلۂ الجزائر پر سب دستخط کرنے والوں کے پاس یہ مراسلہ بھیج دیا گیا کہ "جنوبی مراکش، خاص کر اگادر (غدیر) اور اُس کی نواح کے بعض جرمن کارخانے والے مقامی قبائل میں ایک قسم کا ہیجان ہوتے دیکھ کر بہت خوف زدہ ہوئے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مُلک کے دوسرے حصّوں کے بعض حالیہ واقعات کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ ان کارخانے والوں نے اپنی جان و مال بچانے کی سلطنت جرمانیہ سے استدعا کی اور اُن کی درخواست پر حکومت نے فیصلہ کیا کہ ایک جنگی جہاز غدیر بھیج دیا جائے کہ ضرورت کے وقت جرمن رعایا اور زیر حمایت باشندوں کی نیز اس علاقے کے معتد بہ جرمن حقوق و اغراض کی امداد و محافظت کرسکے جس وقت حالات قابل اطمینان صورت میں آجائیں گے' یہ جہاز واپس ہو جائیگا"۔ اس مراسلے کو دیتے وقت فرانس کے جرمن سفیر نے زبانی یہ بھی سنا دیا کہ میں اس امر پر کوئی بحث کرنی نہیں چاہتا کہ پینتھر کا بھیجنا معاہدۂ سنہ ۱۹۰۶ء کے بھی مطابق ہے یا نہیں کیونکہ اس معاہدے سے اس قدر انحراف کیا جاچکا ہے کہ اب اس کو سند میں پیش نہیں کرسکتے۔ جرمن رائے عامّہ مضطرب تھی اور اس کارروائی کا منشا یہ ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ سمجھے جائیں، اور اس طرح لوگوں کے جذبات میں ایسی زور و قوت آجائے کہ کیڈ رلین فرانس کے ساتھ نامہ و پیام میں اسکا حوالہ دے سکے"۔ اُس نے مجھے بتایا کہ میں نے ایک با رسوخ اتحاد [illegible] فضلا بنا وٹ سے کہدیا ہے کہ ہم کبھی مراکش سے باہر نہ ہونگے۔ اور اس بیوقوف کو یقین آگیا۔ حالانکہ جب ہم مراکش میں کبھی داخل ہی نہیں ہوئے تو اب اس سے باہر آنا کیا معنی رکھتا ہے۔ غرض نیّت تو ٹھیک تھی البتہ اس پر عمل کرنے میں کیڈ رلین سے خطا ہوئی"۔ ولی عہد جرمانیہ مراکش کی تقسیم کا حامی تھا۔ اس نے تردل کا مبون ہی سے کہا (Le maroc estun beau morceau Vous mous Fereg notre Part et lout sera Fini) یعنی مراکش لقمۂ تر ہے تم ہمارا حصّہ ہمیں دو پھر وہ صوف پیٹ میں اُتر جائیگا۔ ملاحظہ ہو (Origines et Respoa sabilitiao) ص ۳۲

اُسے سکون ہو جائے جرمن باشندوں کی جان و مال کی اس تدبیر سے ہماری سلطنتوں کے تعلقات میں کوئی فرق نہ آنا چاہیئے"۔ ایم۔ دی سیلو نے جواب دیا مجھے اس کارروائی پر نہایت تاسف ہے۔ آپس کی گفتگو یقیناً مناسب ہوتی لیکن اس واقعے سے گفتگو کی نوعیت ہی بدل جائے گی۔ اہل فرانس کو یقین دلانا کہ جنگی جہاز بھیجنے کی غایت وہی تھی جو بیان کی جا رہی ہے، دشوار ہوگا۔ اسی روز فرانس کے عامل سفارتخانہ متعینہ برلن نے جرمن نائب وزیر خارجہ کی تصریحات لکھ کر بھیجیں: "پینتھر کو اس لئے بھیجا گیا کہ مقامی شورش سے معتدبہ جرمن اغراض و فوائد خطرے میں پڑ گئے تھے اور دوسرے یہ کہ رائے عامہ اپنی حکومت کا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا زیادہ مدت تک گوارا نہ کر سکتی تھی جب کہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ فرانس اور ہسپانیہ اب معاہدۂ الجزائر کی قیود کے پابند رہنے کا ارادہ نہیں رکھتے"۔

کیڈرلین کی تصریح

وزیر خارجہ نے بلجیم کے سفیر برلن بیرن بینز سے صاف گوئی کے ساتھ اپنا طرز عمل بیان کر دیا کہ "اگر فرانس جان کرتا خیر کرتا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا رہتا، تو ہم اُس کے غاصبانہ اقدام کو چاروناچار قبول کر لیتے۔ مثلاً آج وہ ایک گاؤں سے، جسے حربی موقع کے اعتبار کام کا سمجھتا، قبضہ کرنے کے واسطے لڑائی نکالتا۔ کل نقشے پر حدود کے مشتبہ ہونے کے بہانے سے سرحد سے ذرا سا آگے بڑھ جاتا۔ غرض وہ تیل کے قطرے کا حملہ ہوتا کہ بتدریج پھیلتا رہتا۔ مگر (اور یہ کہتے وقت اُس نے حسب معمول عناد آمیز خندہ کیا) جب میں نے فاز پر پیش قدمی کا حال سنا تو خدا کا شکر ادا کیا کہ ہمیں بھی کام کرنے کی آزادی مل گئی۔ اس پر بھی ہم، مفاہمت کی ایک آخری کوشش کئے بغیر کچھ کرنا نہ چاہتے تھے۔ کیسین جن میں مَیں نے اس معاوضے کا ذکر بھی کیا جو جرمنی کا حق تھا اور ہم افریقہ کے کسی قطعے کے بدلے میں مراکش سے دست بردار ہونے پر بھی رضامند تھے لیکن اس دوستانہ گفتگو کا کچھ نتیجہ نہ نکلا، تو ہم نے پینتھر کو بھیج دیا"۔

یہی صدا صدر اعظم نے ۹ر نومبر کو بلند کی کہ "اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ خود سلطان نے فرانس کو اپنی مدد کے واسطے بُلایا۔ مگر جب کسی فرماں روا کا لے دے کے انحصار غیر سلطنت کی سنگینوں پر رہ جائے تو پھر وہ آزاد و خود مختار حاکم نہیں رہ سکتا

جس کے وجود پر فیصلۂ الجزائر مبنی کیا گیا تھا۔ ہم نے یہ بات فرانس کو بتا دی تھی اور باہمی مفاہمت کا خیال دلا دیا تھا اگرچہ دستور کے موافق، شرائط کی تحریک فرانس پر چھوڑ دی تھی۔ اوّل اوّل پیرس سے کوئی ایجابی تجویز ہمیں نہیں ملی بجالیکہ فرانس کا فوجی تسلط مراکش پر پھیلتا رہا اور یہ غلط خبر مسلّم سمجھی جانے لگی کہ فرانس تمام دول یورپ کا قائم مقام بن کر یہ کارروائی کر رہا ہے پس جب جرمن اغراض و مفاد مخدوش نظر آنے لگے تو ہم نے جنگی جہاز غدیر (اگادر) بھیج دیا۔ ہم نے کبھی لمحہ بھر کے واسطے بھی مراکش کا علاقہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس میں اشتعال دینے کی کوئی نیت نہ تھی بلکہ صرف اپنے حقوق کی حفاظت مقصود تھی۔ مراکش کا معاملہ ہمارے اور فرانس کے بلکہ ہمارے اور انگلستان کے تعلقات میں بھی منھ بند پھوڑا بن گیا تھا۔ فاز کی مہم نے اُسے پکنے کی منزل پر پہنچا دیا اور عمل جراحی کو ناگزیر بنا دیا۔ یہ عمل ہم نے اس لئے کیا کہ زخم اچھا ہو جائے"۔

فرانس کی وزارت خارجہ میں بھی پینتھر کی جست کی خبر نے اتنی حیرت و ناراضی نہ پیدا کی تھی، جتنی ڈاؤننگ اسٹریٹ میں پیدا ہوئی کیونکہ برطانی حکومت تلی ہوئی تھی کہ چاہے جو کچھ ہو جرمانیہ کو مراکش میں بحری مستقر بنانے نہ دے گی اور معلوم ہوتا ہے کہ جب فرانس کی فوج فاز پر بڑھی تو جرمانیہ نے جو بار بار ٹوکا تھا، اس کی بھی حکومت برطانیہ کو پوری طرح خبر تھی۔ وزیر خارجہ کی عدم موجودگی میں سرآرتھر نکولس نے جرمن سفیر سے ملاقات کی اور رائے ظاہر کی کہ "تم فیصلۂ الجزائر کی خلاف ورزی کر رہے ہو" جس کا بلا تاخیر جواب یہ ملا کہ "وہ پہلے ہی کالعدم ہو چکا ہے"۔

برطانیہ کی ناراضی

برطانی حکومت کو ضمنی یادداشت بھیجتے وقت، کاؤنٹ میٹرنک کے پاس ایک اور یادداشت بھی روانہ کر دی گئی تھی: "ہر چند ہمیں جو خبریں فاز کے فرنگیوں کی نسبت ملی ہیں، وہ فرانسیسی اطلاعوں کے مطابق نہ تھیں، مگر فوج کی پیش قدمی پر کوئی اعتراض نہیں اُٹھایا گیا۔ اس اثنا میں ایسی صورتیں پیش آئیں کہ فیصلۂ الجزائر اسم فرضی بن کے رہ گیا۔ مثلاً گو فرانس و ہسپانیہ کو بین الاقوامی نگرانی کے اندر صرف محدود پیمانے پر پولس کی تنظیم میں شرکت کی اجازت

دی گئی تھی، لیکن عملاً اب یہ ہونے لگا کہ اس قسم کے محکمے اندرون ملک میں فرانسیسی عمال کے تحت میں ہر بڑے مقام پر قائم کیے جانے لگے۔ یہ امر ہی مشتبہ نظر آتا تھا کہ آیندہ ۱۹۰۶ء کی سی صورت پیدا ہو سکے گی۔ نظر بریں ہم آمادہ ہوئے کہ اگر ضرورت ہو تو فرانس کے ساتھ مل کر ایسے وسائل مہیا کریں جو دوسرے شرکائے معاہدہ کے اغراض و فوائد کے مواقف ہوں اور ہمارا فرانس کے ساتھ مراکش کے متعلق کوئی واضح اور معین سمجھوتہ بھی ہو جائے۔ ہمارے اور فرانس کے جیسے عمدہ تعلقات تھے، اُن کی بنا پر براہ راست نامہ و پیام کرنے میں کسی خاص دشواری کے سامنے آنے کا بھی چنداں اندیشہ نہ ہو سکتا تھا"۔

سر ایڈورڈ گرے

سر ایڈورڈ گرے کے نزدیک فاز کی مہم بالکل جائز تھی، لہذا پینتھر کے بھیجنے کو اُس نے حالت حاضرہ پر خواہ مخواہ کا حملہ سمجھا اور بتاریخ ۲۷ نومبر بیان کیا کہ "سرکاری مراسلے کے ساتھ ایک تصریح بھی ہمیں اسی وقت دی گئی جو میرے نزدیک جہاز بھیجنے کی اطلاع سے بھی زیادہ قابل لحاظ ہے۔ اس میں صاف کہہ دیا گیا تھا کہ جرمن حکومت مراکش کی پہلی سیاسی حالت کے عود کرنے کو ناممکن نہیں تو مشتبہ ضرور سمجھتی ہے، اور اسے فکر یہ ہے کہ جرمانیہ، فرانس و ہسپانیہ کے درمیان مراکشی مسئلے کی نسبت کوئی باہمی اور قطعی تصفیہ ہو جائے۔ یہ تحریر وزارت خارجہ میں ہفتے کے دن آئی اور دوشنبے کو میں نے جرمن سفیر کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ میں نے اسے اطلاع دی کہ میں وزیر اعظم سے ملا اور ہماری رائے ہوئی کہ پینتھر کے غدیر بھیجے جانے سے ایک ایسی اہم صورت پیدا ہو گئی ہے کہ اس پر مجلس وزرا میں غور و بحث کرنا لازم ہو گا۔ دوسرے ہی دن میں نے پھر جرمن سفیر سے آنے کی استدعا کی اور کہا کہ تمھیں یہ بتا دینا میرا فرض ہے کہ مراکش کے معاملے میں ہمارا طرز عمل بے غرضانہ نہیں ہو سکتا ہمیں لازماً فرانس کے ساتھ بروئے معاہدہ پابندیوں کا، اور مراکش میں اپنی اغراض کا لحاظ کرنا پڑے گا۔ برطانی وزرا کی رائے میں جرمن جہاز کے غدیر بھیجے جانے سے ایک نئی شکل رونما ہو گئی ہے۔ اب ممکن ہے کہ آیندہ واقعات ایسے پیش آئیں جن سے برطانی حقوق پر بہ نسبت سابق کے اور بھی براہ راست اثر پڑے اور اسی لئے ہم کسی ایسے تصفیے کو تسلیم نہ کریں گے جو ہمارے بغیر طے کر لیا جائے۔ میں نے

یہ بات سفیر پر اچھی طرح کھول دی کہ میری تحریر اور جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہوں وہ بجنسہ حکومت برطانیہ کی مجلس وزرا کے الفاظ ہیں"۔

برلن کی گفتگو

۹ جولائی سے کیڈرلین واخٹر اور ژول کامبون میں وہ گفتگوئیں شروع ہوئیں جن میں چار مہینے صرف ہوئے۔ جرمن وزیر خارجہ نے مراکش کے علاقے کے دعاوی سے ہاتھ اٹھا لینے پر آمادگی ظاہر کی اور اس کے عوض کانگو مانگا۔ اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ عہد نامۂ الجزائر کے تمام شرکا کو مدعو کئے بغیر، صرف کسی ایک سلطنت کو فرانس و جرمانیہ کی گفتگو میں شریک کرنا ممکن نہیں ہے۔ سفیر نے اس قول کی مخالفت نہیں کی مگر رائے ظاہر کی کہ فرانس کو اپنے دوستوں اور حلیفوں کو باخبر رکھنا ضروری ہے۔ کیڈرلین نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھا اور کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ بس جرمن کی گفتگو جاری رکھی جائے۔ سفیر نے جواب دیا "اغدیر نے صورت حالات کو بدل دیا ہے" وزیر نے پلٹ کر کہا "اغدیر کا واقعہ ناگزیر تھا۔ ریل کے جھگڑے ہی نے میری آنکھیں کھول دی تھیں۔ مگر جو ہوا سو ہوا۔ میں مراکش چھوڑ دینے پر تیار ہوں لیکن جرمن اہل الرائے کو یہ فیصلہ منوانے کے لئے لازم ہے کہ ہمیں معاوضہ، مثلاً کانگو، دیا جائے" جس وقت برلن میں یہ گفتگوئیں ہو رہی تھیں، برطانی حکومت مزید اطلاع کی منتظر تھی۔ سر ایڈورڈ اپنے مراسلۂ مورخہ ۴ جولائی کو مزید اطلاع کی درخواست سمجھتا تھا گو وہ استفسار کے پیرائے میں تحریر نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ ۵ دسمبر کو جرمن سفیر نے جتایا کہ "آپ کا یہ اظہار کرنا کہ اغدیر سے نئی صورت حال رونما ہو گئی ہے ہمیں استفسار نہیں نظر آیا جس کا جواب دینا ضروری ہوتا" اصل میں دونوں فریق کی غلطی تھی۔ سر ایڈورڈ کی تو بقول یہ کہ صاف صاف الفاظ میں اس نے صراحت نہ چاہی اور جرمن حکومت سے یہ کوتاہی ہوئی کہ خود کوئی اطمینان بخش تحریر نہ بھیج دی۔ اس طرح بلا واسطہ اطلاع نہ ملنے سے خواہ مخواہ شبہ پیدا ہونا ہی چاہیئے تھا۔ سر ایڈورڈ کو یہ وہم پریشان کر رہا تھا کہ مراکش کو یہ دونوں سلطنتیں آپس میں تقسیم نہ کر لیں اور ادھر یہ افواہیں بھی سننے میں آ رہی تھیں کہ کانگو کے بارے میں جرمانیہ غیر ممکن العمل مطالبات کر رہی ہے۔

فرانسیسی کانگو

بتاریخ ۱۶ اسر جولائی کیڈرلین نے سانگھا سے سمندر تک فرانسیسی کانگو کی تحویل کا خیال دلایا۔ کامبون نے کہا "ایسی تجویز کی گئی تو نامہ و پیام ہی منقطع ہو جائیں گے۔ ہم اپنی ساری نوآبادی حوالے نہیں کر سکتے" وزیر خارجہ نے پھر کہا کہ "میں تمھیں شمالی کیمرون اور سرزمین توگو دلوادوں گا" کامبون نے جواب دیا جو کچھ ہو ہم اپنی نوآبادی کو سمندر سے علحدہ نہیں کر سکتے" کیڈرلین نے پلٹ کر کہا "تم مراکش میں آزادیٔ عمل کا معاوضہ اسپین، انگلستان بلکہ اطالیہ تک کو دے چکے ہو۔ مگر ہم کو تم نے نظر انداز کر دیا حالانکہ فاز جانے سے پہلے تمھیں ہم سے معاملہ طے کر لینا چاہیئے تھا" سفیر کو اس مکالمے سے بہت تشویش پیدا ہو گئی۔ اُس نے اپنی حکومت کو بتاریخ ۱۹ اسر جولائی مشورہ دیا کہ اگر یہ گفتگو ناکام رہی تو ابھی سے سوچ لیا جائے کہ سیاسی تعلقات کی کیا صورت ہو جائے گی اور کس قسم کی تدابیر اختیار کرنی ضروری ہوں گی" سر ایڈورڈ گرے بھی خطرے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ ۲۰ سر جولائی کو ڈی سیلو نے پال کامبون کو اطلاع دی کہ "جرمانیہ سے گفتگو منقطع ہونے کی صورت میں برطانی سفیر نے مجھ سے دریافت کیا کہ مجلس مشاورۃ کے انعقاد کی نسبت ہماری رائے کیا ہوگی اور فرانس کا نظام العمل آیندہ کیا رہے گا" اسی روز فرانس کا جواب برطانی سفیر نے بھی لندن روانہ کیا: " افریقہ کے خطِ استوا پر فرانسیسی مقبوضات کے متعلق فرانس و جرمانیہ کے نامہ و پیام غالباً کچھ مدت تک جاری رہیں گے۔ پھر اگر اُن کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو فرانس کو انگلستان کی مجلس مشاورۃ منعقد کرنے اور ۱۹۰۶ء کے تمام شرکائے معاہدہ کو دعوت دینے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مجلس کے نظامِ اوقات کی تجویز بھی انگلستان کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ بایں ہمہ یہ واضح رہے کہ مراکشی علاقے کا جرمانیہ کے ہاتھ میں دے دیا جانا ۱۹۰۶ء اور ۱۹۰۹ء کے عہد و پیمان کے خلاف ہوگا" اسی دن ڈی سیلو نے ژول کامبون کو بھی تار دیا کہ سانگھا تک کانگو کا دیا جانا غیر ممکن ہے۔ البتہ فرانس سرحدوں میں ردّ و بدل کرنے کے لئے تیار ہے" اس تار کے پہنچنے سے پہلے ژول کامبون بھی تار بھیج چکا تھا جس میں ایک گرما گرم مباحثے کی کیفیت لکھی تھی کہ کیڈرلین نے بہ آوازِ بلند

فرانسیسی اخباروں کی بے اعتدالی کا شکوہ کیا اور دی سیلو پر بھی ملامت کی کہ وہ شوق سے کہتا ہے کہ میں (یعنی وزیر فرانس) خیال کرتا ہوں کہ ایسے اہم معاملات کافی سنجیدگی سے پیش نہیں کئے گئے۔ حالانکہ کیڈرلین نے کہا "ایسے نازک معاملے میں ہر لفظ جو میں کہتا ہوں سنجیدگی سے کہتا ہوں۔ ہم دونوں کو احتیاط سے کام کرنا چاہیئے۔ اگر گفتگو بے سود ثابت ہوئی تو ہم آزاد ہو جائیں گے کہ جو کچھ مناسب سمجھیں کریں اور مطالبہ کریں گے کہ فیصلہ الجزائر پر تمام و کمال عمل کیا جائے۔ پھر ضرورت ہوئی تو آگے تک بڑھنے میں بھی ہمیں مضائقہ نہ ہوگا۔" سفیر نے وقار کے ساتھ جواب دیا کہ "میں تمہاری دھمکی کا مفہوم اور تمہارا یہ منشا سمجھا کہ تم بہت دور تک جانا چاہتے ہو اور ہم بھی اسی طرح آمادہ ہیں۔"

۲۱ ؍ جولائی کو سر ایڈورڈ گرے نے جرمن سفیر کو ملاقات کے لئے بلایا۔ خود لکھتا ہے کہ "میں نے اُس سے کہا، میں چاہتا ہوں کہ جرمن حکومت کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملنے کے باعث ہم نے جو خاموشی اختیار کی ہے اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ ہم مسئلۂ مراکش پر وہ توجہ نہیں کر رہے ہیں جو اسی مہینے کی چوتھی تاریخ کے اعلان میں ہم نے ظاہر کی تھی۔ مجھے تشویش اس خبر سے ہوگئی ہے جو پرسوں جرمن حکومت کے فرانس سے مطالبات کے متعلق چھپی ہے اور جو مطالبات محض سرحد کی درستی پر مشتمل نہیں بلکہ درحقیقت وہ پورے فرانسیسی کانگو کی حوالگی کے مرادف ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حکومتِ فرانس انھیں قبول نہیں کر سکتی۔ میں نے سُنا کہ گفتگو ابھی تک جاری ہے اور میری ابھی تک آرزو ہے کہ اس کا نتیجہ حسب دلخواہ برآمد ہو۔ لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اگر یہ گفتگو ناکام رہی تو بہت پریشان کن صورت پیدا ہو جائے گی۔ میں نے بتایا کہ جرمن غدیر کی مصئون بندرگاہ میں ہیں اور دیسی باشندوں کی افواہ کے بموجب وہاں فوجیں اُتار رہے ہیں اور قبائل سے پیام سلام بھی کر رہے ہیں تاکہ، جہاں تک ہمارا قیاس کہتا ہے، ہو سکے تو وہاں مراعات حاصل کریں اور یہ بھی عجب نہیں کہ جرمن پرچم خاص غدیر پر اُڑا دیا گیا ہو کہ اس ساحل پہ غدیر بحری مرکز بنانے کے لئے

۲۱ ؍ جولائی کی گفتگو

سب سے موزوں بندرگاہ ہے۔ جرمن جس قدر زیادہ عرصے غدیر میں رہیں گے اُسی قدر زیادہ اندیشہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ کہیں ایسی صورت رُونما نہ کرلیں کہ ان کے لئے وہاں سے واپس ہونا زیادہ دشوار اور ہمارے لئے برطانی حقوق کی حفاظت کے واسطے کوئی کارروائی کرنا زیادہ ضروری ہو جائے۔ ابھی تک جرمن سفیر کو یہ موقع نہیں ملا ہے کہ وہ اپنی حکومت کی طرف سے کوئی باضابطہ اطلاع مجھے دے سکتا۔"

سفیر نے تار پر جو کیفیت بھیجی وہ دوسرے دن برلن پہنچ گئی اور وہاں سے فوراً اطمینان بخش پیام روانہ ہوا۔ بہتر ہوتا کہ ڈوننگ اسٹریٹ کے وزرا اس جواب کا انتظار کر لیتے اور یہ بھی بہتر ہوتا کہ خود جرمن حکومت مذکورۂ بالا مکالمے کے بعد اپنے خیالات ظاہر کرنے کی بجائے اس سے پہلے ان کا اظہار کردیتی۔ ملاقات کے چند گھنٹے بعد برطانی حکمتِ عملی کا سرکاری طور پر جو اعلان کیا گیا اُس نے ایک نازک معاملے کو اور بھی مخدوش بنا دیا۔

لائڈ جورج کی تنبیہ

یعنی مسٹر لائڈ جورج نے مینشن ہوس کی تقریر میں صاف صاف کہہ دیا کہ "میرے نزدیک نہ صرف اس مُلک کے بلکہ تمام دُنیا کے مقاصدِ عالیہ کے حق میں ضروری ہے کہ برطانیہ دُنیا کی بڑی طاقتوں میں اپنی منزلت اور وقار قائم رکھے خواہ کچھ ہی خطرات کیوں نہ پیش آئیں۔ اب اگر ہمیں مجبور کرکے ایسی نوبت پہنچا دی جائے کہ امن وصلح قائم رکھنے کی صورت ہی یہ رہ جائے کہ ہم اس فیض رساں اور برگزیدہ مرتبے سے دست بردار ہو جائیں جو صدیوں کی بہادری اور کارناموں کے طفیل برطانیہ کو حاصل ہوا ہے۔ یعنی جائز رکھیں کہ ایسے معاملات میں بھی، جن میں برطانیہ کے حقوق و اغراض پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے برطانیہ کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ گویا قوموں کی مجلس عمائد میں وہ کسی شمار قطار میں نہیں، تو میں پورا زور دے کے کہتا ہوں، کہ اس قیمت پر امن خریدنا ایسی ذلت ہوگا، جو ایسے بڑے مُلک کے لئے، جیسا کہ ہمارا مُلک ہے کسی طرح قابل برداشت نہیں ہو سکتا" ادھر ٹائمز میں ایک کرخت مقالۂ افتتاحیہ شائع ہوا، جس نے اس اعلان کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیا۔

اس تقریر کی تاریخ بہت پہلے سے مقرر تھی لہذا لائڈ جورج کے ساتھی وزیروں کا یہ غصہ بیجا نہ تھا کہ وہ مجلس وزراء سے ذکر فکر کئے بغیر اتنی بڑی کارروائی خود کر گزرا۔ وزیر خارجہ کو اس قسم کے فیصلوں کا سب سے بڑھ کر ذمہ دار گردانا پڑتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے اس موقع پر اُسے بھی خبر نہیں تھی کہ لائڈ جورج ایسا بم کا گولہ چھوڑنے والا ہے۔ دعوے کی نوعیت بالکل وہی تھی جو طنجہ والے دعاوی کی، جن کی حمایت قیصر نے کی تھی لہذا طنجہ کے اعلان سے جو ہنگامہ انگلستان میں ہوا تھا وہی اس اعلان سے جرمانیہ میں برپا ہوا۔ جرمن قوم کو نظر آتا تھا کہ مراکشی مسئلے پر جرمانیہ اور فرانس گفتگو میں مصروف رہے اور فرانس کے کسی مدبر نے آواز خوف و دہشت بلند نہیں کی۔ مگر اب یکایک بحر شمالی کے پار سے صدا آئی جس میں اعلان جنگ بھی مضمر نظر آتا تھا۔ اسے قطعی ثبوت سمجھا گیا کہ برطانیہ جرمنوں کی تجارتی اور استعماری آرزوؤں کے بر آنے میں اسی شدّ و مد کے ساتھ مانع ہے جس شدّ و مد سے فرانس کے ارمان بر لانے کی مشتاق ہے۔ اتحاد جرمانیہ والے نہایت غضبناک ہوئے اور میکسی میلین ہارڈن نے کرخت لب و لہجہ میں مطالبہ کیا کہ اس ناقابل برداشت اہانت کے جواب میں اشتہار جنگ دے دیا جائے۔

سر ایڈورڈ گرے نے ۲۱۔ جولائی کی ملاقات میں جو استفسار کئے، ان کا جواب

جرمانیہ کا جواب

لائڈ جورج کی تقریر کے برلن پہنچنے سے پہلے، جرمن حکومت روانہ کر چکی تھی۔ لیکن جرمن سفیر کو فوراً احکام بھیجے گئے کہ وہ جواب حوالے کرتے وقت منیشن ہوس کے اعلان کی شکایت کرے۔ سر ایڈورڈ گرے بیان کرتا ہے کہ "بتاریخ ۲۴۔ جولائی، یعنی وزیر خزانہ کی تقریر کے تین روز بعد جرمن سفیر مجھ سے ملنے آیا۔ اُس نے مجھے مطلع کیا کہ اغادیر جہاز بھیجنے کے مقصد میں جرمن حکومت نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ ایک متنفس ساحل پر نہیں اتارا گیا۔ جرمانیہ نے مراکش کے ساحل پر بندرگاہ بنانے کا کبھی خیال تک نہیں کیا اور نہ آئندہ کرے گی۔" میں نے کہا کہ پارلیمنٹ میں غالباً مجھ سے سوال کیا جائے گا کہ اغادیر میں کیا ہو رہا ہے تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا میرے یہ کہہ دینے میں کچھ مضائقہ تو نہ ہوگا کہ جرمن حکومت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس کا ایک آدمی بھی

ساحل پر نہیں اُتار اگیا"؟ اس پر سفیر نے کہا کہ جب تک مجھے اپنی حکومت سے خط کتابت کرنے کی فرصت نہ مل جائے، آپ اس اطلاع کو عام طور پر بیان کرنے میں تامل کریں۔ پھر دوسرے دن، ۲۵ر جولائی کو وہ ملنے آیا اور کہنے لگا کہ کل جو اطلاع میں نے آپ کو دی، وہ صیغۂ راز میں تھی اور وزیر خزانہ کی تقریر کے مدنظر اب جرمن حکومت اس اطلاع کو پارلیمنٹ میں کام میں لانے کی منظوری نہیں دے سکتی"۔ پھر اُس نے تقریر مذکور کے بارے میں ایک تحریر میرے حوالے کی جو بہت روکھے لہجے میں لکھی گئی تھی"۔ تب، مجھے ضروری معلوم ہوا کہ بلا تامل سفیر سے کہہ دوں کہ چونکہ میری دانست میں وزیر خزانہ کی تقریر میں کوئی شکایت کے لائق بات نہ تھی، لہذا یہی واقعہ کہ اس سے جرمانیہ میں ایسی سراسیمگی پیدا ہوئی تقریر کے جواز کی دلیل ہے؛ کیونکہ اگر کسی حد تک یہ میلان نہ ہوتا کہ ہو سکے تو ہم سے تغافل برتا جائے تو تقریر مذکور پر سراسیمگی کی کیا بات تھی"؟ جرمن حکومت نے لکھا تھا کہ وزیر خزانہ کی اس تقریر کے بعد ہمارا کوئی صراحت کرنا کہ قدیر میں کیا ہو رہا ہے؟ ہماری شان کے خلاف ہے۔ لہذا میں نے جرمن سفیر سے کہا کہ آپ کی تحریر کا لہجہ ایسا ہے کہ اب وزیر خزانہ کی تقریر کے بارے میں ہمارا کوئی تصریح و تاویل کرنا، ہماری شان کے خلاف ہے۔ اس پر جرمن سفیر کہنے لگا کہ اگر برطانی حکومت کا منشا یہ تھا کہ سیاسی تعلقات کو زیادہ پیچیدہ اور پُر فساد کر دیا جائے اور ایک شدید دھماکے کی نوبت پہنچا دی جائے، تو پھر واقع میں وزیر خزانہ کی تقریر سے بہتر کوئی ذریعہ منتخب نہ کیا جا سکتا تھا"۔ لیکن اس طوفانی ملاقات کے بعد مطلع بہت صاف ہو گیا اور بتاریخ ۲۶ر جولائی سر ایڈورڈ کو سرکاری طور پر مجاز کر دیا گیا کہ وہ پارلیمنٹ میں ۲۷ر جولائی کا تسکین بخش پیام سُنا دے۔ ۲۷ویں تاریخ جرمن سفیر نے بھی نہایت آشتی آمیز پیام دیا اور اس کے گھنٹے دو گھنٹے بعد وزیر اعظم نے پارلیمنٹ میں فرانس و جرمانیہ کے نامہ و پیام کی کامیابی کی دلی تمنا ظاہر کی"۔

منیشن ہوس کی تقریر نے جہاں جرمن اہل الرائے کو مشتعل کیا وہاں جرمن مطالبات میں بھی ترمیم کرا دی، چنانچہ کیڈرلین کا دوست

جرمن مطالبات میں ترمیم

ریونٹ لو لکھتا ہے کہ "کیڈرلین ساحل سے سانگھا تک کانگو کا علاقہ مانگتا تھا، اور اُس نے کامبون سے کہہ دیا تھا کہ اس میں کمی بیشی کی

کوئی گنجائش نہیں۔ مان لو یا چھوڑ دو" مگر اس کے بعد جب وہ تقریر ہوئی تو اُس نے قدم پیچھے ہٹا لیا" فرانس کے سفیر نے بھی بتاریخ ۲۴ جولائی اطلاع دی کہ کل کی تقریر اس سے پہلے کی تقریر سے بالکل مختلف تھی" اور جرمن وزیر خارجہ نے اب قرارداد کرنے کی خواہش ظاہر کی "لوہے کی برآمد کا حق محفوظ کر کے جرمانیہ تمھیں شمالی افریقہ میں سلطنت قائم کرنے دے گی جو تمھارا خاص مقصد ہے" اُس نے پھر سمندر تک کانگو کا علاقہ مانگا مگر علاقۂ توگو اور شمالی کیمرون کے دینے اور مراکش سے کامل دست برداری پر آمادگی ظاہر کی۔ ایک مرتبہ پھر سفیر نے جواب دیا کہ فرانسیسی کانگو کی حوالگی ناممکن ہے۔ ۲۵ جولائی کے دن ایک اور قدم یہ بڑھا کہ فرانس کے ماہر افریقیات فوندیر نے وزیر اعظم سے جرمن سفارت خانے میں جانے کی اجازت لی اور کہا کہ بیرن لنیکن نے اُس سے وہاں جانے کی فرمائش کی ہے۔ وزیر اعظم نے کہا "جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا چاہتا ہے" دوسرے دن فوندیر نے اطلاع دی کہ جرمانیہ صرف سانگھا اور سمندر کے درمیان کے علاقے پر قناعت کرے گی۔ گابون اور وسطی کانگو کا ایک حصہ چھوڑ دے گی۔ علاقۂ توگو کا جزو اعظم اور شمالی کیمرون منتقل کر دے گی" وزیر اعظم نے کہا کہ ابھی تک مطالبہ بہت بھاری ہے۔ تاہم اُس نے اپنے سفیر برلن کو یہ اطلاع دے دی اور سفیر نے جرمانیہ کے کمزور پڑ جانے کی علامت پر خوشی کا اظہار کیا۔ پہلی اگست کے دن تصفیے کی طرف ایک قدم اور آگے بڑھا کہ کیڈرلین قیصر سے مل کر آیا اور بیان کیا کہ اصلی مطالبہ یہ ہے کہ کانگو تک دسترس مل جائے اور پھر مراکش کے فرانسیسی سیادت میں لے لئے جانے پر ہم شکایت نہ کریں گے۔ دی سیلو نے یہ اُصول تسلیم کر لیا اور ۴ اگست کو کیڈرلین ساحل کانگو کے دعوے سے دست بردار ہو گیا۔ اس طرح ایک حد تک فریقین قریب تو آ گئے لیکن ابھی تک باہمی فیصلہ دور تھا اور بتاریخ ۱۴ اگست کیڈرلین نے علاقۂ توگو کے دینے کا وعدہ واپس لے لیا کہ جرمن رائے عامہ اسے جائز نہ رکھے گی۔ غرض خطرہ ابھی تک رفع نہ ہوا تھا اور فرانسیسی سفیر نے یہ افواہ تحریر کی کہ جرمن حکام غدیر میں فوج اُتارنے پر غور کر رہے ہیں۔ وسطِ اگست تک کانگو میں علاقہ تحویل کرنے کی نسبت یکے بعد دیگرے جرمنوں کی سات تجویزیں

رکاوٹ اور خطرہ

فرانس مسترد کر چکا تھا اور معاوضہ دینے کی جو شکلیں جو فرانس نے پیش کیں جرمنوں نے نامنظور کر دی تھیں۔ ۱۸ اگست کو کیڈرلین برلن سے روانہ ہوا کہ قیصر سے مشورہ کرے اور سفیر فرانس کو نہایت تشویش رہی کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ۲۰ اگست کی کیفیت یہ لکھتا ہے کہ "عام رائے میں اشتعال ہے۔ اگر نامہ و پیام ناکام رہے تو غالباً جرمانیہ مجلس مشاورت کو نامنظور کر کے ساحلی بندرگاہوں پر قبضہ کرے گی۔ اندرونی کیفیت کا اثر خارج پر پڑتا ہے۔ نئے انتخابات قریب ہیں اور ہر فریق حب وطن کے معاملے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانی چاہتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے خطرات بے بنیاد ثابت ہوں لیکن تصادم کے امکان کو نہ دیکھنا محض احمقانہ غفلت ہوگا"۔ کائیو ابھی تک تعطیل [illegible] پر تھا کہ اس نے سنا کہ کیڈرلین نے بعض سفیروں سے کہا ہے "فرانس [illegible] عمل سے [illegible] بین الاقوامی بنا دیا ہے اور صورت حال جو تھی وہ نہیں رہ سکتی" یہ افواہیں بھی اس تک پہنچیں کہ جرمن سارندے غدیر و مغادر کے اندرونی علاقے میں گھومتے پھر رہے ہیں کہ جرمانیہ عنقریب اس علاقے پر تصرف حاصل کر لے گی۔ نیز جرمانیہ میں رسالے پر رسالے شائع ہوتے رہے، جن میں "ویسٹ مارکو ڈائش" بھی تھا جس کے چند ہی روز میں ۸۰ ہزار نسخے فروخت ہو گئے اور ان رسالوں میں حجت یہ تھی کہ مراکش کے باہر کوئی معاوضہ قابل قبول نہ ہوگا۔ کائیو کو یقین تھا کہ جرمانیہ ابھی تک مراکش کے کسی قطعے کا لالچ رکھتی ہے اور وہ تیار تھا کہ اسے روکنے کی خاطر ضرورت ہو تو جنگ کرے۔ ۲۱ اگست کے دن وہ تعطیل سے واپس آیا تو اس نے خارجی حکمت عملی اپنے ناتجربہ کار وزیر کی بجائے اپنے ہاتھ میں لی اور برلن و لندن سے برادران کامبون کو بلا لیا۔ روسہ سے باریر کو طلب کیا تاکہ وہ مجلس وزرا کی اپنے مشورے سے امداد کریں۔

بتاریخ ۳۰ اگست ژول کامبون دو قسم کی ہدایات لے کر برلن آیا۔ ایک مراکش اور دوسری کانگو کے متعلق۔ کانگو میں مراعات دینے کی گفتگو صرف اس وقت ہو سکتی تھی جب کہ پہلے فرانس کی مراکش پر سیادت تسلیم کر لی جائے۔ بتاریخ ۴ ستمبر کیڈرلین اور ژول کامبون کے درمیان پھر گفتگو چھڑی اور

وزیر خارجہ نے عملاً مراکشی تجاویز کو تسلیم کر لیا لیکن معاوضے میں فرانس جس قدر دینے پر آمادہ تھا اس سے زیادہ کا مطالبہ کیا اور پہلے دن خود مراکش کے متعلق جواب میں ایک تجویز پیش کی کہ گو مرتب تو یہ کہہ لو اس کی حمایت کرتا تھا کہ وہ فقط جرمن مصنوعات کے اخراج کو روکنے کی ایک صورت ہے لیکن سفیر کو اس کی تہہ میں جرمانیہ کی یہ کوشش نظر آتی تھی کہ اقتصادی شرائط کی آڑ میں اپنا اقتدار بنائے رکھے۔ گفتگو کے نازک صورت پر پہنچ جانے کا حال لوگوں کو معلوم ہو گیا جس سے سخت مالی خلفشار پیدا ہوا۔ جرمن مارک کی قیمت گر گئی اور لوگ بینکوں سے اپنا اپنا روپیہ واپس لینے کے لئے دوڑ پڑے۔ ساہوکاروں نے صاف کہہ دیا کہ جرمانیہ مالی اعتبار سے جنگ کے واسطے تیار نہیں ہے۔ زیادہ عقل و تجربہ والے مبادلت کے خلاف تھے اور خود قیصر و صدر اعظم

مراکشی راضی نامے کا طے ہو جانا

اول سے آخر تک لڑائی کے خلاف تھے۔ بیتھ مان نے جو حکام سے بہت ربط ضبط رکھتا تھا، اک مقالہ میں "مراکش کا کوئی حصہ پانا، فرانس و انگلستان سے جنگ کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا فائدہ ممکنہ سے قیمت زیادہ ادا کرنی ہوگی اور اخلاقی جواز کا نکلنا شاید استمالی بھی نہ رہے" جرمانیہ کی اس اقتصادی کمزوری کے انکشاف کے بعد کیڈرلین زیادہ آشتی پذیر نظر آنے لگا۔ مراکش کے میثاق نامے پر ۱۱ اکتوبر کو اور ساتھ کے خطوں پر بتاریخ ۴۱ اکتوبر دستخط ہو گئے۔

دوسرے ہی دن سے کانگو کی بحث از سر نو شروع ہوئی۔ کیڈرلین کہنے لگا "اگر تم چاہتے ہو کہ یہ گفتگو ثمر ہو تو تمہیں لازم ہے کہ ہمیں کانگو تک پہنچنے کا راستہ دو" مگر معاملہ ہونے میں اس لئے اور بھی دشواری ہوئی کہ جرمن رائے میں بیزاری کی کیفیت تھی۔ چنانچہ سفیر نے خبر دی کہ ریشتاگ کے ارکان میں شرائط مبادلہ کے خلاف زور شور سے جہاد برپا ہے کہ اس پیرائے میں یہ لوگ مسئلہ مراکش کو تازہ کرنا چاہتے ہیں۔ جرمن اہل الرائے کو ظاہرا روز افزوں پشیمانی ہو رہی ہے کہ باہمی فیصلہ کیوں ہوا اور وہ پھر یہی سوچتے ہیں کہ کاش ملک کے آپس میں حصے بخرے کر لئے جاتے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ممالک حارہ کا کوئی ٹکڑا فرانس کو اس قدر عزیز نہیں جس قدر کہ مراکش،

پس اگر اب بھی قطعِ تعلق کی نوبت آجائے تو انھیں افسوس نہ ہوگا۔ اور گو مجھے فی الفور کسی لڑائی ہو جانے کا تو اندیشہ نہیں ہے تاہم کچھ تعجب نہ ہوگا اگر قطع تعلق کی نوبت آجائے۔ اور غدیر پر فوج کا اُتار جانا بھی غیر ممکن نہیں ہے" یہ پُرخار مسئلہ فیصلہ ہونے کے قریب تھا کہ ۲۷ اکتوبر کو کیڈرلین نے یکایک کانگو کی شفع کا سوال اُٹھایا اور کہا کہ انتقال کی صورت میں فرانس کو واجب ہوگا کہ جرمانیہ سے مشورہ کرے جس کے حقوق نظرانداز نہیں کئے جا سکتے؛ اُس کے لب و لہجہ سے قطعِ تعلق کی دھمکی نکلتی تھی لہٰذا سفیر نے کیفیت کے ساتھ آخر میں لکھ دیا تھا کہ "ہمیں دبنا نہ چاہیئے" فوراً لندن و پیٹروگرڈ خبر بھیجی گئی کہ اپنی رائے سے اطلاع دیجئے۔ روس مراکش کی خاطر لڑائی میں پھنسنا نہ چاہتا تھا اُس نے خیال ظاہر کیا کہ "زیر بحث وادی کی ملکیت میں ہر قسم کی تبدیلی کے لئے قانون نامۂ برلن کے شرکا کا غور و بحث کرنا لازمی ہوگا۔ برطانیہ نے بھی اس اُصول کی تائید کی اور فرانس و جرمانیہ نے

کانگو کا عہدنامہ طے ہوتا ہے

اُسے قبول کرلیا۔ بتاریخ ۳ نومبر معاہدۂ کانگو پر اور چوتھی تاریخ مشترکہ عہدنامے پر دستخط ہو گئے۔ چار مہینے کا طولانی بحث مباحثہ جس میں کیڈرلین اور ژول کامبون کی سَو سے زیادہ ملاقاتیں ہوئیں، اتمام کو پہنچ گیا[1]

اس تصفیے سے فرانس کا وزیر اعظم اور سفیر دونوں راضی تھے۔ کائیو جتاتا ہے کہ مراکش کے سیاسی، انتظامی اور عدالتی معاملات میں فرانس جو کچھ چاہتا تھا، وہ حاصل ہو گیا۔ اقتصادی میدان میں البتہ اُسے محصول میں مساوات تسلیم کرنی پڑی لیکن وہ بھی اس مرتبہ بلا کسی تعین کے تھی۔ اسی طرح ژول کامبون کو کامل یقین تھا کہ مراکشی زیور واقعی بڑی سے بڑی قیمت کے لائق ہے۔ اور اگر فرانس اُسے ادا کرنے پر تیار نہیں تو مراکش خواہ مخواہ اُس کے ہاتھ سے جاتا رہتا اور بین الاقوامی چیز بن جاتا؛ کلیمانسو اور پیشان نے میثاق ۱۹۰۹ء سے تجاوز کرنے پر

[1] اس ہنگامے کی ساری مدت میں برخلاف آزوولسکی کے، ساز و نوف برابر سستی اور بے پروائی دکھاتا رہا؛

اعتراض کیا جو اُن کے ہاتھوں سرانجام ہوا تھا اور ہانوتو نے فریاد کی کہ ایک لاکھ مربع میل کی تحویل فرانسیسی کانگو کی کمر توڑ دے گی۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود یہ فیصلہ حقیقت میں فرانس کی فتح یابی تھا کہ اب اس کی افریقی سلطنت ایک احاطے میں آگئی۔ مارچ ۱۲ ۱۹۱۲ء میں معاہدۂ فاز کی رو سے سلطان نے فرانس کی سیادت تسلیم کر لی پھر فاز میں فرانس کے فوجی اور دیوانی عمال کے ایک قتلِ عام کے بعد مولائے حفیظ تو اپنے بھائی مولائے یوسف کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو گیا اور ملک میں جنرل لیوتی کی مضبوط و مدبرانہ حکومت نے امن امان قائم کر دیا[1]۔

نفع نقصان کا توازن

ان عہد ناموں کی جرمانیہ میں کہیں زیادہ مخالفت ہوئی۔ اور لین ڈی کوئنٹ وزیر مستعمرات اختلاف کی بنا پر مستعفی ہو گیا۔ مگر تیمان نے ان کی نسبت سچی بات کہی کہ بغیر جنگ کئے زیادہ سے زیادہ یہی حاصل ہو سکتا تھا۔ اور صدرِ اعظم نے حسبِ معمول فرانسیسی سفیر سے کہا کہ "مناقشے کی گرد بیٹھ جائے تو پھر ہم دونوں کو اندازہ ہو گا کہ کس قدر مفید نتائج حاصل ہوئے اور یورپ دیکھے گا کہ امن صلح کی شکل یہی تھی۔ اب صورتِ حال درست و صاف ہو گئی ہے۔ بے شبہہ یہ شدنی بات تھی کہ مراکش روز بروز تمھارے حلقۂ اقتدار کے اندر آتا جائے۔ لیکن ہم سیاسی رسوخ اور بلاواسطہ تسلط میں فرق کرتے تھے۔ اور ۱۹۰۹ء میں ہم نے صرف سیاسی رسوخ تسلیم کیا تھا۔ لیکن پیرس میں شاید ان دونوں صورتوں کو گڈمڈ کر دیا گیا اور اسی وجہ سے مناقشہ پیدا ہوا جو اب جاتا رہے گا۔ مراکش پوری طرح تمھارے ہاتھ میں ہے" ژول کامبون نے بیتھمن کے بھیجنے کا گلہ کیا تو صدرِ اعظم نے یاد دلایا کہ میں نے کس کس طرح تمھیں خبردار کیا تھا اور "اگر تم فاز جا سکتے تھے تو ہم اغادیر جا سکتے تھے" فیصلے پر سب سے زیادہ اطمینان لندن والوں کو ہوا۔ مسٹر ایسکوئتھ نے کہا

[1] جرمن کارندے پھر بھی گڑبڑ مچاتے رہے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۱۳ء کے مراسلے میں لاؤتی شکایت کرتا ہے کہ "مراکش میں جرمن حکمت عملی کا اصول ابھی تک ویسا ہی مخاصمانہ ہے"۔

"موسیو کائیو سے کہتا وہ لارڈ بیکنس فیلڈ کی طرح برلن سے عزت کی صلح لے کر پھرے ہیں۔"

جرمانیہ کی مایوسی

معاہدے کی احکام نے تو وکالت کی مگر اس سے جرمن قوم کے جلے ہوئے دل کچھ بہت ٹھنڈے نہیں ہوئے۔ خود صدرِ اعظم دکھڑا روتا تھا کہ ہم جذبات کی جس فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں، ایسی کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی جب اُس نے بیان کیا کہ منیتیصر علاقہ لینے کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا اور جنوبی مراکش کا قبضہ جرمانیہ کے لئے کچھ مناسب نہ تھا، تو اس پر لوگوں نے منھ چڑایا اور قہقہے اڑائے۔ لیکن اگر حکومت کی لوگ صرف تحقیر کرتے تھے کہ اُس نے تلوار پھرائی اور پھر میان میں ڈال لی، تو برطانیہ کے خلاف تو غیظ و غضب کا طوفان ہی برپا ہو گیا تھا۔ قدامت پسند دل کے سرگروہ اور پروشیہ کے شاہ ولیہ تاج سے ڈربرانڈ نے صاف صاف کہا کہ "اب ہمیں معلوم ہو گیا کہ جب کبھی ہم وسعت چاہتے ہیں، اور جب کبھی ہم سورج کے نیچے اپنی جگہ طلب کرتے ہیں، تو وہ کون ہے جو ساری دنیا پر اپنی اجارہ داری کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ آگاہی اس طرح ہوئی جیسے رات میں چمکتی بجلی نظر آ جاتی ہے۔ اب ہم امن رعایتوں کے ذریعہ نہیں بلکہ جرمن تلوار کے زور سے حاصل کریں گے۔"[1] صدرِ اعظم پر جو حملے اُس نے کئے، اُن پر ولی عہد نے کھلے بندوں تحسین و آفرین کہی اور گو اس نے صدرِ اعظم سے باپ کی موجودگی میں اُسے بہت کچھ پند و نصیحت کی تھی، تاہم وہ برابر ہوٹسپر (Hotspur) کا روپ لئے رہا جسے شروع سے اپنے لئے پسند کر چکا تھا۔

اِدھر سر فیئر فیکس کارٹ رائٹ کی ایک ملاقات کے حال سے جو نیو فرائی پریس نے خواہ مخواہ صحیح یا غلط شائع کیا تھا، اور کپتان فیبر کی تقریر سے انگریز ترسی کو ترقی ہوئی کہ اس نے کہ کپتان موصوف نے اشارۃً کہا تھا کہ برطانی بیڑا جنگ کے لئے بالکل تیار ہو چکا تھا۔

بتاریخ ۲۷ نومبر سر ایڈورڈ گرے نے تمام قضیے پر تبصرہ کرتے ہوئے

---

[1] نیز دیکھو بیرٹن کی غضب آلود تقریر "ریڈن" جلد اول۔

اپنے انگریز و جرمن نکتہ چینیوں کو جواب دیا۔ ہر چند معاہدے پر دستخط ہو چکے تھے مگر مطلع ابھی تک مکدر تھا اُس نے کہا "شکوک اور خرافات کا اتنا انبار جمع ہو گیا ہے کہ اُس سے لوگوں کو اشتعال اور طبائع میں ایسی خلش ہوتی ہے کہ پہلے کبھی اتنی نہ ہوئی تھی۔ بعض لوگوں کو یہ ستانے میں کہ ہم جنگ کے کس قدر قریب پہنچ گئے تھے، بہت مزا آتا ہے۔ گویا دُنیا سیاسی بھنگ چڑھانے کی دُھن میں لگی ہوئی ہے" جرمن وزیرِ خارجہ نے اب اعلان کیا ہے کہ مراکش کا کوئی ٹکڑا لینے کا کبھی قصد نہ تھا۔ "حالانکہ میری تحریر مورخہ ۲۴ جولائی کے بعد ہی ہم سے راز میں یہ ارادہ اسی طرح قطعی طور پر ظاہر کر دیا جاتا، جیسا کہ اب کیا جا رہا ہے۔ تو بہت کچھ غلط فہمی کی نوبت ہی نہ آتی"۔ جواب میں ۵ دسمبر کے دن صدرِ اعظم نے ریشتاگ میں

رفع کدورت

تقریر کی کہ ہم بھی سر ایڈورڈ کی اچھی مثال کی تقلید میں مضیٰ ما مضیٰ پر عمل کریں گے لیکن اگر جرمن بیانات پر زیادہ بھروسہ کیا جاتا اور وزیرِ خزانہ اپنا قدم درمیان میں نہ لاتا تو کشید گی ہی نہ ہونے پاتی۔ اصل میں سارے فساد کی جڑ یہ تھی کہ سنہ ۱۹۰۴ء میں انگلستان و فرانس نے جرمن حقوق کا لحاظ کئے بغیر مراکش کا معاملہ طے کر لیا"۔ اسی کے باعث ہمیں الجزائر اور پھر غدیر جانے کی ضرورت پیش آئی۔ تاکہ اپنی اقتصادی اغراض و فوائد کا تحفظ کریں اور دُنیا کو بتا دیں کہ ہم اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ اپنا نظر انداز کیا جانا کبھی گوارا نہ کریں گے" بہر حال اب یہ قصہ ختم ہو چکا ہے "انگریز وزرا نے بالاتفاق ہم سے بہتر تعلقات رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے اور میں دل و جان سے اس کی تائید کرتا ہوں۔ لیکن اس کے عمل میں آنے کی صورت صرف یہ ہے کہ حکومتِ برطانیہ اپنی حکمتِ عملی میں ایسے تعلقات کی ضرورت کا صاف و صریح اظہار کرنے پر تیار ہو"۔

زلزلۂ غدیر ہی کی ایک جنبش اطالیہ کا طرابلس کو دبا بیٹھنا تھا جو مدت سے ساحل افریقہ پر للچائی نظریں ڈال رہی تھی[1] سنہ ۱۹۰۵ء میں تیتونی نے اعلان کیا تھا کہ

[1] دیکھو بارکلے "ٹوی ٹرکو اٹیلین وار" اور گیولیٹی "میموائرز"۔ اطالوی وطن پرستوں کے سرگروہ کوراڈینی کی کتاب "ل اوراتری پولی" اس ماحول کا آئینہ ہے جو جنگ کے قریب اطالیہ میں پیدا ہو گیا تھا۔

"تمام دُول متعلقہ طرابلس میں ہمارے حقوقِ ترجیحی کو تسلیم کرتی ہیں۔ حال میں بار بار مجھ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہم اس پر قبضہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں؟ میرا جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں۔ اطالیہ ہرگز اُس پر قبضہ کرنا ضروری نہ سمجھے گی تا وقتیکہ حالات ہی بالکل مجبور نہ کردیں۔ ہم اس بات کو کبھی جائز نہ رکھیں گے کہ بحر متوسط میں توازنِ دول میں ایسا تغیر واقع ہو جو ہمارے حق میں مُضر ہو۔ قبضۂ طرابلس کا اُس وقت تک کہ ہمارے ترکی سے مخلصانہ تعلقات ہیں، خیال بھی نہیں کیا جا سکتا اور ایسا کرنے سے اُن لوگوں کی ہمّت بڑھے گی جو ترکی کے خاتمے میں تعجیل کے آرزو مند ہیں۔ ہماری خارجہ حکمت عملی کا ایک بنیادی عنصر دولتِ عثمانیہ کی صیانت و سلامتی ہے۔ لیکن اگر ہم اس وقت طرابلس پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارا عمل وہاں صفر ہوگا۔ آیندہ کے جو حقوق ہمیں حاصل ہیں اُن سے اقتصادی میدان میں ہمیں لامحالہ ترجیح ملنی چاہیئے"[1]

وہ اخلاص جس کا تیتونی نے ذکر کیا زیادہ پائدار نہ نکلا۔ ۱۹۰۸ء کے شروع ہی میں اطالیہ استحصالِ اراضی اور تُرکی حکام کی اطالوی قنصلوں سے بدسلوکی کے متعلق سلطان سے جھگڑ پڑی اور بحری مظاہرہ کرکے اپنا اطمینان کرایا۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء میں اُس نے راکونیجی کے مقام پر روسیوں سے اقرار لے لیا کہ وہ بالآخر الحاقِ طرابلس کو منظور کرلیں گے اور اس کے عوض میں آبناؤں کے بارے میں خود روس کی ہم رائے ہو گئی۔ فروری ۱۹۱۰ء میں اطالوی مجلس میں فرانس کے حدودِ طرابلس پر دست درازی کرنے کی طرف اس طرح توجہ منعطف کرائی گئی گویا یہ صوبہ ابھی سے اطالیہ کی مِلک بن چکا تھا۔ طرابلس میں رومہ کے شاہی بینک کی ایک شاخ کھولی گئی کہ اطالوی کاروبار کو مدد دے۔ امدادی جہاز وہاں کی بندرگاہوں پر آنے جانے لگے اور امدادی مدارس قائم ہوئے۔ اس طرح ابتدائی تیاریاں کرکے اطالیہ تاک لگانے لگی کہ موقع ملتے ہی وار کر بیٹھے۔

جون ۱۹۱۱ء میں سان جیولیانو نے آہر نتھل کو اطلاع دی کہ عجب نہیں ہم

---

[1] تعاریز "اطالیہ کی خارجہ حکمت عملی" ۱۹-۲۷۔

طرابلس کا الحاق کرنا پڑے۔ اور جب جاگاؤ نے بینیتھصر کی روانگی کی خبر سنائی تو وہ نائب وزیر سے کہنے لگا کہ "طرابلس کا وقت قریب آگیا ہے"

اطالیہ کا طرابلس کو دبالینا

۲۶ اگست کے دن پٹروگریڈ کے اطالی سفیر نے خبر دی کہ ہماری حکومت "مسلسل بے لطفی کو ختم کرنے اور اطالیہ کے حقوق کا ترکی سے احترام کرانے" کی غرض سے یہ ارادہ رکھتی ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ دوسری طاقتیں اس منصوبے سے واقف ہیں اور انھیں کوئی اعتراض نہیں حالانکہ وی آنا کے اطالوی سفیر نے صرف ۲۶ ستمبر کو اہرنتھل سے کہا کہ میری حکومت فوراً کام کرنا چاہتی ہے۔ اسی تاریخ اتمامی پیام بھیج دیا گیا اور ۲۹ ستمبر کو جنگ کا اعلان ہو گیا۔ ہموطنوں کے ساتھ بد سلوکی اور تجارت میں رکاوٹ ڈالنے کی شکایتیں محض بہانے تھے۔ بتاریخ ۲۷ ستمبر شیمان نے لکھا کہ " یہ بلا اشتعال خالص ملک ستانی کی جنگ ہے اور اس سے ممالک یورپ کا امن خطرے میں پڑ جائے گا۔ مسئلۂ شرقیہ کے ہر پہلو پر نئے سرے سے بحث چھڑ جائے گی۔ ترکی کا نقصان جرمن اغراض کا نقصان ہے۔ جرمانیہ کو اس کی توقع نہ تھی اور وہ نہ اس فعل کو پسند کر سکتی ہے۔ اس سے بوئروں کی جنگ یاد آتی ہے کہ یہ دونوں ایک نظر سے تاریخی ضروریات تھیں مگر دونوں فعل جبر و زیادتی پر محمول ہوں گے" جنگ چھڑنے پر جاگو کو مجاز کیا گیا تھا کہ وہ باہمی تصفیے کی وہ صورت پیش کرے جس کے ذریعہ اطالیہ کو طرابلس میں وہی رتبہ مل جائے جو برطانیہ کو مصر میں حاصل ہو گیا تھا۔ سان جولیانو اس کے موافق تھا لیکن جوکی تی نے اُسے مسترد کر دیا۔ برطانیہ کی عام رائے جنگ کے اسی طرح خلاف تھی یا ایں ہمہ برطانی وزیر نے، جس نے الحاق بوسینہ پر اتنی تیزی سے نفرین کی تھی اس موقع پر اعتراض یا تنبیہ کا ایک حرف زبان سے نہ نکالا۔ حالانکہ الحاقِ بوسینہ کہیں کمتر درجے کا جرم تھا۔

یورپ کے معاملات پر جنگِ طرابلس کے اثرات گو براہِ راست نہیں پڑے، تاہم کچھ کم معنی خیز نہ تھے۔ اطالیہ نے یہ کام کیا اس میں

اتحادِ ثلاثہ

ائتلافِ ثلاثہ کی کم سے کم نیم رضا خاموشی ضرور موید تھی اور

خود اپنے حلیفوں کی اغراض کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا تھا۔ بالفاظِ دیگر ایک لشکرگاہ سے دوسری لشکرگاہ تک کی سیاحت میں اُس نے ایک اور منزل طے کر لی۔ الجزائر میں اُس نے جو آزادانہ روش اختیار کی، پھر قضیۂ بوسنہ پر وہاں جو ہنگامہ برپا ہوا، وہ اگرآمدِ طوفان کی علامت تھے تو طرابلس کا حملہ اتحادِ ثلاثہ سے صاف صاف آزاد ہوجانے کا اعلان تھا۔ قیصر اسلامی دُنیا کا دل ہاتھ میں لینے کے منصوبوں میں خلل پڑنے سے غضبناک ہوا۔ بیٹ مین ہولویگ تحریر کرتا ہے کہ "اطالیہ ہماری منظوری لینے کی پابند نہ تھی اور اُس نے ہم سے منظوری نہیں لی۔ لیکن جب اُس نے یورپ میں تُرکی پر حملہ کرنا چاہا تو ممالکِ بلقان کے علیٰ حالہا رہنے کا مسئلہ نہایت تشویشناک ہوگیا۔ ہمیں بار بار بیچ بچاؤ کرنے کی ضرورت پڑی کہ ہمارے اتحادیوں کے اختلافات بڑھتے بڑھتے خطرہ نہ بن جائیں۔" شعلہ خو کونراڈ جنگ کے لئے بیتاب تھا لیکن آہرنتعل نے مرتے مرتے اُس کی بات نہ چلنے دی۔ آسٹریہ نے یورپی ترکی پر اطالیہ کو حملہ کرنے کی منظوری نہ دی اور اطالیہ میں اسے طوالتِ جنگ کا موجب سمجھا گیا لیکن فرانس کے ساتھ بھی ایک نزاع فرانسیسی جہازوں کی تلاشی کے بارے میں پیدا ہوگئی جو اشیائے ممنوعہ لئے ہوئے ٹونس جا رہے تھے۔ اُس نے آسٹریہ کی مخالفت کا پلڑا جھکنے نہ دیا۔ بیٹ مین ہولویگ لکھتا ہے کہ "اب اطالیہ کو اتحادِ ثلاثہ کی قدر ہوئی۔ اور جنوری ۱۹۱۲ء میں کیڈرلین رومہ گیا تو بادشاہ اور وزیروں نے بہت تپاک سے اُس کا خیرمقدم کیا۔ مارچ میں قیصر اور شاہ اطالیہ کی ملاقات ہوئی تو اُس وقت بھی وکٹر امانوئیل نے فرانس سے اپنی کمال ناراضی کو نہ چھپایا اور جب سان جولیانو نومبر میں برلن آیا تو اتحادِ ثلاثہ کی تجدید کا بھی انتظام کر لیا گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس پژمُردہ چمن میں پھر کلیاں پھوٹنے کو ہیں لیکن اس تثلیث میں خالص تازگی کی قوت رخصت ہوچکی تھی کیونکہ اطالیہ نے فرانس، انگلستان و روس سے بہت سی شرطیں کرکے اپنے آپ کو مقید کر لیا تھا"۔ بحرِ متوسط کے متعلق ایک بحری اقرارنامہ بھی ۱۹۱۳ء میں مرتب ہوا مگر ان سب باتوں کے باوجود جنگِ طرابلس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جرمانیہ اور آسٹریہ کی نگاہ اعتماد میں وہ جگہ،

جو اطالیہ کھو بیٹھی تھی، ترکی کو حاصل ہو گئی۔[1]

راکونیجی کی قرارداد کا ایک جزو عمل میں آگیا تو سازوناف نے خیال کیا کہ اب دوسرے کی بھی باری آنی چاہیئے خاصکر اس واسطے کہ آبناؤں کے بند کرنے سے روس کی تجارت کو نقصان ہو رہا تھا۔ نظر بر ایں اُس نے استنبول میں ایک شگوفہ چھوڑا اور فرانس و برطانیہ کو ٹٹولنا شروع کیا۔ بتاریخ ۲۳ ؍ اکتوبر بن کن ڈورف نے کیفیت لکھی کہ "میں نے سر ایڈورڈ کو بتا دیا ہے کہ روس کے نزدیک ترکی سے قومی تر تعلقات قائم کرنے کا وقت آگیا ہے اور سفیر روس نے غیر سرکاری طور پر ایک تجویز پیش کی ہے جس کی رو سے روس ریاستہائے بلقان پر اثر ڈالے گا کہ وہ ترکی کے ساتھ دوستانہ روابط رکھیں اور ممکن ہے کہ پائے تخت کی بھی ضمانت دینے پر آمادہ ہو جائے جس کے عوض میں ترکی روس کے جنگی جہازوں کے لئے آبنائیں کھول دے گی۔ روس کو امید ہے کہ فرانس و انگلستان اسے استنبول میں مدد دیں گے۔ سر ایڈورڈ نے جواب دیا کہ میں اپنی یادداشت ۱۹۰۸ء پر اب تک قائم ہوں۔ اس جدید نظریے پر غور کروں گا اور اس اثنا میں برطانی سفیر استنبول کو ہدایت کر دی جائے گی کہ شاری کوف سے ملتا رہے اور اُس کی تائید کرے۔" شاری کوف نے برطانی اور فرانسیسی سفیروں سے صراحۃً کہہ دیا تھا کہ وزیر ترکی کے ساتھ میری گفتگو خانگی ہے اور دولتِ روس آگے چل کر باضابطہ گفتگو کرے گی تو حسبِ مصلحت کام کرنے میں بالکل آزاد ہو گی۔[2]

شاری کوف کا شگوفہ

---

[1] آسٹریہ کی اطالیہ سے بے اطمینانی کے لئے ملاحظہ ہو شلومیکی کی کتاب اور مسٹر ڈی اگونی ڈس ڈرے بنڈس" (یہ اُن مضامین کا جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۵ء تک لکھے گئے مجموعہ ہے اور ۱۹۱۵ء میں یکجا کر کے چھاپا گیا ہے) روس و اطالیہ کے تعلقات پر دیکھو سیبرٹ کی کتاب "ڈپلومائیشن..." باب ۱۱ و ۱۲۔

[2] سی برٹ : باب ۱۸۔ بخارسٹ کے سفیر بلجیم نے بھی اس افواہ کی اپنی حکومت کو خبر دی کہ ترکوں کی کریت پر حکومت تسلیم کر لی جائے گی اور اجنبی امتیازات منسوخ ہو جائیں گے۔ ملاحظہ ہو شورٹ فیجر اوز اُن لیورے نواہ" ۱۴۳ تا ۱۷۹۔

مگر ترکی دینے پر ذرا بھی آمادہ نہ تھی۔ جس وقت روس کے مراسلے مورخہ ۴ر دسمبر میں کھلے بندوں جنگی جہازوں کو راستہ دینے کا مطالبہ کیا گیا تو باب عالی نے جواب دیا کہ اتنا اہم تغیر معاہدۂ برلن کے دوسرے شرکا کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اور ینی گزیت نے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ کوئی ترک لمحہ بھر کے لئے بھی یہ خیال دل میں نہیں لا سکتا کہ دولتِ عثمانیہ اتنی ذلیل ہو جائے گی کہ روس کے باجگزاروں کی سطح پر آنا گوارا کرلے۔ ترکی کے استفسارات کے جواب میں برطانیہ اور فرانس نے لکھا کہ اگر وہ آبناؤں سے راستہ دینا جائز رکھے تو ہم رضامند ہیں لیکن اگر اُسے انکار ہو تو ہم اُس پر دباؤ ڈالنے میں کوئی حصہ نہ لیں گے۔ اس کے برعکس

ترکی کا جمے رہنا

جرمانیہ اور آسٹریہ نے رضامندی سے انکار کیا اور ترکی کو ہمت دلائی کہ وہ اپنی بات پر اڑی رہے۔ چنانچہ ترکی مجلس وزرا نے روس کو بے دھڑک لکھ بھیجا کہ "حکومت فقط روس کے بیڑے کو امن و جنگ کے زمانے میں آبناؤں سے گزرنے کی اجازت نہیں دے سکتی اور اعلان کرتی ہے کہ آبناؤں کے جملہ اختیارات صرف عثمانی قوم اور اُس کے فرماں رواکو حاصل ہیں" اسی روز سازونوف کی ایک ملاقات کا حال اخبارِ طان میں شائع ہوا جس میں اُس نے بیان کیا کہ ترکی سے جو سلسلہ جنبانی کی گئی وہ سرکاری طور پر نہیں تھی بلکہ محض ایک "نظری" نوعیت رکھتی تھی۔ اور یہ گفتگو بھی بغیر کسی خاص حکم کے روسی سفیر نے بطور خود چھیڑی تھی۔ اس کے بعد گو چاری کوف کو فوراً واپس بلالیا گیا بایں ہمہ یہ دکھانے کی کوشش کہ روس پر کوئی دو و دیک نہیں ہوئی، کسی کو دھوکے میں نہ ڈال سکی اور اس واقعے نے ترکی کو ائتلاف ثلاثہ سے اور بھی بیگانہ بنا دیا۔

باب پانزدہم

محاربات بلقان

(آ)

برطانیہ کو فرانس کے پہلو میں تلوار سونتے ہوئے کھڑے دیکھ کر جرمانیہ اور فرانس دونوں ملکوں کے رزم جو ہیجان میں آئے۔ ٹرپٹز تحریر کرتا ہے کہ

ٹرپٹز کے مطالبات

"۱۹۱۱ء خریف میں میں برلن گیا اور صدر اعظم کو یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ہمیں بساطِ سیاست پر زک نصیب ہوئی اور اُس کی تلافی ایک جدید ضمیمۂ قانونِ بحری کے ذریعے ہونی چاہیئے۔ صدرِ اعظم نے زک پانا تسلیم نہ کیا اور اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں نیا قانون انگلستان سے جنگ کا سبب نہ بن جائے"۔

میری تجویز کا مقصد بیڑے میں کوئی حقیقی اضافہ کرنا نہ تھا بلکہ یہ کہ جنگی تیاریوں میں اضافہ ہو جائے۔ ہماری بحری فوج کے نظام میں ایک کمزوری کا پہلو یہ تھا کہ ہر خریف میں کار آموز جوانوں کا تبادلہ ہوتا تھا اور خدمت کی مدت قلیل رکھی گئی تھی۔ اور یہ دونوں باتیں مل کر بیڑے کی تیاری میں عارضی طور پر بُری طرح بگاڑ پیدا کر دیتی تھیں۔ اب ہم نے تجویز یہ کی کہ ایک محفوظ حصۂ بحریہ مخصوص کر دیا جائے تاکہ آیندہ دو کی بجائے تین بیڑے مہیا رہیں۔ اس اصلاح سے صرف تین بڑے جہازوں کی بیشی کی ضرورت پڑی۔ کوئی یاور

نہ کر سکتا تھا کہ تین جہازوں کی بیشی انگریزوں کو اشتعال دے کے آمادۂ جنگ کر دے گی بجز اس کے کہ وہ پہلے ہی لڑنے پر تُلے بیٹھے ہوں اور جرمن سفیر کاؤنٹ میٹرنک کو بھی جنگ کا اندیشہ نہ تھا؛ بتاریخ ۴ار نومبر قیصر نے صدر اعظم کو ہدایت کی کہ ضمیمۂ قانون کی ۱۹۱۲ء کے سوا زنے میں جگہ نکال لے"۔

جس وقت ٹرپٹز بیڑے میں بیشی کی تگ و دَو کر رہا تھا، زیادہ عاقبت اندیش دماغوں نے عزم کیا کہ اس کشیدگی کو دُور کرنے کی پھر ایک مرتبہ کوشش کی جائے جس نے امن عالم کو مخدوش بنا دیا تھا۔ مسئلۂ مراکش کے طے ہو جانے سے ایک حد تک جرمانیہ کے ساتھ ارتباط پیدا ہوا اور اُدھر اسی زمانے میں ایران میں روس و انگلستان کا اشتراک اس روانی سے کام نہ کر سکا جس طرح معمولاً کرتا تھا۔ ایرانی وطن پرست ساعی تھے کہ اپنی حکومت و مُلک کی اصلاح کریں اور شاہ ایران کی ریشہ دوانیوں کو جو وہ معزولی سے قبل و مابعد کرتا رہا، چلنے نہ دیں۔ اور سر ایڈورڈ گرے ان کوششوں کی کامیابی کا خواہاں اور دل سے چاہتا تھا کہ اپنے ۱۹۰۷ء کے وعدے کے مطابق مُلک کے اندرونی معاملات میں دخل دینے سے بچے[1]۔ برخلاف اس کے روس کو ایران کی آئینی تحریک کا نہ تو عقیدہ تھا اور اس کی کامیابی کی خواہش۔ ادھر برطانی وزیر خارجہ اس روس کے اِنجن کے کبھی کبھی روکا (بریک) تو لگاتا رہا لیکن اُسے یہ جرأت کبھی نہ ہوئی کہ پوری قوت سے اعتراضات کو دور تک پہنچاتا۔ آزاد خیال گروہ کی نکتہ چینی کے جواب میں وہ یہ تاویل پیش کرتا تھا کہ اگر ایرانی مسئلے میں گڑبڑ ہوئی تو ممکن ہے کہ ایرانی مسئلہ تو غائب ہو جائے اور کلاں تر قضیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس کیفیت کو ٹپرو گریڈ والوں نے اچھی طرح بھانپ لیا اور اس سے بہت سلیقے سے فائدہ اُٹھایا۔ سفیر طہران کے نام

[1] ایران پر تعداد کثیر میں کتب ازرق شائع ہوئی ہیں۔ نیز دیکھو براؤن: "دی پرشین ایوالیوشن"؛ شسٹر: "دی اسٹرنگلنگ اوف پرشیا" فریزر: "ٹرکی اینڈ پرشیا ان ریوولٹ" سائیکس: "ہسٹری آوف پرشیا" جلد دوم" (طبع ۱۹۲۱ء) اور سی برٹ: "ڈپلو ماٹیشن ..." باب ۴، ۵ (ان میں اکثر کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مترجم)۔

۸ ؍ اکتوبر ۱۹۱۰ء کے ایک کاشفِ اسرار خط میں سازونوف نے لکھا کہ "انگریز یورپ میں نہایت اہم مقاصد کے جس طرح درپے ہو رہے ہیں اس کے باعث اگر ضرورت ہوئی تو ہم سے معاہدہ قائم رکھنے کی خاطر ایشیا میں اپنے بعض حقوق قربان کردیں گے۔ ان حالات کو ہم قدرتاً اپنے حسبِ دلخواہ بنا کے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جیسے کہ ایران کے معاملے میں" چنانچہ جب ۱۹۱۱ء میں حکومتِ ایران نے ایک امریکی ماہرِ فن مسٹر شستر کی خدمات حاصل کرلیں کہ مُلک کے مالیات کی درستی کرے اور اُس نے برطانی رعایا کو روسی حلقۂ اثر میں بھی مدد کے لئے مختلف عہدوں پر مقرّر کرنا شروع کیا تو سرایڈورڈ نے اُسے استعفیٰ دینے پر مجبور کرنے میں روس کی شرکت کی۔ البتہ اس کامیابی کے سلسلے میں روس نے طہران سے اور بھی مطالبے کئے تو آخر ایک مرتبہ سرایڈورڈ نے بھی اپنے آپ کو رضامندی ظاہر کرنے سے معذور پایا۔

قضیۂ شستر

بتاریخ ۲ ؍ دسمبر بن کن ڈورف وزارتِ خارجہ میں آیا تو اُس نے برطانی وزیر کے مزاج کا رنگ ہی دوسرا دیکھا۔ وزیر خارجہ نے سمجھایا کہ اگر ایران میں اشتراکِ عمل کا خاتمہ ہوا تو یہ ائتلاف روس و برطانیہ کے خاتمے کا مرادف ہوگا۔ اور اس صورت میں استعفیٰ دے دوں گا کیونکہ پھر جو حکمتِ عملی اختیار کرنی ناگزیر ہوگی، مجھے اس کا راستہ نہیں نظر آتا۔" سفیر نے کیفیت لکھی کہ میں نے سرایڈورڈ کو اس قدر پریشان کبھی نہ دیکھا تھا اور کامبون نے بھی اس قول کی تصدیق کی۔ روس کے سفیر نے آخر میں یہ بھی لکھ بھیجا تھا کہ "ائتلاف کو قائم رکھنے کے لئے ہمیں لازم ہے کہ سرایڈورڈ کو یقین دلادیں کہ ہم معاہدے کی پابندی کریں گے ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ استعفیٰ دے دیگا۔" یہ پیچیدگی تو رفع دفع ہوگئی لیکن رائے کے اختلافات نے ایک رخنہ ضرور بنا دیا۔[1]

وولف میٹرنک نے روسی سفیر بن کن ڈورف سے خیال ظاہر کیا کہ انگلستان کی "رائے عامّہ پھر ہماری طرف رجوع کر رہی ہے۔" اور بن کن ڈورف نے تصدیق کی کہ لندن و برلن میں براہِ راست تبادلۂ خیالات کی ضرورت محسوس ہوئی اور

[1] سی برٹ: ۲۰۳۔

تجویز کی گئی کہ سر ایڈورڈ گرے کسی قریبی تاریخ خود وہاں جائے مگر سر ارنسٹ کیسل اور بیلن کی وساطت سے تمہیدی گفتگو ہو چکی تو قرار پایا کہ لارڈ ہالڈین جج کے طور پر برلن ہو آئے۔ بتاریخ ۶ فروری جرمن حکومت نے اعلان کیا کہ ضمیمہ قانون بحریہ میں ترمیم کر دی جائیگی اگر جرمانیہ کو اطمینان دلا دیا جائے کہ برطانی حکمت عملی میں دوستانہ تغیر عمل میں آیا ہے۔ آٹھویں فروری کو لارڈ ہالڈین برلن پہنچ گیا۔ سفیر نقل کرتا ہے کہ "میری پہلی ملاقات صدر اعظم سلطنت کے ساتھ ہوئی

لارڈ ہالڈین کی سفارت

جو بالکل غیر سرکاری خوب مفصل اور پُر لطف تھی۔ میں نے کہا کہ جرمانیہ کا اس قدر پُر شکوہ جنگی ساز و سامان جمع کرتے چلے جانا یقیناً ایسا فعل ہے جو جرمن قوم کے غیر مقید اختیارات کے اندر داخل ہے۔ لیکن اس طریق عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسری قومیں اپنی حفاظت کی خاطر ایک دوسرے کے قریب تر کھنچ آئیں گی۔ یہ بھی میں نے صاف گوئی سے اُسے بتا دیا کہ ہم نے بحری اور برّی جنگ کی تیاریاں کی ہیں مگر صرف ایسی جو دفاعی ضرورتوں کے لئے درکار ہیں، اور جنھیں جرمانیہ میں معمولی روزمرہ کی بات سمجھا جائے گا۔ اسی سلسلے میں میں نے بیان کیا کہ ہم ہر قوم کی دست درازی کے سخت مخالف ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ہمارا کوئی خفیہ جنگی عہد نامہ کسی کے ساتھ نہیں ہوا جسے سُن کر صدر اعظم کو بہت اطمینان معلوم ہوتا تھا۔ البتہ میں نے یہ سُنا دیا کہ اگر فرانس پر حملہ ہوا یا اُس کا علاقہ لینے کی کوشش کی گئی تو جرمانیہ کو ہمارے غیر جانبدار رہنے کا یقین نہ رکھنا چاہیے"۔ دوسرے دن دوپہر کے کھانے پر مجھے شلاس بلایا گیا اور اس کے بعد بادشاہ کے شوریٰ خانے میں دیر تک بادشاہ اور امیر البحر وان ٹرپٹز سے گفتگو رہی۔

ٹرپٹز کا مقابلہ بیٹ مین سے

اُس نے مجھے نئے قانون بحریہ کے راز کے مسودے کی ایک نقل دی اور یہ بھی کہہ دیا کہ تم اپنے ساتھ کے وزیروں کو خانگی طور پر اس کا مضمون بتا دو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں نے دانستہ اُس وقت سرسری نظر سے پڑھنے سے بھی احتراز کیا کیونکہ اس کی ضخامت

---

[1] ہالڈین: "بفور دی وار" نیز دیکھو بیٹ مین ہولویگ: "ریفلکشنز"، جلد اوّل باب ۳ "قیصر کی توک" باب ۵۔ اور ٹرپٹز کی "میموائرز" جلد اوّل۔

اور پیچیدگی دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ اسے احتیاط سے دیکھنا پڑے گا۔ نظر برایں میں نے اُسے صرف جیب میں رکھ لیا اور صدر اعظم سے جو کچھ تقریر کی تھی، وہی یہاں دُہرا دی۔ پھر ہم نے جرمن امارت بحری کی جدید تجاویز جہاز سازی پر بحث کی۔ امیر البحر ٹرپٹز اس کی حمایت میں اُلجھتا رہا۔ میں نے اصرار کیا کہ اگر بہتر تعلقات قائم کرنے ہیں تو ان تجاویز میں معقول ترمیم کرنی لازم ہوگی۔ گفتگو کا لب ولہجہ دوستانہ تھا مگر مجھے احساس ہوا کہ میری سفارت کا دشوار ترین موقع اب پیش آگیا ہے۔ امیر البحر چاہتا تھا کہ ہم خود اپنی جہاز سازی کی نسبت کوئی قرار داد کرنے پر آمادہ ہوں۔ اُس کی دانست میں دو سلطنتوں کے مساوی طاقت کا معیار جرمانیہ پر بہت گراں تھا اور در اصل جرمانیہ اُس کے جواز کا کوئی اقرار کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ اُس وقت مجھے خیال آیا کہ چونکہ اس بارے میں باہمی رضامندی کی کوئی صورت نہ نکلے گی، لہذا کسی عام مفاہمت میں جو ہمارے درمیان طے پائے ہمیں معیاری تناسب کی حد بندی کو نظر انداز کر دینا چاہیئے اور جہاز سازی کا کوئی تذکرہ ہی نہ لانا چاہیئے بلکہ عام مسائل پر اگر باہمی قرار داد ہو جائے تو قیصر جرمن قوم کو اطلاع دے دے کہ اس فیصلے نے نئے بحری قانون کی، جس صورت میں کہ وہ شروع میں مرتب کیا گیا تھا خواہشمندی کو بالکل بدل دیا ہے۔ اب اس میں تاخیر کی جا سکتی ہے اور جہاز سازی کو کم سے کم طویل تر زمانے پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ عام مسائل پر باہمی قرار داد ہو جانے کی نسبت قیصر کی بھی رائے ہوئی کہ واقعی اس سے بڑا فرق پیدا ہو جائے گا اور مجھ سے کہا کہ اس کے متعلق صدر اعظم شرائط پیش کرے گا۔"

"میری آخری ملاقات کے موقع پر صدر اعظم نے خیال ظاہر کیا کہ ہم حسب ذیل نظریئے کو قبول کرلیں:۔

(۱) عہد نامہ کرنے والی سلطنتیں ایک دوسرے کو اپنی خواہش امن و دوستی کا یقین دلاتی ہیں۔

(۲) ان میں سے کوئی اس قسم کا جتھا نہ بنائے گی نہ جتھے میں شرکت کرے گی، جو دوسرے فریق کے خلاف تیار ہوا ہو۔ وہ صراحۃً اعلان کرتی ہیں کہ وہ کسی ایسے

جتھے کی پابند نہیں ہیں؛

(۳) دَولتینِ متعاہدین میں سے اگر کوئی کسی غیر سلطنت یا سلطنتوں کے ساتھ جنگ میں اُلجھی تو دوسرا فریق مبتلائے جنگ فریق کے مقابلے میں کم سے کم دوستانہ غیر جانبداری کا پابند ہوگا اور انتہائی کوشش کرے گا کہ آتشِ جنگ خاص مقامات تک محدود رہے؛

(۴) غیر جانبداری کی یہ شرط جس کی فقرۂ بالا سے پابندی عائد ہوتی ہے اتنی وسیع نہ ہوگی کہ دَولتینِ متعاہدین جن مرتب شدہ عہد ناموں کی اس وقت پابند ہیں، اُن پر بھی حاوی ہو۔ البتہ فقرہ نمبر ۲ میں جو قیود عائد کی گئی ہیں، اُن کے ماتحت متعاہدین کا آیندہ کسی غیر سلطنت سے ایسا عہد نامہ کرنا ممکن نہ ہوگا جو باہم غیر جانبداری کی شرط پر عمل کرنے کو غیر ممکن بنادے؛

غیر جانبداری کی بحث

"ہر چند مجھے فکر تھی کہ جہاں تک ہوسکے صدر اعظم سے اتفاق رائے کیا جائے، بایں ہمہ میں اس بات کی خفیف ترین اُمید بھی نہ دلا سکتا تھا کہ حکومت برطانیہ ان مجوزہ نظریات کو جو اوپر بیان ہوئے، قبول کر سکے گی۔ مثلاً اُسے تسلیم کر لینے کے بعد، اگر جرمانیہ فرانس پر حملہ کرے اور ڈنکرک کے لئے، بولون وغیرہ بندرگاہوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ باندھے، تو فقرۂ ثالث کی رو سے ہم فرانس کی کوئی دستگیری نہ کر سکتے تھے۔ اسی طرح بلجیم، پرتگال اور جاپان کے ساتھ ہمارے جو معاہدے موجود تھے، اُن کی شرائط پر عمل کرنے میں ایسی دشواریاں پیش آسکتی تھیں کہ ہم اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر رہتے، اس مشکل سے نکلنے کا سب سے امید افزا طریق یہ تھا کہ تجاویز مذکورہ کی سرتاپا ترمیم کرکے، شرطوں کو اس قدر محدود کر دیا جائے کہ متعاہدین ذمہ لیں کہ بلا اشتعال ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے اور فریق ثانی کے خلاف کسی ایسے جتھے یا منصوبے میں شریک نہ ہوں گے جس کا منشا دراز دستی ہو اور اگر اس غرض سے کوئی برّی یا بحری جتھا بنایا جائے تو اس میں تنہا یا دوسری دول کے ساتھ حصہ نہ لیں گے؛ پھر میں اور وہ نیا مسودہ تیار کرنے بیٹھے مگر اُس نے کوئی اقرار ایسا نہیں کیا کہ میری رائے کے مطابق جو مسودہ تیار کیا جائے وہ اُس کے نزدیک بھی

مکتفی ہوگا۔ بغداد ریلوے اور ترکی کے دوسرے معاملات پر بھی جن کا خلیج فارس سے تعلق تھا، ہم بہت اطمینان سے گفتگو کرتے رہے اور افریقہ میں اپنی سلطنتوں کے بعض حقوق کے ردّ و بدل کے امکانات پر بھی بحث کی۔ مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان موقعوں پر جو کچھ اُس نے کہا وہ بالکل مخلصانہ اور اس خواہش پر مبنی تھا کہ ہم سے زیادہ اچھے تعلقات اور امن وصلح قائم رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی حال قیصر کا تھا گو اُسے بعض بحری اور جنگی مشیر نیز جرمانیہ کا ایک قلیل التعداد مگر با اثر رزم جو گروہ اپنی طرف کھینچتا تھا۔ بایں ہمہ تصادم کا امکان موجود تھا اور جب میں لندن واپس آیا تو ہر چند مجھے پوری امید تھی کہ دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات بہتر ہونے والے ہیں، اور یہی میں نے اپنے ساتھ کے وزیروں سے بھی

لارڈ ہالڈین کے اندیشے

کہہ دیا، لیکن اسی کے ساتھ اطلاع دے دی کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق مجھے تشویش ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ میرا نہایت قوی گمان تھا کہ نئے قانون بحری پر اصرار کیا جائے گا۔ دوسرے ممکن ہے کہ بیٹ مین ہولویگ کی جگہ ٹرپٹز صدرِ اعظم بنا دیا جائے۔ اور تیسری بات یہ کہ جرمن حکمتِ عملی کے اعلیٰ کارپردازوں میں تسلسل مفقود تھا۔[1]"

بہرحال ہالڈین کے آنے سے قیصر کو بھی ایسی ہی خوشی ہوئی اور ۹۔فروری کو اُس نے بیلین کو لکھا کہ " وہ بہت خوبی اور معقولیت سے ملا اور میں بھی اُس سے اتفاقِ رائے کی غرض سے بہت دور تک آگے بڑھا۔ لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ ہاں جو کچھ مَیں کر سکتا تھا، میں نے کیا[2]" صدرِ اعظم کو کامیابی کی امید تھی اور ایک اچھی علامت یہ تھی کہ ٹرپٹز افسردہ نظر آتا تھا[3]۔

ہالڈین کی مراجعت کے بعد سر ایڈورڈ گرے نے جرمن سفیر سے پہلی مرتبہ جو گفتگو کی اس میں بیان کیا کہ میں اپنے ساتھی کی صدر اعظم سے گفتگو کا حال سُن کر بے حد متاثر ہوا۔ اُس نے پورا زور دے کے اپنا عزم بالجزم ظاہر کیا کہ اس طرح

---

[1] ہلڈرین: " ایلبرٹ بیلن " باب ۷۔ وغیرہ۔

جس کام کا آغاز ہوا ہے اُسے جاری رکھوں گا اور امید ہے کہ آہستہ آہستہ مخالفت کے طوفانی بادل چھٹ جائیں گے" کامیابی کا سارا مدار جرمن تجاویز کے تفصیلی غور و مطالعہ پر تھا۔ اور معلوم ہو گیا کہ مصالحت کے راستے میں بہت سی دشوار گھاٹیاں ہیں کیونکہ نئے قانون کے مسودے کو پڑھا گیا تو ثابت ہوا کہ اس کے ذریعے بیڑے کے پیمانے اور قوتِ حرب و ضرب میں اتنا اضافہ پیش نظر ہے جسے دیکھ کر آدمی دنگ رہ جائے" دوسری مارچ کے خط میں صدرِ اعظم نے بھی بیلین کو لکھا کہ "سنتا ہوں چلتی گاڑی میں نئے مسودے نے بچّر لگا دی ہے۔ اس واقعے سے ہماری رائے عامہ پر بھی یہ اثر پڑے گا کہ پھر کسی سیاسی معاہدے کو لوگ قابلِ قبول نہ سمجھیں گے۔ تاہم سمجھوتہ ہونے کے خیال کو ابھی تک قبولیت حاصل ہے اور اگر انگلستان سمجھتا ہے کہ بغیر کسی تصفیے کے بھی یہ اعتماد قائم رہے گا، تو ۶ مہینے یا برس دن کی دیر میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ بیڑے کے جھگڑے کے باوجود کامیابی کا امکان ہے" لیکن

گفت و شنید کی ناکامی

حق یہ ہے کہ انگلستان اپنے نزدیک جن شرائط کے پیش کرنے کا مجاز تھا، جب وہ خالی ایک سیاسی قرارداد کی صورت میں اُس نے پیش کیں، تو جرمانیہ میں اہلِ انگلستان کی نسبت کچھ کم مایوسی نہ ہوئی۔ صدرِ اعظم کو شکوہ ہے کہ "گرے صرف بلا اشتعال حملے کی صورت میں غیر جانبداری پر آمادگی ظاہر کرتا ہے اور ہمارے ان الفاظ کو بھی کہ "اگر جرمانیہ جنگ پر مجبور ہو" قبول نہیں کرتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس قدر محدود غیر جانبداری کے اصول سے انگلستان کے دوستوں کے شوئیاں کیوں چبھتی ہیں؟ اس اُصول سے تو فقط یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کہ اگر وہ جرمانیہ کے خلاف حکمتِ عملی اختیار کریں تو انگلستان کی مدد پر بھروسہ نہیں رکھ سکتے۔ ۱۹۰۹ء سے لے کے اب تک گرے ہر موقع پر مجھ سے کہتا رہا کہ وہ اتحادِ دولتین کا کس قدر ممنونِ منت ہے۔ لیکن غیر جانبداری کی جو صورت وہ پیش کرتا ہے، میں اس کے عوض جدید مسودے سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ انگلستان کی کوششِ مصالحت مخلصانہ تھی مگر غالباً فرانس و روس کے ساتھ

اس کے جتنے گہرے تعلقات ہیں، اُن کو سمجھنے میں ہم نے غلطی کی ہے[1]
ناکام صدر اعظم نے اپنا استعفیٰ پیش کیا مگر قیصر نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔
اگرچہ اُسے یقین تھا کہ ہالڈین کی سفارت محض انگریزوں کی ایک سیاسی چال تھی۔
جب بحری رقابت کی حدبندی کی کوشش نہ چل سکی تو برطانیہ نے جدید مسودے کا
جواب سوچنا شروع کیا۔ مئی میں وزیر اعظم اور مسٹر چرچل نے لارڈ کچنر سے جو
اُن دنوں مصر کا حاکم ہو گیا تھا، مالٹا میں ملاقات کی کہ بحر متوسط کے مسئلے پر
بحث کریں[2] اور ۲۲ جولائی کو مصارف زائدہ کی تحریک کرتے وقت
امارت بحری کے رئیس اول نے مجلس وزرا کے فیصلوں کا اعلان کیا۔ اُس نے
بتایا کہ جرمانیہ کے نئے مسودۂ بحریہ کا سب سے قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ
وہ ہر قسم کے جہازوں کی جو ہر وقت کام میں لائے جاسکیں گے، قوت ضرب میں
اضافہ کرتا ہے۔ بیڑے کا چار پانچواں حصہ مستقل طور پر تیاری کی حالت میں ہوگا
اور یہ وہ تناسب ہے جو کسی اور جگہ دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا۔ بحری فوج کی
تعداد میں ۱۵ ہزار کی بیشی ہو گی جس سے سنہ ۱۹۲۰ء میں کل تعداد ایک لاکھ ہو جائے گی۔
سابق نقشے کے ماسوا دو جنگی جہاز اور دو چھوٹے دریا نورد اور بنائے جائیں گے
جس سے سنہ ۱۹۲۰ء میں کل تعداد اکتالیس جنگی جہاز، بیس جنگی دریا نورد اور
چالیس چھوٹے دریا نورد ہو جائے گی۔ ان حالات کے پیش نظر ہمیں ضروری ہوگا
کہ وطنی سمندروں میں اور بھی جنگی جہاز مجتمع کریں۔
نئی صورت حالات کو برلن و لندن کے سفرائے بلجیم نے بھی خارجاً بیان کیا[3]۔

برطانی بیڑا

برلن والے سفیر نے لکھا کہ "چند ہفتے پہلے امیر البحر کے آنے کے وقت
امید کی جاسکتی تھی کہ تعلقات میں بہتری کی صورت نکل آئے گی۔
ہالڈین کی تقریر جو اُس نے لندن کی جرمن انجمن میں کی اور اس میں قیصر کو

[1] "رفلیکشنز" جلد اول اور اس کی دوسری کتاب (Kriegsreden)
[2] ملاحظہ ہو "آرتھر": "لائف اوف کچنر" جلد دوم ۳۳۶ - ۳۳۷
[3] (Schwertfeger; "Zur Europaischen Politik) جلد چہارم ۷۲ - ۷۴

بڑا آدمی بتایا، جرمن اخبار خوش ہوئے تھے۔ مگر اب چرچل کی تقریر نے رنگ بدل دیا۔ جرمن کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ انگلستان کی دفاعی تدابیر کا اصلی سبب محض یہ ہے کہ جرمن بحری فوج میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اگر فرانس کے ضمیر پر مراکش کی ہوس گرانی کا باعث تھی اور اُس نے امن کو خطرے میں ڈالا اور اب تک ڈال رہی ہے تو جرمانیہ کو بھی انگلستان کا سمندر میں مدِمقابل بننے کی وہ دُھن ہو گئی ہے جس نے جنگ کو ناگزیر بنانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ چرچل کی تقریر کا سبب یہی اور ٹھیک یہی بات ہے جس کا برلن والے کبھی اقرار نہیں کریں گے" سفیر لندن نے بتاریخ ۳ اگست لکھا کہ "جرمانیہ کی قسمت اچھی ہے کہ آزاد خیال گروہ برسر اقتدار ہے، ورنہ قدامت پسند حاکم ہوں گے تو وہ ساٹھ فی صدی کی بیشی پر قناعت نہ کریں گے۔ انگلستان کے لئے یہ نہایت اہم مسئلہ ہے جس پر کوئی برطانی گروہ طرح نہ دے گا کیونکہ جس دن انگلستان کا بحری اقتدار گیا، اسی دن برطانیہ کی قوت وسطوت کا بھی خاتمہ ہے۔ برطانی حکمت عملی کی ساری عمارت اسی کیلی پر قائم ہے مگر بظاہر برلن والے اسے نہیں سمجھتے"

انگریزوں کی بحری افواج کے اجتماع میں اس واقعے سے اور بھی سہولت ہوئی کہ فرانس کو آسٹریہ اور اطالیہ کے متحدہ بیڑے کے سامنا کرنے کا امکان نظر آیا اور اُس نے چاہا کہ اپنے سارے بیڑے کو سمیٹ کر بحر متوسط میں جمع کر دے[1]۔ ایسا کرنے میں سواحل رودبار اوقیانوس حملے کی زد میں کھلے رہ جاتے تھے مگر اہل فرانس کو توقع تھی کہ جو جگہ خالی رہے گی، اُسے برطانی بیڑا پُر کر دے گا چنانچہ ستمبر میں اعلان کر دیا گیا کہ بیڑے کا تیسرا جنگی دستہ جس کا مرکز برِیسٹ تھا، وہاں سے ہٹا کے بحر متوسط کے پہلے اور دوسرے دستے کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا اور ۱۹۱۳ء کی ربیع میں ساحل اوقیانوس کے تمام دفاعی چھوٹے بیڑے توڑ کے بندرگاہوں کی حفاظت بَرّی فوج کے حوالے کر دی گئی۔ صرف چھ پرانے زرہ پوش دریانورد اور وہ بحری دستے شمال میں چھوڑ دئے گئے جنھیں رودبار کی

---

[1] جے کو ربیٹ "نے وِل آوپ ریشنز"۔ اوّل ۔ ۷ تا ۹

دفاع میں شریک ہونا تفویض کیا گیا تھا۔ ایسی اہم تبدیلیوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ کسی قومی تر سیاسی مفاہمت کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ بتاریخ ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء کا دے کی تحریک پر سر اڈورڈ گرے اور فرانسیسی سفیر کے درمیان وہ مراسلت ہوئی جس میں

گرے اور کامبون کے خطوط

ائتلاف کی نوعیت کو ان الفاظ میں صاف و واضح کر دیا گیا کہ گزشتہ چند سال میں "وقتاً فوقتاً" فرانس و برطانیہ کے بحری اور بری ماہرین جنگ آپس میں مشورہ کرتے رہے ہیں۔ یہ طے شدہ سی بات تھی کہ یہ مشورے کسی حکومت کی آزادی رائے پر کہ وہ آئندہ ایک دوسرے کو جنگی مدد دے گی یا نہیں، کوئی قید عائد نہیں کرتے تھے۔ اور یہ ہم نے قرار دے لیا تھا کہ ماہرین کے ایسے مشوروں کا نہ یہ مطلب ہے نہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہماری حکومتوں کو کسی ایسی صورت میں، جو اب تک پیش نہیں آئی اور جو ممکن ہے کہ کبھی پیش نہ آئے، کسی خاص فعل کا پابند بنا دے۔ مثال کے طور پر اس وقت فرانس اور برطانیہ کے بیڑوں کی اپنی اپنی جگہ پر تقسیم کسی ایسی قرار داد پر کہ جنگ میں بھی اشتراک عمل کریں گے، مبنی نہیں ہے۔ بایں ہمہ آپ نے یہ جتا دیا ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی حکومت کو تیسری سلطنت کے بلا اشتعال حملہ کرنے کی معقول وجہ نظر آئے تو ممکن ہے کہ یہ معلوم کرنا ضروری سمجھا جائے کہ آیا یہ حکومت فریق ثانی کی جنگی امداد پر بھروسہ کر سکتی ہے۔ میں متفق ہوں کہ اگر ہم میں سے کوئی فریق بھی واقعی کسی غیر سلطنت کے بلا اشتعال حملہ ہو جانے سے اندیشہ مند ہو، یا کسی ایسی بات سے جو امن عامہ کو خطرے میں ڈال دے تو اسے بلا تاخیر فریق ثانی کے ساتھ گفتگو چھیڑ دینی چاہیئے کہ آیا دونوں حکومتوں کو دست درازی روکنے یا امن قائم رکھنے کی غرض سے مل کر کام کرنا مناسب ہوگا؟ اور مناسب ہوگا تو وہ کون سی تدابیر پر مشترکہ عمل کرنے کے لئے آمادہ ہوں گے؟"

اصولاً تو گرے اور کامبون کی مراسلت میں انگلستان کو آئندہ حسب مصلحت کام کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا تھا اور وزیر اعظم اور وزیر خارجہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے اس آزادی کو یاد بھی دلاتے رہے لیکن اصل یہ ہے کہ ۱۹۱۱ء سے

اکثر اہل فرانس کے نزدیک برطانیہ کے لوازمِ شرافت کا مقتضی ہی یہ ہو گیا تھا کہ اگر جرمانیہ کا حملہ ہو تو وہ فرانس کی اعانت کرے۔ اس معاملے میں زیادہ پیچیدگی کا سبب یہ ہوا کہ فرانس دولتِ روس کا حلیف تھا۔ برطانی حکومت نے اس بڑی اسلافی طاقت سے اپنے تعلقات کسی خاص تحریری کلیئے پر مبنی کر دینے کی ضرورت تو نہیں سمجھی تاہم روس کا بھی اب برطانیہ کی آیندہ تقدیر میں بہت کچھ دخل ہو گیا کیونکہ اس پر حملہ ہونے میں فرانس پر لامحالہ حملہ ہو جاتا۔ اس طرح ہم (یعنی انگریز) بالواسطہ ایک بعید سلطنت کے جھگڑوں اور اولوالعزمیوں میں حصہ دار ہو گئے جس کی حکمت عملی کے بنانے میں ہمارا کوئی دخل نہ تھا۔"

ہالینڈ اور بلجیم

یورپ میں جنگ کے قرائن جس قدر زیادہ قوی ہوتے گئے اسی قدر بلجیم اور شیلٹ کا اُن کے ہمسایوں کو زیادہ خیال ہوتا گیا کہ دیکھئے انھیں جنگ میں کیا حصہ لینے پر مجبور ہونا پڑے۔ ۱۹۱۱ء کے اوائل ہی میں ٹائمز نے فلشنگ کے جنگی استحکامات کے موضوع پر ایک سلسلۂ مضامین شائع کیا جس میں اس جرمن منصوبے کا کہ ہالینڈ سے فرانس و برطانیہ کے خلاف کام لیا جائے، سراغ لگایا تھا۔ حکومتِ فرانس کو بھی وثوق تھا کہ استحکامات کا ارادہ جرمنوں ہی کے اشارے سے کیا گیا ہے۔ غرض، ہالینڈ کی حکومت کو دباؤ ماننا پڑا حالانکہ اُس کے شیلٹ کے دہانے پر قلعہ بندی کرنے کے حق میں کوئی کلام نہ تھا۔ مگر اب لوگوں کے اعتراضات اور اندیشوں کی بنا پر ساحلی دفاع کا نقشہ ملتوی کر دیا گیا۔ اور پھر اُس میں اتنی تخفیف کی کہ بے حقیقت ہو کے رہ گیا۔ اپریل ۱۹۱۲ء میں برطانوی فوجی اتاچی کرنل بریجز نے بلجیم کے فوجی سردار جنرل جنگ بلتھ سے گفتگو کی اور اس کے دوران میں جبالی اشتراکِ عمل کی فنی جزئیات کے متعلق ۱۹۰۶ء کے مباحث کو تازہ کیا۔ لیکن جنرل نے جو کیفیت لکھ کر پیش کی اُس کی بنا پر حکومتِ بلجیم نے گفتگو جاری رکھنے کی کوئی کارروائی نہیں کی کسی قسم کا عہد و پیمان نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے گفتگو کی بھی نوبت نہیں آئی حتیٰ کہ ۱۹۱۲ء میں جنگ بلتھ کو برطانی جنگِ مصنوعی میں شرکت کی دعوت دی گئی تو اسے بھی مسترد کر دیا گیا کہ کہیں اس کے جانے سے لوگوں میں سے کسی اتحاد وغیرہ کی افواہ نہ پھیل جائے۔

نگرل کر کام نہ کرنے کے باوجود، اپنی اپنی جگہ دونوں مُلک آنے والے طوفان کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ بلجیم نے ۱۹۱۳ء میں جبری خدمت کا آغاز کیا اور اور برطانی محکمۂ جنگ کی ہدایت کے موافق بلجیم کی سڑکوں اور ریلوں کی نہایت تفصیل کے ساتھ پیمائش شروع کی گئی۔ کیونکہ مغرب میں جنگی ماہروں کو عام طور پر یقین تھا کہ آیندہ جنگ میں جرمانیہ، بلجیم کے مُلک سے جبراً راستہ نکالنا چاہے گی۔

(۲)

سنہ ۱۹۰۲ء کا آغاز ہوا تو مشرقی اُفق پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے[۱]۔ اہرنتھل کی وفات پر عام طور پر تاسف ہوا جو کسی زمانے میں سیاسیات یورپ کے طوفان کا بادنما تھا اور شعلہ خو کونرڈ وان ھوٹ زن ڈورف نیز اپنے باتمکین کاؤنٹ برختولڈ کے مقابلے میں جو نااہل اور رمندی تھا، امن وصلح کی حمایت میں سرگرم رہا تھا۔ آسٹریہ اور ممالکِ بلقان کے پایۂ تختوں سے پریشان کُن خبریں لندن و پیرس پہنچیں اور ۲۵ ۔ اپریل کی ملاقات میں فرانسس جوزف نے فرانسیسی سفیر سے خیال ظاہر کیا کہ گزشتہ آٹھ مہینے میں امن کہیں زیادہ مخدوش ہو گیا ہے۔ اس کا قیاس بالکل بجا تھا کیونکہ دُنیا کی بلا اطلاع ممالکِ بلقان کا ایک جتھا بنانے کی ہنڈیا پک رہی تھی جس کا معیّن مقصد ہی یہ تھا کہ ترکی پر حملہ کر کے اُسے آپس میں بانٹ لیا جائے۔

سرویہ وبلغاریہ بوسینہ کے قضیے کے وقت سے آسٹریہ کے خلاف سرویہ کا دل کھول رہا تھا اور آسٹریہ کا اپنی اسلافی رعایا کے ساتھ

---

[۱] ملاحظہ ہو آسٹریہ کی کتابِ احمر۔ فرانس کی کتابِ اصفر کونرڈ وغیرہ وغیرہ سیسٹین واٹسن: "دی رائز اوف نیشنیلٹی ان دی بالکنز" جی ینگ: "نیشنلزم اینڈ واران دی نیئر ایسٹ" کرافورڈ پرائس: دی بالکن کوک پٹ، "ریپورٹ اوف دی کارنیگی کمیشن اون دی کازز اینڈ کنڈکٹ اوف دی بالکن وارز" گیوسے شوف: "دی بالکن لیگ" (بلغاریہ کے نقطۂ نظر سے) بالسکانی کوسس: "دی ایس پی ریلیشنز اوف بلگاریہ" (سربی نقطۂ نظر سے) وغیرہ وغیرہ۔

طرز عمل دیکھ کر اُس نے اور بھی پیچ و تاب کھایا اور بلغاریہ سے دوستی کی ناکام کوشش کی لیکن دو سال بعد بلغاریہ کے متلوّن مزاج بادشاہ فرڈی نینڈ کو یقین ہوگیا کہ بغیر سرویہ کی امداد کے اُس کی ہوس ملک و مال پوری نہیں ہوسکتی۔ خود روس پرست وزیر اعظم گوئے شوف کو اعتراف ہے کہ اتحادِ بلقان کا وہ مسودہ اسی (وزیر) نے تصنیف کیا جس کے ذریعے پہلے ترکی اور پھر آسٹریہ پر ضرب لگانی مقصود تھی۔ اس کا بیان ہے کہ ترکی سے اچھے تعلقات کی مجھے جو امید تھی وہ نوجوان ترکوں کی مقدونیہ میں استیصالی حکمتِ عملی دیکھ کر خاک میں مل گئی لہذا مجھے چار و ناچار سرویہ سے میل کرنا پڑا۔ شاہی استمزاج و رضامندی حاصل کرکے وہ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں بلگریڈ آیا جہاں اُسے اہل سرویہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پھر مہینوں کی حیص بیص کے بعد، جس میں روس کے بارسوخ سفیرِ بلگریڈ ہارٹ وِگ نے بہت نمایاں اور سفیر صوفیہ نکلودوف نے ثانوی درجے کا حصّہ لیا، مارچ ۱۹۱۲ء میں ایک عہد نامے پر دستخط ہوگئے۔ اس میں دونوں ملکوں کی آزادی وصیانت کا ذمّہ لے کے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر کسی بڑی طاقت نے ترکی سلطنت کے کسی بلقانی علاقے کا الحاق یا قبضہ کرنا چاہا، تو متعاہدین ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس دفاعی قرارداد کے ساتھ ایک خفیہ ضمیمہ بھی تھا جس میں روس کی منظوری کے ماتحت اور سلطنتِ عثمانیہ کے اندر ہنگامہ یا جنگ کا خطرہ پیدا ہونے کی صورت میں، ترکی کے خلاف مل کر لڑنے کا انتظام تھا۔ ملکی تقسیم کی تعیین بھی کر لی گئی تھی اور وسطی مقدونیہ کے ٹکڑے پر جو نزاع تھی، اس کا فیصلہ زار کی رائے پر چھوڑ دیا تھا۔ اتحادیوں کے سب جھگڑے چکانے کا کام بھی اُسی کے تفویض تھا۔ مہینہ بھر بعد ایک اور فوجی عہد نامے پر دستخط ہوئے جس میں ترکی، رومانیہ اور آسٹریہ کے حملہ آور ہونے کی صورت میں، نیز خود ترکی پر حملہ کرنے کے متعلق باہمی امداد کی شرائط مقرر کی گئیں۔ عہد نامے کی ایک نقل سوبرانجہ کا صدر نشین ڈینیف زار کے پاس بمقامِ لِواڈیا اور پیٹروگراڈ میں سازونوف کے پاس بھی خود دے کر گیا اور یہ بھی اشارہ کیا کہ بلغاریہ حملہ کرنے کے لئے صرف موقع کی تاک میں ہے۔ سازونوف نے احتیاط کی صلاح دی

اور صاف کہہ دیا کہ مقدونیہ میں عملی مداخلت کو روس پسند نہیں کرے گا۔
ادھر یونان نے بھی بہت دن پہلے یعنی اپریل ۱۹۱۱ء میں بلغاریہ سے دفاعی اتحاد کی

یونان اور جبل اسود

تحریک کی تھی۔ بتاریخ ۲۹ مئی ۱۹۱۲ء اس کے ساتھ بھی ایک دفاعی عہد نامے پر دستخط ہو گئے جس کی تیاری میں اخبار ٹائمز کے خاص معتمد علیہ اور مشرق ادنیٰ کے نامہ نگار، بورشئے نے بہت سرگرمی سے حصّہ لیا۔ ۱۸۹۱ء میں یونانی وزیر ٹری کوپیس نے جو خواب دیکھا تھا، بالآخر وینی زیلوس کے زمانے میں حیّز عمل میں آگیا جو ۱۹۱۰ء ہی میں کریت سے بلا لیا گیا تھا کہ مادر وطن میں اصلاحات نافذ کرے۔ معاہدۂ مذکور کے بعد ہی ستمبر ۱۹۱۲ء میں ایک جنگی عہد نامہ بھی ہو گیا مگر مقدونیہ کی آیندہ حدود کے متعلق کوئی قرار داد نہ ہو سکی۔ جبل اسود کی حکومت سے اگست میں زبانی مفاہمت کر لی گئی۔ باوجود ان جنگی تیاریوں کے فرڈی نینڈ وی آنا اور استنبول میں امن و صلح کی باتیں بنانے سے باز نہ آیا۔

فرانس کے وزیر اعظم پوانکارے کو بتاریخ یکم اپریل بلغاری و سروی میثاق کی اطلاع ملی کہ وہ دفاع اور سیاسی تقسیم کو علیٰ حالہ رکھنے کی غرض سے کیا گیا ہے اور دونوں ریاستوں نے اپنے آپ کو پابند بنا لیا ہے کہ روس کی صلاح کے بغیر وہ کوئی کارروائی نہ کریں گی۔ پوانکارے نے شکوہ کیا کہ یہ میثاق فرانس سے مشورہ لئے بغیر مرتّب کر لیا گیا ہے اور بلغاریہ کو اس وقت تک قرضہ دلوانے سے انکار کر دیا جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ روس کی نیّت اور اصلی ارادے کیا ہیں؟ نظر بر ایں قرار پایا کہ خود پوانکارے پٹروگریڈ جائے اور بلقان کے متعلق صحیح صحیح حالات معلوم کرے۔ ان ہی دنوں روس و فرانس کے بھی ایک بحری معاہدے پر پیرس میں دستخط ہوئے اور اس کے چند روز بعد اوائل اگست میں پوانکارے پائے تخت روس میں پہنچ گیا۔ یہاں دوبارہ اُس نے حیرت ظاہر کی کہ جس وقت بلغاری و سروی عہد نامے پر گفتگو ہو رہی تھی، اس وقت ہمیں خبر تک نہ دی گئی اور جب ساز و نوف نے اصل عبارت دکھائی تو وہ ششدر رہ گیا۔ اس ملاقات کی جو کیفیت اُس نے لکھ کر بھیجی اس میں تحریر کرتا ہے کہ "اس میں

نہ صرف ترکی بلکہ آسٹریہ کے ساتھ بھی جنگ کا تخم موجود ہے۔ دوسرے اس سے روس کو تمام اسلافی ممالک کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے کیونکہ قرار پایا ہے کہ روس یہاں کے تمام معاملات میں حَکَم ہوگا۔ میں نے سازونوف سے کہہ دیا کہ اس عہد نامے کی نوعیت ویسی نہیں ہے جیسی کہ مجھ سے بیان کی گئی تھی بلکہ حقیقت میں یہ ایک " عہد نامۂ جنگ " ہے جس سے سرویہ اور بلغاریہ کی ہوس منکشف ہی نہیں ہوتی بلکہ اُس کو تقویت پہنچتی ہے "۔

پوائنکارے کا خوف

وزیرِ اعظم یہی تشویش انگیز افکار لئے ہوئے وطن واپس آیا۔ لیکن اس کے برعکس، سازونوف کو اُس کی ملاقات سے نہایت خوشی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ " میں پوائنکارے سے مل کر نہایت مسرور رہوا کیونکہ وہ فرانس کا پکا دوست اور غیر معمولی سیاسی فراست اور اٹل ارادے کا شخص ہے بین الاقوامی تعلقات میں نازک موقع آیا تو یہ عین حسبِ مُراد ہوگا کہ ہمارے حلیف کی حکومت پوائنکارے یا ایسے ہی کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ہو جو اس سے کم باہمت نہ ہو اور اُسی کی طرح ذمّہ داری لینے سے ذرا نہ جھجکے " شارلکوف کی سلسلہ جنبانی کے ناکام رہنے کے بعد سے روس پھر اُسی منصوبے کی طرف رجوع ہوگیا تھا کہ ترکی کے مقابلے میں بلقانی جتھا تیار کیا جائے اور اس حکمتِ عملی میں جو خطرے تھے اُنھیں مول لینے کے لئے تیار تھا۔

وزیرِ اعظم فرانس پٹروگریڈ ہی میں تھا جب کہ آسٹریہ کے عامل سفارت خانہ نے فرانس کے وزیرِ خارجہ کو خبر دی کہ میری حکومت بلقان کی نسبت متفکر ہے اور دریافت کرنا چاہتی ہے کہ آیا دولِ عظمیٰ مل کر ترکی سے سفارش کریں گے کہ وہ اپنی سلطنت میں تدریجی لامرکزیت اختیار کرے جس سے مسیحی قوموں کو وہ اطمینان میسر آجائے جس کی وہ مستحق ہیں اور دوسری طرف بلقانی ریاستوں سے اصرار کیا جائے کہ وہ دول کی ان مساعی کے بار آور ہونے کا صبر و سکون سے انتظار کریں" پوائنکارے آسٹریہ کی اس تحریک سے بہت خوش ہوا کہ یہ آسٹریہ کے " دولِ مجتمعہ " میں دوبارہ شریک ہوجانے کے آثار تھے اور اُس نے سازونوف کو ترغیب دے کے اُسے قبول کرالیا۔ دوسری طاقتوں نے بھی تقلید کی۔ لیکن

برختولڈ کو تو ظاہرا اپنی تجویز پر عمل کرنے کی کوئی جلدی نہ تھی اور واقعات کی رفتار اتنی تیز تھی کہ وہ اس کا ساتھ نہ دے سکا بلکہ پیچھے پڑا رہ گیا۔ البانیہ میں اصلاح کے ترکی مواعید نے سرویہ اور بلغاریہ والوں کو تغافل کی شکایت کا موقع دیا بلکہ جبل اسود والوں نے فوج جمع کرنی شروع کر دی۔ ساز ونوف کی حکمت عملی اس مناقشے اور مجادلے کو بہت کچھ بھڑکانے کا باعث ہوئی تھی لیکن جب آگ واقع میں بھڑکتی نظر آئی تو منھ چھپانے لگا اور اپنے حلیف سے درخواست کی کہ قیام امن کی غرض سے سوفیہ والوں کو تنبیہ کرے جہاں سب سے زیادہ خطرہ دکھائی دیتا تھا۔ پوانکارے نے اس سے بھی ایک قدم بڑھ کر، بلغاریہ کو مطلع کیا کہ فرانس سے قرض دئے جانے کا مسئلہ ملتوی کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی آستنبول اور قسطنطنیہ سے تاکید کی کہ سرحدوں سے اپنی فوجیں ہٹالیں۔ اس پر برختولڈ نے فرانس کا شکریہ ادا کیا اور سلطان المعظم سے یہ عرض کرنے کی تجویز کی کہ اہل البانیہ سے جن مراعات کا وعدہ کیا گیا ہے، بلقان کی دوسری قوموں کو بھی ان میں شریک کیا جائے۔

وسط ستمبر میں ساز ونوف نے بہت سے مقامات کا گشت شروع کیا

دول کا مشورہ

اور پہلے برلن آیا جہاں اس نے اصرار کیا کہ دول مل کر جنگ کو اگر نہ روک سکیں تو کم سے کم اسے محدود اور مقامی بنادیں۔ جس وقت بلقان کی سب بڑی ریاستوں نے بھی جبل اسود کی طرح لشکر آرائی شروع کی تو جرمن صدر اعظم اور کیڈرلین واخٹر نے خیال ظاہر کیا کہ دول ملکی تقسیم کی منظوری نہ دیں اور وعدہ کیا کہ اگر روس ملکی تقسیم کے علیٰ حالہ رکھنے کا اعلان کر دینا تجویز کرے تو ہم آسٹریہ کو ہم آہنگ بنادیں گے۔ پیرس آکے ساز ونوف نے بلقانی ریاستوں کو آسٹریہ کے ساتھ یا دول کی جانب سے یہ اطلاع دینے پر آمادگی ظاہر کی کہ دول یورپ لڑائی کی اجازت نہیں دے سکتیں اور تلی ہوئی ہیں کہ ملکی تقسیم میں کوئی فرق نہ آنے دیں گی۔ البتہ آخر میں اس نے یہ اور لکھا کہ یہ کوشش بے سود ہوگی تاوقتیکہ دول اقوام بلقان کے اصلاح حال کی موید نہ ہوں۔ پھر ہفتوں کے بحث مباحثے کے بعد ساتویں اکتوبر کو دول رضامند ہوگئیں کہ

روس و آسٹریہ ممالک بلقان کو مطلع کر دیں کہ دول عظمیٰ ہر ایسی کارروائی کی جو قطع تعلق کا موجب ہو مخالفت کریں گی۔ وہ اصلاحات کو خود اپنے ہاتھ میں لینے پر آمادہ ہیں اور جنگ سے ملکی تقسیم میں کوئی فرق پڑے تو اُسے ہرگز جائز نہ رکھیں گی۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور ۸۔ اکتوبر کے دن جبل اسود نے اپنے قدیم دشمنوں پر حملہ کر کے آغازِ جنگ کا اشارہ کر دیا تھا۔

ہر چند ترکی نے اطالیہ سے فوراً صلح کر لی اور اُس کی آبادی اپنے چاروں دشمنوں کی مجموعی آبادی سے دوگنی تھی، بایں ہمہ اس کی فوجیں ان کے بیتابانہ حملے کے سامنے نہ ٹھہر سکیں۔ ۲۲۔ اکتوبر کو بلغاریہ نے قرق کلیسا (علاقۂ تھریس) اور ۲۶ کو سرویہ والوں نے کمانودو (علاقۂ مقدونیہ) میں فتح پائی۔ ۸۔ نومبر کے دن یونانی سلانیک میں داخل ہو گئے۔ روس کی ہمدردی شروع سے ظاہر تھی اور گو ابتدائی معرکوں کے بعد سازونوف نے دول کو مداخلت کی صلاح دینی شروع

بلقانی جتھے کی کامیابی

کر دی تھی لیکن بتاریخ ۲۔ نومبر اُس نے اپنے بیرونی سفیروں کو تار دے دیا کہ مفتوحہ علاقے بحق قبضہ اتحادیوں کو ملنے چاہئیں اور اور باہمی رضامندی سے ان کی تقسیم ہو جانی چاہیئے۔ برطانیہ کی رائے عامہ قریب قریب بالاتفاق عیسائی ریاستوں کی حامی تھی اور وزیرِ اعظم نے جب نویں نومبر کی گلڈ ہال کی تقریر میں اعلان کیا کہ دول بدیہی واقعات کو تسلیم کرتی ہیں اور اتحادیوں کی فتح کی بنا پر ملکی تقسیم میں جو تبدیلیاں عمل میں آئیں، اُن کی مخالفت نہ کریں گی، تو یہ حقیقت میں پوری انگریز قوم کی آواز تھی۔ برخلاف اس کے وسطی سلطنتوں کو ان فتوحات سے کدورت آمیز حیرانی ہوئی، جنھوں نے سرویہ کو ایڈریاٹک تک پہنچا دیا اور جن سے بلغاریہ کی زد استنبول پر پڑنے لگی۔ سفیرِ بلجیم نے اُس روز کیڈرلین کے ساتھ کھانا کھایا اور دیکھا کہ وہ قرق کلیسا کی خبر سے ہکا بکا رہ گیا ہے۔ ادھر آسٹریہ نے سرویہ کی سرحد پر ایک لاکھ فوج جمع کر دی۔

خوش قسمتی سے جرمن حکومت امن قائم رکھنے پر تلی ہوئی تھی۔ بیٹ مین ہولویگ لکھتا ہے کہ "قیصر محاربات بلقان کے دوران میں نہایت احتیاط سے کام کرتا رہا۔ اور نومبر میں اُس نے مجھ سے کہا کہ البانیہ کی خاطر میں

پیرس یا وارسا پر چڑھائی نہیں کروں گا[1]۔ وی آنا چوہم دباؤ ڈالنے کی ضرورت تھی مگر اسی کے ساتھ ہم نے یہ بات ذرا بھی شبہ میں نہیں چھوڑی تھی کہ ہمارے حلیف پر حملہ ہوا تو ہم اُس کی لامحالہ مدد کریں گے"۔ اسی طرح فرانس طالبِ امن تھا مگر وفاداری میں پیچھے نہ رہا اور پوانکارے نے ازوولسکی کو اطمینان دلایا کہ اگر آسٹریہ نے روس کے خلاف اعلانِ جنگ کیا اور جرمانیہ نے اُسے مدد دی تو فرانس اپنا فرض پورا کرے گا"۔ لیکن اس اثنا میں اُس نے دُول سے مجلسِ مشاورہ منعقد کرنے کی گفتگو کی جو حالیہ صورت کے مطابق کام کر سکے"۔

ممالکِ بلقان کی اتنی جلد کامیابی اور بتاریخ ۳ رنومبر ترکی کے دُول سے مداخلت کی درخواست نے بلقانی جتھے کے حامیوں کو ذرا دشواری میں مبتلا کر دیا۔ سازونوف نے بلغاریہ کو خبردار کیا کہ اگر اُس کی فوج نے استنبول میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو میں بحرِ اسود کے بیڑے کو حکم دوں گا کہ باسفورس پہنچ جائے۔ سر ایڈورڈ گرے نے امید ظاہر کی کہ خطِ شتلجہ قائم رہے گا اور آخر میں یہ بھی کہا کہ اگر ترک اپنے پایۂ تخت سے نکال دئے گئے تو اسے بین الاقوامی بنا لیا جائے گا۔ لیکن یہ اندیشہ مندیاں بہت جلد کافور ہو گئیں۔ بلغاری سیلاب کا زور شتلجہ کے سنگین بند تک پہنچ کے ختم ہو گیا۔ البتہ سرویہ کی فتوحات اور البانیہ کے سرویہ اور دُرازو پہاڑوں کو طے کرکے ساحل تک بڑھے جانے سے ایک نازک تر مسئلہ پیدا ہو گیا۔ بتاریخ ۸ رنومبر سازونوف نے اطالیہ سے استدعا کی کہ وہ آسٹریہ پر زور ڈالے کہ سرویہ کو ایک بندرگاہ لے لینے دے کیونکہ بغیر اس کے دیرپا صلح غیر ممکن ہوگی۔ لیکن حکومتِ اطالیہ پہلے سے وی آنا کے ساتھ معاہدہ کرکے پابند ہو چکی تھی کہ البانیہ کی صیانت کا احترام کرے گی اور آسٹریہ کی طرح خود بھی اڈریاٹک میں کسی نئے رقیب کا حصہ دار ہونا نہ چاہتی تھی۔ غرض جنگِ بلقان کے

[1] جب نومبر میں فرینز فرڈی نینڈ برلن آیا تو اُس نے بیان کیا کہ آسٹریہ کسی مزید رعایت پر آمادہ نہ ہوگا۔ جس کے جواب میں قیصر نے اپنے مہمان کو اسٹیشن پر رخصت کرتے وقت تنبیہاً کہا (Kein Dummeiten) یعنی اس معاملے میں لاڈ کی حرکت نہ کرنا"۔

ایک مہینے کے اندر دولِ یورپ کے دونوں سیاسی گروہوں میں جو تفریق تھی، وہ نمایاں ہوگئی۔ ۹ر نومبر کے تار میں ساز ونوف نے ہارٹ وِگ کو لکھا کہ "ہم اور فرانس وانگلستان سرویہ کے دعوے کی تائید پر آمادہ ہیں۔ اتحادِ ثلاثہ مخالفت کرتا ہے۔ لیکن سرویہ کا دُرازو پر فوج بھیجنا، احتیاط کے خلاف اور اپنے حامی کے لئے دشواری کا موجب ہے۔ اُسے معاشی آزادی کی آرزو ہے جو صرف اڈریاٹک پر مل سکتی ہے مگر یہ غرض ریل کا سلسلہ بن جانے سے بھی اُسی طرح حاصل ہو سکتی ہے جس طرح مُلک پر قبضہ کرکے راستہ بنانے سے بندرگاہ کے معاملے میں وہ دَب جائے تو جنوب کی طرف یا البانیہ میں آسانی سے پھیل سکتی ہے۔ دُرازو کے واسطے ہم جنگ نہیں کریں گے" سر ایڈورڈ گرے کو بھی پورا الیقین ہوگیا تھا کہ سرویہ کی نگرانی میں ریل کا بن جانا البانیہ اور سرویہ دونوں کے حق میں نہایت مفید ہوگا لہذا اُس نے بلگریڈ کو اعتدال کی تاکید کی؛ غنیمت ہی ہوا کہ روس نے اس قدر احتیاط سے کام لیا ورنہ وی آنا کے بلند عہدوں پر بعض لوگ جنگ کے لئے بیچین تھے؛ بتاریخ ۲۳ر نومبر فرینز فرڈی نینڈ نے اپنے ماموں کو یقین دلانا چاہا کہ عملی کارروائی کے بغیر چارہ نہیں۔ اور آتش خو کونرڈ نے زور[1] دیا کہ سنجک پر قبضہ کرکے سروی فوج کو البانیہ سے نکال باہر کیا جائے۔ شہنشاہ نے ایسی تمام تجویزوں کو مسترد کردیا اور اعتدال پسندوں کو بیٹ مین ہولویگ کے اس قول سے (جو اتحادِ ثلاثہ کی تجدید کے اعلان کے سلسلے میں اُس نے کہا تھا) مزید تقویت پہنچی کہ جرمانیہ صرف اُس جنگ میں شریک ہوگی جس میں ہمارا حلیف دراز دستی کا شکار ہو؛

مشاورۃ کی ضرورت

آتش جنگ کو مشتعل ہونے سے روکنے میں پوانکارے سے بڑھ کر کوشش کسی نے نہیں کی۔ اور جب اُسے اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اُس نے تہیّہ کرلیا کہ اُسے محدود کردیا جائے۔ ازودلسکی نے ۲۶ر نومبر کو کیفیت لکھی کہ "وہ کہتا ہے کہ میں تو بہت پہلے

---

[1] آسٹریہ کے دارالحکومت میں اُس وقت جو گڑبڑ اور بے احتیاطی ہو رہی تھی اُس کی تصویر سنز لاسی نے اپنی کتاب "Der untergang..." میں کھینچی ہے؛

یعنی ۵ ار نومبر سے سفیروں کی مجلس مشارۃ کی تجویز کر رہا ہوں اور لندن، برلن اور وی آنا سے کئی بار یہ خیال ظاہر کر چکا ہوں۔ جرمانیہ اور آسٹریہ نے جواب دیا تھا کہ مجلس کی کارروائی کے متعلق فیصلہ ہو جائے تو ہم شرکت کر سکیں گے لیکن پوانکارے کو پیش قدمی کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے کہ یہ ابتدائی مباحث بھی غالباً پیرس میں طے ہوں گے۔ نظر برایں وہ آپ سے دریافت کرتا ہے کہ آیا آپ کے نزدیک گرے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے گا؟" دو دن بعد بن کن ڈورف نے اطلاع دی کہ سر ایڈورڈ آمادہ ہے مگر معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آسٹریہ کی بھی مرضی ہے؟ سر ایڈورڈ نے روس کے سفیر سے کہا تھا کہ انگلستان و جرمانیہ کی بلقان میں سب سے کم اغراض وابستہ ہیں لہذا وہ سب سے زیادہ امن کے خواہشمند ہیں کہ لڑائی چھڑی تو پھر غالباً ان کو بھی خواہی نخواہی الجھنا پڑے گا۔ واقع میں سر ایڈورڈ کو مجوزہ راستہ صاف کر دینے کا اس قدر خیال تھا کہ اُس نے روس کو آمادہ کیا کہ سرویہ اور جبل اسود کو سنجک پر قناعت کرنے اور ایڈریاٹک سے لادعوی ہونے کی ترغیب دے۔ لیکن اس میں سر ایڈورڈ کو کامیابی نہ ہوئی۔ روس کی حکمت عملی کی سازونوف کے مراسلۂ مورخۂ ۹ ر دسمبر میں اس طرح صراحت کی گئی تھی کہ: "ہمارا مدعا سرویہ کی معاشی اور سیاسی آزادی ہے۔ اسے البانیہ کے راستے ساحل تک براہِ راست آمد و رفت کا موقع اور یہ اجازت حاصل ہونی ضروری ہے کہ اس کا مال جس میں گولہ بارود بھی شامل ہے، بلا روک ٹوک آجا سکے گا۔ البانیہ کی حدود کا تعین اس پر مبنی ہے کہ آسٹریہ سرویہ کے واجبی دعاوی ماننے کے لئے کس حد تک تیار ہے" سر ایڈورڈ نے اسے بہت پسند کیا اور گو آسٹریہ کے سفیر نے پٹرو گریڈ میں بیان کیا کہ آسٹریہ کے لئے ایڈریاٹک ایسا ہی ہے جیسا کہ بحر اسود روس کے لئے، تاہم اپنے حلیفوں کی صلاح مشورے سے آسٹریہ مجلس مشاورۃ میں شرکت پر اس شرط کے ساتھ آمادہ ہو گئی کہ سرویہ کے ایڈریاٹک پر مستقل قبضے کا کوئی سوال نہ اٹھایا جائے۔ یہ طے ہو گیا تو سرویہ نے دول کا فیصلہ مان لینے کا اقرار کر لیا۔

مجلس کے پیش نظر کام

ان خطرناک امکانات نے برطانیہ پر ایک خاص ذمہ داری عائد کردی اور اُس نے بھی سفیروں کی مجلس مشاورت میں جو دسمبر سے کئی ماہ آگے تک لندن میں اجلاس کرتی رہی ثابت کیا کہ وہ اپنی ذمہ داری کا پورا احساس رکھتی ہے۔ مجلس کے صدر نشین کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ روس و آسٹریہ کو آپس میں لڑنے سے روکے رکھے کہ ان دونوں نے جزوی اجتماعِ افواج بھی کرلیا تھا۔ دسمبر سے مارچ تک جنگ کا خطرہ شدید رہا[1] پہلا قضیہ جنوری میں پیش آیا جب کہ روس نے سرحدِ قفقاز پر فوج جمع کی اور ترکی کو اطلاع دی کہ اگر بلقان کی جنگ دوبارہ چھڑ گئی تو ہم غیر جانبداری کا وعدہ نہیں کرسکتے۔ جرمانیہ نے روس کو لکھ بھیجا کہ ترکی پر حملہ ہوا تو امنِ یورپ کی خیر نہ ہوگی۔ روس پیچھے ہٹ گیا اور فرانسس یوزف نے شہزادہ ہوہن لوہی کو اپنے قلم سے خط لکھ کر زار کے پاس روانہ کیا جس کا پیرایہ نہایت صلح و آشتی کا تھا اور زار سے قیامِ امن کی التجا کی گئی تھی[2] دوسرا جھگڑا اُس وقت پیدا ہوا جب کہ نکولاس (رئیسِ جبلِ اسود) نے دُول کے فیصلے کی کہ سقوطری البانیہ کو دیا جائے، پروا نہیں کی اور اس بستی کا محاصرہ جاری رکھا اور جب شہر والوں نے اطاعت قبول کرلی تو صرف بحری مظاہرے کے زور سے نکولاس کو وہاں سے ہٹنا پڑا[3] اس موقع پر لڑائی ایسی سر پر تُل گئی تھی کہ جرمانیہ نے فوج جمع کرنے کی تیاری کی۔ سرویہ کو ایڈریاٹک پر بندرگاہ دینے سے اہلِ آسٹریہ اور اطالیہ انکار کرچکے تھے، اس پر جبلِ اسود کی یہ تذلیل مستزاد ہوئی جس سے پٹرو گریڈ نے سخت پیچ و تاب کھایا۔ بارے البانیہ کے بعض دیہات سرویہ کو دینے سے کسی قدر اشک شوئی ہوگئی؛ لندن و برلن اوّل سے آخر تک کامل ہم آہنگی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ اور

---

[1] دیکھو ویلن ٹاٹن .. Dentschlands، ۱۱۷ - ۱۱۹ -

[2] ملاحظہ ہو خط لالوے کی کتاب "سیکرٹ ڈوک یومینٹس" میں صفحہ ۱۱۷ -

[3] دیکھو مس ڈرہیم : "دی اسٹرگل فور اسکوٹری" ۲

سر ایڈورڈ گرے نے امن قائم رکھنے میں جو کام کیا اُس کی جاگاو اور بیٹ مین ہولویگ نے علانیہ گرمجوشی سے داد دی۔"

امنِ عالم کے حق میں مجلس مشاورۃ کا انعقاد اچھا ہی ہوا۔ کیونکہ جنگ سب کی توقع کے خلاف طول کھینچ گئی۔ متخاصمین کے نائب دسمبر میں بمقام لندن جمع ہوئے اور ایک معاہدہ مرتّب کیا جس کی استنبول نے بلا تاخیر تکذیب کر دی جہاں ۲۴ جنوری کو انور بے نے جبراً حکومت کا تختہ اُلٹ دیا تھا۔

جنگ کی تجدید

جنگ کی دوسری منزل میں، جو ۳ فروری سے شروع ہوئی بلغاریہ اور سرویہ کے متحدہ حملے نے ادرنہ کو اور یونانیوں نے یانینہ کو لے لیا۔ مگر فتحمند حلیفوں میں کھلی ہوئی عداوت موجود تھی کہ سرویہ ۱۹۱۲ء کے عہدنامۂ تقسیم ممالک کی ترمیم چاہتی تھی اور یونان اس کا موید تھا۔ آیندہ کشمکش کی تیاری کے واسطے بلغاریہ نے بتاریخ ۱۶ اپریل ترکی سے ہنگامی صلح کر لی اور ارباب سفارت پھر لندن میں جمع ہوئے۔ صلح نامے کا مسودہ مئی میں لکھ لیا گیا لیکن گفتگو کی رفتار اتنی سست تھی کہ ۲۸ مئی کو سر ایڈورڈ نے دخل دیا اور کہا کہ "جو لوگ مقدمۂ معاہدہ پر بلا ترمیم دستخط کرنے پر آمادہ ہیں وہ بلا تاخیر دستخط کر دیں اور جو اس پر مائل نہیں، بہتر ہوگا کہ وہ لندن سے رخصت ہو جائیں۔" دو دن بعد تمام وکلا نے دستخط کر دئے۔ سلانیک، جنوبی مقدونیہ اور کریت یونان کو ملا، وسطی اور شمالی مقدونیہ سرویہ کے حصّے میں آیا۔ بلغاریہ نے تھریس اور ساحل ایجین حاصل کیا مگر اُسے سلستریا رومانیہ کے حوالے کرنی پڑی۔ یورپی ترکی میں ایک چپّہ بھر مشرقی تھریس کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ لیکن فتحمند اتحادی زار کی کوشش و کاوش کے باوجود لوٹ کی تقسیم پر باہم اُلجھنے لگے۔ سرویہ اور یونان کی اغراض ایک تھیں، اُنھوں نے آپس میں اتحاد کر لیا اور ادھر ۲۹ جون کے دن شاہ فرڈی نینڈ کے تحریری حکم بنام جنرل سیودف کی بنا پر بلغاریہ والوں نے دغابازی سے اہل سرویہ پر مقدونیہ میں حملہ کر دیا۔ وزیر اعظم ڈینیف کو اس حکم کی

مطلق خبر نہ ہونے پائی۔ دوسرے بلغاریہ کی جنوبی فوج سلانیک پر جھپٹ پڑی[1]۔ بلغاری مجلس وزرا نے سنتے ہی فوجوں کو واپسی کا حکم دیا لیکن وقت ہاتھ سے جا چکا تھا۔ سرویہ اور یونان کی فوج کشی کو رومانیہ سے کمک ملی کہ رومانی سپاہ نے ڈینیوب کو عبور کیا کیونکہ شاہ کارول نے ٹھان لی تھی کہ بلغاریہ کو بلقان کی سیادت نہ لینے دے گا۔ اور ادھر برق مزاج انور نے آدرنہ پر بغیر ضرب لگائے دوبارہ قبضہ کرلیا۔ یہ ساری لڑائی اتنی جلد ختم ہوگئی کہ دول کو مل کر کوئی کارروائی کرنے کا وقت ہی نہ ملا اور فتح پانے والوں نے، یعنی رومانیہ، یونان، سرویہ اور جبل اسود نے من مانی شرطوں پر بخارسٹ میں بتاریخ ۱۰ اگست صلح نامہ لکھوا لیا۔ آسٹریہ نے آغاز جولائی میں

اتحادیوں میں پھوٹ

اپنے اتحادیوں سے اصرار کیا تھا کہ سرویہ کو دبانے میں شریک ہوں مگر یہ کوشش نہ چلی تھی اور اسی طرح اب جو تجویز کی کہ مذکورۂ بالا صلح نامہ دول یورپ کے سامنے پیش کیا جائے اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ شاہ کارول نے انکار کردیا اور قیصر نے بھی اس کی تائید کی جس پر کارول نے تار دیا کہ "آپ کی بدولت امن قائم رہے گا" بتاریخ ۱۱ اگست لندن کی مجلس مشاورت نے آخری اجلاس میں البانیہ کی جنوبی حدود معین کردیں لیکن اکتوبر سے پہلے سرویہ نے البانی علاقوں کو جن پر قبضہ کر رکھا تھا، خالی نہیں کیا اور یہ تخلیہ بھی آسٹریہ کی دھمکیوں سے دب کر عمل میں آیا۔ ترکوں سے آدرنہ خالی کرا دینے کے لئے بھی کوششیں کی گئی تھیں مگر یہ ناکام رہیں البتہ ستمبر میں بلغاریہ سے صلح کے بعد باقاعدہ اتحاد کی جو گفتگو شروع ہوئی تھی وہ اطمینان سے دیر تک ہوتی رہی[2]۔

جنگ کے ان دس مہینوں نے نہ صرف بلقان میں، جہاں البانیہ اور جزائر ایجین کے مستقبل کا بھی ہنوز فیصلہ نہ ہوا تھا، بلکہ سیاسیات یورپ کے وسیع تر میدان میں عجیب طرح کا خلفشار پیدا کر دیا۔ زار کی سرپرستی میں بلقانی جتھے کے بننے اور

---

[1] گوسشوف اس رائے پر قائم ہے کہ بلغاریہ نے محض یونان و سروی حملے کی توقع پر پیش قدمی کی تھی۔

[2] ملاحظہ ہو لورست ژرمان "Les affairs Balkaniques" جلد سوم۔ اور بلجیم کے مراسلات شورٹ فیگر کی کتاب "Zur Europaischen Politik" جلد چہارم میں۔

ترکی کو شکست دے دے، سرویہ کی جو بلقان میں روس کی جنگی چوکی بن گئی تھی، دراز دستی دیکھ کر وسطی سلطنتوں کو طرح طرح اندیشے ہونے لگے۔ جرمن افواج میں مراکشی قضیے کی بنا پر ۱۹۱۲ء میں ہی قدرے اضافہ کر دیا گیا تھا، لیکن اب اس میں اتنی بیشی کی گئی کہ جہاں تک معلوم ہے پہلے کبھی عمل میں نہ آئی تھی۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں لڈن ڈورف نے صدر مستقر پر ایک یادداشت مرتب کی جس میں پانچ کروڑ کے محصول عائد کرنے کی ضرورت ثابت کی تھی۔ اس نے یقین دلایا کہ برطانیہ روس و فرانس کے دوش بدوش کھڑی ہوگی بحالیکہ اطالیہ بجز اس کے کوئی کام نہ کرے گی کہ فرانس کی سرحد الپس کی فوج کو بیکار بنائے رکھے۔ روس اپنی جدید فوجی تنظیم کے سلسلے میں پس ماندہ رہ گیا تھا لہذا کچھ عرصے تک اتحاد ثلاثہ کو اس سے جنگ وجدال کا اندیشہ کرنا ضروری نہیں۔ لیکن فوج پر جس طرح بے دریغ وہ روپیہ خرچ کر رہا ہے اس کے لحاظ سے وہ ہر سال قوی تر ہوتا جائے گا" ہمیں واجب ہے کہ ایک سرحد کو، اور وہ فرانسیسی سرحد ہی ہو سکتی ہے، مدافعت کے لئے تیار کریں تاکہ دوسری جانب پیش قدمی کر سکیں۔ فرانس کی فوج کو کھلے میدان میں شکست دینے کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ ہم بلجیم کے راستے فوج کشی کریں جس میں بلجیم کی غیر جانبداری کو توڑنا پڑے گا۔ اس راستے انگریزوں کی فرستادہ فوج سے مقابلہ ہوگا نیز بلجیم کی فوج سے، بجز اس کے کہ ہم اس بارے میں کوئی تصفیہ کر لیں۔ بہرحال فرانس کی قلعہ بند مشرقی سرحد پر سامنے سے حملہ کرنے کی نسبت فوج کشی کی مذکورۂ بالا صورت زیادہ امید افزا نظر آتی ہے" یہ شلیفن کا نقشہ تھا اور اس میں کامیابی کے لئے غیر معمولی جارحانہ قوت کا مہیا ہونا لازم تھا۔

جرمانیہ کی تیاری بتاریخ ۷ر اپریل ۱۹۱۳ء، نئے فوجی قانون کا مسودہ پہلی مرتبہ پڑھ کر سناتے وقت صدر اعظم نے بیشی کی وجوہ بیان کیں کہ محاربات بلقان سے قوت توازن دوسری طرف منتقل ہو گیا ہے اور کہا کہ روس کے جذبۂ اتحاد اسلافیاں کی شدت اور فرانس کی مبارزطلبی کا جوش روز بروز ایسے اندیشہ ناک ہوتے جاتے ہیں کہ اسلافی و تیوتانی کی

ملکر کا سخت خطرہ ہے؛ ہرچند ملک میں جبری خدمت کا قانون نافذ رہا مگر نصف سے کچھ زیادہ جوان بھرتی نہیں کئے جاتے تھے۔ لہٰذا اب زمانۂ امن کی تعداد میں ایک لاکھ ستر ہزار کی بیشی ہوئی۔ محصول سرمایہ داری کی آمدنی سرحدی قلاع کی مضبوطی، توپ خانے کی بیشی اور اسپین ڈاؤ کے ذخیرۂ ذہب کے اضافے کے لئے مخصوص کردی گئی؛ یہ قانون بلا اختلاف منظور ہوا اور محصول بھی بغیر چون وچرا کے ادا کردیا گیا کیونکہ اہلِ جرمانیہ کو اذعان تھا کہ ہماری سلامتی فقط اپنی قوتِ بازو پر منحصر ہے۔ آسٹریہ کو مختلف اقوام کی نااتفاقی نے کمزور کردیا تھا۔ اطالیہ مذبذب حلیف تھی۔ ترکی گھٹ گئی اور سخت زک پا چکی تھی۔ رومانیہ روس کی طرف پھیل رہی تھی اور اُدھر فرانس کی عداوت میں فرق نہ آیا تھا روس کی دشمنی روز افزوں تھی اور برطانیہ کا اُن کی رفاقت میں ثابت قدم رہنا یقینی تھا؛

اہلِ جرمانیہ کو اگر اپنے گرد و پیش کے خطرات کا علم تھا تو اسی کے ساتھ وہ اپنی قوت کا نخوت آمیز احساس بھی رکھتے تھے۔ حکومت کا طرزِ عمل درست رہنے کے باوجود رائے عامہ روز بروز زیادہ مضطرب اور اشتعال پذیر ہوتی جاتی تھی۔ ۱۹۱۳ء کی صد سالگرہ میں فتوحات و جاں بازی کی یاد تازہ ہوگئی اور وطن پرستانہ خطابت کا دریا اُمنڈ پڑا۔ ۸ مارچ کے خط میں وکیل بلجیم بیرن بیئنز نے برلن سے لکھا کہ "قیصر دل سے طالبِ امن وصلح ہے۔ لیکن حکمراں طبقوں کے مزاج کا رنگ بالکل دوسرا ہے۔ انھیں فرانس کی نفرت کے ساتھ جرمانیہ کی عظمت کا مدرسوں میں

جذباتِ جنگجوئی جرمانیہ میں

سبق پڑھایا گیا ہے۔ اس عداوت و غرور کے باعث وہ فرانس کے ساتھ جنگ کو بلائے ناگزیر سمجھنے لگے ہیں، کہ بغیر اس کے وہ بندشیں جن کے ذریعے فرانس جرمانیہ کی ترقی روکنے میں ساعی ہے، نہیں ٹوٹ سکتیں اور ہماری عظمت و فضیلت مسلم نہیں ہوسکتی۔ جب سلطنت کا مدار ہی اتنی زبردست فوج پر ہو کہ اس سے بڑی کبھی سننے میں نہ آئی تھی، تو پھر خواہ مخواہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں قیصر کی امن دوستی کے خیالات طبقۂ اعلیٰ کے جنگی جوش و خروش کو قابو میں رکھنے کے حق میں محض کمزور

ثابت نہ ہوں"

اس عرصے میں "روزمرہ" "واقعات" باہمی شبہے اور ناراضی کی آگ بھڑکاتے رہے۔ ایک زیپلن جس پر تین فوجی سردار سوار تھے، لُنا ویل میں اترا تو فرانس والوں نے سمجھا کہ وہ جاسوسی کے لئے آیا تھا۔ اور نانسی میں چند تجارت پیشہ جرمن سیاحوں کو ستایا گیا تو ریشتاک میں غیظ و غضب کا طوفان برپا ہو گیا جو وہاں کے کوتوال کی برطرفی سے فی الجملہ کسی قدر فرد ہوا۔ بلجیم کے وکیل برلن نے بجا طور پر جرمن رائے کے "عصبی اضطرار کی شدت" کا خاص طور پر معائنہ کیا اور اُسے قیام امن کے حق میں سخت اندیشہ ناک بتایا؛ ہر مشاہدہ کرنے والا اس ہیجان کو دیکھ کر متحیر ہوتا تھا۔ اوٹ فریڈ نولڈ کئی سال بعد مشرق اقصیٰ سے واپس آیا تو یہ بدلا ہوا رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور اپنی کتاب "جرمن جنگ خواہی" میں اُس نے ہموطنوں کے سامنے ان کے حالات کا آئینہ پیش کر دیا۔[1] برن ہارڈی کی کتاب "جرمانیہ اور آیندہ جنگ" منجملہ اور تصانیف کے ایک تھی جس میں نہ صرف جنگ کے قریب آجانے بلکہ حق بجانب ہونے کی منادی تھی۔ جنرل کیم نے ۱۹۱۲ء میں "ڈیوٹشر وہیر وریں" قائم کی جس سے حزب اتحاد جرمانیہ کو مزید قوت پہنچی۔ اور اس جنرل کا قول تھا کہ جنگ ناگزیر ہے۔ یہی صدا جنرل لیبرٹ نے بلند کی کہ "ہوا میں خون کی بو آتی ہے" یہ سیاسیات میں دخل دینے والے فوجی تو ملک کے لئے خطرہ ہو ہی گئے تھے، مگر بہت سے غیر عسکری عمال بھی کچھ اُن سے بہتر نہ تھے۔ میکس میلیئین ہارڈن کی حکومت کی بدنامی پر بڑھتے ہوئے اعتراض، بیریمن کی قومی احرار جماعت سے جوش انگیز التماس اور فتنہ پسند اساتذہ کی تعلیم نے اور بھی خطرے کو بڑھا دیا تھا۔

خود قیصر کے مزاج میں یہ اُن کے احباب اور قریب سے مشاہدہ کرنے والوں کو تغیر نظر آنے لگا۔ بشپ بوئڈ کارپینٹر جون ۱۹۱۳ء میں برلن آیا تھا۔

---

[1] (Deutches) مطبوعہ ۱۹۱۳ء۔ نیز دیکھو ورنے کی کتاب "فرانسہ آن دا نژر" وغیرہ۔ جرمانیہ کی اس زمانے میں ایک دلچسپ سیاسی سیاحت کا حال بوردون نے "لی انجما الیمانده" میں تحریر کیا ہے۔

قیصر کی طبیعت کا رنگ

وہ قیصر کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ نہایت تپاک سے پیش آیا مگر گفتگو کا لب و لہجہ کچھ ایسا تھا کہ مجھے نیا معلوم ہوا۔ ظاہر اوہ بہت اندیشہ مند ہوگیا ہے۔ اُس نے جرمانیہ کے مخدوش محل وقوع کا تذکرہ کیا کہ وہ دو ایسی سلطنتوں کے درمیان ہے جو ممکن ہے کہ دشمنی پر کمر بستہ ہو جائیں۔ جس وقت میں مل کر رخصت ہوا تو مجھے معلوم ہوتا تھا کہ حقیقت میں قیصر پر کسی خاص خوف کا اثر طاری ہے[1] اسی سلسلے میں بیٹ مین ہولویگ نے لکھا ہے کہ "سنہ ۱۹۱۳ء کے آغاز سے وہ اس گروہ بندی کا ذکر کرنے لگا جو کاونٹز کے قائم کردہ اتحاد کی طرح ہمارے خلاف مرتب ہو رہا تھا اور فکر میں تھا کہ ہم پر آپڑے" شاہ ایلبرٹ کے ۵، ۶ نومبر کے ورود پوٹسڈم کے وقت بھی اس کی تشویش ظاہر ہوئی۔ میزبان (= قیصر) نے صاف صاف کہا کہ جنگ سر پر تلی کھڑی ہے اور کسی طرح نہ ٹلے گی کیونکہ فرانس جنگ کا خواہاں اور اس کے لئے سرعت سے مسلح ہو رہا ہے۔ لیکن اُسے اطمینان تھا کہ فتح جرمانیہ کی ہوگی۔ فوجی عمال کے صدر کونٹ مولٹکے نے یہ اور اضافہ کیا کہ جنگ چھڑنے کی صورت میں، ساری قوم کا جوش کہ تاریخی دشمن کو پسپا کر دیا جائے، کامیابی کا یقین دلاتا ہے[2] ان باتوں کی سفیر فرانس کو خبر دے دی گئی۔ اس نے انھیں پیرس لکھ بھیجا اور اپنی پُر اندیشہ رائے بھی لکھ دی کہ "ہمارے خلاف عناد بڑھتا جاتا ہے اور شہنشاہ اب امن کا حامی نہیں رہا ہے۔ اس نے قیام امن کی طرفداری میں کئی نازک موقعوں پر اپنے ذاتی اثر سے کام لیا۔ مگر اب رفتہ رفتہ وہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ فرانس کے ساتھ جنگ ہوئے بغیر نہ رہے گی

---

[1] بونڈ کارپنیٹر: "فردر پیجیز آوف مائی لائف" ۲۶۳ - ۲۹۴ -

[2] دیکھو بئینز (L' allomagne arairt la Guerre) صفحہ ۲۴ - مگر مولٹکی نے تردید کی ہے کہ میں نے جنگ کے مناسب یا تلے ہوئے ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اگر لڑائی ہوئی تو جرمن افواج اپنی فوقیت ثابت کر دکھائیں گی اور تمام قوم پر حملہ ہوا تو لوگ نفسِ واحد کی طرح اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو اُس کا خط مورخہ ۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء (Deotches ..... Kriege) میں صفحہ ۱۰

عمر بڑھنے کے ساتھ خاندانی روایات، اہل دربار کی رجعت پسندی اور علی الخصوص اہل فوج کی بے صبری اس کی طبیعت پر زیادہ قابو پاتی ہیں۔ ممکن ہے اسے اپنے بیٹے کی ہر دلعزیزی کا رشک ہو جو اتحاد جرمانیہ والوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا ہے۔ عجب نہیں کہ شہنشاہ اور اس کے فوجی عمال کے صدر نے بلجیم کے بادشاہ کو ترغیب دینے کی سوچی ہو کہ ہمارے ساتھ لڑائی پیش آئے تو وہ مخالفت نہ کرے۔ گفتگو کا مقصد جو کچھ ہو، ان خیالات کا انکشاف بیحد تشویش انگیز ہے۔ غرض اس نئے عنصر کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا یعنی یہ کہ وہ اب ایسے سلسلۂ خیالات کا عادی ہوتا جاتا ہے جن سے سابق میں اسے نفرت تھی اور یہ کہ ہمیں اپنی بارود خشک رکھنی چاہیئے۔" آیندہ مہینوں میں بیرن بئینز نے مشاہدہ کیا کہ وہ فرانسیسی ملاقاتیوں کے ساتھ ویسی دوستی سے پیش نہیں آیا۔

جرمن مطلع

فروری ۱۹۱۴ء کے ایک درباری رقص کی تقریب میں بھی اس نے اس طرح اظہار خیال کیا کہ "میں نے بارہا فرانس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اُدھر سے پشتک ہی جھاڑی گئی۔ بہتر ہوگا کہ پیرس والے ذرا ہوشیار ہو جائیں کیونکہ مجھے ہمیشہ اس جگہ رہنا نہیں ہے۔" وکیل بلجیم تصدیق کرتا ہے کہ "نفرت و شوخ چشمی کی کدورت سہ سالہ قانون کے مباحث کے باعث زیادہ بڑھ گئی ہے۔ امن کا قیام اتفاقی حادثے کے رحم و کرم پر منحصر نظر آتا ہے۔" کرنل ہُوس انگلستان، جرمانیہ و امریکہ میں ارتباط کی گفتگو کرنے مئی میں برلن آیا تو وہاں کا جنگی جوش دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے امفسٹ لکھی کہ "تمام جرمانیہ میں بجلی بھری ہوئی ہے۔ ہر شخص کے اعصاب کھنچے ہوئے ہیں۔ سارے میگزین کو اڑا دینے کے لئے فقط بتی دکھانے کی کسر ہے۔"[1]

جرمنی کی جنگی سعی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ فرانس اس کا جواب دے۔ چنانچہ سہ سالہ خدمت کی تجدید کا ایک قانون بریاں کی وزارت نے پیش کیا اور اس کے جانشین بارتھو کی وزارت میں نافذ ہو گیا۔[2] پوانکارے لکھتا ہے کہ "ہماری فوج کے نقطہ اس قانون کو

[1] بیبی ڈرک: "لائف اینڈ لیٹرز آف والٹر ایچ پیج" جلد اول باب ۶۔

[2] اخبار گل بلاس نے ۲۵ مئی ۱۹۱۳ء کی اشاعت میں لکھ دیا تھا کہ سہ سالہ خدمت کے اعادے کی

اس وقت ضروری سمجھتے ہیں۔ جرمن فوج با قاعدہ میں بیٹھی، قضیۂ بلقان کے پیدا کردہ اندیشے، عہد نامۂ مراکش کے عملی نفاذ کی دشواریاں، واقعاتِ طنجہ، کیسابلانکا اور غدیر کی یاد، ان سب نے مل کر طبعاً حبِ وطن کے جذبے میں ایک خاص گرمی پیدا کر دی ہے" قانون کی اشتراکی اور کائیو کے اصلاح پسند گروہ نے مخالفت کی۔ مگر جرمانیہ کی طرح فرانس بھی ایثار و قربانی کے لئے تیار تھا اور جنوری میں پوانکارے کا صدر منتخب ہونا اس نئے جذبۂ اعتماد کا اعلان تھا۔ سیاسی مطلع کی ان تبدیلیوں کو بلجیم کے وکیل پیرس نے مسلسل مراسلات میں قلمبند کیا اور ان پر بحث و تحیص کی ہے۔ ۹ ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کے خط میں لکھتا ہے کہ "۱۹۱۱ء میں برطانیہ کا جو طرزِ عمل رہا، اس سے رائے عامّہ میں بڑا انقلاب ہوا۔ یہ کہنا تو مبالغہ ہوگا کہ فرانسیسی قوم جنگ کا موقع ڈھونڈتی ہے کیونکہ زراعت پیشہ، متوسطین، سوداگر اور اہلِ حرفہ جانتے ہیں کہ اگر یہ آگ بھڑکے تو کتنا نقصان ہوگا، تاہم لوگوں کو عام طور پر اپنی کامیابی کا یقین ہے۔ ہمیں فسادی نوجوانوں اور فوجیوں کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ معاملات کی باگ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ دل سے امن کے حامی ہیں، مگر ان کا عمل اعتدال سے متجاوز ہے۔ کسی قوم میں

فرانس میں جنگی جوش

احساسِ خودداری کا تازہ کرنا اچھا ہے لیکن اس میں جنگ طلبی کی تحریک پھیلانا خطرناک ہے۔ حال میں لوگوں نے پیرس کے گلی کوچوں میں فوجی گشت اور قواعد کرنے شروع کیے۔ امیر کبیر نکولاس کے ورود سے قوم پرستی کو اور اشتعال پہنچا۔ ملیران اُسے سرحد تک پہنچانے آیا تھا اور وہاں پہنچ کے امیر کبیر کی بیگم نے دست رفتہ صوبوں کی سلامی اُتاری۔ یہ سیاحت نانسی کے فوجی جائزے پر ختم ہوئی جس نے آخر میں معاہدۂ فرینک فرٹ کے خلاف مظاہرے کی صورت اختیار کر لی ۱۸۷۱ء میں

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ فرمائش روس نے اُس وقت کی تھی جب ۱۹۱۲ء میں پوانکارے روس گیا۔ اور یہ روایت عام طور پر جرمانیہ میں صحیح سمجھی جاتی تھی؛ تین سال کو گھٹا کر دو سال کی خدمت کا قاعدہ ۱۹۰۵ء سے معمول بہ ہوا تھا۔

رائے عامہ ہی نے نپولین کو مجبور کیا تھا اور وہ حکومتوں کو پھر ایسی صورت حال سے دوچار کرسکتی ہے کہ سوائے جنگ کے کوئی چارہ کار نہ رہے "۔ یہی سفیر ۲۴ر فروری ۱۹۱۳ء کے خط میں لکھتا ہے کہ "پیٹروگریڈ میں ڈلکاسے کے مقرر کئے جانے کی خبر کل بم کی طرح پھوٹی۔ پوانکارے لورین کا باشندہ ہے۔ وہ تو یقیناً خوش ہوا ہوگا کہ عہدے پر آنے کے پہلے ہی دن اس نے جھنڈا اسید ھا رکھنے کا عزم بالجزم ظاہر کردیا۔ اس پُرآشوب زمانے میں اس کے ایوان الیسا ی میں آجانے سے یہی خطرات ہیں۔ البتہ اس کا مزاج عملی اور ٹھنڈا ہے اور اس سے امید بندھتی ہے کہ وہ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائے گا جرمانیہ کے جنگی ساز و سامان کے اس قدر زیادہ اضافے سے آجکل یہ خطرہ اور بڑھ گیا ہے کہ فرانس کی حکمت عملی بھی متغیر ہو کے ضرورت سے زیادہ وطن پرستانہ نہ بن جائے"۔ پھر تماشا گاہوں اور سرو د خانوں کے نئے رنگ کی اطلاع دیتے ہوئے وہ ۵ر مئی کو تحریر کرتا ہے کہ ہیجان جنگ کے لئے سخت سے سخت کلمات پر دیوانہ وار تحسین و آفرین کا شور مچ جاتا ہے[1]"۔

آسٹریہ والوں کے خیالات محاربات بلقان کے سارے زمانے میں جوش کھاتے رہے اور ۲۹ر جون کو بلغاریہ نے سرویہ پر حملہ کیا تو وہ مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکے۔ اطالیہ کا وزیر اعظم گیولی تی رومہ سے باہر گیا ہوا تھا۔ اُسے وزیر خارجہ سان گیولیانے تار دیا کہ "آسٹریہ نے ہمیں اور جرمانیہ کو اطلاع دی ہے کہ وہ سرویہ کے خلاف کارروائی کرنے کا قصد رکھتی ہے اور اسے دفاعی فعل بتاتی ہے تاکہ ہوسکے تو حلیفوں کے لئے بھی اسے موجب شراکت ثابت کرسکے۔ حالانکہ میرے نزدیک یہ معاملہ معاہدے کے تحت نہیں آتا۔ میں کوشش کررہا ہوں کہ جرمانیہ کے ساتھ مل کر اس کارروائی کو روکا جائے لیکن ممکن ہے کہ ہمیں صاف صاف

آسٹریہ میں جنگی جوش

---

[1] ملاحظہ ہو ملیران: "قومی دفاع کے لئے یک سالہ وزارت جنگ" ڈمنٹ "فرانس ہرسلیف اگین"، وغیرہ وغیرہ۔

کہہ دینا پڑے کہ ہم اسے دفاعی نہیں سمجھتے۔ لہٰذا بروئے معاہدہ سببِ جنگ پیش نہیں آتا" جواب میں گیولیتی نے لکھا کہ" اگر آسٹریہ سرویہ کے خلاف کچھ کرے تو ظاہر ہے کہ سببِ جنگ واقع نہیں ہوتا۔ دفاع کا اس وقت کیا سوال ہے جب کہ کوئی بھی آسٹریہ پر حملہ نہیں کر رہا۔ یہ بات آسٹریہ سے بالکل باضابطہ طریق پر کہہ دینی چاہیئے اور امید ہے کہ جرمانیہ بھی اسے سمجھا بجھا کے اس پُرخطر اولوالعزمی سے باز رکھے گی" اتحادیوں نے بالکل ہمت افزائی نہ کی تو آسٹریہ نے ہمسائے سے لڑائی ملتوی کر دی کہ آئندہ سمجھ لیا جائے گا۔ لیکن" اتحادِ سرب" کی سعی و تلقین اور ادھر آسٹریہ کے جنوبی صوبوں، خاص کر کروشیہ میں حکام کے جور و جبر نے کشیدگی کو بیحد بڑھا دیا[1]۔ ۱۳ر دسمبر کے خط میں فرانس کا سفیر متعینہ ویآنا لکھتا ہے کہ" آسٹریہ ایسے ضیق میں پڑ گئی ہے کہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ اسے نظر نہیں آتا۔ یہ احساس روز بروز قوی ہو رہا ہے کہ اقوام یورپ کو کوئی ناقابلِ مقابلہ طاقت ڈھکیل رہی ہے اور وہ باہمی جنگ و قتال کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ لوگ رفتہ رفتہ اس خیال کے عادی ہوتے جاتے ہیں کہ گزشتہ سال فوجی تیاری کی جو زیر باری ہوئی اور اس کی بدولت اب نہایت تکلیف دِہ مالی کشمکش برداشت کرنی پڑ رہی ہے، اس کا کوئی علاج ہی بجز ایک عام جنگ کے نہیں ہے[2]"۔ ۱۹۱۳ء میں فرینز فرڈی نینڈ بحری اور بری فوج کا صدر ناظم بنایا گیا اور اس نے کونراڈ وان ہوٹزن ڈورف کو مدد دی جو اہرنتھل کی وفات کے بعد دوبارہ مقرر ہوا تھا کہ سلطنتِ آسٹریہ کی فوجوں کو جنگ کے لئے تربیت کرے۔ واضح رہے کہ کونراڈ کو پہلے ہی سخت شکوہ تھا

---

[1] کروشیہ پر اب بوڈاپسٹ کی حکومت تھی اور وہاں لسزا اور مگیار (مجاری) امرا شدید مرکزیت اور قومی تفوق کی حکمتِ عملی پر اس شدومد سے عمل پیرا تھے کہ نصف صدی سے اِن رویّات آسٹریہ میں اتنی شدت دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ البتہ ۱۹۰۸ء سے اسلافیوں کی دشمنی کا جذبہ ویآنا میں بھی اسی قدر سخت ہو گیا تھا جتنا بوڈاپسٹ میں تھا۔

[2] پوانکارے ("Les Origines de la Guerre") ۱۷۷

کہ میں نے دو مرتبہ سپاہ کو جنگ کے لئے تیار کیا اور کوئی لڑائی نہ ہوئی حالانکہ اُسے کبھی ناکامی کا سامنا نہ ہو سکتا تھا۔[1]

جرمانیہ، آسٹریہ اور فرانس کی طرح روس میں بھی عام رائے کچھ کم مشتعل نہ تھی۔ ریونٹ لاؤ کا بیان ہے کہ جرمن وزیر خارجہ کیڈرلین یہ باور نہ کرتا تھا کہ ائتلافِ ثلاثہ جنگ کا خواہاں ہے اور اُسے پورا یقین تھا کہ روس میں لڑنے کی سکت نہیں ہے۔ لیکن کیڈرلین کا جانشین جاگاؤ ہوا تو وہ صدرِ اعظم کی طرح خوف آمیز رائے رکھتا تھا۔ خود قیصر و زار کی آخری ملاقات مئی ۱۹۱۳ء میں ہوئی جبکہ جرمن شہزادی کی شادی میں روس و برطانیہ کے فرماں روا برلن آئے۔ ان بادشاہوں کے باہمی تعلقات دوستانہ رہے مگر ان کے گرد و پیش جو لوگ تھے، اُن کے دل میں شک و عناد بھرا ہوا تھا۔ کشیدگی جس نوبت پر پہنچ گئی تھی، اس کا انکشاف

لیمان وان سینڈرس

اُس وقت ہوا جب ترکی نے جرمن حکومت سے استدعا کی کہ کوئی اعلیٰ رتبے کا سردار فوج کی ایسی تنظیم جدید کے لئے ہمیں دیا جائے جیسی کہ ۱۸۸۳ء میں وان ڈر گولٹز نے کی تھی۔ قیصر نے برلن میں زار سے اس بارے میں گفتگو کی تو کوئی اعتراض نہیں اُٹھایا گیا اور نومبر میں ایک تعہد پر دستخط ہو گئے جس کی رو سے وان سینڈرس پہلے جیش کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا۔ مگر اس انتظام میں روس کو آبناؤں کے کھول دئے جانے میں ایک اور رکاوٹ پڑتی نظر آئی اور آشتی پسند کوکوا سٹیف کو کہنے سننے کے لئے برلن بھیجا گیا۔[2] قیصر و صدرِ اعظم نے تصریح کی کہ ترکی کی درخواست کو کچھ تو اس باعث کہ وان ڈر گولٹز کے زمانے سے جرمانیہ اس کی ضرورتیں بہم پہنچاتی رہی ہے اور کچھ اس لئے کہ اگر ہم انکار کر دیتے تو وہ اس غرض کے واسطے کسی دوسرے کے پاس جاتی، رد کرنا ممکن نہ تھا۔ جب خیال ... یا گیا کہ جرمانیہ کا صرف چند معلم بھیج دینا کافی ہوتا، تو جواب ملا کہ تجربے سے معلم بیکار ثابت ہوئے اور لازم نظر آیا کہ انھیں سپہ سالاری کے اختیارات

---

[1] اشمیڈ یارٹلٹ کا خط مطبوعہ جریدہ ٹائمز، ۳۰ جولائی ۱۹۱۶ء۔

[2] سیاسی برسٹ (Diplomatische) ... وان سینڈرس: وغیرہ۔

حاصل ہوں"۔ مگر آخر میں انھوں نے کہا کہ ہم روس کے لئے دشواریاں پیدا کرنی نہیں چاہتے اور اس معاملے پر از سرِ نو غور کریں گے"۔

سازونوف کا اس جواب سے غصّہ دھیما نہ ہوا اور اُس نے سرایڈورڈ گرے سے

سازونوف کی برافروختگی

حسبِ ذیل تحکّم آمیز مراسلے کی تائید چاہی:۔ "جرمن سپہ سالار کے تقرر سے تمام سفارت خانے بھی جرمانیہ کے زیرِ اقتدار آجائیں گے اور جرمن سپہ سالار سلطانی اختیارات کے خلاف بھی جو فوجی تدبیر چاہے اختیار کر سکے گا۔ اگر جرمانیہ کو ایسا غیر معمولی امتیاز دیا گیا تو دوسری دُول کو بھی اپنے حقوق و اعراض کے متعلق غور کرنا پڑے گا"۔ سرایڈورڈ گرے نے س تہدید پر اعتراض کیا تو روسی سفیر نے کہا کہ روس اس مراسلے پر بیحد زور دیتا ہے اور امید کئے ہوئے ہے کہ انگلستان کی واثق تائید اسے حاصل ہوگی۔ سرایڈورڈ نے پھر کہا کہ ابھی جرمن سفیر مجھے بتا چکا ہے کہ سپہ سالاری اس واسطے ضروری ہے کہ وان ڈر گولٹز کبھی اپنی ہدایتوں کے مطابق عمل نہیں کرا سکا۔ ورنہ اس تقرر کی نوعیت ہی ہوگی جیسی کہ برطانیہ کے بحری وفد کی ہے۔ پھر جب میں نے کہا کہ استنبول سے تمام دُول کا تعلق ہے اور یہ تجویز حقوقِ سلطانی میں دست اندازی کے مرادف ہوگی دوسرے برطانی امیر البحر کا تو جنگ میں کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ تو کھل مین نے جواب دیا کہ "جرمن سپہ سالار کا بھی نہیں ہوگا"۔ ان دو ملاقاتوں کے بعد انگریز وزیرِ خارجہ نے استنبول بذریعۂ تار صلاح دی کہ تینوں سفیر علٰحدہ علٰحدہ اور زبانی یہ بات بابِ عالی سے کہیں کہ "ہم نے سُنا ہے کہ جرمن سپہ سالار کو بہت وسیع اختیارات کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے۔ ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ ترکی کوئی ایسا کام نہ کرے گی جس سے پائے تخت اور آبناؤں کی حفاظت یا آزادی خطرے میں پڑ جائے۔ دوسری سلطنتوں کی بھی اعراض وابستہ ہیں اور تعہد کے متعلق مزید معلومات مل جائے تو ہم کو خوشی ہوگی"۔ سازونوف یہ دیکھ کر کہ سرایڈورڈ اُس کی شراب میں پانی ڈالنے کی فکر میں ہے، بہت بگڑا اور "ایسے معاملے میں جو روس کے لئے اس قدر اہمیت رکھتا ہے" اس کی سرد مہری کا بہت شکوہ کیا۔ مگر اُسے مجبوراً یہی معتدل راستہ اختیار کرنا پڑا۔ چنانچہ ہر سہ سفیر نے وزیرِ اعظم سے

مزید معلومات کی درخواست کی اور بتاریخ ۱۵ر دسمبر سرکاری طور پر یہ جواب انہیں وصول ہوا کہ "جرمن سپہ سالار، فوجی وفد کا صدر، جنگی بزم شوریٰ کا رکن، فوجی مدارس کا ممتحن اور پہلے جیش کا سپہ سالار ہوگا۔ یہ قیادت محض فنی ہے۔ آبناؤں، قلعوں اور استنبول میں امن قائم رکھنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ اس کے حدود اختیاری میں داخل نہ ہوں گے"

سازونوف نے سن کے کہا ترکی جواب میں کوئی بھی نئی بات نہیں اور پھر سر ایڈورڈ کو اطلاع دی کہ اب ہم منتظر ہیں کہ برطانیہ اس معاملے میں کوئی کارروائی کرے لیکن وزیر خارجہ نے لچنوسکی سے یہ تو کہا کہ "جب سے میں عہدے پر آیا ہوں، کسی واقعے نے روس پر اتنا گہرا اثر نہ ڈالا تھا، مگر گھبرا کے کوئی سخت کارروائی کر بیٹھنے پر آمادہ نہ ہوا۔ کیونکہ برلن سے ہوائے آشتی کے جھونکے آرہے تھے"

لیمان کا ورود استنبول میں

۱۴ر دسمبر کے دن جرمن سپہ سالار استنبول آپہنچا اور پہلے جیش کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ لیکن چلتے وقت جاگاو نے اُسے روس کے اعتراضات بتا کے خود بھی یہی رائے دی تھی کہ روس کی صلاح کے موافق دوسرے جیش کی سپہ سالاری لی جائے جس کی چھاؤنی ادرنہ میں تھی۔ لیمان نے جواب دیا کہ فوجی وفد کے صدر کا مستقر پایۂ تخت ہی ہوسکتا ہے۔ آخر مصالحت کی شکل یہ نکلی کہ لیمان پہلے جیش کی قیادت سے دست بردار ہو کے ترکی فوج کا صدر ناظم بنا دیا گیا۔ نوروز کی ملاقات کے موقع پر زار نے جرمن سفیر کا بڑی گرمجوشی سے شکریہ ادا کیا کہ ہماری بات مان لی گئی۔ بایں ہمہ سازونوف کے دل میں کدورت باقی رہی اگرچہ اس کا فوری سبب زائل ہو چکا تھا۔ اسی لئے اگر پروفیسر شائی مین کا ہفتہ وار تبصرہ مورخہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۳ء اس اعتراف پر ختم ہوا کہ "گزشتہ صدی میں شاذ ہی کبھی مطلع پر بادل اتنے گھرے ہوں جتنے اس ہفتے ہیں"، تو یہ کچھ مبالغہ نہ تھا؟

قضیۂ لیمان زور شور سے چھڑا ہوا ہی تھا جب کہ روس کے ایک فوجی اخبار میں سال نو پر ایک مضمون شائع ہوا جس میں وہ خیالات ظاہر کیے گئے تھے جو فوجی سرداروں کی ایک جماعت کے دماغ میں چکر لگا رہے تھے: "ہم سب

جانتے ہیں کہ ہم مغرب میں لڑنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ فوج والوں ہی کو نہیں، ساری قوم کو پوری طرح دلنشین کر لینا چاہیئے کہ ہمیں جرمنوں کو فنا کر دینے کی غرض سے جنگ کی تیاری کرنی ہے اور جرمن سلطنتوں کو فنا کرنا واجب ہے۔" خلاصہ یہ کہ لیمان کے معاملے میں مصالحت کوئی حقیقی صفائی نہ پیدا کر سکی۔ روس نے جرمن کارخانوں سے جو سرکاری فرمائشیں کر رکھی تھیں انھیں واپس لے لیا اور جنوری کے اخیر میں ڈھائی ارب کے ایک نئے قرض کی فرانس میں گفت گو شروع ہوئی، جس کا ایک حصّہ فوجی ریلوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ ادھر پیٹروگراڈ و بلگریڈ کے رشتۂ اتحاد کو اور پیوستہ کر دیا گیا۔ بتاریخ ۱۰ فروری پاسیش نے باریابی کے موقع پر زار روس کے روبرو اپنے ہاں کی کسی شہزادی کے ولی عہد روس سے بیاہے جانے کے امکان کا ذکر کیا اور امید ظاہر کی کہ شاید وہی ایک دن یاگو اسلافی اقوام کی زارینہ ہو جائے۔ زار نے بھی تجویز پسند کی اور ملاقاتی سے التجا کی کہ شاہ پیٹر کو یہ پیام پہنچا دے کہ "سربیہ کے واسطے ہم سب کچھ کریں گے۔"[1]

لیمان وان سینڈرس کے قصّے سے سازونوف کو تحریک ہوئی کہ زار کی خدمت میں اس ضرورت پر ایک یادداشت پیش کرے کہ "اگر کسی غیر بعید زمانے میں ہمیں درّ دانیال اور باسفورس میں اپنے حقوق کی حفاظت کرنی پڑے تو ایک مفصّل نظام العمل ہمارے پاس موجود ہو کہ ایسے موقعوں پر آبناؤں کا مسئلہ ہمارے حسبِ دلخواہ طے ہونے میں کوئی تردّد نہ رہے۔" زار نے حکم دیا کہ

روس کی شاہی مجلس شوریٰ

مجلس شاہی میں اس مسئلے پر بحث و تمحیص کی جائے جو وزیر خارجہ کی صدارت میں بتاریخ ۲۱ فروری ۱۹۱۴ء منعقد ہوئی[2] اور استنبول کے روسی سفیر سمیت سیاسی ماہرین اور بری و بحری حکام بھی

---

[1] ملاحظہ ہو بوگیشں وچ: "کازیز اوف دی وار" ۱۲۶-۱۳۴۔

[2] للوے نے "دوکیومانت سیکریت" (صفحات ۷۰ تا ۱۰۰) میں اور (Dasdeut sche . . . . Kriege) میں اس جلسے کی سرکاری روئداد چھاپ دی ہے۔

اس میں شریک ہوئے۔ سازونوف نے ان الفاظ کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا کہ گو مجھے فی الحال زیادہ سنگین پیچیدگیوں کی توقع نہیں تاہم مشرق میں سیاسی حالت کے علیٰ حالہ رہنے کا کوئی ذمہ نہیں لیا جا سکتا۔ اگر آبناؤں سے ترکی اقتدار جاتا رہا تو روس ان کے ساحلوں پر کسی دوسری سلطنت کا تسلط جائز نہیں رکھ سکتا اور ایسی صورت میں ممکن ہے کہ اسے خود قبضہ کرنے پر مجبور ہونا پڑے۔ اس کارروائی کی کامیابی کا مدار سرعت پر ہوگا لہذا بحری پیش قدمی کی بری فوج کشی سے تکمیل کرنی لازم ہوگی فبنابریں میں مجلس سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آبناؤں پر فوج کشی کی تیاری کا کام اب تک کس قدر ہو چکا ہے اور آیندہ کیا ہونا چاہیئے یا کیا ہو سکتا ہے؟ حکام مستقر کے صدر نے جتایا کہ اس کام کے لئے معتدبہ فوج کی ضرورت ہوگی اور اس کی تعداد کا انحصار سیاسی حالات پر ہوگا۔ سازونوف نے بات کاٹ کے کہا کہ نہ یونان مخالفت کرے گا نہ بلغاریہ۔ کیونکہ ان میں کسی نے بھی دخل دیا تو دوسرا روس کے ساتھ ہو جائے گا۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا سرویہ کی مدد پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، اس نے کہا آبناؤں پر فوج کشی کرنے کی سوائے عام جنگ یورپ کے شکل ہی سے کوئی دوسری صورت ہو سکتی ہے اور ایسی عام جنگ میں سرویہ اپنی پوری قوت آسٹریہ کے مقابل لانے پر مجبور ہوگی۔ رومانیہ آسٹریہ سے بروئے معاہدہ پابند ہے لیکن وہاں کے اہل الرائے کی روس دوستی کا رنگ دیکھ کر یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آسٹریہ کی طرف ہو کر لڑے گی۔ اس کے بعد حکام مستقر کے صدر نے رائے ظاہر کی کہ بغیر جنگ یورپ کے، استنبول کے واسطے کشمکش کا کوئی امکان نہیں پس اس کام کے لئے فوج صرف اس وقت علیحدہ کی جا سکتی ہے جب کہ مغربی محاذ پر لڑائی حسب دلخواہ ختم ہو جائے۔ آخر میں مجلس نے بر و بحر سے رسد رسانی کے متعلق اور قفقاز میں نئی ریلیں بنانے اور بحر اسود کے بیڑے کو قوی تر کرنے کی مفصل تجاویز پیش کیں۔

روس میں جنگی جذبات مجلس کی گفتگو کا تو دنیا کو کوئی علم نہ تھا لیکن کشیدگی کا انکشاف ۲ مارچ کے کولونیش زیٹنگ کے ایک مضمون سے ہوا جس نے کھلبلی ڈال دی اور جسے اس اخبار کے نامہ نگار لیٹر و گریڈ نے

لکھا تھا:۔ "روسی خطرہ فوری نہیں ہے لیکن ۱۹۱۷ء میں فوج کی تنظیم جدید تکمیل پا جائے گی اور مغربی سرحد پر تو ابھی سے فوجوں کا جماؤ کیا جا رہا ہے غالباً جرمانیہ حملہ آور روس کو نہ روک سکے گی۔ روس کے پاس بے انتہا ساز وسامانِ جنگ مہیا ہے اور وہ اپنی پوری قوت جرمانیہ کے خلاف صرف کرے گا۔ تمام روسی قوم اس جنگ پر لبیک کی صدا بلند کرے گی۔ تین سال میں جب ہم کوئی تجارتی معاہدہ کرنا چاہیں گے تو اسی پر روس بیرونی ممالک سے اُلجھاؤ ڈالنے کی کوشش کرے گا" مضمون کی نسبت باور کیا جاتا تھا کہ برلن ہی سے اِلقا کرایا گیا ہے[1]۔ اور اس نے یورپ بھر میں خوف و تشویش پیدا کر دی۔ اور ۱۳ مارچ کے بوآس گزیٹ کے ایک مضمون سے لوگ اور بھی مضطرب ہوئے کہ اسے ہر مُلک میں بالاتفاق روس کے وزیر جنگ **سخوم لی نوف** سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ "روس امن کا خواہاں ہے مگر جنگ کے لئے تیار ہے۔ فوج نہ صرف کثیر ہے بلکہ نہایت عمدہ طریق پر مسلح ہے۔ روس ہمیشہ غیر مُلک میں لڑا اور ہمیشہ فتحیاب ہوا ہے۔ روس کی حیثیت اب صرف دفاعی نہیں رہی ہے۔ روس تیار ہے" ۱۴ مئی کو جاگاؤ نے ریشتاگ میں روسی اخباروں کو تنبیہ کی، اگرچہ حکومتِ روس کے متعلق کامل یقین ظاہر کیا کہ وہ اسی طرح دوستانہ روش رکھتی ہے۔ ۲۳ مئی کو ساز و نوف

روس و جرمانیہ

نے بھی دونوں مُلکوں کے اخباروں کو اعتدال کی تاکید کی۔ مگر یہ فہمائشیں بیکار تھیں۔ روسی اخبار برابر اعلان کرتے رہے کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنا ہمارا قدیم منصوبہ ہے۔ اشارہ کیا جا رہا تھا کہ ۱۹۱۶ء میں تجارتی عہد ناموں کی تجدید ہوگی تو روس اپنی طاقت دکھائے گا اور ویٹ تشویش کے ساتھ پیش گوئی کرتا تھا کہ اسی سلسلے میں لڑائی کی نوبت آجائے گی۔ جرمانیہ میں بھی اخباروں کی بدمزاجی کا یہی رنگ تھا۔ برلن سے روس کے سفیر نے اطلاع دی کہ "نسبتہً سکون کا ہونا محض ظاہری بات ہے۔ رائے عامّہ روس کے خلاف نہایت برانگیختہ ہو چکی ہے"

[1] بیرن شیلکنگ کی کتاب "دی گیم اوف ڈپلومیسی" کی روایت کے بموجب اس مضمون کا محرک جرمن سفارت خانے کا مشیر تھا۔ جاگاؤ نے سرکاری طور پر کسی ایما کئے جانے کی تردید کر دی۔

اور عسکری لوگ اور جنگرا اپنے رزم طلبی کے جذبات کو ذرا بھی نہیں چھپاتے۔ یہ ہیجان اور جنگ جوئی کی کیفیت ہماری فوجی اور مالی قوت بڑھنے کی بنا پر ہے اور یہاں کے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ موقع جب کہ ہماری تیاریاں پوری ہونے میں بہت کسر باقی ہے، جرمانیہ کے لئے بہت ہی اچھا ہے۔ اس بات میں کہ اس قسم کا تصادم جلد یا کچھ عرصے بعد ہو کے رہے گا، یہاں کسی کو شک نہیں ہے با ایں ہمہ اعلیٰ حکام ان جنگجوئی کے جذبات میں شریک و حصّہ دار نہیں ہیں۔"

فرانس و جرمانیہ کی طرح، محاربات بلقان کے وقت سے روس بھی اپنے جنگی ساز و سامان کے بڑھانے اور بہتر بنانے میں مارا مار کوشش کر رہا تھا۔ کیونکہ ویٹ وزوزین کی زار یا اپنے ساتھ کے وزیروں سے یہ فہمائش کہ بلقان میں اقدامی حکمتِ عملی کو ترک کر دیا جائے، جو براہِ راست جنگ کی طرف لے جا رہی تھی، بے سود ہوئی تھی[1]۔ جون ۱۹۱۳ء میں ڈیوما سے بھرتی کی تعداد بڑھانے کا مطالبہ کیا گیا، اگست میں زار نے اس کی منظوری دی اور نومبر میں اس تجویز پر جس کی تکمیل ۱۹۱۷ء میں ہونی تھی، عمل شروع ہو گیا۔ ۱۹۱۴ء کے ربیع میں ڈیوما کے ایک خفیہ اجلاس نے جنگی تیاریوں کے لئے رقمِ خطیر کی منظوری دی۔ نئی بھرتی کی تعداد ایک لاکھ پینتیس ہزار جوان سالانہ کے حساب سے بڑھا دی گئی اور ۱۹۱۳ء کے ربیع کو باضابطہ "جنگ کی تیاری کا زمانہ" قرار دیا گیا جس سے یہ ممکن ہو گیا کہ فوجی اجتماع کا حکم ہونے سے پہلے ہی اس کی ابتدائی تیاریاں مکمل کر لی جائیں۔ ۱۹۱۴ء کے شروع میں پانچ کرور کی رقم جسے کوکوٹسیف نے صاف طور پر جنگ کے لئے مخصوص بتایا، فوج پر خرچ کی گئی۔ اپریل ۱۹۱۴ء میں ایک جاپانی وفد روس آیا تو فوجی عمّال کا نمایاں عناد دیکھ کے حیران رہ گیا جو کھلم کھلا آیندہ جنگ کا ذکر کرتے تھے[2]۔ فوجی تیاریوں کے سوا، بیرونی تعلقات کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ جون میں زار رومانیہ آیا اور اس موقع پر زار کی ایک بیٹی

[1] دیکھو روزین: "فورٹی ایئرز اوف ڈپلومیسی" جلد دوم باب ۳۰ تا ۳۴۔
[2] بشینز: مورخہ ۲۴ اپریل۔ شورٹ فیگر: جلد چہارم ۱۸۹۔

اور وہاں کے ولی عہد کے رشتے کی بھی کچھ سُن گُن ہوئی۔ کچھ روز بعد برے ٹیانو سے جنگی معاہدے کے لئے گفت و شنید کا آغاز کیا گیا ہے[۱]

پروفیسر ڈال بریوک کے کہنے سے اُس کے پرانے شاگرد پروفیسر مٹ رونانوف نے جرمن جریدے (Preussische Jahr biicher) کی جون کی اشاعت میں

مٹ رونوف کا مضمون

ایک مضمون تحریر کیا جس سے یہ اندیشے اور قوی ہو گئے۔ اُس نے لکھا کہ "ہر شخص جو کچھ بھی فہم رکھتا ہے اُسے کشیدگی کا احساس ہے۔ اس کی علامتیں صرف اخباروں ہی میں نمایاں نہیں ہیں بلکہ جرمنوں کی مخالفت کا جذبہ ہر شخص کے دل میں اور اس کا اظہار ہر شخص کی زبان پر ہے۔ یہ اظہار حال میں ہونے لگا ہے ورنہ دلوں میں مدت سے یہ جذبہ پک رہا تھا۔ اس کا سبب 'مشرق قریب میں روس کی دیرینہ تمناؤں میں خلل آنا ہے۔ اب روسیوں کو صاف دکھائی دیتا ہے کہ اگر یہی حال رہا، جیسا اس وقت ہے، تو قسطنطنیہ کا راستہ برلن سے ہو کے گزرے گا ہمیں جرمانیہ پر حملہ کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ جرمانیہ کی تہذیب و تمدن کی ہمارے دل میں ایسی قدر ہے کہ اسے برباد کر کے ہم اٹیلا کی سی فتح پانے کے خواہاں نہیں ہو سکتے یہ بھی ہمیں کامل یقین ہے کہ خود جرمانیہ ہرگز کوئی بلاواسطہ دراز دستی کا میلان نہیں رکھتی۔ بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرف سے اور ہر سمت میں، خواہ ترکی ہو، خواہ سویڈن، خواہ آسٹریہ، ہم پر جرمنوں ہی کا دباؤ پڑتا ہے اور اسی نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ ہماری موجودہ حالت کا اسے کوئی لحاظ نہیں معلوم ہوتا اور نہ ہماری موجودہ قوت اس کی خاطر میں آسکتی ہے پس ہم نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ وہ مرتبہ حاصل کریں جو ہمارا حق ہے۔ جرمانیہ کے ساتھ جنگ بڑی بدنصیبی ہوگی لیکن جب واقعی ضرورت پڑ جائے تو ناگوار ضروریات سے آدمی کو مفر نہیں رہتا ہے یہ ناقابلِ برداشت کیفیت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی بجز اس کے کہ اپنا ؤں پر

---

[۱] ملاحظہ ہو تار مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۱۴ء مرسلہ سفیر روس متعینہ انگلستان جسے بولشویکوں نے چھاپ دیا ہے۔

ہمارا قبضہ ہو جن کے بند کرنے سے روس کی تجارت برآمد کو جس وقت جی چاہے روکا جاسکتا ہے۔ جنوب کی طرف بڑھنے کی تحریک تاریخی سیاسی اور اقتصادی ضرورت ہے اور کوئی ملک جو اس میں مزاحم ہے' فی الواقع دشمن ہے۔" یہ گویا اسکوبلیف کی وہی پرانی پکار تھی کہ قسطنطنیہ کی سڑک برین ڈن برگ ٹور سے گزرتی ہے[1]۔

پٹروگریڈ کے اخبار بورس گزٹ مورخہ ۱۳ ؍ جون کی ایک اشتعال انگیز تحریر سے

"روس تیار ہے"

جسے وزیر جنگ سے منسوب کیا جاتا تھا' کشیدگی اور بڑھ گئی۔ اس کا عنوان تھا کہ "روس تیار ہے۔ فرانس کو بھی تیار رہنا چاہئیے" اور لکھا تھا کہ "روس نے بروئے معاہدہ تمام شرطیں پوری کر دی ہیں اور اسے اپنے حلیف سے توقع ہے کہ وہ بھی اپنی ذمہ داریاں بجالائے گا۔ ہمارے کار آموزوں کی جمعیت امسال ۴½ لاکھ سے بڑھا کے ۵ لاکھ ۸۰ ہزار کر دی گئی ہے اور میعادِ خدمت میں بھی چھ ماہ کا اضافہ ہو گیا ہے۔ آسٹریہ کے پاس پانچ لاکھ اور اطالیہ کے پاس چار لاکھ سپاہ ہے' لہذا روس قدرتی طور پر توقع رکھتا ہے کہ فرانس سات لاکھ ستر ہزار سپاہی مہیا کر لے گا اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ سہ سالہ خدمت کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ اس بیشی کا مطلب یہ ہے کہ اجتماع افواج میں سہولت ہو کیونکہ روس اس سلسلے میں' یعنی جنگی ریلوں کا ایک پورا جال بنانے اور (بصورتِ جنگ) نہایت سرعت کے ساتھ فوجوں کو جمع کرنے کے لئے' نئے ساز و سامان کر رہا ہے۔ روس یہی فرانس سے چاہتا ہے۔ روس اور فرانس جنگ کے خواہاں نہیں ہیں۔ لیکن روس تیار ہے اور فرانس کو بھی تیار رہنا چاہیئے" اس مضمون سے برلن میں غصہ پیدا ہوا۔ قیصر نے لکھا کہ "یہ کہیئے۔ روس نے اپنے دانت دکھا دئے۔ اب بھی اگر کوئی جرمن یہ باور نہیں کرتا کہ روس و فرانس پوری طاقت سے ہمارے خلاف جلد سے جلد لڑنے کی تیاری میں مصروف ہیں اور یہ کہ ہمیں اس کے جواب میں ضروری تدابیر کرنی لازم ہیں' تو وہ صرف دارالمجانین کے لائق ہے" بتاریخ ۱۶ ؍ جون صلح دوست صدر اعظم نے

[1] یہ یادگار مضمون ڈل بریوک کی کتاب "کریگ اُنڈ پولی ٹیک" جلد اول میں دوبارہ چھپ چکا ہے۔

لچنوسکی کو لکھا کہ اس سے بڑھ کر کسی مضمون نے جو اشارے سے لکھا گیا ہو، روس کے عسکری گروہ کے فتنہ انگیز میلانات کو صاف صاف ظاہر نہیں کیا تھا۔ اب تک اتحاد جرمانیہ اور عسکریت پسند طبقے کے صرف انتہا پسند گروہ کہتے تھے کہ روس ہمارے خلاف زمانۂ قریب میں حملہ آوری کا باقاعدہ منصوبہ مرتب کر رہا ہے۔ لیکن اب زیادہ ٹھنڈی طبیعت کے لوگ بھی اس خیال میں اُن کے ہم نوا ہوتے جاتے ہیں۔ اس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ فوج میں جدید اور فوری پیشی کا تقاضا شروع ہو گیا ہے اور جب فوج کو کچھ مل جائے گا تو تجربہ بھی سر اونچا کرے گا۔ چونکہ قیصر کو ان لوگوں نے ابھی سے اپنا پورا ہمخیال بنا لیا ہے لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ آیندہ خریف میں جنگی ساز و سامان کے بُحران کا پھر دورہ پڑنے والا ہے۔ میں نہیں باور کرتا کہ روس قریبی زمانے ہی میں حملہ کرنے کی فکر میں ہو، لیکن وہ چاہتا ہے کہ آئندہ بلقان میں کوئی جھگڑا کھڑا ہو، تو زیادہ مضبوط ہو کر کارروائی کرے۔ یہ بات کہ پورے یورپ میں آگ بھڑکنے کی نوبت آتی ہے یا نہیں؟ کلیتہً انگلستان و جرمانیہ کے طرزِ عمل پر منحصر ہو گی۔ اگر ہم مل جائیں (اور ہم دونوں کی پابندیاں اس اشتراک کے مانع نہیں ہیں) تو جنگ نہ ہونے پائے گی لیکن اگر یہ نہ ہوا تو روس و آسٹریہ کا کوئی ضمنی اختلاف بھی باروت کو دیا سلائی دکھا دے گا۔[1]

(۳)

پرتگیزی نوآبادیاں

جس وقت روس و فرانس اور وسطی سلطنتوں کے تعلقات روز افزوں بگڑتے جاتے تھے، برطانیہ اور جرمانیہ میں ایک خوش آیند ارتباط کی صورت نکل آئی۔ قضیۂ مراکش کے تصفیے کے بعد سر ایڈورڈ گرے نے اعلان کیا تھا کہ ہم جرمنوں کے وسطی افریقیہ میں پھیلنے کے مزاحم نہیں ہیں اور برلن میں ہالڈین اور بیتھ مین ہولویگ کے درمیان مستعمرات میں اشتراکِ عمل کے متعلق سرسری گفتگو ہوئی تھی۔ ہالڈین لندن واپس آیا تو باقاعدہ گفت و شنید کا آغاز ہوا اور پہلا معاملہ یہ زیرِ غور آیا

[1] ملاحظہ ہو لچنوسکی: "مای لندن مشن" جاگاؤ کا جواب لچنوسکی کو: "انٹرنیشنل کنسلی ایشن" ۱۹۱۸ء میں وغیرہ۔

۱۸۹۸ء کے اقرار نامے پر نظر ثانی کی جائے جس میں پرتگال کی افریقی نوآبادیوں کو اقتصادی حلقہ ہائے اثر میں تقسیم کیا گیا تھا۔ لچنوسکی لکھتا ہے کہ "اب جو فیصلہ ہوا، وہ باہمی مصالحت کے میلان کی بدولت پوری طرح ہمارے منشا اور حقوق کے موافق ہے" مغربی ساحل پر سان ٹومے اور پرنسیپ کے ساتھ انگولا اور جرمن مشرقی افریقہ سے موزمبیق تا دریائے زیم بزی جرمانیہ کے نامزد کر دئیے گئے۔ یہ قرار داد ۱۸۹۸ء کی نسبت کہیں زیادہ جرمانیہ کے حسبِ دلخواہ تھی مئی ۱۹۱۳ء میں شاہ جورج برلن آیا تو تمام شرطیں قریب قریب طے ہو چکی تھیں اور اگست میں اس کے مسودے پر چھوٹے دستخط بھی کر دئیے گئے۔ لیکن سر ایڈورڈ صرف اس صورت میں دستخط کرنے پر آمادہ تھا کہ اس کے ساتھ ۱۸۹۸ء کا اقرار نامہ اور معاہدۂ ونڈسر بھی شائع کیا جائے۔ اور حکومتِ جرمانیہ نے یہ شرط قبول نہ کی۔ جاگاو نے صراحت کی کہ "ہم اسے شائع کرنا چاہتے تھے لیکن ایسے مناسب موقع پر، جب کہ مخالفانہ نکتہ چینی کا اتنا تیز خطرہ نہ رہے اور ممکن ہو تو اسی کے ساتھ بغداد کے متعلق بھی معاہدے کا اعلان کیا جا سکے جو اس وقت تکمیل کے قریب تھا" بالآخر جولائی ۱۹۱۴ء کے اخیر میں اشاعت کی منظوری حاصل کر لی گئی لیکن اس وقت لڑائی سر پر آپہنچی تھی اور عہد نامے پر دستخط نہ ہو سکے؛

ایشیائی ترکی کے بارے میں جو مباحثہ ہوا، وہ زیادہ دشوار اور دور اثر تھا۔[1] پوٹسڈم کی ملاقات میں، روسیوں نے مزاحمت سے ہاتھ اٹھالیا تو برطانیہ کا بغداد ریلوے کو قبول کر لینا، محض وقت کی بات رہ گئی۔ چنانچہ پہلی جنگِ بلقان کے بعد وزیرِ اعظم حقی پاشا صلح کی شرطیں طے کرنے لندن آیا تو بغداد ریلوے کا مسئلہ طے کرنے کی بھی گفتگو ہوئی۔ خلیج فارس میں برطانیہ سیاسی حقوقِ حاضرہ کے جو معنی بیان کرتی تھی، ترکی نے اسے مان لیا اور

---

[1] برطانی روایت کوارٹرلی ریویو، بابت اکتوبر ۱۹۱۷ء میں درج ہے۔ جرمنوں کا بیان دیکھو بلقرغ وغیرہ میں؛ روس و جرمانیہ کی گفتگو کے لئے ملاحظہ ہو ساکی برٹ: "ڈپلومیٹیشی..." باب ۸ و ۹؛

انگریزوں نے کویت پر سلطان کی رسمی بادشاہی تسلیم کر لی۔ شط العرب میں جہاز رانی کے ضوابط مرتب کرنے کی غرض سے ایک بین الاقوامی مجلس ماہرین دریا مقرر ہوئی، جس میں کناروں پر ترکی اقتدار اور برطانی نگرانی کی گنجائش رکھی گئی اور لنچ کمپنی کو دجلے میں جو امتیازات حاصل تھے، اُن کی توثیق کر دی گئی۔

جرمن حکومت کو انگلستان و ترکی کے تصفیے کی اطلاع دے دی گئی اور اس کے بعد ہی انگلستان و جرمانیہ میں جو گفتگو شروع ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بتاریخ ۱۵ جون ۱۹۱۴ء ایک معاہدے کے مسودے پر چھوٹے دستخط ہو گئے۔ برطانیہ نے قول دیا کہ بغداد ریلوے کی تعمیر و توسیع میں مزاحم نہ ہوگی اور جرمنوں نے اقرار کیا کہ دریا میں جہاز رانی پر انگریزوں کو جو اقتدار حاصل ہے، ہم اس کی مخالفت نہ کریں گے۔ ریل کا آخری اسٹیشن آجرہ قرار پایا اور طے ہوا کہ مجلس انتظامی میں دو انگریز ناظم ہوں گے۔ بغداد و آجرہ کی بندرگاہوں کی تعمیر اور منافع حاصل کرنے کے لئے ایک علیحدہ کمپنی بنائی جائے گی جس کے سرمائے میں چالیس فی صدی برطانیہ کا حصہ ہوگا۔ شط العرب کی جہاز رانی ایک اور تجارتی جماعت کے سپرد کر دی جائے گی جس میں نصف سرمایہ برطانیہ کا ہوگا اور ترکی کو اختیار ہوگا کہ اپنا بیس فی صدی کا حق جرمانیہ کو دے دے۔

انگلستان و جرمانیہ کا معاہدہ

آبپاشی اور تیل کے متعلق بھی اقرار نامے مرتب ہوئے۔ فریقین نے ذمہ لیا کہ ایشیائی ترکی کے دریاؤں یا ریلوں پر تخصیص و امتیاز کئے جانے کے مزاحم ہوں گے۔ جرمانیہ نے وعدہ کیا کہ خلیج فارس تک ریل کی کوئی شاخ یا نئی بندرگاہ بنانے کی بغیر ہماری مرضی کے تائید نہ کرے گی اور شط العرب میں ہمارے خاص مرتبے کو تسلیم کیا۔ لچنوسکی لکھتا ہے کہ سر ایڈورڈ کی طرف سے سب سے وزنی رعایت یہ تھی کہ بصرے تک ریل کا سلسلہ آنے دیا اور اس طرح گویا تسلیم کر لیا کہ اس شہر کے شمال میں عراق عرب کا سارا علاقہ جرمنوں کے حلقۂ اثر میں رہے گا۔ دونوں طرف امن و صلح کے حامی شکر گزار ہوئے کہ بیڑے کے سوا انگلستان و جرمانیہ کے درمیان نزاع کا جو سب سے بڑا سبب تھا، وہ بالآخر دور ہوا۔ اُدھر فرانس و جرمانیہ میں بھی

شرطیں طے ہوگئیں اور بتاریخ ۱۵ فروری ۱۹۱۴ء ایک اقرارنامہ مرتب ہوگیا۔ فرانسیسی سرمایہ دار بغداد کمپنی سے کنارہ کش ہوگئے اور فرانس نے وعدہ کیا کہ بغداد ریلوے کے حلقے میں ریل بنانے کی کوئی رعایت حاصل نہ کرے گا۔ اس کے عوض میں جرمانیہ نے اقرار کیا کہ شمالی شام اور ساحل اسود کے اندرونی علاقے میں کسی رعایت کا مطالبہ نہ کرے گی۔ ریلوں کے تسلسل، محاصل درآمد، اور ترکی کو آئندہ قرض دینے کے متعلق بھی سب باتیں بخیر و خوبی طے ہوگئیں۔ بتاریخ ۲۲ اپریل ۱۹۱۴ء ایک عہدنامہ فرانس و ترکی پر دستخط ہوگئے[1] اور ان تمام پیچیدہ اور فیصلہ طلب امور میں صرف جرمانیہ اور ترکی کا معاملہ طے ہونا رہ گیا کہ جس پر تمام معاہدوں کا نفاذ میں آنا مبنی تھا سو وہ بھی تکمیل کے قریب پہنچ گیا تھا۔

جرمانیہ سے برطانیہ کی گفت و شنید کو ہمارے دوست (یعنی روس و فرانس) غور و شکوک بیجا کے ساتھ معاینہ کر رہے تھے۔ ۱۹۱۲ء کے آخیر میں سفیر فرانس کو یہ تذکرہ کر دینے کی ہدایت کی گئی کہ اخباروں میں جرمانیہ کے ساتھ ارتباط ہو جانے کی افواہیں، ائتلاف کو نقصان پہنچا رہی ہیں اور پوانکارے سے اس بارے میں ایک جواب طلب استفسار کیا جا رہا ہے۔ سر ایڈورڈ نے جواب دیا کہ افواہوں کی کوئی بنیاد نہیں۔ ہم صرف بیرونی مقبوضات اور بعض جزئی معاملات کے متعلق دوستانہ طریق پر بحث و گفتگو کر رہے ہیں۔ برایں ہمہ بے اطمینانی پوری طرح دور نہ ہوئی۔ برلن کے روسی سفیر نے فروری ۱۹۱۴ء میں اطلاع دی کہ "گوشن نے کامبون سے بحری تیاری میں وقفے کی نسبت رائے دریافت کی۔ کامبون نے جواب دیا کہ میں اس کی تائید نہیں کر سکتا کیونکہ (جرمانیہ کی) بیڑے کی مد سے جو کچھ رقم بچے گی وہ بری فوج کے مصارف میں جائے گی اور آیندہ جنگ کے موقع پر فرانس کے خلاف کام میں آئے گی"۔ انگلستان و جرمانیہ کے بہتر تعلقات ہو جانے کی مسلسل افواہ سے بھی

[1] ملاحظہ ہو تو میار کا مضمون ترکی کے شریک جنگ ہونے پر ریویو دپاری مورخہ یکم جولائی ۱۹۲۱ء میں۔

اسے نہایت فکر ہے کہ اس سے باضابطہ رابطۂ اتحاد کا امکان نکلتا ہے۔ اور خود مجھے یہاں بیٹھ کر بخوبی نظر آرہا ہے کہ جرمن حکومت انگریزوں سے مصالحت کے لئے کیا کیا جتن کر رہی ہے"[1]

ائتلافِ ثلاثہ

لیمان وان سینڈرس کے قضیے میں سازونوف سمجھتا تھا کہ سر ایڈورڈ اسے بھنور میں چھوڑ کر خود الگ ہو گیا۔ لہٰذا اسے فکر ہوئی کہ ائتلافِ ثلاثہ کے رشتے کو زیادہ مضبوط کر دیا جائے۔ اُس نے آزوولسکی کو بتاریخ ۲ اپریل تحریر کیا کہ ائتلافِ ثلاثہ کی صورت میں تغیر کرنا مناسب ہوگا[2]۔ "فرانس و انگلستان کے درمیان باہم اشتراک اور ایک دوسرے کے ذمے جو فرائض عائد ہوتے ہیں، ان کے واضح تر تعین کے سلسلے میں بعض کارروائیاں کی جا چکی ہیں۔ اب اسی سمت میں ہمیں کام جاری رکھنا ضروری ہے۔ میں اس رائے میں تمہارا شریک ہوں کہ اس مرتبہ پیرس میں بادشاہ اور برطانی سفیر کی ملاقات سے فائدہ اٹھا کے پوانکارے اور دومرگیو صیغۂ راز میں یہ بات جتا سکتے ہیں کہ روس و انگلستان کے درمیان قوی ترار تباط ہونا فرانس کے عین حسب مراد اور ائتلاف کے تمام ارکان کے حق میں یکساں مفید و مناسب ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ حکومتِ فرانس گرے سے تحریک کرے کہ انگلستان و فرانس کے سیاسی معاہدے سے ہمیں آگاہ کر دیا جائے اور اس کی بنیاد پر اسی قسم کا معاہدہ مرتب کیا جا سکے"۔

بادشاہ اور ملکہ پہلی اپریل کو پیرس پہنچے۔ موقع کی اہمیت وزیرِ خارجہ کی معیت سے اور بھی نمایاں ہو گئی کہ اپنے طویل زمانۂ وزارت میں وہ کبھی جزیرۂ برطانیہ سے باہر نہ گیا تھا۔ قرارداد کے بموجب دومرگیو نے روس و برطانیہ میں قوی ترار تباط کی وکالت کی اور آزوولسکی نے نتیجے سے پیٹرو گریڈ کو اطلاع دی کہ باقاعدہ اتحاد تو ممکن نہ تھا

[1] سائی برٹ: ۷۰۰۔

[2] ان مراسلات کی نقل ملاحظہ ہو سائی برٹ کی کتاب میں۔ جرمن وزارتِ خارجہ نے بھی ۱۹۱۹ء میں ان کا ایک انتخاب شائع کیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو جاگاو: "ارساعن ....." باب ہشتم۔

مگر سر ایڈورڈ روس کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کر لینے پر جیسا کہ فرانس سے تھا،

پیرس میں گفت و شنید

تیار تھا۔ بحری قرار داد ممکن تھی اور اس میں بھی کچھ مضائقہ نہ تھا کہ انگلستان و فرانس کے عہد و پیمان سے روس کو مطلع کر دیا جائے۔

"ڈومرگیو اور کامبون کہتے تھے کہ ہمیں گرے کی ارتباط کے لئے صاف اور قطعی آمادگی دیکھ کر نہایت حیرت ہوئی" ۱۲ مئی کے روز بن کن ڈورف نے وزیر خارجہ سے ایک یادگار ملاقات کی کیفیت لکھی:۔ "سر ایڈورڈ نے مجھے یہ بیان کرنے کی غرض سے بلا بھیجا کہ اس سفر کے کیسے گہرے اثرات اس کے دل پر پڑے۔ اور اس میں بادشاہ اور جو لوگ شریک سفر تھے، سب ہی حصہ دار ہیں۔ اس نے کہا یہ اثرات توقع سے کہیں زیادہ تھے اور پوانکارے اور ڈومرگیو نے جس تپاک سے استقبال کیا ہیں اس پر جس قدر اظہار مسرت کروں، کم ہے۔ تمام معاملات حاضرہ اور عام صورت حال کے متعلق اُن سے کلیتہً اتفاق رائے ہو گیا اور برطانی حکومت اس نتیجے پر پہنچی کہ ائتلاف کی جڑیں فرانس میں بھی اتنی ہی مضبوط ہو چکی ہیں، جتنی انگلستان میں۔ گرے نے ایسی گرم جوشی سے باتیں کیں جو اُس کی عادت کے خلاف ہے" چار دن گزرے تھے کہ اسی سفیر نے مجلس وزرا کے غور و بحث کا حسب مراد نتیجہ لکھ کر بھیجا کہ روس کو گرے کامبون کی مکاتیت سے مطلع کر دیا جائے اور پھر برطانی و روسی امارت بحر کے مابین گفتگو ہو۔

بتاریخ ۲۳ مئی وزیر خارجہ نے روسی سفیروں کو گرے کامبون کے خطوط دئے اور یہ بھی کہہ دیا کہ روس کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کئے جانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے اور قدرتی طور پر اس معاملے میں دونوں ملکوں کے بیڑوں سے بحث ہوگی۔ آخر طویل گفت و شنید کے بعد روسی امارت بحر نے تجویز کی کہ برطانیہ کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ جرمن بیڑے کے بڑے سے بڑے حصے کو بحر شمالی میں روکے رکھے تاکہ روس کا پومرانیہ میں فوج اُتارنا ممکن ہو جائے۔ اس غرض کے لئے ہو سکے تو برطانیہ جنگ کا آغاز ہونے سے قبل اپنے تجارتی جہاز بھی روس اور بالٹک کی بندرگاہوں پر بھیج دے۔ دوسرے روسی جہازوں کو اجازت دی جائے کہ

بحری گفت گو

جس طرح وہ بحر متوسط کے مغربی حصے میں فرانس کی لنگر گاہیں کام میں لا سکتے ہیں، اسی طرح اس سمندر کے مشرقی نصف میں برطانیہ کی لنگر گاہوں سے کام لے سکیں۔ اور اشارات وعلامات تحریر وغیرہ کے متعلق ایک دوسرے کو معلومات بہم پہنچائی جائے۔ روس کے بحری آکادیمی سے شہزادہ لوئیس رئیس بیٹن برگ سے گفتگو کرکے اطلاع دی کہ حکومت برطانیہ کو کچھ عجلت نہیں ہے اور شہزادہ خود اگست میں روس آئے گا کہ امارت بحری سے بحث ومشورہ کرے۔

اس عرصے میں راز فاش ہو چکا تھا۔ خود روسی سفارت خانۂ لندن کے ایک عہدہ دار نے ۱۹۰۹ء ہی میں اس خط کتابت کی برلن اطلاع دے دی تھی جو بن کن ڈورف کے ذریعے ہوئی تھی۔ اور اب بار بر لنر تاج بلاٹ نے جرمن حکومت کے منشا سے اب انگلستان وروس کی گفت وشنید کا راز آشکارا کر دیا۔

سر ایڈورڈ نے بن کن ڈورف سے دکھڑا رویا کہ کیسی کیسی بے احتیاطی کی باتیں شائع ہو گئیں اور اب مجھے دار العوام میں ایک استفسار کا جواب دینا پڑے گا۔ ادھر اس نے بیٹ مین ہولویگ کے اندیشے زائل کرنے کی تدبیر کی کہ وہ لچنوسکی کو لکھ کر صراحت چاہ رہا تھا۔ ۱۶ رجون کے خط میں اس نے لچنوسکی کو لکھا کہ "یہ بات نہایت اطمینان بخش ہے کہ سر ایڈورڈ نے انگلستان وروس کے بحری معاہدے کی افواہوں کی تکذیب کر دی۔ ورنہ ان میں کوئی اصلیت ہوتی تو ایک تو روس وفرانس کی جنگ طلبی کے جذبات کو تقویت پہنچتی اور دوسرے ہمارے ہاں بیڑے کے متعلق پھر سخت ہنگامہ بپا ہوتا اور ان تعلقات میں از سر نو خرابی پیدا ہو جاتی جو انگلستان سے آہستہ آہستہ درست ہوتے جاتے ہیں۔ گزشتہ چند سال سے یورپ جس چڑچڑے پن کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ واقعہ ان سب پر مستزاد ہوتا اور اس کے اور آگے چل کے جو کچھ نتیجے نکلتے وہ قیاس سے ماورا ہیں" اس کے برخلاف نائب وزیر زمرمن نے صدر اعظم کو لکھا کہ

لہ دیکھو ویلین ہالٹن: "ڈ ویش لینڈ....." ۱۴۵ ۔

سرایڈورڈگرے نے پھر ہمارے سفیر کو ٹال بتائی۔ میرے نزدیک آ سے انگلستان وروس میں جونامہ و پیام ہو رہے ہیں، ان کا ثبوت دکھانا ضروری ہے۔ بتاریخ ۱۱ جولائی انگریز وزیر خارجہ نے پارلیمنٹ میں ان استفسارات کا کہ آیا روس کے ساتھ کوئی بحری معاہدہ کیا گیا یا کیا جا رہا ہے، جواب دیا۔ اس نے بیان کیا کہ ایک سال ہوتا ہے وزیر اعظم نے کہا تھا کہ اگر دول یورپ کے درمیان جنگ چھڑ گئی، تو کوئی ایسے غیر شائع شدہ معاہدے نہیں ہیں، جن سے ہماری حکومت یا پارلیمنٹ کی آزادیٔ عمل محدود ہو جاتی ہو۔ اب بھی کسی سلطنت سے ایسے نامہ و پیام نہیں کئے جا رہے نہ کئے گئے نہ ان کا کیا جانا قرین قیاس ہے، کہ جن سے مذکورہ بالا قول کی صحت میں کمی آجائے۔ اگر کسی ایسے معاہدے کا قصد ہوتا جس سے وزیر اعظم کے بیان میں ترمیم کی ضرورت پڑتی، تو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جاتا۔" اس مبہم سیاق کے مختلف معنی نکالے گئے۔ لیکن ایک سیدھے سادے سوال کا براہ راست انکاری جواب نہیں دیا جاسکا، تو لامحالہ شبہات پکے ہو گئے۔ چنانچہ شی ہن نے تحریر کیا کہ "اب اس میں محض ضابطے کی دیر رہ گئی کہ کب اتحاد نامہ مرتب کر لیا جائے۔ میری ہمیشہ سے رائے ہے کہ جس وقت روس و فرانس کو انگلستان کی مدد کا یقین ہو گیا، اسی وقت یورپ میں جنگ چھڑنے کا قرینۂ غالب پیدا ہو جائے گا۔"

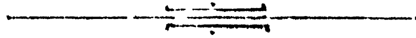
نامہ و پیام کی سست رفتار سے سازونوف جھلایا اور بن کن ڈورف کو اس نے یاد دلایا کہ معاہدے کا جس قدر جلد ہو سکے، طے ہونا ضروری ہے۔

روس کی بے صبری

سفیر نے جواب دیا (۲ جولائی) کہ مجھ سے جہاں تک ممکن ہے کوشش کروں گا کہ کپتان ڈول کوف اور انگریز امیر البحر کی باہمی گفت و شنید طے ہو جائے۔ لیکن یہ سمجھنے کی میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ برطانی حکومت پیرس کے ارادے پر عمل کرنے میں کوئی تامل کر رہی ہے۔ اگر تکمیل نہ ہوئی، تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ خود شہزادہ لوئیس معاملے کو پٹرو گریڈ آ کے مکمل کرے گا۔ تاخیر کا ایک اور سبب بے احتیاطی ہوئی۔ عجب نہیں سرایڈورڈگرے یہ چاہتا ہو کہ

برلن کی بے چینی رفع دفع ہو جائے، اُس وقت دوسرا قدم بڑھائے۔ فی الواقع یہ اس کے لئے دشوار ہو گا کہ ایک طرف تو نامہ و پیام جاری رکھے اور دوسری طرف انکار شائع کرتا رہے۔

مگر اس سے قبل کہ سر ایڈورڈ اپنی سخن سازی کی معقول صورت نکال سکے یا شہزادۂ لوئیس بٹن برگ جا کے بحری معاہدے پر دستخط کر سکے، ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ حکومت برطانیہ کو اپنی ساری کوششیں اس مایوسانہ جد و جہد میں صرف کرنی پڑ گئیں کہ جس طرح ممکن ہو امنِ عالم قائم رہے؛



باب شانزدہم

طوفان کا آغاز

یورپ کی فضا میں بجلی بھری ہوئی تھی جیسا کہ فرانسس فرڈینینڈ[2] اور اس کی بیوی کو سروی قوم کے آسٹروی باشندوں نے بتاریخ ۲۸ جون سراجیوو میں قتل کر دیا[1]۔

[1] ملاحظہ ہوں "Diplomadic Document Relating to Outbreak: of the European War" ed by J. B Scott; Supplemented by Kautzky وہ شہادت جو ریشتاگ کی ذیلی مجلسوں میں دی گئی۔ اور وسطی سلطنتوں کی شکست کے بعد آسٹریہ کی آخری کتاب احمر؛ برطانی حکمت عملی کی بہترین وکالت ذیل کی کتابوں میں کی گئی ہے:- Headlam: "The History of Twel e days" and The German Chancellor and the Outbreak of war" Oman, "The Outbreak of the war; G. Murray "The Forei Policy of Sir Edward Grey" ارل لوربرن کی کتاب "ہاوری وار کیم" زیادہ ناقدانہ ہے؛ فرانس کی وکالت میں بہترین کتابیں پوانکارے کی "Les Origines de la Guerre" اور بورژوا Les Origines et les Responsabilitis de la Grande Guerre وغیرہ ہیں۔ پیتے مرے کی کتاب نہایت

سراجیوو کے قتل

ضدی برختولڈ نے فوراً ارادہ کرلیا کہ اس موقع کو جس کی بہت دن سے تلاش تھی، سرویہ کے آخری بار قضیہ چکانے کے معاملے میں ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ لیکن پہلی جولائی کو تسزا نے ایک پُراثر یادداشت میں شہنشاہ کو خبردار کیا کہ اس جرم کا الزام بلگریڈ کو دینے کے کافی ثبوت موجود نہیں ہیں، لہٰذا آسٹریہ کو ساری دُنیا میں امن و امان میں رخنہ ڈالنے والا سمجھا جائے گا اور یہ کہ رومانیہ کی بجائے جب تک بلغاریہ اتحاد ثلاثہ کی آغوش میں نہ آجائے، کوئی بڑی جنگ چھیڑنی حماقت ہوگی۔

فرانسس جوزف کا خط

فرانسس جوزف کے محسوسات اس دستخطی خط سے ظاہر ہوتے ہیں جس کا مسودہ برختولڈ نے تیار کیا اور قیصر کے نام بھیجا تھا: "میرے بھتیجے پر اس جرم کا ارتکاب اُس شورش کا بلاواسطہ نتیجہ ہے جو "اتحادِ اسلافیاں" روسی اور سروی حامیوں نے برپا کر رکھی ہے کہ اتحادِ ثلاثہ کو کمزور کیا جائے اور میری سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ گو سروی حکومت کی شرکت ثابت نہ کی جا سکے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اس کی تمام یاگو اسلافی قوم کو سرویہ کے جھنڈے کے نیچے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ نکتہ چینی کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ جرمن حکمتِ عملی کی سب سے اچھی حمایت

Das deutsche Weissbach iiber die Schuld am Kriege; "Bethman "Hollweg: "Refletions on the World War." I Supplemented by his "Kriegsreden" Excellency edited by Thimme: Jagow "ursachen und Ausbruch......"

وغیرہ کتابوں میں کی گئی ہے۔ کاوٹ زکی کی کتاب معاندانہ ہے مگر سب سے زیادہ ٹھنڈے دل سے بلا رو رعایت ایک جرمن نے والن ٹائن کے مجموعے میں بحث لکھی ہے۔ آسٹریہ کی حکمتِ عملی پر سب سے جامع تحریر گوس اور کیبز کی کتابوں میں ہے۔ اور سنری لاسی نے برختولڈ پر شدت سے نکتہ چینی کی ہے۔ جو تنیس اندراسی "ڈپلومیسی اینڈ دی وار" میں اہلِ ہنگری کا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے۔ سب سے زیادہ منصفانہ اور بے لاگ بحث فے نے "امریکن ہسٹوریکل ریویو" کے جولائی، اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء اور جنوری سنہ ۱۹۲۱ء کی اشاعتوں میں کی ہے۔

جمع کرنے کی کوشش، لازماً اس قسم کے جرائم کی تحریص کا باعث ہے اگر اس کا سدِ باب نہ کیا جائے تو میرے خاندان اور سلطنت کو معرض خطر میں ڈالنے والی ہے۔ لہٰذا مجھے لامحالہ فکر ہوگی کہ سرویہ کو دوسری سلطنتوں سے علیحدہ اور اس کا علاقہ اور بھی کم کر دیا جائے۔ حال میں جو حادثہ فاجعہ ہوا ہے اُسے دیکھ کر بے شبہ آپ کو بھی کامل یقین ہو گیا ہوگا کہ سرویہ کے ساتھ ہمارا کوئی دوستانہ معاملہ ہونا خارج از بحث ہے اور یہ کہ جب تک بلگریڈ میں فتنہ انگیزی کا یہ مرکز کیفرِ کردار کو نہیں پہنچے گا اُس وقت تک یورپ کے بادشاہوں کی ساری امن کوشی کے رائگاں جانے کا اندیشہ ہے"۔ بادشاہی خط کے ساتھ رومانیہ اور بلغاریہ کے متعلق ایک یادداشت بھی تھی جسے حادثہ قتل سے چند روز پہلے تیار کیا گیا تھا۔ اور آخر میں مکرر لکھ کے یہ بُرے تیور کا فقرہ بڑھا دیا تھا کہ دولتِ آسٹریہ ہنگری کے لئے اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہاتھ بڑھا کے وہ ڈورے پکڑ لے اور توڑ دے جن کا جال دشمن اُس کے سر پر تن رہے ہیں۔"

قیصر کو بتاریخ ۵ جولائی یہ خط ملا تو اُس نے شاہی قاصد کونٹ ہویس کو یقین دلایا کہ آسٹریہ اور سب معاملات کی طرح، اس معاملے میں بھی میری حکومت کی کامل تائید کا بھروسہ کر سکتی ہے۔ سرویہ کے خلاف جو کچھ کارروائی کرتی ہے اس میں دیر نہ ہونی چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ روس کی روش معاندانہ ہوگی۔ لیکن اس کے لئے ہم مدت سے تیار ہیں اور اگر آسٹریہ و روس کے درمیان جنگ ناگزیر ہو جائے۔ تو جرمانیہ اپنے حلیف کے دوش بدوش استادہ ہوگی۔ روس جنگ کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور تلوار کھینچنے سے قبل وہ دو مرتبہ تامل کرے گا۔ اگر آسٹریہ واقعی سرویہ سے لڑنا ضروری سمجھتی ہے تو میرے خیال میں اس موقع کو چھوڑنا، جو ہر طرح حسب دلخواہ ہے، قابل پشیمانی ہوگا۔"

اس کے دوسرے دن صدرِ اعظم نے آسٹریہ کے سفیر کو اطلاع دی کہ آسٹریہ اور سرویہ کے نزاعی معاملات میں رائے زنی کرنا، قیصر کا کام نہیں ہے البتہ فرانسس جوزف پرانی دوستی اور شرائط معاہدہ کے موافق قیصر کی امداد پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ اس عرصے میں ہم کوشش کریں گے کہ رومانیہ کو اپنی طرف پھیر لائیں۔"

جرمن جواب

قیصر کے دستخطی خط میں انہی زبانی مواعید امداد کی تکرار تھی۔ کوئی بزم شوریٰ تو منعقد نہیں ہوئی مگر شمالی سمندروں میں سالانہ بحری گشت کو روانہ ہوتے سے پہلے، اُس نے ۶ جولائی کے دن وزارتِ جنگ اور بحریہ کے قائم مقاموں سے ملاقات کی اور یورپ کی پیچیدگیوں کے خطرے سے خبردار کیا۔ جرمن کتابِ ابیض نے بھی صراحت کی کہ "ہم بخوبی آگاہ تھے کہ آسٹریہ نے سرویہ کے خلاف جنگی طرز اختیار کیا تو عجب نہیں کہ روس میدان میں درآئے اور پھر ہمیں بھی حلیف کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے کے سلسلے میں مبتلائے جنگ ہونا پڑے لیکن آسٹریہ کے جیسے اہم فوائد و اغراض جوکھوں میں تھے، ان کے لحاظ سے ہم اسے یہ مشورہ نہیں دے سکتے تھے کہ وہ دب کر ایسا طرزِ عمل اختیار کرے جو اُس کے وقار کے خلاف ہو اور نہ اپنی مدد دینے سے انکار کر سکتے تھے۔ اس لئے اور بھی کہ سروی شورش سے خود ہمارے حقوق مخدوش ہوئے جاتے تھے۔ اگر اہلِ سرویہ فرانس و روس کی تائید سے آسٹریہ کی زلیست اسی طرح تنگ کرتے رہتے تو رفتہ رفتہ اُس کا تار و پود بکھر جاتا اور تمام اسلافی قومیں روس کے زیرِ نگیں ہو جاتیں جس سے وسطِ یورپ میں تیوتانی نسل کا رہنا مشکل ہو جاتا۔ اسی طرح اگر روسی جوشِ اسلافیت سے دب کر آسٹریہ اپنی توقیر و قوت کھو بیٹھے تو پھر اس کی بحیثیت حلیف مدد پر کوئی اعتماد نہیں رہ سکتا حالانکہ اپنے مشرقی اور مغربی ہمسایوں کی روز افزوں تہدید آمیز روش دیکھ کے ہمیں اس مدد کی ضرورت ہے"[1] واضح رہے کہ ۱۹۰۸ء کی طرح ۱۹۱۴ء میں بھی حکومتِ ویٰ آنا برلن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہیں بن گئی تھی۔ لیکن آسٹریہ کو ایسے اقدام کی شہ دے کر جس کا قریب قریب یقینی نتیجہ یہ تھا کہ یورپ بھر میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں، جرمن حکومت نے اس مہیب آتش زنی میں جو حصہ لیا وہ خود آسٹریہ کے جرم سے مشکل ہی سے کچھ کم ہوگا۔ یہ بات کہ قیصر سرویہ والوں کو بادشاہ کش اور

---

[1] ملاحظہ ہو ایبیشر، la Grande Guerre

سخت وحشی سمجھتا تھا اور اس کے نزدیک زار کی نظر میں بھی انھیں ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اس بات کا کوئی معقول عذر نہیں ہو سکتا کہ اُس نے ناعاقبت اندیشی سے اصرار کیا کہ ان سرویہ والوں کو بلا تاخیر قابل عبرت سزا دی جائے۔

جس وقت برختولڈ اپنا کڑا کا تیار کرنے میں مصروف اور جرمن امداد کی طرف سے اطمینان حاصل کر رہا تھا، لچنوسکی کو پیام پہنچا کہ وہ سر ایڈورڈ گرے کو خبردار کر دے کہ وی آنا اور بلگریڈ کے تعلقات میں سخت کشیدگی کے آثار ہیں اور صلاح دے کہ سر ایڈورڈ روسیوں کو ترغیب دے کہ وہ سرویہ کو آسٹریہ کے مطالبات مان لینے کا مشورہ دیں۔ وزیر خارجہ آمادہ تھا کہ اگر آسٹریہ سرویہ کے خلاف کوئی سخت کارروائی کرنے پر مجبور ہو تو میں روس کو اعتدال سے کام لینے کی تاکید کروں گا۔

آسٹریہ کی مجلس شاہی

لیکن معاملے کا زیادہ تر انحصار اس پر ہے کہ کہیں آسٹریہ والے اسلافی جذبات کو اس حد تک مشتعل نہ کر دیں کہ روس سے خاموش رہنا غیر ممکن ہو جائے۔ مگر آسٹریہ مصالحت پر ذرا بھی مائل نہ تھی۔ جرمن حکومت کے ہاں سے جواب آگیا تو بتاریخ ۷ جولائی دولت ثنویہ کے وزرا صورت حال پر بحث و مشاورت کے لئے جمع ہوئے اور کاؤنٹ برختولڈ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ سرویہ کی ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کرنے کا موقع آگیا ہے۔ جرمانیہ مدد کا وعدہ کرتی ہے اور سرویہ پر فوج کشی سے روس کے ساتھ جنگ چھڑ جانا لازم نہیں آتا۔ حاضرین میں سے ٹسزا نے توجہ کی کہ سرویہ پر چڑھائی عالمگیر جنگ کا باعث ہو جائے گی اور بادشاہ کی خدمت میں ایک دوسری یادداشت لکھ کر مکرر احتجاج کیا۔ ورنہ باقی سب متفق تھے کہ محض سفارتی کامیابی بیکار ہو گی اور مطالبات اتنے سخت پیش کئے جائیں کہ سوائے انکار کے سرویہ کو کوئی چارہ نہ رہے[1]۔ ایک عہدہ دار وائزنر کو برختولڈ نے تحقیقات کے لئے سراجیوو بھیجا تھا اور اُس نے کیفیت پیش کی کہ "ایسی کوئی شہادت

[1] ٹسزا کے اعتدال بخش اثر کے لئے علاوہ کتب امر کے ملاحظہ ہو فرک نوی کی کتاب "ڈائی اُن گاریشن"۔ عد

نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو یا شبہ بھی کیا جا سکے کہ حکومت سرویہ ان تدابیر سے واقف تھی جو اس ہجوم پر منتج ہوئے"[1] بایں ہمہ برختولڈ کے عزم بالجزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایک دوسری مجلس شاہی ۱۹ / جولائی کے دن منعقد ہوئی اور اس میں سرویہ کے نام مراسلے کا مضمون طے کیا گیا۔ اور قرار پایا کہ اسے ۲۳ / جولائی کو پیش کر دیا جائے۔ کونراڈ نے بیان کیا کہ جنگی حالات اب ایسے خوش آیند نہیں رہے ہیں جیسے پہلے تھے اور آگے چل کے ان کے اور بدتر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس قرارداد کے عوض میں کہ آسٹریہ الحاق کے تمام ارادوں سے دست برداری کا اعلان کر دے، ٹسزا کا اتفاق رائے حاصل ہو گیا تاہم برختولڈ نے اصرار کیا کہ جنگی حدود کو درست کرنا ضروری ہے اور ملک کے بعض حصے دوسری ریاستوں کو دے دئے جائیں۔

سرویہ کے نام پیام جنگ

بتاریخ ۲۳ / جولائی آخری شرطیں بلگریڈ میں پیش کر دی گئیں جن کی نامنظوری جنگ کا پیغام تھی۔ آسٹریہ کے مطالبات دس دفعات میں تحریر کئے گئے تھے۔ اور ان میں نہ صرف "اتحاد سرب" کی انجمنوں اور اُن کے خیالات کی تبلیغ کا خاتمہ کرنے کا مطالبہ تھا بلکہ اس کی عملی تدابیر میں آسٹریہ کے عہدہ داروں کی شرکت بھی ضروری قرار دی گئی تھی۔ فرانسس جوزف اس فعل کے پُرخطر نتائج سے خوب آگاہ تھا۔ ایک وزیر سے اُس نے خیال ظاہر کیا کہ "روس اسے قبول نہیں کر سکتا۔ اور جنگ بڑی بھاری ہوگی"[2]

آسٹریہ کے سفیر نے آخری شرطوں کی ایک نقل ڈوننگ اسٹریٹ میں حوالے کی تو وزیر خارجہ نے گلہ کیا کہ ابھی سے وقت کا تعین کر دیا گیا۔ اور کہا کہ میں نے کسی سلطنت کو دوسرے ملک کے نام ایسی پُرقہر قسم کی تحریر بھیجتے نہیں دیکھا تھا۔ آسٹریہ اور سرویہ کی نزاع میں حق و ناحق سے حکومت برطانیہ کو

---

[1] برختولڈ نے اس کیفیت کو ٹسزا، فرانسس جوزف اور برلن سے مخفی رکھا تھا۔

[2] کیفر "Kauserliche ...." صفحہ ۲۵۱۔ تارگنی کی شہادت "دی ایمپرر فرانسس جوزف" کی نسبت یہ قول زیادہ وزنی ہے۔

کچھ بحث نہیں ہے۔ میں دوسری سلطنتوں سے مبادلۂ رائے کرتا ہوں اور ان کی آرا کا انتظار کرنا پڑے گا کہ آئندہ کیا کیا جائے۔ پھر اُس نے سب سے پہلے فرانس کے سفیر کو بلوایا اور اُس سے کہا کہ بیچ بچاؤ کی صورت سوائے اس کے کوئی اور نہیں ہے کہ جرمانیہ، فرانس، اطالیہ اور برطانیہ جن کی سرویہ سے بلا واسطہ کوئی غرض وابستہ نہیں ہے، وی آنا اور پیٹرو گریڈ میں مل کر کارروائی کریں۔ کامبون نے مایوسانہ طور پر جواب دیا کہ جب تک روس کوئی رائے ظاہر یا کوئی کارروائی نہ کرے، اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور وہاں دو دن میں آسٹریہ کی فوجیں سرویہ میں داخل ہو جائیں گی کیونکہ اُن آخری شرائط کو اہل سرویہ کسی طرح قبول نہیں کر سکتے۔ پھر اگر آسٹریہ نے سرویہ پر چڑھائی کی تو روس کی رائے عامہ اُسے مجبور کرے گی کہ فی الفور کوئی کارروائی کرے اور اس طرح آسٹریہ کا حملہ شروع ہو گیا تو صلح صفائی کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ اسی سہ پہر وزیر خارجہ نے جرمن سفیر سے ملاقات کی جو ایک گشتی مراسلہ لے کر آیا تھا جس میں سرویہ والوں کی سلطنت آسٹریہ کے خلاف ریشہ دوانی پر نفرین کی گئی تھی اور آسٹریہ کے طریق عمل کی تحسین کے ساتھ رائے ظاہر کی تھی کہ یہ معاملہ صرف آسٹریہ اور سرویہ سے تعلق رکھتا ہے۔ سر ایڈورڈ نے کہا کہ اگر ان شرطوں کی بدولت روس سے کوئی فساد نہ ہوا، تو مجھے اس معاملے میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ لیکن مجھے سخت تشویش ہے کہ دیکھئے روس اس بارے میں کیا رائے قائم کرتا ہے اور چونکہ آسٹریہ کا مراسلہ نہایت غیر معمولی قسم کا ہے اور اس میں بہت کم مہلت دی گئی ہے، بنظر بریں جہاں تک روس کا تعلق ہے میں اپنے آپ کو بالکل بے بس سمجھتا ہوں۔ اب ایک ہی شکل باقی رہ گئی ہے کہ چاروں سلطنتیں مل کر بیچ بچاؤ کریں اور زیادہ مہلت حاصل کریں۔ اور یہ صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ جرمانیہ یہ تحریک کرے اور وہی آنا کو اس قسم کا مشورہ دینے میں شریک ہو جائے۔ پیرس اور برلن کو اس قسم کی صلح کرا دینے کی تحریک کرے۔ سر ایڈورڈ نے سرویہ سے تاکید کی کہ اگر اس کا کوئی سرکاری ملازم جرم قتل میں شریک ثابت ہو تو اس صورت میں وعدہ رہے

انگلستان کی صلح کرنے پر آمادگی

کہ پورا تاوان ادا کرنے پر آمادہ ہو گی"۔
بتاریخ ۲۶ جولائی سر ایڈورڈ نے صلح کرو دینے کی تجویز جس پر سفیروں سے گفتگو کی تھی، بذریعۂ تار پیرس، برلن اور روما کی حکومتوں کو روانہ کی اور لکھا کہ "کیا وزیر خارجہ اپنے سفیروں کو جو یہاں متعین ہے، یہ ہدایت کرنی پسند کرے گا کہ وہ فرانس، اطالیہ، جرمانیہ کے قائم مقاموں اور خود میرے ساتھ ایک راز کے جلسے میں شریک ہو تاکہ بلا تاخیر ایک ایسی صورت نکالی جا سکے جس کی پیچیدگیاں نہ بڑھنے پائیں؟ اگر ایسا ہو تو ہم سب کے سفیر جو بلگریڈ، وی آنا اور پیٹرز برگ میں ہیں، وہاں کی حکومتوں سے درخواست کریں گے کہ جب تک اس مشاورت کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو وہ جنگی کارروائیوں کو ملتوی رکھیں"۔ فرانس و اطالیہ نے یہ تجویز بلا تامل قبول کر لی مگر قیصر نے صاف کہہ دیا کہ میں اس مشورۂ مصالحت میں صرف اُس وقت حصہ لوں گا جب کہ آسٹریہ صاف طور پر ایسی خواہش ظاہر کرے "کیونکہ اتنے سنگین معاملات میں لوگ کسی سے صلاح مشورہ نہیں لیا کرتے"۔ انگریز وزیر خارجہ نے دوبارہ لکھا کہ میں نے ابھی سرویہ کا جواب دیکھا اور اس میں آسٹریہ کی شرطوں کو اس حد تک، جو توقع سے بڑھ کر ہے، پورا کرنے پر آمادگی ظاہر کی گئی ہے، اور یہ صریحاً روس کی تحریک سے ہوا ہے لہذا اب وی آنا کو اس کی صلاح دے"۔ لچنوسکی نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھا کہ یہ پہلی دفعہ تھی کہ انگریز وزیر کو میں نے بدمزاجی کے عالم میں دیکھا"۔ اس نے خاص سنجیدگی کے ساتھ باتیں کیں اور معلوم ہوتا تھا کہ ہم سے قطعی طور پر توقع کرتا ہے کہ اس معاملے کو طے کرا دینے میں ہم اپنے اثر سے کام لیں۔ یہاں اور سب لوگ بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ کنجی برلن کے ہاتھ میں ہے اور وہ اگر امن و صلح کا خواہشمند ہے تو آسٹریہ کو بھی تھام لے گا"۔ جرمن صدر اعظم سچے دل سے امن کا خواستگار تھا لیکن معاملہ بالکل اس کے قابو سے نکل گیا تھا۔ اُس نے لچنوسکی کا مراسلہ تار پر وی آنا بھیج دیا اور آخر میں لکھا کہ مشاورۃ کو ہم پہلے مسترد کر چکے ہیں لہذا اس نئی صلاح سے انکار کرنا غیر ممکن ہو گا۔ "صلح کرا دینے کی

ہر صورت کو مسترد کئے جانے سے ہم دُنیا بھر کے روبرو تصادُم کے ذمہ دار بن جائیں گے اور چونکہ سرویہ ظاہرا بہت کچھ دب گئی ہے اس لئے اب ہمارے واسطے اور بھی دُشواری ہے۔ ہم صلح کرانے کے منصب کو نامنظور نہیں کرسکتے اور ہم پر لازم ہوگیا ہے کہ انگلستان کی تجویز وزارتِ وی آنا کے سامنے پیش کردیں۔ اس تجویز اور سازونوف کی اس خواہش کے متعلق کہ وہ براہ راست وی آنا سے نامہ و پیام کرے' برختولڈ کی صحیح رائے معلوم کرو۔"

وی آنا کا جنگجویانہ میلان

مگر امنِ عالم کی بدنصیبی کہ وی آنا اپنے شرّی ہمسایوں سے آخری بار قضیہ چکانے کی ٹھان چکی تھی۔ سر موریس بن سن نے خبر دی کہ آخری شرطوں کے تمام و کمال مان لئے جانے کی نہ امید تھی نہ خواہش۔ چنانچہ ایک دفعہ یہ افواہ اُڑی کہ انھیں بلاکم و کاست قبول کرلیا گیا ہے تو تھوڑی دیر کے لئے یہاں بہت مایوسی پیدا ہوگئی لیکن اس غلط خبر کی جلد تردید کی گئی اور جونہی یہ معلوم ہوا کہ شرطیں مسترد کردی گئیں اور بیرن گیزل نے بلگریڈ سے قطع تعلق کرلیا' تو وی آنا میں مجنونانہ مسرت کا طوفان برپا ہوگیا۔ ہزاروں آدمی کوچہ و بازار میں جمع ہوئے اور تمام رات حبِّ وطن کے گیت گاتے رہے۔ اب سیلاب کے بند کھل چکے تھے اور تمام آبادی اور اخبارات بیتابی سے چیخ رہے تھے کہ سرویہ کی ملعون قوم کو فوری اور شدید سزا دی جائے۔ سارے مُلک کے نزدیک سوائے ان دو شکلوں کے کہ یا سرویہ کو مغلوب کیا جائے اور یا اُس کے ہاتھوں کبھی نہ کبھی اپنی قطع و برید ہوتی گوارا کی جائے' اور کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ آسٹریہ کے دعوے کو اس قدر حق بجانب سمجھا جارہا تھا کہ کسی سلطنت کا اُس کے راستے میں حائل ہونا' ناقابل تصور معلوم ہوتا تھا۔" کونٹ میتس ڈورف کو ہدایت ملی کہ

---

[1] اپنی دلچسپ کتاب "La Deruiere Ambassade....en Autriche" میں دوزین برختولڈ کو ایک معمولی عقل و رائے کا خوش مزاج شخص' دکھاتا ہے جسے تشہیر شکی شہ دیتا تھا لیکن مجلس شاہی کے جلسوں کی روئیدادیں دیکھنے سے اس قول کی تصدیق نہیں ہوتی۔

سر ایڈورڈ گرے کو اطلاع دے دے کہ سرویہ نے مطالبات قبول نہیں کئے اور آسٹریہ اب لامحالہ جبر سے کام لینا شروع کرے گی۔ اسے زور آزمائی کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے اور یقین ہے کہ اس کشمکش میں برطانیہ آسٹریہ کا حامی ہوگا۔ سفیر نے یہ بھی صراحت کی کہ سرویہ کا جواب کاغذ پر کیسا ہی تشفی بخش نظر آئے، جب تک آسٹریہ کے فوجی اور کوتوالی کے عمال اس جدوجہد کا سدباب کرنے میں شراکت نہ کریں جو آسٹریہ کے خلاف ہو رہی ہے، اس وقت تک کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا اور اسی مطالبے کو سرویہ نے مسترد کر دیا ہے۔ سر ایڈورڈ نے ترش سے جواب دیا کہ بلگریڈ نے اپنے جواب میں جیسی جیسی ذلت برداشت کرنی گوارا کر لی ہے، اس سے بڑھ کر کسی ملک کو میں نے برداشت کرتے نہیں دیکھا۔ اور مجھے بڑی مایوسی ہوئی کہ آسٹریہ نے اسے انکار محض قرار دیا۔

اگر آسٹریہ تلی ہوئی تھی کہ جس طرح ۱۹۰۳ء میں اُسے روک دیا گیا تھا، اس طرح سرویہ سے سمجھ لینے کا یہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ دے جسے وہ بالکل

روس کا عزم بالجزم

دفاعی فعل جان رہی تھی تو روس کا ارادہ بھی کچھ کم پختہ نہ تھا کہ اپنے بلقانی چیلے سے امداد کے جو وعدے بار بار کئے ہیں اُن کا ایفا کرے[1]۔ مزید برآں وہاں کا جنگی طبقہ لڑائی کے نتیجے سے مطمئن اور مشتاق بھی تھا کہ عجب نہیں اس کا ثمر قسطنطنیہ ہو۔ وسطی سلطنتوں کو امید تھی اور وہاں کے بعض حلقوں میں فی الواقع یہ باور کیا جاتا تھا کہ سرویہ کو سزا پاتے دیکھ کر بھی روس الگ کھڑا رہے گا۔ لیکن اس مفروض کی کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ آسٹریہ نے کمال عیاری سے اپنی آخری شرطیں عین اس وقت پیش کیں جب کہ فرانس کا رئیس جمہوریہ روس کی سیاحت ختم کر کے جہاز میں روانہ ہو چکا تھا۔ اور سازونوف نے انھیں پڑھ کر

[1] اس فسانے کے روسی تماشاگروں کی نہایت روشن تصویریں وہاں کے جرمن اور فرانسیسی سفیر کے روزنامچوں میں کھینچی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہوں پورتالے اور پیلولوگ کی کتابیں متعلقہ جنگ یورپ۔

انگریز سفیر سر جورج بوکانن سے کہا کہ یہ اشتعال انگیز بھی ہیں اور ناپاک بھی، اور امید ظاہر کی کہ حکومتِ برطانیہ روس و فرانس کے ساتھ اپنے مستحکم تعلقات کا اعلان کر دے گی۔ سفیر نے جواب دیا کہ کسی غیر مشروط فوجی امداد کی ذمہ داری لینے کی مجھے توقع نہیں کیونکہ سرویہ میں برطانیہ کے بلا واسطہ کوئی حقوق نہیں اور اس کے لئے جنگ کرنے کی برطانی رائے عامہ کبھی منظوری نہ دے گی۔ سازونوف نے برجستہ کہا کہ یہ سرویہ کا معاملہ نہیں بلکہ سارے یورپ کا قدم الجھا ہوا ہے، اور اگر لڑائی چھڑی تو جلد یا کچھ دن بعد برطانیہ کو اس میں پھنسنا پڑے گا اور اگر وہ ابتدا سے فرانس و روس کی رفیق نہ ہو گئی تو لڑائی کا ہونا اور بھی قرینِ قیاس ہو جائے گا۔ فرانس کا سفیر بھی اس استدعا میں شریک ہو گیا اور سر جورج نے مراسلے کے اخیر میں اپنی رائے ظاہر کی کہ اگر ہم ساتھ دینے سے انکار کر دیں تو بھی روس و فرانس تلے ہوئے ہیں کہ اس موقع پر اڑ جائیں گے"۔

برطانی بیڑا یہ کیفیت تھی جب کہ ۲۷ جولائی کے دن وزیر خارجہ نے چند پُر مغز فقروں میں دارالعوام کو جس کی ساری توجہ آئرلینڈ پر لگی ہوئی تھی، موقع کی نازکی بتائی اور اپنی فرانس، جرمانیہ اور اطالیہ سے مل کر کام کرنے کی تجویز سنائی۔ اور کہا کہ جب سے یہ قضیہ شروع ہوا ہے میں نے کوئی ایسا لفظ زبان سے نہیں نکالا کہ جس سے مجھ پر یا میرے ساتھ والوں پر کوئی پابندی عائد ہوتی ہو۔ البتہ ایک دن پہلے یہ اہم واقعہ ضرور ہوا کہ امارتِ بحری نے خود اپنی ذمہ داری پر احکام جاری کئے کہ پورٹ لینڈ میں جو بیڑا مصنوعی جنگ کے واسطے مجتمع ہوا تھا، وہ واپس نہ جائے۔ جب لچ کن ڈورف نے کہا کہ آسٹریہ اور جرمانیہ کے حلقوں میں عام طور پر یہ اندازہ کیا جاتا تھا کہ ہم یقیناً بالکل علیحدہ رہیں گے تو سر ایڈورڈ نے جواب دیا کہ بیڑے کے نام جو احکام جاری ہوئے ان ہی سے اس خیال کی تکذیب ہو جانی چاہئے تھی۔ بایں ہمہ اس واقعے کے یہ معنی نہ لینے چاہئیں کہ سفارتی کارروائی کے سوا اور کوئی وعدہ بھی کیا گیا ہے"۔

تنبیہ و تاکید سے ویی آنا میں مطلق کوئی اثر نہ ہوا۔ بتاریخ ۲۸ جولائی

سر موریس بنس نے برطانیہ کے اس منشا کی صراحت کی کہ چاروں سلطنتیں مل کر قیام امن کی کوشش کریں۔ برختولڈ نے "آہستگی سے مگر عزمِ مصمم کے ساتھ" جواب دیا کہ سرویہ کے مراسلے کی بنیاد پر کوئی گفتگو قبول نہیں کی جا سکتی اور آج جنگ کا اعلان ہو جائے گا۔ چونکہ سرویہ پہلے بھی آسٹریہ کو دھوکہ دے چکی ہے اور نا مہذب قوم ہے، لہذا اس سے کوئی عارضی معاملہ کرنا محض فضول ہے۔ اگر دول نے اس کی حمایت کی تو امنِ یورپ قائم نہ رہے گا کیونکہ اس وقت آسٹریہ نے مصالحت منظور کر لی تو پھر وہ اپنی دیرینہ روش پر چلتی رہے گی اور دوبارہ جنگ کا سوال اُٹھ کھڑا ہو گا۔[1] پٹروگریڈ میں اعلانِ جنگ کی خبر پہنچی تو جنوبی صوبوں میں اجتماعِ افواج کا حکم دے دیا گیا اور سازونوف نے بن کن ڈورف کو تار دیا کہ اب پٹروگریڈ و وی آنا میں براہ راست نامہ و پیام کا خیال باقی نہیں رہا۔ اب حکومتِ برطانیہ کے لئے نہایت ضروری ہو گیا ہے کہ جنگی کارروائیاں ملتوی کرا دینے کی فوری کوشش کریں کیونکہ ایسا نہ ہوا تو صلح صفائی کی گفتگو سے آسٹریہ کو فرصت مل جائے گی کہ سرویہ کو اتنے عرصے میں پامال کر ڈالے۔

آسٹریہ کے اعلانِ جنگ سے وحائٹ ہال میں اسی قدر ناراضی پیدا ہوئی جس قدر ان کی آخری شرطوں کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ لیکن اس سے برطانی حکمتِ عملی میں کوئی تغیر نہ ہوا۔ وزیر خارجہ نے اب بھی امداد کا کوئی ایسا وعدہ نہ کیا جس سے پٹروگریڈ کے جنگی جوش کو تحریک پہنچتی اور نہ غیر جانبداری کا اقرار، جس سے برلن و وی آنا کے شوریدہ سروں کی ہمت بڑھتی۔ بتاریخ ۲۹ جولائی اُس نے لیخنوسکی کی معرفت جرمن حکومت سے التجا کی کہ وہی چاروں سلطنتوں کے مل کر جنگ روکنے کی کوئی سبیل بتائے۔ | لیخنوسکی کو تنبیہ

---

[1] جس طرح برختولڈ کو یقین تھا کہ مصالحت محض التوائے جنگ کے مرادف ہو گی، اسی طرح آسٹریہ میں عام طور پر یہی باور کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو اس مضمون پر ایک پُر مغز بحث ہوئیس کی کتاب "Deutsch-Englische...." میں۔

صلح صفائی کرادینا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ اہل آسٹریہ اس اعلان کے ساتھ کہ جب تک ہمیں مطمئن نہ کر دیا جائے گا ہم مفتوحہ علاقہ نہ چھوڑیں گے، یہ بھی بیان کر دیں کہ روس کے ساتھ گفتگوئے مصالحت کی کوشش بار آور ہونے تک ہم آگے نہ بڑھیں گے۔ اگر جرمانیہ وی آنا سے یہ مفارش کرے تو میں روس کی رضامندی حاصل کرلوں گا۔ آخر میں اُس نے وہ الفاظ کہے جنھیں جرمن سفیر نے آگے چل کے "مشہور تنبیہ" کے نام سے یاد کیا۔ خود سرایڈورڈ نے اپنے سفیر جرمانیہ کو بذریعۂ تار اطلاع دی کہ "آج سہ پہر کو میں نے لچنوسکی سے کہا کہ محض دوستانہ اور نج کے طور پر میں اپنے دل کی بات کہہ دینا چاہتا ہوں۔ اگر جرمانیہ اور پھر فرانس کا پاؤں اُلجھا، تو یہ بازی اتنی بڑی ہو جائے گی کہ تمام یورپ کی قسمتیں اس سے وابستہ ہو جائیں گی اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارے دوستانہ طرز گفتگو سے وہ اس غلط فہمی میں پڑ جائے کہ ہم الگ تھلگ رہیں گے۔ میرے اس قول پر جرمن سفیر نے کوئی نکتہ چینی نہیں کی بلکہ مجھے بتایا کہ وہ خود برلن سے صورتِ حال کے متعلق اپنی اسی قسم کی رائے کا اظہار کر چکا ہے۔"

خود لچنوسکی نے اس ملاقات کی جو کیفیت لکھی وہ برلن ایسے وقت پر پہنچ سکی جو پوٹسڈم کی بزم شوریٰ پر کوئی اثر ڈال سکتی جو قیصر کی بحری گشت سے مراجعت پر اسی شام منعقد ہوئی۔ وہ اپنی تو زک میں لکھتا ہے کہ "جلسے میں صدر اعظم اور وزارت خارجہ کی رائے فوجی حکام صدر سے تخالف رکھتی تھی۔ کیونکہ مولٹکے کی حجت تھی کہ جنگ ناگزیر ہے بجالیکہ دوسرے حضرات سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے خود زیادتی نہ کی تو جنگ کی نوبت نہ آئے گی۔" جلسے کے بعد بیٹ مین ہولویگ نے سرایڈورڈ گوشن کے الفاظ میں برطانی غیر جانبداری کے واسطے بڑی بھاری بازی لگائی۔ اُس نے کہا یہ تو ظاہر ہے کہ برطانیہ علیحدہ کھڑے رہ کر فرانس کا پامال ہوتے دیکھنا جائز نہ رکھے گا۔ لیکن جرمانیہ کا بھی مقصد یہ نہیں ہے۔ اگر

پوٹسڈم کی شاہی بزم شوریٰ

---

[1] توزک باب دہم۔

برطانی غیر جانبداری یقینی ہو تو ہم برطانیہ کو ہر قسم کا اطمینان دلا دیں گے کہ جرمانیہ فرانس کو نقصان پہنچا کے کسی ملک ستانی کی نیت نہیں رکھتی جب فرانس کے بیرونی مقبوضات کی نسبت سوال کیا گیا تو اُس نے کہا ان کے بارے میں ایسا اقرار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا انحصار فرانس پر ہے کہ جرمانیہ کو بلجیم میں کس جنگی کارروائی پر مجبور ہونا پڑے لیکن جنگ ختم ہوتے ہی بلجیم کی صیانت کا احترام کیا جائے گا بشرطیکہ وہ جرمانیہ کے خلاف صف آرا نہ ہوئی ہو۔ اُس نے کہا میرا مقصد ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ برطانیہ کے ساتھ کوئی مفاہمت کی صورت نکالی جائے۔ میرے ذہن میں غیر جانبداری کی ایک عام قرارداد ہے اور برطانیہ یہ وعدہ کرلے کہ اگر اس قضیے کا نتیجہ جنگ کی صورت میں برآمد ہوا تو وہ علیحدہ رہے گی، تو پھر اس خیال کے عمل میں آنے کا قرینہ پیدا ہو جائے گا۔[1] سر ایڈورڈ گرے کو اس گفتگو کی اطلاع ملی تو اُس نے بگڑ کے جواب دیا کہ ان شرطوں پر ہماری حکومت صدرِ اعظم کی تجویز غیر جانبداری کا لمحہ بھر کے لئے بھی لحاظ نہیں کر سکتی۔

جرمن حکومت نے کمال نا عاقبت اندیشی سے برختولڈ کو آگ بھڑکانے کی ہمت دلائی، اور مجرمانہ غفلت سے آسٹریہ کی آخری شرطیں دیکھنے کی بھی استدعا نہیں کی جو بعد میں صدرِ اعظم اور یاگاؤ دونوں کو نامناسب طور پر تند نظر آئیں۔[1] لیکن اب سرویہ کا جواب آنے پر دونوں نے کوشش کی کہ آسٹریہ کی جنگی رتھ کے پہیے میں کہیں تو پچر لگائیں۔ خود قیصر نے یاگاؤ کو لکھا کہ "دولتِ آسٹریہ کی اصلی خواہشیں پوری ہو گئی ہیں۔ چند پہلو جو رہ گئے ہیں، نامہ و پیام سے

---

[1] جرمانیہ کو اس مراسلے کے علم ہونے نہ ہونے کا مناقشہ، محض غیر متعلق بات ہے اس نے آنکھ بند کر کے آسٹریہ کو اجازت دے دی تھی کہ جو چاہے کرے اور آسٹریہ کے ہر فعل کی حقیقۃً ذمہ دار بن گئی تھی۔ برختولڈ کا بیان ہے کہ تشیرشکی کو مراسلے کے اہم پہلو، مسودہ تیار ہونے سے پہلے بتا دئے گئے اور روانگی سے دو دن پہلے نقل حوالے کر دی گئی تھی۔ دیکھو گوریکر: "دی اِن سائڈ اسٹوری اوف اینگلو جرمن ان ٹریگ"۔

صاف ہو سکتے ہیں۔ جواب میں سرویہ کی بہت ہی عاجزانہ قبولِ اطاعت مضمر ہے اور جنگ کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ لیکن یہ کاغذ کا پرزہ اسی وقت کوئی قیمت رکھتا ہے جب کہ یہ وعدے قوت سے فعل میں آجائیں۔ سرویہ والے مشرقی لوگ ہیں، جھوٹے اور تملق کے عادی۔ پس ان حسبِ دلخواہ وعدوں کے ایفا ہونے کے لئے تشدد کا ایک جرعہ ضرور پلانا پڑے گا۔ آسٹریہ صرف قبضۂ بلگریڈ کی ضمانت قبول کر سکتی ہے۔ آسٹریہ کی فوج کو ایک بدیہی اطمینان کی ضرورت ہے جو پُرشوکت بھی ہو۔ اور یہی میرے بیچ میں پڑنے کی شرط ہے۔"

یہ تجویز ۲۸ جولائی کی شام کو وی آنا بھیج دی گئی کہ اُدھر سے ایڈورڈ گرے کی بھی اس مضمون کی تجویز پہنچ جائے۔ ایک دن بعد پٹروگریڈ کے جرمن سفیر نے جو اطلاع بھیجی اس کی بنا پر حکومتِ برلن نے وی آنا کو سخت تنبیہیں کیں کہ اگر کچھ پہلے کی جاتیں تو کہیں زیادہ کارآمد ہوتیں۔ پورتالے کا مراسلہ ۲۹ جولائی کے دن دیر سے یاگو پہنچا۔ اُس نے وی آنا کے لئے تار کا مسودہ تیار کیا

بیٹ مین کی تنبیہ وی آنا کو

اور صدرِ اعظم کے پاس لایا جو سونے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ اُس نے تار کے الفاظ اور بھی سخت کر دئے اور لکھا کہ

"یہ تو ہمیں توقع نہیں ہو سکتی کہ آسٹریہ سرویہ سے نامہ و پیام کرے جس سے جنگ چھڑ چکی ہے۔ لیکن پٹروگریڈ سے گفتگو کرنے سے انکار کرنا فاش غلطی ہوگا۔ بے شبہ ہم اپنا فرض ادا کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ بر ایں ہم آسٹریہ کی وجہ سے ایک عالمگیر آتشِ جنگ میں نہیں کود سکتے جب کہ وہ ہمارے صلاح و مشورہ پر کوئی اعتنا ہی نہ کرے۔ یہ بات برختولڈ سے پوری تاکید اور سنجیدگی کے ساتھ کہہ دو۔" غرض پٹروگریڈ کی خبریں تھیں جنھوں نے صدرِ اعظم کو ایسی تہدید آمیز تنبیہ پر آمادہ کیا ورنہ ڈوننگ اسٹریٹ کی دھمکی اس وقت تک اُسے نہیں ملی تھی۔

برختولڈ نے بلا تامل پٹروگریڈ میں دوبارہ گفتگو چھیڑنے کی اجازت دے دی، اور یہ بھی سنا دیا کہ سرویہ کے حقوق میں تخفیف یا ملک حاصل کرنے کا کوئی قصد نہیں ہے لیکن طرزِ عمل کی یہ ظاہری تبدیلی محض ایک چال تھی۔ برطانی تجویز پہ

آسٹریہ کی ضد

بحث کرنے کی غرض سے شاہی بزم شوریٰ منعقد ہوئی ہے، صراحت کر دی ہے کہ جنگی کارروائیوں کو روکنا غیر ممکن ہے۔ شہنشاہ بھی اس خیال کو پسند فرماتے ہیں کہ تجویز کو اُس کے فی نفسہٖ معقول و مناسب ہونے کی بنا پر ماننے سے پرہیز کیا جائے لیکن انگلستان اور جرمن صدر اعظم کی خواہش کے تا امکان مطابق چلنے پر آمادگی ظاہر کی جائے جواب میں لکھا جائے کہ سرویہ پر لشکر کشی لازماً جاری رہے گی، آسٹریہ برطانی تجویز پر اُس وقت تک کوئی گفتگو نہیں کر سکتی جب تک کہ روس اجتماع فوج کو موقوف نہ کر دے۔ اور آخر میں یہ کہ آسٹریہ کی شرطیں تمام و کمال ماننی پڑیں گی۔ خالی بلگریڈ پر قبضے سے کچھ نہ ہوگا۔ روس، سرویہ کا سرپرست و محافظ بن بیٹھے گا اور سرویہ صحیح سالم رہے گی تو دو تین سال بعد آسٹریہ پہلے سے بھی زیادہ ناموافق حالات میں حملے کی زد میں آجائے گی۔" اس تقریر کے بعد جو مباحثہ ہوا اُس میں دوسرے وزیروں نے بھی کچھ کم شدت نہ دکھائی۔ ٹسزا نے صلاح دی کہ دولت آسٹریہ برطانی تجویز کو اصولاً تسلیم کرنے پر بایں شرط آمادگی ظاہر کرے کہ سرویہ میں جنگی کارروائی جاری رہے گی اور روس اپنا فوجی اجتماع روک دے گا۔ آسٹریہ کے وزیر اعظم اسٹیورگ نے کہا کہ مشاورۃ کا خیال تک مجھے اس قدر ناگوار ہے کہ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہم اسے قبول کرتے نظر آئیں۔ وزیر خزانہ نے ٹسزا کے مشورے کو پسند کیا کہ ان دو شرطوں سے کافی مہلت مل جائے گی کیونکہ لندن کی مجلس مشاورۃ کی یاد اتنی تکلیف دہ تھی کہ دراصل اس کے دوبارہ انعقاد سے بگڑ بیٹھے گی۔" جلسے کے ختم پر وزیر خارجہ نے شہنشاہ سے عرض کیا کہ فیصلہ ہوا ہے کہ برطانیہ کی ثالثی پر آمادگی کی تجویز کا بہت اخلاق سے یہ جواب دیا جائے کہ آسٹریہ اس شرط سے اُس پر غور کرنے کے لئے تیار ہے کہ سرویہ کی جنگی کارروائیوں میں رکاوٹ نہیں پڑے گی اور روس فی الفور فوجی اجتماع موقوف کرکے سپاہِ محفوظ کو رخصت کر دے گا۔"

اس شاہی بزم شوریٰ کی روئداد سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں آسٹریہ کی نسبت جو حسن ظن تھا کہ وہ معقول شرائط پر صلح و آشتی کرے گی، یہ محض باطل تھا کیونکہ انگلستان و جرمانیہ کی تجویز کی جان ہی یہ تھی کہ سرویہ کی فوج کشی روک دی جائے اور یہ

کسی کو توقع نہ ہو سکتی تھی کہ آسٹریہ تو اپنے دشمن کو پامال کرتی رہے اور دولتِ روس فوجی اجتماع موقوف کر کے فوجِ محفوظ کو رخصت کر دے؟" جس وقت لچنوسکی نے سرایڈورڈ کو اطلاع دی کہ جرمانیہ کی فہمائش سے روس و آسٹریہ میں دوبارہ براہِ راست گفتگو ہونے لگی، تو سرایڈورڈ نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن یہ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ جب تک آسٹریہ پیش قدمی کی کوئی حد مقرر نہ کرے گی، روس اپنی جنگی تیاریاں کس طرح ملتوی کر دے گا؟ سرایڈورڈ کا بیان ہے کہ "مجھے خیال آیا کہ جرمانیہ وی آنا کو ٹٹولے اور میں پٹروگریڈ کو کہ آیا یہ ممکن ہے کہ چاروں بے غرض سلطنتیں آسٹریہ سے تو یہ اقرار کریں کہ سرویہ پر اس کے جو مطالبات ہیں، انھیں پورا کر دیا جائے گا بشرطیکہ سرویہ کے علاقے اور حقوق شاہی میں کوئی خلل نہ پڑے جن کے احترام کرنے کی خود آسٹریہ آمادگی ظاہر کر چکی ہے اور ادھر روس کو مطلع کر دیا جائے کہ ہم چاروں ذمہ داری لیتے ہیں کہ آسٹریہ سرویہ کی حکومت و صیانت میں کوئی فتور نہ ڈالے گی۔ اس اثنا میں تمام طاقتوں کو فوجی پیش قدمی یا تیاری لامحالہ بند کر دینی پڑے گی۔" انگریز سفیر کو حکم دیا گیا کہ سرایڈورڈ نے لچنوسکی سے جو وعدہ اور جو تنبیہ کی تھی، انھیں دُہرا دے۔ "میں نے یہ بھی کہا کہ اگر جرمانیہ اس قسم کی کوئی معقول تجویز پیش کر سکے جس سے صاف ظاہر ہو کہ وسطی سلطنتیں یورپ کے امن قائم رکھنے میں کوشاں ہیں اور فرانس و روس اگر اس تجویز کو نہ مانیں، تو یہ محض اُن کی ضد ہوگی، تو ایسی صورت میں میں پیرس و پٹروگریڈ میں جرمن تجویز کی تائید کروں گا بلکہ یہاں تک کہہ دوں گا کہ یا تو روس و فرانس قبول کریں یا برطانی حکومت کو ان کے فعل کے نتائج سے کچھ واسطہ نہ ہوگا؛ لیکن اگر یہ صورت نہ ہوئی تو میں نے جرمن سفیر کو بتا دیا کہ فرانس کے شریکِ جنگ ہونے سے ہمیں بھی اُلجھنا پڑے گا۔"

سرایڈورڈ کی لچنوسکی سے ملاقات ۳۱ جولائی کی صبح کو ہوئی اور اُس نے برلن کو جو کچھ لکھ کے بھیجا، اس وقت اس واقعے سے بے خبر تھا کہ روس نے ۲۹ تاریخ تک تو آسٹریہ کے ۲۲ جیوش (ڈویژن) کے جواب میں

انگلستان کی آخری کوشش

روس کا اجتماعِ عام

صرف ۵ ۲ ڈیویژن کے مجتمع ہونے کا حکم دیا تھا، لیکن اب تمام افواج کو فراہم کر رہا ہے۔ روسی وزیر جنگ کا بیان ہے کہ زار نے ۲۹ ر جولائی کی سہ پہر کو اجتماع عام کے حکم پر دستخط کر دئے تھے لیکن قیصر کے ایک دوستانہ تار کی بنا پر حکم دیا کہ صرف آسٹریہ کے مقابلے میں لشکر جمع ہو۔ بایں ہمہ وزیر جنگ اور فوجی عمال کے صدر نے اجتماع عامہ کو ہونے دیا اور زار سے بھی یہ بات مخفی رکھی اور جرمن آگاہی سے اس کا انکار کر دیا۔ ان کی عدم حکمی کا اس وقت حال ظاہر نہیں ہوا کیونکہ ۳۰ تاریخ بلگریڈ پر گولہ باری کی خبر آئی تو سازونوف اور وزیر جنگ و وزیر بحریات نے فیصلہ کیا کہ اجتماع عام ضرور ہے چنانچہ اسی رات زار کی منظوری لی گئی اور دوسرے دن علی الصباح پائے تخت میں ہر طرف اشتہار لگا دئے گئے[1] اس کے چند گھنٹے بعد آسٹریہ نے اجتماع عام کا حکم دیا اور جرمانیہ سے جنگی کارروائی عمل میں آئی[2]

جرمن سفیر لکھتا ہے کہ معلوم ہوتا تھا زار کو اپنی کارروائی کی اہمیت کا بمشکل کوئی اندازہ تھا چنانچہ شاہ انگلستان کے نام تار میں بھی اس نے جرمن پیام جنگ کو بالکل غیر متوقع قرار دیا۔ لیکن اس کا وزیر خارجہ یا وزیر جنگ ایسے کسی دھوکے میں نہ تھے۔ ۲۵ ر جولائی کے دن انگریز سفیر نے وزیر خارجہ کو خبردار کر دیا تھا کہ روس نے فوج آراستہ کی تو جرمانیہ اپنی سپاہ کے فقط جمع کرنے پر اکتفا نہ کرے گی اور نہ روسیوں کو پوری فوج جمع کر لینے کی مہلت دے گی بلکہ غالباً فوراً اعلان جنگ کر دے گی۔ اسی قسم کا مشورہ پیرس سے دیا گیا تھا جس کی اس ناقابل رجوع اقدام کے بارے میں پہلے سے رائے بھی دریافت نہیں کی گئی۔ دوسرے فرانس و روس کے ماہرین جنگ پہلے سے بخوبی سمجھے ہوئے تھے کہ اجتماع فوج در اصل اعلان جنگ کے مرادف ہے۔ ما نا کہ سرویہ پر فوج کشی مستقل اشتعال انگیزی کا سرمایہ رکھتی تھی

---

[1] ملاحظہ ہو ہوئی گر: "Russlands....Welt krug" وغیرہ۔ اور رنیشتاگ کی مجلس کی کیفیت۔

[2] دیکھو پورتالے کی کتاب "Am Scheia wege"

اور سازونوف نے اُسے روس کے حق میں مرگ و زیست کا مسئلہ ٹھہرایا۔ اور اور یہ بھی سچ ہے کہ آسٹریہ کے دو ٹوک پیام کا جرم روس کے اجتماع فوج کے جرم کی نسبت کہیں زیادہ سنگین تھا کیونکہ پہل اسی نے کی اور اس جواب کی اپنے آپ دعوت دی جو اسے دیا گیا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود، عین اُس وقت جب کہ وی آنا اور پیٹر وگریڈ میں دوبارہ سلسلۂ مراسلت قائم ہو رہا تھا، اور بیتھ مین ہولویگ باآ خر اپنے حلیف کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں مصروف تھا اور جب کہ زار و قیصر کے تار پر نامہ و پیام جاری تھے، روس کی اس حرکت نے عالمگیر جنگ کے وقوع میں تعجیل

جرمن پیام جنگ

ضرور پیدا کر دی۔ جرمانیہ سے جو پیام جنگ ۳۱ جولائی کے تیسرے پہر کو پیٹر وگریڈ بھیجا گیا، اور جس میں ۱۲ گھنٹے کے اندر فوجی اجتماع کے موقوف کر دینے کا مطالبہ تھا، اس پر جرمانیہ میں ہر طرف سے احسنت کے نعرے بلند ہوئے کہ حملے کی خوفناک تہدید کا جواب یہی ہو سکتا تھا؛ لیکن دوسرے پہلو پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اگر جرمن حکومت کو قیام امن کا اتنا ہی فکر ہوتا جتنا برطانی وزرا کو تھا تو وہ روسی اجتماع کے جواب میں آسٹریہ کی طرح خود بھی فوج جمع کر لینے پر اکتفا کرتی۔ فالکن ہین (وزیر جنگ) کی رائے میں یہ دو ٹوک پیام اگرچہ بالکل جائز تھا لیکن غیر ضروری اور جلد بازی پر مبنی تھا۔ مگر جرمن صدر اعظم کو یقین ہو گیا کہ روس واقع میں لڑائی پر تل گیا ہے، لہذا اُس نے فوجی عمال کے صدر موتلکے کی اس استدعا کی کہ بلا تاخیر روس کو پیام جنگ بھیج دیا جائے تاکہ اُسے اپنے عظیم لشکر کو حملہ کرنے کی غرض سے جمع کر لینے کی پوری فرصت نہ ملے۔ موتلکے نے یہ بھی کہا کہ روسی اجتماع کے دباؤ میں رہ کر نامہ و پیام کرنا، قوم کی سبکی کا موجب ہے۔

جس وقت سر ایڈورڈ گرے وی آنا اور پیٹر وگریڈ کے درمیان پل بنانے کی دلیرانہ جد و جہد کر رہا تھا، حکومت فرانس کا طرز عمل دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح قضیے کے زمانے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی، وہ برانگیختہ حلیف پر دباؤ ڈالنے سے ڈرتی تھی اور وثوق رکھتی تھی کہ اس طوفان کو

اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو صرف برطانیہ کا یہ علانیہ اقرار کہ انگریز روس و فرانس کا ساتھ دیں گے۔ سر فرانسس برٹی نے ۳۰ جولائی کو پیرس سے لکھا کہ "رئیس جمہوریہ کو کامل یقین ہے کہ قیامِ امن برطانیہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر برطانی حکومت نے اعلان کر دیا کہ انگلستان فرانس کی مدد کرے گا تو پھر جنگ نہ ہوگی کیونکہ جرمانیہ بلاتاخیر اپنی روش بدل دے گی" اسی روز سفیر فرانس نے

انگلستان وفرانس

انگریز وزیر خارجہ کو ۱۹۱۲ء کے خطوط یاد دلائے۔ گرے بیان کرتا ہے کہ "اس نے براہِ راست یہ استدعا تو نہیں کی کہ ہم مداخلت کریں البتہ یہ معلوم کرنا چاہا کہ خاص خاص صورتوں میں، مثلاً اگر جرمانیہ فرانس سے جنگی تیاری موقوف کرنے کا مطالبہ کرے یا غیر جانبداری کا اقرار لینا چاہے، تو اس صورت میں ہم (یعنی انگریز) کیا کریں گے" سر ایڈورڈ نے وعدہ کیا کہ کل کی مجلس وزرا کے جلسے کے بعد جواب دوں گا۔ اور اس اثنا میں وزیر اعظم نے دار العوام میں یہ پُر معنی اعلان کیا کہ آئرلینڈ کا ترمیمی قانون، جس کی نسبت مناقشے ہو رہے تھے، ملتوی کر دیا گیا۔ بتاریخ ۳۱ جولائی وزیر خارجہ نے فرانس کے سفیر سے حسبِ وعدہ ملاقات کی: "میں نے کہا کہ آج کی مجلس وزرا میں ہم اس فیصلے پر پہنچے ہیں کہ فی الوقت ہم کوئی اقرار نہیں کر سکتے۔ ابھی تک ہمارے نزدیک کسی معاہدے یا ذمہ داری کا سوال نہیں اٹھا ہے"

رئیس جمہوریہ نے شاہ جورج سے براہِ راست استعانت کی اس میں بھی فرانسیسیوں کی اسی لگی بندھی دلیل کو دہرایا تھا کہ اگر جرمانیہ کو یقین ہو گیا کہ انگلستان کوئی دخل نہ دے گا تو پھر لڑائی ہوئے بغیر نہ رہے گی۔ لیکن اگر اس کے ذہن نشین یہ ہو جائے کہ انگلستان میدان میں آجائے گا تو قیامِ امن کا نہایت قوی امکان ہے"۔ بادشاہ نے بتاریخ یکم اگست محتاط الفاظ میں جواب دیا کہ "میں ابھی تک نا امید نہیں ہوا ہوں۔ میں روس و جرمانیہ کے بادشاہوں پر برابر اثر ڈال رہا ہوں اور میری حکومت برابر ہر پہلو کی نسبت فرانس سے صفائی اور آزادی سے گفتگو جاری رکھے گی جس کا دونوں ملکوں سے تعلق ہوگا"

روس کے فوجی اجتماع اور جرمانیہ کے لشکر آرائی کے اعلان کی خبر

۳۱ ؍ جولائی کے دن لندن پہنچی تو سر ایڈورڈ گرے نے فرانس و جرمانیہ کی حکومتوں کو تار دے کے دریافت کیا کہ آیا وہ ذمہ لیتے ہیں کہ بلجیم کی غیر جانبداری کا احترام کیا جائے گا۔ ساتھ ہی بلجیم کو اطلاع دی کہ میں یقین کرتا ہوں کہ بلجیم حتی المقدور غیر جانبداری کو قائم رکھے گا۔[۱] فرانس نے فوراً حسبِ خواہش اطمینان دلایا مگر جرمانیہ کے وزیر خارجہ نے لکھا کہ اس سوال کے جواب دینے سے ہمارے نقشۂ جنگ کا حال کھل جائے گا۔ اس پر سر ایڈورڈ نے جرمن سفیر کو وہ اطلاع دے دی جو مجلسِ وزرا میں بالاتفاق طے پائی تھی۔ اُس نے کہا "جرمن حکومت کا جواب نہایت تاسف انگیز ہے کیونکہ بلجیم کی غیر جانبداری کا فی الواقع اس ملک کے لوگوں کے جذبات پر اثر ہے" اس موقع پر جرمن سفیر نے طبعاً دریافت کیا کہ اگر جرمانیہ ایسا وعدہ کرلے تو کیا آپ جنگ سے علٰحدہ رہیں گے۔ گرے نے جواب دیا "یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ ہم ابھی تک آزاد ہیں۔ ہمارا طرزِ عمل بہت کچھ رائے عامہ پر منحصر ہوگا اور اس پر یقیناً بلجیم کی غیر جانبداری کا بہت قوی اثر پڑے گا" پھر سفیر نے پوچھا کیا سر ایڈورڈ وہ شرطیں جن پر برطانیہ کی غیر جانبداری منحصر ہے، بیان نہیں کرسکتے؟ اور یہاں تک اشارہ کیا کہ فرانس اور اُس کے بیرونی مقبوضات کی صیانت و سلامتی کی ضمانت دی جاسکتی ہے، گرے نے پھر بھی کہا کہ "میں اپنے آپ کو مجبور سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی شرطوں پر غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کرنے سے انکار کروں۔ نیز یہ کہ ہم اپنے ہاتھ قطعاً کھلے رکھنے چاہتے ہیں"

بلجیم کی غیر جانبداری

برطانیہ تو اپنے آپ کو پابند بنانے سے انکار ہی کرتی رہی اور ادھر

---

[۱] ۱۸۳۹ء کے عہد نامۂ ضمانت سے، بقول پارسنٹن، ہمیں بلجیم کی غیر جانبداری کے تحفظ کا حق حاصل ہوا لیکن یہ بطورِ فرض کے تھا نہ کہ اختیاری بنشرا میں گلیڈسٹون نے جو معاہدے کئے وہ اس لئے ضروری تھے کہ ۱۸۳۹ء کی شرطوں میں عملی کارروائی خود بخود لازم نہیں آجاتی تھی؛ دیکھو سینجرو نورٹن، انگلینڈز گارنٹی ٹو بلجیم اینڈ لکسمبرگ۔

جنگ عظیم کا آغاز ہو گیا۔ آسٹریہ اور سرویہ کی تو ۲۸ جولائی سے جنگ ٹھن چکی تھی، پہلی اگست کی دوپہر تک روس و جرمانیہ بھی ایک دوسرے کے غنیم تھے، جرمن پیام کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور وقت مقررہ کے گزرنے سے پہلے خود روسی فوجیں مشرقی پروشیہ میں درآئیں۔ جرمن سفیر متعینۂ پیرس نے بتاریخ ۳۱ جولائی استفسار کیا کہ روس و جرمانیہ کی لڑائی ہونے کی صورت میں فرانس کیا روش اختیار کرے گا، تو اس کا بتاریخ یکم اگست یہ غیر متوقع جواب ملا کہ فرانس اپنے فوائد دیکھ کر کوئی فیصلہ کرے گا[1] اسی روز فرانس میں لشکر آرائی کا حکم شائع ہوا اور اُسے ہر گھڑی امید تھی کہ جرمن اتمام حجت کے لئے آخری شرائط بھیجا چاہتے ہیں۔ جرمانیہ اور فرانس کے متوقع اعلان جنگ نے برطانیہ کو اپنا ٹھیک ٹھیک طرز عمل بتانے پر مجبور کیا اور دوسری اگست کی صبح

بحری امداد کا وعدہ

وزیر خارجہ کو مجلس وزراء نے اختیار دیا کہ فرانس سے بحری امداد کا مشروط وعدہ کرلے۔ چنانچہ اُس نے سفیر فرانس سے کہا کہ مجھے یہ وعدہ کرنے کا مجاز کیا گیا ہے کہ اگر جرمن بیڑا رودبار میں آئے یا بحر شمال کی طرف سے فرانس کے سواحل یا جہاز رانی پر حملہ کرے، تو برطانی بیڑا پوری طاقت سے اُن کی حفاظت کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ وعدہ بھی اس پر منحصر ہے کہ حکومت کی روش کی پارلیمنٹ میں تائید کی جائے۔ دوسرے جب تک جرمن بیڑے کی طرف سے مذکورۂ بالا کارروائی نہ ہو، اس وعدے کو ہمارے لئے واجب العمل نہ سمجھا جائے۔" سفیر کو یادداشت حوالے کرتے وقت وزیر خارجہ نے جتایا کہ اگر کل فرانس و جرمانیہ میں جنگ چھڑ جائے، تو برطانی حکومت پابند نہ ہوگی کہ لازماً خود بھی جرمانیہ کے خلاف

---

[1] پیرس کے ان ایام کے متعلق، سرکاری مراسلات کے علاوہ پوانکارے کی روایات "Les Origines de la Cuerre" اور شون کی "میموائرز" (باب چہارم) بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ صدر اعظم نے بتاریخ ۳۱ جولائی حکم بھیجا کہ اگر فرانس غیر جانبداری کا وعدہ کرے تو اس سے تول و ورددون کی حوالگی کا مطالبہ کیا جائے جس کا منشا یہ تھا کہ فرانس عارضی طور پر علٰحدہ رہ کے ایسے موقع پر اعلان جنگ کرنے نہ پائے جب کہ جرمانیہ پوری طرح مشرق کی طرف اُلجھ جائے۔

اعلان جنگ کر دے۔ البتہ حکومت فرانس کے واسطے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس حالت میں جبکہ سارا بیڑہ بحر متوسط میں جمع ہے اور اس کے شمالی سواحل کی حفاظت کا مطلق کوئی سامان نہیں ہے، وہ اپنا بحری انتظام کس طرح کرے؟

واضح رہے کہ سواحل فرانس پر جرمن حملہ روکنے کی نسبت یہ اہم فیصلہ کرتے وقت مجلس وزرا کے سامنے مسٹر بونر لا کا خط جو عین اجلاس کے وقت ڈوننگ اسٹریٹ پہنچایا گیا موجود تھا جس میں فریق اختلاف کے اکابر کی رائے بیان کی گئی تھی کہ اس نازک موقع پر فرانس و روس کو مدد دینے میں تامل کرنا برطانیہ کی حفاظت و آبرو دونوں کے لئے سخت مضر ہوگا۔ البتہ لارڈ مورلے اور مسٹر جون برنز مجلس وزرا سے مستعفی ہو گئے۔ اور ۳ اگست کے اجلاس کے بعد فوج مہماتی (Expeditionery Force) کے اجتماع کا حکم دے دیا گیا۔

دوپہر کو افواہ سنی گئی کہ بلجیم کو پیام بھیج دیا گیا ہے کہ یا تو جرمانیہ کو اپنے علاقے میں سے کوچ کرنے کی اجازت دے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ یہ خبر واقع میں درست تھی۔ جرمانیہ کی طرف سے پیام جنگ دوسری اگست کی شام کو برسلز پہنچ گیا تھا۔ اس کا مسودہ تاریخ ۲۸ جولائی مولٹکے نے تیار کیا اور ۲۹ تاریخ کو جرمن سفیر کے پاس روانہ کر دیا گیا تھا کہ ضرورت کے وقت تیار ملے۔

سر اڈورڈ گرے کی تقریر کا شدید انتظار تھا۔ یہ تقریر ۳ اگست کو ہوئی اور ابتدا ہی میں مقرر نے اعتراف کیا کہ یورپ میں امن قائم نہیں رہ سکا۔

برطانی طرز عمل کی توضیح

مگر وزیر اعظم کی طرح میں ہمیشہ وعدہ کرتا رہا ہوں کہ ایسا وقت آیا تو پارلیمنٹ فیصلہ کرنے میں بالکل آزاد ہوگی۔ اس لئے ہمیں صرف یہ غور کرنا رہ گیا کہ یہ اقتضائے وقت ہم کو کیا کرنا چاہئے۔

سالہا سال سے ہماری فرانس کے ساتھ دوستی ہے، لیکن اس دوستی سے ہم پر کیا فرض عائد ہوتا ہے، اس کا ہر شخص خود اپنے دل سے پوچھ کر فیصلہ کرے اور خود ہی سوچے کہ اس فرض کی وسعت و حدود کیا ہونے چاہئیں۔ فرانس کا بیڑا اس وقت بحر متوسط میں ہے اور اس کے شمالی و مغربی سواحل کی محض اس بنا پر مطلق کوئی پاسبانی نہیں کی جا رہی ہے کہ ہمارے اور فرانس کے درمیان

اتحاد و اعتماد کا جذبہ موج زن ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر کسی غیر سلطنت کا بیڑا بحالت جنگ رودبار میں داخل ہو اور فرانس کے نامحفوظ ساحل پر گولہ باری کرے، تو اس صورت میں ہم علیحدہ کھڑے نہیں رہ سکتے خاص کر جب کہ اس جنگ کی ابتدا فرانس کی طرف سے نہ ہوئی ہو۔ بے شبہ فرانس یہ بلا تاخیر معلوم کرنے کا حق رکھتا تھا کہ اس کے شمالی اور مغربی غیر محفوظ ساحلوں پر حملہ ہوا تو آیا وہ برطانیہ کی مدد پر بھروسہ کر سکتا ہے؟ اور اسی لئے میں نے کل سفیر فرانس سے اس قسم کا وعدہ کر لیا۔ گو یہ جنگ کا اعلان نہ تھا" بلجیم کی علیحدگی کا مسئلہ اس سے بھی بڑھ کر اہمیت رکھتا تھا اور اسی وقت جرمنوں کے مطالبے اور بصورت انکار جنگ کی خبر آئی تھی۔ اس کی نسبت کہا کہ "اگر یہ خبر صحیح ہے تو بلجیم مطالبہ قبول کر لینے کے معنے یہ ہوں گے کہ اس کی آزادی باقی نہ رہے خواہ عوض میں اور کچھ ہی کیوں نہ مل جائے۔ اب اگر فرانس شکست کھائے اور بلجیم بھی اسی طاقتور پنجے میں دبا ہو اور پھر ہولینڈ و ڈنمارک پر بھی یہی نوبت آجائے، تو ذرا غور کیجئے کہ برطانی اغراض و فوائد کے لحاظ سے، کیا کیا کچھ جوکھوں میں نہ پڑ جائے گا۔ اتنے بڑے اور نازک قضیے میں بھی اگر ہم معاہدۂ بلجیم کے عائد کردہ فرائض ادا کرنے سے جی چرائیں، حالانکہ انہی فرائض سے ہماری عزت اور فوائد وابستہ ہیں، تو آخر میں ہمارے پاس کتنی ہی زیادہ مادی قوت کیوں نہ رہے مجھے شبہ ہے کہ وہ ہمارے اعزاز رفتہ کی کچھ بھی مناسب قیمت ہو سکے گی؟ ہرچند ہمارا بیڑا مجتمع ہو چکا ہے اور فوج جمع ہو رہی ہے، تاہم ابھی تک ہم نے کوئی اقرار نہیں کیا ہے کہ کوئی لشکر خصوصی ملک سے باہر روانہ کیا جائے گا۔ البتہ اگر ہم اُن امور نزاعی کے لئے اڑنے پر مجبور ہوئے جن کا میں نے اوپر تذکرہ کیا، تو میں جانتا ہوں کہ خطرات کا صحیح اندازہ کرتے ہی، نہ صرف دار العوام ہماری تائید کرے گا بلکہ تمام قوم کی ہمت و برداشت ہماری پشت پناہ ہوگی"۔ برخاست ہونے کے بعد شام کو پھر اجلاس ہوا تو سر ایڈورڈ نے خبر سنائی کہ کل ہی بلجیم کو جنگی پیام بھیج دیا گیا ہے۔ اُدھر پونے سات بجے شون نے اعلان جنگ وی ویانی کے حوالے کیا اور اسی رات پیرس سے رخصت ہو گیا۔ دوسری صبح یعنی ۴ ر اگست کے دن لندن میں خبر آئی کہ

جرمن فوجیں سرحدِ بلجیم کو عبور کر آئیں۔ پھر جو مجلس وزرا منعقد ہوئی تو تمام شکوک و تذبذب کافور ہو گئے اور اتمامِ حجت کے لئے آخری شرطیں مرتب کر کے سب کی رضامندی سے "مراسلہ برلن روانہ کر دیا گیا"۔

یہ پیام کہ اسے تقدیرِ مبرم کہا جائے تو بجا ہے، ابھی تک راستے میں تھا

قیصر کی تقریر

کہ قصرِ شاہی کے ایوانِ وزیریں ریشتاگ منعقد ہوئی۔ خطبۂ بادشاہی کے الفاظ یہ تھے کہ "میں نہایت غمناک دل کے ساتھ مجبور ہوا کہ اُس ہمسائے کے مقابلے میں فوج آرائی کا حکم دوں جس کے دوش بدوش وہ بارہا میدان میں نکل چکی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ آج وہ دوستی قطع ہوتی ہے، جسے جرمانیہ وفاداری سے برابر نباہتی رہی، مجھے دلی صدمہ ہے۔ حکومتِ روس قوم پرستی کے جذبے سے جس کی تشفی کسی طرح نہیں ہو سکتی، مغلوب ہو کر اُس ریاست کی مدد کو تیار ہو گئی جو اقدام جرم کی سرپرست و مربی اور آتش جنگ مشتعل کرنے کا باعث ہے۔ رہا فرانس کا ہمارے دشمنوں کی طرف ہو جانا تو اس پر ہمیں کچھ بھی حیرت نہیں ہوئی۔ ہم نے بار بار دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی لیکن فرانس کے دل میں جو غبار اور دیرینہ آرزوئیں بھری ہیں، اُن کے باعث کبھی یہ کوشش سرسبز نہ ہو سکی۔ اس وقت جو صورت ہمارے سامنے پیش آئی ہے یہ اغراض و فوائد کے کسی عارضی یا وقتی تصادم کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سلطنتِ جرمانیہ کے اقتدار و آسودہ حالی کے خلاف مدت سے جو حاسدانہ کوششیں اور دشمنی ہو رہی ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے۔ سرکاری کتابِ ابیض میں صاف طور پر دکھایا گیا ہے کہ میری حکومت اور سب سے بڑھ کر میرے صدرِ اعظم نے اس مصیبتِ کبریٰ کو ٹالنے کے لئے کیا کچھ سعی نہیں کی؟ ہم پر ملک گیری کی طمع کا کوئی غلبہ نہیں ہے۔ البتہ ہم عزمِ مصمم کئے ہوئے ہیں کہ خدا نے جو رتبہ ہمیں دیا ہے، اُسے برابر قائم رکھیں گے۔ اسی لئے تلوار میان سے نکالتے وقت ہمارا ضمیر پاک اور معاملہ صاف ہے"۔

صدرِ اعظم کی تقریر میں بھی اسی خطبۂ شاہی کی توضیح کی گئی تھی اسی میں بعض

وہ حیلے بھی آ گئے تھے، جس سے آگے چل کر دشمنوں نے جرمانیہ کو بدنام کرنے کا خوب کام لیا۔ صدرِ اعظم نے کہا کہ اس گھر کو روس نے آگ لگائی جرمانیہ سمجھاتی ہی رہی کہ آسٹریہ اور سرویہ کی نزاع کو مقامی بنا دیا جائے لیکن روس بیچ میں آ کودپڑا اور پہلے آسٹریہ کے اور پھر جرمانیہ کے خلاف لشکر آرائی شروع کر دی حالانکہ وسطی سلطنتوں نے اس وقت تک فوجِ محفوظ کے ایک سپاہی کو بھی طلب نہیں کیا تھا۔ صدرِ اعظم نے کہا کہ "ایسی صورت میں ہم کس طرح خاموش بیٹھے رہ سکتے تھے کہ وہ سلطنتیں جن کے بیچ میں ہم دونوں طرف سے بھچے ہوئے ہیں پوری تیاری کر لیں کہ جس وقت موقع دیکھیں ہم پر وار کریں؟ جرمانیہ کو ایسے خطرے میں ڈالنا جرم ہوتا پس ہم نے قیامِ امن کی آخری کوشش یہ کی کہ روس سے فوجیں واپس بھیجنے کا مطالبہ کیا۔ اُدھر فرانس نے غیر جانبداری کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا اور اعلانِ جنگ سے بھی پیشتر سرحد کے پار اُتر آیا۔

بیٹمین ہولویگ کی تقریر

حضرات، ہم ایک مجبوری کی حالت میں ہیں اور مجبوری کسی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہماری فوج نے لکسمبرگ پر قبضہ کر لیا اور عجب نہیں کہ بلجیم کے علاقے میں بھی داخل ہو چکی ہو۔ یہ فعل قانونِ بین الاقوام کے خلاف ہے۔ ہمیں علم ہے کہ فرانس بھی ایسا ہی کرنے پر آمادہ تھا لیکن وہ ٹھہر سکتا تھا اور ہم سے انتظار ممکن نہ تھا۔ شمالی رائن کی طرف فرانس کی فوج کا ہمارے بازو پر گھس آنا سخت نقصان کا موجب ہوتا۔ پس سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ ہم بلجیم اور لکسمبرگ کے جائز اعتراضات کو مسترد کر دیں۔ مگر جو زیادتی ہم اس وقت کر رہے ہیں، جونہی کہ ہمارا جنگی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اسی وقت ہم اس کی تلافی کی کوشش کریں گے جو اس طرح خطرے میں پڑ جائے جیسے ہم ہیں اور جس کے جان و مال کی بازی لگی ہوئی ہو، اسے سوائے اس کے کہ بچاؤ کا راستہ نکالے اور کچھ نہیں سوجھے گا۔ میں قیصر کے الفاظ دُہراتا ہوں کہ جرمانیہ صاف ضمیر لے کے میدان میں آتی ہے۔ امن و سلامت روی سے ہم بہ محنت کرتے رہے اس کے ثمرات کے لئے، اپنے جلیل القدر ماضی کے

ورثے کے لئے اور اپنے مستقبل کے لئے ہم تلوار کھینچتے ہیں ہماری فوج میدان میں ہے، ہمارا بیڑہ لڑنے کے واسطے تیار ہے اور ان کی پشت پر پوری جرمن قوم متحد کھڑی ہے"۔ قیصر نے اعلان کیا تھا کہ آیندہ سے میں کسی فرقے اور گروہ کو نہ مانوں گا بلکہ صرف جرمن قوم سے کام رکھوں گا۔ اور حقیقت میں ہر فرقے نے اس کا ساتھ دیا۔ ریشتاگ دل سے یقین رکھتی تھی کہ جرمانیہ پر حملہ ہوا ہے۔ ہاس نے اعلان کیا کہ روسی استبداد کی فتح، جرمن قوم کے خاتمے کے مرادف ہوگی اور بیبل کی پیش گوئی کہ اشتراکی گروہ وطن کو بھنور میں چھوڑ کے الگ نہ ہوگا، حرف بحرف پوری ہوئی۔

برطانیہ کا پیام جنگ

اسی روز تیسرے پہر کو سر ایڈورڈ گوشن نے برطانیہ کا پیام جنگ یاگو کے حوالے کیا اور اس نے شدید قلق کا اظہار کیا کہ میری اور صدر اعظم کی ساری حکمت عملی کہ برطانیہ کو دوست بنایا جائے اور پھر اس کی وساطت سے فرانس کے ساتھ ربط کی سبیل نکالی جائے، خاک میں مل گئی۔ پھر انگریز سفیر صدر اعظم سے رخصت ہونے گیا جس پر تنبیہ کے بار بار متنبہ کرنے کا کچھ اثر نہ ہوا تھا اور جو اس بات کا اندازہ کرنے کی پوری قابلیت نہ رکھتا تھا کہ میرے افعال کا دوسری سلطنتوں کی روش پر کیا اثر پڑے گا۔ سفیر کا بیان ہے کہ "میں نے اسے بہت مضطرب پایا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ صرف ایک لفظ "غیر جانب داری" اور محض ایک کاغذ کے پرزے کی خاطر برطانیہ ایک ایسی ہم نسل قوم سے جنگ کرنے چلی ہے جو اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی کہ برطانیہ کی دوست بن کے رہے۔ وہ تمام تدبیر جس کے لئے میں نے اتنا وقت اور محنت صرف کی پتوں کے مکان کی طرح ایک جھونکے میں گر پڑا۔ انگریزوں نے

سلہ "Kriegsreden" ۳، ۱۱-۲ دسمبر ۱۹۱۴ء کی ریشتاگ ہی کی تقریر میں صدر اعظم نے ان دستاویزوں کی سند پر جو بروسلز میں ہاتھ آئی تھیں، حجت کی کہ بلجیم جنگ سے پہلے ہی اپنی غیر جانبداری کو خود د. غدامہ کر چکا تھا، لیکن بلجیم جس وفاداری سے غیر جانبداری پر قائم رہا اس کی داد جرمنوں کی طرف سے دیکھنی ہو تو ویلن ٹائن کی کتاب "Deutsch lands..." ملاحظہ ہو باب (۱۱)۔

وہ کام کیا جو کسی طرح عقل میں نہیں آتا تھا۔ ان کی یہ حرکت ایسی ہے جیسے کسی شخص پر جو اپنی جان بچانے کے لئے دو حملہ آوروں سے لڑ رہا ہو، پیچھے سے وار کیا جائے۔ مجھے زیادہ صدمہ اس لئے ہے کہ میں خود انگریزوں کے ساتھ مل کر روس و آسٹریہ میں امن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔" سفیر نے کہا واقعی یہ بھی اس غم انگیز داستان کا ایک باب ہے کہ عین اس وقت جب کہ دونوں ملکوں کے تعلقات ایسے بہتر ہو گئے تھے کہ سالہا سال سے نہ تھے، ان میں قطع تعلق اور جنگ کی نوبت آ گئی"

انگریزی پیام کا کوئی جواب نہیں ملا نہ اس کی توقع تھی۔ اور جس وقت بڑی گھڑیال نے آدھی رات کا گجر بجایا اور ڈوننگ اسٹریٹ میں برطانی وزرا کے کان تک اس کی آواز پہنچی تو وہ خبردار ہو گئے تھے کہ سلطنت برطانیہ تاریخ کی سب سے بڑی جنگ کے میدان میں کود پڑی ہے۔ دو دن بعد آسٹریہ نے روس کے خلاف اعلان جنگ کیا اور اس کے جواب میں فرانس و برطانیہ نے آسٹریہ سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ اطالیہ اور رومانیہ نے غیر جانبداری کا اعلان کیا اور فریقین جنگ کو ان کی طرف سے یہی امید تھی۔

متخاصمین کا طرز عمل اپنے اپنے دشمن کی نظر میں شیطانی معلوم ہوتا تھا بایں ہمہ سچ یہ ہے کہ ہر ایک نے ٹھیک وہی عمل کیا جس کی اس سے توقع ہو سکتی تھی۔ یہ قدرتی بات تھی کہ آسٹریہ کے ماتحت جو یوگو اسلافی باشندے تھے، سرویہ انھیں اپنے زیر نگین لانے کی متمنی ہو اور ان کی واقعی شکایتوں سے فائدہ اٹھا کے اتحاد بین السرب کے خیالات کی اشاعت کرے اور ان کوششوں میں روس سے اسی طرح مدد کی امیدوار ہو جس طرح کیور کو اسی قسم کے حالات میں فرانس سے امید تھی۔ ادھر یہ بھی قدرتی بات تھی کہ آسٹریہ ان صوبوں کو ہاتھ سے دینا نہ چاہے اور ان کے لئے سینہ سپر ہو جو صدیوں سے اس کے قبضے میں تھے اور جنھیں چھین لینے کی دشمن علانیہ آرزو ظاہر کرتا تھا۔ قضیۂ بوسینہ کے بعد سرویہ نے اقرار کیا تھا کہ اچھا ہمسایہ بن کے رہے گی مگر وعدے پر قائم نہیں رہی اور اس کی روسیوں سے سازباز کا حال

سب کو معلوم تھا۔ اگر آسٹریہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی اور اپنے دشمنوں کو اتنا قوی ہو جانے دیتی کہ وہ اطمینان سے اُس کی قطع وبُرید کے ارادے پر عمل کر سکیں تو یہ خود اپنے ساتھ دشمنی کرنے کے مرادف ہوتا۔ اور یوگو اسلافی خونیوں کے ہاتھ سے فرانسس فرڈی نینڈ کا ظاہر اسی کا مقتضی تھا کہ سلطنت کا اقتدار جبراً قائم رکھنے کے لئے کوئی زور دار کارروائی کی جائے۔ سرویہ کو جنگ کا پیام دینا، جوے کی بازی لگانے سے مماثل تھا لیکن وی آنا اور بوڈاپسٹ کے ارباب حل وعقد کی نظر میں یہ بہترین موقع میسّر آگیا تھا کہ وہ اس شدید خطرے سے نکل جائیں جس کا قوی تر ہو جانا یقینی تھا اور جس سے آسٹریہ کی ہستی پر بہ حیثیت ایک بڑی سلطنت کے، زد پڑ رہی تھی۔

جرمن نقطۂ نظر

جرمانیہ کا فعل کچھ کم تنگ نظری پر مبنی نہ تھا لیکن اس کی وجہ بھی صاف تھی۔ آسٹریہ نے ٹھان لی تھی کہ سرویہ کی خلش سے نجات حاصل کی جائے اور چونکہ اطالیہ ورومانیہ محض برائے نام حلیف تھیں، لہذا چھوٹی بڑی سب سلطنتوں میں صرف آسٹریہ ایسی سلطنت تھی، جس پر جرمانیہ کو پورا بھروسہ ہو سکتا تھا۔ پس اگر جنوبی صوبے نکل جانے سے آسٹریہ ایک بڑی سلطنت نہ رہے، تو جرمانیہ یورپ میں تنہا رہ جاتی اور فرانس وروس کے بیچ میں پھنس جاتی کہ ان میں ایک تو انتقام لینے پر تلا ہوا تھا اور دوسرا اب دشمن ہو گیا تھا۔ قضیۂ بلغاریہ کے زمانے میں بسمارک نے اپنے حلیف (آسٹریہ) کو ٹکا سا جواب دے دیا تھا کہ ہم تمھارے بلقانی دعاوی کے لئے جنگ نہیں کریں گے لیکن اس وقت پٹرو گریڈ سے راہ ورسم میں فرق نہ آیا تھا اور انگلستان سے دوستی تھی اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں یہ دونوں باتیں مفقود ہو گئیں۔ ۰۹-۱۹۰۸ء میں قیصر کے زرہ بکتر لگا کے فرانسس جوزف کے دوش بدوش استادہ ہونے سے روس وسرویہ مجبور ہو گئے تھے کہ امن قائم رکھیں اور امید کی جاتی تھی کہ جرمانیہ وآسٹریہ کے اتحاد ویک جہتی کے مظاہرے سے دوبارہ وہی نتیجہ برآمد ہوتا۔ اور نہ بھی ہوا تو وسطی سلطنتوں کو بھروسہ تھا کہ اپنی قوت بازو سے ہم فرانس وروس کی کمر توڑ دیں گے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ روسی عفریت کے پاؤں

گیلی مٹی کے ہیں اور پیرس میں انہی دنوں جو انکشافات ہوئے اُن سے خیال ہوتا تھا کہ فرانس کسی دو ٹوک جنگ کے لئے پوری طرح تیار نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ برطانیہ کی طرف سے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بھی روس و فرانس کے ساتھ نہ ہو جائے لیکن مسئلۂ مراکش کے طے ہونے کے بعد سے انگلستان و جرمانیہ کے تعلقات اتنے اچھے ہو گئے تھے کہ قرینۂ غالب یہی تھا کہ برطانیہ کو غیر جانبدار رکھا جا سکے گا۔ غرض یہ اسباب تھے کہ فرانسس جوزف نے استفسار کیا تو قیصر اور صدر اعظم نے جواب دیا کہ وہ اپنے حلیف کی تائید و رفاقت پر اعتماد کر سکتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی عالمگیر جنگ کا خواہشمند نہ تھا لیکن روس آسٹریہ اور سرویہ کی نزاع کو مقامی نہ بنانے دے تو یہ بھی لڑنے کے لئے تیار تھے۔ تیوتانی اور اسلافی میں کشتی ہونی ناگزیر سمجھی جاتی تھی لہذا فوجی حکام نے کسی آیندہ تاریخ کی بجائے جب کہ پولینڈ کی سرحد پر روس کی حربی ریلوں کا نظام مکمل اور فرانس میں سہ سالہ خدمت کا قانون نافذ ہو جاتا ۱۹۱۴ء کو ترجیح دی۔ دوسرے گو بیڑا پوری وسعت نہیں پا سکا تھا۔

روس کا نقطۂ نظر تاہم نہر کیل کو چوڑا کرنے کا کام پورا ہو چکا تھا۔ روس کو جاپان سے شکست ہوئی تو لا محالہ اُسے پھر اپنی توجہ کو یورپ کی طرف منعطف کرنا پڑا۔ اور یہ صاف معلوم ہونے لگا کہ دوبارہ طاقت آتے ہی وہ پھر مشرق قریب پر مسلط ہونے کی دیرینہ آرزو کے لئے جدّ و جہد کرے گا۔ ۱۹۰۹ء میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں پائی تو اس پر ہی وہ اب تک دانت پیستا تھا اور کسی کو یہ امید کرنے کا حق نہ تھا کہ آیندہ بھی روس اسی قسم کی ذلت گوارا کرے گا۔ ۱۹۱۴ء میں رفتہ رفتہ اسے اپنی قوت بازو پر بھروسہ ہو گیا تھا اور وہ جو کوئی بھی لڑے اُس سے مقابلہ کرنے پر تیار تھا۔ سراجی وو کے غم انگیز واقعے کی تہ میں برخلاف لذکر روس کا ہاتھ نظر آیا تو اسی طرح سازونوف نے ۲۳ جولائی کے پیام کو یہ سمجھا کہ یہ پٹیر کرا جورج وچ پر ہی نہیں خود نکولاس ثانی پر ضرب لگائی گئی ہے۔ روس اگر اپنے چیلے کو آسٹریہ کے رحم و کرم کے حوالے کر دیتا تو اسلافی قوم کی حمایت و سرپرستی کے سارے ادعا باطل ثابت ہوتے اور گویا وہ بغیر لڑے بھڑے جزیرہ نمائے بلقان و ترکی کو وسطی سلطنتوں کے

دائمی تسلط کے حوالے کر دیتا۔ جس طرح برطانیہ بلجیم پر جرمن حملہ ہوتے دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتی تھی اسی طرح سرویہ پر آسٹریہ کی فوج کشی دیکھ کر روس کے الگ تھلگ رہنے کی امید بے محل تھی۔ بڑی سلطنت ہونے کا وہی غرور جس نے خود بخود وی آنا کو نعرۂ مبارزت طلبی بلند کرنے پر مجبور کیا، پیٹرو گریڈ کو بھی مجبور کرتا تھا کہ میدان میں نکل آئے۔ مزید براں روسیوں کے خیال میں مسلم تھا کہ اگر کوئی عام جنگ چھڑی تو برطانیہ شریک ہوئے بغیر نہ رہے گا۔

جنگ کی اصلی بنا، مشرق قریب میں تھی اور اس کے بانی ایک طرف جرمانیہ و آسٹریہ اور دوسری طرف روس و سرویہ تھے۔ ۱۸۹۰ء ہی میں بسمارک نے بیلن سے کہہ دیا تھا کہ "عالمگیر جنگ کے ہونے تک میں تو زندہ نہیں رہوں گا مگر تم اس کا مشاہدہ کرو گے اور وہ مشرق سے شروع ہوگی" اور یہ پیشین گوئی بالکل صحیح نکلی۔

فرانس کا نقطۂ نظر

لیکن ایک ربع صدی سے فرانس نے اپنی قسمت روس کی قسمت سے وابستہ کر دی تھی اور جب وہ نازک وقت جس کی مدت سے توقع تھی، آیا تو وہ اسی طرح بے تامل اپنے رفیق کے پہلو میں آگیا جس طرح جرمانیہ آسٹریہ کی شریک کار ہو گئی تھی۔ خود فرانس کو جنگ کی خواہش نہ تھی اور نہ اس نے کوئی ایسا کام کیا جس سے جنگ میں تعجیل ہوئی ہو۔ بایں ہمہ یہ تمنا کبھی اس کے دل سے نہیں مٹی تھی کہ ولایات رائن پر دوبارہ قبضہ حاصل کرے اور اسی لئے ہم اسے ان "سیر سلطنتوں" میں داخل نہیں کر سکتے جو قیام امن کی سب سے زبردست و باثر حامی تھیں۔ وہ مصیبت کبریٰ جس کا ژورے کو ایک زمانے سے دھڑکا تھا، آخر آپہنچی۔ ژورے کو تو ایک وطن پرست نے عین جنگ کے آغاز کے قریب قتل کر ڈالا مگر فرانس اپنے حلیف کی ہوس اقتدار کی خاطر اس خوں ریز جنگ میں الجھ گیا پیٹرو گریڈ کی طلبی پر انکار کرنا، عہدناموں میں جو ذمہ داری لی تھی، اس سے گریز کرنے کے مرادف ہوتا۔ رائن پار اسی "انحطاط پذیر سلطنت" کے متعلق جو حقارت آمیز خیالات پھیلے ہوئے تھے، ان کو تقویت پہنچی اور آیندہ وہ فتحمند تیوتانی کے مقابلے میں بے یار و مددگار رہ جاتا۔

یورپ کی پانچ بڑی طاقتوں کا جنگ میں شریک ہونا جس طرح قدرتی بات تھی، اسی طرح اطالیہ کا اس سے الگ رہنا بھی توقّع کے موافق تھا۔ بہت دن پہلے یعنی ۱۸۹۶ء ہی میں وہ اپنے اتحادیوں کو خبر دے چکی تھی کہ اگر فرانس کے ساتھ برطانیہ سے بھی انھیں لڑنا پڑا تو اطالیہ اُن کے ساتھ نہ ہوگی۔ ۱۹۰۲ء میں وہ بروئے معاہدہ پابند ہوگئی تھی کہ فرانس پر کسی خوج کشی میں حصّہ دار نہ ہوگی۔ ۱۹۰۹ء میں اُس نے وعدہ کرلیا تھا کہ روس اُس کے منصوبوں کا ممد ہوگا تو وہ روس کی تائید کرے گی۔ اس طرح ۱۹۱۴ء میں ائتلافِ ثلاثہ کے ہر شریک سے اُس کا معاہدہ یا مفاہمت ہوچکی تھی۔ دوسری طرف گو جرمانیہ سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے لیکن "اطالیہ تارستہ" (Italia Irredenta) کے لئے دل میں جو آگ برابر بھڑک رہی تھی، اس کا فرو ہونا اور ایڈریاٹک پر کامل تصرّف کا حصول آسٹریہ ہی کے ضعف و نقصان پر موقوف تھا۔ ان دونوں کے اغراض میں کبھی سچا اشتراک نہیں ہوا اور فرانس کے ساتھ ارتباط ہوا تو اطالیہ اتحادِ ثلاثہ کی محض خفتہ شریک رہ گئی۔ آسٹریہ بھی اپنے جنوبی حلیف کے دلی خیالات سے خوب واقف تھی اور اسے اطالیہ کی تائید پر اتنا کم بھروسہ تھا کہ جب تک وہ عمل نہ کرگزری اس وقت تک اُس نے نہ اپنے ارادوں سے اطالیہ کو اطلاع دی نہ کسی مدد کی خواستگار ہوئی۔ اطالیہ کا کوئی کارفرما اپنے ہموطنوں کو آسٹریہ کی بلقانی ہوسِ اقتدار کی خاطر، آمادۂ جنگ ہونے کی ترغیب بھی نہیں دے سکتا تھا۔

برطانیہ کا نقطۂ نظر

برطانیہ نے جو روش اختیار کی وہ بھی پہلے سے بالکل روشن اور گویا اس کے لئے مقرر ہوچکی تھی۔ بادشاہ نے امریکی سفیر کے روبرو بے اختیار ہوکر کہا "خدایا! مسٹر پیج، بھلا ہم اور کیا کرسکتے تھے؟" بلجیم کی غیر جانبداری کو جبراً توڑنے سے مُلک میں حق پرستانہ غیظ پیدا ہوا۔ لیکن اسے شرکت جنگ کا صرف محل سمجھنا چاہیئے ورنہ برطانیہ کے جنگ میں داخل ہونے کی یہ وجہ نہ تھی۔ اصل میں، برائی تھی یا بھلائی، ہم الگ تھلگ رہنے کی قدیم روش چھوڑ کر اپنے دوستوں کے جھگڑوں اور منصوبوں میں پھنس چکے تھے۔ اگر اس طوفانِ جنگ سے بچ کر وہ ایک طرف کھڑے رہتے تو وسطی سلطنتیں

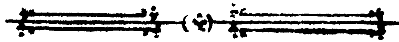
آسانی سے فتح پالیتیں اور جنگ کے ختم پر وہ یورپ میں تنہا رہ جاتے۔ فرانس و روس ہمیں بے وفا دوست سمجھ کر دور باش کہتے کہ سالہا سال کی سیاسی شراکت ماہرین کی بحث و تمحیص اور اتحاد و پیوستگی کے ڈھول بجانے کے بعد عین وقت پر انھیں دھوکا دیا اور مصیبت میں اکیلا چھوڑ کر الگ ہوگئے۔ اور دوسری طرف ائتلاف ثلاثہ کا تار پود بکھرتے ہی جرمن خطرہ پہلے سے بھی زیادہ اتنا بڑھ جاتا کہ ہمیں سر سے پاؤں تک بری و بحری جنگ کا ساز و سامان تیار کرنا پڑتا اسی لئے سر ایڈورڈ کا تیسری اگست کی تقریر میں یہ کہنا کہ ہمارے ذمہ کچھ ادا کرنا باقی نہیں، لفظاً درست ہو تو ہو، حقیقتہً غلط تھا اور اس کی ساری تقریر میں یہی منشا جھلکتا تھا کہ فرانس کو اس مصیبت میں چھوڑ کر الگ ہو جانا بلا شک و شبہ ہماری فضیحت کا موجب ہوگا۔ چنانچہ آگے چل کر خود مسٹر لائڈ جورج کو بتانا پڑا کہ ہمارے تعلقات نے فریضۂ شرافت کی نوعیت اختیار کر لی تھی، اور غالباً یہی فیصلہ تاریخ کرے گی۔

مدبرین یورپ نے جولائی و اگست سنہ ۱۹۱۴ء میں جو کام کیا اُس کی توجیہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اس کو اخلاق یا وقتی ضرورت کی بنا پر درست ثابت کرتے ہیں یا انھوں نے یا اُن کے اسلاف نے جو حکمت عملی اختیار کی تھی اور جس کا نتیجہ یہ ہنگامۂ قیامت ہوا، اُسے مستحسن سمجھتے ہیں۔

دو جنگی جتھے

حقیقت یہ ہے کہ سنہ ۱۸۷۱ء سے یورپ دو جنگی جتھوں میں منقسم ہو گیا اور یہی شے ساری فساد کی جڑ تھی۔ اور ہوس کی طرح خوف بھی جنگ کا محرک ہوا ہے پرانی دنیا نے رفتہ رفتہ بارود خانے کی بد نما شکل اختیار کر لی تھی اور اس میں عمداً یا اتفاقاً ایک جلتی دیا سلائی کا جا پڑنا کافی تھا کہ یہاں سے وہاں تک آگ بھڑک اُٹھے حقیقت میں دیکھیے تو کوئی جنگ ناگزیر نہیں کہی جا سکتی لیکن حوادث سے بچا لینے کے لئے ہر ملک میں غیر معمولی دور اندیش اور ضابط فرماں روا درکار ہیں۔ یہ گمان کرنا کہ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ نے یورپ کو اچانک آلیا، بالکل غلط ہے کیونکہ ارباب حکومت اور اہل عسکر سالہا سال سے اس کی امید اور تیاری کر رہے تھے۔ اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اس زمانے کے حکام خاص طور پر شریر النفس تھے، اس لئے جنگ واقع ہوئی۔

حالانکہ لائڈ جورج کے الفاظ میں یہ حکومتیں تو گویا لڑکھڑاتی ہوئی میدان میں داخل ہو گئیں[1]۔ تینوں شخصی سلطنتوں کے ارباب رائے اگرچہ اندھے اور بہرے ہو رہے تھے کہ نہ خطرہ نظر آتا تھا نہ نصیحت کارگر ہوتی تھی، بایں ہمہ جب معاملہ یہاں تک بڑھا تو ان میں سے ایک شخص بھی غرمن عالم کو آگ دکھانے کا خواہشمند نہ تھا۔ اس طرح اس طوفان قیامت کو برپا کرنے کے جرم کبیر میں انھیں ماخوذ نہیں کیا جا سکتا البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ راستے اختیار کرنے کا اُن پر ضرور الزام عائد ہو گا جو براہ راست گڑھے میں لے جاتے تھے۔ مجموعی طور پر آتش جنگ کا بھڑک اُٹھنا صرف اُن بھونڈے نقالوں ہی کی حماقت کا ثبوت نہیں ہے جو تماشا گاہ میں تھوڑی دیر ادھر سے اُدھر مٹک کر چل دئے بلکہ یہ اُس بین الاقوام لانظمی اور نفسانفسی کی قباحت بھی ثابت کرتا ہے جو اُن لوگوں کو اپنے اسلاف سے میراث میں ملیں اور جن کے دور کرنے کی انھوں نے کوئی فکر و تدبیر نہیں کی تھی۔



[1] یکم اگست ۱۹۱۴ء سے پہلے کے واقعات پر جس قدر کتابیں اور تحریریں مختلف مُلکوں میں لکھی گئی ہیں انھیں جس قدر مطالعہ کیجیے اسی قدر زیادہ یہ انکشاف واضح ہوتا ہے کہ جتنے ارباب بست و کشاد تھے، اُن میں سے کوئی بھی اس موقع پر جنگ کا خواہاں نہ تھا بلکہ کچھ ایسی صورت تھی کہ وہ پھسلتے پھسلتے اُس میں آپڑے یا کہنا چاہیے کہ لڑکھڑاتے ہوئے آئے اور غالباً اپنی حماقت سے یہاں ٹھوکر کھا کے گرے حالانکہ مجھے شک نہیں ہے کہ باہمی بحث و گفتگو جنگ کو ٹال دینے کے لئے بالکل کافی ہوتی" لائڈ جورج: ۲۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء۔

باب نہم

جنگِ عظیم : پہلی کیفیت

شلیفن کا نقشۂ جنگ

بلجیم میں خلاف معاہدہ جبراً گھس جانا اس نقشۂ جنگ کا ایک جزو تھا جو شلیفن نے تیار کیا۔ یہ شخص ۱۹۰۶ء تک جرمن حکام فوج کا صدر رہا اور پھر اس کے جانشین نے بھی اسی نقشے کو قبول کرلیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دونوں طرف جنگ چھڑنے کی صورت میں کامیابی صرف اس طرح ہوسکتی ہے کہ قبل اس کے کہ روس اپنی بے حساب فوجوں کو میدان میں لاسکے فرانس کو شکست دے دے اور چونکہ فرانس وجرمانیہ کی سرحد پر ناقابل تسخیر قلاع کا سلسلہ بنا ہوا تھا لہٰذا مغرب میں فتح کی بہترین شکل یہی نظر آتی تھی کہ ایک بہت وسیع چکر دے کے فرانس کے بائیں بازو کو لپیٹ لیا جائے۔ روس و فرانس کی ۱۹۱۱ء میں جو مجلس مشاورت ہوئی تھی، اس کی روئداد بولشویکوں نے چھاپ دی ہے۔ اس کی تحریر میں

۱؎ سنین جنگ کی عام تاریخ دیکھنی ہو تو دیکھو انسائی کلوپیڈیا برٹانیکا طبع چہارم جلد یازدہم؛ "دی ایمپریل ریسرچ" پولارڈ: "اے شورٹ ہسٹری آف گریٹ وار" وغیرہ وغیرہ

پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلجیم کی طرف سے یورش کی توقع تھی۔ بایں ہمہ فرانس نے اپنی شمال مشرق سرحد پر قریب قریب کوئی قلعہ بندی نہیں کی اور خالی رہنے دیا۔ حتیٰ کہ برسلز کو جرمانیہ کا پیام جنگ پہنچا اور حملے کی سمت ظاہر ہو گئی تو اس وقت بھی فرانس اس مخدوش قوس کی حفاظت کے لئے فوج جمع نہ کر سکا۔ برخلاف فرانس کے بلجیم کو اپنی غیر جانبداری پر بھروسہ تھا جس کی خود اس نے کبھی خلاف ورزی نہیں کی تھی اور اسی لئے اگر وہ دنیا کی سب سے بڑی جنگی طاقت کے مقابلے کے واسطے تیار نہ تھا، تو اس میں تعجّب کی کوئی بات نہ تھی۔ اس کی مٹھی بھر فوج سوائے اس کے اور کیا کر سکتی تھی کہ آنے والے سیل کو صرف چند روز ٹھہرائے رکھے۔ اس طرح گو آخری فتح میں بلجیم کا جنگی حصّہ قلیل تھا، بایں ہمہ مصائبِ جنگ کے خوف سے وہ اپنے حقوقِ معاہدہ چھوڑ کر، امن و عافیت خریدنے پر رضامند نہ ہوا اور اس نے اور نیز بلجیم کی خودداری نے اس کے حامیوں کے ارادے بھی نہایت مضبوط کر دئے اور دُنیا کی اخلاقی تائید اتحادیوں کے مقاصد کو حاصل ہو گئی؛

جس وقت یورپ کی فوجیں خوف انگیز سکوت کے ساتھ جمع ہو رہی تھیں، جرمن افواج نے جو سرحد بلجیم کے قریب ترین تھیں قلعہ شکن توپوں کی راہ دیکھے بغیر بتاریخ ۵ اگست، لیئر پر حملہ کر دیا اور دو دن بعد اس قصبے میں داخل ہو گئیں[۱]؛ بیرونی قلعوں میں سے آخری کی تسخیر ۱۵ اگست کو عمل میں آئی اور جرمن سپاہی تعدادِ کثیر میں سارے جنوب مشرقی بلجیم میں پھیل گئے۔ بلجیم کی سپاہ ہر طرف سے ہٹ کر اپنے بڑے قلعے اینٹ ورپ میں جمع ہوئی اور برسلز کو بھی انھوں نے چھوڑ دیا کہ دشمن بلا مزاحمت داخل ہو جائے کیونکہ اس شہر میں جنگی قلعے نہ تھے۔ تین دن کی گولہ باری کے بعد نامور مسخر ہو گیا (۲۳ اگست) اور یہ حقیقت کھل گئی کہ بریالی مون قلعے بھی اُن زبردست گولوں کی تاب نہیں لا سکتے جن سے وسطی سلطنتوں نے پہلی مرتبہ اس جنگ میں کام لیا؛

[۱] ملاحظہ ہو سرکاری "تاریخ جنگ" جلد اوّل۔ مرتبۂ جنرل ایڈمنڈس، شلیفن کے نقشۂ جنگ کے لئے دیکھو کتاب "Der dentsche General Stab"

اس عرصے میں برطانیہ کی سپاہ خصوصی کے تین لشکروں میں سے پہلے دو رود بار کو بلا نقصان عبور کر آئے اور بتاریخ ۲۲ اگست اُن مقامات پر متعین کر دیئے گئے جو سپاہ فرانس کے میسرے کے آگے اُن کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ یہ سپاہ خصوصی لارڈ ہالڈین نے مرتب کی تھی اور اس کا

انگریزوں کی پسپائی

سپہ سالار سر جون فرنیچ تھا۔ ہر چند میدان میں یہ بہترین قواعد دان سپاہی تھے، تاہم برطانی فوج باقاعدہ کی تعداد بہت تھوڑی اور کمک اتنی کم تھی کہ وہ غنیم کے سیلاب کے سامنے ٹھہر نہ سکتی تھی۔ چنانچہ شارلرو میں فرانسیسیوں کو شکست ہوئی تو مونز میں پہلی مرتبہ ہی آتش باری جھیلنے کے بعد برطانی پسپائی پر مجبور ہوئے رہی لاکاتو کی لڑائی تو وہ درحقیقت بلجیم کی سرحد سے پیرس کے پھاٹکوں تک ایک طویل پسپائی کا ضمنی واقعہ تھی۔ حملہ آوروں کے رود بار کی بندرگاہوں پر قابض ہو جانے میں کوئی چیز حائل نہ تھی حتیٰ کہ برطانی مرکز کو کچھ روز کے لئے سوار کے دہانے پر ہٹانا پڑا۔ لیکن جنرل کلاک کمال سرعت سے پیرس پر بڑھا چلا گیا جہاں سے اعلیٰ حکام بہ عجلت فرار ہو کے بورڈو آئے اور پایۂ تخت کی حفاظت مدغا سکر کے آزمودہ کار فاتح گالینی کے قوی ہاتھوں میں چھوڑ دی۔

۵ ستمبر کے دن یہ عظیم پسپائی رکی اور مارن کی لڑائی نے پیرس کو بچا لیا اور جرمنوں کے مغرب میں جلد فتح پا لینے کا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ اس خونی کشمکش میں ثابت ہو گیا کہ فرانس کا سپاہی، بشرطیکہ سردار اچھے ملیں، اب بھی وہی اوصاف رکھتا ہے جیسے کبھی اُس کے اسلاف و آبا میں تھے، اور ژوفر کا حکم کہ اب قدم پیچھے نہ ہٹایا جائے، ماننے کے واسطے آمادہ ہے۔

مارن کی فتح

لیکن اگر کاستلناؤ اس حملے کو جو شمال کی یورش کے ساتھ ساتھ لورین سے کیا گیا تھا نہ روک لیتا، اور اگر اطالیہ کی غیر جانبداری فرانس کو جنوب مشرقی سرحد سے اپنی فوجیں ہٹانے کا موقع نہ دے دیتی۔ اگر برطانی فرانس کے دوش بدوش استادہ نہ ہوتے، اگر بلجیم والے اینٹ ورپ کے سامنے

ایک جرمن لشکر کو نہ الجھائے رکھتے اور اگر روسیوں کا زبردست حملہ مغرب سے مشرق کی طرف جرمن سپاہ کے منتقل کرنے پر مجبور نہ کرتا، تو جنگ میں کامیابی نہ ہو سکتی تھی۔ جرمن، سپہ سالاروں کے معاملے میں غنیم سے گھٹے رہ گئے اور موسلٹکے کو جلد ہٹا کے وزیر جنگ فالکن ہین کو فوجی حکام کا صدر بنا دیا گیا کیونکہ موسلٹکے کی صحت اور جنگی قابلیت دونوں اتنی سخت آزمائش کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔
بہرحال پہلی کاری ضرب روک لی گئی اور تھوڑی دیر تو ایسا معلوم ہوا کہ شاید حملہ آوروں کو چند روز میں سمیٹ کے ڈھکیل دیا جائے گا لیکن جرمنوں کی جمعیتِ اصلیہ ہٹ کر آین کے مضبوط مورچوں میں آگئی اور اس ندی کے پار تین ہفتے تک برابر جنگ ہوتی رہی۔ بتاریخ ۱۰ اکتوبر آینٹ ورپ مسخر ہو گیا کہ قلعے کی چھوٹی مار کی توپیں حملہ آوروں کی گولہ باری کا جواب نہ دے سکیں۔ اور بلجیم کی بچی کھچی فوج ساحل سے سرحدِ فرانس کی طرف ہٹی تا کہ برطانی سپاہ سے آملے جو آین سے ہٹا کر ادھر بھیجی گئی تھی۔ اس طرح سوئی زرلینڈ کی سرحد سے لے کے نیوپورٹ پر سمندر تک خطِ جنگ مسلسل و مکمل ہو گیا۔ رُدوبار کی بندرگاہوں کا راستہ رکا تو گو مدافعین کی تعداد قلیل تھی مگر ۲۰ اکتوبر کے دن ان پر قیامت خیز حملہ ہوا صفِ جنگ پر جگہ جگہ اتنا دباؤ پڑا کہ اس کے شکستہ ہو جانے میں کوئی کسر نہیں رہی اور برطانیہ کی باقاعدہ فوج کے سب سے چیدہ سپاہیوں نے اسی ییپرے کی پہلی لڑائی کے معرکوں میں جان نثار کی۔ پانی کے بند کھولنے سے رودِ ییزر کناروں سے باہر اُمنڈ آیا اور اس سیلاب نے مدافعین کو حسبِ دلخواہ مدد پہنچائی اور اسی پاسبانی جہازوں سے مدد ملی جن پر بھاری توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور پست ساحل پر سامنے سے گولہ باری کر سکتے تھے۔
جنگ کا ایک اور نازک موقع وہ تھا جب کہ فوش ارا کے گرد دشمن کو روکے رہا مگر وسطِ نومبر تک حملے کا زور ختم ہو گیا۔ مشرق میں سپاہیوں کی ضرورت تھی اور جرمنوں کے پاس بھی دوسروں کی طرح گولہ بارود کم ہو گیا تھا۔ مغرب میں اینچ ہیچ اور چلت پھرت کی لڑائی اب ایسی رکی کہ پھر ۱۹۱۸ء میں اس کی تجدید ہوئی اور لوگوں کی سمجھ میں آگیا کہ ممکن ہے کچنر کی سہ سالہ جنگ کی پُر ہیبت پیشین گوئی

درست نکلے۔ جرمانیہ اپنے حریف کو اس مدّت کے اندر جو شلیفن کے نقشے میں اس کام کے لئے رکھی گئی تھی، پٹخ دینے میں ناکام رہی۔ تاہم ایک وسیع علاقہ اُس کے قبضے میں آگیا جس کی گنجان و کثیر آبادی سے جبراً محنت لی جا سکتی تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بلجیم اور شمالی فرانس کے زغال بر آر اضلاع اور فرانسیسی لورین کی لوہے کی کانوں پر وہ متصرف ہوگئی جن کے بغیر وہ زیادہ عرصے تک اس مضمحل کُن کشمکش کو جاری نہ رکھ سکتی تھی۔[1]

مغرب میں تو جرمن منصوبے ناکام رہے لیکن مشرق کی طرف اس خونی شطرنج کی ابتدائی چالوں ہی میں وہ کامیابی ہوئی جس کی برلن کے ماہرین حربیات کو بھی توقع نہ تھی۔[1] آغازِ جنگ ہی میں روسی سپاہیوں کا جمِ غفیر غیر متوقع سرعت کے ساتھ مشرقی پروشیہ میں اُمڈ آیا اور قریب قریب کونگز برگ کے سامنے تک سارے مُلک کو تباہ و تاراج کر ڈالا۔ اور غیر عسکری آبادی پر وہی وحشیانہ ظلم کئے جیسے کہ جرمن حملہ آور انہی دنوں بلجیم میں توڑ رہے تھے۔ اتحادی جن پر مغرب میں بُری بن رہی تھی یہی اندازے لگا لگا کے دل کو تسلی دینے لگے کہ کوئی دن جاتا ہے کہ روسی پہاڑ لڑھکتا ہوا برلن پہنچ جائے گا اور فتحمند رکاسک برین ڈن برگ دروازے سے شہر کے اندر داخل ہوتے نظر آئیں گے۔ زار کا چچا، امیر کبیر نکولاس سر عسکرِ افواج تھا اور اس کے آہنی عزم اور خاصی قابلیت کے سپاہی ہونے میں شک نہیں لیکن مشرقی پروشیہ کی روسی سپاہ کی قیادت بری طرح کی گئی اور بتاریخ ۲۷ اگست تنن برگ کے مقام پر آزمودہ کار ہنڈن برگ نے روسیوں کو کمر شکن شکست دی۔ یہ جرمن سپہ سالار خانہ نشین ہوگیا تھا

جنگ تنن برگ

[1] ملاحظہ ہو فاکن ہین: "جنرل ہیڈ کوارٹرز"، لوڈن ڈورف: "مای وار میموریز" جلد اوّل۔ ہنڈن برگ: "آؤٹ اوف مای لائف" گورکو: "رشیا ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۷ء"؛ سر الفریڈ نوکس: "وِد دی رشین آرمیز"؛ پلیولوگ کی کتاب 'جنگِ عظیم کے زمانے میں روس کے حالات'؛ پرنس سر جے ایچ ویلمز کی کتاب "دی امپرر نکولاس ایز دی نیو ہم" پسِ پردہ جو کچھ ہو رہا تھا اس کا مرقع پیش کرتی ہے۔

لیکن ماسوری جھیلوں کے پُرفریب میدانوں سے لاجواب واقفیت رکھتا تھا اور اسی بنا پر اس موقع پر طلب کیا گیا۔ لوڈن ڈورف کی مدد سے جس نے تنغیر لیشن نام پایا تھا ہنڈن برگ روسیوں کو ایک ایسے مقام پر لگا لایا جہاں ان کا قریب قریب سارا لشکر یا ہلاک ہو گیا یا قید کر لیا گیا اور روسی سپہ سالار سیمونوف بھی یہیں کھیت رہا۔ اس روسی سیڈان کی پوری اہمیت محکمۂ احتساب نے اتحادیوں سے مخفی رکھی۔ ان محاربات میں کوئی فیصلہ کُن جنگ ہوئی تو وہ یہی قیامت خیز معرکہ تھا۔ مشرقی پروشیہ کے بعض حصوں پر آئندہ بھی یورشیں ہونے والی تھیں مگر سچ یہ ہے کہ ٹنن برگ کے میدان حشر میں یہ طے کر دیا گیا تھا کہ تیوتانی اسلافی سے مغلوب ہونے والا نہیں ہے۔ تمام ممالک میں جہاں جرمن زیادہ بولی جاتی تھی ہنڈن برگ اور لوڈن ڈورف کے نام فتح و نصرت کا شگون ہو گئے۔ اگرچہ فتحمند جرمن روس کے علاقے میں گھسے تو بہت نقصان اُٹھا کے پیچھے ڈھکیل دیے گئے۔

گلیشیا کا حملہ

آسٹریہ پر یورش کرنے میں روس کو اتنی دقت نہیں پیش آئی[1]۔ جغرافی اعتبار سے بھی گلیشیا اسی وسیع میدان کا ٹکڑا ہے جو کارپیتھیں کے آگے شمال و مشرق میں دور تک پھیلا چلا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بالکل یقینی بات تھی کہ آسٹریہ کی فوج اس شمالی گوشے کی اپنے سے زیادہ تعداد کے مقابلے میں حفاظت نہ کر سکے گی۔ آسٹریہ ہنگری کی سپاہ کو کونراڈ وان ہیوٹ زن ڈورف نے سدھایا اور اس کی تعداد میں اضافہ کیا تھا۔ وہ ۱۹۰۶ء تک فوجی حکّام کا صدر رہا اور تقرری کے وقت سے جنگ جنگ پکارتا تھا۔ لیکن اس کے ارادے کی پختگی اور کاردانی بھی جنگ کو بوہیمیہ یا سلطنت کی یوگوسلافی ولایات میں مقبول نہیں بنا سکتی تھی۔ روس کی

[1] آسٹریہ نے جنگ میں جو حصہ لیا، اس کا عمومی حال دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو نوواک:
"Der Weg Zur Katas trophe" (جس کی خود کونارڈ نے نظر ثانی کی) اور کوسے مون کی کتاب، جو جرمن حکّام فوجی کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ وغیرہ

بروسی لوف نے تیسری ستمبر کے دن لمبرگ چھین لیا۔ آسٹریہ والے جنوبی پولینڈ میں گھس آئے تھے وہاں سے نکال دئے گئے۔ تاریخ ۲۴ ستمبر جارو سلاؤ کا قلعہ مسخر ہوا اور پرزمیل کا بڑا قلعہ محصور کر لیا گیا۔ روسی ہراول کے پاسبان کارپے تھین اتر کے اتنے بڑھ آئے کہ کراکاد کے بروج و مینار قریب قریب نظر کے سامنے آگئے۔ آسٹریہ کی گلیشیا میں بری گت دیکھ کر ہنڈن برگ نے ارادہ کیا کہ غنیم کے وسط لشکر پر پولینڈ میں ضرب لگائے کہ جنوب کا دباؤ کم ہو۔ لیکن اکتوبر کے سارے مہینے وسچولا کے وسطی حصے پر خوں ریز جنگ ہوتی رہی اور پھر بھی حملہ آور ہی پسپا ہوئے۔ گلیشیا میں عارضی طور پر آسٹریہ کی مساعی بارآور ہوئیں۔ جارسلاؤ دوبارہ ہاتھ آگیا اور پرزمیل کو محاصرے سے نجات ملی مگر وارسا پر جرمن حملے کی ناکامی کے باعث آسٹریہ کو جنوب سے دوبارہ پسپا ہونا پڑا۔ پرزمیل پھر ایک دفعہ گھیر لیا گیا اور روسی سپاہی پھر دباتے ہوئے کراکو کی بیرونی چوکیوں تک آپہنچے۔ سال کے ختم ہوتے ہوتے ایسا نظر آتا تھا کہ تنن برگ کی سخت چوٹ جھیل کر اب روس میں پھر وہی دم خم آگیا ہے۔ قریب قریب ساری گلیشیا اس کے ہاتھ میں تھی۔ سلیشیہ کا زرخیز صوبہ زد میں تھا اور وارسا پر جو پے درپے حملے جاڑے بھر ہوتے رہے۔ ان کا پوری قوت سے مقابلہ کیا گیا۔[1]

ادھر اس عرصے میں آسٹریہ کو حقیر سرویہ کے ہاتھ سے بھی خلاف امید ویسی ہی زک کھانی پڑی جیسی سرویہ کے طاقتور مربی سے پہنچی تھی۔ جنگ یورپ

آسٹریہ و سرویہ

کے آغاز سے پہلے جو فوجیں بلگریڈ پر قبضہ رکھنے کی غرض سے روانہ کی گئی تھیں انھیں گلیشیا کی مدافعت کے لئے واپس بلانا پڑا اور اگست کے اخیر تک حملہ آور ملک سے نکال دئے گئے بلکہ خود سرویہ کے حملہ کرنے کی نوبت آئی اور اس نے بوسینہ پر چڑھائی کی۔ نومبر میں

---

[1] دیکھو "Crawfurd Price." "Serbias Part in the War. and "Laffan" "The Guardians of the Gate"

اہلِ آسٹریہ نے اور زیادہ لشکر کے ساتھ حملے کی تجدید کی لیکن ختم سال سے پہلے ہی ان سب کو مار کر نکال دیا گیا اور تعدادِ کثیر دشمن کے ہاتھ میں اسیر ہو گئی۔ اس طرح ابتدائی مہینوں ہی میں اس طاقت کو جنگ سے سوائے مصیبت و پریشانی کے اور کچھ نہ ملا جس نے دیوانگی سے اس کا آغاز کیا تھا۔ لڑائیاں شروع ہوئیں تو اُسی وقت فرانسس جوزف نے رائے ظاہر کی تھی کہ اگر کشمکش کے آخر میں صرف آنکھ سیاہ ہوئی اور کوئی ہڈی پسلی نہ ٹوٹی، تو میں سمجھوں گا کہ ہم بہت اچھے رہے؛ اور مسٹر لائڈ جارج نے کمال مسرت سے ہم وطنوں کو دعوت دی کہ روس کو احسنت و مرحبا کہیں جو خاندان ہیپس برگ کی "اٹنگی سلطنت" کے ٹکڑے اڑا رہا تھا؛

جنگ شروع ہوئی تو برطانیہ، فرانس، روس، بلجیم، سرویہ اور جبل اسود ایک طرف تھے اور جرمانیہ اور آسٹریہ دوسری طرف۔ لیکن چند ہی روز میں

جاپان اور کیو چو

ائتلافِ ثلاثہ کو جاپان کی مدد بھی مل گئی جس نے بتاریخ ۱۵ اگست مطالبہ کیا کہ ایک ہفتے کے اندر جرمن جہاز مشرقِ اقصیٰ سے ہٹا لئے جائیں اور کیو چو کو حوالے کر دیا جائے۔ ان مطالبات کا کوئی جواب نہیں ملا تو اُس نے مُٹھی بھر انگریزی سپاہیوں کی مدد سے قلعۂ سنگ ٹاؤ کی تسخیر شروع کی۔ بحرِ اوقیانوس میں جرمن پھریرے کے ہر جگہ سے لپیٹ دئے جانے سے، برطانی فوجوں کو مختلف حصص سلطنت سے لا لا کے میدانِ جنگ میں پہنچانے سے اور روس کو گولہ بارود پہنچانے سے جس کا وہ سخت محتاج تھا، اتحادی مقاصد کو بڑی برمحل مدد ملی۔ لیکن جاپان دور تھا اور اُس نے اپنی پوری طاقت سے جنگ میں نہ حصہ لیا نہ حصہ لینے کی اُس سے درخواست کی گئی؛

ائتلافِ ثلاثہ کے کسی اہل الرائے یا سپہ سالار کے یہ بات تو خواب میں بھی نہ آسکتی تھی کہ نوجوان تُرکوں سے امداد لی جا سکے گی۔ البتہ اس کا امکان نظر آتا تھا کہ اُنھیں وسطی سلطنتوں کی طرف سے میدان میں اُترنے سے رُوکا جائے یا کم سے کم ان کا یہ قصد ملتوی کرا دیا جائے[1]۔ ۳ اگست کے دن

---

[1] ترکی سے قطع تعلق کے بارے میں انگریزی بیان اور (دوسری) روسی "کتاب نارنجی"

برطانی وزارت نے دو جنگی جہاز جو برطانی کارخانوں میں تیار ہو رہے تھے خود لے لئے اس پر قدرتاً ترک بہت بگڑے اور یہ ناراضی اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ اُن کی قیمت محبِ وطن کے جوش میں عام چندے سے وصول کر کے ادا کی گئی تھی اور تاوان کے وعدے وعید سے بھی اس میں کمی نہ ہوئی لیکن حکومت برطانیہ کا فیصلہ جس حکمت پر مبنی تھا، اس کی تصدیق اُس وقت بخوبی ہو گئی جب کہ گیبنؔ اور برسلوؔ مالٹا سے جان پر کھیل کے فرار ہوئے اور بوسفورس پہنچ گئے۔ پھر چند ہفتوں تک بابِ عالی کو خوش آیند اور پیہم وعدوں کا لالچ دیا جاتا رہا۔ ہم نے (یعنی انگریزوں نے) بیان کیا کہ اگر ترکی غیر جانبدار اور مصر میں امن و عافیت رہی تو مصر کے سیاسی مرتبے میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔ دوسرا اقرار کسی قدر زیادہ فیاضانہ یہ تھا کہ اگر ترکی پوری پابندی سے غیر جانبداری پر قائم رہی تو اتحادی تمام حملوں سے اس کی صیانت و آزادی بچائیں گے۔ جب وزیر بحریات نے مطالبہ کیا کہ تجارتی امتیازات فوراً منسوخ کر دئے جائیں تو سر ایڈورڈ نے اقرار کیا کہ "جس وقت ایسا تجویز نامہ جو تہذیب جدید کی ضروریات کو پورا کرتا ہو، مرتب کر لیا جائے گا" ہم اسی وقت اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں گے بشرطیکہ فرانس و روس بھی رضامند ہوں۔ آخر میں شاہ جارج نے اپنی طرف سے سلطان المعظم کو پیام بھیجا جس میں بہت افسوس ظاہر کیا تھا کہ ترکی جہازوں کو جبراً لے لینے کی ضرورت داعی ہوئی اور وعدہ لکھا تھا کہ جنگ کے بعد وہ واپس دے دئے جائیں گے۔

سلطان اور وزیر اعظم ان سب مراسلوں کے جواب میں برابر میٹھی میٹھی باتیں کہہ کے تھپکتے رہے لیکن اندر خانہ ائتلاف سے لڑنے کے تفصیلی بند و بست کئے جا رہے تھے۔ ترکی کے "مرد قوی" اور وزیر جنگ انور پاشا نے مدت سے ٹھان رکھی تھی کہ عالمگیر جنگ چھڑی تو ترکی وسطی سلطنتوں کے ساتھ ہو گی اور اُس کے اکثر ہم وطن بھی اُس کے شریکِ آرزو تھے۔ بغاوت پسند مسیحی قوموں سے انگریزوں کی ہمدردی اور ہوا خواہی چھپی ہوئی نہ تھی جس طرح

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ جے بی آسکوٹ کی "ڈپلومیٹک ڈوکیومنٹس" جلد دوم میں چھپی ہیں لیکن حکومت برطانیہ نے ۱۹۱۵ء میں سرکاری طور پر جو کتاب شائع کی تھی اس میں شامل نہیں ہیں۔

روس کی دیرینہ تمنا کہ استنبول پر قبضہ کرے، سب پر آشکارا تھی۔ لہذا سلطنت کی صیانت کے متعلق ضامن بننے کے جو وعدے انگریزوں نے کئے انھیں محض لغو و بے وقعت سمجھا گیا۔ ترکوں کے نزدیک ائتلاف ثلاثہ کا مقصد ہی

ترکی کی شرکت جرمانیہ سے

یہ تھا کہ دولتِ عثمانیہ کے حصے بخرے کر لے بحالیکہ وسطی سلطنتیں زیادہ سے زیادہ اقتصادی فوائد کے درپے تھیں۔ پس قدرتی بات تھی کہ ادنی مصیبت کو ترجیح دی جائے۔

یکم اگست کے دن ترکی و جرمانیہ میں ایک عہد نامہ مرتب ہوا جس میں روس کا داخلِ جنگ ہونا فریقین معاہدہ کے جنگ کرنے کا موجب و مستلزم قرار دیا گیا تھا[1]۔ یہ شرط اسی سہ پہر کو پوری ہو گئی اور آسٹریہ عہد نامے پر جمی رہی۔ ترکی سے فوجی امداد اور روس کے مقابلے میں ملکی صیانت کا اقرار کیا گیا تھا۔ مگر یہ قول و قرار اکثر ترکی وزیروں تک مخفی رکھے گئے اور جب تک وار کرنے کی تیاری نہ کر لی، اس وقت تک ترکی غیر جانبدار رہی۔ برلن اور وی آنا سے زبانی اطمینان دلایا گیا اور کامل فتح کی صورت میں امتیازات کی تنسیخ اور بلغاریہ سے مستقل تصفیہ کرنے میں پوری سہولت بہم پہنچائی جائے گی۔ دورانِ جنگ میں کسی علاقے پر قبضہ رکھا گیا تو بعد میں اُسے خالی کر دیا جائے گا اور ترکی کی حدود میں اسکے حسب مراد ترمیم عمل میں آئے گی اور تاوانِ جنگ میں اس کا حصہ ہوگا۔

اس انتظام کی ائتلاف والوں کو کوئی خبر نہ ہونے پائی[2] اگرچہ یہ حال ظاہر ہو جاتا تو بھی انھیں کچھ زیادہ تعجب نہ ہوتا کیونکہ فوجی اجتماع کا کام برابر ہو رہا تھا اور اسے مخفی رکھنے کی بھی کوشش نہیں کی گئی۔ ۲۶ اگست کے دن جرمن جہاز راہِ خشکی کے راستے سے پہنچ گئے۔ برطانی سفیر نے بابِ عالی کو خبردار کیا کہ ائتلاف ثلاثہ سے لڑائی چھیڑنا دولتِ عثمانیہ کے خاتمے کے مرادف ہوگا۔

---

[1] ملاحظہ ہو جمال پاشا کی کتاب "میموریز اوف اے ٹرکس اسٹیٹس مین" بابِ سوم۔

[2] فرانس کی وزارتِ خارجہ میں اس معاہدے کی ۷ اگست کو خبر ہو گئی تھی۔ ملاحظہ ہو سفیر فرانس بومپار کا مضمون ریویو پاری کے جولائی ۱۹۲۱ء کے دو نمبروں میں۔

لیکن جنگ مارن کے بعد اُس نے اپنی حکومت کو یہ امید افزا اطلاع لکھی کہ صرف وزیر جنگ شعلہ خو ہے اور یہ کہ امن پسند فرقے کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ ۵ر اکتوبر کے مراسلے میں بھی اُس نے تحریر کیا کہ "وقت گزرنا ہمارے حق میں مفید ہے بہت ممکن ہے کہ معاملہ بگڑنے نہ پائے" مگر آسٹریہ کا با اثر سفیر وانگن ہیم اور امیر البحر سوشون عملی کارروائی پر زور دے رہے تھے اور جرمن روپیہ اور فوجی سردار مُلک میں اُمنڈے چلے آتے تھے۔ ۲۸ر اکتوبر تک انور پاشا کی تیاری مکمل ہوگئی۔ گیبن کا امیر البحر جرمن اور ترکی جہازوں کے ساتھ بحرِ اسود میں داخل ہوا۔ سباستوپل کے سامنے بحری سرنگیں پھیلادیں، رسد رسانی کا جہاز ڈبویا اور اُڈیسہ، تھیوڈوسیہ اور نوورو سیسک پر گولہ باری کی۔ روس نے بلا تاخیر ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا (۳۱ر اکتوبر) اور اُس کے اتحادیوں نے بھی پیروی کی بتاریخ ۳ر نومبر انگریزوں نے درِ دانیال کے دہانے کے قلعوں پر گولے برسائے اور مصر کی حفاظت کے لئے بعجلت فوجیں روانہ کی گئیں کہ اس جانب ترکی فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں اور تمہید کے طور پر جزیرہ نمائے سینا پر بدوؤں نے ایک تاخت بھی کی تھی۔

ترکی روس پر حملہ کرتی ہے

فریقین جنگ میں سے کسی کو سب سے پہلی اور ہنگامہ خیز سیاسی کامیابی نصیب ہوئی تو وہ یہی ترکی کا جنگ میں داخلہ تھی اُس نے لڑائی کے میدان کو کہیں زیادہ وسیع کر دیا اور خطرات کی طرح فائدے کے لالچ بھی پہلے سے زیادہ بڑھ گئے۔ برطانیہ اور فرانس کے زیرنگین کروڑوں مسلمان تھے جو سلطان کو اپنا خلیفہ سمجھتے تھے لہذا ان دونوں سلطنتوں کو اتحاد بین المسلمین کی قوت اور مسلمانوں کی ناراضی کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ برطانیہ کو اب مشرقی بحر متوسط، نہر سویز، مصر اور خلیج فارس کی حفاظت درپیش تھی اور اسی وجہ سے چار و ناچار ہندوستان کی مدد پر بہت زیادہ بھروسہ کرنا پڑا جو مغربی میدان جنگ کے لئے پہلے ہی فوجیں روانہ کر چکا تھا۔ ترکی اعلان جنگ کے ساتھ ہی معلوم ہوا کہ "برلن تا بغداد" کے تصور نے ٹھوس مادی شکل اختیار کر لی ہے برطانیہ نے تو فوراً یہ بدلہ لیا کہ قبرص کے الحاق اور مصر کے

اپنی سیادت میں لینے،[1] اور خدیو عباس پاشا کی معزولی کا اعلان کر دیا کہ اس کی اپنے آقا (سلطان) سے خیر خواہی مسلّم و معلوم تھی۔ اس کی جگہ خدیو اسمٰعیل کے ایک بیٹے کو منتخب کیا گیا اور ادھر عراق عرب پر فوج کشی کی۔ فروری ۱۹۱۵ء میں ترکوں نے نہر پر حملہ کیا اُسے آسانی سے پسپا کر دیا گیا۔

برطانیہ کے مثل روس کو ترکوں کے غنیم بن جانے سے کچھ قلق نہ ہوا بلکہ وہ تو یہ سمجھ کر نہایت خوش ہوا کہ اب دیرینہ ارمان پورا کرنے کا موقع ملے گا۔ وسطی سلطنتوں پر فتح پانے سے بجز اس کے کچھ ہاتھ نہ آتا کہ پولینڈ کی مائل بہ بغاوت رعایا کی تعداد بڑھ جاتی۔ لیکن ترکی پر فتح کے معنیٰ یہ تھے کہ بحر اسود روسی جھیل بن جائے، ایا صوفیہ کے گنبد پر ہلال کی بجائے صلیب نصب ہو اور آبناؤں پر قبضہ حاصل ہو جائے جس کی مدت سے تمنا تھی۔ انگریز سفیر بوکانن نے

روس اور قبضۂ قسطنطنیہ

بتاریخ ۱۴ نومبر سازونوف سے کہہ دیا کہ بیشک روس قسطنطنیہ اور آبنائیں لے سکتا ہے اور روسی وزیر خارجہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔[2] چند ماہ بعد (بتاریخ ۴ مارچ ۱۹۱۵ء) سازونوف نے فرانس و برطانیہ کے سفیروں کو ایک یادداشت دی جس میں فتح کی صورت میں حسب ذیل علاقوں پر دعویٰ پیش کیا:۔ شہر قسطنطنیہ۔ بوسفورس کا مغربی ساحل۔ بحر مرمرہ اور آبنائے درِ دانیال۔ تھریس کا علاقہ خطِ اینوس و میڈیا تک۔ ایشیائے کوچک کا تمام ساحل بوسفورس سے رودِ سقاریہ تک۔ بحر مرمرہ کے جزیرے اور امبروس و تینی دوس۔[3] اور اس کا مطلب یہ تھا کہ ایشیائے کوچک کا تمام ساحلی خطہ جو پوری بوسفورس اور اسی میل تک بحرِ اسود کے گرد تھا اور اُدھر ساری یورپی ترکی، بجز آدرنہ و قرق کلیسہ کے ایک چپے کے (جسے بلغاریہ کو بطورِ طعمہ، دینے کے لئے چھوڑ دیا تھا)۔ روس کے تصرف میں آجائے۔

---

[1] دورانِ جنگ میں مصر کے اجمالِ احوال کے لئے دیکھو چیرول: "دی ایجپشین پروبلم"۔
[2] پیلیولوگ: "لَ روسیہ" جلد اول۔ ۱۹۴۔
[3] کوکس: "دی سیکریٹ ٹریٹیز" باب اول۔

حکومتِ فرانس و برطانیہ نے روس کی خواہشیں قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ سلطنتِ عثمانیہ اور دوسرے ملکوں میں خود اُن کے دعاوی تھے، وہ پورے کر دئیے جائیں۔ قرار پایا کہ قسطنطنیہ روس میں مال کے لانے لے جانے کے لئے آزاد بندرگاہ ہوگی کہ آبناؤں سے ہر قوم کے تجارتی جہاز بلاقید گزر سکیں گے۔ برطانیہ اور فرانس کے ایشیائی ترکی میں جو حقوق آئندہ معین ہوں، وہ تسلیم کئے جائیں گے۔ مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کی جائے گی اور عرب کو ایک آزاد اسلامی فرماں روا کے تحت میں دے دیا جائے گا اور ایران میں جو ٹکڑا حلقہ ہائے اقتدار کے درمیان خالی چھوڑ دیا گیا تھا، وہ بھی برطانیہ کے حق میں منتقل کر دیا جائے گا۔

انگلستان و فرانس کی شرطیں

ان مطالبوں کو اُصولاً قبول کرتے وقت روس نے بعض پہلو مستثنیٰ رکھے۔ یعنی رائے دی کہ یہ بات صاف ہو جانی چاہیئے کہ آیا مقاماتِ مقدسہ ترکی حکومت میں رہیں گے یا وہاں آزاد حکومتیں قائم کی جائیں گی۔ دوسرے خلافتِ اسلامیہ سلاطینِ عثمانیہ سے جدا کر دی جائے۔ اور حج کی آزادی مسلّم رکھی جائے۔ آخر میں ایران کے آزاد یا غیر جانبدار خطّے کا بہت بڑا ٹکڑا انگریزی حلقے میں دینے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ چنانچہ بتاریخ ۱۲ مارچ برطانیہ اور فرانس نے قسطنطنیہ اور آبناؤں کے الحاق سے باضابطہ رضامندی ظاہر کی اور سازونوف نے بہت خوش ہو کے بن کن ڈورف کو تار دیا کہ "باہمی اغراض و فوائد کو ایک دوسرے کا سچے دل سے قبول کر لینا ہی روس و انگلستان کی مضبوط اور دائمی دوستی کا باعث ہوگا" حقیقت میں انقلابِ روزگار کے کامل ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں تھی کہ جنگ کریمیہ کے حریف، آج مل کر ترکوں کو باسفورس سے بالکل نکال باہر کرنے کا عہد وپیمان کر رہے تھے۔

اس عظیم الشان منصوبے کا عمل میں آنا، توقع سے بڑھ کر دشوار نکلا۔ بتاریخ ۲ جنوری ۱۹۱۵ء پیٹروگریڈ سے ایک اشد ضروری تار موصول ہوا جس میں بمنّت تاکید لکھی تھی کہ برطانیہ اس دباؤ کو ہٹانے کی تدبیر کرے

جو قفقاز کی جانب روس پر پڑ رہا تھا جہاں انور پاشا نے اپنی طاقت کا بیشتر حصہ مجتمع کر دیا تھا۔ اس صدائے استعانت پر لبیک کی صورت صرف یہی تھی کہ درِ دانیال پر حملہ کیا جائے اور برطانی مجلس وزرا نے جنگی اور بحری ماہرین سے اس منصوبے کے متعلق بحث و گفتگو کی[۱]۔ محکمۂ بحریات کا رئیسِ اول مسٹر چرچل ترکی کے جنگ میں داخل ہونے کے وقت سے ہی حملے پر زور دیتا تھا۔ اس جلسے میں بھی حملے کی تائید میں اُسی نے دلائل پیش کیں۔ اور کہا کہ ترکی کو اپنا پائے تخت بچانا پڑا تو خود بخود قفقاز کے میدان پر سے دباؤ ہٹ جائے گا اور حملہ کامیاب ہوا تو بحرِ متوسط سے روس تک آنے جانے کا راستہ کھل جائے گا۔ جرمنوں کے مشرق میں جانے کی راہ مسدود ہو جائے گی۔ وسطی سلطنتوں کے بازو پر حملہ ہو سکے گا اور کیا عجب ہے کہ اسی سے یونان، رومانیہ اور بلغاریہ ائتلاف کے ساتھ ہو کر میدان میں اتر آئیں مغربی خطِ جنگ پر لڑائی بحالت قائم رک گئی ہے اور آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی فوجیں کثیر تعداد میں کام لینے کے لئے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ درِ دانیال پر حملہ کرنے سے مصر کا خطرہ کم ہو جائے گا اور عراق عرب، اور فلسطین و شام کی فتح میں سہولت ہوگی۔ غرض کامیابی کا ثمر نہایت بیش قیمت ہے اور جو کھوں لئے بغیر تو جنگ میں کچھ ہاتھ نہیں آسکتا۔ ان دلائل کے جواب میں لوگوں نے جتایا کہ برطانیہ کا سب سے فرض مغربی خطِ جنگ کو قائم رکھنا اور رودبار کی بندرگاہوں کو دشمن کے ہاتھ میں پڑنے سے بچانا ہے۔ کچنر کی بھرتی کی ہوئی فوجیں کئی مہینے تک میدانی خدمت کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔ توپوں اور گولوں کی فراہمی فرانس و بلجیم کے لشکر کی ضرورت ہی کے واسطے کافی نہیں ہے۔ جرمن بیڑے کو کوئی شکست یا گزند نہیں پہنچا ہے لہذا

حملۂ درِ دانیال کا منصوبہ

---

[۱] ملاحظہ ہوں ماہرین فن کے نتائج تحقیقات، درِ دانیال کے متعلق سر آئن ہیملٹن کی "گیلی پولی ڈائری"۔ ترپنسن: "دی ڈارڈینلز کمپین"۔ لیمان وان سینڈرس (Funt Jahre Turkei) جمال پاشا: "میموریز" وغیرہ۔

بحری دستوں کو بحر متوسط کے مشرقی حصے میں منتقل کرنا مخدوش ہوگا۔ پھر یہ کہ درۂ دانیال کی مدافعت (دشمن کو) سہل ہے اور چند جنگی جہاز جبراً آبنائے میں داخل ہوئے اور قسطنطنیہ پر گولہ باری بھی کی تو اس سے ترکی کمر نہیں ٹوٹے گی اور ممکن ہے کہ جہاز اپنے مقام پر واپس نہ آسکیں۔ مختصر یہ کہ اتنی بعید اور مخدوش مہم کے واسطے نہ جنگی جہاز کافی ہیں نہ سپاہی نہ گولہ بارود" اہل مشرق اور اہل مغرب کی لڑائی میں، جو آخر تک جاری رہی، پہلی ٹکر مکا ہی تھی"
اس تمام منصوبے کو یہ سمجھ کر کہ بالفعل ہماری استطاعت سے بالکل باہر ہے، مسترد کر دینا ہی غالباً عاقلانہ فعل ہوتا۔ لیکن ایک بین بین صورت پر اہل الرائے متفق ہو گئے اور حملے کی وہ ترمیم شدہ تجویز منظور کی گئی جس میں کامیابی کے لوازم نظر انداز کر دئے گئے تھے۔ کچنر صاف کہہ چکا تھا کہ اس وقت ہمارے پاس درۂ دانیال بھیجنے کے لئے سپاہی نہیں ہیں پھر بھی ۱۳ جنوری کے دن بحری حملے کی اصولاً منظوری دے دی گئی حالانکہ لارڈ فشر کو اس نقشے پر ذرا اعتقاد نہ تھا۔ بتاریخ ۱۶ فروری فیصلہ ہوا کہ ۲۹واں جیش روانہ کیا جائے اور مصر سے اسے کمک پہنچائی جائے۔ مگر مغربی خطِ جنگ کے متعلق انھی دنوں تشویش پیدا ہو گئی تھی لہٰذا فوج کی روانگی میں تو تاخیر ہوئی اور وہاں اس کا انتظار کئے بغیر درۂ دانیال کے دہانے کے قلعوں پر گولہ باری شروع کر دی گئی۔ (۱۹ فروری) حالانکہ یہ محض بیکار تھی۔ پھر مارچ میں پوری قوت سے حملہ کیا گیا تو تین جنگی جہاز اور دو ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور صاف نظر آنے لگا کہ آبنائے کو جہازوں کے ذریعے تسخیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ بری فوج درکار ہوگی۔ لیکن اس کارروائی کے آغاز کرنے میں جو وقفہ تھا، وہ اس لئے اور طویل ہو گیا کہ باربرداری کے جہازوں کو بارگیری کے واسطے مصر واپس جانا پڑتا تھا۔ اس مہلت سے ترکوں نے خوب کام لیا اور قلعوں کے مورچے زیادہ مستحکم بنا کے گیلی پولی کی پہاڑی جزیرہ نما کو مدافعت کے لئے تیار کر لیا۔ ۲۵ اپریل کے دن سر آئن ہیملٹن نے حملہ کیا اور خوفناک نقصان اٹھا کے فوج تو ساحل پر اتار دی مگر یہ چپہ بھر زمین کا قبضہ بھی بیحد مخدوش تھا اور دوسری دفعہ

مئی میں اور تیسری دفعہ جون میں جو حملے کیے گئے اُن میں بھی کوئی پیش قدمی نہ ہو سکی اور ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ امید تھی کہ روس تھریس کے شمالی ساحل پر ایک لاکھ سپاہی اُتار دے گا اور بوسفورس کے شمالی سرے پر قبضہ کرکے انگریزوں سے اشتراک عمل کرے گا لیکن اسی سلطنت کی طرف سے جس کے فائدے کے لیے یہ ساری جوکھوں مول لی گئی تھی کوئی مدد نہیں ملی؛

اطالیہ کی "مقدس نفسانیت"

ترکی کے وسطی سلطنتوں سے جا ملنے کی تلافی ۶ مہینے بعد اطالیہ کے اتحادیوں کے ساتھ آملنے سے ہوگئی[1]۔ جنگ کے اوائل میں حکومتِ اطالیہ نے اپنے شرکاسے اتحادِ ثلاثہ کے معاہدے کی دفعہ نمبر ۷ کے ماتحت معاوضے کی استدعا کی اور برلن کی وساطت سے اشارۃً ٹرنٹینو کا علاقہ طلب کیا۔ ویآنا نے اس تحریک کو مسترد کردیا لیکن سان گیولیانو مرا (۱۶ ؍ اکتوبر) تو زمامِ اختیارات زیادہ زوردار شخص کے ہاتھ میں آئی۔ یہ شخص، سونینو تیس برس تک اتحادِ ثلاثہ کا بہت پُرجوش حامی رہا تھا لیکن سلانڈرا کی وزارت میں داخل ہوا تو اس اصول کا کلیتہً موید بن گیا جو اس کا بالادست بے شرمی سے بیان کیا کرتا تھا۔ یعنی یہ کہ "ہمیں تو فقط اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر قسم کے موافق و مخالف خیالات سے آزاد و بے اثر ہوں اور سوائے "مقدس نفسانیت" کے اور کوئی جذبہ دل میں نہ رہے"۔ فیصلہ کرنے میں جلدی کا موقع نہ تھا کیونکہ طرابلس کی مہم نے بیڑے اور بری فوج کو تھکا دیا تھا اور وہ تکان ابھی تک نہیں اُتری تھی۔ بہرحال سونینو نے عہدے پر آتے ہی ٹرنٹینو کے متعلق اپنے پیش رو کے اشارے کی تجدید کی۔ اور اس دفعہ برلن سے بھی اس کی تائید ہوئی۔ مگر برختولڈ نے پھر اُسے مسترد کردیا۔ اطالیہ کا وزیر خارجہ خوب سمجھتا تھا کہ ایسے موقع پر جب کہ یورپ کی بڑی سلطنتوں میں صرف اطالیہ غیر جانبدار رہے، اس کو کیسی کچھ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ اُس نے دسمبر میں پھر آسٹریہ کو لکھا کہ وطن میں رائے عامہ کی پراگندگی

[1] اطالیہ کے نامہ و پیام، آسٹریہ کی دوسری کتاب سرخ" اور اطالیہ کی "کتاب سبز" میں تمام و کمال درج ہیں اور یہ دونوں جے بی اسکوٹ کی کتاب" ڈپلومے ٹک ڈوکیومنٹس" میں چھپ چکی ہیں؛

مجھے مجبور کرتی ہے کہ معاوضے پر زور دوں۔ برلن سے دوبارہ تاکید کی گئی کہ وی آنا رعایت دینے پر آمادہ ہو جائے مگر ضدی برختولڈ نے پھر انکار کیا۔ بارے اسی زمانے میں آسٹریہ کا یہ سب سے نااہل اور کم اندیش وزیر خارجہ اپنے عہدے سے الگ کیا گیا (۱۳ر جنوری ۱۹۱۵ء) اور بوریان اس کا جانشین ہوا۔

شہزادۂ بیولو کی سفارت

اب یہ معاملہ سرعت سے بڑھنے لگا۔ شہزادۂ بیولو کو گوشۂ عزلت سے طلب کیا گیا اور گو قیصر کی منظوری نہیں ملی تھی، تاہم اُسے اطالوی پائے تخت میں متعین کر دیا جہاں زمانۂ امن و دوستی میں اُس کے بہت سے یار آشنا ہو گئے تھے، آرزبرگ نے بھی جو ایوانِ مجلس کے وسط نشین گروہ کا نفسِ ناطقہ تھا بڑی جرأت سے اُسے مدد دی کہ جس طرح ہو اطالیہ کو جنگ سے الگ رکھا جائے [1] بتاریخ ۹ر مارچ بوریان نے بھی آمادگی ظاہر کر دی کہ ہم علاقہ تحویل کرنے کے مسئلے پر گفتگو کریں گے۔ کیونکہ روس کے گلیشیا میں اقدام سے وہ خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اطالیہ نے دست اندازی کی تو رومانیہ بھی اس کے ساتھ نہ ہو جائے [2] مگر اس اثنا میں سونینو کی شرطیں بڑھ گئیں اور اس کے مطالبے میں سارا علاقہ جس کی مدت سے طمع تھی داخل ہو گیا۔ بوریان نے جواب دیا کہ ٹرینٹینو کے آگے ہم کچھ دینے پر تیار نہیں ہیں اور اس کی بھی حوالگی سے انکار کیا۔ ایسی مشروط آمادگی کس طرح کارآمد ہو سکتی تھی جب کہ ائتلاف کی طرف سے اطالیہ کے کان میں طرح طرح کے دل خوش کُن وعدے پھونکے جا رہے تھے۔ آخر بتاریخ ۱۰ر اپریل سونینو نے صاف صاف کہہ دیا کہ تمام جنوبی ٹائرول، گورزیہ، گرے ڈسکا اور ٹرسیسٹ ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ ساحلِ دلماشیہ کے سامنے کے کئی جزائر، ویلونا پر اطالیہ کی سیادت اور البانیہ سے آسٹریہ کی بے تعلقی بھی مطالبے کا آخری جز تھی۔ اطالیہ کا جانی دشمن اور آتش مزاج کونارڈ وان ہیوٹ زن ڈورف نے بھی

[1] ملاحظہ ہو آرزبرگ: (Erlebniss in Weltkriege) کینیڈی: اولڈ ڈپلومیسی اینڈ نیو، وغیرہ وغیرہ۔

اب اصرار کیا کہ مراعات کی جائیں۔ لیکن توریان لیست ولعل میں مہلت بڑھاتا رہا اور اطالیہ کی شرطوں کو مسترد کرکے اس نے اپنی پیش کردہ مراعات میں صرف کچھ اضافہ کر دیا؛

اطالیہ کی غیر جانبداری کی یہ قیمت تھی تو شرکت جنگ کی اس سے زیادہ ہونی لازمی تھی۔ اسی طرح یہ بھی قدرتی بات تھی کہ ائتلافِ ثلاثہ پرایا مال دینے میں اس سے زیادہ فیاض ہو، جتنی کہ آسٹریہ اپنے مال کے دینے میں تھی بہرچند سازونوف کو، جو سرویہ کے حقوق کا باخبر محافظ تھا، اندیشہ تھا کہ کہیں اطالیہ کی

اطالیہ کے مطالبات

امداد کی ایسی قیمت دینی نہ پڑ جائے جس سے اتحادیوں کے باہمی تعلقات میں فرق آجائے۔ لیکن فرانس و برطانیہ زیادہ سے زیادہ مول دینے پر تیار ہو گئے اور فروری کے آخر میں لندن میں دادوستد کی گفتگو شروع ہوئی[1] اطالیہ کے مطالبات کو روس وفرانس نے بالکل ناقابلِ قبول خیال کیا اور سازونوف اڈریاٹک کے مشرقی سواحل پر اس کے منصوبوں کی برابر مخالفت کرتا رہا کہ ان پر سرویہ کے دعاوی زیادہ حق بجانب تھے۔ لیکن جنگ میں اتحادیوں پر جو بُری بن رہی تھی، وہ اس لاپچی غیر جانبدار کی سب سے بڑی وکیل ہو گئی۔ ابھی مارچ میں نیوشاپیل کے حملے میں برطانیہ کو ہزیمت نصیب ہوئی اور بتاریخ ۲۲ر اپریل خود جرمن حملہ آوروں نے زہریلی گیس کی شیطانی تدبیر سے یپرے کے دوسرے معرکے میں کچھ دیر کے لئے اتحادیوں کی پوری صفِ جنگ کو توڑ دیا تھا۔ زہریلی گیس کے یہ دَل بادَل نہایت عقوبت وجاں کنی کی موت کا باعث ہوتے تھے؛ سوکیز میں فرانسیسیوں نے حملہ کیا تو وہاں بھی ناکامی ہوئی اور فیستوبیر میں انگریز اس لئے خاطر خواہ مدد نہ پہنچا سکے کہ بڑے پھٹنے والے گولوں کی کمی تھی۔ اسی کے انکشاف کی بدولت وزارت شکست ہوئی اور دوسری وزارت مستجمعہ (کوائے لیشن) مرتب ہوئی جس میں سامانِ جنگ کی ایک نئی وزارت کا عہدہ بنایا

[1] ملاحظہ ہو کوکنس: "دی سیکریٹ ٹریٹیز"، باب دوم

اور لائڈ جورج اس پر مامور کیا گیا؛

۲۸ / اپریل کو اس معاہدۂ لندن پر سر ایڈورڈ گرے، اور فرانس، روس و اطالیہ کے سفیروں نے دستخط کر دئے جو بڑے سے بڑے دوزخ شکم کو سیر کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس میں قرار پایا کہ ٹرنٹینو، درۂ برینر تک جنوبی ٹائرول، شہر و ضلع ٹریسٹ، اضلاعِ گوریزیہ و گراڈسکہ، آسٹریہ، شمالی دلمیشیہ اور اس کے محاذی جزائر اطالیہ کو دے دئے جائیں۔ جنوبی دلمیشیہ کے سواحل و جزائر غیر عسکری رہیں۔ اِسٹریہ سے دلمیشیہ تک کا ساحل جس میں فیوم شامل تھا، کروشیہ، سرویہ اور جبلِ اسود کے حصے میں آنا تجویز ہوا لیکن ویلونا مع جزیرۂ ساسینو اطالیہ کو ملا اور اُن کے جنگی تحفظ کے لئے ساحل کی ایک پٹی بھی دے دی گئی۔ البانیہ میں ایک غیر جانبدار چھوٹی سی آزاد ریاست قائم کئے جانے کی صورت میں اطالیہ نے وعدہ کیا کہ اگر فرانس، برطانیہ اور روس شمالی اور جنوبی اضلاع کو جبلِ اسود، سرویہ اور یونان کے درمیان تقسیم کر دینا چاہیں، تو وہ مخالفت نہ کرے گی اگرچہ البانیہ کے بیرونی تعلقات خود اُس کی نگرانی میں رہیں گے۔ جزائرِ دودکان بارہ کے بارہ اطالیہ کے تفویض ہوئے،

منھ مانگی قیمت ادا کر دی گئی

بحرِ متوسط میں توازنِ دول قائم رکھنے میں اس کا استحقاق اُصولاً تسلیم کر لیا گیا اور اسی طرح دوسرے حقوق کے ساتھ یہ بھی قرار پا گیا کہ دولتِ عثمانیہ کی قطع و بُرید ہوئی تو ولایتِ ادالیہ اطالیہ کے حصے میں آئے گی۔ یا صِرف حلقۂ رسوخ قائم کئے گئے تو دوسری سلطنتوں کے مثل اس کی اغراض و فوائد کا بھی لحاظ رکھا جائے گا؛ ولایاتِ طرابلس میں اسے تمام وہ حقوق و امتیازات عطا ہوئے جو معاہدۂ لوزان کی رو سے سلطانِ ترکی کو حاصل تھے۔ اور طے ہوا کہ اگر جرمانیہ کے افریقی مقبوضات سے برطانیہ اور فرانس نے اپنا علاقہ بڑھایا تو اطالیہ بھی آرتریہ، ولایت سمالی اور لبیہ میں اپنے علاقے کی توسیع کرے گی۔ پانچ کرور کا قرض دلوانے میں برطانیہ سہولتیں بہم پہنچائے گی کہ روپیہ حسبِ دلخواہ شرطوں پر اسے مل جائے، اور تاوانِ جنگ میں اطالیہ کا حصہ ہوگا۔ حکومتِ پاپا کی طرف سے امن و صُلح

یا مسائلِ جنگ کا فیصلہ کرنے کی غرض سے کوئی سفارتی سعی و تدبیر ہوئی اور اطالیہ نے اُسے روکنا چاہا تو فرانس، روس، اور برطانیہ اس کی ہمنوا ہوں گی؛ آخر میں قرار پایا کہ عہدنامہ مخفی رکھا جائے اور نیا حلیف ایک مہینے کے اندر لڑائی شروع کردے؛

معاہدہ کرنے والے اُسے دُنیا سے، اور خاص کر سرویہ سے چھپانا چاہتے تھے تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہ تھی کیونکہ اس میں شمالی ڈلمیشیہ تک کو اطالیہ کے حوالے کر دینے کا فیصلہ مندرج تھا۔ اور اس بے انصافی کی تاویل کچھ ہوسکتی تھی تو وہی وقتی مجبوری جس کے عذر پر کیننگ نے ۱۸۰۷ء میں ڈنمارک کا بیڑا اچانک دبالیا یا جرمانیہ نے بلجیم کی غیر جانبداری کی زبردستی خلاف ورزی کی۔ عرصے کے بعد مسٹر اسکوئتھ نے بھی پیٹرلی کی تقریر میں گواہی دی کہ "اس وقت مغربی خطِ جنگ پر ہمیں اور فرانس والوں کو جان بچانے کی پڑی تھی اور اطالیہ کے شریک ہونے کی شرطیں ہی وہ تھیں جو عہدنامے میں قبول کرنی پڑیں[۱]"۔

مگر اس طرح ائتلافِ ثلاثہ کی صرف مادّی قوت میں اضافہ ہوا اور نہ حقیقت میں اس کے اخلاقی امتیاز میں فرق آگیا۔ ایک ہفتے کے اندر اندر سرویہ والوں کو اس کی خبر ہوگئی اور وہ اسلافی علاقوں کے اس طرح اُن سے چھپا کے دے دئے جانے اور اڈریاتک کے اطالیہ کی جھیل بنائے جانے پر بہت غضبناک ہوئے؛

جب ائتلاف ثلاثہ نے سونینو کی شرطیں مان لیں تب بھی وہ ویآنا سے نامہ و پیام کرتا رہا کہ اپنے اتحادی پر حملہ کرنے کا کوئی حیلہ نکالے۔ بتاریخ ۲۱ اپریل اس نے سرکاری طور پر بیان کیا کہ اختلافات اتنے بڑے ہیں کہ اتفاق و مصالحت کی کوئی صورت نہیں اور مئی کی تیسری تاریخ اتحادِ ثلاثہ سے علٰحدگی کا اعلان کیا۔ اب حکومتِ آسٹریہ کو نظر آگیا کہ ایک آخری کوشش ناگزیر ہے بتاریخ ۱۰ مئی ارزبرگر نے حامیانِ غیر جانبداری کے سرگروہ، گیولیتی کو اطلاع دی کہ آسٹریہ مراعات پر تیار ہے جن میں اطالوی مطالبات کا بیشتر جزو آگیا تھا۔ یعنی وہ آمادہ تھی کہ

۱؎ ۵ر فروری ۱۹۲۰ء؛

ٹرینٹینو، اِی سونزو کا مغربی کنارہ اور گورزیہ کی بستی اطالیہ کے حوالے کر دے۔ ٹریسٹ ایک خود مختار شہر بنا دیا جائے اور اس میں اطالوی جامعہ اور اطالوی رنگ کا انتظام ہو۔ ویلونا پر اطالوی سیادت مان لی جائے اور آسٹریہ البانیہ سے بے تعلقی ظاہر کر دے۔ یہ بھی تجویز تھی کہ اقرار نامہ طے ہونے سے ایک مہینے کے اندر یہ علاقے حوالے کر دئے جائیں اور جرمانیہ اس کی عملی تکمیل کی ضامن ہو، گیتو لیتی نے ان تجاویز کی تین نقلیں طلب کیں گیولیتی اور دانن زیو جن پر سفیرِ آسٹریہ اور شہزادہ بیولو کے دستخط تھے۔ ایک اپنے لئے ایک ایک وزیرِ خارجہ اور وزیرِ اعظم کے لئے۔ ۱۲؍ مئی کو وی آنا کے قصرِ حکومت سے بذریعۂ تار تصدیق بھی پہنچ گئی۔ لیکن اسی شام کو وہ ہنگامہ آفرین انن زیو پائے تخت میں آ دھمکا جو اطالیہ کا سب سے فصیح مصنّف و مقرّر تھا اور اسی کے ساتھ جنگی مظاہرے شروع ہوئے۔ مبعوثین کی تعداد کثیر گیولیتی کے پاس اپنے نام چھوڑ گئی اور دوسرے دن سیلندرا نے استعفیٰ پیش کر دیا (۱۳؍ مئی) مجلسِ مبعوثین کے صدر نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ گیولیتی کو طلب کیا جائے مگر وکٹر امانوئیل نے غور کرنے کے لئے مہلت چاہی اور پھر دوبارہ سیلندرا کو بلا لیا۔ گیولیتی جان کے خوف سے شہر چھوڑ کر فرار ہو گیا اور بتاریخ ۱۷؍ مئی مجلسِ وزرا نے جنگ کا فیصلہ کر لیا جس کا آسٹریہ کے خلاف اعلان ۲۳ ویں کو ہوا۔ طرفہ تر یہ کہ جرمانیہ کے خلاف ۲۷؍ اگست ۱۹۱۶ء سے پہلے اعلانِ جنگ کی رسم پوری نہیں ہوئی۔

اطالیہ کی آنکھیں شروع سے ٹریسٹ پر لگی ہوئی تھیں لیکن رودِ اِی سونزو پر پے در پے جس قدر حملے ہوئے سب پسپا کر دئے گئے کیونکہ یہ کوہستانی سرحد جسے علومِ حربی کی ہر معلومہ تدبیر سے مستحکم کیا گیا تھا، ناممکن التسخیر تھی[۱]۔ اِدھر ایک تازہ اور خوفناک دشمن کے میدان میں آنے کے باوجود آسٹریہ نے

---

[۱] اطالیہ کی جنگ آرائی کا حال مطالعہ کرنا ہو تو دیکھئے ٹریولین "سینیز فرام ایٹلیز وار" اور کیدورنا کی کتاب "خطِ جنگ اطالیہ" پر۔

اس مشترکہ اقدام کے واسطے بھی کافی فوجیں فراہم کردیں جو روسیوں کو گلیشیہ سے سمیٹ کے نکال دینے والا ثابت ہوا۔

۱۹۱۵ء کے اوائل میں روس کا مستقبل جنگ بہت تابناک نظر آتا تھا۔ لیکن اس کے پاس وہ وسائل وسامان نہ تھے کہ ایسی طویل اور تھکانے والی لڑائی جاری رکھ سکے۔ جملہ شرکائے جنگ کی طرح اس کے پاس گولہ بارود اتنا نہ تھا کہ عہدِ جدید کی حربی ضروریات کے لئے مکتفی ہوتا۔ اور اس کے حلیفوں اور دشمنوں کو تو اس کے اضافہ کرنے کی سہولتیں میسر تھیں مگر اُسے یہ بات بھی حاصل نہ تھی۔ ویٹ کے دہ سالہ اقتدار میں روسی صنعت وحرفت کی بنیاد پڑی مگر اُس کے جانشین ڈرے کہ کہیں جدید کارخانوں کی بدولت بغاوت پسند مزدوروں کا طبقہ وجود میں نہ آجائے لہذا ویٹ کے کام کو چھوڑ دیا اور اسٹولی پن نے تو یہ تدبیر سوچی تھی کہ کاشتکاروں ہی کو کارخانہ دار بنا دیا جائے۔ اس کمی کی اتحادی بھی پوری طرح تلافی نہ کرسکتے تھے کیونکہ ارخنجل تو نومبر سے مئی تک یخ بستہ رہا اور سائبیریا کی ریلیں جاپان کے بعید کارخانوں سے رو بہ رو کے بہت ہی حقیر مقدار پہنچا سکتی تھیں۔ اور درۂ دانیال کے حملے سے یہ امید نہ تھی کہ مشکل سے جلد نجات پانے کی کوئی صورت نکل آئے گی۔

۱۹۱۵ء میں فالکن ہین کی جنگی حکمت یہ تھی کہ مغرب میں صرف مدافعت کی جائے اور مشرق میں ایسا بھرپور وار کیا جائے کہ تسمہ لگا نہ رہے۔ حملے کے لئے گلیشیہ کو منتخب کیا گیا کیونکہ آسٹریہ کی پوری طرح کمک یہیں پہنچ سکتی تھی اور یہی علاقہ تھا جس میں غنیم اُن کی حدود کے اندر سب سے دور تک بڑھ آیا تھا۔ ایک اور مصلحت یہ تھی کہ اگر روسی حملہ آوروں کو گلیشیہ سے ڈھکیل دیا گیا تو پولینڈ میں بھی ان کی فوجیں ایک خطرناک زاویئے میں آجائیں گی۔ غرض بتاریخ ۲ مئی میکنسن نے جارحانہ اقدام کا آغاز کیا۔ بھاری توپوں کی اتنی کثیر مقدار ساتھ تھی کہ روسی جو بری طرح مسلح تھے کوئی جواب نہ دے سکے اور اسی آتش باری کے آگے سے سر پہ پاؤں رکھ کر ایسا بھاگے کہ رودِ سان کے پار تک دم نہ لیا۔ پہلی جون کو پرزمیسل خالی کر دیا گیا

حملۂ گورلک

اور ۲۲ ویں کولمبرگ دوبارہ دولتِ آسٹریہ کی تحویل میں آگیا۔ دو ماہ کے اندر اندر گلیشیہ کی بازیابی مکمل ہوگئی اور اب میکنسن مظفر و منصور شمال کی طرف پلٹ کر پولینڈ پر حملہ آور ہوا۔ اوپر شمال کے اضلاع کورلینڈ میں جرمن پہلے ہی میں پھیل گئے تھے اب جو مغرب و جنوب سے ضرب لگی اور ہر طرف سے اسی نقطے پر جرمن لشکر بڑھتے ہوئے چلے تو اس پیش قدمی کو کوئی شے روک نہ سکی۔

تخلیۂ وارسا بتاریخ ۱۵ جولائی امیر کبیر نکولاس نے وارسا خالی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۴ اگست کو روسی سپاہی شہر سے نکل گئے اور وسچولا اتر کے اُس کا پل اڑاتے گئے۔ دوسرے دن وسطی سلطنتوں کے سپاہی ایک سال کی جنگ کے بعد شہر وارسا میں داخل ہوئے۔ روسی فوج کو اس فراری کے وقت کچھ نہیں ستایا گیا اور وہ مُلک کو تاراج و ویران کرتی ہوئی پسپا ہوئی لیکن روسی پہاڑ کی بجائے اب تیوتانی پہاڑ لڑھکنے لگا تھا اور وہ برابر آگے بڑھتا رہا۔ شمالی بازو پر قلعۂ کوونو (۷ اگست) گروڈنو (۲ ستمبر) اور لتھوانیا کا قدیم پائے تخت ولنا (۱۲ ستمبر) یکے بعد دیگرے مسخر ہو گئے اور اُدھر وارسا کے فاتح سیدھے بریسٹ لٹوسک پر بڑھے اور روسیوں کو پرپی پیٹ کی دلدلوں کے پیچھے دھکیل دیا۔ ریگا پر جو اقدام کیا گیا تھا اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور ستمبر میں روسیوں نے بڑی بہادری سے جوابی حملے کئے جس سے جرمنوں کی پیش قدمی رُکی۔ لیکن گلیشیہ سے اخراج اور پھر پولینڈ، کورلینڈ اور لتھوانیا کے یوں ہاتھ سے نکل جانے سے روس کا جنگی وقار خاک میں مل گیا اور وہاں کے خاندانِ شاہی کے رعب و اثر پر وہ ضرب پڑی کہ پھر اُس سے پنپنا اس کے نصیب میں نہ تھا۔ امیر کبیر نکولاس تو عہدے سے ہٹا کر قفقاز کی سپہ سالاری پر بھیج دیا گیا اور الکزیف کو صدرِ فوج بنا کے زار نے فوج کی قیادت رسمی طور پر خود اپنے ہاتھ میں لی۔

پولینڈ کا قبضہ بھی السایس لورین کی طرح آغاز جنگ کے وقت سے، فاتح کا انعام خاص سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کی فتح میں اتنی دشواری نہ ہوئی تھی جس قدر کہ اس کے مستقبل کے تعین میں

پیش آئی۔[1] اب جب کہ وہ تینوں سلطنتیں آپس ہی میں لڑ پڑیں جنھوں نے پولینڈ کی بادشاہی کا خاتمہ کیا تھا، تو بالآخر امید کی ایک جھلک نظر آئی کہ اس مملکت کے اقطاع شکستہ کو جوڑ کر دوبارہ خود مختار ممالک میں جگہ دے دی جائے۔ لیکن بھلا ان جابر سلطنتوں کی نگاہ میں اُن خواہشوں کی کیا وقعت ہوسکتی تھی جنھوں نے اسے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا اور جن میں سے ہر ایک اُسے سیاسی شطرنج میں صرف احراب کا مُہرہ بنانا چاہتی تھی۔

پولینڈ کی قومیت

پروشیہ کے اندر پولینڈ کے جو اضلاع ملالئے گئے تھے، وہاں نسبتہً زیادہ آسودگی اور خوش حالی تھی مگر لوگوں کی قومی تہذیب کو جداگانہ آزادی میسر نہ تھی بحالیکہ گلیشیہ سلطنت ہیپس برگ کی سب سے پسماندہ ولایت ہونے کے باوجود کامل سیاسی اور تمدنی ارادی سے بہرہ ورتھی۔ ان کے مقابلے میں روسی پولینڈ نہ اپنی آسودہ حالی پر فخر کرسکتا تھا اور نہ اُسے سیاسی یا دینی آزادی دینی گوارا کی گئی تھی۔ جنگ کا آغاز ہوا تو تینوں سلطنتیں جنھوں نے ظلم کیا تھا، اسی مظلوم قوم کی چشمِ دوستی کی ایک دوسرے سے بڑھ کر امیدوار بن گئیں۔ بتاریخ ۱۵ اگست ۱۹۱۴ء امیر کبیر نکولاس نے بڑے پُرشکوہ الفاظ میں یہ اعلان شائع کیا:

"پولینڈ والو! وقت آگیا ہے کہ تمھارے آبا و اجداد جو خواب دیکھتے رہے ہے وہ بالآخر حیز عمل میں آجائے۔ ڈیڑھ صدی ہوتی ہے کہ پولینڈ کے زندہ جسم کو پارہ پارہ کر دیا گیا تھا۔ مگر اُس کی روح ہلاک نہیں ہوئی۔ اس کی قوم ابھی تک اس امید میں جی رہی ہے کہ کبھی نہ کبھی پولینڈ کی نشاۃ ثانیہ اور ممالک روس کے ساتھ برادرانہ اتحاد کا وقت آئے گا۔ لو۔ روس کی فوجیں اس برادرانہ اتحاد کا مژدہ لاتی ہیں۔ خدا کرے کہ وہ حد بندیاں جنھوں نے پولینڈ کو منقسم کر رکھا ہے، ٹوٹ کر، یہ پورا ملک روسی شہنشاہ کے زیرِ علَم متحد ہو جائے۔ اسی علَم کے نیچے پولینڈ، مذہبی، لسانی، اور سیاسی آزادی حاصل کرکے

---

[1] دیکھو الیسن فلپس، "پولینڈ"، "آلف بٹلر"، "دی نیو ایسٹرن یورپ" وغیرہ وغیرہ۔

ایک پیدا ہوگا۔ ہاں دولت روس کو بھی تم سے ایک توقع ہے [illegible] اقوام کے حقوق کا لحاظ رکھو جن سے تاریخ نے تم کو ہم رشتہ کر دیا ہے۔ دولت کبریٰ روس آغوش محبت کھول کے سچے دل سے تمہاری طرف آتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ ابھی اس تلوار نے زنگ نہیں کھایا ہے جس نے دشمن کو ممن برگ میں سرنگوں کیا بحر او قیانوس کے سواحل سے قطب شمالی کے سمندر تک روس کی سپاہ بے گراں حرکت میں ہے۔ پولینڈ کے لئے بھی حیات جدید کا ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ خدا کرے کہ ظہور خورشید کے ساتھ صلیب مقدس کا نشان تابندہ ہو جو قوموں کی موت و احیا کی علامت ہے۔"

لیکن اس تمام لفاظی کا عملی نتیجہ صرف اتنا نکلا اور وہ بھی بہت تاخیر و تعویق کے بعد — کہ مقامی انتظامات میں پولینڈ کی زبان استعمال کرنے کی اجازت مل گئی۔ ورنہ باقی سب موعودہ انعام و فوائد جنگ ختم ہونے پر ملتوی رہے۔ اس کے مقابلے میں جرمانیہ نے اپنی طرف سے پولینڈ کے اتحاد کا وعدہ کیا اور آسٹریہ نے فقط وہ اکرام و الطاف یاد دلائے جن سے اہل پولینڈ اس کی مربیانہ حکومت میں بہرہ مند ہوتے رہے تھے۔ آزادی کا کسی نے بھی اقرار نہیں کیا حالانکہ پولینڈ آزادی کا بھی اسی قدر پیاسا تھا جس قدر اپنے دوبارہ اتحاد کا۔

تمام لڑنے والوں میں پولینڈ والے اس اعتبار سے بہت ہی بدنصیب تھے کہ روس، جرمانیہ اور آسٹریہ ہر ایک کی فوج میں ان کے ہم قوم آپس ہی میں جنگ کرنے پر مجبور کئے جا رہے تھے۔ مزید براں وحدت مقاصد کے باوجود، وقتی تدابیر و وسائل میں وہ متفق نہ تھے، قومی جمہوریت پسندوں کا رہنما دموسکی تھا اور کامل آزادی کو ناممکن سمجھ کر وہ یہ کوشش کرتا تھا کہ روس کے ماتحت تمام پولینڈ متحد اور اسے حکومت خود اختیاری حاصل ہو جائے۔ برخلاف اس کے پلسودسکی جنگ کا آغاز ہوتے ہی سرحد اتر کے گلیشیہ پہنچا اور وہاں اس نے پولینڈ والوں کا ایک جیش مرتب کیا کہ مشترکہ حکومت | زار کی ملعون حکومت پر جہاد کرے۔ ۱۹۱۵ء میں روس کو

شکست ہوئی تو اُس وقت سے ختم جنگ تک پولینڈ میں آسٹریہ و جرمانیہ کی مشترکہ حکومت میں جرمنوں کا مستقر وارسا تھا اور آسٹریہ والوں کا لُبلن۔ مُلک کو جرمن رنگ میں رنگنے کی بھونڈی کوشش بالکل نہ چلی، اور نئے حاکموں کو فائدہ اسی میں نظر آیا کہ وارسا اور ولنا میں پول زبان کی جامعات اور ایسی بلدیات قائم کرکے، جن کا روسیوں کے زمانے میں کوئی وجود نہ تھا، پولینڈ والوں کی تالیفِ قلوب کریں۔ مُلک کو تقسیم کرنے کی تجویز مسترد ہوئی کیونکہ سرحدوں پر اتفاقِ رائے نہ ہوسکا اور یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ اس سے لوگوں میں بڑی بیزاری پیدا ہو جائے گی۔ جرمنوں نے پولینڈ کو ایک برزخی ریاست بنانے کی بھی تجویز کی تھی جس کا وسطی سلطنتوں سے اقتصادی اور جنگی رشتہ قائم رہے لیکن یہ تجویز آسٹریا میں مقبول نہ ہوئی جہاں روسی پولینڈ کو آسٹریہ کے ساتھ ملکی یا کم سے کم شخصی بادشاہی کے تعلق سے وابستہ کرنے کی خواہش تھی۔ اس خیال کو جرمن صدرِ اعظم صرف اس صورت میں قبول کرسکتا تھا جب کہ جرمانیہ کو اتنا ہی بڑا علاقہ کہیں اور مل جائے۔ پھر اگست ۱۹۱۶ء میں طے پایا کہ پولینڈ میں بادشاہی قائم کی جائے جو رسمی طور پر خود مختار لیکن خاص خاص جنگی اور اقتصادی قیود کی پابند ہو مگر بادشاہ کے متعلق کوئی فیصلہ پھر بھی ممکن نہ ہوا۔ تاہم بتاریخ ۵ نومبر، اور آخری کشاکش میں پول سپاہیوں کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے ایک اعلان شائع کیا گیا کہ پولینڈ خود مختار مملکت بنا دیا جائے گا اور اس کی موروثی اور آئینی بادشاہی وسطی سلطنتوں سے وابستہ رہے گی۔ پھر اگرچہ وارسا کی جرمن اور لُبلن کی آسٹری نظامتیں نظم و نسق کے فرائض انجام دیتی رہیں اور حدود کے تعین اور فرماں روا کے انتخاب کا مسئلہ ملتوی رہا، تاہم ایک مجلسِ ریاست اور ایک مجلسِ مملکت قائم کردی گئی جنھوں نے ملک کو آزاد حکومت کے لیے تیار کیا جو غیر متوقع خوش نصیبی سے تینوں سلطنتوں کی شکست کی بدولت پولینڈ کو فی الواقع بہت جلد نصیب آنے والی تھی۔

۱۹۱۵ء کی گرمیوں میں روس کا تار و پود بکھرتے ہی یلغار یہ

یونان کو پھسلانا

وسطی سلطنتوں کے ساتھ ہو گئی۔ مشرق قریب میں اتحادیوں کی تلاش دونوں فریق شروع ہی سے شد و مد سے کرنے لگے تھے اور یونان و بلغاریہ و رومانیہ کو ترغیب و تحریص، مواعید و تہدید غرض ہر طرح اپنے ساتھ ملانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ ستمبر ۱۹۱۴ء میں وینی زیلوس نے ائتلاف کو اطلاع دی کہ اگر ترکی وسطی سلطنتوں سے جا ملی تو یونان آپ کا مددگار رہے گا بشرطیکہ ہمیں اطمینان دلا دیا جائے کہ بلغاریہ ہم پر حملہ نہ کرے گی۔ برطانیہ نے جواب میں یہ بھی اقرار کیا کہ ترکی بیڑے کو دردانیال سے باہر نکلنے نہ دیا جائے گا اور دول ائتلاف نے اجازت دی کہ شمالی ایپرس پر یونان قبضہ کر لے بشرطیکہ آیندہ فیصلے پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے۔ اس سازباز کے باوجود خود شاہ کونس ٹین ٹائن نے قیصر کو تار دیا کہ میں جرمانیہ کے اتحادیوں پر سوائے اس کے کہ خود وہ سبقت کریں حملہ نہ کروں گا۔ آغاز دسمبر میں اتحادیوں نے ویلونا کو مستثنیٰ کر کے جنوبی البانیہ کے دینے کا وعدہ بھی کیا بشرطیکہ یونان بلاتاخیر ان سے آ ملے[1]۔ وینی زیلوس نے رومانیہ سے ضمانت کی کہ بلغاریہ حملہ کرنے نہ پائے گی۔ رومانیہ نے انکار کر دیا اور وینی زیلوس کو مجبوراً غیر جانبدار رہنا پڑا۔ لیکن جنوری ۱۹۱۵ء میں انگریزوں نے سمرنا کا لقمہ پیش کیا تو وہ لالچ سے بیقرار ہو گیا اور ایک بڑی جسارت کا کام کر گزرنے کی ٹھان لی۔ اُس نے بادشاہ کو لکھا کہ "بلغاریہ کی شرکت یا دوستانہ غیر جانبداری کے عوض میں، مجھے قوالا کے قربان کر دینے میں تامل نہ ہو گا۔ ایشیائے کوچک میں ہمیں اتنا کچھ ملے گا کہ ہمارا علاقہ دگنا ہو جائے گا۔" مگر اسی زمانے میں جرمانیہ نے روپے کی پہلی قسط بلغاریہ کو ادا کی اور ہر چند بلغاریہ کے قرض لینے کی یہ قرارداد جنگ سے پہلے طے پا چکی تھی، لیکن اس واقعے سے بلغاری حکمت عملی کا رنگ دیکھ کے

---

[1] ملاحظہ ہوں: یونانی کتاب ابیض؛ مجموعہ تقاریر وینی زیلوس وغیرہ موسومہ "دی ونڈی کیشن اوف گریک نیشنل پولیسی" ۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۱ء؛ جی ایف ایبٹ: "گریس اینڈ دی ایلائیز" وغیرہ وغیرہ۔

وینی زیلوس قوالا کی نسبت اپنا ارادہ ظاہر کرنے سے رک گیا۔ انھی دنوں انگریزوں نے آبنائے پر جو آتش باری کی (۱۹ر فروردی) اور وہ محض بے سود رہی اس سے عیاں ہوگیا کہ بڑی فوج اتارنی ضروری ہے۔ اس موقع پر بھی وینی زیلوس نے تاکید کی کہ ایک پورا لشکر یا کم سے کم جیش (ڈویژن) گیلی پولی بھیج دیا جائے۔

اہل ایتھنز کا تذبذب کونس ٹین ٹائن کو بھی رضامند کرایا گیا تھا لیکن فوجی حکام صدر نے تجویز ناپسند کی تو بادشاہ کا ارادہ بھی بدل گیا مہم کی روانگی نامنظور ہوئی اور وینی زیلوس نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے جانشین گوناریس نے نامہ و پیام جاری رکھے اور اتحادیوں نے یونان کی شرکت کے عوض ولایت عثینین دینے کا اقرار کیا۔ گوناریس نے کہا کہ ایشیائے کوچک میں تو جو کچھ ملنا ہے وہ بعد میں طے ہو جائے گا سر دست اتحادیوں کو یہ اطمینان دلانا لازم ہوگا کہ دوران جنگ میں اور کچھ عرصے بعد تک خود یونانی علاقے کو آسیب نہ پہنچے گا۔ اس پر کوئی بات طے نہ ہوسکی اور جرمن سفیر بیرن شینک ایتھنز میں یونان کو جنگ سے علیحدہ رکھنے کی ریشہ دوانیاں کرتا رہا۔ ادھر گوناریس کو مجلس مبعوثین میں کثرت رائے حاصل نہ تھی۔ اور جون کے انتخابات میں پھر وینی زیلوس کو غلبہ حاصل ہوا۔ مگر انھی دنوں بادشاہ سخت بیمار پڑا اور اس حیلے سے گوناریس دو مہینے تک اور برسر اقتدار رہا۔

جس طرح یونان میں اتحادیوں کو کامیابی نہ ہوئی اسی طرح بلغاریہ کی مدد حاصل کرنے کی کوشش بھی نہ چلی[1] اگست ۱۹۱۴ء کی ابتدا ہی میں مسٹر نوئیل بکسٹن نے انجمن بلقان کے میر مجلس کی حیثیت سے ایک یادداشت سر ایڈورڈ گرے کی خدمت میں پیش کی۔ اس میں استدلال کیا تھا کہ اگر بلغاریہ کو فتح کی صورت میں بخارسٹ کے مبغوض عہد نامے کی ترمیم اور قرض دینے کا یقین دلایا جائے تو بلغاریہ کی دوستانہ اور مسلح غیر جانب داری حاصل ہوسکتی ہے۔ وزارت خارجہ کو کامیابی کی زیادہ توقع نہ تھی مگر لائڈ جورج

[1] ملاحظہ ہو بکسٹن اور لیس کی کتاب "بالکن پربلیمز" جزو دوم۔ اور کیمبرج"، رو ڈبلیو یسی اینڈ نیو" ۲۴۰-۲۶۴

اور مسٹر چرچل سمجھتے تھے کہ بلغاریہ خریدی جا سکتی ہے۔ انھوں نے صلاح دی کہ مسٹر بکسٹن خود صوفیہ جائے بلکہ رئیس بحریات (چرچل) نے برطانیہ کے جنگی جہازوں میں اُسے سلانیک پہنچایا۔ سازونوف نے بالکل ابتدا ہی میں (یعنی بتاریخ ۵ راگست) سرویہ کے وزیر پاسیش سے تاکید کی تھی کہ مقدونیہ کے اقطاع کا وعدہ کر کے بلغاریہ کی شرکت یا کم سے کم دوستانہ غیر جانبداری کی قیمت دے دی جائے۔ پاسیش خود قربانی کے لئے تیار تھا مگر اُس نے لکھا کہ ساتھ کے وزیر آمادہ نہیں ہیں[1]۔ بایں ہمہ جب ترکی میدان میں اتری تو یہ اتحادی سفیروں کے لئے تازیانہ تھا کہ کچھ کریں اور انھوں نے اپنی اپنی حکومتوں کو بذریعۂ تار مشورہ دیا کہ بلغاریہ سے ۱۹۱۲ء والی حدود تک مقدونیہ کا وعدہ کر لیا جائے اور واردر کے مشرقی ضلعے پر قبضہ کر لینے کی ابھی سے اجازت دے دی جائے لیکن جواب یہ ملا کہ فوری قبضہ دلانا غیر ممکن ہے اور کوئی قطعی وعدہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بکسٹن کی سفارت بکسٹن جنوری ۱۹۱۵ء میں وطن واپس آیا اور سرایڈورڈ گرے سے کیفیت بیان کی کہ بلغاریہ ابھی تک کسی خاص عہد کی پابند نہیں ہے گو مقدونیہ کا لالچ ہر وقت اسے گدگداتا رہتا ہے۔ پھر زور دیا کہ اگر سرویہ کو بوسینہ، ہرزیگووینا اور دلمیشیہ دی جائے تو مقدونیہ، بلغاریہ کو ملنی چاہئے۔ قوالا دینا بھی ضروری ہوگا اور یونان چاہے تو اسے سمرنا کے وعدے کے عوض میں حوالے کر سکتا ہے۔ فروری میں ڈلکاسے نے خاندان اورلیان کے ایک شہزادے کو صوفیہ بھیجا لیکن فرڈی نینڈ نے کسی قسم کا عہد کرنے سے صاف انکار کر دیا[2]۔ اصل یہ ہے کہ بلغاریہ کو ہاتھ میں لینے کی اس وقت تک کہ روسی گلیشیہ سے مار کے نکالے نہ گئے اور دردانیال کی پہلی یورش ناکام نہ رہی، اتحادیوں نے پوری طرح دل لگا کے کوشش ہی نہیں کی۔

---

[1] للوے، Documents Secrets ۱۰۱ صفحہ

[2] پیلیولوگ، "لا روسیہ" جلد اول ۳۰۶ صفحہ

البتہ مذکورہ واقعات کے بعد مئی میں اس سے کہا گیا کہ اگر وہ ترکی پر حملہ کر دے تو خطِ اینوس و میڈیہ تک تھریس پر قبضہ کر سکتی اور آیندہ بھی متصرف رہ سکتی ہے۔ جنوبی مقدونیہ دینے کا اس شرط پر وعدہ کیا گیا کہ صلح ہونے تک وہ اس پر قبضہ نہ کرے اور نیز یہ کہ سرویہ کو بوسینہ، ہرزی گووینہ اور ساحلِ اڈریاٹک سے معاوضہ ادا کیا جائے۔ اتحادی قول دیتے تھے کہ ہم قوالا کی حوالگی کے لئے بھی یونان پر زور دیں گے، دبروجہ کے مسئلے کو از سر نو چھیڑنے کی تائید کریں گے اور بلغاریہ کو جس قدر روپیہ درکار ہو، فراہم کر دیں گے۔ بتاریخ ۱۴ جون بلغاری حکومت نے جواب میں استفسار کیا کہ آیا مقدونیہ اور قوالا کے بارے میں ہماری مراد بر آنے سے پہلے سرویہ اور یونان کو معاوضہ دے دیا جائے گا؟ دوسرے دبروجہ کے معاملے میں اتحادیوں کی رائے کیا ہے؟ ان سوالات سے صاف نظر آتا تھا کہ اگر مقدونیہ دینے کا محض مشروط وعدہ کیا گیا تو پھر بلغاریہ ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ جولائی میں برطانی اور فرانسیسی وفود صوفیہ بھیجے گئے اور آغازِ اگست میں برطانیہ نے سرویہ پر دباؤ ڈالا کہ ۱۹۱۲ء کے غیر متنازعہ اضلاع کی تحویل پسند کرے۔ سرویہ کی بزم شوریٰ کا ۱۶ اگست کو خفیہ جلسہ منعقد ہوا اور اس نے مراعات بھی قبول کر لئے لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

بلغاریہ کو جیتنے کے پتے شروع سے وسطی سلطنتوں کے قبضے میں تھے اور وہ بڑے سلیقے سے بازی کھیلے۔ محارباتِ بلقان سے جو صورت پیدا ہوئی، اس کا جائزہ لیتے وقت ہی آسٹریہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ رومانیہ کی روز افزوں بیگانگی کی، بلغاریہ سے روابط بڑھا کے تلافی کی جائے۔ فرڈی نینڈ کی طرف سے بھی آسٹریہ کی سلسلہ جنبانی پر لبیک کہی گئی کیونکہ سرویہ مشترک دشمن تھا اور روس سرویہ کا سرپرست تھا۔ معاملہ یہاں تک طے پا چکا تھا کہ آغاز جنگ کے وقت اتحاد کے معاہدوں پر دستخط ہو جانے میں کچھ دیر نہ تھی اور لڑائی شروع ہوتے ہی برلن و ویانا سے تقاضے ہوئے۔ فرڈی نینڈ نے جواب دیا کہ

فرڈی نینڈ کی احتیاط

سرویہ پر حملہ کرنا بہت خطرناک ہوگا کہ ممکن ہے یہ کارروائی یونان، رومانیہ اور ترکی کو متحد کردے اور وہ بدلہ لینے پر تُل جائیں۔ اُس نے یہ بھی لکھا کہ روسیوں کی طرف سے بڑے بڑے وعدے کئے جارہے ہیں اور فی الحال میں سوائے غیر جانبداری کا وعدہ کرنے کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔ وسطی سلطنتیں ترکی کے اتحاد سے پورا فائدہ اسی صورت میں اٹھا سکتی تھیں جب کہ بلغاریہ اُن سے آملے۔ حالانکہ فرڈی نینڈ کے ائتلافِ ثلاثہ کے ساتھ ہوجانے سے روس اور بحرِ متوسط میں رُسل و رسائل کا راستہ کُھل جاتا۔ ترکی الگ تھلگ رہ جاتی۔ سرویہ کی پشت محفوظ ہوجاتی اور یونان و رومانیہ کو شریکِ جنگ ہونے کی طمع پیدا ہوتی۔ بلغاری بادشاہ اور وزیر دل سے وسطی سلطنتوں ہی کے ہواخواہ تھے لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ کیا رنگ اختیار کرتی ہے اور کونسا فریق بلغاریہ کی امداد کا زیادہ معاوضہ دینے پر آمادہ ہوتا ہے۔ ۱۹۱۴ء کے آخر میں جب سرویہ پر حملہ ناکام رہا تو آسٹریہ نے آمادگی ظاہر کی کہ سرویہ کا جو علاقہ فتح کرکے وہ خود لیتی، اگر بلغاریہ شریک ہوجائے تو اس کو منتقل کردے گی۔ لیکن اتھی کثرتِ مصائب کی بنا پر جن کے باعث وی آنا امداد کی خواہاں تھی، فرڈی نینڈ کو تامل وانکار تھا اور وہ نامہ و پیام کو برابر طول دیتا رہا کہ جب تک جنگ کا رخ زیادہ واضح نظر نہ آنے لگے، اُس وقت تک کوئی پابندی اپنے اوپر عائد نہ کی جائے۔ اُس نے پھر وہی جواب دیا کہ غیر جانبداری کے علاوہ میں کوئی وعدہ نہیں کرسکتا بلکہ اس کے عوض میں بھی مقدونیہ کے اقطاع طلب کئے۔ ۱۹۱۵ء کے موسمِ بہار میں جب روسی گلیشیہ میں بڑھے، درِ دانیال پر حملہ ہوا اور اطالیہ ائتلاف کی ساتھی ہوکر میدان میں اُتری تو نرخ گراں ہوتا دیکھ کر اُس نے اپنے مطالبات میں بھی اضافہ کردیا۔ لیکن ہیوریان نے میدانی امداد ملے بغیر علاقہ دئے جانے کی تجویز پر غور کرنے سے قطعی انکار کردیا۔

روس کی پے درپے ہزیمت اور درِ دانیال میں جنگ کے اٹک رہنے سے سوفیہ کا طویل زمانہ تامل ختم ہوا اور جون میں سچے دل سے اتحاد کے

نامہ و پیام شروع کئے گئے۔ وسطی سلطنتوں کو اصرار تھا کہ اتحاد کے ساتھ جنگی معاہدہ اور نیز ترکوں سے عہد نامہ کیا جائے۔ چنانچہ بتاریخ ۲۲ جولائی ترکی نے سرحد تھریس کی وہ پٹی بلغاریہ کے حوالے کی جس میں ڈیڈی غاج کی ریل کی پٹری گزرتی تھی اور اگست کے اخیر میں ایک بلغاری سردار جرمن مستقر جنگ پلیس کو روانہ کیا گیا۔ خلیج سولا پر انگریزوں کے شاندار حملے کی پسپائی نے فرڈی نینڈ کے رہے سہے سوچ بچار کو بھی دُور کر دیا اور بلغاریہ نے سربی مقدونیہ کے لئے سرویہ پر حملہ کرنے کا بیڑا اُٹھا لیا (۶ ستمبر) طے پایا کہ اگر رومانیہ بلغاریہ یا اس کے کسی حلیف پر (جس میں ترکی بھی شامل ہوگی) حملہ کرے تو جرمانیہ اور آسٹریہ رضامند ہو جائیں گی کہ وہ علاقہ جو معاہدہ بخارسٹ کے ذریعے یونان ور رومانیہ کو دلوایا گیا تھا، بلغاریہ اُس پر دوبارہ متصرف ہو جائے اور ۱۸۷۸ء کی بلغاریہ ور رومانیہ کی سرحد کی بھی ترمیم کر دی جائے۔ اسی روز ایک جنگی قرار داد پر دستخط ہو گئے جس میں سرویہ پر مل کر فوج کشی کرنے کا منصوبہ درج تھا۔ طے ہوا تھا کہ جرمانیہ اور آسٹریہ ۶،۶ جیوش تیس دن کے اندر سرویہ کی سرحد پر فراہم کریں اور بلغاریہ پانچ ہفتے میں چار جیش مہیا کرے جو اکتوبر کی ۱۱ تاریخ سربی مقدونیہ میں در آئیں۔ یہ بھی قرار پایا تھا کہ جب تک سرویہ سے معرکہ آرائی ختم نہ ہو جائے، بلغاریہ یونان ور رومانیہ سے جنگی چھیڑ چھاڑ نہ کرے بشرطیکہ وہ بھی غیر جانبداری پر قائم رہیں[1]۔

ستمبر کی ۱۹ تاریخ میکنس فتح گلیشیہ کا تازہ سہرا سر پر باندھے ہوئے سرویہ کی طرف بڑھا اور بلگریڈ پر آتش باری سے حملے کا آغاز کیا۔ ادھر بلغاریہ نے فوجیں آراستہ کیں اور مسلح غیر جانبداری کا اعلان کیا۔ اس کا منشا صاف نظر آتا تھا اور سرویہ کے جنگجو طبعاً چاہتے تھے کہ خود پہلی ضرب لگائیں مگر برطانیہ نے انھیں روکا اور جتایا کہ ایسا کرنے سے یونان والوں کو

---

[1] فالکن ہین: "جنرل ہیڈ کوارٹرز" ۱۵۹ء

جن کا ایک بہت بڑا گروہ معاہدے کی شرطیں پوری کرنے میں بہر حال مصر تھا کرتا، بہت اچھا مخلص ہاتھ آ جائے گا۔ اگست میں اتحادیوں نے ایتھنز کو اطلاع دی کہ ہم نے بلغاریہ سے وعدہ کیا ہے کہ قوالا اور سرلی مقدونیہ اسے دے دیں گے۔ اور اس کے عوض میں یونان سے اقرار کیا کہ خود وہ جنگ میں شریک نہ ہو تو بھی ایشیائے کوچک میں اسے بیش قرار معاوضہ دیا جائے گا۔ اسی زمانے میں وینی زیلوس نے جو بادشاہ کے تندرست ہونے کا انتظار کر رہا تھا، نظم و نسق کی باگ پھر اپنے ہاتھ میں لی۔ اور بلا تاخیر اعلان کیا کہ سرویہ پر یونان کی دراز دستی کسی طرح روا نہیں رکھی جا سکتی۔ حالانکہ اُسے یہ خبر نہ تھی کہ کونس ٹن ٹائن بلغاریہ سے کہہ چکا ہے کہ میں جنگ میں حصہ نہ لوں گا۔ الغرض بلغاریہ نے فوجیں جمع کیں تو حکومت یونان نے بھی اجتماع کا حکم دیا اور وینی زیلوس نے فرانس و برطانیہ سے استدعا کی کہ

مہم سلانیک

ڈیڑھ لاکھ سپاہ بھیج کر سرویہ کو مدد دینے میں یونان کا ہاتھ بٹائیں۔ فوجی اجتماع اور یہ درخواست دونوں کام بادشاہ کی منظوری سے ہوئے اگرچہ کونس ٹن ٹائن نے اتنا ضرور کہا کہ میں لڑنا نہیں چاہتا کیونکہ جرمانیہ کا فتح پانا لازمی ہے۔ ادھر برطانیہ اور فرانس نے فوراً یونان کی درخواست قبول کر لی اور بلغاریہ کے سرویہ کے خلاف اعلان جنگ کرنے سے بھی پہلے اپنی فوج سلانیک روانہ کر دی۔ ان کے فوج اُتارنے پر وینی زیلوس نے بادشاہ کے حکم سے احتجاج کیا کہ یہ فعل یونان کی غیر جانبداری کے خلاف ہے۔ اسی موقع پر کونس ٹن ٹائن نے جو پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ کوئی کام ایسا نہ کرے گا جس سے جرمن فوج کے ساتھ مقابلہ کرنے کی نوبت آئے، اور جسے اذعان تھا کہ مہمات امور میں وہ صرف خدا کے روبرو جواب دہ ہے، اپنے وزیر اعظم کو برطرف کر کے زیمیس کو اس کی جگہ طلب کیا۔ اسی تاریخ فرانس و برطانیہ کے سپاہی سلانیک میں جہازوں سے اُترنے شروع ہوئے۔ نئے وزیر اعظم نے کوئی مزاحمت نہیں کی البتہ اعلان کر دیا کہ بلغاریہ و سرویہ کی لڑائی میں حکومت یونان

غیر جانبدار رہے گی۔"

بتاریخ ۷ اکتوبر آسٹریہ جرمانیہ کی فوجوں نے ڈینیوب عبور کیا اور نویں تاریخ بلگریڈ میں داخل ہوگئیں۔ اس کے دو دن بعد اہل بلغاریہ سرحد میں در آئے۔ زار بہت بگڑا اور فرڈی نینڈ کو "مجسم بلغاری قساوت" کے نام سے یاد کیا۔ برطانیہ نے یونانی شرکت کے عوض میں جزیرۂ قبرس پیش کیا۔ لیکن وہاں کے بادشاہ نے باوجود یہ بیان کرنے کے کہ یونان ابھی تک اپنے آپ کو سرویہ کا حلیف سمجھتا ہے، جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اور انگریزوں نے قبرس کا اقرار واپس لے لیا۔ چند ہی روز میں زینے میں کی بجائے سکولودیس مقرر ہوا جو اپنے آقا کا اور بھی زیادہ ہمنوا اور خیالات کا شریک تھا۔

بلغاریہ کے میدان میں نکل آنے اور یونان کے الگ تھلگ رہنے سے برطانیہ میں لوگوں کو بہت غصہ آیا اور مایوسی بھی ہوئی۔ اور ۱۴ اکتوبر کی تقریر میں سر ایڈورڈ نے ان حالات پر تبصرہ کیا۔ اس نے بتایا کہ ہم (یعنی انگریز) کوشاں رہے کہ ترکی کو جنگ سے الگ رکھیں اور ممالکِ بلقان کے باہم ملا دینے کی بھی تدبیریں کرتے رہے۔ لیکن یہ مقاصد ہمیں صرف جنگی کامیابی کے زور سے حاصل ہو سکتے تھے۔ بلغاریہ کے اجتماعِ فوج کے بعد یونان نے بھی فوج جمع کر لی گئی تھی اور گو اتحادی سپاہ کے سلانیک میں اترنے پر رسمی احتجاج کیا گیا، لیکن جس طرح ان کا خیر مقدم ہوا اور جہازوں سے اترنے میں ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی گئی اس سے ثابت ہے کہ وہاں ان کے آنے سے کتنی خوشی ہوئی۔ اور یونان و سرویہ کے درمیان جو معاہدہ ہے اس کے مدنظر سرویہ کو یونان کے واسطے سے مدد دی جائے، تو اہلِ یونان کا خوش ہونا بالکل قدرتی بات ہے۔"

ایڈورڈ گرے کی ان دلیلوں کا سر ایڈورڈ کارسن پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اسی بنا پر کہ ہم سرویہ کو مدد نہ دے سکے، مجلس وزرا سے استعفیٰ دے دیا لیکن اتحادیوں کے سفارتی طرزِ عمل پر نکتہ چینی کرنے سے سرویہ کا

سرویہ کی پامالی

اُس وقت جب کہ لڑائی چھڑ گئی کیا بھلا ہو سکتا تھا سلانیک سے چند ہزار سپاہی ہارا مار شمال کی طرف بھیجے گئے مگر وہ سرویہ کی افواج سے کوئی تعلق نہ قائم کر سکے اور انھیں بہ عجلت اپنے مستقر کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ اُدھر غریب سرویہ کی بچی کھچی فوجیں ٹھوکریں کھاتی البانیہ کے پہاڑوں کو اُتر کر اڈریاٹک کے ساحل تک ہٹ آئیں اور انھیں کارفو پہنچ کر ان مصیبتوں سے نجات ملی۔ سرویہ کی ہزیمت کے ساتھ جبل اسود تنہا رہ گیا۔ آسٹریہ کی فوج نے سٹنجی پر قبضہ کر لیا اور وہاں کا امیر نکولاس جان بچا کے اڈریاٹک کے پار بھاگ آیا۔

سرویہ کے خاتمے سے اسٹنبول اور ایشیائے کوچک تک راستہ کھل گیا کہ وسطی سلطنتیں بھاری توپیں وہاں پہنچا سکیں اور اس امکان سے درۂ دانیال میں ہمارا قسمت آزمائی کرتے رہنا بہت مشکل ہو گیا۔ اگست ۱۹۱۵ء میں خلیج سولا پر حملے کی ناکامی اشارہ کرتی تھی کہ اس گراں قیمت مہم سے

تخلیۂ درۂ دانیال

ہاتھ اٹھا لیا جائے اور سر چارلس منرو نے جو ائین ہیملٹن کی جگہ سپہ سالار ہوا تھا، ہٹ آنے کا مشورہ دیا مجلس وزرا کو برطانیہ کی عزت و وقار کا بھی لحاظ کرنا تھا۔ وہ یہ مشورہ مزید غور و تحقیق کے بغیر قبول نہ کر سکی اور کچنر بھیجا گیا کہ بر سر موقع جا کے دیکھ بھال کرے۔ اس نے بھی تخلیے کی رائے دی اور ۱۸ ، ۱۹ دسمبر کو خلیج سولا سے اور ۷ جنوری کے دن راس ہیلیس سے فوج اس طرح ہٹائی گئی کہ ایک سپاہی کا بھی نقصان نہیں ہوا۔ کچھ فوجیں سلانیک منتقل کر دی گئیں جہاں آہستہ آہستہ نااہل و نامعتبر جنرل سیرل کے ماتحت اتحادیوں کا ایک بڑا لشکر تیار ہو رہا تھا۔ ابتدا اول یہ لشکر اتنا طاقتور نہ تھا کہ جارحانہ کارروائی کر سکتا۔ تاہم اس نے یہ مفید خدمت انجام دی کہ بلغاریہ کی فوج کے ایک حصے کو بیکار رکھا اور ادھر یونان کی نگرانی کرتا رہا۔

---

[1] دیکھو ایوانس لیوس: "دی جرمن روڈ ٹو دی ایسٹ"۔

جیسا ان دونوں وسطی سلطنتوں کے دوست برسر اقتدار تھے۔[1]

۱۹۱۵ء کے آخر میں اس عظیم الشان جنگ کے میدان کی وسطی سلطنتیں بیدشہ بنظر ڈالتیں، انھیں اطمینان اور مسرت ہوتی۔ غرب کی طرف ان کی کم تعداد فوج نے دشمن کو روک رکھا تھا اور خریف میں انگریزوں نے لوس پر اور فرانسیسیوں نے شامپائن میں جو حملے بڑے زور شور سے کئے تھے وہ سب تا طبیعتہ ناکام رہے۔ فرانس پٹروگریڈ سے التجا کر رہا تھا کہ اپنی فوج مغرب کے خط جنگ کے لئے بھیجے۔ اطالیہ آسٹریہ کے دفاعی مورچوں سے سر ٹکرا رہی تھی اور کچھ بھی نہ بگاڑ سکی تھی۔ بحالیکہ روس کو نہ صرف گلیشیہ سے نکال دیا گیا بلکہ پولینڈ، کورلینڈ اور لتھوانیا تک خالی کرا لئے گئے۔ مشرق قریب میں بلغاریہ میدان میں اتر آئی۔ سرویہ اور جبل اسود پر کامل تسلط ہوگیا۔ ترکی تک ریل کا راستہ کھل گیا اور درِ دانیال کے حملے سے دشمن کو دست بردار ہونا پڑا۔ جرمانیہ اور آسٹریہ کی آبادی میں سامانِ خورش کی کچھ کمی نہ تھی اور فتح و کشورستانی کی امید لوگوں کی ہمت بندھا رہی تھی کہ وہ ہر قسم کی شدائد و مظالم جنگ کی حمایت کرتے تھے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود اس خوفناک و عظیم قمار بازی میں ایک پہلو ایسا تھا جس کا جنگجو اور غیر عسکری آبادی نے عام طور پر مشکل سے کوئی صحیح اندازہ کیا ہوگا۔ حالانکہ فیصلہ کن نہیں تو بھی اس کی روز افزوں اہمیت میں کوئی کلام نہ تھا اور وہ یہ کہ سمندروں پر برطانیہ کی فرماں روائی تھی۔

مغربی سلطنتوں کو یہ دیکھ کر بہت تعجب و اطمینان ہوا کہ جرمن بیڑے نے برطانی فوجوں کے فرانس لاتے وقت آغازِ جنگ ہی سے راستہ روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ واقع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جرمانیہ اپنے بحری حریف کو دو ٹوک جنگ پر للکارنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ بلکہ صرف بحری سرنگوں اور تحت البحر کشتیوں سے ہماری قوت کم کر دینا چاہتی ہے کہ اس طرح جنگ میں

---

[1] دیکھو دلاری: "دی میسی ڈونین کیمپین" وغیرہ۔

بحری مقابلہ

زیادہ جوکھم نہ تھا۔[1] ۸؍۲۸ اگست ۱۹۱۴ء اور ۲۴؍ جنوری ۱۹۱۵ء کی معمولی آویزشوں کے سوا جو ہلی گولینڈ کے سامنے ہوئیں ابتدائے جنگ میں اور کوئی بڑی لڑائی وطنی سمندروں میں نہ ہوئی۔ البتہ بعید ممالک میں دشمن کے جنگی جہاز، جب تک انھیں گھیر کر پکڑا یا بند نہیں کر دیا گیا، خوب ستاتے رہے۔ اور وان سپی کے ماتحت بحر اوقیانوس کے جرمن دستے نے امیر البحر کراڈک کے بحری دستے کو برباد و فنا کر ڈالا۔ یہ جرمن جہاز جاپانیوں کے شریک جنگ ہوتے ہی سنگٹاؤ سے نکل گئے تھے اور بحر اوقیانوس کے جرمن مقبوضات چھن جانے کے باعث انھیں کہیں ٹھہرنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ انگریزی بیڑے سے ان کی جنگ ساحل چلی کے سامنے کورونل کے مقام پر یکم نومبر ۱۹۱۴ء کو ہوئی اور ان کی کامل فتح سے آبنائے ماگےلن خطرے میں پڑ گئی تھی بارے اسٹرڈی کا کہیں زیادہ طاقتور بیڑا آ پہنچا اور اس نے جزائر فاک لینڈ کے قریب ۸؍ دسمبر کی لڑائی میں اس جرمن دستے کا خاتمہ کر دیا۔ یہ انگریزی بیڑا سر جون فشر نے جو شہزادہ لوئیس (آف بیٹن برگ) کی بجائے محکمہ بحریات کا صدر مقرر ہوا جرمن جہازوں کو گرفتار کرنے کی غرض سے روانہ کیا تھا۔ غرض ۱۹۱۴ء کے آخر تک جرمن پھریرا کھلے سمندر سے غائب ہو گیا اور جرمنوں کے افریقی مقبوضات کو کمک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں رہا تو ان کو اطمینان سے آہستہ آہستہ فتح کر لیا گیا۔

انگریزوں کے بڑے بیڑے ("اسطول بزرگ") نے جزائر اورکنی میں آبنائے سپا کو مستقر بنایا تھا لیکن یہ مقام تحت البحر کشتیوں کے حملے سے محفوظ نہیں کیا گیا تھا۔ امیر البحر جلیکو کو طرح طرح کے خطرات سے سخت بے چینی رہتی تھی جس کا انکشاف جنگ میں فتح ہو جانے کے بعد کیا تو

---

[1] دیکھو جلیکو: "دی گرینڈ فلیٹ" وغیرہ وغیرہ۔ فشر کو اپنے بیڑے کے خالی پڑے رہنے پر جو غصہ آیا تھا، اس کا حال دیکھو اُن خطوط میں جو اس نے اپنی "میموائرز" کی دوسری جلد میں شامل کر دئے ہیں۔

اِس کے ہموطن سُن کے ششدر رہ گئے۔ لیکن دشمن کو ہماری کمزوریوں کی خبر نہ تھی اُس نے فقط کبھی کبھی مشرقی ساحل کے قصبوں پر گولہ باری کرنے پر اکتفا کی کیونکہ انگریزی جہاز جن کا مستقر روزیتھ تھا، یا ہارویچ وڈورکے بحری پاسبان ایسے حملوں کو نہ روک سکتے تھے نہ سزا دے سکتے تھے۔ مگر ہمارے بیڑے کے خاص خاص فرائض یہ تھے کہ جزائرِ برطانیہ کو حملے اور فاقہ کشی سے بچائے، جرمن سواحل کی ناکہ بندی کرے اور فوجوں کے لانے لے جانے میں محافظ ہو۔ اور یہ خدمتیں اُس نے کامل طور پر کامیابی سے انجام دیں۔ جب ۱۹۱۵ء گزر گیا اور ۱۹۱۶ء کا آغاز ہوا اور بحرِ شمالی میں کوئی جنگ نہ ہوئی جس کا مدت سے انتظار تھا، تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ جرمانیہ اپنے بیڑے کو سینت رکھنے کے درپے ہے تاکہ صلح کی داد وستد میں اس سے

معرکۂ جٹ لینڈ

کام لیا جا سکے۔ لیکن بتاریخ ۳۰ مئی ۱۹۱۶ء کھلے سمندر کا جرمن بیڑا امیر البحر شیئر کی قیادت میں نکلا اور ساحلِ جٹ لینڈ کے قریب امیر البحر بی ٹی کے برطانی بیڑے سے اس کا مقابلہ ہوا۔ برطانی جہاز تعداد میں کم تھے اور دشمن کی نسبت ان کا اور ان کے سپاہیوں کا نقصان زیادہ ہوا کیونکہ اس سے قبل کہ "بڑا بیڑا" امیر البحر جلیکو کے ماتحت جنگ میں پورا حصہ لے سکے، کُہر نے جرمن جہازوں کو تباہی سے بچا لیا اور وہ بچ کے نکل گئے۔ یہ تاریخ کی سب سے بڑی بحری جنگ تھی اور دونوں فریق جیتنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ جرمنوں کی دلیل تو یہ تھی کہ انھوں نے دشمن کو زیادہ نقصان پہنچایا اور انگریز جواب دیتے تھے کہ دشمن کو پوری برطانی قوت کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔[1] بہر حال، تجربے سے ثابت ہو گیا کہ جرمن جہاز اوّل درجے کی قوتِ جنگ رکھتے ہیں، ان کے سردار فن کے ماہر اور توپچی صحیح نشانہ لگاتے ہیں۔ بایں ہمہ جرمن بیڑے نے خیال رکھا کہ

[1] جنگ کے حالات کے لئے برطانیہ کی کتاب "آزرق" اور امیر البحر شیئر کی کتاب "کھلے سمندر کا جرمن بیڑا" دیکھنی ضروری ہیں۔

آیندہ مردانہ وار مقابلے کے لئے کبھی نہ ٹوکے اور ادھر انگریزوں کو جو غلبہ حاصل تھا اس میں ہر قسم کے جدید جہازوں کی تعمیر سے برابر ترقی ہوتی رہی۔ جس طرح نپولین کے محاربات میں ہوا تھا، ۱۹۱۴ء کی جنگ میں بھی برطانیہ کے بحری قوت سے کام لینے کی بدولت بار بار غیر جانبداروں سے تکرار و نزاع کی نوبت آئی۔ ولایات متحدہ امریکہ میں بلجیم کے حملے سے بہت ناراضی پھیلی اور کثرت سے لوگ اتحادیوں کے خیر خواہ تھے لیکن وہاں کی حکومت نے شروع میں یہی چاہا کہ "جنگ سے ما فوق و ماوری" رہے۔ کیونکہ یورپ دور تھا۔ جرمانیہ کے بہت سے دوست بھی تھے دوسرے روس کے دیو استبداد کا تہذیب و آزادی کے لئے جنگ کرنا "ایسا دعا تھا جس کا واجبی طور پر تمسخر کیا جاتا تھا"[1]۔ رئیس جمہوریہ نے لڑنے والوں سے

متخاصمین اور غیر جانبدار

استدعا کی کہ اعلان لندن کی پابندی کریں اور جب برطانیہ نے بعض مستثنیات رکھنے چاہے تو اس نے صاف کہہ دیا کہ ہم ولایات متحدہ کے حقوق و فرائض کو "بین الاقوامی قانون اور شرائط معاہدہ کے مطابق" طے کرنے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر تیسری نومبر کے اعلان پر جسے برطانیہ نے بحر شمالی کی ناکہ بندی کرتے وقت شائع کیا، واشنگٹن نے معارضہ کیا کہ اشیائے ممنوعہ کے لئے جہازوں کی تلاشی لینا جائز نہیں ہے۔ سر ایڈورڈ گرے کے موقت جواب مورخہ ۷ر جنوری ۱۹۱۵ء میں اقرار کیا گیا تھا کہ غیر جانبدار ملکوں کی تجارت میں صرف اس قدر دست اندازی کی جائے گی جس قدر کہ لڑنے والوں کی حفاظت کے واسطے ضروری ہے ورنہ جائز تجارت میں دخل دینے کی ہمیں خواہش نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ اشیائے ممنوعہ کی تجارت روکنے کے حق پر وثوق ظاہر کیا تھا۔ ان شکایتوں کا کہ برطانیہ کے طرز عمل کے باعث تجارت

[1] ملاحظہ ہو "ڈپ لومیٹک کرسس پولی ڈنیس بیٹ وین دی یو ایس، اینڈ جرمنی ۱۹۱۴-۱۷ء" مرتبہ اسکوٹ، ہین ڈرک: "لائف اینڈ لیٹرز اوف والٹر ایچ پیج" جلد اوّل باب ۱۲، دوم باب ۱۵۔

گھٹ گئی، ثبوت مانگا اور زور دیا تھا کہ ان دنوں سویڈن، ناروے اور سوئٹزرلینڈ کو جو کثرت سے تانبہ بھیجا جانے لگا ہے، یہ اضافہ شبہے سے خالی نہیں ہے۔ جہاز کی تلاشی کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اُسے بندرگاہ میں لایا جائے کیونکہ ممکن ہے تانبہ روئی کے گٹھوں میں چھپا دیا گیا ہو سامانِ خورش کے بارے میں غیر مشروط قول قرار کرنے سے بھی گرے نے انکار کر دیا اور جرمانیہ کے جنگ کے طریقوں کو اس کی وجہ ٹھہرایا؛ غرض امریکہ کے مطالبات کا یہ اخلاق کے ساتھ قطعی انکار تھا لیکن غنیمت ہوا کہ مسٹر پیج اور سر ایڈورڈ گرے کے ذاتی تعلقات ایسے دوستانہ اور مخلصانہ تھے کہ ان کی وجہ سے سیاسی معاملات میں بھی بہت آسانی اور آشتی پیدا ہو گئی؛

تحت البحر کی جنگ

ایک اور پیچیدگی اس وقت پیدا ہوئی جب کہ جرمن حکومت نے اعلان کیا (۴ ؍ فروری ۱۹۱۵ء) کہ برطانیہ کے قریبی سمندروں میں دشمن کے تجارتی جہازوں کو ڈبو دیا جائے گا اور ممکن ہے غیر جانبداروں کا بھی یہی حشر ہو۔ حالانکہ اس وقت تک تحت البحر کشتیوں کی تعداد کم تھی، اور ٹرپیزان کے مفید ہونے کا بھی قائل نہ تھا؛ بہرحال جرمن اعلان کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ لوسی ٹانیہ جہاز امریکی جھنڈا لگا کے لورپول کی بندرگاہ میں داخل ہوا (۶ ؍ فروری)۔ امریکی حکومت نے ڈاوننگ اسٹریٹ کو مراسلہ بھیجا (۱۲ ؍ فروری) کہ اس "خدعۂ حربی" میں امریکی باشندوں کے لئے خطرے کا امکان ہے اور اسی کے ساتھ برلن بھی لکھا کہ امریکن باشندوں کی جان گئی تو جرمن حکومت سے سخت محاسبہ کیا جائے گا۔ برطانیہ نے جواب دیا کہ غیر جانبداروں کے عَلَم کو عام طور پر استعمال کرنے کا ارادہ نہیں ہے جرمانیہ نے صراحت کی کہ تحت البحر کشتیوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ امریکہ کے جہازوں پر عمداً حملہ نہ کریں لیکن اتفاقی حادثات کی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی ساتھ ہی دشمن کے ہاتھ جنگ کا ساز و سامان فروخت کرنے کی شکایت کی اور لکھا کہ اگر اہلِ ائتلاف اعلانِ لندن کی پیروی کریں اور اجناسِ خوردنی اور خام اشیا کی درآمد ہونے دیں تو جرمن بدلہ لینے کی کارروائی موقوف کر دیں گے؛

بتاریخ ۲۲ر فروری ولایاتِ متحدہ سے برطانیہ و جرمانیہ کے پاس پھر اس مضمون کے مراسلے بھیجے گئے کہ بحتی سرنگوں کا استعمال بند کیا جائے اور تجارتی جہازوں پر کوئی حملہ نہ ہو البتہ انھیں روک کر تلاشی لی جا سکتی ہے نیز تحریک کی کہ برطانیہ اشیائے خوردنی کے اُن کارندوں کے پاس جانے کی اجازت دے جنھیں حکومتِ ولایاتِ متحدہ نامزد کرے اور جوان اشیا کو غیر عسکری آبادی میں تقسیم کر دیں گے؛ برلن میں ان تجاویز کو اصولاً قبول کر لیا گیا مگر لندن میں وہ بارِ قبول نہ پا سکیں۔ بلکہ جرمن اعلان کے جواب میں برطانیہ نے بتاریخ یکم مارچ اعلان کیا کہ آیندہ جرمانیہ کی ہر قسم کی بحری تجارت روکنے، مال ٹھہرا لینے اور غیر جانبداروں کو برطانی بندرگاہوں میں لانے کا قصد ہے کیونکہ سمندر میں تلاشی لینا مخدوش ہو گیا ہے۔ مسٹر ایسکوئتھ نے استدلال کیا کہ جرمنوں نے باضابطہ گرفتاری کی بجائے اندھا دُھند تباہی پر کمر باندھی ہے لہٰذا اس کے حریف مجبور ہیں کہ اس کے توڑ پر ایسی کارروائیاں کریں کہ کسی قسم کا سامان نہ جرمانیہ میں جا سکے نہ وہاں سے باہر لایا جا سکے۔ بایں ہمہ ان تدابیر پر اس طرح عمل کیا جائے گا کہ غیر جانبدار جہازوں یا آدمیوں یا غیر عسکری اشخاص کی جانوں کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ ہماری حکومتیں مختار ہوں گی کہ ان جہازوں کو جن میں بقرائنِ ظاہر دشمن کا مملوکہ یا مرسلہ یا مرسل الیہ مال ہو، انھیں بندرگاہ میں لے آئیں۔ ایسے جہازوں یا ان کے مال کو ضبط کرنے کا ارادہ نہیں ہے جب تک کہ وہ دوسری وجوہ سے قابلِ ضبطی نہ ہوں۔"

ناکہ بندی میں کمی کرنے سے برطانیہ کا انکار سن کر ولایاتِ متحدہ کی حکومت بہت جھلائی۔ شکاگو کے باربرداروں، کاشتکاروں اور مزارعینِ پنبہ نے رئیسِ جمہوریہ سے اصرار کیا کہ ان کے حقوق کی حمایت کرے اور عام طور پر بھی برطانیہ کا اشیائے ممنوعہ میں اجناسِ خوردنی کو داخل کر لینا بالکل ناجائز اور ظالمانہ فعل سمجھا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی دن میں ایک ایسا سخت سانحہ پیش آنے والا تھا جس نے صورتِ حالات کو بالکل بدل دیا؛

جب رئیسِ امریکہ مسٹر ولسن کی یہ کوششیں کہ جنگ کے شدائد میں

کچھ کمی آئے، کامیاب نہ ہوئیں تو جرمن سفیر برنس ٹورف نے اہل امریکہ کے نام ایک تنبیہ شائع کی کہ جنگ کے دائرے کے اندر برطانی جہازوں میں سفر نہ کریں اتفاق دیکھئے کہ یہ تنبیہ عین اس موقع پر شائع ہوئی جب کہ جہاز لوسی ٹانیہ نیویارک سے روانہ ہونے والا تھا۔ امریکہ والوں نے تنبیہ کی کوئی اعتنا نہ کی اور یہ پُرشکوہ جہاز آئرلینڈ کے جنوبی ساحل کے سامنے تارپیڈو مار کے ڈبو دیا گیا (۷ مئی)

لوسی ٹانیہ کی غرقابی

بارہ سو جانیں تلف ہوئیں جن میں ۱۲۴ امریکہ والے تھے۔ جرمانیہ سے آغاز جنگ کے وقت ڈرن برگ سابق وزیر مستعمرات کو امریکہ بھیجا گیا تھا کہ وہ جرمنوں کی وکالت کرے۔ اس نے لوسی ٹانیہ کی غرقابی کو اس بنا پر کہ وہ گولہ باروت لے کے جا رہا تھا، جائز ثابت کیا۔ اس کا بیان صحیح تھا لیکن مسافروں سے بھرے ہوئے جہاز پر بلغیر خبردار کئے تارپیڈو لگانا ایسا واقعہ تھا کہ دُنیا بھر کے لوگوں کے دل ہل گئے اور بلجیم پر جور وظلم سے بڑھ کر امریکہ والوں کے جذبات مشتعل ہوئے۔ رائے عامّہ مطالبہ کرتی تھی کہ سفارتی تعلقات منقطع کر دئے جائیں اور گورئیس جمہوریہ نے حکیمانہ انداز سے فرمایا کہ دُنیا میں ایسی صورت بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص جنگ کرنا اپنی کسرِشان سمجھے اور صدر معتمد مسٹر برائن نے اپنے ہموطنوں کو دولِ ائتلاف کے جہازوں میں سفر کے خطرات سے خبردار کرنا چاہا، بایں ہمہ برنس ٹورف نے برلن تار دیا کہ آئندہ ایسی خطا ہوئی تو وہ جنگ کے مرادف ہوگی۔ ڈرن برگ کو ملک چھوڑنا پڑا اور بتاریخ ۱۳ مئی رئیس جمہوریہ نے جرمن حکومت کو لکھا کہ اس فعل سے بری نقصان کی تلافی اور اعادے کا تدارک کیا جائے۔

مگر جرمانیہ پشیمانی پر مائل نہ تھی کیونکہ لوسی ٹانیہ کو ہر شخص ایک امدادی جنگی جہاز سمجھتا تھا جو توپوں سے مسلح دولِ ائتلاف کی فوجوں کے لئے گولے باروت سے لدا ہوا آ رہا تھا۔ دوسرے ایک ایسے زبردست جہاز کی تحت البحر کے ذریعے تباہی امید دلاتی تھی کہ شاید انگلستان کے بحری تسلط کا کامیابی سے مقابلہ کیا جا سکے اور ناکہ بندی کے توڑ پر اپنے سب سے بڑے دشمن کی

ناکہ بندی کرنی ممکن ہو۔ واضح رہے کہ اشیائے خوردنی کا روکنا جرمنوں کو بھی ایسا ہی ظالمانہ نظر آتا تھا جیسی کہ تحت البحر کی جنگ انگریزوں کو غرض جرمن حکومت نے جواب میں "توپوں والے امدادی جنگی جہاز" پر حملہ کرنے کی توجیہ کی۔ حالانکہ تختۂ جہاز پر توپیں نہ تھیں۔

برنس ٹورف اور ولسن

برنس ٹورف کو فکر ہوئی کہ رئیس جمہوریہ سے مل کر اپنی حکومت کے غیر مصالحانہ جواب کا اثر زائل کرے۔ اس ملاقات کی کیفیت میں لکھتا ہے کہ "ہم دونوں کی خواہش تھی کہ وقت گزار کر امن وصلح قائم رکھیں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا کہ مُلک جنگ کا خواہاں ہے اور ولسن صلح کا۔" رئیس امریکہ نے بہ اصرار استدعا کی کہ تحت البحر کی غیر محدود جنگ کو موقوف کردیا جائے اور اس کے عوض میں وعدہ کیا کہ اشیائے خوردنی کی ناکہ بندی اٹھالینے پر زور دوں گا۔ اور اسے یقین تھا کہ اس شرط پر برطانیہ بھی معاملہ کرلے گا۔ بتاریخ ۲۱ر جولائی لوسی ٹانیہ کے قضیے کے متعلق امریکہ نے آخری مراسلے میں جرمانیہ کو اطلاع دی کہ دوبارہ ایسی زیادتی ہوئی تو اسے غیر دوستانہ فعل سمجھا جائے گا۔ اور مسٹر لانسنگ نے جو برائن کی جگہ مقرر ہوا تھا۔ خانگی طور پر برنس ٹورف کو خبردار کردیا کہ اگر امریکہ والوں کی آئندہ جان گئی تو لڑائی ہوجائے گی۔ جرمن حکومت اگرچہ ظاہر میں غرفش کرتی تھی لیکن درحقیقت ایک نیا دشمن بنانے کی آرزومند نہ تھی چنانچہ تحت البحر کشتیوں کے قائدین کو احکام بھیج دئے گئے کہ مسافر جہازوں پر حملہ نہ کریں۔ بااین ہمہ جرمن غرور نے یہ اجازت نہ دی کہ اس فیصلے کی اطلاع حکومتِ امریکہ کو بھی دے دی جاتی۔

رئیسِ امریکہ کو ابھی تک امید تھی کہ جرمانیہ سے اس قسم کی مراعات مل جائیں گی جن کی بنا پہ وہ لندن و برلن کی آرا کے بین بین آزادیٔ بحور کا وہ راستہ نکال سکے جو اس کی بہت ہی مرغوب و محبوب تجویز تھی۔ حتیٰ کہ ایک دوست سے اس نے یہ بھی کہا کہ اگر جرمانیہ سے حسبِ دلخواہ جواب آیا تو "میں انگلستان کے ساتھ آخر تک اس معاملے کو پہنچا کے رہوں گا۔ مگر قبل اس کے کہ جرمانیہ اس کے آخری مراسلے کا جواب دے، ایک برطانی مسافر جہاز

"اریبک" ڈبو دیا گیا اور اس میں دو امریکی جانیں بھی تلف ہوئیں (۱۹ر اگست) جرمن حکومت نے فوراً اظہار تاسّف کیا اور لکھا کہ کپتان کی ہدایات کے خلاف ایسا واقع ہوا۔ ادھر جرمن سفیر نے، اعلان جنگ سے بچنے کے لئے، بلا حکم خود ہی اطّلاع شائع کردی کہ جرمن تحت البحروں کو حکم دیا جا چکا ہے کہ وہ کسی مسافر جہاز پر حملہ نہ کریں لیکن "اریبک" آخری ہدف نہ تھا بلکہ آیندہ چند ماہ میں رینگونا (۷ر نومبر) پرشیا (۳۰ر دسمبر) اور رود بار کا مسافر جہاز سسکیس (۲۴ر مارچ ۱۹۱۶ء) تارپیڈو مار کے غرق کئے گئے اور کئی امریکی جانیں ضائع ہوئیں۔ اس پر امریکہ نے جو مراسلہ بھیجا وہ قریب قریب جنگ کا پیام تھا اور اس کے جواب میں جرمن حکومت نے بالآخر علانیہ اقرار کیا کہ آیندہ بلا اطّلاع اور بغیر اس کے ملّاحوں کے بچائے کوئی تجارتی جہاز نہیں ڈبویا جائے گا۔ مگر اس رعایت کے ساتھ یہ شرط بھی کی کہ رئیس جمہوریہ

جنگِ تحت البحر کی حد بندی

اسی کے مماثل برطانیہ سے بھی عہد لے کہ وہ "انسانیت کے قوانین کا لحاظ رکھے گی"۔ گو رئیس امریکہ نے اس شرط کو مسترد کردیا، تاہم ۱۹۱۶ء کے باقی زمانے میں جرمانیہ کی تحت البحر معرکہ آرائی مقرّرہ حدود میں محدود رہی اور ٹرپیڈوز کے برطرف کئے جانے سے کشیدگی بھی فی الجملہ کم ہوگئی ہے۔

ولایاتِ متّحدہ کے غیر جانبدار رہنے کا سبب مسٹر ولسن کا تحمّل تھا نہ کہ برائن کا تدبّر۔ اور برطانیہ جو چھوٹے بڑے غیر جانبدار ممالک کے جذبات سے اتنی بے پروائی کرتا رہا اس کی جرأت بھی اسے جرمانیہ ہی کی بحری جنگ کی بیباکی اور سفاکی سے ہوئی ہے ۱۸۱۲ء کی لڑائی کو تو ولایاتِ متّحدہ کسی وقت میں بھی تازہ کرنے پر آمادہ نہیں۔ لیکن جب لوسی ٹانیہ ڈوبا تو پھر ائتلاف کی سربرآوردہ طاقت سے لڑنا بالکل ناممکن ہوگیا۔ سر ایڈورڈ گرے نے امریکی سفیر مسٹر ہیج کو ایک مرتبہ جتایا کہ "امریکہ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم جس طرح اپنے واسطے جنگ کر رہے ہیں اسی طرح امریکہ کی طرف سے بھی سینہ سپر ہیں۔ تمھاری مجال نہیں ہے کہ ہم پر زیادہ دباؤ ڈال سکو"۔ رئیس جمہوریہ نے یہ گفتگو سنی تو

کہا کہ "حقیقت میں اُس نے سچ کہا۔ انگلستان سے برسر جنگ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جرمانیہ کو فتح نصیب ہو۔ میں انگلستان کو ستانا کسی طرح پسند نہ کروں گا"[1] یہی سبب تھا کہ واشنگٹن سے جو قانونی اعتراضات وارد ہوتے رہے ان کا وھائٹ ہال میں کوئی خاص اثر نہ ہوا کیونکہ اصلی اندیشے کا وجود نہ تھا۔ بتاریخ ۲۱ر اگست ۱۹۱۵ء روئی کو بھی برطانیہ اور فرانس نے اشیائے ممنوعہ میں داخل کرلیا۔ ۲۵ر اگست کے ٹائمز میں سر ایڈورڈ نے اس کی توضیح کی اور لکھا کہ "سمندر کی آزادی" جنگ کے بعد بحث مباحثے اور قوموں کے درمیان شرائط و ضوابط طے کرنے کے لئے کیسی ہی معقول ومناسب شے کیوں نہ ہو، بذاتِ خود بے معنی چیز ہے خصوصاً جب تک کہ جنگ سے حفاظت وسلامتی کی اور خشکی پر جرمنوں کے طریقِ جنگ سے محفوظ رہنے کی کوئی سبیل نہیں ہے" اس سلسلے میں آخری کارروائی

اعلانِ لندن

بتاریخ ۷ر جولائی ۱۹۱۶ء عمل میں آئی کہ اعلان لندن کے استرداد کا اعلان کیا گیا۔ سرکاری یادداشت میں صراحت کی تھی کہ "جنگ کی ترقی کے ساتھ یہ عیاں ہو گیا کہ عہدِ امن وصلح میں جو کوششیں کی گئی تھیں کہ نہ صرف اصول قانون بلکہ وہ عملی صورتیں بھی معین کردی جائیں جن کے تحت میں ان قوانین کا نفاذ ہوگا ان کا نتیجہ پوری طرح حسبِ دلخواہ برآمد نہیں ہوا۔ ان قواعد سے نہ تو غیر جانبداروں کی حفاظت کے اسباب میں ہر اعتبار سے کوئی بہتری کی صورت پیدا ہوئی اور نہ لڑنے والوں کو وہ کارگر وسائل میسر آئے جن سے کام لینا ان کا مسلمہ حق ہے۔ یہ قواعد ایسے حالات اور مقتضیاتِ وقت کا جو جلدی جلدی بدلتے رہتے ہیں اور جن کا پہلے سے کوئی علم نہ ہو سکتا تھا بار نہ اٹھا سکے اور اگر ہم قدم قدم پر ان میں ترمیم کرتے تو شاید اتحادیوں کے مقصد کو غلط معنی پہنائے جاتے۔ نظر برایں اتحادی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ آئندہ صرف مسلّم وقدیم قانونِ اقوام تک اپنے عمل کو محدود رکھیں گے" یورپ کے غیر جانبدار ممالک کی ضرورتیں کسی حد تک اس مستقل نظامِ خوراک رسانی سے پوری کردی گئیں جو ماقبل جنگ ضروریات پر مبنی تھا۔

[1] ٹیوملٹی "وڈرو ولسن ایز آئی نیو ہم" باب ۲۷۔

۱۹۱۵ء میں جرمن تمام سال مغرب کی صرف مدافعت کرتے رہے۔
مگر ۱۹۱۶ء میں جرمنوں نے مشرق سے اپنی فوجیں واپس بلالیں اور ۱۹۱۴ء کی خریف کے بعد سے پہلی دفعہ پھر کوشش کی کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ یورش کے لئے وردون کا بڑھا ہوا گوشہ منتخب کیا گیا اور ۲۱ر فروری کو حملے کا آغاز ہوا۔ حملے کے چوتھے دن قلعۂ دوماں کو یورش کر کے چھین لیا گیا جو قلعے کے دفاعی مورچوں کی کنجی تھا۔ یہ محض توپوں کا کارنامہ تھا اور شہر کی قسمت میزان کے پلڑوں میں جھکولے کھاتی نظر آتی تھی۔ ژوفرے نے فوراً پیتین کو خطرے کے مقام پر بھیجا اور مارا مار کمک پہنچائی گئی۔ سرڈگلس ہیگ سے جو لوس کی ناکامی کے بعد سر جون فرینچ کی جگہ انگریزی فوجوں کا سپہ سالار ہوا تھا، درخواست کی گئی کہ سوم کے شمال میں جس قدر جلد ممکن ہو جارحانہ کارروائی کی تیاری کرے۔ وردون کی خونریز کشمکش جنگ عظیم کے ان تین نازک موقعوں میں سے دوسری تھی جن میں فرانس کی ہستی معرض خطر میں پڑ گئی تھی۔ فاکن ہین ایسا زبردست لشکر اور توپ خانہ لے کر آیا تھا کہ وہ مہینوں تک حملہ جاری رکھنے پر تیار تھا اور سمجھتا تھا کہ شاید اس قیامت خیز دباؤ کے نیچے فرانس پس جائے گا۔ لیکن فرانس والے بےمثل ثابت قدمی سے لڑے جس کی یادگار یہ تاریخی مقولہ ہے کہ "On N' passera pas" یعنی "وہ پار نہ ہوں گے"۔ یہ شدید جنگ تمام مارچ، اپریل اور مئی کے مہینوں میں جاری رہی اور مئی کے آخر میوز کے بائیں کنارے پر مور ہوم کی پہاڑی کو جرمنوں نے یورش کر کے چھین لیا۔ پیتین نے تقاضا کیا کہ انگریز سوم پر جوابی حملہ شروع کریں اور بتاریخ ۷ر جون قلعۂ دواژ تسخیر ہوا تو اس نے تشویش کے عالم میں مکرر التجا کی کہ لڑائی چھیڑنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ ہیگ نے پہلی جولائی کے دن سے حملہ کرنے کا بیڑا اٹھایا مگر یہ درمیان کے ہفتے کچھ کم پریشان کن نہ تھے۔ حتیٰ کہ ژوفرے کو یقین نہ تھا کہ وردوں کی مدافعت اتنے دن تک ممکن ہو گی۔ کیونکہ چند ہی روز میں جرمنوں نے قلعۂ تھیومون فتح کر لیا (۲۳ر جون) اور اس کے دوسرے دن موضع فلیوری کو یورش کر کے

سر کرلیا۔ لیکن جولائی کی پہلی تاریخ ہی ہیگ نے وہ ابتدائی گولہ باری شروع کی جو جنگ سوم کا سر آغاز تھی؛

۱۹۱۵ء کی نقصاں رساں ناکامیوں نے برطانی سر عسکروں کو سبق دے دیا تھا کہ جب تک گولہ بارود اور سپاہیوں کی تعداد کثیر ایک طویل معرکے کے واسطے جمع اور محفوظ نہ ہو جائے، اس وقت تک حملہ نہ کریں[۱]۔ اس موقع پر انگریزی سپاہ فرانس، ہوائی جہازوں، بھاری توپوں، پھٹنے والے گولوں، مشین گنوں، دستی اور خندقی گولوں اور گیس پھینکنے والی کلوں سے پوری طرح مسلح ہوگئی تھی اور "کچنر کی فوج" آخر کار لاکھوں کی تعداد میں ایک زبردست کشاکش کرنے کے واسطے تیار تھی۔ ۱۹۱۵ء کی خریف میں لارڈ ڈربی کی سرکاری طور پر کوششوں سے جس قدر سپاہی بطور خود بھرتی ہو سکتے تھے وہ داخل کرائے گئے اور فصل ربیع میں مجرّدوں کی جبری خدمت کا، (جو بیالیس سال سے کم عمر کے ہوں) قانون نافذ ہوا۔ مگر یہ بھی ادھوری تدبیر تھی کیونکہ مئی ۱۹۱۶ء میں متاہلوں کا استثنیٰ ہٹا دیا گیا؛ القصہ یکم جولائی کو فوج حملے کے لئے چلی تو پورا بھروسہ رکھتی تھی کہ نہ صرف وردون کا دباؤ دور کر دے گی بلکہ جرمنوں کے بازوئے راست پر ایسی ضرب لگائے گی کہ وہ قایم نہ رہ سکیں۔ لیکن یہ خوش آیند امیدیں بہت جلد کافور ہوگئیں۔ حملہ آوروں کے میسرے کی صفیں ٹوٹ گئیں کیونکہ اس طرف شروع میں جو گولہ باری کی گئی تھی وہ ان مشین گنوں کے چھتّوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے میں کامیاب نہ ہوئی تھی جنھوں نے بڑھنے کا راستہ روک رکھا تھا۔ البتہ دائیں بازو کا حملہ، جسے سوم کے جنوب سے فرانسیسیوں کے جارحانہ اقدام نے قوّت پہنچائی تھی، زیادہ کامیاب ہوا۔ بہر حال جنگ کا فوری مقصد تو حاصل ہو گیا کہ وردون کا جو گلا گھٹا جاتا تھا، وہاں اسی وقت دباؤ گھٹ گیا۔ جرمن فوجیں ہار ہار سوم کی طرف روانہ ہوئیں اور محصور قلعے کے سامنے کی زمین مسلسل چھوٹے چھوٹے

سوم کی فوجکشی

[۱] ڈیور اینڈ بوسٹن: "سر ڈگلس ہیگز کمانڈ۔ ۱۹۱۵ تا ۱۹۱۸"؛

مگر تیز و تند حملوں سے گرما اور خریف کے دوران میں دوبارہ فرانس والوں کے ہاتھ آ گئی۔ قلعے پر حملے کے ناکام رہنے کا گویا اعتراف تھا کہ اخیر اگست میں فاکن ہین علیحدہ کر دیا گیا اور جرمن افواج کی اعلیٰ سپہ سالاری پر ہن ڈن برگ مقرر ہوا جس کا عمدہ مددگار لوڈن ڈورف تھا اور ڈوڈن بچ گیا اور جرمن حملہ آور ۱۹۱۵ء کی طرح پھر ایک مرتبہ فقط مدافعت کرنے لگے لیکن سوم پر اتحادیوں نے نقصانِ عظیم برداشت کر کے جو حملے کئے تھے، ان میں زرہ پوش موٹروں سے (ستمبر میں) پہلی مرتبہ کام لینے کے باوجود کوئی ترقی نہ ہوئی۔ یکم جولائی کو جو جنگ بڑی بڑی امیدوں کے ساتھ شروع کی گئی تھی، وہ وسطِ نومبر میں بلا کسی نتیجے کے ختم ہو گئی کیونکہ فوج بالکل تھک گئی اور موسم سرما سر پر آ پہنچا۔ غرض ورڈون اور سوم کی قیامت خیز کشاکش میں ہر دو فریق نے ناقابلِ قیاس نقصانات اٹھائے اور اس کے عوض میں کوئی فائدہ میسر نہ آیا۔ گویا پورا سال کرب و عقوبت ہی میں گزر گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہونے پایا۔

جس وقت کہ دنیا کی نگاہیں فرانس کے میدانوں پر لگی ہوئی تھیں، جنگ کے وسیع اکھاڑے کے دوسرے گوشوں میں تمام سال (۱۹۱۶ء) غیر منفصل کشتیاں ہوتی رہیں۔ ای سونزو پر اطالیہ والوں کے پے در پے حملے پسپا کرنے کے بعد آسٹریہ نے اپنے لشکر میں کافی قوت سمجھ کر مئی میں ٹرنٹینو سے خود حملہ کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اطالیہ کے لشکر اصلی کا راستہ کاٹ دیا جائے۔ یہ خطرناک اقدام حملہ آوروں کے میدانی علاقے تک بڑھنے سے پہلے روک لیا گیا اور اطالیہ نے جواب میں وہ وار کیا جس میں گورزیہ بتاریخ ۹ ؍ اگست فتح ہو گیا؛ اس کامیابی میں

روس کے حملے کی تجدید

در اصل روسیوں کے حملے نے سہولت بہم پہنچائی کہ اسی زمانے میں وہ غیر متوقع سرعت و قوت کے ساتھ دشمن پر آ پڑے۔ یہ ۳ ؍ جون کا واقعہ ہے کہ جس وقت آسٹریہ کے سپاہی ٹرینٹینو میں پوری طرح الجھے ہوئے تھے، بروسی لوف نے پرپی پیٹ کی دلدلوں سے سرحدِ رومانیہ تک پھیلے ہوئے خط پر اپنے زبردست حملے کا

آغاز کیا۔ خط کے جنوبی سرے پر آسٹریہ کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ لٹزک اور ڈبنو مسخر ہو گئے۔ بکوویینہ میں روسی چھا گئے اور مشرقی گلیشیہ تک دوبارہ بڑھ آئے۔ چودہ دن کے اندر پچاس میل کی پیش قدمی عمل میں آئی۔ اس معرکے میں روسیوں کو آسٹریہ والوں پر فتح حاصل ہوئی جس کا ایک تائیدی سبب یہ تھا کہ آسٹریہ کے اسلافی سپاہی مالک سے زیادہ غنیم کے ہوا خواہ تھے انھوں نے ہزارہا کی تعداد میں ہتھیار ڈال کے اپنے آپ کو روسیوں کے حوالے کر دیا لیکن جرمنوں سے مقابلے کی نوبت آئی تو لوہے کے چنے چبانے پڑے۔ پرپی ہیٹ کے شمال جو حملہ کیا گیا تھا، اس میں پسپائی نصیب ہوئی اور وسطی سلطنتوں نے جنوب کی پیش قدمی روکنے میں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ فرانس، اطالیہ اور بلقان کے میدانوں سے سپاہی واپس بلائے اور دو ترکی لشکروں کو بھی زبردستی بھرتی کر کے مقابلے میں پہنچا دیا۔ کوول بچ گیا اور اکتوبر میں لڑائی دھیمی پڑی تو وسطی سلطنتوں نے اپنا خط دوبارہ مسلسل و مستحکم کر لیا۔ غرض بروسی لوف کے حملے میں وردون، ٹرینٹینو اور سوم کی طرح لاکھوں انسانوں کا خون بہہ گیا مگر دشمن کی قطار کہیں سے گسستہ نہ ہو سکی۔

جس وقت یورپ میں چند مربع میل کے لینے دینے میں بڑے بڑے سپہ سالاروں کی شہرت پر پانی پھر جاتا یا ناموری حاصل ہو جاتی تھی، اس وقت ایشیائے کوچک کے فراخ میدانوں میں صرف بڑھنے اور ہٹنے کی معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ فروری ۱۹۱۶ء میں روسی سپاہ لڑتی ہوئی ارض روم تک آ پہنچی جو مشرقی ایشیائے کوچک کا انتظامی مرکز تھا اور مغرب میں طرابزون اور جنوب میں بطلس و وآن تک حملہ آوروں کا سیلاب پھیل گیا۔ یہ فتح تو اتحادی مقاصد کے لئے بے شبہ مفید تھی مگر ترکی کے ارمنوں کے حق میں تو بہتر یہی ہوتا کہ روسی سرحد کے پار نہ اترتے۔ اور نہ ہیں ۱۹۰۹ء کے قتل عام کے بانی مبانی خوب واقف تھے کہ صلیب اور ہلال کی جنگ میں اس مصیبت زدہ قوم کے جذبات لازماً کیا ہوں گے۔ لہٰذا طلعت اور انور نے اطمینان سے بکمال بے رحمی کے ساتھ لاکھوں ارمنوں کو ہلاک کرنا شروع کیا

جنھوں نے ترکی کے پشتینی دشمن کو مدد دی تھی یا غالباً آیندہ دیتے[1]۔

روسی یورش کی کامیابی کے مقابلے میں عراق عرب کی انگریزی پیشقدمی میں جو نکبت پہنچی، وہ اور بھی نمایاں ہوگئی۔ حملہ آور بصرے سے دجلے کے کنارے کنارے بڑھتے چلے آئے اور ۱۹۱۵ء میں ایک قلیل التعداد فوج

سقوط قط العمارہ

تیسی فون تک آگئی جو بغداد سے ۲۴ میل کے اندر ہے۔ جنرل ٹاؤن شینڈ نے اپنے بالادستوں کو خطرے سے خبردار کر دیا تھا مگر انھوں نے کچھ نہ سنی۔ آخر اس کے اندیشے درست نکلے اور جب وہ دھکیل کے قط العمارہ میں گھیر اگیا (دسمبر) تو معلوم ہوا کہ اس کا خوف بالکل بجا تھا۔ اسے چھڑانے کی بار بار کوشش کی گئی مگر ناکامی ہوئی اور مئی ۱۹۱۶ء میں پانچ مہینے کے محاصرے اور فاقہ کشی سے مجبور ہو کے دو ہزار انگریز اور چھ ہزار ہندوستانی سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیے[2]۔

اس غلغلہ انگیز مصیبت کی کچھ اشک شوئی اس طرح ہوئی کہ تاریخ ۶، جون ۱۹۱۶ء

---

[1] دیکھو ٹوئن بی: "ٹریٹ مینٹ اوف آرمینینز ان دی اوٹومن ایمپائر"، جس پر لارڈ برائس نے مقدمہ لکھا ہے۔ مورگن تھاؤ: "سیکریٹیس اوف دی بوسفورس"۔ برائس: "وار اینڈ ریوالیوشن ان ایشیاٹک ٹرکی" وغیرہ وغیرہ (جیسا کہ مستند بیانات اور خود منصف مزاج فرنگیوں کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے۔ ارمنوں کے قتل عام کے افسانے نہ صرف سراسر کذب و افترا پر مبنی ہیں بلکہ درحقیقت انھیں خود ارمنوں کی وحشیانہ سفاکی اور بغاوت و غداری کو چھپانے کے واسطے شدّ و مد کے ساتھ شائع کیا گیا تھا۔ (مترجم)

[2] ملاحظہ ہو ٹاؤن شینڈ کی کتاب: "مای کیمپین ان میسوپٹیمیا" اور کیفیت پیش کردہ میسوپٹیمیا کمیشن۔ (سقوطِ قط کے وقت ہتھیار ڈالنے والوں کی تعداد سرکاری طور پر دس ہزار سے کچھ زیادہ بتائی گئی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ اس میں بھی حسب معمول غلط بیانی کی ہے اور اصلی تعداد سے کم تعداد دکھائی گئی ہے لیکن فاضل مؤلف نے اس سرکاری تعداد میں بھی دیدہ دلیری سے کمی کر دی۔ دوسرے قط کے محاصرے کی اصلی اہمیت کو ظاہر کرنے سے بھی ظاہرا اعراض کیا ہے حالانکہ یہ وہ موقع تھا کہ گیلی پولی کے معرکے کی طرح سلطنت برطانیہ کی پوری قوت پانچ مہینے تک ترکی کے مقابلے میں تلی رہی (مترجم)۔

شریفِ مکہ نے سلطان کی متابعت سے انحراف کیا اُسے اوکسفورڈ کے ایک نوجوان مستشرق کرنل لارنس نے جو مشرقی ذہنیت کے عمل کا خوب واقف و قدر داں تھا، بڑی ہنرمندی سے سمجھا بجھا کے اتحادیوں کا بنالیا۔ برطانیہ نے ۳۷ ویں عرض بلد کے جنوب میں بلادِ عرب کی خود مختاری تسلیم کرلی جس سے بصرہ و بغداد مستثنیٰ تھے اور ان کی نسبت قرار پایا تھا کہ انگریزوں کی نگرانی میں رہیں گے۔ اب برطانیہ، فرانس اور روس کے درمیان ترکی کے حصّے بخرے کرنے کے لئے ایک اور مفصل و واضح تر عہدنامہ مرتب ہوا۔ اس میں روس نے ارضِ روم، طرابزون، وان، بطلس اور جنوبی کردستان کے صوبے طلب کئے۔ فرانس نے شام کا ساحل مانگا اور انگریزوں نے جنوبی عراق عرب، بغداد اور عکہ و حیفہ کی بندرگاہیں۔ قرار پایا کہ فرانس و برطانیہ کے علاقوں کے درمیان ایک یا چند متحدہ عرب ریاستیں قائم کی جائیں ؛ اور لارڈ روتھ چائلڈ کے نام مسٹر بالفور کے خط مورخہ ۹ ر نومبر ۱۹۱۷ء کے ذریعے اعلان کردیا گیا کہ برطانیہ اُس مُلک میں یہودیوں کو قومی مسکن بنانے کی اجازت دے گی۔ ایشیائی ترکی کی اس مجوزہ تقسیم میں شریفِ مکہ کو بھی حصّہ مل گیا تو اُس نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ جدے پر قبضہ، مدینے کا محاصرہ کیا اور حجاز ریلوے کا سلسلہ کاٹ دیا۔ ان مفید خدمات کے جلد وہیں انگریزوں نے اُسے شاہِ حجاز تسلیم کرلیا (دسمبر ۱۹۱۶ء) اور اُس کے بیٹے فیصل نے شام و فلسطین کی فتح کے کارِ صعب میں جنرل ایلن بی کی مدد کی ؛

"ہمارے عرب حلیف"

جس وقت مُلکِ عرب ترکوں کا طوقِ حکومت اُتار رہا تھا جنرل اسمٹس جرمن مشرقی افریقہ کے وسیع تر حصّے کی فتح میں مصروف تھا اور مدافعین کو جن کی قیادت بہادر لٹو وربک کے ہاتھ میں تھی جنوب کی طرف دھکیل رہا تھا کہ جہاں امید تھی کہ اہلِ پرتگال، جو ماہ مارچ میں میدان جنگ میں داخل ہوئے۔ اس تعقب میں شریک ہو جائیں گے[1] ؛

[1] جنرل کرو: "جنرل اسمٹس کیمپین" اور لٹو وربک کی کتاب: "مائی ریمی نی سینس اِن ایسٹ افریکہ" ؛

نتیجۂ جنگ کے پلڑے اس طرح جھکولے کھا رہے تھے جب کہ رومانیہ اتحادیوں کی صف میں آملی (۲۸ اگست ۱۹۱۶ء) جسے دونوں فریق دو سال سے برابر سبز باغ دکھا دکھا کے رجھا رہے تھے[1] واضح رہے کہ بلقان کی تیسری جنگ میں رومانیہ کی کامیابی پر زار نے شاہ کارول کو بڑے تپاک سے مبارکباد لکھی تھی اور جون ۱۹۱۴ء میں وہ کونس ٹنزا آیا تو اس گرم جوشی سے جام صحت نوش کیے گئے کہ معلوم ہوا کہ بیسا ریبیا کا گھاؤ بالآخر بھر گیا۔ یہاں تک کہ آسٹریہ کے سفیر بخارسٹ، کنٹونٹ زرنن نے مذکورہ بالا سیاحت کے بعد اطلاع دی تھی کہ لڑائی ہونے کی صورت میں رومانیہ کا بادشاہ اپنے پہلے عہد و پیمان کو نہیں نبھا سکے گا۔ یوں بھی وی آنا والے اصلی حال کو برلن کی نسبت پہلے پا گئے تھے، کہ وہاں قیصر اپنے رشتہ دار کی رفاقت کا یقین رکھتا تھا اور بلغاریہ کے فرڈی نینڈ کو عام طور پر شک و نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

کارول کی بے بسی جس وقت جرمانیہ نے روس کے خلاف اشتہار جنگ دیا (۲ اگست ۱۹۱۴ء) تو قیصر اور فرانسس جوزف نے وعدہ کیا کہ اگر کارول ان سے آملے گا تو بیسا ریبیا کے دلوانے میں وہ اس کے معین و مددگار ہوں گے۔ چنانچہ بزم شوریٰ منعقد ہوئی (۴ اگست) جس میں شاہ کارول نے اپنے عہد کے مطابق شریک جنگ ہونے پر زور دیا۔ لیکن بجز ایک کارپ کے اور کسی کو اپنا مؤید نہ پایا۔ ۱۸۸۳ء کے عہد نامے کی عام اہل رومانیہ یا وہاں کی مجلس مبعوثین کو کچھ خبر نہ تھی اور اُدھر ابھی دنوں رائے عامہ میں تغیر عظیم واقع ہو چکا تھا۔ ٹیک جونسکو اسی زمانے میں لندن و پیرس کی سیاحت سے واپس آیا تھا۔ وہ اپنی کتاب میں بیان کرتا ہے کہ دیرینہ سال فرماں روا کو یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے وعدے وفا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا حد درجے قلق ہوا[2]

[1] جنگ میں داخل ہونے سے قبل رومانیہ کی حکمت عملی اور عام رائے کا سیب سے مفصل بیان آسٹریہ کی کتاب احمر میں درج ہے جو قطع تعلق ہونے کے بعد شائع ہوئی۔ نیز دیکھو زرنن: "ان دی ورلڈ وار" باب ہم ۴؛ سٹن واٹس: رومانیہ اینڈ دی گریٹ وار"۔

[2] سووے نزز"۔

شرکت جنگ کے مخالف اطالیہ کی علیحدگی کا حوالہ دیتے تھے اور آخر بزم شوریٰ نے غیر جانبدار رہنے ہی کا فیصلہ کیا۔ آیندہ سے رومانیہ کی اصلی حکومت بھی کارول کے ہاتھ میں نہ رہی بلکہ رومانیہ کے سب سے بڑے مدبر کے بیٹے وزیر اعظم برتے ٹیانو کے ہاتھ میں آگئی۔ ترن نے وہ سماں بھی دکھایا ہے کہ کس طرح بادشاہ نے چشم گریاں اور دست لرزاں کے ساتھ وہ تمغہ (Crdre Pour le Merile) گردن سے اتارنے کی کوشش کی جو خاندان ہوہن زولرن سے اس کی ذاتی اور سیاسی وابستگی کا نشان تھا۔ بااین ہمہ اس نے قیصر فرانسس جوزف کو مطلع کیا کہ میں بلغاریہ کو جتادوں گا کہ اگر وہ وسطی سلطنتوں کے ساتھ ہو گئی تو اسے ہماری طرف سے کوئی خطرہ نہ ہوگا؛ رومانیہ کا رنگ دیکھ کر جرمن حکومت بہت پریشان ہوئی اور اس نے آسٹریہ سے اصرار کیا کہ معقول علاقہ دے کے اپنے ہمسائے کو دشمنوں کی طرف مل جانے سے باز رکھے۔ لیکن اس معاملے کا فیصلہ وی آنا کی بجائے بوڈاپسٹ کے اختیار میں تھا کیونکہ یہ نقصان وایثار ہنگری کو اٹھانا پڑتا۔ مگر وہاں ہٹیلے ٹسزا نے ایک نہ مانی اور علاقہ دینے کے متعلق کسی رعایت پر غور کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ پھر جرمانیہ یہ مشورہ بھی دیتی رہی کہ رومانیہ ٹرین سل وانیہ پر حملہ کرے تو آسٹریہ اعلان کردے کہ روسیوں سے یہ علاقہ بچانے کی خاطر اس فوج کشی کو گوارا کیا جاتا ہے اور خود اہل رومانیہ کی مزاحمت نہ کرے تو اس کو بھی برخٹولڈ نے قبول نہ کیا اور ٹسزا نے بگڑ کے جواب دیا کہ ہنگری کی سرزمین پر رومانیہ والوں کو دیکھنے کی نسبت مجھے یہ زیادہ پسند ہوگا کہ روسی آجائیں ؛

ادھر اس عرصے میں دول ائتلاف کے لوگ بھی خالی نہیں بیٹھے رہے۔ لڑائی کے شروع ہی میں سازونوف نے ٹرین سل وانیہ کا صوبہ اور دیگر وجیہ میں جو علاقہ اسی زمانے میں رومانیہ کے ہاتھ آیا تھا' اس کی ضمانت لینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ رومانیہ شریک جنگ ہو جائے۔ لیکن برتے ٹیانو نے جواب دیا کہ مجلس شاہی غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کر چکی ہے یکم ستمبر کے

رومانیہ کے دعاوی

۔ اس سلسلے میں روسی سفیر بخارسٹ نے اطلاع دی کہ عمائدِ ملک شرکت جنگ نہیں بلکہ خالی غیر جانبداری کے عوض میں بیسارابیا طلب کرتے ہیں؟ بتاریخ ۲۳ ستمبر ایک اہم کارروائی یہ ہوئی کہ رومانیہ اور اطالیہ کے درمیان معاہدہ مرتب ہو گیا کہ وہ دونوں مل کر کام کریں گی؟ پھر چند ہی روز گزرے تھے کہ پٹروگریڈ میں ایک عہدنامے پر دستخط ہوئے جس میں روس نے ذمہ لیا کہ رومانیہ کی صیانت کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تو وہ اس کی مزاحمت کرے گا۔ نیز جن علاقوں میں رومانی قوم کے لوگ آباد ہوں، اُن پر رومانیہ کے حقوق کا اعتراف کیا۔ طے ہوا کہ بکووینہ کی تقسیم کا مسئلہ ایک مشترکہ جماعتِ ماہرین کے تفویض کیا جائے۔ رومانیہ کو اختیار ہو کہ جو اقطاع اُس کے حصے میں آئیں، اُن پر جب چاہے قبضہ کرے اور روس نے برطانیہ اور فرانس کی تائید و رضامندی حاصل کرنے کا ذمہ لیا۔ اس کے معاوضے میں رومانیہ نے اقرار کیا کہ جب تک ان مرغوبہ اقطاع کے لینے کی وہ کارروائی شروع کرے اس وقت تک غیر جانبدار رہے گی[1]۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو رومانیہ کا بنانے والا بادشاہ کارول سخت شکستہ دلی کی حالت میں راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔ زرنن تحریر کرتا ہے کہ "اس کی زندگی کے آخری ہفتے بڑی تکلیف و عقوبت میں گزرے۔ ہر پیام جو ئیں اس کے پاس لے جاتا، اسے تازیانے کی ضرب معلوم ہوتا تھا" نئے فرماں روا فرڈی نینڈ متوفیٰ چچا کی سی نہ قابلیت رکھتا تھا نہ اتنی توقیر اور اس کی بیوی روسی ماں سے ڈیوک اڈن برو کی بیٹی تھی لہٰذا اپنی قوم کی طرف میلان رکھتی تھی۔ جنوری ۱۹۱۵ء میں انگریزوں سے پچاس لاکھ کے قرض کا بندوبست کیا گیا تاہم ملک کی حکمت عملی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ رومانیہ کو ڈر تھا کہ ٹرین سل وانیہ پر فوج کشی کی تو ایک طرف سے ترکی و بلغاریہ ٹوٹ پڑیں گی بایں ہمہ زرنن نے غیر جانبداری کا وعدہ لینا چاہا، تو نئے بادشاہ نے

[1] ملاحظہ ہو "ووک پرمانٹ سکریت" ۱۰۶؟

انکار کر دیا۔ ۶ فروری ۱۹۱۵ء کے دن اطالیہ سے جو عہد ہوا تھا، اس کی چار مہینے کے لئے تجدید ہوئی۔ اور مارچ میں شاہ رومانیہ نے زرنن سے صیغۂ راز میں کہہ دیا کہ اگر اطالیہ جنگ میں داخل ہوئی تو رومانیہ یقیناً اس کی پیروی کرے گی۔ جب آسٹریہ بالآخر اطالیہ کو کچھ علاقہ دینے پر رضامند ہوئی تو رومانیہ نے بھی اپنی غیر جانبداری کی قیمت بڑھا کر نہ صرف بکووینہ بلکہ ٹرین سل وانیہ کا بھی مطالبہ کیا۔ ہیوریان اور ٹسزا اس وقت بہت نیچے ہوئے تھے بایں ہمہ انھوں نے چپہ بھر بھی زمین حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

برے ٹیانو کی احتیاط

اتحادیوں کو اوّل سے امید تھی کہ اطالیہ و رومانیہ ایک ساتھ میدان میں آئیں گی اور جب بتاریخ ۲۶ مئی ۱۹۱۵ء اطالیہ نے اتحاد ثلاثہ کو چاک کر دیا تو برے ٹیانو نے اپنے معاوضے کی صراحت کی جس میں ٹرین سل وانیہ اور مغرب میں دریائے تھیس تک بنات، شمال میں کارپیتھین اور پھر تر تک کا علاقہ (بکووینہ کے) شامل تھا۔ روسی سفیر نے اعتراض کیا کہ اس سے دوسری قومیتوں کے حقوق میں دست اندازی ہوگی، تو وزیر اعظم جنوبی کارپیتھین چھوڑنے پر رضامند ہوگیا۔ پھر بھی سازونوف کی نظر میں جیسے بنات میں سرویہ کے دعاوی کا خیال لگا ہوا تھا، بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ اطالیہ جنگ میں بلا اپنے رفیق کے شریک ہوئی۔ ادھر روس کی کمر شکن ہزیمت اور پھر سرویہ کے استیصال سے میدان میں اُترنا بہت جوکھوں کا کام ہوگیا گو روس آمادہ بھی ہو جائے کہ اس کے مفرط دعاوی کو قبول کرلے۔ غرض رومانیہ جنگی ہوئی بلکہ وسطی سلطنتوں سے اس قسم کے تجارتی معاہدے کرنے لگی جن میں اس کو بہت نفع تھا اور آیندہ ایک سال تک لڑائی کا کوئی ذکر فکر سننے میں نہ آیا۔

۱۹۱۶ء میں بروسی لوف کی پیشقدمی سے بخارست کے ارباب لبست وکشاد پھر جھکولا کھا کے ائتلاف کے رخ پر آ گئے۔ جون کے اخیر میں زرنن نے اطلاع دی کہ دول ائتلاف سے پورے زور شور کے ساتھ نامہ وپیام ہو رہے ہیں اور پیشین گوئی کر دی کہ کھیتیاں کٹنے کے بعد رومانیہ وار کرے گی۔ برلن سے حسب معمول

مشورہ دیا گیا اور کونرا ڈ نے بھی بہت تشویش کے ساتھ خبردار کیا۔ مگران سب کے باوجود بیوریان نے غیر جانبداری کے معاوضے میں کچھ دینے سے پھر انکار کیا۔ دوسری طرف جس طرح جرمانیہ آسٹریہ پر زور دیتی تھی، فرانس نے بھی روس پر دباؤ ڈالا۔ لیکن وہاں ساز ونوف کی جگہ ایک گمنام سارجعت پسند عہدہ دار اسٹورمر وزیر خارجہ ہو اتھا، اس نے روسی سفیروں کو تار دیا کہ رومانیہ کی شرطیں ناقابل قبول ہیں خصوصاً یہ شرط کہ اتحادی اس وقت تک جنگ جاری رکھیں جب تک کہ رومانیہ کے تمام مطالبے پورے نہ ہو جائیں (۱۹ر جولائی) پھر اس نے صلاح دی کہ برے ٹیانو سے صاف کہہ دیا جائے کہ بنات کے سروی باشندوں کے متعلق اسے اطمینان دلانا ہوگا کہ وہ رومانی رنگ میں نہیں رنگے جائیں گے۔ مگر چند ہی روز میں پیرس کے روسی سفیر نے خبر دی کہ سوم کے حملوں کا نتیجہ حسب مراد نہیں نکلا اور اتنے شدید نقصانات اٹھانے کے باعث فرانس ضروری سمجھتا ہے کہ رومانیہ کو جلد سے جلد میدان میں لایا جائے (۲ر اگست) چنانچہ روس بنات میں جو ضمانتیں چاہتا تھا، ان سے دست بردار ہو گیا۔ (۸ر اگست) اور اسی روز رومانیہ اور اتحادیوں کے درمیان قرار داد ہو گئی جس کی رو سے بنات، ٹرن سل وانیہ، تھیس تک میدانی اقطاع اور پرتھ تک بکووینہ کا علاقہ رومانیہ کو دینا طے ہوا۔ اس وقت بھی اسٹورمر نے ایک یادداشت زار کی خدمت میں بھیجی اور کبیدہ خاطری کے انداز میں کوشش کی کہ رومانیہ کو مساوی رتبے کا ملک نہ سمجھا جائے اور اتحادی اس کے سارے دعاوی پورے ہونے تک لڑے جانے کے پابند نہ ہوں پر یہ سن کر برے ٹیانو نے عہدے سے الگ ہو جانے کی دھمکی دی اور آخر ۱۲ر اگست کو زار مان گیا۔ عہدنامے پر روس، برطانیہ، فرانس اور اطالیہ کے بتاریخ ۱۸ر اگست دستخط ہو گئے اور اسی تاریخ روس و رومانیہ کا جنگی مفاہمہ مکمل ہوا۔ ۲۸ر اگست کے دن رومانیہ نے آسٹریہ کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تو اس کے جواب میں جرمانیہ، ترکی اور بلغاریہ نے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔؎

قرار یہ پایا تھا کہ ۲۰ر اگست سے اتحادی سلانیک سے پیشقدمی کریں گے۔

لیکن سیریل کے نقشوں کی غمازی ہو گئی اور وہ ۷ ر ستمبر تک آگے نہ بڑھ سکا۔ شمال سے روسیوں کی مدد آنے کی امید تھی وہ بھی نہ آئی۔ رومانیہ کی فوجیں بہت

رومانیہ کی پامالی

مستعدی سے کارپے تھین اتر کے ارض موعود میں تو پہنچ گئیں لیکن ٹرین سل وانیہ میں ان کی اقامت چند روزہ ثابت ہوئی[1]۔ وردون، سوم اور گلیشیہ کی ضرورتوں کے باوجود فاکن ہین نے جو دوبارہ جرمن افواج کا سر عسکر مقرر ہوا تھا، آسٹریہ اور جرمانیہ کی ایک طاقتور سپاہ فراہم کر لی جسے بعد میں ترکوں کی کمک بھی مل گئی، اور اس فوج سے حملہ آوروں کو مار کے دھکیل دیا اور مارتا کاٹتا بخارست کی طرف بڑھتے چلا گیا۔ اس عرصے میں سیریل کی مخلوط فوج کے سروی حصّے نے بڑھ کر مناستر لے لیا تھا مگر آگے شمال میں پیشقدمی نہ کر سکی۔ ادھر ۱۹۱۳ء میں رومانیہ کے عقب سے وار کرنے کا بلغاری سپاہ نے بدلہ لیا اور ڈبرّوجہ پر قبضہ کر کے ڈین یوب کو عبور کیا اور اس کی ہزیمت میں جو کسر باقی تھی وہ پوری کر دی۔ اس طرح دونوں طرف سے گھیر کر رومانیہ کا بھی بہت جلد کام تمام کر دیا گیا جس طرح ۱۹۱۵ء میں سرویہ کا ہوا تھا۔ رومانی حکومت مولداویہ کے صدر مقام جاسی میں منتقل کی گئی اور ۵ ر دسمبر کے دن فتحمند بخارست پر قابض ہو گئے۔

اب سارا جزیرہ نمائے بلقان وسطی سلطنتوں کے پنجے میں تھا کیونکہ یونان کے طبقۂ حکّام کا میلانِ خاطر بھی کچھ پوشیدہ نہ تھا۔ مئی میں وادیٔ سٹروما کی کلید یعنی قلعۂ روپل بلا کسی مزاحمت کے بلغاری سپاہ کے حوالے کر دیا گیا تھا جس نے بڑھ کر سیریس اور قوالا پر بھی تصرّف حاصل کر لیا۔ اور ان چھاؤنیوں کے یونانی سپاہی جرمانیہ میں نظربند کر دئے گئے۔ اتحادیوں نے بلا جنگ ناکہ بندی کر کے بدلہ لیا اور وینی زیلوس اپنی بے صبری کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ چنانچہ ۳۰ ر اگست کو یعنی رومانیہ کے میدان میں آنے کے تیسرے دن اہل سلانیک نے شاہِ یونان سے سرتابی کی اور اسی کی تقلید میں کریت، مدللی (متی لین)، خیوس وغیرہ دوسرے جزیروں نے اس کی حکومت سے آزاد ہو جانے کا اعلان کیا۔ وینی زیلوس ایتھنز سے سلانیک آگیا اور اتحادی توپوں کے سائے میں ایک ہنگامی حکومت

[1] جو دارا۔ (La Guerre Roumaine)

قائم کی جسے کچھ تاخیر کے بعد اتحادیوں نے حکومت جائز مان لیا اور وینی زیلوس نے بلغاریہ سے کے خلاف اعلان جنگ کی کارروائی شروع کی۔ ان باغیوں کے گروہ میں ہزاروں مطوّعین آملے پھر بھی اندرون ملک کونس ٹن ٹائن اور غیر جانبداری کا حامی رہا اور خود بادشاہ اتحادیوں کے زور سے دب جانے پر کسی طرح رضامند نہ ہوا۔ پی رئیس کی جانب سے جو دیائے تخت پر فوج بڑھائی گئی تھی لیکن کشت وخون کے بعد یہ پسپائی ہوئی۔ زار روس خاندانی

کونس ٹن ٹائن کی معزولی

مصالح کی بنا پر بادشاہ کی معزولی کے خلاف تھا اور اطالیہ بھی ڈرتی تھی کہ وینی زیلوس یونان کو اتنی بڑی مملکت نہ بنا دے کہ آیندہ وہ اطالیہ کی حریف ہو جائے۔ لہذا وہ بھی ایتھنز پر زبردستی کرنے میں مانع تھی۔ اسی لئے عرصے تک کچھ نہ ہو سکا تا آنکہ ۱۹۱۷ء کے موسم گرما میں برطانیہ و فرانس نے یونانی فساد کی جڑ اکھاڑ لی اور بادشاہ کو معزول کرکے اس شخص کو پائے تخت میں دوبارہ لے آئے جو مشرق قریب میں اتحادی مقاصد کا سب سے طرار اور مستقل مزاج وکیل تھا۔[1]



[1] رکوئی: "ایم ژونارائی گریسیہ"۔

باب بست و ہم

عالمگیر جنگ : دوسری منزل

مہلک ضرب

رومانیہ کی سراسیمہ کُن ہزیمت اُس کے اتحادیوں کے لئے بڑی مایوسی کا موجب تو تھی لیکن اس سے ان کے سیاسی اقوال و اقرار میں کوئی بیرونی تغیر نہ ہوا۔ ایک ملاقات کے دوران میں مسٹر لائڈ جورج نے بیان کیا کہ ایک "مہلک ضرب" لگائے بغیر جنگ ختم نہ ہوگی اور دارالعوام میں ٹوکا گیا تو اُس نے جواب دیا کہ یہ جملہ صرف میری ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ مجلس وزرا اس کے جنگی مشیر اور اتحاد کے تمام شرکا کی رائے کا آئینہ ہے تو بتاریخ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۶ء مسٹر ایسکوئتھ نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ "یہ خونریز کشمکش محض کسی کمزور سی مصالحت یا لیپ چوپ کر دینے سے ختم نہ ہوگی" اتحادیوں کے مقاصد خود غرضی یا انتقامی جذبے پر مبنی نہیں ہیں لیکن وہ گذشتہ کی کامل تلافی اور آئندہ کی تشفی بخش ضمانت کے خواستگار ہیں" انھی دنوں سر ایڈورڈ گرے نے انجمن اخبارات ممالک خارجہ کے روبرو جو تقریر کی (۲۳ر اکتوبر) اس میں بھی اسی عزم مصمّم کی گونج تھی۔ اس نے کہا "جنگ سے قبل بھی سالہا سال سے ہمیں

پروشیہ کی ترقی پذیر جنگ آشامی کا اندیشہ رہا، جو تمام جرمانیہ پر پھیل گئی اور پھر پورے برِ اعظم پر چھائی جاتی تھی۔ اسی لئے ضروری ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ صرف ایسی صلح پر ہو جو اس کا یقین دلائے کہ آیندہ یورپ کی قومیں اس مہیب دشمنِ امن و انتظام کے خوف سے آزاد رہ کے جئیں گی۔ ایک غیر جانبدار صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ غیر جانبداروں کو کیا کرنا چاہئے۔ میرے نزدیک بہترین صورت یہی ہے کہ ہر جگہ یہ رائے پیدا کی جائے کہ قوموں کے مابین اس قسم کا قول و قرار ہو جائے جو دوبارہ ایسی جنگ کی نوبت نہ آنے دے اگر ایسے عہد و پیمان پر سب متحد ہوتے اور جولائی ۱۹۱۴ء میں بلا تاخیر عزمِ مصمم کے ساتھ اصرار کرتے کہ وہ تنازعہ کسی مجلس مشاورۃ یا ہیگ میں پیش کرنا پڑے گا اور بلجیم کے عہدنامے کی پابندی لازم ہو گی، تو آج ہرگز جنگ کی نوبت نہ آتی"

وزیرِ خارجہ کا یہ اشارہ کہ اقوامِ یورپ مل کر کام کریں، جرمن صدرِ اعظم کے دل میں اُتر گیا جس کی آنکھیں جنگی فتوحات سے کبھی خیرہ نہیں ہوئی تھیں اور جو اتحادِ جرمانیہ کے حامیوں اور بڑے کارخانہ داروں کی بیہودہ حرص و آز کو ناپسند کرتا تھا۔ ۱۹۱۵ء کے اوائل ہی سے وہ گفتگوئے صلح کے امکانات کی ٹٹول کر رہا تھا اور ۱۹۱۶ء کی گرمیوں میں قطعی طے کر چکا تھا کہ اس کے متعلق کارروائی کی جائے۔ اس نے پہلا کام تو یہ کیا کہ قیصر سے متخاصمین کے نام دعوت بھیجنے کی منظوری لے لی۔ چنانچہ ۳۱ اکتوبر کے مطبوعہ خط میں اس

قیصر کا فیصلہ

فرمانروا نے صاف لکھ دیا کہ دولِ ائتلاف کے پاس ایسے مدبّروں کا قحط ہے جو صلح کی تحریک کرنے کی اخلاقی جرأت رکھتے ہوں۔ نظر برایں وہ جو ایک صاحبِ ضمیر آدمی ہے خود سبقت کرتا ہے۔ آسٹریہ کی رضامندی پہلے سے حاصل کر لی گئی تھی کیونکہ فرانسس جوزف صلح کی ہر تحریک کو

لـہ ہل فیریخ، بیٹ مین ہولویگ وغیرہ۔ ہیلیو لوگ کے روزنامچے میں ان سلسلہ جنبانیوں کا حال درج ہے جو وی آنا، برلن اور ڈارمس ٹیڈ سے وقتاً فوقتاً کی گئیں۔ اور وی آنا کے محافظ خانے میں بھی روس کی طرف سے پرسش پنہاں کی شہادتیں ملتی ہیں۔

جو کسی حد تک سرکاری ذرائع سے کی گئی، قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا اگرچہ ہمیشہ اس شرط کے ساتھ کہ ان تحریکات پر جرمانیہ کی کامل رضامندی سے گفتگو ہونی چاہیئے۔ تیوریاں تو یہاں تک جاتا تھا کہ نہ صرف گفتگو ہو، بلکہ اپنی شرائط صلح چھاپ دی جائیں۔ اور بیٹ مین ہولویگ کو بھی بہ اصرار یہ اصلاح دے چکا تھا اور وہ شرطیں جو آسٹریہ کی طرف سے وہ شائع کرنے کا خواہاں تھا یہ تھیں سلطنت آسٹریہ کی صیانت و سلامتی۔ روس و اطالیہ کی سرحدوں کی جانب خفیف سی ترمیم۔ سرویہ ایک چھوٹا سا قطعہ آسٹریہ کے حوالے کرے لیکن کلاں تر اقطاع بلغاریہ و البانیہ کو دے اور آسٹریہ کے ساتھ تجارتی اتحاد میں شامل ہو جائے۔ اور البانیہ کی خود مختار ریاست آسٹریہ کے زیر سیادت قائم ہو۔ جرمن حکومت نے شرائط صلح چھاپنے کی تجویز رد کر دی اور آخر میں یہ طے ہوا کہ آسٹریہ و جرمانیہ کی فوجوں کے بخارست میں داخلے کے بعد ہی چاروں حلیف دول ائتلاف کو امکانات صلح کی گفتگو میں شرکت کرنے کی دعوت دیں گے۔

رومانی پائے تخت کی تسخیر کے چھٹے دن بیٹ مین ہولویگ نے فرانس، برطانیہ، روس، جاپان، رومانیہ اور سرویہ کی حکومتوں کو ایک مختصر مراسلہ بھیجا[۱] (۱۲ر دسمبر) اس میں تحریر تھا کہ حالیہ واقعات سے بخوبی ثابت ہو چکا ہے کہ وسطی سلطنتوں کی جنگی قوت ناقابل شکست ہے لیکن وہ اپنے دشمنوں کی تباہی یا استیصال کے درپے نہیں ہیں اور باہم گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔" انھیں کامل یقین ہے دعوت گفت و شنید | کہ جو تجاویز وہ پیش کریں گی وہ ایک پائدار صلح کی بنیاد کا بخوبی کام دیں گی۔ اس پیام صلح و آشتی کے باوجود اگر جنگ جاری رہی تو چاروں حلیف طاقتیں مصمم ارادہ رکھتی ہیں کہ آخر تک لڑیں گی بحالیکہ نوع انسان اور تاریخ کی عدالت میں ان کا دامن اس خونریزی کی ذمہ داری سے بالکل پاک ہوگا" اس سلسلہ جنبانی کی اطلاع کے لیئے ایک شاہی فرمان فوج کے نام جاری کیا گیا جس کا مسودہ لوڈن ڈورف نے ایسے الفاظ میں مرتب کیا تھا کہ جن لوگوں سے صلح کے نامہ و پیام کی امید تھی، انھیں وہ مشکل سے آشتی پر آمادہ کر سکتا تھا۔

[۱] ملاحظہ ہو" ڈاکیومینٹس ریلٹنگ ٹو پیس پروپوزلز اینڈ وار ایمز" مدونۂ جی لوانیز ڈکنسن۔

"سپا ہیو! فتح کے احساس کے ساتھ جو تم نے حاصل کی ہے، دول حلیفہ کے حکام گفتگوئے صلح کی دعوت دے رہے ہیں۔ دیکھنا ہے کہ آیا یہ مدعا حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ اس اثنا میں تمھارا فرض یہ ہے کہ خدا کے بھروسے پر دشمن کے مقابلے میں جمے رہو اور اسے شکست دو"[۱]؛

جرمن صدر اعظم کو خیال تھا کہ سوائے فرانس کے اور کسی کو مخالفت پر اصرار نہ ہوگا۔ مگر اسے بہت جلد اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ دوسرے دن برٹیان نے تو اس مراسلے کو اتحادیوں میں پھوٹ ڈالنے کی چال قرار دے کے رد کیا۔ روس کے وزیر خارجہ نے "غصے کے ساتھ" اسے مسترد کیا اور سونینو نے اہل اطالیہ سے تاکید کی کہ اس دھوکے کے معاملے میں کوئی ایسا طرز نہ اختیار کریں جو انھیں اتحادیوں سے علیحدہ کر دے؛ برطانیہ نے دسمبر کے پہلے ہفتے میں لائڈ جورج مسٹر آیسکوئتھ کو شکست دے کے اس کی جگہ خود وزیر اعظم ہوا تھا اور ایک جنگی وزارت قائم کی تھی جس کی مدد کے لئے ایک علیحدہ معتمدی کا دفتر بھی بنایا گیا تھا کہ خاص جنگ کے ضروری اور فوری معاملات کو انجام دے اور وضع قوانین اور نظم و نسق کے عام ضوابط و رسوم اس کے کاموں میں حارج نہ ہوں[۲]۔ جرمن مراسلے کا جواب اسی نئے وزیر اعظم نے یہ دیا کہ "جب کہ جرمانیہ فتح و ظفر کا بیانگ دہل دعویٰ کر رہی ہے اور ان تجاویز کی بھی ہمیں اطلاع نہیں جنھیں وہ پیش کرنے والی ہے، تو پھر اس کی دعوت مشاورت کو قبول کرنا ایسا ہے جیسا کہ پھانسی کے پھندے میں اپنی گردن خود ڈال دینا۔ ایسی کسی دعوت پر غور کرنے سے پہلے ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آیا وہ کامل بحالی، پوری تلافی اور کارگر ضمانت، قبول کرنے پر بھی آمادہ ہے کیونکہ صرف یہی شرطیں ہیں جن پر صلح کا حصول و قیام ممکن ہے؛ جرمن صدر اعظم کی تقریر میں یہ امید کہاں نکلتی ہے کہ اگر اس وقت ہم بری بھلی صلح بھی کرلیں تو آیندہ پروشیہ کی جنگجو برادری کا متکبرانہ مذاق

---

[۱] لوڈان ڈورف: "دی جنرل اسٹاف" جلد اول باب ۶؛

[۲] مسٹر لائڈ جورج کی زمانۂ جنگ کی سرگرمیوں کو مختلف نقطہ ہائے نظر سے بیان کیا گیا ہے۔ جیسے روک: "مسٹر لائڈ جورج اینڈ دی وار" اسپینڈر: "دی پرائم منسٹر" وغیرہ؛

اسی طرح چھپایا نہیں رہے گا جس طرح پہلے مستولی تھا؛ خود یہی تقریر جس میں امن و صلح کی یہ تحریکیں ہیں، ہنڈن برگ اور اس کے جیوش کی فتوحات کی طویل قصیدہ خوانی پر مشتمل ہے؛

اتحادیوں کا جواب

ان انفرادی جوابوں کے بعد روس، فرانس، برطانیہ، جاپان، اطالیہ، سرویہ، بلجیم جبل اسود، پرتگال اور رومانیہ کی حلیف حکومتوں کی طرف سے ایک متفقہ جواب بھی ارسال کیا گیا (۳۰ دسمبر) اس میں تحریر تھا کہ "شرائط صلح کی صراحت کے بغیر محض گفتگو آغاز کرنے کی تحریک صلح پر آمادگی کی دلیل نہیں ہے۔ ایسی بے سروپا اوپری تجویز جس کے اندر کوئی حقیقت نہیں، دعوت صلح کی بجائے، جنگ کی ایک چال ہونے کا زیادہ قرینہ رکھتی ہے۔ یہ تجویز یورپ کے موجودہ نقشۂ جنگ پر مبنی ہے، حالانکہ یہ نقشہ محض ایک عارضی اور سطحی حالت پیش کرتا ہے اور جنگ کرنے والوں کی اصلی قوت کا آئینہ نہیں ہے۔ ان شرطوں پر صلح ہونے سے وہی فریق فائدے میں رہے گا جس نے زیادتی کی ہے۔ جرمانیہ کے اعلان جنگ سے جو شدید نقصانات ہوئے اور جرمانیہ اور اس کے اتحادیوں نے جو بے حساب مظالم کئے، وہ تاوان، تلافی اور ضمانتیں چاہتے ہیں لیکن جرمانیہ ان کے تذکرے سے اعراض کرتی ہے۔ اس کی ان سلسلہ جنبانیوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ اتحادی ممالک میں باہم نفاق و اختلاف پیدا ہو، جرمانیہ کی رائے عامہ کا گلا گھٹ جائے اور غیر جانبدار دھوکے میں آ جائیں پس اتحادی حکومتیں ایسی خالی اور فریب آمیز تجویز پر غور کرنے سے انکار کرتی ہے اور ایک مرتبہ پھر اعلان کرتی ہیں کہ جب تک وہ حق تلفیوں کی تلافی، قومیت کے اصول اور چھوٹے ملکوں کے آزادانہ زندگی گزارنے کا اعتراف اور اس قسم کا تصفیہ نہ کرا لیں گی جو بقرینۂ ظاہر ان قوتوں کا خاتمہ کر دے جن سے اقوام یورپ کو برابر خطرہ رہتا ہے، اُس وقت تک کوئی صلح نہیں ہو سکتی"۔

یہ تلخ جواب ملا تو قیصر نے ایک غضب آلود اطلاعنامہ بری و بحری فوج کے نام شائع کیا جسے لوڈن ڈورف نے تحریر کیا تھا: "ہمارے دشمنوں نے ہماری صلاح نہیں مانی۔ وہ جرمانیہ کو تباہ کرنے کے متمنی ہیں۔ پروردگار عالم اور انسانیت کے حضور میں، اب اُن مزید خوفناک قربانیوں کی جن سے میں تم کو بچانا چاہتا تھا، بھاری ذمہ داری لازماً غنیم کی حکومتوں کے سر ہوگی۔ دشمنوں کی اس ناقابل قیاس بیہودگی پر تمہیں لامحالہ طیش آئے گا۔

یہ طیش اور اپنی سب سے مقدس املاک کی حفاظت کا عزم راسخ تمہارے دلوں کو فولاد کی مثل سخت کر دے گا۔ باہمی مفاہمت کا وہ ہاتھ جو میں نے بڑھایا تھا' اسے دشمنوں نے خوشی سے قبول نہیں کیا۔ اب خدا کا فضل شامل حال ہے تو ہماری قوت بازو انھیں قبول کرنے پر مجبور کرے گی۔"

ولسن کا بیچ میں پڑنا

جرمن تحریک کے چند روز بعد ہی واشنگٹن کی خوشگوار تر فضا سے صلح کی صدائے استدعا بلند ہوئی۔ ۱۸ دسمبر کو رئیس جمہوریہ نے لڑنے والوں سے درخواست کی کہ وہ اپنی اپنی شرطیں جن پر صلح ممکن ہو' بیان کر دیں۔ اس نے صراحت کی تھی کہ یہ خیال مدت سے میرے دل میں تھا اور جرمنوں کی مذکورۂ بالا تحریک سے اُسے کوئی تعلق نہیں ہے۔ "اب تک سب لڑنے والے اپنا مقصد جنگ وہی بتاتے تھے جو دوسرے فریق کا تھا۔ باضابطہ طور پر کسی قوم کے سرگروہ نے صاف صاف نہیں بیان کیا تھا کہ وہ اصلی مقاصد کونسے ہیں' جن کے حصول سے ان کی اور اُن کے ملک والوں کی تشفی ہو جائے گی۔ چنانچہ مراسلے میں تحریر تھا کہ "ممکن ہے کہ صلح کو ہم جس قدر دُور جانتے ہیں' وہ اتنی بعید نہ ہو۔ اس کی شرطیں ایک دوسرے کے لئے اتنی ناقابل قبول نہ ہوں جس قدر کہ بعض لوگوں کو اندیشہ ہے اور مبادلۂ خیالات سے باہمی مشاورت کا راستہ صاف ہو جائے۔ رئیس جمہوریہ صلح یا ثالثی کی تجویز نہیں کرتا بلکہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ایک دوسرے کا عندیہ معلوم کیا جائے" جرمانیہ اُس وقت اپنی تحریک کے نتیجے کی منتظر تھی اُس نے جواب دیا کہ صلح کی بہترین راہ معلوم ہوتی ہے کہ متخاصمین کے وکلا کسی غیر جانبدار ملک میں جمع ہو کر بحث و گفتگو کریں۔" آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جرمانیہ اس جنگ کے ختم ہونے پر خوشی سے ولایات متحدہ کے ساتھ مل کر کوشش کرے گی کہ آیندہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔" برلن نے تو شرائط صلح بیان کرنے کی استدعا کو اس طرح اخلاق سے جواب دے کے ٹال دیا لیکن اتحادیوں نے بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۱۷ء نہایت مفصل جواب ارسال کیا۔ واضح رہے کہ میثاق لندن مرتبۂ ۴ ستمبر ۱۹۱۴ء نے برطانیہ روس اور فرانس کو پابند بنا دیا تھا کہ باہمی رضامندی کے بغیر بطور خود صلح کی کوئی شرط پیش نہ کریں۔ آگے چل کر جاپان و اطالیہ بھی اس میثاق میں شریک ہو گئے۔ تاہم اتحادیوں نے خود کوئی نظام العمل تیار نہیں کیا تھا۔

اتحادیوں کے مقاصد جنگ

۹ نومبر ۱۹۱۴ء کے دن گلڈ ہال میں مسٹر آسکوئتھ نے صرف اجمالی طور پر برطانیہ کے مقاصد بیان کئے تھے کہ "ہم نے تلوار سوچ بچار کے بغیر میان سے نہیں نکالی ہے

اور اسے ہم اُس وقت تک میان میں نہ ڈالیں گے جب تک کہ بلجیم (اور اسی کے ساتھ میں کہتا ہوں کہ سرویا) تمام وکمال وہ سب کچھ بلکہ اس سے بھی زیادہ نہ پا لے جو اس کو قربان کرنا پڑا۔ جب تک کہ فرانس دراز دستی کے خوف سے بالکل محفوظ نہ ہو جائے اور جب تک کہ پروشیہ کا جنگی تسلط قطعاً وقاطبتہً درہم برہم نہ کر دیا جائے“ فرانسیسی وزیر اعظم وی ویانی نے اس اعلان کی تصدیق وتائید کی (۲۲ دسمبر ۱۹۱۴ء) اور اس میں اتنا اور اضافہ کیا کہ فرانس صرف اس وقت کمر کھولے گا جب کہ آلساس ولورین اسے دوبارہ مل جائیں[1]۔ لیکن شرائط صلح کے میدان کی وسعت بتدریج بڑھ رہی تھی اور سخت ضرورت تھی کہ مختلف اتحادی ممالک واقوام صحت ووضاحت کے ساتھ ان مقاصد سے آگاہ کر دئے جائیں جن کی خاطر وہ اپنا خون بہا رہے تھے۔ اعلان کیا گیا کہ اتحادی ”حزب الاقوام“ کی تجویز سے دلی اتفاق رکھتے ہیں لیکن اس تجویز پر غور کرنا موجودہ جنگ وجدل کے قابل اطمینان طور سے طے ہو جانے پر منحصر ہے۔ بحالی، تلافی اور ضمانتوں کو صلح کی شرطیں قرار دینا تو اب ناممکن ہے۔ فی الحال تو جرمانیہ اور آسٹریہ کی ظالمانہ نیت یہ ہے کہ تمام یورپ پر تسلط اور دُنیا بھر میں اپنا تجارتی غلبہ قائم کر دیں۔ جنگ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اُن کا طرزِ عمل تہذیب وانسانیت کے خلاف طغیان وتمرد کی شان اختیار کرتا گیا۔ ہمارے اور اُن کے فریق کے درمیان جو وحدتِ مقاصد بیان کی گئی ہے، ہر نقطۂ نظر سے ظاہر ہے۔ امریکی استدعا کا جواب دینا اتحادیوں کو

مشترکہ جواب

ذرا بھی دشوار نہیں ہے۔ متمدن دُنیا کو علم ہے کہ ہماری شرطوں میں سب سے اوّل بلجیم، سرویہ اور جبل اسود کی بحالی اور ان کے نقصان کا واجبی معاوضہ داخل ہے۔ بعدہٗ فرانس، روس اور رومانیہ کے تاخت کردہ اقطاع کا تخلیہ اور مناسب تلافیٔ نقصان۔ یورپ کی از سرِ نو تنظیم کہ ایک پائدار عہدِ حکومت اس کا ضامن ہو اور وہ بیک وقت قومیت کے احترام، تجارتی ترقی کے کامل اطمینان وآزادی اور ایسے ملکی عہد وپیمان اور بین الاقوامی تصفیوں پر مبنی ہو کہ پھر کسی کے برّی یا بحری سرحدوں پر خواہ مخواہ حملہ کرنے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ وہ صوبے واپس دئے جائیں جو پہلے کسی وقت اتحادیوں سے زبردستی یا باشندوں کی مرضی کے خلاف چھینے گئے ہیں۔ اطالوی نیز اسلافی، رومانی اور زیکوسلواکی گروہوں کو اجانب کے تسلط سے رہائی دی جائے۔ ترکوں کے پنجۂ خونی سے ان کی رعایا کو رستگاری ملے۔ دولتِ عثمانیہ کو یورپ سے نکال باہر کیا جائے کہ وہ

[1] آلساس لورین کے مسئلے پر سب سے بے لاگ تحقیقات کول مین فیلپس کی ہے: ”آلساس لورین۔ پاسٹ، پریزنٹ اینڈ فیوچر“

مسلمہ طور پر مغربی تہذیب سے مناسبت نہیں رکھتی ؟ پولینڈ کے متعلق زار اپنے ارادوں کا اس اعلانامے میں اظہار کر چکا ہے جو فوجوں کے نام جاری کیا تھا ؟ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ گو اتحادی یورپ کو پروشوی خونخواری کے دندانِ حرص و آز سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں لیکن جرمنی قوم کا استیصال اور سیاسی تباہی کبھی ان کے منصوبے کا جزو نہیں رہا ہے"

اس تحریر میں ترکی کے اخراج و تقسیم کا ذکر تو صریحی تھا مگر آسٹریہ کے متعلق جو اشارہ آیا اسے عمداً مبہم رکھا تھا۔ اطالویوں کی اجنبی تسلط سے رہائی کا مطلب بے شبہ یہی تھا کہ وہ علاقہ اطالیہ کے حوالے کر دیا جائے لیکن "سلافی، رومانی اور زیکوسلوواکی قوموں کی آزادی کے یہ معنی بھی لئے جا سکتے تھے کہ انہیں صرف مقامی آزادی حاصل ہو جائے۔[۱] حالانکہ نہ صرف پروفیسر ساریک اور ڈاکٹر بینیچ نے جو ان قوموں کے وکیل و سرگروہ تھے اس نقطہ کے سب سے صاف و صریحی معنی لئے بلکہ وسطی سلطنتوں نے بھی یہی سمجھا اور اپنے تکلیف زدہ ہموطنوں کو یہی سمجھایا کہ دول اتلاف ملک گیری و استیصال پر تلی ہوئی ہیں ؟ وزارتِ ایسکوئتھ کی برطرفی کے بعد برطانیہ میں سر ایڈورڈ گرے کی جگہ مسٹر بلیفر وزیر خارجہ مقرر ہوا تھا۔ اُس نے اپنے سفیر واشنگٹن کے نام ایک مراسلے میں انگلستان کے اصول عمل کو مکرر بیان کیا اور ترکی کی تقسیم کو حق بجانب ثابت کر کے لکھا کہ صرف فتح پر پائدار صلح کی بنا قائم ہو سکتی ہے ؟ غرض ولسن نے اتحادیوں کے مقاصد جنگ کی صراحت تو کرا لی لیکن اس کامیابی سے صلح کچھ قریب تر نہیں آ گئی۔ بتاریخ ۱۱ جنوری جرمانیہ و آسٹریہ نے غیر جانبداروں کے پاس الگ الگ مراسلے بھیجے جن میں کشت و خون جاری رہنے کی ساری ذمہ داری اتحادیوں کے سر ڈالی تھی ؟

امریکہ اور جرمانیہ

قبل اس کے کہ قلم کی جگہ تلوار لے، رئیسِ جمہوریۂ امریکہ نے جنگ روکنے کی ایک آخری کوشش اور کی۔ جب معتمد لانسنگ نے حیرت ظاہر کی کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جرمانیہ اپنی شرطیں بتانے سے کیوں ابا کرتی ہے" تو برنسٹورف نے جواب دیا کہ وہ اس قدر ہلکی ہیں کہ کمزوری کی دلیل نظر آئیں گی۔ لانسنگ نے کہا "تم زیادہ کا مطالبہ کر سکتے ہو۔ واقع میں تمہیں اختیار ہے جو کچھ چاہو طلب کرو کہ وہاں سے گفتگو شروع کی جا سکے" انیسویں دسمبر کے دن کرنل ہاؤس نے سفیر کو اطلاع دی کہ ولسن کے نزدیک پہلے سے نامہ و پیام کے بغیر مجلس مشاورت ہونے کا کوئی قرینہ نہیں ہے مناسب ہوگا کہ صیغۂ راز ہی میں

[۱] لارڈ رابرٹ سیل نے بیان بھی کیا کہ آزادی کی خاص صورت کے بارے میں ہم کسی عہد کے پابند نہیں ہو سکتے (۲۴ اگست ۱۹۱۷ء)۔

اس معاملے پر بحث کر لی جائے۔ برنس ٹورف نے بذریعۂ تار ہدایات طلب کیں اور یہ بھی سنا دیا کہ ولسن آیندہ جنگ کی انسدادی تدابیر پر بہ نسبت ملکی ردّ و بدل کے زیادہ مُصِر ہے۔ انھی دنوں سفیر امریکہ رخصت گزار کر برلن واپس آیا اور اُس نے وہاں کے ایوانِ تجارت میں حسبِ ہدایت جو تقریر کی (٦ر جنوری) اس کے تپاک و گرمجوشی نے دُنیا کو متعجب کر دیا۔ سفیر مسٹر جیرارڈ نے اعلان کیا کہ ہمارے تعلقات ایسے اچھے ہیں کہ پہلے کبھی نہ ہوں گے اور جب تک بیٹ مین ہولویگ، ہلفریخ، زمرمین اور ہنڈن برگ ولوڈن ڈورف جیسے لوگ برسرِ اقتدار رہیں گے، ان تعلقات کا ایسا ہی رہنا یقینی ہے۔[1]

یہ شکر آمیز فقرے حقیقت میں بہت پرانے ہو چکے تھے اور ان پر کوئی لبیک کہنے والا نہ تھا۔ اگلے ہی دن زمرمین نے جو یاگو کی جگہ وزیرِ خارجہ مقرر ہوا تھا، برنس ٹورف کو لکھا کہ جرمانیہ آیندہ جنگ روکنے کی تدابیر پر تو خوشی سے غور و بحث کرے گی لیکن امریکہ کی ثالثی مناسب نہیں ہے، کیونکہ دشمن کو یہ خیال کرنے کا موقع نہ ملنا چاہیے کہ ہماری صلح پر آمادگی ڈر کی وجہ سے تھی۔ "ہمیں کامل یقین ہے کہ ہم جیت سکتے ہیں۔ لہٰذا تمھیں ہماری شرطیں بیان کرنے" یا لیت و لعل سے کام لینا چاہیے۔ البتہ تم ولسن کو یہ بتا سکتے ہو کہ یہ شرطیں نہایت معتدل ہیں۔ ہم بلجیم کا الحاق کرنا نہیں چاہتے مگر الساس لورین

کشتی در آب انداختن

کے بارے میں ہم کوئی گفتگو نہیں کر سکتے۔" دو دن بعد پلیس میں شاہی بزمِ شوریٰ منعقد ہوئی (٩ر جنوری) اور صدرِ اعظم نے بادلِ ناخواستہ یکم فروری سے تحت البحر کشتیوں کی بے روک جنگ آرائی کا مطالبہ قبول کر لیا اور حقیقت یہ ہے کہ اب یہ معاملہ اس کے یا قیصر کے اختیار سے باہر ہو چکا تھا۔ ٢٠ر دسمبر کو مسٹر لائڈ جورج کی دعوتِ صلح کے متعلق تقریر پڑھ کے، لوڈن ڈورف نے تار دیا کہ "چونکہ لائڈ جورج یہ دعوت مسترد کر چکا ہے، اس لئے میری قطعی رائے ہے کہ تحت البحر کی لڑائی پورے شدومد سے شروع کر دینی چاہیے۔ اس استدلال کا کوئی جواب نہ تھا اور کمزور صدرِ اعظم اپنی سوانح میں اقرار کرتا ہے کہ پہلے بھی اس کی مخالفت اُصول کی بنا پر نہ تھی بلکہ تحت البحروں کی کمی کے باعث تھی۔[2] حکومت کے اس فیصلے کی جرمن قوم نے جوش و خروش سے

[1] جیرارڈ: "مای فور ایرز ان جرمنی" ص (Betrach tungen)

[2] صدر اعظم کی تبدیلی رائے کا قصہ اس کی کتاب جلد دوم میں اور ہلفریخ کی کتاب میں تحریر ہے نیز دیکھو زرکن: "ان دی ورلڈ وار" باب پنجم۔

تحسین کی کہ ساری دُنیا سے جنگ نے اس قوم پر بُری بنا رکھی تھی۔ فاکن ہین ۱۹۱۶ء کے موسم بہار میں یہ اِصرار کر چکا تھا۔ امارتِ بحر وعدہ کرتی تھی کہ پانچ مہینے کے اندر انگلستان کو صلح کی مجلس میں لانے پر مجبور کر دے گی اور ہنڈن برگ نے بغیر اس لڑائی کے ۱۹۱۷ء میں مغربی خطِ جنگ قائم رکھنے کا ذمہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ کارل اور زرن نے اختلاف کیا مگر شنوائی نہ ہوئی کیونکہ کون راڈ تجویز کے موئیدین میں تھا۔ اس حجت کے جواب میں کہ امریکہ کے ساتھ جنگ چھڑ جانے کا احتمال ہے جنگی عمال کہتے تھے کہ اس وقت بھی امریکہ بے حساب جنگی ساز و سامان دول ائتلاف کو بہم پہنچا رہا ہے اور جو کچھ صورت بھی پیش آئے، جرمانیہ بھگت لینے کی قوت رکھتی ہے۔ غیر عسکری حکام، جن میں زرن بھی تھا، زیادہ باخبر تھے۔ مگر پریشان صدر اعظم کہتا تھا کہ ہمارا آخری ترپ کا پتہ یہی ہے۔ اور فیصلہ ہونے کے بعد اس نے ہلفرنخ کو جو اس رائے کا مخالف تھا، تار دیا کہ "ماکشتی در آب انداختیم" حالانکہ بہتر ہوتا کہ وہ عہدے سے علیحدہ ہو جاتا۔ کیونکہ اس کی توقیر باقی نہ رہی تھی۔ عسکری اکابر ایسے آدمی کی برطرفی کے لئے ہنگامہ کر رہے تھے جس کا اعتدال انھیں ناپسند اور کمزوری سے نفرت تھی حتیٰ کہ آیندہ سے قیصر کی فربہ شخصیت بھی لوڈن ڈورف کی وجاہت اور مطلق العنان ارادے کے سامنے سمٹ کے سایہ ہی سایہ رہ گئی۔¹

یہ معرکہ آرا فیصلہ راز میں رہا اور ادھر جرمن سفیر اور رئیس جمہوریۂ امریکہ اپنی سعی و تدبیر میں معروف رہے۔ برنس ٹورف نے خبر دی کہ رئیس جمہوریہ کو سوائے صلح کرا دینے کے اور کوئی فکر نہیں ہے۔ اور اپنی حکومت سے التجا کی کہ تحت البحر جنگ سے مشکلات پیدا نہ کرے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ رومانیہ کی ہزیمت کے وقت سے ولسن جرمانیہ کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے لگا ہے اور اُسے یقین ہے کہ دولِ ائتلاف اپنے پُر وثوق بیانات کے باوجود، مفاہمت سے صلح پر راضی ہو جائیں گی۔ لیکن برلن کے ۱۹ جنوری کے

کاؤنٹ برنس ٹورف کی کوششیں

---

¹ یہ پورا قصہ برنس ٹورف نے اپنی کتاب "تھری ایئرز ان امیرکہ" اور اس شہادت میں جو مجلس قومی کی تحقیقاتی جماعت کے روبرو دی تھی تفصیل سے بیان کیا ہے (Deutsher Geschiuch takalender)

جواب نے سفیر کو مایوس کر دیا کیونکہ اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ بتاریخ ۳۱ جنوری حکومت کو یکم فروری سے جنگ تحت البحر شروع ہونے کی اطلاع دے دے۔ اس نے فوراً تار دے کر التوا کی منت کی اور بتایا کہ ابھی کرنل ہاؤس نے مجھے خبر دے دی گیا ہے کہ عنقریب ولسن اپنا عندیہ ظاہر کرے گا۔

تین دن گزرے تھے کہ رئیس جمہوریہ نے مجلس اعیان میں ایک یادگار خطبہ دیا۔ اپنی تحریک کے نتائج پر تبصرہ کیا اور وہ خیالات جن سے متاثر ہو کے یہ تحریک کی تھی، بیان کئے۔ اس نے کہا کہ ہم صلح کی صاف قطعی گفتگو کے بہت قریب آ گئے ہیں اور اسی لئے وہ بین الاقوامی اجتماع دُور نہیں ہے جو لامحالہ جنگ کے متعقب ہونے والا ہے اور جس میں نئی دُنیا کی قومیں بھی ضرور شریک ہوں گی۔ دونوں فریق اعلان کر چکے ہیں کہ اپنے حریف کو پامال کر دینا ان کا مقصد نہیں ہے۔ اور اس قول و قرار سے لازم آتا ہے کہ بغیر کسی فریق کے جیتے صُلح ہونی چاہیئے۔ ورنہ فتح کے معنی تو یہ ہوں گے کہ شکست خوردہ فریق صلح پر مجبور کیا جائے۔ وہ صلح کو دب کر چار و ناچار قبول کرے اور ایسی خلش، ناراضی اور ناگواری پر جو صلح مبنی ہوگی اس کی بنیادیں مضبوط نہ ہوں گی بلکہ ریگ رواں پر قائم ہوں گی۔ دیرپا صلح وہی ہوتی ہے جو برابر والوں میں ہو،"

صلح بلا فتح

آخر میں اُس نے یہ بھی کہہ دیا کہ کوئی صُلح قائم نہیں رہ سکتی نہ رہنی چاہیئے جو اس اعتراف پر مبنی نہ ہو کہ حکومتوں کی اصلی اور جائز قوت، صرف جمہور کی رضا سے حاصل ہوتی ہے اور کسی مُلک کے باشندوں کو ایک بادشاہ سے لے کے دوسرے بادشاہ کے حوالے کر دینے کا کوئی حق وجود نہیں رکھتا۔ جہاں لوگوں کی مرضی آمادۂ خلاف ہوگی، وہاں استقلال و پائداری نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ہر جگہ کے اہل الرائے متفق ہیں کہ پولینڈ کے تمام اقطاع کو متحد کر کے آزادانہ حکومت کا اختیار دیا جائے۔ یا یہ کہ ہر بڑی قوم کو خواہ حق راہ دے کے، خواہ کوئی علاقہ دے کر براہِ راست سمندر سے آمد و رفت کا راستہ ملے۔ امن و صلح، مساوات و اشتراک باہمی کی ایک اور شرط سمندروں کی آزادی ہے پھر یہ کہ اگر قومیں اسی طرح وسیع پیمانے پر جنگی سازوسامان فراہم کرنے میں کوشاں رہیں، تو نہ مساوات ممکن ہے نہ سلامتی۔ یہ کہہ کر اُس نے تقریر ختم کی کہ اگر ان بنیادوں پر

صلح کی جائے تو ولایاتِ متحدہ بھی اس کے استحکام و پائداری کی ضمانت میں شریک ہو جائیں گی۔[1]

یہ ایسے صاحبِ فکر شخص کے خیالات تھے جو "جنگ سے ماوری" تھا اور ان اصول کی جھلک دکھاتے تھے جو ایک سال بعد "چہاردہ دفعات" کی صورت میں مرتب ہوئے۔ تقریر سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ مقرر کے نزدیک جنگ کا بلا تاخیر ختم ہونا ضروری اور ممکن ہے اور وِلسن کے سب سے گہرے دوست اور غیر سرکاری مشیر کرنل ہَوس کی بھی رائے یہی تھی جو بار بار یورپ آتا رہا اور حریفوں کے دونوں گروہ کے عمائد سے امکاناتِ صلح پر بحث و گفتگو کرتا رہا تھا۔

دوسرے ہی دن سفیر نے کرنل ہَوس کی یہ استدعا تار سے بھیج دی کہ جرمانیہ کو اپنی شرائطِ صلح علانیہ یا صیغۂ راز میں بیان کر دینی چاہئیں کہ ان کے ملتے ہی رئیس جمہوریہ مجلسِ مشاورۃ کی تحریک کرے۔ پھر کرنل ہَوس نے برنس ٹورف کو وِلسن کی لکھی ہوئی یادداشت بھی سنائی (۲۶ جنوری) جس میں باہمی مفاہمت سے صلح کرا دینے پر باضابطہ آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ سفیر نے تار دیا کہ "وِلسن دولِ ائتلاف کی شرطوں کو ناممکن سمجھتا ہے۔ مجلسِ اعیان میں اس نے ان شرطوں کے جواب میں خود اپنا خاکہ پیش کر دیا ہے۔ اسے جرمنوں کی طرف سے شرطیں وصول ہونے کی امید ہے، تاکہ انھیں شائع کیا جا سکے لیکن اگر تحت البحر جنگ کا دوبارہ آغاز کیا گیا تو وہ سمجھے گا کہ ہم نے اس کی صلاح سے صلح کو الٹا منھ پر مار دیا اور خود امریکہ سے لڑائی ناگزیر ہو جائے گی۔"

جرمن صدرِ اعظم کو ڈوبتے آدمی کی طرح اس تنکے کا سہارا بھی غنیمت نظر آیا۔ اس نے جواب میں تار دیا (۲۹ جنوری) کہ "جرمانیہ مجلسِ مشاورۃ کی خاطر ثالثی قبول کرنے پر تیار ہے لیکن ہمارا اس دعوت کو قبول کرنا راز میں رہنا چاہیے۔ دسمبر میں دولِ ائتلاف سے استدعا کرتے وقت جو شرطیں ہمارے ذہن میں تھیں، انھیں ائتلاف کے جواب کے بعد

بیت مین کی شرائطِ صلح

[1] لواس ڈکنسن نے وِلسن کی حکمتِ عملی کے یہ اور دوسرے بیان "ڈاکیومنٹس ریلیٹنگ ٹو پیس پروپوزلز اینڈ وار ایمز" میں سلیقے سے جمع کر دیئے ہیں۔

اب شائع نہیں کیا جا سکتا کہ ان سے بادی النظر میں ہماری کمزوری ظاہر ہو گی"
البتہ رئیس جمہوریہ کی خفیہ اطلاع کے واسطے اس نے اپنی شرطیں لکھ بھیجیں جو
امور ذیل پر مشتمل تھیں:۔ السّاس کے اس حصّے کی فرانس کو واپسی جو پہلے بھی اس کے
قبضے میں تھا۔ ایسے حربی اور اقتصادی خطّے کا قبضہ جو پولینڈ و جرمانیہ کو روس سے
علیحدہ کر دے۔ نوآبادیوں کی واگزاری کہ جرمانیہ کو اس کی آبادی اور تجارتی اغراض
کے مناسب مقبوضات مل جائیں۔ فرانس کے مفتوحہ اضلاع کی واپسی بشرطیکہ
بعض حربی اور اقتصادی ترمیمیں کر دی جائیں اور مالی معاوضہ دیا جائے۔ جرمانیہ کی
حفاظت کی ضروری تدابیر کے ماتحت بلجیم کی واگزاری۔ دونوں طرف کے حملوں
سے جن علاقوں کو نقصان پہنچا ہے ان کی تجارتی اور مالی تلافی۔ جرمنوں کی
ذمہ داریوں اور غیر فوجی اشخاص کے نقصانات جو لڑائی میں اٹھانے پڑے،
تاوان۔ معمولی تجارت کے راستے میں جو اقتصادی دشواریاں حائل کی گئی تھیں،
اُن سے دست کشی۔ اور سمندروں کی آزادی کو محفوظ و مسلم کر دینے کی تدابیر"
لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ پرنس ٹورف متاسفانہ لکھتا ہے
کہ اگر چند روز پہلے یہ آمادگی ظاہر کی جاتی تو جرمانیہ بحری جنگ آرائی کو ملتوی کر سکتی تھی۔
لیکن اُس وقت آلیس کشتیاں اپنے اپنے مقام کی طرف روانہ ہو چکی تھیں جرمن صدر اعظم
کی شرائط صلح تو پرنس ٹورف نے کرنل ہوس کو دے دیں مگر ۳۱ ویں تاریخ اس نے
حسب ہدایت لین سنگ کو تحت البحری جنگ کے فیصلے کی بھی اطلاع دی جیسے سن کے
ولسن نے کہا اس کے معنی جنگ ہیں[1]" اور ۳ فروری کے دن سفارتی تعلقات
قطع کر لئے۔ جرمانیہ نے اپنی موت کے فتوے پر گویا خود دستخط کر دئیے" کرنل ہوس
نے پرنس ٹورف کو لکھا اور خود اس کی رائے بھی یہی تھی کہ "کمال افسوس کی بات ہے
کہ تمھاری حکومت کو بے روک تحت البحری جنگ کا اعلان کرنا بھی تھا تو ایسے موقع پر
جب کہ ہم صلح کے اتنے قریب آ گئے تھے" دو مہینے ہوئے تھے کہ زمرمین کے مکسیکو
ولایات متحدہ کے خلاف اغوا کرنے کا انکشاف ہوا اور رئیس جمہوریہ نے

[1] دیکھو "لائف اوف پیج" جلد دوم باب ۲۲۔

اعلانِ جنگ کر دیا (۲ اپریل) اور پھر "فتح بلا صلح" کا کوئی ذکر فکر سننے میں نہ آیا مسٹر بیلفر فی الفور اوقیانوس اُتر کے امریکہ آ پہنچا کہ مالی اور جنگی امداد پر گفتگو کرے۔

جس وقت جرمانیہ اپنے دشمنوں کے واسطے ایک جدید و قوی حلیف مہیا کر رہی تھی، روسی بادشاہی جنگ کے دباؤ اور خیانت و غداری کے اثرات سے لڑکھڑا کر زمین پر آ رہی۔ وٹیٹ نے ۱۹۱۴ء ہی میں کہہ دیا تھا کہ "یہ جنگ دیوانگی ہے۔ اس کا نتیجہ سوائے روس کی تباہی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ احمقانہ بیوپار جتنی جلد ممکن ہو سمیٹ دینا چاہیئے" لڑائی جس قدر پھیلتی گئی زار روس اسی قدر زیادہ رجعت پسند مشیروں کے اثر میں آتا گیا اور حاکم و مصیبت زدہ رعایا کے درمیان جو خلیج تھی، وہ زیادہ چوڑی ہوتی گئی۔ سازونوف پولینڈ کے مسئلے کو نسبتہً زیادہ آزاد خیالی کے ساتھ حل کرنے کا حامی تھا۔ اسے فرانس و برطانیہ کے سفیروں کے روکنے اور سمجھانے کے باوجود اگست ۱۹۱۶ء میں علیحدہ کر دیا اور اسٹورمر وزیرِ خارجہ مقرر ہوا۔ بے شبہ زار و زارینہ تو اتلاف کے دل سے ساتھی تھے لیکن اسٹورمر کی وفاداری کے متعلق شبہات کے قوی وجود موجود تھیں۔ ڈیوما میں گروہ "کیڈٹ" کے ذی علم سرخیل میلیوکوف نے اس پر حملہ کیا تو وہ تین ہی مہینے بعد وزارتِ خارجہ سے علیحدہ ہو گیا۔ بایں ہمہ بادشاہی حاجب کی حیثیت سے اس کا تھوڑا بہت اقتدار باقی رہا۔

اسٹورمر اور راس پوٹن

اس سے کہیں بڑھ کر شیطانی رسوخ ایک بدمعاش راہب راس پوٹن کو حاصل ہوا جس نے زارینہ کے مزاج میں بہت مخربانہ درخور پا لیا اور سلطنت کی حکمت عملی اور نظم و نسق کے اعلیٰ سے اعلیٰ شعبے میں مدت سے اس کا اثر محسوس ہونے لگا تھا۔ مادرِ شاہ اور امیر کبیر کی بیگم سرج کی فہمائشیں بیکار ثابت ہوئیں۔ خود امیر کبیر نکولاس نے خاندان شاہی کی طرف سے زار کی خدمت میں عرض معروض کی مگر اس کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اور آخر کار ۱۹۱۶ء کے اواخر میں اس مکار کو جسے سازونوف دجالِ مسیح کے نام سے یاد کرتا تھا، اونچے رتبے کے چند اشخاص نے خفیہ مشورے سے مجرم قرار دیا اور مروا ڈالا۔ اس خبر سے لوگ تو

لہ پیلیولوگ "آ لا روسیہ... گویر" جلد اوّل باب ۵ و ۶

نہایت خوش ہوئے مگر دربارِ شاہی پر سوگواری چھا گئی۔ استبداد کی زندگی کے چند روز باقی رہ گئے تھے ان میں زمامِ حکومت پروٹوپوف کے ہاتھ میں رہی۔ یہ رکابی مذہب پہلے آزاد خیال گروہ کا آدمی تھا اور اب زار کو ترغیب دیتا تھا کہ سیاسی بے چینی کا جبر و تعدی سے علاج کرے۔ برطانی سفیر سر جورج بوکانن نے ۱۹۱۷ء کے اوائل میں ہر چند بہکے ہوئے فرماں روا کو سمجھایا کہ اپنے خاندان کی بادشاہی اور مشترک مقصد کی خاطر ایسے وزیروں کو منتخب کیا جائے جو ڈیوما کے معتمد علیہ ہوں کچھ اثر نہ ہوا۔ جنوری کے اخیر میں دولِ ائتلاف کی مشترکہ مجلس پیٹروگریڈ میں منعقد ہوئی اور اس میں لارڈ ملنر وغیرہ اتحادی ارکان نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس سے ششدر و خوف زدہ ہو گئے۔ زار و زارینہ کی آنکھیں بند اور کانوں میں روئی ٹھسی ہوئی تھی۔ شاہی حکم سے برطانی مشینی بندوقیں میدانِ جنگ سے پائے تخت میں طلب کی گئیں کہ متوقع فساد کو جبراً فرو کیا جائے[1]۔

انقلاب کی پہلی منزل، جتنی امید تھی اس سے بہت کم ہولناک ثابت ہوئی کیونکہ بادشاہی کی بوسیدہ عمارت بلا مزاحمت زمین پر آ رہی[2]۔ ۸ مارچ کے دن

روسی انقلاب

پیٹروگریڈ کے مزدوروں میں سے تعدادِ کثیر نے کام چھوڑ دیا اور گیارھویں مارچ کو فوج کے ایک جوق نے بلوائیوں پر گولی چلانے سے انکار کیا۔ ڈیوما کے صدر نشین نے زار کو تار دیا کہ پائے تخت میں طوفانِ بے تمیزی برپا ہے مگر جب خود ڈیوما کی برطرفی کا حکم سنایا گیا تو مبعوثین نے گھروں کو واپس جانے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن ایک اور جوق نے لوگوں پر گولی چلانے سے انحراف کیا اور اپنے سرداروں کو نشانۂ بندوق بنایا۔ اس غدر کو فرو کرنے کی غرض سے

---

[1] پیلیولوگ: جلد سوم؛ مس بوکانن: "اے سٹی اوف ٹربلز"؛ پرنسس کنٹاکوزین: "ریوولیوشنری ڈیز"؛ ولٹن: "رشیاز ایگونی"۔ روزن نے اپنی کتاب "فورٹی ایرز اوف ڈپلومیسی" میں بھی روسی انقلاب کی کیفیت نقل کی ہے۔

[2] انقلاب کے پہلے سال کا سب سے تفصیلی حال اے ٹیرکو ولیمس نے لکھا ہے: "فروم لبرٹی ٹو بریسٹ لٹوسک"، نیز دیکھو پرائس: "دی رشین ریوالیوشن"۔ ڈینی کن: "دی رشین ٹرموائل" میں اس کے اثرات جو فوج پر پڑے، انھیں بیان کرتا ہے۔

جو سپاہی بھیجے گئے تھے وہ بھی غدر کرنے والوں سے مل گئے اور چند گھنٹے کے اندر شہر آزاد ہو گیا (۱۲ مارچ)
ایک ہی دن گذرا تھا کہ ماسکو نے بھی اس کی تقلید کی (۱۳ مارچ) زار کا حکم کہ آئی والونیا پائے تخت پر
فوج کشی کرے بیکار رہا کہ فوج کے اکثر اکابر انقلاب کر چکے تھے۔ بتاریخ ۱۵ مارچ زار اپنے اور
اپنے بیٹے کی طرف سے اپنے بھائی میکائیل کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گیا۔
مگر میکائیل نے یہ منصب جلیل قبول نہ کیا۔ شہزادہ لیووف کے تحت میں
ایک مخلوط وزارت مرتب ہوئی جس میں میلیوکوف وزیر خارجہ، فرقۂ اکتوبری کا
آزمودہ کار سرگروہ گشکوف، وزیر جنگ اور اشتراکی فرقے کا فصیح البیان وکیل

مخلوط وزارت

کیرنسکی وزیر عدالت مقرر ہوئے۔ لیکن ایک مجلس، فوجی اور
مزدور پیشہ اشخاص کی شریک حکومت تھی جو پہلی سوویٹ
کے نام سے مرتب ہوئی۔ انقلاب کی خبر سن کر ہر جگہ آزادی کے حامیوں نے
احسنت و مرحبا کے نعرے بلند کئے۔ زار پر لوگ ترس کھاتے تھے لیکن تجربے نے
ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس رتبۂ عالی کی اہلیت سے عاری ہے۔ اور اتحادی حلقوں میں،
جن پر بُری بن رہی تھی، امیدیں کی جانے لگیں کہ روس اصلاح و حیات جدید سے بہرہ مند
ہوا تو امیر کبیر نکولاس کی سپہ سالاری میں تازہ جوش و قوت کے ساتھ میدان میں
کود دے گا۔ لیکن بہت جلد منکشف ہو گیا کہ روس والے جنگ سے بالکل اکتا چکے
ہیں اور انقلاب سلطنت نہ صرف شخصی بادشاہی کے بلکہ جنگ میں کارگر مشارکت
کے خاتمے کی دلیل تھا۔

۱۹۱۵ء کی مصیبت انگیز شکستوں نے بھی دولت روس کی اس طمع ملک گیری
کو کم نہیں کیا تھا جس کے ساتھ وہ لڑائی میں داخل ہوئی تھی۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں سازونوف
نے ازوولسکی کو تحریر کیا تھا کہ "وسطی یورپ کی حد بندی کی تمام تجویزیں قبل از وقت ہیں۔
باقی اس بات پر ہم آمادہ ہیں کہ جرمانیہ کی مغربی سرحد کے تعین کا فرانس و انگلستان کو
پورا اختیار دیا جائے، اس مفاہمت پر کہ اتحادی ہمیں بھی اپنی طرف کی جرمانیہ اور آسٹریا
کی سرحدیں مقرر کرنے کی آزادی دیں گے۔ ہمیں اصرار ہے کہ پولینڈ کی نسبت کوئی
بین الاقوامی بحث نہ چھیڑی جائے اور نہ اسے دول کی نگرانی یا ضمانت میں دیا جائے"
پھر تقریباً ایک سال بعد، فروری ۱۹۱۷ء میں، ڈومرگ پیٹرو گریڈ آیا اور زار کو اطلاع دی کہ

فرانس، الساس لورین کا قبضہ، وادیٔ سار میں امتیازی رتبہ اور رہائن پار کے اضلاع کی جرمانیہ سے علیحدگی کا خواہشمند ہے اور امید ہے کہ روس بھی تائید کرے گا۔ تو وزیر خارجہ پوک اوسکی نے جواب دیا کہ زار اصولاً ان مطالبات کو تسلیم کرتا ہے بشرطیکہ اپنی مغربی سرحدوں کے متعلق ہمیں بھی اختیار دیا جائے اور ۱۸۵۶ء میں جو قدغن جزائر آلینڈ کی مورچہ بندی کی نسبت عائد کی گئی تھی، وہ منسوخ کردی جائے۔ چنانچہ یہ بات بالاتفاق طے ہوگئی اور بتاریخ ۲۵ ؍فروری پکروسکی اور دومرگ کے مراسلات میں قلمبند کرلی گئی[1] لیکن دو ہی ہفتے گزرے تھے کہ خود زار کا تختہ الٹ گیا۔

۱۲؍اپریل کو روس کی نئی حکومت نے اپنی خارجی حکمت عملی کے اصول کی صراحت کی:- "آزاد روس دوسری قوموں پر غلبہ حاصل کرنے، انھیں اپنے قومی ترکے سے محروم کرنے یا جبراً دوسروں کا علاقہ چھیننے کا ہرگز منصوبہ نہیں رکھتا۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ قوموں کو اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کے حقوق حاصل ہوں اور انھی حقوق پر دیرپا امن وصلح کی بنیاد قائم کی جائے۔ روسی قوم نے وہ زنجیریں دور کردیں جن کا پولینڈ والوں پر بوجھ تھا۔ ہماری حکومت وطنی حقوق کی حفاظت کرے گی اور اتحادیوں کے ساتھ جو اقرار ہوئے ہیں، ان کی بھی پابند رہے گی" لیکن ظاہر ہے کہ جب اہل روس اپنے وطن کی حدود وسیع کرنے کے واسطے خون بہانے پر آمادہ نہ تھے تو یہ امید کیونکر ہوسکتی تھی کہ وہ اپنے دوستوں کی ہوس ملک گیری کے واسطے لڑے گا۔ وسطِ مئی میں میلیوکوف کو مجبوراً وزارتِ خارجہ سے مستعفی ہونا پڑا کہ گو شخصی بادشاہی کے سیاسی اصول کا وہ حامی نہ تھا، تاہم ملک گیری کے شاہانہ جذبات میں شریک وحصہ دار تھا۔ اور گشکوف بھی عہدے سے علیحدہ ہوگیا کیونکہ دیرینہ سال سپاہی

کیرنسکی کا اقتدار

ہونے کے باوجود، فوجی نظم قائم رکھنے کی اس میں صلاحیت نہ تھی۔ حکومت پر اب تک دولتمند متوسطین چھائے ہوئے تھے

[1] ملاحظہ ہو گس: "دی سیکرٹ ٹریٹیز" اس عہد وپیمان کو برطانیہ سے مخفی رکھا گیا تھا۔ اور جب بولشویکوں نے اُسے فاش کیا تو مسٹر بالفور نے بغیر کسی مروت کے صاف کہہ دیا کہ رہائن کے بائیں کنارے کے علیحدہ کرنے کی ہم نے کبھی تائید نہیں کی نہ کبھی اس منصوبے کو پسند اور قبول کیا۔

لیکن ان وزیروں کی علٰحدگی کے ساتھ اس کا پلڑا بائیں جانب (فرقۂ عوام) کی طرف جھک پڑا یعنی کیرنسکی گشکوف کی جگہ وزیر جنگ ہوا۔ شرنوف جو اراضی کے قومی ملک بنانے کا وکیل و حامی تھا اور دو اشتراکی مجلس وزارت میں داخل ہو گئے۔ آیندہ چند مہینے تک روس پر کیرنسکی کی حکومت رہی اور وہ بڑی ہمت سے جدوجہد کرتا رہا کہ مجالس عوام (یعنی سوویٹوں) کے روز افزوں اقتدار کا احترام بھی محفوظ رہے اور اتحادیوں کے ساتھ بھی وفاداری کا سررشتہ ہاتھ سے جانے نہ پائے۔[1]

۳۰ مئی کو مجالس عوام نے التجا کی کہ دول ائتلاف اپنے مقاصد جنگ دوبارہ بیان کریں۔ مغربی سلطنتوں نے اس کا کوئی جواب ہی نہ بھیجا۔ ہالینڈ کے فرقۂ اشتراکی کے سرگروہ ٹروئلسٹرا نے تجویز پیش کی کہ مزدور پیشہ طبقے کی مجلس مشاورت اسٹوک ہوم میں منعقد ہو اور صلح کے امکانات پر گفتگو کی جائے۔ روس کی مجالس عوام نے اس کی پرزور تائید کی اور کیرنسکی نے بھی اسے پسند کیا۔ مگر لندن و پیرس و روم کے ارباب تدبر ذرا بھی خوش نہ ہوئے۔ انگلستان کی مجلس وزرا میں مزدور پیشہ گروہ کا رکن ہینڈرسن تھا۔ اس نے مذکورۂ بالا تجویز کی تائید و توثیق کی۔ زار کی سرنگونی کے بعد اسے وینڈر ویلڈ اور ٹوماس کے ساتھ پیٹرو گراڈ بھیجا گیا تھا۔ اس نے کیفیت پیش کی کہ اگر روسیوں کو جنگ سے علٰحدہ ہو جانے سے روکنا ہے تو مقاصد جنگ کے متعلق اہل روس کو از سر نو اطمینان دلانا ضروری ہوگا۔ لائڈ جارج بھی تجویز کا موید تھا مگر ساتھی وزرا مخالف رہے اور دول ائتلاف نے مجلس مشاورت میں شرکت کے واسطے مزدور پیشہ طبقے کے قائم مقاموں کو پروانۂ راہداری دینے سے انکار کر دیا۔ مجلس میں وسطی سلطنتوں اور شمال کے غیر جانبدار ملکوں کے اشتراکی سرگروہ شریک ہوئے مگر دول ائتلاف کے مزدور پیشہ اکابر کی غیر حاضری کے باعث مجلس کا بیکار ثابت ہونا یقینی تھا۔[2]

اتحادیوں کی طرف سے سکوت کے باوجود کہ مقاصد جنگ کی نظر ثانی کی درخواست کی انھوں نے رسید ہی نہ دی تھی کیرنسکی نے بروسی لوف کی مدد سے جو الکزیف کی بجائے

[1] زار کے زوال دولت کے بعد لندن میں روس کے سفارتی قائم مقاموں کی جو مشکوک و گومگو کی حالت رہی اس کا پُر ملال احوال نابوکوف نے اپنی کتاب "دی آرڈیل آف اے ڈپلومیٹ" میں بیان کیا ہے۔

[2] شیڈیمن۔ باب ۹۔ اور اِبی بیون: "جرمن سوشل ڈیموکریسی اینڈ دی وار" باب ۱۶۔

روس کی آخری کوشش

سپہ سالار مقرر ہوا تھا جنوبی فوجوں میں جوش بھرا کہ لمبرگ کو منزل مقصود بنا کے ایک دفعہ تو اور جد وجہد کریں۔ لڑائی ۲۹ رجون سے شروع ہوئی لیکن تین ہفتے تک ترقی کے بعد ایک جوابی حملے میں روسی جو حاصل کر چکے تھے سب ہار بیٹھے اور میکنس سیلاب کی طرح بڑھا چلا آیا حتیٰ کہ رومانیہ کی سرحدوں پر وہیں کی فوجوں نے اُسے روکا تو رُکا۔ روسی فوج کی ہمت کامل طور پر شکستہ ہوگئی اور شمال میں جرمنوں نے ڈوِنیا کو عبور کر لیا خلیج ریگا کے جزیرے فتح ہو گئے اور ساحل پر فوجیں اتنی قریب اُتار دیں کہ ریوال توپوں کی زد میں آگیا۔

ولایات متحدہ کی شرکت اور دولت روس کے تار و پود بکھرنے سے جنگ پر بہت ہی اہم اثرات پڑنے ناگزیر تھے بایں ہمہ ۱۹۱۷ء میں مغرب کی طرف جو کشاکش ہو رہی تھی اس میں کوئی فرق نہ پڑا۔ شروع سال ہی جرمن صفیں سوم سے ہٹا کر اس خط پر جمع کر لی گئیں جو خطِ ہنڈن برگ کے نام سے مشہور ہوا۔ سرزمین فرانس کے کئی سو مربع میل کی بازیابی پر اتحادی اگر خوش ہوئے تو جرمنوں کے چھوٹے خط پر ہٹ آنے سے دشمن کے دفاعی استحکامات کو بھی قوت پہنچی ۱۹۱۶ء کی ناکامیوں کے باوجود ہیگ نے از سرِ نو جارحانہ اقدام کا تہیہ کیا اور نویں اپریل سے جنگ آرا کا آغاز ہوا جس کا سب سے درخشاں معرکہ کنیڈا والوں کا ویمی کی ٹیکری کو سر کرنا تھا۔ برطانی حملے کے ساتھ ساتھ فرانس نے بھی زیادہ اولوالعزمی سے وسیع پیمانے پر حملے کی ٹھانی ۱۹۱۶ء کے آخر میں ژوفر سے سپہ سالاری لے کر وردون کے جوابی حملے کے سورما نیویل کے سپرد کی گئی تھی اور اسے یقین تھا کہ سواسون اور شاماپان کے درمیان رود آئین پر کاری ضرب لگی تو پوری جرمن صف پسپا ہو جائے گی تسخیرِ لاون کی تو وہ حملے کے پہلے ہی دن امید دلاتا تھا[1] ان پُر جوش امیدوں میں وزیر اعظم پین لوے، اور پیتین وہیگ اس کے شریک و ہمخیال نہ تھے چنانچہ اس نے استعفیٰ بھی پیش کیا مگر قبول نہیں کیا گیا۔ الغرض ۶ر اپریل کے دن آتش فشانی شروع ہوئی۔ دس دن بعد کہ ویمی کی ٹیکری فتح کیے ایک ہفتہ گزر اتھا پچاس میل کے خط پر اُس نے پیشقدمی کی۔ مگر غنیم کو یہ نقشہ پہلے سے معلوم ہو گیا تھا

---

[1] ملاحظہ ہو مسٹر مشیر: "Joffre la premiére crise du commandement)" and "Nivelle et Painleve(la deuxieme crise du commandement)". سر مورائس "Intrigues of the War" وغیرہ

اور اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر یہ بات عیاں ہوگئی کہ وار خالی گیا۔ ادھر عین وقت پر

فرانس کی سخت ہزیمت

موسم نے دغا دی، بے حساب نقصانات ہوئے اور زخمیوں کے واسطے کافی انتظام کیا نہیں گیا تھا۔ غرض شامپائن میں ۱۹۱۷ء کے حملے کی ناکامی کے بعد شمین دے دیم کی یہ لڑائی فرانس کے حق میں سب سے سخت ہزیمت تھی اور اس نے لوگوں کو نہایت شکستہ خاطر کر دیا جس کا ظہور دس ڈویژن میں فساد و عدول حکمی کی صورت میں ہوا۔ نیویل کی جگہ پیتن نے لی اور فوجی حکام مستقر کا صدر فوش بنایا گیا۔ لیکن سال کے باقی ایام میں وردوا کے سوائے اور کہیں حملے کی جرأت نہ کی گئی۔ گرمی اور خزاں کے ابتدائی زمانے میں ایپرے کے زاویئے پر انگریز پانچ میل کے قریب آگے بڑھے مگر اس کے لئے پاشندیل کے گرد مفت میں سخت خونریزی اور بیکار نقصانات برداشت کرنے پڑے پھر نومبر میں کیمبرای پر جو نمایاں کامیابی ہوئی تھی، ویسی ہی دشمن کے جوابی حملے میں انگریزوں کو نمایاں زک نصیب ہوئی۔ اتحادیوں کی منتظر آنکھیں اہل امریکہ کی طرف لگی ہوئی تھیں جو جنگ میں آنے کے لئے آہستہ آہستہ لنگر لنگوٹ باندھ رہے تھے۔ اس عرصے میں تحت البحری جنگ نے شروع شروع میں وہ تہلکہ ڈالا کہ معلوم ہوتا تھا اس کے حامیوں کی امیدیں پوری ہو جائیں گی اور حکومت برطانیہ شدید تشویش میں پڑ گئی۔ انتہائی تشویش کا زمانہ اپریل میں آیا جب کہ ہمارے ساحل سے جتنے جہاز روانہ ہوتے ان میں سے پچیس فی صدی غرقاب کر دئے جاتے اور جس نسبت سے ہم تحت البحر کشتیوں کو غارت کرتے، اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ جرمانیہ نئی کشتیاں تیار کر لیتی تھی۔[۵۱]

مغرب میں ناامیدیوں کی تکلیف کسی حد تک عراق عرب کی درخشاں معرکہ آرائی سے کم ہوئی۔ ٹاون شینڈ کے کوت میں ہتھیار ڈال دینے سے شملہ اور وہائٹ ہال کے جنگی حکام کو سبق مل گیا کہ بغداد پر چھاپا مار کر قبضہ کرنا محال ہے۔ اور ۱۹۱۶ء کے آخری مہینے دجلے پر جنرل موڈ کی پیش قدمی کی تیاریوں میں صرف ہوئے۔[۵۲] دسمبر میں کوچ شروع ہوا

۵۱ دیکھو "لائف اوف والٹر پیج" جلد دوم، باب ۲۲۔

۵۲ کالویل: "لائف اوف سر اسٹینلی موڈ"۔

بغداد و یروشلم

فروری سنہ ۱۹۱۷ء میں قوط پر دوبارہ قبضہ ہوگیا۔ بتاریخ ۱۱ر مارچ انگریزی فوج بغداد میں داخل ہوئی اور سامرہ پہنچ گئی جو بغداد سے اسی میل کی ریل کے سرے پر واقع تھا۔ دولت عثمانیہ کے لئے وسطی اور جنوبی عراق عرب کا ہاتھ سے نکل جانا ارض روم سے بھی بڑھ کر نقصان تھا مگر اس کی قوت ابھی تک نہ ٹوٹی تھی۔ سنہ ۱۹۱۷ء کے اوائل میں مغرب میں سنوسیوں کے حملے پسپا اور مشرق میں جزیرہ سینا کو صاف کرکے مصر کے دو طرف جو دباؤ پڑ رہا تھا' اسے دور کیا گیا۔ لیکن نہر سویز کے پاسبان جب آخر کار فلسطین کی فتح کے لئے بڑھے تو غزہ پر ترک مضبوط مورچہ بندی کئے ہوئے خندقوں میں صف آرا ملے۔ اور انگریزوں کی مارچ و اپریل کی یورشیں پسپا کردی گئیں۔ جون میں ایلن بی کے تقرر سے جنگ کا رنگ بدلا۔ نومبر میں غزہ کے مورچے گھیر لئے گئے اور ۹ر دسمبر کے دن یروشلم فتح ہوگیا۔

اتحادیوں کے پاس آدمی' روپے اور مادی اسباب کی ایسی فراوانی تھی کہ وہ اپنی شکستوں اور مایوسیوں کے باوجود یہ سوچ کے دل کو تسلی دے سکتے تھے کہ تاخیر ہماری مساعد ہے۔ اور برلن میں تو نہیں مگر وی آنا میں اکثر اہل الرائے کا بھی یہی خیال تھا۔ وسطی سلطنتوں کی صلائے صلح حقارت آمیز طریق پر مسترد ہو چکی تھی پھر بھی شہنشاہ کارل اپنے مصیبت زدہ ممالک کی خاطر صلح کی کوشش کرتا رہا۔

شہنشاہ کارل

نومبر سنہ ۱۹۱۶ء میں تخت نشینی کے موقع پر جو اعلان اس نے رعایا کے نام شایع کیا اس میں جنگ کو ختم کرا دینے کی آرزو ظاہر کی تھی اور جتا جتا کے لکھا تھا کہ میں اس جنگ کے آغاز کا ذمہ دار نہیں تھا۔ دسمبر کی تحریک کا دول ائتلاف کے پاس سے مشترکہ جواب آنے نہیں پایا تھا کہ کارل نے دوبارہ استدعا کرنے کا تقاضا کیا جس کا قیصر نے جواب دیا کہ میں صلح ہوجانے کی دعا تو کرتا ہوں مگر (دشمنوں سے) التجا نہیں کرسکتا[1]۔ شہنشاہ بیگم زیتا کی ماں بیگم پارما نے ۹ر دسمبر کو اپنے بیٹے شہزادہ سیکستے کے پاس خط بھیجا اور بہ اصرار ملنے کے لئے

---

[1] ملاحظہ ہو کریمن کی کتاب جس نے فرانسس جوزف کی وفات اور کونراڈ کی برطرفی کا ماتم کیا ہے اور کارل، شہنشاہ بیگم اور زندن تینوں سے اپنی شدید بدظنی ظاہر کرتا ہے۔

بلایا[1]۔ یہ شہزادہ بلجیم کی فوج کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ شاہ آلبرٹ سے اجازت لے کر گیا اور سوئزرلینڈ میں اپنی ماں سے ملا (۲۹ر جنوری ۱۹۱۷ء) یہاں اسے بتایا گیا کہ شہنشاہ روس کے ساتھ خفیہ ہنگامی صلح کرنے پر آمادہ ہے۔ یعنی آسٹریہ استنبول سے بے تعلقی، آلساس لورین اور بلجیم کی واگزاری، اور ایک یوگوسلافی بادشاہی کی، جس میں بوسینیا، ہرزی گووینا، سرویہ، البانیہ، اور جبل اسود شامل ہوں تائید کا اقرار کرتی ہے۔ ۵ر مارچ کو شہزادے نے زرنن کی طرف سے ایک سفارتی مراسلہ اور بادشاہ کا خفیہ "زبانی پیام" پوانکارے کے حوالے کیا۔ صدر فرانس نے کہا کہ زرنن کا مراسلہ بہت مبہم ہے ہاں بادشاہ کی تصریحات زیادہ امید افزا ہیں۔ انہیں وزیر اعظم کو دکھانا ضروری ہے اور پھر زار، شاہ جورج اور مسٹر لائڈ جورج کے پاس بھیجنا ہوگا۔ البتہ اطالیہ کی طرف سے رکاوٹ ہوگی کیونکہ گو وہ خود آسٹریہ کے حملے روکنے کے واسطے فرانسیسی فوجیں بھیجنے کی منت سماجت کر رہی ہے، لیکن اس کے دعوے بہت وسیع و ہمہ گیر ہیں۔

۱۶ر مارچ کے خط میں شہزادے نے شہنشاہ کو خبر دی کہ معاملہ اچھی طرح چل رہا ہے اور تاکید کی کہ ایک تحریر بھی بھیجئے جس میں آلساس لورین، بلجیم، سرویہ اور استنبول پر چہار امور آجائیں۔ پھر ملاقات کے لئے لیکس برگ آیا جہاں کارل نے اُسے بتایا کہ جرمانیہ کو فتح و کامیابی کا کامل یقین ہے لیکن اگر وہ ایسی شرطوں پر جو مجھے معقول معلوم ہوتی ہیں، تصفیہ قبول نہ کرے گی تو میں اپنی بادشاہی کو قربان نہیں کرسکتا اور جداگانہ صلح کرلوں گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اب جبکہ زار کا تختہ اُلٹ چکا ہے آپ کا استنبول کے متعلق روسی دعاوی کی تائید کئے جانا غیر ضروری ہے۔ زرنن بھی اسی کی طرح صاف کہتا تھا کہ اگر برلن مناسب و معقول صلح میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کرے گا تو اتحاد کا خاتمہ لازمی ہے۔ غرض شہزادہ لکس برگ سے خوش خوش واپس آیا اور ۲۴ر مارچ کا خاص بادشاہ کا لکھا ہوا خط جیب میں تھا جس کی زرنن تک کو خبر نہ تھی اس میں لکھا تھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ آپ مخفی

شہزادہ سکستے کی پیامبری

---

[1] شہزادے کے کاغذات سے مانی ٹیڑنے یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "دی آسٹرین پیس آفر" میں تحریر کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو زرنن "آن دی ورلڈ وار" اور لوڈن ڈورف "دی جنرل اسٹاف" جلد دوم ۴۱۴ تا ۴۴۸۔

اور غیر سرکاری طور پر صدر فرانس کو یہ پیام پہنچا دیں کہ آلساس لورین کے متعلق فرانس کے جائز دعاوی کی میں ہر طرح خود تائید کروں گا اور اپنے اتحادیوں پر جہاں تک ہوسکے گا زور ڈالوں گا۔ بلجیم کی بادشاہی کامل طور پر واگزاشت ہونی واجب ہے سرویہ میں خود مختار بادشاہی قائم کردی جائے گی اور ہم اڈریاٹک تک اسے راستہ دینے اور اسی طرح بہت کچھ اقتصادی مراعات کے لئے آمادہ ہیں۔ آسٹریہ یہ ضرور چاہے گی کہ سرویہ اس قسم کی جماعت کا جس کا مقصد ہنگری کی بادشاہی کا قطع وبرید کرنا ہو۔ استیصال کردے۔ روس میں جو واقعات ہو رہے ہیں وہ اجازت نہیں دیتے کہ میں فی الحال اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کروں" بتاریخ ۳۱ مارچ معرکہ آرا خط شہزادے نے پوائنکارے اور ربیو کے حوالے کیا جو برئیان کی جگہ وزیر اعظم مقرر ہوا تھا اور اس نے اسے برطانی وزیر اعظم کو دکھایا۔ دونوں وزیر متفق ہوگئے کہ نامہ وپیام کا یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔[1]

اپریل کی تیسری تاریخ کارل اور زرنن کی ہوم برگ میں قیصر وصدر اعظم سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے اپنے میزبان (قیصر) سے کہہ دیا کہ ہمیں فتح کی کوئی امید نہیں۔ جرمانیہ معقول شرطوں پر صلح نہ کرے گی تو اس خریف کے بعد آسٹریہ جنگ نہ کرسکے گی۔ صلح میں بے شبہ آلساس لورین سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا لیکن ہم تیار ہیں کہ جرمنوں کے ماتحت پولینڈ میں گلیشیہ کو بھی شامل کردیں کہ اس نقصان کی تلافی ہوجائے۔ اپنی مراجعت پر کارل نے زرنن کی ایک ملہمانہ یاد داشت قیصر کے پاس روانہ کی جس میں لکھا تھا کہ "ہمارے جنگی وسائل ختم ہو رہے ہیں قبل اس کے کہ دشمن ہماری خستہ حالی سے باخبر ہو، صلح کے نامہ وپیام شروع کردینے لازم ہیں۔ آئندہ سرما کی معرکہ آرائی قطعاً

زرنن کا یاس انگیز اندازہ

خارج از بحث ہے۔ میرے استدلال کی بنیاد انقلاب کا خوف ہے۔ لوگوں پر ناقابل برداشت بار پڑ رہا ہے اور کمان اس قدر کھنچ چکی ہے کہ نہ معلوم کس وقت تڑاق سے ٹوٹ جائے۔ یہ صحیح ہے کہ برلن و وی آنا میں بادشاہی کا تخیل اس قدر مضبوطی سے جا گزیں ہے کہ یہاں بادشاہی کا تختہ نہیں الٹ سکتا، مجھ پر کارگر نہ ہوگی۔ اس جنگ کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ہے۔ اگر آئندہ چند ماہ میں

---

[1] اس فقرے کی صحت کے بارے میں کلیمنسیو، زرنن اور کارل کے درمیان ۱۹۱۸ء میں جو مناقشہ ہوا اس کے لئے دیکھو ڈکنس "ڈوکیومینٹس" ۳۶-۴۱م۔

ہمارے فرمانروا صلح نہ کریں گے تو عوام الناس ان کے علی الرغم اپنے آپ کرلیں گے اور پھر انقلاب کی موجیں ہر شے کو جس کے لئے آج ہمارے فرزند لڑ رہے ہیں، بہالے جائیں گی۔ تحت البحر کشتیوں کی جنگ سے جرمنوں نے جو امیدیں لگا رکھی ہیں وہ دھوکا ہی دھوکا ہیں۔ تاہم چند ہفتے اور ہم انتظار کر سکتے ہیں کہ دیکھیں پیرس یا پیٹرو گریڈ سے گفتگو کا کوئی موقع ملتا ہے یا نہیں؟ نہ ملے تو پھر ہمیں بر وقت آخری پتا کھیل لینا چاہیئے"۔

جواب میں قیصر نے بشاشت کے ساتھ تحریر کیا کہ مجھے فتح کا پورا یقین ہے اور اگر بھاری قربانیاں کر کے صلح کی گئی تو خاندان شاہی کے حق میں بھی بہت کچھ خطرات کا احتمال ہے۔ خط میں جرمن صدر اعظم کی یادداشت بھی ملفوف تھی جس میں ثابت کیا تھا کہ تحت البحر جنگ آرائی امید سے بڑھ کر کامیاب ہوئی۔ اب اتحاد و اعتماد سے کام کی ضرورت ہے اور روس کو جہاں تک ہوسکے صلح کی ترغیب دلانی چاہیئے[1]۔

۱۸ اپریل کے دن شہزادہ سیکستے نے مسٹر لائڈ جورج سے ملاقات کی جو سان ژوان موریین جاتے وقت پیرس اترا تھا۔ انگریز وزیر اعظم نے کہا کہ "اگر آسٹریہ جرمانیہ کو چھوڑ دے تو ہم اس سے بخوشی مصالحہ کرلیں گے لیکن اطالیہ اس سے بہت جلی ہوئی ہے اور وہ ہماری حلیف ہے۔ اس کے بغیر ہم صلح نہیں کرسکتے" پھر یہ انگریز وزیر اعظم سوائے میں اپنی مقام سیاحت پر پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وزیر اطالیہ آسٹریہ سے معاملہ کرنے کے خیال کو فضول جانتا ہے۔ اسی موقع پر اطالیہ نے سمرنا کا دعویٰ کیا اور اتحادیوں نے اسے دینے کا وعدہ کرلیا۔ وطن واپس آتے میں لائڈ جورج نے شہزادہ سیکستے سے پیرس میں پھر ملاقات کی اور کہا کہ "سونینو سے گفتگو کرنے میں بڑی دقت ہمیں یہ پیش آئی کہ شہنشاہ نے براہ راست جو تجویزیں کی ہیں، ہم ان کا وزیر اطالیہ پر اظہار نہیں کرسکتے تھے۔ اور وہ صاف کہہ چکا ہے کہ اطالیہ اپنے مقاصد جنگ کے بر آنے تک علیحدہ صلح نہیں کرسکتی۔ واقع میں وہاں کی جو وزارت "سادہ صلح" کی تحریک کرے گی وہ ایک دن بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکتی اور خود بادشاہ کو انقلاب

---

[1] ان سرکاری تحریرات کے لئے ملاحظہ ہو نرن کی کتاب "ان دی ورلڈ وار" باب ۶۔

تاج وتخت سے محروم کردے گا۔ پھر یہ کہ اطالیہ کے مطالبات بہت وسیع ہیں، یعنی ٹرنٹینو، ولماشیہ ساحل کے تمام جزیرے اور ٹریسیٹ۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ آسٹریہ کچھ نہ کچھ اطالیہ کو دے لیکن شہنشاہ کے خط میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ آسٹریہ کو چار ونا چار ہماری شرطیں ماننی پڑیں گی کیونکہ ہم برابر جنگ جاری رکھیں گے۔ پس گو اس وقت ہم سرکاری طور پر نامہ وپیام نہیں کر سکتے تاہم جس وقت آسٹریہ ٹرنٹینو اور جزائر دلماشیہ کی حوالگی کی آمادگی پر تصدیق کردے گی ہم بلا تامل اُس سے گفتگو شروع کردیں گے"۔ شہزادے نے شہنشاہ سے یہ باتیں کہنے کا وعدہ کیا اور مسٹر لائڈ جورج نے دعوت دی کہ مزید بحث وگفتگو کے واسطے لندن آئے۔ فرانس کی طرف سے بھی شہنشاہ کے خط کا جواب اسی مضمون کا بھیجا گیا۔

ان باتوں سے کارل ذرا بھی مایوس نہیں ہوا بلکہ اُسے پہلے سے بھی زیادہ امید پیدا ہوگئی۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نہیں سمجھتا کہ جرمانیہ مجھ پر حملہ کرے گی لیکن اگر ایسا ہوا بھی، تو میں اپنی مدافعت کرلوں گا۔ واضح رہے کہ ۱۹۱۵ء سے لے کے اس وقت تک

شہنشاہ کی امیدیں

پانچ مرتبہ آسٹریہ سے (خاص کر روس کی طرف سے) صلح کی تحریک کی گئی تھی اور اسی زمانے میں بھی شہزادہ لووف نے ہنگامی صلح کی تجویز بھیجی تھی۔ ٹرنٹینو کی حوالگی اور سرحد اَی سونزو کی ردّوبدل بھی ہوسکتی تھی اور ادھر آسٹریہ کی ائتلاف سے صلح کرنے کے معنی یہ ہوتے کہ ترکی اور بلغاریہ بھی اس کی اتباع کریں۔ القصہ شہنشاہ کی بتدضروری طلبی پر شہزادہ دوبارہ ملکسن برگ آیا (۸ مئی) اور وہاں اس سے کہا گیا کہ ایک اطالی کرنیل صرف اطالوی ٹرنٹینو کی حوالگی کی بنیاد پر صلح کی تجویز کررہا ہے۔ وہ اپنے کو کادورنا اور شاہ اطالیہ کا قاصد بتاتا ہے اور برن کے جرمن سفیر سے گفتگو شروع کی تھی جس نے اُسے آسٹریہ کے سفیر کے پاس بھیج دیا[1]۔ شہنشاہ نے گفتگو کرنے سے انکار کردیا کہ وہ اطالیہ کے ساتھ صرف اس کے اتحادیوں کے واسطے سے معاملہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ اطالوی ٹرنٹینو دے دینے پر آمادہ ہے مگر اس کا معاوضہ ملنا چاہیئے مثلاً کوئی اطالوی نوآبادی۔ پھر کارل نے

[1] کادورنا نے بعد میں ایسی کارروائی کرنے سے انکار کیا۔

شہزادے کو دوسرا خط دیا جس میں اطمینان ظاہر کیا تھا کہ سوائے اطالیہ کی شرکت کے معاملے کے دوسرے امور میں فرانس و انگلستان بھی میرے ہمراہ ہیں۔ اور آخر میں لکھا تھا کہ اطالیہ نے حال ہی میں ٹرنٹینو دینے کی شرط پر صلح کی تحریک کی ہے مگر جب تک کہ ساتھ کے خط کی نسبت فرانس و برطانیہ کا جواب آئے میں اپنا فیصلہ ملتوی رکھتا ہوں۔ اور اس خط میں زرنن نے ان دو باتوں کی صراحت کی تھی کہ جب تک آسٹریہ کو معاوضہ نہ دیا جائے اور باقی اقطاع سلطنت کی صیانت و سلامتی کی ذمہ داری نہ لی جائے، آسٹریہ کوئی علاقہ حوالے نہیں کر سکتی۔ شہنشاہ کی تجویز تھی کہ دول ائتلاف وسطِ جون میں اپنے کسی سفیر کو صلح نامہ مرتب کرنے کی غرض سے سوی زرستان بھیج دیں۔ اسی زمانے میں زرنن نے بیٹ مین ہولویگ کو وی آنا بلایا اور شہزادہ سکستے کا نام لئے بغیر اطلاع دی کہ ٹرنٹینو اور بعض جزائر کی تحویل کی شرط پر برطانیہ، فرانس

بیٹ مین ہولویگ کا مطلع ہونا

اور اطالیہ میں صلح کی صلاح دے رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ ایسی صلح سے جرمانیہ کا کچھ نقصان نہ ہوگا کیونکہ آسٹریہ اپنی فوجیں اطالوی سرحد سے روسی سرحد کی طرف منتقل کر کے جرمن سپاہ کو موقع دے گی کہ وہ مغرب میں کام کریں اور ایڈریاٹک کا راستہ کھل جانے سے سامانِ خورونوش بھی جرمانیہ میں پہنچنے لگے گا۔ جرمن صدرِ اعظم نے یہ سن کر اجازت دی کہ نامہ و پیام جاری رکھے جائیں۔

۲۰ مئی کو شہزادہ پانچویں مرتبہ پوائنکارے سے ملا اور دونوں خط اس کے حوالے کئے۔ صدرِ اعظم فرانس نے خیال ظاہر کیا کہ اطالیہ سے عوض دلوانا مشکل ہوگا اور دریافت کیا کہ کونسی نوآبادی متعلق غور کیا جائے۔ شہزادہ سکستے نے ولایتِ سمالی کا نام لیا۔ ربیو کو شکایت تھی کہ رومانیہ کا کوئی ذکر نہیں آیا اور اس نے یہ بھی کہا کہ اتحادی اطالیہ سے نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ اسے دینے کا وعدہ کیا گیا ہے، اس سے دست بردار ہو جائے۔ وہ یہ یقین بھی نہیں کرتا تھا کہ بادشاہ اور کادورنا نے بغیر سونینو کی اطلاع کے کوئی تحریک صلح کی ہوگی اور اسے صاف کرنے کی غرض سے تجویز کرتا تھا کہ خود بادشاہ سے دریافت کیا جائے یعنی شاہ جارج صدرِ فرانس اور دونوں ممالک کے وزیرِ اعظم فوجوں کے معائنے کے سلسلے میں یکجا ہوں تو شاہِ اطالیہ کو بھی ان سے ملنے کی دعوت دی جائے۔ پھر سکستے لندن آیا جہاں وزیرِ اعظم نے اسے

بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور بادشاہ نے فرانس میں ملاقات کی تجویز پسند کی مگر اس دعوت کو سوئینو نے قبول نہیں کیا لہذا شہنشاہ کے خط اور زرنن کی یادداشت کا کوئی جواب نہیں روانہ کیا جا سکا۔ آسٹریہ اور فرانس کے درمیان کنونٹ ریورٹرا اور کنونٹ ارماند کے ذریعے کئی دفعہ سوئی زرستان میں غیر سرکاری طور پر گفتگو ہوتی قرار پائی[1] لیکن کارل کی تحریکوں پر دول ائتلاف کی طرف سے شافی جواب نہ ملا تو وہ خواہ مخواہ پہلے سے زیادہ اپنے حلیف کے آہنی پنجے میں آگیا۔ بتاریخ ۱۲ مئی وہ اور زرنن کریوز نیخ میں قیصر سے ملاقی ہوئے اور ایک اقرار نامے پر دستخط کر دیئے جس میں کسی تحویل و قربانی کا ذکر نہ تھا۔ اس کی رو سے طے ہوا کہ آسٹریہ بلقانی اقطاع کا الحاق کر لے اور رومانیہ کا مقبوضہ علاقہ بھی اس کے حلقۂ اثر میں آجائے۔ پولینڈ میں اپنی شرکت حکومت کے حق سے وہ دست بردار ہوا اور کورلینڈ و لتھوانیہ جرمانیہ میں شامل کر لئے جائیں۔ چند روز بعد پولینڈ کی فوجی تنظیم کے متعلق بھی طے ہوا کہ وہ جرمنوں کے ہاتھ میں رہے گی[2] (۸ رجون)۔

جرمانیہ میں بھی اہل الرائے کی روز افزوں تعداد اس ضرورت کو تسلیم کرنے لگی تھی جس نے کارل کی تخت نشینی کے وقت سے حکومت آسٹریہ کو مصالحت پر مائل کیا۔ چنانچہ تویریہ کے امیر رو پریکیٹ نے ۱۹۱۷ء کے شروع ہی میں صلح کا تقاضا شروع کیا۔ تحت البحر کشتیوں کی بے روک جنگ سے ولایات متحدۂ امریکہ تو باضابطہ دشمن بن کر میدان میں آگئی بحالیکہ برطانیہ کے سرنگوں ہونے کی جس کے وعدے کئے گئے تھے کوئی علامت نظر نہ آتی تھی۔ لوگوں میں مایوسی اور افسردگی پیدا ہونے لگی۔ ۶ جولائی کو فرقۂ وسطی کی جماعت کا فرینک فرٹ میں خفیہ جلسہ ہوا اور اس میں ارزبرگی نے زرنن کی اپریل والی یاس انگیز یادداشت، جس کی ایک نقل اس کے ہاتھ آگئی تھی، اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنائی اور

ارزبرگی کا تقاضائے مصالحت

[1] نواس ڈکنسن: "ڈوکیومنٹس" ۳۰۷-۱۴۱۔
[2] گزمیون اس "سیاحت کنوسا" کی گھبراہٹ کا واضح مرقع دکھاتا اور بیان کرتا ہے کہ قیصر کو اپنے حلیف سے ایسی بے اعتباری ہوئی کہ پھر یہ اثر زائل نہ ہو سکا۔

معاملات کی خطرناک نوعیت پر صاف صاف گفتگو کی۔ یہ کیتھولک سرگروہ حجت کرتا تھا کہ جنگ میں فتح پانا ممکن نہیں لہٰذا جرمانیہ مُلک ستانی کی خواہش سے علانیہ دست برداری کا اقرار کرے۔ اس جلسے کی خبر باہر والوں تک پہنچی تو بجلی کا سا اثر ہوا کیونکہ آرزبرگی ابتدا میں فتح کے ساتھ صلح کا مطالبہ کرتا تھا اور اب طبقۂ متوسط کا وہی پہلا سرگروہ تھا جس نے اشتراکیوں کے مطالبے پر صاد کیا۔ دسویں جولائی کے دن بیٹمین ہولویگ نے استعفیٰ پیش کیا۔ ہنڈن برگ، لوڈن ڈورف اور فرقۂ وطن پرست اس کی علٰحدگی اور بیو کے دوبارہ مقرر کیے جانے کے خواہشمند تھے مگر حکومتِ آسٹریہ کو اس سے اختلاف تھا چنانچہ استعفیٰ قبول نہیں کیا گیا۔ بایں ہمہ، قدامت پسند تو اس کے "ایسٹر کے اظہار حال" (مبنی فسطی) کے وقت سے ساتھ چھوڑ چکے تھے، جس کے ذریعے سے پروشیہ میں حق رائے کی اصلاح کا وعدہ تھا اور قومی آزاد خیال اور فرقۂ وسط کے پیرو اب اس کے دشمن ہو گئے۔ فوج کے عمائد تو مدت سے اس کی عدم مستعدی کے شاکی تھے لہٰذا اب جو انھوں نے ترکِ ملازمت کی دھمکی دی تو قیصر با دلِ ناخواستہ دب گیا۔ بویریہ کے وزیرِ اعظم آزمودہ کار ہرٹلنگ نے یہ منصب قبول نہیں کیا تو قلمدانِ صدارت پروشیہ کے ایک غیر معروف عہدہ دار[1] میکائلس کے تفویض ہوا اور جرمانیہ، معزول صدرِ اعظم کے تلخ الفاظ میں، آیندہ سے جنگی مختار کاروں کے زیرِ نگیں ہو گئی۔

ریشتاگ کی قرارداد

۱۹ جولائی کو آرزبرگی کی مرتبہ قرارداد ۱۲۶ کے مقابلے میں ۲۱۲ کی رائے سے منظور ہوئی۔ اکثریت میں فرقۂ وسط، اشتراکی اکثریت والے اور بعض آزاد خیال شامل تھے۔ اور ان کے مقابلے میں قدامت پسند قومی آزاد خیال، اور آزاد اشتراکی تھے۔ قرارداد کا مضمون یہ تھا کہ ریشتاگ صلح بالمفاہمت اور قوموں میں مستقل مصالحت و دوستی کے لئے ساعی ہے۔ مُلک ستانی، سیاسی، اقتصادی یا مالی جور و جبر اس قسم کی صلح سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ ایسی صلح ان تمام انتظامات کی بھی نفی کرتی ہے جن کا منشا جنگ کے بعد تجارتی رکاوٹیں پیدا کرنا ہو۔ اور سمندروں کی آزادی کا کامل اطمینان ہونا

[1] ملاحظہ ہو لوڈن ڈورف: "دی جنرل اسٹاف" "شیڈمین" بیٹمین ہولویگ وغیرہم۔

ضروری ہے کہ باایں ہمہ جب تک حریف حکومتیں جرمانیہ یا اس کے حلیف ممالک کو مفتوح و مغلوب کرنے کی دھن میں نظر آئیں، اس وقت تک جرمن قوم برابر لڑے جائے گی تا آنکہ اس کے اور اس کے حلیفوں کے زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا حق محفوظ ہو جائے۔" نئے صدر اعظم نے اعتراف کیا کہ میرے مقاصد جن میں جرمن ممالک کی صیانت و سلامتی، اور اقتصادی قیود عائد نہ ہونے کی ضمانت داخل ہے۔ اس قرارداد کی حدود میں "جیسا کہ میں اسے سمجھتا ہوں" آجاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ "ہم دوبارہ صلح کی دعوت نہیں دے سکتے۔ تاہم اگر ہمارے دشمن ہوس ملک گیری اور غلبہ و تسلط کے ارادوں سے ہاتھ اٹھالیں اور نامہ و پیام کی خواہش کریں تو ہم مائل بہ صلح ہو کر ان کی بات پر کان دھریں گے" قرارداد کے حامی سمجھتے تھے کہ اس سے جرمن قوم خالص دفاعی جنگ کے لئے پوری طرح آمادہ و متحد ہو جائے گی اور مخالف کہتے تھے کہ اس کی قرارداد نے جرمانیہ کے مرتبے کو پست اور دشمنوں کے ارادے کو مضبوط کر دیا۔

پاپا کا تجسس

علیحدہ ہونے سے کچھ ہی قبل بیٹ مین ہولویگ سے پاپا کا آدمی ملنے آیا۔ وہ قیصر کے نام پاپا کا خط لایا تھا۔ پاسلی (وکیل پاپا) نے بیان کیا کہ دشمنوں کی شرائط صلح معلوم ہونے سے بڑی سہولت ہو جائے گی۔ صدر اعظم بھی گفتگو کے لئے فوراً آمادہ ہو گیا اور اطلاع دی کہ جرمانیہ جنگی ساز و سامان کی حدبندی قبول کرے گی بشرطیکہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔ بلجیم کی آزادی بحال کر دے گی مگر اس پر برطانیہ و فرانس کا سیاسی، جنگی یا مالی تسلط ہونا نہ چاہیئے۔ نن سیو کے سوال پر کہ "آپ الساس لورین میں کسی علاقے کی رعایت گوارا کریں گے؟" صدر اعظم نے کہا کہ اگر فرانس مفاہمت کے واسطے آمادہ ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے گی ہر دو فریق سرحد میں ترمیم قبول کر لیں گے۔" باقی مشرق کی جانب ابھی کسی صلح کا امکان نہیں نظر آتا۔ صدر اعظم کو یقین تھا کہ پاپا کی یہ تحریک دول ائتلاف کے ایما سے نہیں تو اس کے علم میں ضرور ہے۔ اور قیصر بھی نن سیو سے ایسے ہی دوستانہ تپاک سے پیش آیا۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو بیٹ مین ہولویگ کا مضمون مورخہ ۲۹ فروری ۱۹۲۰ء جسے لوڈن ڈورف نے اپنی کتاب "دی جنرل اسٹاف" میں نقل کر دیا ہے (جلد دوم) نیز دیکھو قیصر کی "توزک" باب ۱۱۔ وغیرہ وغیرہ۔

مختلف پہلوؤں کو ٹٹولنے کے بعد پاپا نے "عملی اور مادی تجاویز" پیش کیں جن پر صلح کی گفتگو ہو سکتی تھی۔ یعنی اسلحہ میں تخفیف، نزاعات میں ثالثی، تاوان جنگ سے دستبرداری، مفتوحہ اقطاع کی بحالی۔ جرمانیہ اور فرانس، آسٹریہ و اطالیہ کے درمیان یا ارمنیہ، بلقان اور پولینڈ کے اختلافی امور کی نسبت امید ظاہر کی کہ دوستانہ طور پر باشندوں کے جذبات کا لحاظ رکھ کے ان پر غور کیا جا سکے گا۔ لکھا تھا کہ یہ جنگ اب روز بروز محض فضول کشت و خون ہوتی جاتی ہے "پس ہماری التجا پر کان دھرو اور وہ مشفقانہ دعوت قبول کرو جو شہزادہ امن (مسیح علیہ السلام) کا واسطہ دے کر ہم تمھیں بھیج رہے ہیں" پاپائی تجاویز کا خلاصہ یہ تھا کہ عملاً وہی صورت بحال کر دی جائے جو جنگ سے ماقبل تھی اور "بلا فتح صلح" ہو جائے جس کی رئیس امریکہ غیر جانبداری کے زمانے میں وکالت کرتا تھا مگر اب اس نے نرمی سے انکار کر دیا اور پاپا کو لکھ بھیجا کہ جرمانیہ کے ارباب حکومت ابھی تک مغلوب نہیں ہوئے ہیں اور ان کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ بلجیم نے جواب دیا کہ ہمارے نقصانات کی تلافی کے حقوق جن کا پاپا نے اعلان کیا تھا، جرمانیہ ابھی تک تسلیم نہیں کر رہی ہے۔ اتحادِ عظیم کا ایک اور رکن برازیل تھا جس نے پاپا کے خط کا جواب دیا۔[1]

انگریزوں کا جواب انگریزی حکومت کی طرف سے کوئی باضابطہ جواب تو نہیں آیا مگر مسٹر بالفور نے انگریزی سفیر واٹیکن کونٹ دی سالیس کو لکھا کہ "حکومت ابھی تک اپنے اتحادیوں کی رائے نہیں معلوم کر سکی اور اس لئے نہیں کہہ سکتی کہ جواب دینے سے کوئی فائدہ بھی ہوگا یا نہیں؟ اور ہوگا تو ایسا جواب کس شکل میں ارسال کیا جائے۔ وسطی سلطنتوں نے بلجیم کے بارے میں اپنا جرم تسلیم تو کر لیا ہے مگر قطعی طور پر کبھی اطلاع نہیں دی کہ وہ اس کی کامل خود مختاری بحال کرنے اور جو نقصان اسے پہنچا ہے اس کی تلافی کرنے پر بھی آمادہ ہیں؟ جب تک وہ اور ان کے حلیف سرکاری طور پر نہ بتائیں کہ وہ کس حد تک بحالی اور تلافیٔ مافات پر رضامند ہیں، ان کے مقاصدِ جنگ کیا ہیں اور ان کے خیال میں وہ کیا تدابیر ہیں جو اس بات کی پوری

[1] "برطانی اور خارجہ کاغذات سرکاری" بابتہ ۱۸-۱۹۱۷ء۔ ۵۷۵ تا ۵۸۹۔

کفیل ہوں گی کہ آئندہ دُنیا ایسے خوفناک شدائد میں مبتلا نہ ہوگی جن سے اب برباد وخراب ہو رہی ہے، اس وقت تک حکومت کے نزدیک صلح کی جانب قدم بڑھنا قرین قیاس نہیں ہے۔ نزاعی امور ہی صاف طور پر معلوم نہ ہوں تو لڑنے والوں میں تصفیہ کرا دینے کی کوشش ظاہرا بے معنیٰ ہے اور رئیس امریکہ ولسن کے خط کے جواب میں اتحادی جیسا جواب شائع کر چکے ہیں، جرمانیہ یا آسٹریہ نے آج تک اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ یہ نکتہ حضرت پاپا کو جتا دیں" اس خط کی پاپا نے نقل طلب کی اور اس کی تعمیل ہوئی۔ نائب پاپا خط سُن کے کہنے لگا کہ جرمانیہ یہ ارادہ تو پہلے سے ظاہر کر چکی ہے کہ بلجیم کی خود مختاری بحال کر دے گی۔ سفیر لکھتا ہے کہ "میں نے اِس قول پر گرفت کی تو نائب پاپا نے وہ جرمن قرار داد یاد دلائی جو بلا الحاق صلح کی تائید میں منظور ہوئی تھی۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ مجلس مبعوثین جرمانیہ کی حکمران نہیں ہے" اس پر کارڈینل گیس پیری کہنے لگا کہ میں خود حکومتِ جرمن کو لکھ چکا ہوں کہ بلجیم کی نسبت سرکاری اعلان مطلوب ہے اور یہ آجائے تو پھر انگریزی حکومت کو جواب دوں گا۔ انگریز سفیر نے اطلاع دی کہ "میں چاہتا ہوں کہ ایسا سرکاری بیان دینے سے، جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہم جرمن حکومت سے گفت وشنید کی ترغیب دیتے ہیں، پہلو تہی کی جائے اور اسی لئے جب اُس نے میری رائے دریافت کی تو میں نے کہا کہ بلجیم کی نسبت اعلان ہو جانا مناسب ہوگا کیونکہ گو یہ امور متنازعہ میں سے صرف ایک ہے تاہم ہماری نظر میں اسے خاص وقعت حاصل ہے" اس قدر معقول وسنجیدہ خیالات کے اظہار پر بھی سفیر کو وزارتِ خارجہ کی طرف سے ٹوکا گیا کہ "اگر آپ سے رائے طلب کی جائے تو آپ اپنے خیالات ظاہر کرنے سے ابا کریں۔ پاپا اور جرمن حکومت میں جو نامہ وپیام ہو رہے ہیں ان میں ہمیں کسی عنوان دخل دینا مناسب نہیں ہے" اس پر بھی پیرس میں پریشانی پھیل گئی اور فرانسیسی عامل نے وزارتِ خارجہ کو ایک یادداشت لا کر دی (۲۶ اگست) جس میں لکھا تھا کہ "میری حکومت واٹیکن کو جو پیام دیا گیا اس کے ہمنوائی اس لئے ہوئی کہ وہ زبانی تھا اور اس کے بعد کسی مزید تفصیل وصراحت کی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ کارڈینل کو کوئی تحریر بھی

دی گئی ہے اور ممکن ہے کہ یہ معاملہ اس قدر بڑھ جائے کہ ہم اتنا بڑھانا نہیں چاہتے۔" ایک یا دو دن بعد مسٹر بالفور نے تمام برطانی سفیروں کو لکھ بھیجا کہ مسٹر ولسن کے خط کے مدّنظر، برطانی حکومت پاپائی مراسلے کا کوئی اور جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی تھی۔

دول ائتلاف کے ایسے خشک جواب کے باوجود، پاپا نے اپنی کوششیں جاری رکھیں[1]۔ کارڈنیل دبیر نے مسٹر بالفور کا خط برلن بھیج دیا اور لکھا کہ بلجیم کی آزادی

پاپا کا استقلال

اور تلافی نقصان کا صاف و واضح وعدہ نامہ وپیام میں خاص طور سے مفید ہوگا۔ چنانچہ شاہی بزم شوریٰ منعقد ہوئی جس میں امارت بحر کے صدر نے ساحل بلجیم کا اور ہنڈن برگ ولوڈن ڈورف نے لیئز کا مطالبہ کیا۔ لیکن آخر کار بزم شوریٰ سے بلجیم کی صیانت اور بادشاہ کی بحالی کی اجازت مل گئی۔ بااین ہمہ جرمن حکومت نے جواب دیا کہ صلح کی گفتگو صرف اس قرار پر ہو سکتی ہے کہ فریقین میں سے کسی کو شکست نہیں ہوئی۔ اسی لئے شرائط صلح کا اس وقت شائع کرنا بے سود ہوگا۔" کارڈنیل گیس پیری نے آسٹریہ و جرمانیہ کے یہ جواب لندن روانہ کئے (۲۸ ستمبر) اور رائے دی کہ ان میں تبادلۂ خیالات کی گنجائش نکلتی ہے "اگر دول ائتلاف نامہ وپیام کرنے سے انکار نہ کرے تو سرکار قدسی مآب تیار ہے کہ جن معاملات کے متعلق اشارہ کیا جائے ان کی مزید صراحت اور صاف صاف تعیین وتبئین کے لئے خود اپنی طرف سے استفسار کرے"۔ اس تحریک کے جواب میں مسٹر بالفور نے صرف رسماً ایک رسید بھیج دی۔ شرائط صلح کی نسبت پاپا کی استدعا نہ ماننے کے باوجود جرمن حکومت گرمیوں میں پیرس ولندن سے ذریعۂ رسل ورسائل قائم کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

جرمنوں کا تجسس

بروسلز میں جرمن حکومت کی طرف سے بیرن لینکن سیاسی ناظم تھا۔ اس نے جون میں کونتیس دمیرو دکی اور پھر اگست میں بیرن کوپے کی وساطت سے بریان کو پیام بھیجے کہ قیصر صلح پر مائل ہے[2]۔ بریان انہی دنوں وزارت عظمیٰ سے الگ ہوا تھا۔ مگر اس نے کہلا بھیجا کہ

---

[1] ہل فرریخ۔ جلد سوم ۷۷۰۔
[2] ملاحظہ ہو مزیر: "Les Negociateons....." "باب ۷ و ۱۳"

اگر مقبوضہ علاقے کا تخلیہ، الساس لورین کی واگزاری اور نقصانات کی تلافی کا پیش از بیش وعدہ کرلیا جائے تو فرانس صرف اپنے حلیفوں کی شراکت میں معاملہ کرسکتا ہے بلجیم کے وزیرِ اعظم بروک ویل کی خواہش تھی کہ فرانس کے اربابِ حکومت للنیکن سے سوئی زرلینڈ جاکر ستمبر میں ملاقات کریں اور خود بریاں جانے کی فکر میں تھا۔ لیکن ربیو کو وسطی سلطنتوں کی ہر تحریک میں فریب نظر آتا تھا۔ اس نے ملاقات کی تجویز منسوخ کردی؛ تھوڑے ہی دن بعد ہسپانیہ کے سفیر پیم وسلو سے کہا گیا کہ لندن کو ٹٹولے کہ آیا ماقبلِ جنگ ممالکِ جرمانیہ کی بحالی، عدمِ ادائی تاوان اور عدمِ مقاطعۂ تجارتی کی بنیادوں پر گفتگو ہوسکتی ہے؟ ہسپانی سفیر جرمن وزیرِ خارجہ کا دوست تھا اور اس کی تحریک پر ہسپانی وزیرِ خارجہ نے برطانی سفیر میڈرڈ کو خبر دی کہ جرمانیہ انگریزوں کی شرائطِ نامہ و پیام معلوم کرکے خوش ہوگی۔ مسٹر بالفور نے اتحادی سفیروں کا جلسہ منعقد کیا اور اس میں پھر یہی فیصلہ ہوا کہ یہ بھی اتحادیوں میں محض نااتفاقی پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ تاہم برطانی سفیر میڈرڈ کو یہ جواب دینے کی ہدایت کردی گئی کہ جرمن حکومت جو پیام بھیجے، اُسے حکومتِ برطانیہ وصول کرنے اور اپنے اتحادیوں کے ساتھ اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہے[1]؛

آسٹریہ اور جرمانیہ کے حکّام کے دلی خیالات کا انکشاف اُن تقریروں سے بھی ہوا جو وہاں کے صیغۂ خارجہ کے وزیروں نے کیں۔ زرنن نے تو سامعین کو یاد دلایا کہ دولتِ آسٹریہ ہنگری غیر مغلوب ہے اور پھر بڑی فصاحت و خوبی سے برّی اور بحری بین الاقوام تخفیفِ اسلحہ، لازمی ثالثی اور غیر مقید تجارتی سرگرمی کی وکالت کی (۲ راکتوبر)، اس نے کہا کہ اگر مستقل امن وصلح کی یہ شرطیں میسر آجائیں، تو آسٹریہ کو کسی نئے علاقے یا مُلک کی احتیاج نہیں ہے؛ لیکن تقریر کا خاتمہ اس تہدید پر کیا کہ "کوئی صاحب اس دھوکے میں نہ پڑیں کہ ہماری امن و اعتدال پسندی کا یہ منصوبہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ اگر ہمارے دشمن جنگ جاری رکھنے پر مجبور کیے گئے تو ہمیں خواہ مخواہ اس منصوبے پر نظرِ ثانی اور معاوضے کا مطالبہ کرنا پڑے گا۔ یہ مجھے

---

[1] نابوکوف: "دی آورڈیل اوف اے ڈپلومیٹ" ۹۔۱۶۷ؔ

وثوق ہے کہ ایک سال بعد ہمارا حال کہیں زیادہ بہتر ہوگا۔" اس تقریر کو چند ہی روز گزرے تھے کہ کہل مین نے مسٹر آسیکوئتھ کے اسی زمانے کے بیان کا جواب دیا۔ آسیکوئتھ نے اعلان کیا تھا کہ آلساس لورین کی بازیابی اسی قدر ضروری ہے جس قدر بلجیم کی آزادی۔ کہل مین نے اس خیال کی کہ یورپ صرف بلجیم کے واسطے مصروف جنگ ہے، تکذیب کی۔ اس نے کہا کہ "وہ جھگڑا جس کے لئے سارا یورپ رفتہ رفتہ گندے کھنڈر کی شکل میں منتقل ہو رہا ہے آلساس لورین کا مستقبل ہے۔ اس سوال کا کہ کیا جرمانیہ آلساس لورین میں فرانس کے لئے کوئی رعایت کر سکتی ہے؟ ہمارے پاس صرف ایک جواب ہے کہ نہیں، کبھی نہیں! جب تک ایک جرمن ہاتھ میں بھی بندوق اٹھانے کی قوت ہے، اس وقت تک سلطنت جرمانیہ کی سلامتی کسی بحث و گفتگو کا موضوع نہیں بن سکتی۔ ہم بے سروپا ہوس ملک ستانی کے واسطے نہیں بلکہ سلطنت کی سلامتی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور فرانس کی آرزوئے آلساس لورین کے سوا اور کوئی بڑی رکاوٹ صلح کے راستے میں حائل نہیں ہے۔"

کہل مین کی "کبھی نہیں"

ان وزیروں کے ایسا زوردار لہجہ اختیار کرنے کا سبب یہ تھا کہ ۱۹۱۵ء و ۱۹۱۶ء کی طرح ۱۹۱۷ء کی خریف میں بھی روس کے میدان سے ہٹ جانے اور اطالیہ کی کاپوریتو میں شدید ہزیمت کے باعث اتحادیوں کو سخت نقصان و مصیبت کا سامنا ہوا تھا۔ جولائی ۱۹۱۷ء شہزادہ لووف کی جگہ کیرنسکی روس کا وزیر اعظم مقرر ہوا مگر اس کی مستعدی اور خوش بیانی اہل ملک کی عدم امداد کی کمی پوری نہ کر سکتی تھی۔ پرانی حکومت کا تختہ الٹتے ہی تمدن میں بھی انقلاب آگیا اور کسان شخصی اور سرکاری زمینوں پر قابض ہو گئے۔ حکومت مخلوط کا فرقہ دست راست اپنے منصب سے دست بردار ہوا اور مجالس عوام میں کیرنسکی کے دشمن بولشویک چھا گئے۔ انھوں نے جولائی کے فوجی اقدام کی مخالفت کی اور پیٹروگریڈ میں فساد کھڑا کیا جسے کیرنسکی کو جبراً دبانا پڑا۔ دوسرے خود فوج پر وہ بھروسہ نہ کر سکتا تھا کیونکہ گزشتہ ہزیمت کے بعد بروسی لوف کی جگہ کورنی لوف سپہ سالار مقرر ہوا اور کیرنسکی اس کی طرف سے کھٹک گیا کہ وہ جنگی مطلق العنان حکومت قائم کرنے کی فکر میں ہے

پس ان دونوں میں باہم ٹھن گئی۔ پھر ناکامی کا آخری سبب یہ کہ کیرنسکی خستہ و ماندہ اہل وطن کو اس صلح سے بہرہ مند نہ کر سکا جس کے وہ آرزو مند و جویا تھے۔ کورنی لوف کے قضیے کے بعد اُس نے اعلان کیا کہ ”اپنے اتحادیوں کی کامل تائید سے ہماری حکومت عنقریب مجلس مشاورۃ میں حصہ لے گی اور ہمارے قائم مقام ان اصول کے مطابق تصفیہ ہو جانے کی سعی کریں گے جن کی روس کے اہلِ انقلاب منادی کر چکے ہیں“ اور ایک روسی سفیرِ خاص کو ہدایت بھی کر دی گئی (۲۰ / اکتوبر) کہ ”اتحادیوں سے جدید عہد نامہ بلا الحاق و بلا تاوان صلح، اور قوموں کے اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کے حق کے اصول پر مبنی ہونا چاہیئے“ لیکن اتحادیوں کی طرف سے مصالحہ یا مشاورۃ پر آمادگی کا کوئی اثر آثار ظاہر نہ ہوتا تھا بلکہ ۹ / اکتوبر کے دن برطانیۂ فرانس اور اطالیہ کے

بولشویک کیرنسکی کو معزول کرتے ہیں

سفیروں نے بالاتفاق زور دیا تھا کہ فوج کی حربی استعداد کو تازہ و بحال کرنے کی ضرورت ہے[1]۔ غرض نومبر کے آغاز میں بولشویکوں نے کیرنسکی کو نکال باہر کیا اور دولت روس کی عنانِ حکومت اس فرقے کی روح رواں لینن کے ہاتھ میں آ گئی جو مجلس نظارتِ جمہوریہ کا صدر نشین مقرر ہوا اور سینٹ پیٹرز گریڈ کی مجلسِ عوام کا صدر ٹراٹسکی وزیرِ خارجہ بنایا گیا[2]۔

نئی حکومت کا پہلا مقصد یہ تھا کہ صلح کر لی جائے۔ ۸ / نومبر کو مؤتمر مجالس عوام نے تمام لڑنے والوں کو دعوت دی کہ بلا الحاق و تاوان صلح کے لئے نامہ و پیام شروع کریں اور ”دُنیا کے تین سربرآوردہ ممالک، یعنی انگلستان، فرانس و جرمانیہ کے ذی فہم اہلِ حرفہ“ سے خاص طور پر استدعا کی۔ مراسلہ ٹراٹسکی نے روانہ کیا اور لکھا کہ سب حکومتیں اسے ہر محاذِ جنگ پر بلا تاخیر لڑائی روکنے اور گفتگوئے صلح شروع کر دینے کی باضابطہ تحریک سمجھیں اور اسی نظر سے اس پر غور کریں مگر مراسلے کے

---

[1] لائڈ جارج ”لے دو کیومانت سیکریت“ ۸۲-۷۹

[2] ملاحظہ ہو کیرنسکی: ”دی پری لوڈ ٹو بولشوزم“؛ ”دی کورنی لوف افیئر“؛ میلیوکوف: ”دی سیکنڈ رشین ریوالیوشن“؛ ٹراٹسکی: ”دی ریوالیوشن ان رشیا“

جواب میں کوئی صدا بلند نہ ہوئی اور روسی حکومت نے فوراً وسطی سلطنتوں سے پیام سلام شروع کر دئیے۔ ہنگامی صلح نامے پر دستخط ہونے سے قبل بھی روسیوں نے ایک ہفتے کے لئے گفتگو منقطع کر دی کہ اپنے اتحادیوں کو اطلاع اور شریک ہونے کا موقع دیں۔ آخر ۳ر دسمبر کو ہنگامی صلح اور ۲۲ کو برسیٹ لٹوسک میں باضابطہ صلح کی گفتگو شروع کی گئی جس میں ٹروٹسکی اور دوسری طرف زرنن وکوہل مین شریک تھے۔ کوہل مین کی مدد یا نگرانی کے واسطے فوجی حکام صدر کا ایک جنگی وکیل بھی موجود تھا۔[1] بتاریخ ۲۵ر دسمبر جرمانیہ نے بلا الحاق وبلا تاوان صلح کا روسی کلیہ اس شرط پر قبول کر لیا کہ دولِ ائتلاف بھی اس کو تسلیم کر لیں، اور کارروائی ۴ر جنوری ۱۹۱۸ء تک روک دی گئی تاکہ ٹروٹسکی کے الفاظ میں، اتحادی ممالک کو آخری موقع دیا جائے کہ وہ جداگانہ صلح کے نتائج سے اپنے تئیں بچا سکیں۔ مگر اس کے اعلان میں بلانے کی بجائے ابھارنے کی شان اور استدعا کے پردے میں تہدید پنہاں تھی: "اگر انھوں نے ایسی صلح کرنے پر آمادگی ظاہر کی جس کی بنیاد یہ ہو کہ تمام سلطنتوں میں تمام قوموں کو اپنی حکومت طے کرنے کا اختیار دیا جائے اور خود اپنی سلطنت کی محکوم ومصیبت زدہ قوموں کو یہ حق دے کر عمل کا آغاز بھی کر دیا تو یہی واقعہ دنیا بھر میں ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ جرمانیہ اور آسٹریہ کے منصوبے باشندگانِ ملک کے زور سے دب جائیں گے۔ جداگانہ صلح یقیناً اتحادیوں کے حق میں سخت نقصان کا موجب ہوگی لیکن حکومتِ روس ہمیشہ سے عام صلح کے واسطے کوشاں ہے اور انقلابِ روس نے بلا تاخیر صلحِ عام کا راستہ بھی صاف کر دیا ہے۔ اب بھی اگر اتحادی حکومتوں نے گفتگوئے صلح میں حصّہ لینے سے انکار کیا تو مزدور پیشہ طبقے مجبور ہوں گے کہ ان کے ہاتھوں سے جو لوگوں کو صلح نہیں دے سکتے یا خود نہیں دیتے، حکومت چھین لیں۔ اور ہم ہر ملک کے مزدور پیشہ طبقوں کو جو اپنے ہم قوم ملک ستانوں، جنگ طلبیوں اور حرب پرستوں کے خلاف خروج کریں، ہر ممکن مدد دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔"

ابھی دولِ ائتلاف کے جواب کا انتظار تھا کہ جرمانیہ نے اعلان کیا کہ پولینڈ،

[1] زرنن: "ان دی ورلڈ وار" وغیرہ۔

لتھوانیہ، کورلینڈ اور لی وونیہ کے اور استھونیہ کے بعض اضلاع سلطنت روس سے الگ ہونے اور جرمنوں کی حفاظت میں آنے کے خواستگار ہیں۔ ٹروٹسکی اس چال پر جس کا منشا یہ تھا کہ وسطی سلطنتوں کے مفتوحہ ممالک اُن کے قبضے میں رہیں، بہت بگڑا۔ لیکن آخر کار ۱۰ر جنوری سے جداگانہ صلح کی گفتگو کا آغاز ہو گیا۔ ٹروٹسکی نے مطالبہ کیا کہ ممالک مقبوضہ کی عام رائے سے کر فیصلہ کیا جائے مگر جرمنوں نے ایک نہ سُنی۔ ناچار ٹروٹسکی نے جرمن شرائط کو تسلیم کئے بغیر اعلان کیا کہ جنگ ختم ہو گئی (۱۰ر فروری) اس کے جواب میں جرمن فوج کو پھر حکم ملا کہ پیٹروگریڈ پر چڑھائی کرے

روس صلح قبول کرتا ہے

اور حکومت روس کو صلح نامے پر دستخط کرتے ہی بنی جس کی رو سے ہر سہ ولایات بالٹک، پولینڈ، لتھوانیہ اور یوکرین سلطنت سے جدا کر دئے گئے اگرچہ آسٹریہ کو کچھ نہ ملا۔ رومانیہ، فن لینڈ اور یوکرین سے علیحدہ علیحدہ صلح کی گئی اور حکومت رومانیہ کو جبراً دبروجہ، بلغاریہ کے اور کارپے تھین کے درے آسٹریہ کے حوالے کرنے پڑے۔ البتہ شہنشاہ کارل نے بیچ میں پڑ کر وہاں کے بادشاہ کو بحال رہنے دیا۔[1]

روس اور رومانیہ کے پالے سے نکل جانے سے لوڈن ڈورف کو ہمت ہوئی کہ آیندہ بہار میں اور قبل اس کے کہ امریکہ کی فوجیں تعداد کثیر میں پہنچ سکیں، مغرب کے میدان میں فیصلہ کُن جنگ کی جائے۔ اور اس کی وسیع الاثر حربی استادی کا ایک جزو یہ تھا کہ اصلی حملے کی زد کے مقام سے اتحادی فوجوں کی توجہ ہٹا دی جائے۔ ڈھائی سال کی گراں بہا کشاکش کے زمانے میں اطالیہ تسخیر گوریزیہ کے سوا اور کوئی کمال نہ دکھا سکتی تھی اور ٹیورن وغیرہ بعض بلادِ اطالیہ میں ابھی سے تکان و ماندگی کے آثار نمایاں تھے۔ کارسو کے دشوار گزار اور بھیانک پہاڑ اور اسی طرح ٹریسٹ کا راستہ روکے کھڑے تھے اور یہ راز بھی افشا ہو چلا تھا کہ خطِ اسی سونزو کے بائیں بازو کے سپاہیوں کا لڑائی سے جی بھر گیا ہے۔ جرمن جیوش کے اطالی میدانوں میں نظر

اطالیہ کی تباہی

آنے کی پہلی مرتبہ وسط اکتوبر میں اطلاع ملی۔ اور ایک ہی ہفتہ گزرا ہو گا کہ کاپورتیو پر اطالیہ کی وہ زبردست ضرب پڑی جس نے

[1] زرنن: باب دوم "دی پیس اوف بکاریسٹ"۔

ہوش بگاڑ دیئے اور مقفل دروازہ ٹوٹ گیا۔ اور شمال کے سلسلۂ دفاعی کے تہ و بالا ہو جانے سے خطِ کارسو کی سپاہ کی فوری پسپائی لازم ہوئی۔ کادورنا اُس "بے حجاب غداری" پہ دانت پیستا تھا جس کی بدولت سارا کیا دھرا غارت ہوا اور اس کی سپہ سالاری ہاتھ سے گئی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس ہزیمت میں جو بے حد و حساب نقصان پہنچا، اس کے اطالوی سپہ سالار بھی کچھ نہ کچھ ذمہ دار ضرور تھے۔ اس امکان پر کہ اہلِ آسٹریا جرمنوں کی قیادت میں اور جرمن جیوش کی کمک پاکر خود پیشقدمی کریں گے، کبھی سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا گیا تھا اور نہ اس کا کافی انتظام تھا کہ ضرورت کے وقت فوج اور توپ خانے یا مویشی اور سامانِ رسد کے کثیر ذخیروں کو جو صف جنگ سے بالکل متصل عقب میں جمع تھے، عجلت کے ساتھ ہٹایا جا سکے؛ غرض صوبۂ وینیشیا کے بڑے حصّے پر چند ہی روز میں غنیم مسلط ہو گیا اور اطالوی سپاہ نے بھاگ کر پیاوے پر ٹھہری جو وینس سے صرف بیس میل فاصلے پر واقع ہے۔ سارے ملک میں رنج و اندوہ طاری ہو گیا بارے بہت جلد فرانس و برطانیہ کے سپاہی کومبارڈ کو عبور کرتے نظر آئے۔ حملے کا سیلاب ٹھہر گیا اور اطالیہ میں رفتہ رفتہ پھر کسی قدر ہمّت آگئی۔ پھر بھی کاپورتیو کی مصیبت کبریٰ کی بدولت وینیشیا کا سرسبز صوبۂ ڈھائی لاکھ قیدی، اٹھارہ سو توپیں اور اجناس کا بے قیاس ذخیرہ ہاتھ سے جاتا رہا؛

اس تہلکے کی خبر سُنی تو لائڈ جورج فرانس و برطانیہ کے فوجی اور دیوانی حکّام کی معیت میں جلد سے جلد ریپالو پہنچا کہ شاہِ اطالیہ اور اس کے مشیروں سے صلاح مشورہ کرے۔ واپسی میں پیرس آ کے اُس نے ایک تقریر کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی روح کو کس قدر صدمہ پہنچا ہے۔ اس نے بڑے جوش و خروش سے نکتہ چینی کی کہ اتحادیوں کے ارادے اور مشورے میں باہمی اتفاق و وحدت مفقود ہے اور اعلان کیا کہ آئندہ سے ایک صدر مجلس حرب وارسیلز میں اجلاس کرے گی کہ ان کی سرگرمیوں میں اتحاد و اشتراک پیدا کرے۔ اُس نے کہا "اگر ہماری جنگی سعی میں حقیقی اشتراک ہوتا تو آج ہمیں تباہی کی سوگ تمام کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اس وقت جو آفت پڑی ہے ممکن ہے کہ یہی اتحاد کو بچا لینے کا موجب ہو جائے کیونکہ یہ نہ آتی تو اب بھی میں نہیں سمجھتا کہ ہم کوئی واقعی مجلس قائم کرتے"[1]

[1] صدر مجلس حرب کی نوعیت اور فوائد کے لئے ملاحظہ ہو، "روبرٹسن": فرزم پرائیویٹ ٹو فیلڈ مارشل" مورائس: "اسٹریٹیجز اوف دی وار" رائٹ: "دی سپریم وار کونسل"

لارڈ لینسڈون کا خط

ہر چند حکومت برطانیہ جرمانیہ سے بحث و مشاورۃ کی تحریکوں کو رد کرتی رہی تھی، تاہم جنگ کا چوتھے جاڑے تک طوالت پکڑنا، اور جنگی حالت کے نہایت تشویش انگیز آثار، اثر کئے بغیر نہیں رہے اور ان خیالات کا جن سے لوگوں کی روز افزوں تعداد متاثر ہو رہی تھی، لارڈ لینسڈون کے خط میں اظہار ہوا جو ۲۸ نومبر کے ڈیلی ٹیلیگراف میں شایع ہوا۔ اس میں لکھا تھا کہ "ہم جنگ میں شکست تو نہیں کھا رہے ہیں لیکن اس کی طوالت متمدّن دُنیا کے حق میں تباہی کے مرادف ہوگی۔ آیندہ کی ضمانت و اطمینان بھی اسی وقت دُنیا کے لئے آیۂ رحمت ہوں گے جب کہ اس میں ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کی سکت ہو۔ ورنہ اگر قومیں اس قدر خستہ و ماندہ ہوگئیں کہ ہاتھ بڑھا کر انھیں مٹھی میں لینے کے قابل ہی نہ رہیں تو، پھر ایسی برکات امن کی قدر و قیمت ہی کیا رہ جائے گی؟ اس عالمگیر تہلکے سے بچنے کے لئے جنگ کو ختم کیا گیا تو اس کا سبب بھی یہی ہوگا کہ دونوں طرف کی قومیں جو اس میں مبتلا ہیں بخوبی سمجھ رہی ہیں کہ جنگ اب بھی ضرورت سے زیادہ طوالت کھینچ چکی ہے" آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر ہم اپنے مقاصد جنگ پر نظر ثانی کر دیں تو غالباً جرمانیہ کے صلح جو فرقے کو بڑی تقویت پہنچ جائے گی؟ اس خط کی اشاعت کے چند ہی روز بعد جنرل اسمٹس کو سوی زرلینڈ بھیجا گیا کہ کیونٹ مینس ڈورف سے مل کر آسٹریہ کے جداگانہ صلح کر لینے پر زور دے؟

بتاریخ ۵ جنوری ۱۹۱۸ء برطانیہ کے وزیر اعظم نے انجمن ہائے تجارت کے جلسے میں تقریر کی۔ اور اس موقع پر برطانیہ کے مقاصد کو اتنی وضاحت اور خالص سرکاری حیثیت سے اتنے اعتدال کے ساتھ بیان کیا کہ پہلے کبھی ایسی صراحت نہ کی گئی تھی[۱]۔ اس کی جملہ دفعات پہلے سے مسٹر ایسکوئتھ، لارڈ گرے سے مزدور پیشہ گروہ کے عمائد اور نوآبادیوں کے قائم مقاموں کو دکھا دی گئی تھیں ایک سال قبل، رئیس امریکہ کو اتحادیوں نے جواب دیا تو اس میں اپنی قوّت بازو پر اطمینان اور رجز خوانی کی شان تھی لیکن اس تقریر کے دھیمے پن کا رنگ بالکل دوسرا تھا۔

---

[۱] دیکھو لوائس ڈکنسن: "ڈوکیومینٹس"۔

شروع ہی میں وزیر اعظم نے بیان کیا کہ انگریز جرمانیہ کی تباہی یا قطع وبرید کی فکر میں

برطانیہ کے مقاصد جنگ

نہیں ہیں اور وہاں کے شہنشاہی آئین کو محض درہم وبرہم کرنے یا بدلنے کے لئے لڑنا نہیں چاہتے۔ گو اس میں شک نہیں کہ جنگی استبداد اس عہد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ صحیح معنی میں جمہوری نظامِ حکومت کو اختیار کر لیا جائے تو یہ نہایت واثق شہادت ہوگی کہ جنگی اقتدار کی رسمِ کہن قصۂ ماضی ہوگئی اور پھر ایک جامع اور جمہوری صلح کرنے میں بہت سہولت ہوجائے گی۔ لوازمِ صلح میں "سب سے پہلی چیز جسے برطانیہ اور اتحادی ہمیشہ پیش کرتے رہے ہیں، یہ ہے کہ بلجیم کی سیاسی، ملکی اور اقتصادی کامل خود مختاری کو بحال کر دیا جائے اور اس کے اقطاع وبلاد کی تاراجی وتباہی کی جس حد تک ممکن ہے تلافی کی جائے۔ اس کے بعد سرویہ، جبل اسود، اور فرانس، اطالیہ ورومانیہ کے مقبوضہ اقطاع کی واگزاری کی شرط آتی ہے۔ اور فرانس کی جمہوریت پر ۱۸۷۱ء میں جو ظلم ہوا ہے اور اب وہ اس کی نظرثانی کا مطالبہ کرتی ہے ہم جب تک جان میں جان ہے اس معاملے میں اس کے ساتھ دینے کا قصد رکھتے ہیں۔ بولشویکوں کی خاطر ہمیں خون بہانا منظور نہیں ہے۔ اور گو روس کی نئی جمہوریت کے پہلو بہ پہلو جنگ کرنا ہم اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر وہاں کے موجودہ حکمران اپنے اتحادیوں سے الگ ہو کے کوئی کام کریں تو ان کے ملک پر جو آفتیں نازل ہو رہی ہیں، انھیں روکنے کی کوئی سبیل ہمارے پاس نہیں ہے۔ روس کو خود وہاں کی قوم نجات دلا سکتی ہے البتہ پولینڈ کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ ایک خود مختار پولینڈ جس میں وہ تمام گروہ شامل ہوں جو فی الواقع پول ہیں اور اس ملک کا جزو بننا چاہتے ہیں، مغربی یورپ کی مضبوطی کے واسطے نہایت ضروری ہے۔"

السا س لورین کے مسئلے پر "نظرثانی" میں ان صوبوں کی بجنسہٖ واپسی سے کمتر مطالبہ ہونے کا اشارہ تھا اور اسی طرح آسٹریہ کا جس طور پر تذکرہ آیا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انگریزوں کے پہلے دعوے کس قدر سکڑ گئے ہیں چنانچہ وزیر اعظم نے کہا کہ "آسٹریہ ہنگری کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہمارے مقاصدِ جنگ کا جزو نہیں ہے۔ البتہ ان قوموں کو جو مدت سے آرزومند ہیں، صحیح معنی میں حکومتِ خود اختیاری ملنی چاہیئے"، تاہم ایک علاقے کی نسبت کامل دستبرداری کی شرط

قائم رہی: "ہم اہل اطالیہ کے اس جائز دعوے کا کہ ان کے ہمنسل و ہمزبان اطالیہ سے متحد کر دئے جائیں، پورا ہونا فرض سمجھتے ہیں" رومانیہ کے متعلق جو اعلان کیا گیا وہ ارادۃً مبہم تھا یعنی یہ کہ "ہمارا یہ بھی منشا ہے کہ رومانی نسل و گفتار کے باشندوں کے ساتھ ان کی جائز آرزوئیں برلانے میں انصاف سے کام لیا جائے"

آسٹریہ کے بارے میں جو مبہم کلیہ ۱۹۱۷ء میں پیش کیا گیا تھا اس کی توکہہ سکتے تھے کہ اب وضاحت اور حد بندی کر دی گئی لیکن ترکی کے متعلق جس جدید حکمت عملی کا

قسطنطنیہ اور تھریس

اعلان ہوا وہ صاف صاف پہلے منصوبوں سے کامل رجوع کی دلیل تھی: "ہم اس لئے جنگ نہیں کر رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دار السلطنت یا ایشیائے کوچک کے زرخیز و مشہور انقطاع یا تھریس سے جہاں کثرتِ تعداد ترکی نسل کے لوگوں کی ہے، محروم کر دیں" البتہ آبناؤں کو غیر عسکری اور بین الاقوامی بنا دیا جائے عرب، آرمنیہ، عراق عرب، شام و فلسطین کے جداگانہ قومی حقوق تسلیم کئے جائیں۔ ان میں سے ہر ایک کے معاملے میں یہ حق تسلیم کرنے کی عملی صورت کیا ہو؟ اس پر بحث کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔ لیکن ان علاقوں کو اسی حکومت کے حوالے کر دینا جو پہلے وہاں مسلط تھی، غیر ممکن ہوگا؛ جرمن نوآبادیوں کا فیصلہ ایک مجلس مشاورۃ کے سپرد کیا جائے جس کا فرض ہوگا کہ فیصلہ کرتے وقت دیسی باشندوں کے مفاد و منشا کا لحاظ مقدم رکھے۔ اور سب سے زیادہ خیال اس بات کا ہوگا کہ یورپی حکومتوں یا سرمایہ داروں کو من مانے فائدے حاصل کرنے سے باز رکھا جائے؛

ملکی مسائل پر بحث کرنے کے بعد وزیر اعظم دوسرے امور کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا کہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کر کے جو نقصان پہنچائے گئے ہیں ان کا عوض ملنا چاہیئے جیسے کہ مثلاً ہمارے جہاز والوں کو پہنچے؛ خام اجناس کی ساری دنیا میں کمی ہو گئی ہے۔ اس لئے جو ممالک ان کی پیداوار پر اختیار رکھتے ہیں، وہ لامحالہ پہلے اپنی اور اپنے دوستوں کی ضرورت پوری کریں گے۔ البتہ اقتصادی حالات بدلیں گے تو جو کچھ طے ہوا ہے اس میں بھی تبدیلی ہو جائے گی؛ آخری بات یہ کہ پوری قوت کے ساتھ ایک خاص کوشش ہونی چاہیئے کہ کوئی

بین الاقوامی تنظیم ایسی قائم کرلی جائے جو قوموں کے جھگڑے فیصلہ کرنے کا ذریعہ بن جائے جس کے لئے اس وقت سوائے جنگ کے اور کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ مستقل صلح کی تین ناگزیر شرطیں یہ ہیں کہ عہدناموں کا احترام دوبارہ قائم کیا جائے۔ ملکوں کی قسمت کا فیصلہ حکومت خوداختیار کردہ یا رعایا کی رضامندی کے اصول پر مبنی ہو۔ اور کوئی بین الاقوامی تنظیم بنا کے جنگی ساز و سامان کے روز افزوں بار کی حدبندی اور جنگ کے اسباب و آثار میں کمی کی جائے۔ ان شرائط پر سلطنت برطانیہ صلح کا خیر مقدم کرے گی اور انھی کی خاطر سلطنتِ برطانیہ کے باشندے جس قدر قربانیاں برداشت کر چکے ہیں ان سے بھی زیادہ قربانیوں کے لئے تیار ہیں"۔

وسطی سلطنتوں میں بھی لب و لہجہ کا یہ فرق تسلیم کیا گیا جرمن صدرِ اعظم نے رائے زنی کی کہ "بارے اب وہ گالیاں دینے سے باز آگیا پھر بھی اکثر

صلح کا چرچا

غیر جانبدار ملکوں میں جو عام طور پر یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ اس تقریر سے صلح کی گہری رضامندی بلکہ دوستانہ میلان مترشح ہے۔

اس حد تک میں متفق نہیں ہو سکتا۔ جنگ کی صورتِ حال اس سے زیادہ ہمارے موافق کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اگر غنیم قوموں کے رہنما حقیقت میں مائل بہ صلح ہیں تو انھیں پھر اپنے ارادوں کی نظرثانی کرنی چاہیئے ۔۔۔ سلطنت جرمانیہ کی سلامتی تسلیم کئے بغیر صلح ناممکن ہے۔ بلجیم کا جبری الحاق جرمنوں کے منصوبے میں کبھی بھی داخل نہیں تھا لیکن جب تک کہ دول ائتلاف جرمانیہ اور اس کے حلیفوں کی صیانت و سلامتی قبول نہیں کرتیں میں بلجیم کے مسئلے کو قبل از قبل کبھی خارج از بحث نہیں کروں گا"۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ زرنن نے بھی اعلان کیا کہ آسٹریہ اپنے حلیفوں کی ماقبلِ جنگ مملوکات کے لئے اسی طرح جنگ کرے گی جس طرح اپنی املاک کے لئے۔

انجمن ہائے تجارت کے جلسے میں لائڈ جورج کی تقریر کے تیسرے روز رئیس امریکہ وِلسن نے **چہاردہ دفعات** کی صورت میں صلح کا وہ خاکہ تیار کیا جس کا جنگ کی آخری منازل میں بہت بڑا اثر پڑنے والا تھا۔[1]

[1] پریسیڈنٹ ولسنز فورین پولیسی، مرتبہ اسکوٹ۔

۱۔ صلح کے عہد نامے علانیہ ہوں، اور علانیہ ہی مرتب کیے جائیں؛
۲۔ سمندروں میں جہاز رانی کی جنگ و امن ہر حال میں، کامل آزادی بجز اُن قیود کے جو بین الاقوامی تحریک سے بین الاقوامی معاہدوں کو منوانے کے لئے عائد کی جائیں؛
۳۔ جہاں تک ممکن ہو تمام تجارتی حدبندیوں کو دور کیا جائے؛
۴۔ پوری ضمانت کہ جنگی ساز و سامان، انتہائی درجے تک جو ملکی حفاظت کے مناسب حال ہو، کم کر دیا جائے گا؛
۵۔ نوآبادیوں کے متعلق دعاوی کا منصفانہ تصفیہ، اس اصول پر کہ باشندوں کے مفاد کو بھی وہی وزن دینا لازم ہوگا جو اس حکومت کے دعاوی کو دیا جائے جس کے استحقاق کا سوال در پیش ہے؛
۶۔ تمام روسی سرزمین کا تخلیہ اور وہاں کے لوگوں کو آزادانہ اختیار کہ سیاسی ارتقا اور قومی اصول عمل کا خود فیصلہ کریں؛
۷۔ بلجیم کا قطعاً تخلیہ اور اُسے واگزاشت کر دیا جائے بغیر اس کے کہ اس کی حکمرانی پر کوئی حد عائد ہو؛

چہاردہ دفعات

۸۔ تمام فرانسیسی علاقہ آزاد اور مفتوحہ اقطاع بحال کیے جائیں اور ۱۸۷۱ء میں آلساس لورین کے معاملے میں جو غلطی ہوئی ہے، اُسے درست کیا جائے؛
۹۔ سرحد اطالیہ کی قومیت کے واضح طور پر قابل تسلیم احوال کے مطابق ترمیم کی جائے؛
۱۰۔ آسٹریہ ہنگری کی قوموں کے مرتبے کو ہم دنیا کی اقوام میں محفوظ و مسلم دیکھنا چاہتے ہیں۔ لہذا انھیں اندرونی آزادی کے ساتھ نشوونما پانے کا پہلا موقع دیا جائے؛
۱۱۔ رومانیہ، سرویہ اور جبل اسود کا تخلیہ اور مقبوضہ اضلاع بحال کیے جائیں۔ سرویہ کو سمندر تک آمد و رفت کا بے روک راستہ دیا جائے اور ممالک بلقان کے باہمی تعلقات حکومیت اور قومیت کی اُن بنیادوں پر استوار کیے جائیں

جو قدیم سے قائم ہیں۔

۱۲- دولتِ عثمانیہ کی ترکی حدود میں ترکوں کی کامل حکمرانی محفوظ و مسلم ہو، لیکن ترکی حکومت کے ماتحت دوسری قوموں کو کامل اطمینان دلایا جائے کہ ان کی جان محفوظ اور اندرونی آزادی کے ساتھ ترقی کرنے کا انھیں بلا کسی رکاوٹ کے پورا موقع دیا جائے گا۔ اور درِ دانیال کو بین الاقوامی ضمانت کے تحت میں، تمام قوموں کے جہازوں اور تجارت کے واسطے مستقل طور پر کھول کر آزاد راستہ بنا دیا جائے۔

۱۳- پولینڈ کی خود مختار مملکت تیار کی جائے جس میں وہ اقطاع داخل ہوں جہاں کے باشندوں کے پول ہونے میں کوئی شک و نزاع نہیں ہے۔ اس مملکت کو سمندر تک بلا روک راستہ حاصل ہو اور اس کی سیاسی اور اقتصادی خود مختاری اور ملکی صیانت و سلامتی کی بین الاقوامی معاہدے کے ذریعے ضمانت دی جائے۔

۱۴- قوموں کی ایک بزم عام ضرور بنائی جائے تاکہ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے ملکوں کو سیاسی آزادی اور ملکی صیانت کی باہمی ضمانتیں میسر آسکیں۔

اتحادیوں کے مقاصدِ جنگ میں ترمیم ہوگئی، وسطی سلطنتوں کی طرف سے بھی آمادگی ظاہر ہوئی اور پردے کے پیچھے کام کرنے والے بھی کوشش کرتے رہے[1] لیکن یہ باتیں مغرب کی اس قیامت خیز کشمکش کو روکنے کے لیئے کافی نہ ہوئیں جس میں روس کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد جرمانیہ نے پوری قوت سے کام لینے کے لئے فوجیں جمع کی تھیں اور جس سے وہی مزاج زرزن تک کامیابی کی توقع رکھتا تھا۔ ورسائی کی اتحادی مجلس نے بھی ایک بیان شائع کیا (۴ فروری) جس سے صلح کی گفت و شنید ختم ہوگئی اور صاف کہہ دیا گیا کہ ہرٹلنگ اور زرزن کی تقریروں سے گفتگوئے صلح کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی اور بریسٹ لٹوسک کا معاہدہ

سلہ آرمنڈ اور ایورٹرا دوبارہ سوئزرلینڈ میں ملاقی ہوئے۔ بویریہ کا چیف باغ برلن میں سفیر بلجیم سے ملا اور ڈنمارک کے بادشاہ نے جرمانیہ سے صلح کے متعلق حکومت کے خیالات دریافت کئے۔

غصب وکشور کشائی کے منصوبوں کا کاشف ہے۔ نظر براین فی الوقت ہمارے سامنے کرنے کا کام یہی رہ گیا ہے کہ پوری قوت سے لڑائی جاری رکھیں تاآنکہ ہماری دشمن حکومتوں اور قوموں پر اتنا دباؤ پڑے کہ ان کے مزاج کا رنگ دوسرا ہو جائے۔" پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا تو وزیر اعظم نے بھی اسی کھرے اعلان کو دُہرایا کہ چونکہ جرمانیہ اور اس کے تینوں حلیف اپنے مقبوضات کی سلامتی پر مُصِر ہیں لہذا کوئی گفتگو نہیں شروع ہو سکتی۔ ادھر حملے کا ایک نیا حربہ تیار کیا گیا کہ لارڈ نارتھ کلف کے ماتحت تبلیغ واشاعت کا ایک جدید محکمہ قائم ہوا جس نے خاص طور پر اپنی توجہ اس بات پر مبذول کی کہ سلطنت ہیپس برگ کی اسلاوی قوموں میں اپنی حکومت سے ناراضی پھیلائی جائے اور یہ بے سود کوشش بھی کی کہ ان کے مقاصد اور اطالوی شہنشاہی میں باہم موافقت ہو جائے۔[1]

لارڈ نارتھ کلف کا تبلیغی ہنگامہ

جرمنوں کے حملۂ عظیم کا سان کوئنتین کے حصے پر ۲۱ مارچ کو آغاز ہوا جہاں انگریزی سپاہ پنجم مورچہ بند تھی اور صفیں سب سے چھدری تھیں کہ برطانی اور فرانسیسی فوجوں کا یہاں اتصال ٹوٹ جانا ممکن تھا۔ چار سال کی کشمکش میں اس غضب کا حملہ نہیں ہوا تھا جیسا کہ اس موقع پر جرمنوں نے کیا اور وہ بڑھے تو دو ہفتے بعد بس آمیان کے دروازوں ہی پر آ کے روکے جا سکے اور دعویٰ کرتے تھے کہ نوّے ہزار قیدی اور تیرہ سو توپیں ہاتھ آئیں۔ برطانیہ کی جنگی تاریخ میں یہ سب سے بڑی شکست تھی لیکن یہ انگریزی سپاہیوں یا ان کے سپہ سالار جنرل گوف کی کوئی بے عزتی کا موجب نہ تھی کیونکہ برطانی صف تعداد سپاہ میں مناسب اضافے کے بغیر وسیع کر دی گئی تھی اور عین نازک موقع پر جرمن فوج کو ایک کے مقابل تین ہونے کا فائدہ

لوڈن ڈورف کی پہلی ضرب

[1] دیکھو کیمبل اسٹوارٹ: "دی سیکرٹس اوف کروہوس" اور "دی نیو یورپ" ۱۴ مارچ و ۲ مئی ۱۹۱۸ء آسٹریہ کے اسلافیوں کی زمانہ جنگ میں امید و آرزو کے متعلق ملاحظہ ہوں: "یوہمیاز کیس فوران ٹای ہین ڈنیس" (از بنیس) اے بلورک اگنیسٹ جرمنی (وزن جنگ) وغیرہ۔

حاصل تھا۔ وزیر اعظم نے خبر سنتے ہی مسٹر ولسن سے مدد کی التجا کی تین لاکھ سپاہی جنھیں بے عقلی سے انگلستان پر حملہ ہونے کے ڈر سے روک رکھا تھا، مارا مار رودبار کے پار بھیجے اور جنگی خدمت کی عمر کو بڑھا کے پچاس سال کردیا۔ سب سے ضروری کام یہ تھا کہ مغربی میدانوں میں جنگی اقتدار شخص واحد کے ہاتھ میں ہو۔ فرانس میں وزارت دوبارہ کلیمنسیو کے تفویض ہوئی تھی اس کی قوتِ ارادی پہاڑ کی طرح فتح حاصل کرنے پر جمی ہوئی تھی اور اسی کی بدولت ہم وطنوں کی ہمتیں ٹوٹتے ٹوٹتے پھر بندھ گئی تھیں۔ وہ شروع سے وارسیلز کی صدر مجلس سے ناخوش تھا (اور حقیقت میں وہ کچھ زیادہ کام کی بھی نہ تھی) اور چاہتا تھا کہ فوش کو سپہ سالار عساکر مقرر کیا جائے۔[1] ۲۵ مارچ کے دن کومپین میں پیتین کے مستقر پر بزم شوریٰ ہوئی تو کلیمنسیو نے برطانی قائم مقام لارڈ ملنر سے اصرار کیا کہ واحد سپہ سالاری کی اجازت دی جائے۔ دوسرے دن دولان میں پھر اُس نے یہی درخواست کی اور ہیگ نے اپنی دلی رضامندی ظاہر کی؛

پہلے حملے کے دھیمے پڑنے کے ایک دو روز بعد لوڈن ڈورف نے دوسری ضرب لگائی (۹ اپریل) ہیگ سان کوئنتین کی تباہی روکنے کی غرض سے اس مقام پر فوجیں لے آیا تھا اور تازہ حملہ اُس کے میسرے ہی پر ہوا جہاں سے فوجیں ہٹائی گئی تھیں۔ اگر اس میں کامیابی ہو جاتی تو لوڈن ڈورف رودبار کی بندرگاہیں جیت لیتا۔ لیکن اُس نے مارچ کی فوجوں کی طرف ایک حصّے سے کام لیا اور برطانی

لوڈن ڈورف کی دوسری ضرب

فوج پسپا تو ہوئی مگر اس کے سوا سخت خونریزی کے عوض میں کوئی بڑا فائدہ جرمنوں کو حاصل نہ ہوا۔ غرض برطانی فوج پر جو بُرے سے بُرا وقت پڑنا تھا وہ گزر گیا اور وزیر اعظم کی صدائے استعانت پر ولایاتِ متحدہ نے جس قدر مستعدی سے لبیک کہی اس سے اتحادیوں کی شکست دلی دور ہو گئی۔ ایک لاکھ بیس ہزار امریکی سپاہی تو اپریل میں اوقیانوس کے پار ہوئے۔

[1] لارڈ ملنر کی پیش کردہ کیفیت بزم شوریٰ منعقدہ دولان۔ "دی نیو اسٹیٹس مین" مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۸ء۔ کوپر لینڈ، ہیڈ آف دی آرمی: "سر ڈگلس ہیگز کمانڈ" وغیرہ۔

دو لاکھ بیس ہزار مئی میں اور دو لاکھ پچھتر ہزار جون میں۔ ہر چند ان میں سے اکثر سرزمین فرانس پر مزید قواعد آموزی کے محتاج تھے لیکن جس قدر جلد وہ صفِ جنگ میں آنے کے لائق ہوتے گئے، انھیں اسی وقت انگریزی اور فرانسیسی فوجوں کے ساتھ لگا دیا گیا۔

۱۷ مئی کے دن جنرل اسمٹس نے تقریر کی جس سے وزارتِ زمانۂ جنگ کی ویسی ہی انتہائی تشویش کا پتہ چلتا تھا اور وہ لارڈ لینس ڈون کے خط کی صدائے بازگشت سی معلوم ہوتی تھی اس نے کہا کہ "جب ہم فتح کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ رہائن یا برلن تک بڑھتے چلے جائیں گے اور نہ ہمارا منشا یہ ہے کہ اس وقت تک بڑھے جائیں جب تک کہ جرمانیہ اور جرمن سلطنت کا بالکل تار و پود نہ بکھر جائے اور ہم دشمن کے پائے تخت میں پہنچ کے جبراً امن مانی شرطیں نہ لکھوا سکیں۔ کیونکہ ہر چند جب تک وہ مقصد جن کے لئے میدان میں اترے تھے، پورے نہ ہو جائیں، ہم برابر لڑے جائیں گے، با ایں ہمہ میں نہیں سمجھتا کہ اب لڑنے والی قوموں میں سے کسی جتھے کے لئے بھی کامل اور قطعی فتح حاصل کر لینا ممکن ہے جس کے معنی درحقیقت یہ ہوں گے کہ نامحدود زمانے تک معرکہ آرائی ہوتی رہے اور کٹ کے آدمی رہ جانے کے باوجود سالہا سال تک قومیں لڑائی جاتی رہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ جسے بچانے چلے تھے، خود وہ تمدن معرضِ خطر میں پڑ جائے۔ مختصر یہ کہ اس جنگ میں صرف فوجوں کی کوشش و کاوش سے امن و صلح میسر نہیں آئے گی بلکہ اُسے فاتحانہ انجام تک پہنچانے کے واسطے سلیقۂ بحث و گفتگو اور ہر قسم کی تدبیر و قوت سے جو ہمارے پاس ہو، کام لینا ہوگا۔ میں تصور کرتا ہوں کہ تم اس مرحلے تک لڑے جہاں کہ دشمن تمھاری خاص خاص شرطیں ماننے کے لئے تیار ہے، لیکن اگر کوئی غیر سرکاری مکالمت یا مشاورت نہ ہوئی تو تم کو اس کا علم کیونکر ہوگا؟"

برطانی صفِ جنگ پر دو ہنگامہ خیز وار کرنے کے بعد لوڈن ڈورف فرانسیسیوں کی طرف متوجہ ہوا اور سواسون تا ریمز کے خط پر اس کا تیسرا حملہ ۲۷ مئی سے شروع ہوا۔ سواسون سر ہو گیا اور تین دن میں جرمن شیتو تھیری کے قریب مارن تک تیس میل آگے بڑھ آئے جہاں انھیں روکا گیا۔ اسی موقع پر آسٹریہ نے بھی دریائے پیاوے پر آخری حملہ شروع کیا (۱۵ جون) حملہ آور ندی کو عبور کر گئے تھے لیکن

پیاوی کی فتح طغیانی سے بہت سے آسٹروی پل ٹوٹ گئے اور ایک ہی ہفتے کے اندر انھیں ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں کا نقصان اُٹھا کے واپس اُترنا پڑا۔ اس فتح سے اطالیہ کو اپنی قوتِ بازو پر پھر اعتماد ہو گیا اور جرمانیہ کے دو رہیں غیر عسکری اشخاص کے اندیشوں کی تصدیق ہو گئی جن کی نظر لوڈن ڈورف کی گراں قیمت فتوحات یا پک برتھا کے پیرس پر گولہ اندازی کرنے سے خیرہ نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ آسٹریہ کی ناکامی کے تیسرے دن کہل مین نے ریشتاگ میں تقریر کی جو نیچے سُروں میں تھی (۲۵ جون) اُس نے بیان کیا کہ جرمانیہ اور اس کے حلیفوں کے علاقوں کی سلامتی تصفیئے کی واحد بنیاد ہو سکتی ہے۔ مگر میں کہہ نہیں سکتا کہ جنگ کب ختم ہوگی۔ مولٹکے کہا کرتا تھا کہ آیندہ جدّوجہد ہفت سالہ یا سی سالہ جنگ ہوگی۔ جنگی فیصلے کی بنا پر بغیر سفارتی نامہ وپیام کے لڑائی کا ختم ہونا قرین قیاس نہیں نظر آتا پس ایسے سیاسی اسباب کی جستجو رکھنی لازم ہے جن سے بالآخر صلح کے امکانات کی گنجائش نکل سکے" وزیرِ خارجہ کا یہ اشارہ سن کر کیا عجب ہے جنگ کا فیصلہ لڑائی کے میدان میں کسی طرح نہ ہو سکے جرمانیہ کے اہل الرائے کو دھکا سا لگا کیونکہ اپنی سپاہ کی لازوال طاقت پر بھروسہ ان کے اعتقاد کا لاینفک جزو تھا۔ وزیرِ خارجہ کو صاف گوئی کی پاداش میں اور فوجی اکابر کے متحکمانہ ایما پر اپنے عہدے سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس کا جرم یہ نہ تھا کہ ایسی رائیں قائم کیں بلکہ یہ تھا کہ ان کا عام طور پر اظہار کر دیا۔ ورنہ اونچے طبقوں میں بہت لوگ یہی رائیں رکھتے تھے۔ شہزادہ روپریکٹ پہلے ہی صدرِ اعظم سے کہہ چکا تھا کہ گفتگوئے صلح کی تحریک کرنے کا وقت آگیا ہے اور ہرٹلنگ نے جواب دیا تھا کہ میں مناسب موقع کی فکر میں ہوں[1]۔

جرمن اقدام کی چوتھی اور آخری منزل ۱۵ جولائی سے شروع ہوئی۔ لوڈن ڈورف کی رائے تھی کہ "اگر ریمز پر میرا حملہ کامیاب ہوا، تو ہم لڑائی جیت گئے" اسی یادگار دن فوش نے بھی یہی کہا کہ "اگر ریمز پر جرمن حملہ کامیاب ہوا، تو ہم لڑائی ہار گئے" مارن کو تو حملہ آور شیتو تھیئری اور اپرنی کے درمیان عبور کر آئے لیکن ریمز کو گھیرنے کی کوشش

[1] دیکھو ہرٹلنگ: "Ein Jahr. . . ."

ناکام رہی۔ اور اٹھارھویں جولائی کے دِن فوش نے وہ اقدام روک لیا جو ۲۱ مارچ سے شروع ہوا تھا اور امریکی سپاہ کے اضافے سے جوابی حملے کا آغاز کیا جس کی مدّت سے تیاری کی تھی۔ امریکی سپاہ کی تعداد، لوڈن ڈورف کے لفظوں میں "اس سے زیادہ تھی جتنی کہ میں ممکن سمجھتا تھا" اور حملہ آوروں کی تکان و ماندگی سے جوابی حملے میں سہولت ہو گئی اور ایک دفعہ شروع ہوا تو پھر اُس وقت تک کہ چار مہینے بعد دشمن نے ہتھیار رکھ دیئے، یہ حملہ نہ رُکا۔

جرمانیہ کا "روزِ سیاہ"

جرمن فوج کے بڑھے ہوئے زاویے کا مغربی پہلو آین سے مارن تک پھیلا ہوا تھا، وہ اندر دھکیل دیا گیا۔ اور مارن کو دوبارہ عبور کر کے سواسون پر پھر قبضہ ہو گیا۔ امیان اور بلجیم کے محاذ کے جوابی حملے بھی کامیاب ہوئے اور فرانس و برطانیہ کے متحدہ حملے سے اس زمین کا کچھ حصہ بھی دوبارہ ہاتھ آ گیا جو سان کوئنتین کی شکست میں چھن گیا تھا (۸ اگست) اس دن کی (جو جرمن سپاہ کا روزِ سیاہ کہلایا) ناکامی تو ایسی بڑی نہ تھی البتہ لڑائی میں سپاہیوں کی ہمّت پر جو اثر پڑا اُس نے لوڈن ڈورف کو پورا یقین دلا دیا کہ جنگ میں فتح پانا غیر ممکن ہے۔ اور آسپا کی بزم شوریٰ منعقدہ ۱۳ اگست میں قیصر و صدرِ اعظم سے اس نے یہ رائے بیان کر دی تھی۔ اس کا مشورہ صلح کر لینے کا تو نہ تھا مگر دشمن کا عندیہ معلوم کرنے کی اس نے تائید کی۔ ادھر نئے وزیرِ خارجہ ہنٹز نے اطلاع دی کہ آسٹریہ سارے جاڑے نہیں ٹھہر سکتی۔ قیصر کا رجحان اب یہ تھا کہ جرمن شرائطِ صلح آگے چل کر ملکۂ ہالینڈ کی وساطت سے ارسال کر دی جائیں اور ہنڈنبرگ کو اختیار مل گیا کہ جب مناسب سمجھے کارروائی کرے۔ اس عرصے میں اتحادیوں کی فاتحانہ پیش قدمی جاری رہی۔ امریکی فوج جنرل پرشنگ کی قیادت میں اتحادیوں کے دائیں بازو پر متعین کی گئی اور ادھر سے اس نے سان میہیل کے بڑھے ہوئے زاویئے کو دبانا شروع کیا۔ بتاریخ ۳۰ اگست

---

[1] جرمن ضعف و زوال کا سیاسی پہلو سرکاری تحریر "Materialien betreffend...." اور لوڈن ڈورف کی طیش آمیز "Entgegmung" میں بیان کیا گیا ہے اور لوڈن ڈورف کی یہ کتاب اس کی سوانح کی نسبت بہت زیادہ مفصل ہے۔

آسٹریہ کے سفیر نے صدرِ اعظم کو اطلاع دی کہ آسٹریہ لڑنے والوں کو بطورِ خود مجلس مشاورۃ میں مدعو کر رہی ہے۔ جرمن حکومت نے معارضہ کیا مگر تھوڑے سے ہی دن میں خود ہی کرنے والی تھی۔ آٹھویں ستمبر کے دن جرمن فوج کے سرداروں نے صدرِ اعظم سے کہہ دیا کہ ہم جس قدر جلد ہو سکے، صلح کے خواہاں ہیں لیکن ہرٹلنگ نے ارادہ کر لیا کہ جب تک اتحادی حملے کا زور نہ ٹوٹ جائے، کوئی کارروائی بجز اس کے نہ کی جائے کہ ملکۂ ہالینڈ سے ہیگ میں مجلسِ صلح منعقد کرنے کا استمزاج کر لے۔

۱۵ ستمبر کے روز دُنیا کو وسطی سلطنتوں کی زبوں حالی کا اس وقت اندازہ ہوا جب کہ آسٹریہ نے زبانی گفتگو کی استدعا شائع کی۔ چند مہینے قبل آسٹریہ میں جرمانیہ کے ساتھ جو عہدنامہ ہوا تھا (مئی ۱۹۱۸ء) کہ جنگ کے بعد آسٹریہ سیاسی اور جنگی روابط کو اور بھی قوی کر دے گی، اس کا عمل میں آنا پولینڈ کے متعلق باہمی قرارداد ہو جانے پر منحصر تھا۔ اور اس قرارداد کی تکمیل کی نوبت ہی نہ آئی۔ پس اب آسٹریہ نے قیصر کے صاف صاف روکنے ٹوکنے کے باوجود، اپنی آزادیٔ عمل دوبارہ حاصل کر لی۔ استدعا میں لکھا تھا کہ "ہم اس توقع کی جسارت کرتے ہیں کہ لڑنے والوں میں سے کسی کو بھی ایسے مبادلۂ خیالات پر اعتراض نہ ہوگا۔ جنگی کاموں میں کوئی التوا نہ کی جائے گی۔ بحث مباحثہ اس حد تک رہے گا جہاں تک کہ شرکائے بحث یہ سمجھتے ہوں کہ اس میں کامیابی کی امید ہے۔ اس سے کسی قسم کا ہرج واقع نہ ہوگا اور ممکن ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں۔ کیونکہ انسانی مہر و مروت کے گھٹے ہوئے جذبات بروئے کار آ جائیں گے۔ نظر بریں حکومت تمام لڑنے والوں سے تحریک کرتی ہے کہ کسی غیر جانبدار ملک میں اپنے اپنے قائم مقام روانہ کریں جو صیغۂ راز میں گفتگو کریں اور اس سے کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہو" استدعا کا سیاق قریب قریب التجا کا سا تھا لیکن رئیس امریکہ نے جواب دیا کہ میں اپنی شرطیں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں اور کسی مشاورۃ کو قبول نہیں کر سکتا۔

آسٹریہ کی صدائے درد و الم کے بعد ہی سقوطِ بلغاریہ کا واقعہ ہوا[1]۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں

[1] بلغاری فوج رعایا اور حکومت لڑائی سے بالکل بیدل ہو گئے تھے۔ ملاحظہ ہو توک "Der sturz ..." باب ۵۔

مناستر کی تسخیر کے بعد سے اتحادیوں نے جم کر کوئی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ

بلغاریہ کا ہتھیار ڈال دینا

وِدونا سے سلانیک تک مسلسل ان کی فوجیں پڑی تھیں لیکن ۱۵ ستمبر سے وہ ناقابلِ مزاحمت پیشقدمی شروع ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس دن میں اہل بلغاریہ نے ہنگامی صلح کی درخواست کی اور فرڈی نینڈ تخت سے دست بردار ہوگیا۔ بلغاریہ کے اس طرح یک بہ یک بیٹھ جانے سے آسٹریہ و جرمانیہ کے لوگوں پر منکشف ہوا کہ حالت کیسی نازک ہے ورنہ مغرب کی طرف آہستہ آہستہ پسپائی سے ایسا برا اثر اندازہ نہ ہوتا تھا دوسرے ان کے بلقانی حلیف کے الگ ہو جانے سے ترکی کا صلح پر مجبور رہونا لازم ہوگیا اور ادھر سرویہ کی کامیابی سے آسٹریہ کے یوگوسلافی صوبوں کو ہمت ہوئی کہ ہیپس برگ خاندان کا طوقِ حکومت اتار پھینکیں۔ خود بخارست میں مارغیلومین کی جرمن پرست وزارت کا تختہ الٹ دیا گیا اور رومانیہ دوبارہ میدان میں آنے کی تیاری کرنے لگی۔ اسی زمانے میں جب کہ مقدونیہ میں بلغاریہ کی صفیں ٹوٹیں، ایلنبی نے دوبارہ فاتحانہ اقدام کیا اور ۱۹۱۷ء کے اخیر میں بیت المقدس تک آپہنچا[1]۔ فرانس کے چند دستے اور بیرون کے مشرق میں عربوں کی تازہ بھرتی کی ہوئی فوج کمک پر آگئی جن کی مدد سے انگریزی سپاہ نے شمالی فلسطین میں ترکی افواج کو پراگندہ کیا اور ۳۰ ستمبر کے دن دمشق میں داخل ہوگئی۔ پھر اس کی پیشقدمی بجلی کی سی سرعت کے ساتھ جاری رہی اور اکتوبر گزرتے گزرتے حلب قبضے میں اور ملکِ شام فتحمندوں کے قدموں میں پڑا تھا۔ انھی دنوں ترکوں کی شمالی عراق کی فوج نے

ترکی کا ہتھیار رکھ دینا

شکست کھا کے ہتھیار رکھ دئے۔ طلعت و انور پہلے ہی معزول ہو چکے تھے۔ بلغاریہ کے سقوط کے ایک مہینے بعد ترکی سے متارکۂ جنگ پر دستخط ہوگئے جس کی رو سے اتحادیوں کے واسطے آبنائیں کھول دی گئیں۔

---

[1] ایلنبی کی فاتحانہ پیش قدمی کا نہایت واضح مرقع میسی نے کھینچا ہے "ہئو جروسلیم وز ون" اور "ایلنبیز فائنل ٹرائیمف"۔

ادھر کیمبرائے اور سان کوئنتین کے درمیان زک پائی اور خط ہنڈن برگ ہاتھ سے نکل گیا، تو لوڈن ڈورف نے اطلاع دی کہ میں اور ہنڈن برگ جنگ روک دینا واجب سمجھتے ہیں (۳۰ ستمبر) یہ موقع جیسی جامع وزارت کا مقتضی تھا، ہرٹلنگ نے اُسے مرتب کرنے سے انکار کیا اور مستعفی ہو گیا۔ وہ اور قیصر ابھی اسپا کے ایک خلوت خانے میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ لوڈن ڈورف اندر داخل ہوا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگا کہ "کیا ابھی تک نئی حکومت نہیں مرتب ہوئی؟ قیصر نے جواب دیا "مجھے جادو نہیں آتا" سپہ سالار نے پلٹ کے کہا جو کچھ بھی ہو آج مرتب ہو جانی چاہیئے کیونکہ صلح کی درخواست آج لازماً بھیج دینی چاہیئے" یہ یکم اکتوبر کا ذکر ہے۔ ۴ اکتوبر کو بیڈن کا شہزادہ میکس صدرِ اعظم مقرر ہوا اور دوسرے ہی دن جرمن حکومت نے ولسن سے درخواست کی کہ اپنی چہاردہ دفعات کی بنیاد پر بحالیٔ امن کا کام اپنے ذمے لے اور لڑنے والی حکومتوں سے وکلائے صلح مقرر کرنے کی استدعا کرے۔ نئی وزارت کی حالت اور اصول عمل کی صدرِ اعظم نے ریشتاگ میں صراحت کی۔ اس میں مزدور پیشہ گروہ کے قائم مقام بھی داخل تھے اور وہ ساری قوم کی طرف سے گفتگو کر سکتی تھی اس نے ریشتاگ کی جولائی ۱۹۱۷ء کی قرارداد جمعیتِ اقوام کی تجویز اور بلجیم کی کامل داگزاری قبول کر لی۔ اور کہہ دیا کہ ولایاتِ بلقان، پولینڈ و لتھوانیہ اپنی قسمت کا خود فیصلہ کریں؛ صدرِ اعظم نے ایک مراسلہ جسے سلطنتِ جرمانیہ اور حلیف ممالک کے تمام سرکاری اشخاص کی تائید حاصل تھی، واشنگٹن روانہ کر دیا تھا۔ اس کی نسبت بیان کیا کہ "میں نے یہ کارروائی جرمانیہ اور اس کے حلیفوں ہی کے واسطے نہیں بلکہ تمام بنی نوع کی نجات و فلاح کے واسطے کی ہے کیونکہ قوموں کی آیندہ سود و بہبود کے متعلق، مسٹر ولسن جن خیالات کی منادی کرتے ہیں، وہ جرمانیہ کی نئی حکومت اور ہماری قوم کی بہت بڑی اکثریت کے خیالات کے مطابق ہیں"۔

آیندہ مہینے میں واشنگٹن و برلن کے درمیان کے تار زور و شور سے کھٹکتے رہے۔ ۸ اکتوبر کو رئیس جمہوریہ نے جرمن مراسلے کا جواب دینے سے پہلے تین سوال کئے۔

ولسن کے استفسارات

کیا صدرِ اعظم کو وہ شرطیں منظور ہیں جو ۸ جنوری اور بعد کی تقریروں میں مقرر کی گئی تھیں؟ (۲) آیا وسطی سلطنتیں اپنی فوجیں

تاخت کردہ اقطاع سے بلا تاخیر واپس ہٹا لیں گی؟ اور تیسرے یہ کہ کیا صدرِ اعظم صرف اُن حکّامِ سلطنت کی طرف سے گفتگو کر رہا ہے جو اب تک جنگ کے کارپرداز رہے ہیں؟ ڈاکٹر سولف نے جواب دیا کہ بحث و گفتگو تو دفعاتِ چہاردہ کی عملی جزئیات اور تطبیق تک محدود ہو گی تخلیے کے لئے جرمانیہ اور آسٹریہ رضامند ہیں اور تفصیلی امور طے کرنے کی غرض سے ایک مرکب جماعت ماہرین کی تجویز کرتے ہیں۔ آخری بات یہ کہ ریشتاگ کی اکثریت صدرِ اعظم کی ہر کارروائی کے ساتھ ہے لہٰذا وہ جرمن حکومت اور جرمن قوم کی طرف سے گفتگو کر رہا ہے۔ رئیس جمہوریہ کا پھر جواب آیا کہ تخلیے اور متارکۂ جنگ کی شرطیں اتحادی قرار دیں گے تاکہ ان کی جنگی بالادستی لازماً برقرار رہے۔ دوسرے جنگ روکنے کی تجویز پر اس وقت تک کوئی غور نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایسے خلافِ قانون و انسانیت افعال، جیسے مسافر جہازوں کی غرقابی جاری رہیں، تیسرے اس مطلق العناں قوت کا، جو اب تک جرمن قوم پر مسلط رہی، خاتمہ یا اتنا ضعیف کر دیا جانا ضروری ہے کہ وہ کچھ نہ کر سکے۔ کیونکہ "یہ ناگزیر ہے کہ بلا خدشہ جان لیں کہ وہ کس سے معاملہ کر رہے ہیں" جرمانیہ کے جواب میں تخلیے کی جزئیات، جنگی مشیروں کے تفویض کرنے پر رضامندی لکھی تھی اور خلافِ قانون و انسانیت افعال کے فقرے پر احتجاج کے ساتھ یہ اعلان تھا کہ مسافر جہازوں کے تارپیڈو لگانے کی اب ممانعت کر دی گئی ہے۔ نیز دلیل پیش کی تھی کہ آئینِ سلطنت اُصولاً تبدیل کر دیا گیا اور صلح کی دعوت ایسی حکومت کی طرف سے بھیجی جا رہی ہے جو ہر قسم کے استبدادی اور غیر ذمہ دارانہ اثرات سے بری ہے۔

رئیس جمہوریہ کو بالآخر متجسّسانہ سوالات کے شافی جواب مل گئے تو اس نے لکھا کہ میں یہ تمام مراسلت اپنے اتحادیوں کے پاس بھیجتا ہوں اور صلاح

ولسن متارکۂ جنگ کا مشورہ دیتا ہے

دے رہا ہوں کہ وہ متارکۂ جنگ کی شرطیں مرتب کریں اور جرمانیہ کا اُنھیں قبول کر لینا ہی اس بات کی بہترین شہادت ہو گا کہ وہ صلح کے اصول و فروع تسلیم کرتی ہے۔ جرمانیہ کے آئینِ حکومت میں جو تبدیلیاں حال میں ہوئی ہیں، ان کے دیرپا و مستقل ہونے کی کوئی ضمانت نہیں نظر آتی لہٰذا تحفظ کی غیر معمولی تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی۔ جو دشواری

پیش ہے اس کی گرہ تک ہاتھ نہیں پہنچا ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جرمن قوم کو ایسے وسائل میسر نہیں ہیں کہ فوجی حکام سے قومی رائے کی متابعت کرائی جا سکے۔ فرماں روائے پروشیہ پوری سلطنت کی حکمتِ عملی پر نگرانی رکھنے کا مختار ہے اور اس کے اختیارات میں ذرا بھی خلل نہیں پڑا ہے اور ابتدائی کارروائی جس پر فیصلے کا انحصار ہوتا ہے، اس کا حق ابھی تک انھی کے ہاتھ میں ہے، پہلے سے جو جرمانیہ کے مالک تھے۔ ان صاحبوں کے قول پر دُنیا کی قوموں کو نہ بھروسا ہے نہ ہو سکتا ہے اور ولایاتِ متحدہ سوائے اُن کے جو جرمن قوم کے حقیقی نائب ہوں، اور جن کی نسبت آئینی طور پر مسلّم ہو کہ جرمانیہ کے اصلی حکمراں وہی ہیں، کسی اور سے معاملہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر اسے انھی فوجی حکام یا جرمانیہ کے مطلق العناں بادشاہوں سے معاملہ کرنا پڑا تو پھر وہ گفتگوئے صلح کی بجائے ہتھیار ڈال دینے کا مطالبہ کرے گی۔" جرمن حکومت کی طرف سے مختصر طور پر جواب لکھا گیا کہ صلح کے نامہ و پیام قومی حکومت کے ہاتھ میں ہوں گے اور فوجی حکام بھی اس حکومت کے ماتحت ہوں گے۔ اور یہ کہ ہم تجاویز متارکہ وصول ہونے کے منتظر ہیں۔"

آسٹریہ کا شیرازہ بکھر جانا

اتحادی جواب پر غور کر رہے تھے کہ اس عرصے میں سلطنتِ ہیپس برگ جنگ سے الگ ہو کر پاش پاش ہو گئی[۱]۔ اکتوبر کی ساتویں تاریخ حکومتِ آسٹریہ نے ہنگامی صلح اور "چہاردہ دفعات" کی بنیاد پر گفتگو آغاز کرکے تجویز کی۔ اور ۱۶ ویں تاریخ شہنشاہ نے آسٹریہ کو ریاست ہائے متحدہ کی صورت میں منتقل کر دیا۔ رئیسِ جمہوریہ نے جواب دیا کہ آٹھویں جنوری سے لے کے اب تک خاص خاص واقعات پیش آ چکے ہیں۔ اس وقت مَیں نے آسٹریہ کی قوموں کے واسطے صرف مقامی آزادی طلب کی تھی لیکن اس کے بعد ہم نے زیگوسلافی مجلسِ قومی کو باضابطہ حکومتِ اصلی مان لیا جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کا ایک فریق تھی اور یوگوسلافی قوم کی

[۱] شہزادہ جولئیس انڈراسی نے "ڈپلومیسی اینڈ وار" میں، اور شہزادہ ونڈیش گریٹز نے "مای میموائرز" میں اس سلطنتِ عظمیٰ کے دم توڑنے کی بہت واضح تصویر کھینچی ہے۔

آرزوؤں کا برسرِحق ہونا تسلیم کرلیا۔ نظر بریں "اب مجھے یہ اختیار نہیں رہا کہ ان قوموں کی محض مقامی آزادی کو صلح کی بنیاد مان سکوں بلکہ اب میں یہ اصرار کرنے پر مجبور ہوں کہ ان کو آزاد قوموں کے گروہ میں شامل کرنے کی غرض سے جو کچھ کیا جائے اُس کے حسب دلخواہ اور کافی وشافی ہونے کا فیصلہ میری بجائے خود اُن قوموں کے ہاتھ میں ہوگا" اور ان قوموں کے مقاصد ہر صوبے کے صدر مقام میں خود مختاری کے جو پے در پے اعلانات کیئے گئے، اُن سے ظاہر وعیاں ہوچکے تھے۔ ادھر ۲۳ر اکتوبر کو اطالیہ نے جو حملہ کیا اُس سے جاں بلب سلطنت کا کام ہی تمام ہوگیا۔ پیاوی کی صفوفِ جنگ ٹوٹ گئیں اور ہزاروں کی تعداد میں سپاہیوں نے ہتھیار ڈال دیئے یا میدان سے جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ بتاریخ ۲۷ر اکتوبر صلح پسند پروفیسر لیماش طلب ہوا کہ نئی وزارت مرتب کرے اور اسی دن آسٹریہ نے مسٹر ولسن کی یہ شرط کہ سب قوموں کو اپنا مستقبل خود طے کرنے کا اختیار دیا جائے، قبول کرلی۔ اور "دوسرے نامہ وپیام کے نتیجے کا انتظار کیئے بغیر" آمادگی ظاہر کی کہ بلا تاخیر ہنگامی صلح کرکے صلح کی گفتگو شروع کردی جائے۔ چنانچہ پیرس کی مجلسِ جنگ نے ہنگامی صلح کی شرطیں مرتب کیں اور ۳ر نومبر کو انھیں قبول کرلیا گیا۔ بتاریخ ۱۱ر نومبر کارل حکومت میں حصّہ لینے سے دست بردار ہوا اور ۱۲ر نومبر کے دن ویَانا میں جمہوریت کا اعلان ہوگیا۔ ہنگری نے بھی اس کی تقلید کی (۱۶ر نومبر) اور سلطنت ہیپس برگ جو ۱۲۸۲ء سے لے کے اب تک یورپ کی دولتِ عظمیٰ مانی جاتی تھی، اس نے نہ صرف شکست کھائی بلکہ اس کا خاتمہ ہوگیا۔

اب جرمانیہ اکیلی رہ گئی اور اس کا انجام بھی کچھ دور نہ ہوسکتا تھا۔ لوڈن ڈورف کا خیال تو بدل گیا اور وہ اجتماعِ عامّہ کے لیئے غل مچارہا تھا لیکن وقت ہاتھ سے

لوڈن ڈورف کا استعفا

جاچکا تھا اور ۲۷ر اکتوبر کو خبر شائع ہوئی کہ وہ مستعفی ہوگیا۔ فرانس بلجیم سے فوجیں برابر اور تیز تیز ہٹتی چلی آتی تھیں اور ۴ر نومبر کو ہیگ نے سامبری پر فیصلہ کُن ضرب لگائی۔ دوسرے دن رئیس جمہوریہ ولسن کی یادداشت جرمانیہ بھیج دی گئی جس میں فتحمندوں نے گفتگوئے صلح کی شرطیں لکھی تھیں۔ تحریر تھا کہ "اتحادیوں نے تمام خط کتابت پر احتیاط سے غور کیا۔ ان قیود کے ماتحت جو ذیل میں درج ہیں، وہ حکومت جرمانیہ سے

صلح کرنے پر اپنی آمادگی کا اعلان کرتے ہیں جس کی شرطیں وہی ہوں گی جو رئیس جمہوریہ کی تقریر مورخہ ۸ ر جنوری میں پیش کی گئی ہیں اور تصفیہ انھی اصول پر مبنی ہوگا جو موصوف کی بعد کی تقریروں میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ وہ یہ جتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ فقرۂ دوم کی تعبیر مختلف طریق پر کی جا سکتی ہے جن میں سے بعض معانی کو وہ قبول نہیں کر سکتے۔ یہ فقرہ اس مسئلے سے متعلق ہے جسے عام طور پر سمندروں کی آزادی سے منسوب کیا جاتا ہے پس مجلس صلح میں داخل ہوتے وقت وہ اس بارے میں اپنی رائے بالکل محفوظ رکھیں گے۔ دوسرے، رئیس موصوف نے ۸ ر جنوری کی تقریر میں بیان کیا تھا کہ جن اقطاع پر یورش ہوئی ہے انھیں نہ صرف خالی اور آزاد بلکہ بحال کر دیا جائے گا۔ اور اتحادی حکومتوں کے نزدیک اس شرط کے معنی ایسے صاف ہو جانے چاہئیں کہ پھر ان میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔ وہ اس فقرے کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ جرمانیہ کی خشکی، تری یا ہوا پر سے دراز دستی نے اتحادیوں کی غیر عسکری آبادی اور املاک کو جو نقصان پہنچایا ہے، جرمانیہ اس کا معاوضہ دے گی۔" اس کے آگے رئیس جمہوریہ نے بھی لکھ دیا کہ میں اس مفہوم کا مؤید ہوں اور یہ کہ سپہ سالار فوش کو اجازت دے دی گئی ہے کہ جرمن حکومت کے وکلا سے ملاقات اور ہنگامی صلح کی شرطیں پیش کرے۔"

فوش پہلے ہی اتحادی سپہ سالاروں کی بزم شوری سین لیس[1] میں منعقد کر چکا تھا کہ ایسی شرطیں سوچی جائیں جن کو مان لینے کی صورت میں جرمانیہ دوبارہ جنگ شروع نہ کر سکے اور اتحادی من مانی شرطوں پر صلح منوا سکیں۔" سب سے پہلی تقریر ہیگ نے کی اور زور دیا کہ اعتدال سے کام لیا جائے کیونکہ اتحادی فوجوں کا دم چڑھ گیا ہے اور جرمن سپاہ ابھی تک صحیح سالم ہے۔" اس کے برخلاف پیتین اور پرشنگ سخت شرطوں کے طالب تھے بحث پر غور وخوض کر کے فوش نے ایک خاکہ تیار کیا جسے مجلس اعلیٰ نے منظور کر لیا اور ۸ ر نومبر کو یہی حکومت جرمانیہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس میں تمام مفتوحہ علاقوں کا تخلیہ، فوج کا رائن پار تک

[1] تار دیئو "La Paix." "صفحہ ۶۶-۶۷"

ہٹا لیا جانا اور دائیں کنارے پر ایک غیر جانبدار پٹی کا چھوڑ دیا جانا، برسیٹ لٹوسک اور بخارست کے معاہدوں کی تنسیخ، قیدیوں کا مبادلہ، توپوں، طیاروں اور ریلوں کی حوالگی کی شرطیں داخل تھیں اور بیڑے کی حوالگی کا مطالبہ بھی کیا تھا جو آخر میں ہونے کے باوجود کسی سے کم اہم شرط نہ تھی۔ بتاریخ ۸ر نومبر فوش نے یہ شرائط نامہ جرمن وفد کے حوالے کیا جو آرزبرگر کی قیادت میں اتحادی لشکر میں آیا تھا۔ شرطوں کا مسترد ہونا خارج از بحث تھا۔ اتحادی سپاہ کا بے روک اقدام جاری تھا اور "داخلی محاذ"

جرمانیہ میں انقلاب سلطنت

کو خود اندرونی انقلاب نے توڑ ڈالا۔ بحری سپاہیوں کو کیل میں لنگر اٹھانے کا حکم دیا گیا تھا (۲۸ر اکتوبر) جسے وہ جنگ کا اشارہ سمجھے اور غدر کر دیا۔ بتاریخ ۴ر نومبر روسی نمونے پر ایک مجلس کابینہ منتخب کر لی گئی اور دوسرے ہی دن کیل پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ ایک بے پناہ سیلاب سارے ملک میں پھیل گیا اور اس کی طوفانی موجوں میں ہر بادشاہی تخت غرق ہو گیا۔ برلن میں جمہوریت کی منادی کر دی گئی جس کے صدر نشین اے برٹ اور صدر اعظم شیڈمن اشتراکی مقرر ہوئے۔ نویں نومبر کے دن قیصر بادشاہی سے دست بردار ہو کے ہالینڈ بھاگ آیا۔ جدید حکومت نے شرائط متارکۂ جنگ قبول کر لیں اور وہ لڑائی جس میں ایک کروڑ نفوس نے اپنی جانیں قربان کی تھیں، ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کو دن کے ۱۱ بجے یک بیک رک گئی۔[۲]

---

[۱] ملاحظہ ہو قیصر کی توزک باب ۱۲۔ جورج ینگ "دی نیو جرمنی" وغیرہ وغیرہ۔

[۲] ملاحظہ ہو سرکاری کتاب "Materialien...." وغیرہ۔

باب نوزدہم

تصفیہ

جنگ کا ہنگامہ فرو ہو گیا تو شاہ جورج، شاہ البرٹ اور وکٹر امانویل پیرس آئے کہ اس نجاتِ عظمیٰ پر اسے مبارکباد دیں[1]۔ فتحمندوں کے سامنے دو راستے تھے۔ پہلا تو یہ کہ صلح کے مبادی جلد سے جلد طے کر دئیے جائیں تاکہ پھر ناکہ بندی اٹھا دی جائے۔ قیدی اپنے اپنے وطن آ جائیں اور صنعت و حرفت کی کارگاہیں دوبارہ چلنے لگیں۔ اتحادیوں نے دو باتوں کے سوا، مسٹر ولسن کی چہار دہ دفعات کو مان لیا تھا اور ۵ نومبر کے مراسلے میں انھی کی بنیاد پر صلح کی استدعا قبول کر چکے تھے۔

---

[1] ملاحظہ ہو "ہسٹری اوف دی پیس کانفرنس ایٹ پیرس" مرتبہ ایچ ٹیمپرلی پانچ جلدوں میں (جس کا تکملہ چھٹی جلد سے ہو گا) "تار دیو" "لا پے" "وما ٹ ریلی ہینپنڈ ایٹ پیرس" مرتبہ کرنل ہوس و سی سیمور "ہیرنگز بفور دی کومیٹی اون فورین ریلیشنز یونائٹڈ اسٹیٹس سنیٹ" ۱۹۱۹ء وغیرہ وغیرہ۔ ٹارڈیو اور بارٹلیٹ نے اپنی کتابوں میں مجلس صلح کی وہ تصویر دکھائی ہے جیسی کہ وہ اخبار نویسوں کو نظر آتی تھی۔ اور وٹھبرٹ نے "Die Grossen ...... Werk" میں جرمن نقطۂ نظر سے اس کی روئداد کا خلاصہ تحریر کیا ہے۔

اب اگر انھی اُصول پر صلح کا خاکہ تیار ہوتا تو جرمانیہ کی نئی حکومت خوشی سے اسے مان لیتی کیونکہ اس کی تمام تر توجہ جمہوریت کے قیام و استحکام اور اسپارٹکی گروہ کا مقابلہ کرنے میں صرف ہو رہی تھی۔ اتحادیوں کے سامنے دوسرا راستہ یہ تھا کہ اس وقت تک کہ اتحادِ عظمیٰ کا ہر شریک دُنیا کے بعید ترین مُلک سے اپنا قائم مقام بھیج دے، بحث و گفتگو کو ملتوی رکھیں اور جب سب جمع ہو جائیں تو جنگ کے جملہ مسائل کو مجموعی طور پر طے کریں۔ یہی دوسرا راستہ پسند کیا گیا اور اصولاً دیکھیے تو اس کی تائید میں بہت سی دلیلیں پیش کی جا سکتی تھیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندگانِ خدا کی مصیبتوں میں بیحساب اضافہ ہو گیا اور فرانس کے اشارے سے ناکہ بندی جاری رہی تو تجارتی ابتری اور سیاسی عداوت میں بھی زیادتی ہوتی رہی۔

انتخاب عام

مجلس صلح کی التوا میں جو آفتیں مضمر تھیں ان میں مسٹر لائڈ جورج کے اس فیصلے سے اضافہ ہو گیا کہ پارلیمنٹ کا از سرِ نو انتخاب کیا جائے۔ اس کی معقول نما حجت یہ تھی کہ وزارتِ مخلوط کی قوم سے آج تک منظوری نہیں لی گئی اور مسائل صلح کو حل کرنے کی غرض سے بھی قوم کی رضامندی حاصل ہونی چاہیے۔

موجودہ پارلیمنٹ ۱۹۱۰ء سے قائم ہے اور اس اثنا میں عورتوں کے حقِ رائے، نشستوں کی تقسیم جدید وغیرہ کے معاملات میں بہت کچھ اہم اصلاحیں ہو چکی ہیں۔ اسی کے ساتھ لائڈ جورج نے گھبراہٹ میں طرح طرح کے وعدے ایسے کر لیے جن کا پورا ہونا ممکن نہ تھا اور جن کے باعث آیندہ اُسے بہت دشواریاں پیش آئیں۔ مگر اُس وقت تو وہ یہ چاہتا تھا کہ انگلستان کی طرف سے کامل با اختیار نائب بن کر اتحادیوں کی بزم شوریٰ میں شریک ہو۔ واضح رہے کہ مخلوط وزارت کو پوری طرح امن امان ہو جانے تک بحال رکھنے کے واسطے جو استدعا مشترکہ طور پر وزیرِ اعظم اور مسٹر بونر لا کی جانب سے شائع ہوئی اس کا لب و لہجہ معتدل تھا لیکن رائے عامہ شدائد جنگ کی یاد اور غیظ و غضب کے باعث اس قدر ہیجان میں آ چکی تھی کہ سادہ ہنڈی پر دستخط کر دینے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوئی بلکہ مطالبہ کیا کہ ایک معین اور انتقامی نظامِ عمل مرتب کیا جائے۔ جس وقت انتخابات کا معرکہ پورے زور پر تھا مسٹر لائڈ جورج اپنی اصلی اور صائب رائے کے خلاف اسی بھیڑ میں مل کر چلانے لگتے

جس کی تعداد سب سے زیادہ ہو۔ اس قسم کے سبز باغ دکھانے کے علاوہ کہ انگلستان آیندہ سورماؤں کے رہنے کے قابل مُلک بن جائے گا" ان کے گروہ کے خاص خاص مقاصد یہ تھے کہ مجرمانِ جنگ کو سزا دی جائے اور جرمنوں سے تاوانِ جنگ وصول کیا جائے۔ وزارتِ جنگ میں مزدور پیشہ طبقے کا قائم مقام مسٹر بارنس تھا اور وہ علانیہ پکارتا تھا کہ قیصر کو پھانسی دی جائے۔ اسی طرح ایک وزیر سر آیرک گیڈیز اہلِ وطن کو جوش دلاتا پھرتا تھا کہ جرمانیہ کو اتنا نچوڑا جائے کہ تھن چھچھڑا ہو جائیں"۔ انتخاب کے حلقوں نے احسانمندی اور اعتماد کا بے مثال ثبوت دیا اور مسٹر لائڈ جورج کی سیادت پر تصدیق کی مُہر ثبت کر دی۔ مسٹر ایسکوئتھ اور اس کے رفیق ہر جگہ بُری طرح پٹے اور نئی پارلیمنٹ میں بہت سے غیر معروف لوگ آبھرے جو تُلے ہوئے تھے کہ ان مواعید کے مطابق کام کرنے میں وزیرِ اعظم کا ساتھ دیں گے جن کے ذریعے اُس نے یہ اختیارِ کامل حاصل کیا تھا جس کی انگلستان کے عہدِ جدید میں نظیر نہیں ملتی"۔

اُدھر اسی زمانے میں رئیس جمہوریۂ امریکہ بالکل عقیدے کی تلقین کر رہا تھا۔ وہ اپنے معتمد حکومت کے مشورے کے خلاف تہیّہ کر چکا تھا کہ مجلس صلح میں اپنے ہم وطنوں کی خود نیابت کرے گا۔ چنانچہ وسطِ دسمبر میں بحرِ اوقیانوس کو عبور کر کے یورپ پہنچا کہ بحث و گفتگو شروع ہونے سے معاملات کو اچھی طرح سمجھ لے۔ لڑنے والے اور الگ رہنے والے سبھی نے مقاصدِ جنگ اور امن و صلح کی ایک نئی دُنیا بنانے کے متعلق اُس کے بلند خیالات پڑھے تھے لہٰذا آزاد خیال یورپ نے اس کا ایسے جوش و خروش سے استقبال کیا گویا مسیح نَو دُنیا میں رونق افروز ہوئے۔ فرانس، انگلستان اور اطالیہ میں اس فرستادۂ غیب کے گرد ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہے اور اس کی تقریروں کے ایک ایک لفظ پر سر دُھنا گیا جن میں ولولہ انگیز فصاحت کے ساتھ اُس نے دیرپا مصالحت کے اُصول اور ایسی جمعیت اقوام کے منصوبے کی شرح و تفسیر کی جو امن و صلح کے پُر ثمر کاموں میں مصروفِ اشتراک ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ کچھ عجب نہیں رئیسِ امریکہ، یعنی ایک بے غرض، غیر مضمحل اور طاقتور قوم کا نائب، یورپ کے طوفانی جذبات کو فرو کر دے اور پرانی دنیا سے

مدبروں کا سر اس کی قوت ارادی کے آگے جھک جائے؟

تاریخ نویس نسلہا نسل تک اس بات پر بحث کرتے رہیں گے کہ ۱۹۱۹ء میں "ولسنی صلح" ممکن بھی تھی یا نہیں؟ لیکن اس کے بروئے کار آنے کے امکانات

پیرس کی فضا

تو اسی وقت کم ہو گئے جب کہ شہر پیرس کو مجلس صلح کے لئے منتخب کیا گیا۔ پہلے جنیوا کی تجویز ہوئی تھی لیکن اس پر غور کر کے مسترد کر دیا گیا اور فرانس کے حقوق، نیز ایک بڑے شہر کی سہولتوں کا خیال غالب آگیا پیرس پر مہینوں گولے اور بم برسے تھے۔ دو دفعہ فتح ہوتے ہوتے بچا تھا اور اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تاراج و غارت شدہ مقامات سے بالکل قریب تھا۔ لہٰذا اس فرانسیسی صدر مقام کے ماحول اور فرانسیسی اخباروں کے لب ولہجہ میں آنے والوں کو گولہ زدہ اشخاص و مقامات کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ مُلکِ فرانس غصے سے آگ اور ہزاروں زخموں سے جگر فگار تھا۔ اس کے مطالبات نہ صرف مصائب ونقصانات بلکہ اسی قدر اپنے کارہائے نمایاں پر مبنی تھے اور ادھر محلِ وقوع اور پشتینی لڑائی کی روایات نے اُسے یہ حجت کرنے کا موقع دیا کہ ہم جرمن انفار کے مزاج اور طریقوں کو اپنے مہمانوں کی نسبت زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اس کی یہ حجت بظاہر دل کو بھی لگتی تھی۔ مگر ولسنی صلح ہونے میں اس سے بھی بڑھ کر سخت اور ٹھوس رکاوٹ یہ پیش آئی کہ برطانیہ، فرانس و اطالیہ پہلے سے خفیہ معاہدے کر چکے تھے اور اس خوفناک جنگ کے دوران میں خوشی سے یا مجبوراً انھیں وہ شرطیں ماننی پڑی تھیں کہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ رئیس جمہوریہ ہرچند کہتا رہا کہ دفعاتِ چہاردہ کو قبول کر لینے کے بعد ایسے سب عہد وپیمان جو ان دفعات کے معارض ہوں، کالعدم ہو گئے۔ لیکن وہ اتحادیوں کو مطمئن نہیں کر سکا اور بہت دن تک اُلجھنے کے بعد آخر ایک ناقص و فاسد مصالحت منظور کرنی پڑی۔

جنوری ۱۹۱۹ء کے وسط تک ستائیس مُلکوں کے، جو اتحادِ عظمیٰ میں شریک تھے ستر سرکاری وکیل پیرس میں جمع ہو گئے۔ برطانیہ کے وکیل مختار مسٹر لائڈ جورج، مسٹر بالفور، بونر لا اور مسٹر بارنس تھے اور بیرونی علاقوں کے علٰحدہ علٰحدہ نیابت خود وہاں کے ممتاز ارباب حکومت، جنرل بوتھا، جنرل اسمٹس،

سر رابرٹ بوردن اور مسٹر ہیوز نے انجام دی۔ لیکن برطانی وزیر اعظم کا اقتدار ان

مسٹر لائڈ جورج

دنوں انتہائی عروج پر تھا اور وہ شروع سے اپنی رائے کے مطابق چلتا رہا۔ ایک تاراج شدہ عالم کو از سر نو آباد کرنے کا کام اہم سامنے تھا اور جزئیات سے اتنی بے مایہ واقفیت کے ساتھ کوئی وکیل مختار شریک مجلس نہ ہوا ہوگا۔ مگر اُس نے بہت جلد واقفیت حاصل کر لی بلکہ ایک فائدہ یہ ہوا کہ صلح سازوں کے سامنے جو پیچ در پیچ مسائل کا ہوشربا انبار تھا، اسے سمیٹنے کے لیئے ایک تازہ دماغ کی مدد انھیں حاصل ہو گئی۔ مسٹر کینز نے اس احساس کا حال لکھا ہے جو اس کے گردوپیش کا ہر شخص قطعی طور پر اور قریب قریب اس طرح جیسے کسی معمول کو معلوم ہوتا ہے محسوس کرتا تھا۔ یہ مصنف اسے "چھ یا سات حواسوں سے جو معمولی انسانوں کو میسر نہیں ہوا ہے" متصف کرتا ہے جن کے ذریعے وہ لوگوں کی "اصلی سیرت" کا دلی منشا اور تحتِ شعور خواہش تک کا پتہ چلا لیتا اور تاڑ جاتا تھا کہ فلاں شخص کیا سوچ رہا ہے بلکہ یہ کہ آیندہ کیا بات کہنے والا ہے اور پھر قلب شناس وجدان سے وہ دلیل یا التجا مرتب کر لیتا تھا جو مخاطب کی خود پسندی، کمزوری یا خود غرضی کے سب سے زیادہ مناسب حال ہو" بالکل اسی قسم کی تصویر مسٹر لینسنگ نے کھینچی ہے[1]:- "اس کا راستہ کج روی کا تھا۔ مگر طبیعت غضب کی مستعد اور ہوشیار پائی تھی جس سے چلبلا پن خاصی طرح اُبلا پڑتا تھا۔ وہ نہایت سرعت سے فیصلے کر لیتا اور جزئیات بلکہ بنیادی اصول کے ہاتھ سے جانے کی بھی چنداں پروا نہ کرتا تھا۔ اگر ناقص معلومات یا غلط استدلال سے کبھی ٹھوکر کھاتا تو پھر ایک قہقہہ لگا کے یا لطیفہ کہہ کے فوراً اس طرح آگے بڑھ جاتا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اکابر اربعہ میں سب سے تیز فہم اسی کا دماغ تھا لیکن اس میں استقامت کی کمی نظر آتی تھی۔ زندہ دلی، خوش مزاجی اور ظرافت کی قدر خوب سمجھنے کے باعث وہ میل جول کے اعتبار سے بڑی کشش رکھتا تھا بس یہ سمجھیے کہ یہ ناممکن تھا کہ کوئی اس کا گرویدہ نہ ہو جائے۔ مباحثے میں وہ خطرناک حریف تھا کیونکہ مخالف کی کمزوریوں کو تاڑ جانے اور خود اپنی غلطیوں کو بے پروائی سے اڑا دینے میں اُسے

---

[1] "دی بگ فور"

کمال حاصل تھا۔ بایں ہمہ یہ غیر معمولی شخص سیاسی شاطری کا کوئی فن نہ جانتا تھا اور پیرس میں اس کی کامیابیاں، جن کی تعداد کچھ کم نہ تھی، زیادہ تر مشیروں کی رہینِ منت تھیں جو بہت عمدہ مشورے دیتے رہے اور وہ دانشمندی سے انھیں قبول کرتا رہا"

اس عقدۂ دشوار میں ہاتھ ڈالتے وقت، برطانی وفد کے پاس کوئی مفصل نظامِ عمل نہ تھا البتہ چند کلیات اس کے رہنما تھے۔ اس پر سب کا اتفاق تھا

برطانی مقاصد

کہ جرمانیہ میں آیندہ بری یا بحری حملہ کرسکنے کی قوت باقی نہ چھوڑی جائے۔ وہ لازماً اپنی نوآبادیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے جس حد تک ممکن ہوتاوان جنگ ادا کرے اور مجرمان جنگ کو عدالتی تحقیقات کے لئے حوالے کردے۔ بایں ہمہ شرطیں ایسی ہونی لازمی تھیں کہ جرمن حکومت انھیں قبول کرنے پر آمادہ ہوسکے ورنہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ عہدے سے برطرف ہوگئی تو وسطی یورپ رفتہ رفتہ بالشویزم یا اشتمالیت کے گڑھے میں جا گرے گا۔ مسٹر ہیوز کے افسوسناک استثنیٰ کے سوا، برطانی وفد کے سب ارکان اعتدال آمیز تصفیئے کے حامی تھے۔ لیکن مسٹر لائڈ جورج اتحادیوں کو اپنے حلم کے موافق نہیں چلا سکتا تھا، کیونکہ تحریری عہد و پیمان سے مقیّد ہونے کے علاوہ، وہ اہلِ فرانس کے خیالات اور اغراض و مفاد کا لحاظ رکھنے پر مجبور تھا؛

ادھر کلیمینسیو کو اپنے انگریز ہمچشم سے کچھ کم عزت و اقتدار حاصل نہ تھا۔ ۱۹۱۸ء کے حملے کے تمام مہینوں میں فرانس پر جاں کنی کی سی کیفیت طاری رہی۔ اس وقت فرانس کا یہی بوڑھا شیرِ ژیاں تھا جس نے امید و استقامت کی چنگاری روشن رکھی اور ہم وطنوں کے بے قیاس اعتماد کی بدولت "ابوالفتح" کا لقب حاصل کیا؛ اپنے مقاصد کو محدود و مجتمع کردینے سے اس کی قوت بڑھ گئی۔ کیونکہ دُنیا کی اصلاح کا ٹھیکہ لینے کی بجائے، اُس نے صرف یہ بیڑا اٹھایا تھا کہ ۱۸۷۰ء کا کیا دھرا بگاڑ دے اور فرانس کی حدود کو محفوظ کردے۔ کینیز لکھتا ہے کہ "اسے فرانس کے ساتھ وہی شغف تھا جو پیری کلیس کو ایتھنز سے تھا۔ کہ جو کچھ ہے فرانس میں ہے۔ باقی کسی شئے کی پروا نہیں۔ مگر اس کا سیاسی اُصول بسمارک کا سا تھا۔ وہ ایک ہی خواب دیکھتا تھا۔

کلیمینسیو

فرانس۔ مگر بیداری سارے بنی نوعِ انسان پر مشتمل تھی جس میں

اہل فرانس اور خود اس کے ساتھ والے داخل تھے اور وہ کسی سے کم نہ تھے۔ اس کا اعتقاد تھا کہ جرمن کے ساتھ کوئی داد وستد یا مصالحت نہیں ہو سکتی۔ اس سے تو صرف گردن دبا کے بات منوا لینی چاہیئے۔ ورنہ وہ کبھی نہ تمہارا لحاظ کرے گا اور نہ تم اسے فریب دینے سے باز رکھ سکو گے۔" لیکن یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کلیمینسیو ان اوصاف کو کس حد تک جرمانیہ ہی کی خصوصیت سمجھتا تھا۔ مصلحت متقضی تھی کہ احمق امریکیوں یا ریاکار انگریزوں کے "مقاصد عالیہ" کی کچھ نہ کچھ زبانی تائید کی جاتی رہے لیکن فی الواقع یہ سمجھنا کہ دنیا میں جمعیت اقوام جیسی چیزوں کی گنجائش ہے اس کے نزدیک محض حماقت تھی"۔ اس قسم کی رائیں رکھنے کے بعد اس کا یہ گلہ کرنا کہ رئیس امریکہ تو ایسی تقریریں کرتا ہے جیسے مسیح علیہ السلام، کچھ قابل حیرت بات نہ تھی۔ مسٹر لینسنگ تصدیق کرتے ہیں کہ "مجلس صلح پر وہ چھایا ہوا تھا۔ اس میں بڑی سرداری کے تمام ضروری اوصاف جمع تھے۔ وہ جانتا تھا کہ کس وقت اڑنا اور کس وقت دب جانا چاہیئے جن بلند خیالیوں پر ہر طرف تحسین و آفرین کا غلغلہ برپا ہوا، ان کی حقیقی قدر و قیمت کو وہ قابل استہزا سمجھتا تھا اور بہت سے وکلائے مجلس بھی ان کے جوش و خروش کے ساتھ اسی وقت تک تائید کرتے رہے جب تک کہ وہ خود ان کی قوموں کے مادی مفاد و اغراض میں حارج نہ ہوئیں۔ بہرحال کلیمینسیو کو قریب قریب ہر معاملے میں جو اس نے اپنے ہاتھ میں لیا، کامیابی ہوئی"۔ اس بیان کی تائید میں کرنل ہاؤس نے یہ اور تحریر کیا ہے کہ "ان سب میں واضح اور صاف ترشی ہوئی صورت اسی کی ہے۔ اس کی باتوں میں کسی بھید یا اسرار کا شائبہ تک نہیں ہے۔ جنگ کی طرح امن کے زمانے میں بھی وہ اپنے محبوب فرانس، کے لئے علانیہ بہادری سے اور دانائی سے لڑا بہتوں کے دل میں اس کی محبت اور سب کے دلوں میں اس کی ستائش پیدا ہو گئی۔ وہ صاف طور پر رسم کہن کا حامی تھا اور جمعیت اقوام کو حفظ امن کی مادی تدابیر کے ساتھ بطور اضافے کے، نہ بطور قائم مقام کے، قبول کرتا تھا۔ اسے کامل وثوق تھا کہ جرمانیہ سوائے قوت کے اور کسی شے کو نہیں مانے گی اور چہار دہ دفعات" کی پابندی کا بناوٹ سے وہ کبھی اقرار نہیں کرتا تھا"۔ اس ذی اثر وزیر اعظم نے صدر جمہوریہ کو جو کچھ کم ذی اثر نہ تھا، پس پشت ڈال دیا اور اپنے معتمد علیہ وزیر خارجہ

پیشوں تک کو کسی معاملے میں پہل کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس کا سب سے گہرا دوست اور مشیر تار دیو تھا جس کی معاملاتِ خارجہ سے وسیع واقفیت، خاص نویسی، انتھک محنت پسندی اور ذاتی عقیدتمندی کی بدولت یہ کار صعب آسان اور وہ خود اپنے حاکم بالا دست کے شکریے کا مستحق ہو گیا؛

رئیسِ امریکہ، ولسن کا مرقع اتارنے میں نقاشوں کو بہت دقت پیش آئی ہے۔ لیکن اس بارے میں کوئی اختلافِ رائے نہیں کہ مجلس صلح کے افتتاح کے وقت وہ نہایت بلند و ممتاز مرتبہ اور پہلے سے بہتر دنیا بنانے کا دلی جوش و اشتیاق رکھتا تھا۔

مسٹر ولسن کی کوششیں

اس کا ہمزاد کرنل ہوس لکھتا ہے کہ "اپنی قوت و رسوخ کے عروج کے وقت، اس جیسی شان و عظمت اور کسی کی نہ تھی کیونکہ حقیقت میں وہ اس وقت ساری دنیا کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کا سفیر و ترجمان تھا" مسٹر ولسن ہیرس جو سب سے بے لاگ مبصر ہے، اسی قسم کی صدا بلند کرتا ہے کہ "وہ چہاردہ دفعات کے مطابق صلح کرانے آیا تھا اور اس کے لئے جہاں تک اس کے امکان میں تھا، کوشش کرتا رہا۔ وہ ایک حصہ ناکام رہا تو اس کی وجہ کوشش کی کوتاہی نہ تھی۔ نظرثانی کے وقت تو البتہ مسٹر لائڈ جورج یک بہ یک معلم اعتدال و آشتی کا جامہ پہن کر مجلس میں نمودار ہوئے، ورنہ اس سے پہلے چاروں میں صرف رئیس امریکہ ہی کی ذات تھی جو شروع سے برابر سچی اور کھری صلح ہونے میں ساعی رہی۔ اس کے سامنے دو ہی راستے تھے کہ یا تو ایک ناقص تصفیئے کو مان لے اور یا مجلسِ صلح سے رخصت ہو جائے کہ وہ تصفیہ اور بھی بدتر شکل اختیار کر لے۔ اس نے جس قدر خود اندازہ کیا تھا، اس سے کچھ زیادہ ہی کھویا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ جمعیتِ اقوام سب خرابیوں کی اصلاح کر دے گی" مسٹر اسٹینرڈ بیکر تصدیق کرتے ہیں کہ "جس نے رئیس امریکہ پر سامنے سے آگ اور عقب سے چھپ کر گولیاں برستے دیکھیں، وہ ہرگز اس کے پیش نظر کام کی سخت دشواری یا اس کی غیر معمولی برداشت، مستعدی اور ہمت کی ناقدری نہیں کر سکتا مجلس صلح میں اس کے برابر، ادنیٰ یا اعلیٰ کسی شخص نے اتنی دیر تک کام نہیں کیا، نہ اتنی مصروفیتیں اپنے ذمے لیں نہ آرام و تفریح کو اس قدر اپنے اوپر

حرامی کیا[1]۔ خود لینسنگ شہادت دیتا ہے کہ مجلس کے وکلا کو عام طور پر احساس تھا کہ رئیس امریکہ بین الاقوامی اخلاق وانصاف کا حامی ہے۔ البتہ ارباب نظر میں اختلاف ہے تو اس کی قابلیتوں اور طریقوں کے متعلق ہے۔ کینز لکھتا ہے کہ "وہ کوئی سورما یا ملہم من اللہ یا فیلسوف بھی نہ تھا بلکہ محض نیک نیت فیاض منش آدمی تھا۔ اس میں بشری خامیاں موجود تھیں اور ان خطرناک اور چالاک جادوگروں کو قابو میں لانے کے لائق دماغی قوت اور استعداد کی اس میں کمی تھی جنھیں عجیب وغریب اسباب واشخاص کے زبردست تصادم کے بعد یہ رتبہ ملا تھا کہ داد وستد کی تیز بازی میں ظفر مند استاد مانے گئے اور سب سے بلند اور اول نکلنے کے باعث مجلس شوریٰ میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو آکر بیٹھے"۔ اس نے کسی چیز پر پوری طرح غور نہیں کیا تھا۔ عمل کی نوبت آئی تو اس کے خیالات ہیولائی اور نامکمل ثابت ہوئے۔ قصر بیضا سے جن احکام وشرائع کی گرج سنائی تھی ان میں عملاً جان ڈالنے کے لئے کوئی منصوبہ، کوئی نقشہ، کوئی تعمیری تخیل اس کے پاس نہ تھا۔ اس کی مثال ایک مشکک پادری کی سی تھی۔ اور اس کے افکار و مذاق کی شان حقیقۃً مذہبی تھی نہ کہ معقولی یا دماغی"۔ لینسنگ اپنے سردار کی قابلیتوں کو بہت اعلیٰ سمجھتا ہے لیکن یہ اسے بھی افسوس ہے کہ اس نے اپنے دشوار کام کے لئے تفصیلی طور پر پوری تیاری نہیں کی تھی اور نہ اپنے سرکاری مشیروں سے صلاح مشورہ لینے پر آمادہ ہوتا تھا۔ کرنل ہوس کے ساتھ کامل دوستی کے باوجود سیاسی معاملات میں رئیس امریکہ پیرس بھر میں سب سے بے یار و بے مددگار تھا۔

اطالی وزیر اعظم اورلینڈو میں اکابر ثلاثہ کی سی نہ لیاقت تھی نہ اقتدار اور کلیمنسیو اس کا اتنا پاس ولحاظ نہ کرتا تھا جتنا اپنے برطانی اور امریکی ہم چشموں کا۔ وہ ایک زمانے میں قانون کا استاد رہا اور نہایت ترتیب یافتہ اور منطقی بیان میں پوری مہارت رکھتا تھا مگر اس تماشے میں اس نے ثانوی درجے کا اورلینڈو اور سونینو

---

[1] "وہاٹ ولسن ڈڈ ایٹ پیرس" نیز دیکھو ٹامسن: "دی پیس کانفرنس ڈے بائی ڈے"۔ یہ دونوں کتابیں رئیس امریکہ کی سرگرمیوں کا سب سے بہتر روزنامچہ ہیں۔

کام کیا اور عمداً صرف ان مسائل سے واسطہ رکھا جن کا اس کے وطن سے براہِ راست تعلق تھا۔ دوسرے وہ اپنے زوردار ساتھی وزیر تسونینو سے بہت دبا ہوا تھا جسے اطالیہ کا نہایت ضدی اور سب سے بے لوث وزیر سمجھنا چاہیئے۔ اور وہ سلطنتِ آسٹریہ کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا دیکھ کر تلا ہوا تھا کہ ایڈریاٹک پر اطالوی تسلّط قائم کرے اور یوگوسلافیہ کی نومولود حکومت کے چھینے جھنگھاڑنے کی ذرا پروا نہ کرتا تھا۔ دولِ عظمیٰ میں پانچویں سلطنت کے نائب سیئون جی اور مکینو تھے جنھوں نے مسائلِ یورپ کے تصفیوں میں اطالیہ سے بھی کم حصہ لیا۔ جاپان کا جنگ میں حصہ محدود ذمّہ داری کا تھا اور وہ صرف ایک یعنی شانٹوں کے حصول کا مقصد لے کر مشاورۃ کی میز پر آیا تھا۔ ولسن ہیرس لکھتا ہے کہ "یہ لوگ تمام بحث کے وقت میں بالکل چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے۔ خود ان کے چہرے بہروپیوں کے نقلی چہرے معلوم ہوتے تھے جن کا کوئی مطلب سمجھنا ناممکن تھا اور جن کی خاموشی ہی اشتعال انگیز نظر آتی تھی کہ آخر پسِ پردہ کیا ہے؟ اور یہ لوگ مجلسِ مشارۃ کی نسبت حقیقت میں کیا رائے رکھتے ہیں؟"

وینی زیلوس، برے ٹیانو، پاسیش

دولِ صغریٰ کے وکلا میں اوّلیت بلاشک وشبہ وینی زیلوس کو حاصل تھی اس کی زندگی کے فسانہ نما کارناموں سے اور اتحادی مقاصد کے لئے نمایاں خدمات انجام دینے سے جو شہرت و رسوخ حاصل ہوا وہ اس کے حسنِ بیان اور دلکشی سے اور بھی بڑھ گیا تھا۔ یونانی وزیرِ اعظم بڑی بڑی بازیاں لگا چکا تھا اور آج اپنا انعام لینے پیرس آیا تھا۔ چنانچہ لینسنگ لکھتا ہے کہ "جو کچھ اُس نے مانگا، وہ منظور کر لیا گیا کیونکہ اُس نے مانگا تھا" رومانیہ کے دعاوی وہاں کے وزیرِ اعظم برے ٹیانو نے ایسے مرعوب وپُراثر طریق پر نہیں پیش کئے اور دوستوں کو اپنا بنانے کی تکلیف نہیں اُٹھائی بلکہ رومانی فوجیں بوڈاپسٹ میں داخل ہو گئیں تو اس کی علانیہ دولِ عظمیٰ سے ٹھن گئی۔ سرویہ کی نیابت پاسیش نے کی جو وہاں کا بزرگ قوم تھا اور اتنے دن زندہ رہا کہ سلطنتِ ہیپس برگ کے کھنڈروں پر یوگوسلافی مملکت تیار ہونے کا خواب حیزِ عمل میں آگیا، ولایاتِ ایڈریاٹک کو، جو وی آنا کی حکومت سے

آزاد ہوئی تھیں، وکالت کے لئے اسپیلاٹو کا محترم میر بلد ٹرم بیش ملا اور نئی زیکوسلوواک جمہوریت کی ترجمانی وہاں کے وزیرِ اعظم ڈاکٹر کرامرزا اور وزیرِ خارجہ بنیس نے انجام دی۔ ان میں کرامرز آسٹریہ کی مجلس مبعوثین میں بھی نوجوان زیکون کا سرگروہ رہ چکا تھا اور بنیس کہن سال مساریک کا شاگرد اور ساتھی تھا۔ پولینڈ کا دلچسپ وکیل وہاں کا پہلا وزیرِ اعظم پادریوس کی تھا جس کو واشنگٹن اور پیرس میں بہت دن تک غور سے دیکھنے کے بعد لینسنگ بہ نسبت مطرب کے بزرگ تر مدبر بتاتا ہے۔ بلجیم کا نائب وہاں کا وزیرِ خارجہ ہیمان تھا اور ایک دشواری کے موقع پر خود شاہ ایلبرٹ بہ عجلت پیرس آیا کہ اس کی تائید و اعانت کرے۔ تماشا گاہ کے سارے ایکٹروں میں سب سے زیادہ نظر جس طرف کھنچتی تھی وہ شاہ حجاز کا جنگی فرزند امیر فیصل تھا جو ایک عرب سلطنت کے قیام کی وکالت کرنے آیا تھا جس میں مکے سے شمال میں کوہستان طارس تک اور مشرق میں فرات تک تمام علاقہ شامل ہو۔ ان سب وفود کے ساتھ ماہرین مشیرین اور ٹائپ نویسوں کی جماعتیں آئی تھیں۔

اتحادِ عظمیٰ کے مسلمہ شرکا کے ماسوا، ناخواندہ اور بعض صورتوں میں ناخوشگوار مہمان بھی دنیا کے ہر حصے سے پیرس میں جوق در جوق نازل ہو گئے تھے جیسے آرمنی، شامی، اہل جورجیہ، روتھینیہ، اتھونیہ، لتھوانیہ، لیت، فن لینڈ والے البانی، ایرانی، مصری، وطن جو یہودی، کوریا، شلیس وگ، آلینڈ والے اور امریکہ کے آئرلینڈ والے جنھیں اپنی اپنی قوم کی دادرسی یا کم سے کم اپنے دعاوی سے ہمدردی پیدا کرا دینے کی امید یہاں کھینچ لائی تھی۔ غرض یورپ میں حکام و رعایا، مادی فوائد کے جویا عملی اور نیز ایسے خیالی اشخاص کا جو ایک بہتر دنیا آباد کرنے کی دھن میں تھے، جامع اضداد مجمع کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ ارکان عشرہ و اربعہ کے کام سے جن لوگوں کو مایوسی ہوئی بلکہ غصہ آیا، ان کی تشفی بھی

مسٹر ہوور

کسی حد تک یہ سمجھ کر ہو جاتی تھی کہ سب سے خاموش آدمی مسٹر ہوور اپنے دفتر میں چپ چاپ کام کئے جاتا ہے۔ اتحادی محکمۂ امداد کا یہ صدر ناظم پیرس میں انسانی رحمت و ہمدردی کا مجسم تعویذ تھا۔ وہ اور اس کے آدمی جنھیں اس نے جمع کیا، سسکتے بچوں کو مرنے سے بچانے میں مصروف تھے اور ان مصائب اور عذاب کا جو یورپ پر چھائے ہوئے تھے۔ کم سے کم جزئی دفعیہ

کر رہے تھے مجلس صلح کے مساعی اور بے دست و پائی پر تو تاریک کہر چھایا ہوا تھا مگر اس شخص کے کام کی اطلاع کسی نہ کسی نامعلوم طریق پر روشنی کی مطہر شعاع کی طرح اس کہرے کے پار گزر جاتی تھی"[1]

سب سے پہلے تو یہ جھگڑا چکانا تھا کہ ہر سلطنت کتنے قائم مقام بھیجنے کی مستحق ہے۔ لیکن اس فیصلے کو عملاً کچھ اہمیت حاصل نہ تھی کیونکہ برطانیہ، فرانس، اطالیہ، ولایاتِ متحدہ اور جاپان کی پانچ دولِ عظمیٰ نے اپنے چھوٹے اتحادیوں کو سوائے اس کے کہ اپنے دعاوی پیش کردیں اور کچھ کرنے دھرنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ فرانس کے صدر جمہوریہ نے بتاریخ ۱۸ جنوری پہلے کامل اجلاس کا افتتاح کیا اور سامعین سے تاکید کی کہ یہاں "انصاف کے سوا اور کسی چیز کی تلاش نہ کریں" قومی حکومت خود اختیاری کے اصول کی پیروی کی جائے اور ایک ایسی جمعیتِ اقوام قائم ہو جو قوموں کے حقوق پر آیندہ حملوں کی راہ میں سدِ اعظم کا کام دے" اس کے بعد کلیمینسیو مجلس کا صدر نشین منتخب کیا گیا۔ پانچ کامل اجلاس اور ہوئے مگر ان میں صرف ان فیصلوں کو قلمبند کرایا گیا جو پہلے ہی کئے جا چکے تھے۔ لینسنگ تحریر کرتا ہے کہ عشرہ نے نظام العمل طے کیا تھا، کلیمینسیو بڑی بیدردی سے اسی پر عمل کرتا رہا۔ "اس کے چبھتے ہوئے فقرے، اس کی تقریر کی روانی کہ جس قدر آگے بڑھتا تھا اس میں شدت آتی جاتی تھی، اور اس کا اصلی یا مصنوعی جوشِ جذبات، کسی معارضے اور کاروائی کو مطلق چلنے نہ دیتے تھے مجلس کا اجلاس کامل محض ایک تماشا ہوتا تھا" مجلس عشرہ

مجلسِ عشرہ

میں دولِ عظمیٰ کے وزیر اعظم اور وزرائے خارجہ شامل تھے اور یہ حقیقت میں صدر مجلسِ جنگ ہی کا دوسرا نام تھا، یہ لوگ دن میں دو مرتبہ جمع ہوتے رہے اور حسبِ ضرورت ماہر مشیروں کو طلب کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ وسط فروری میں تین بڑے ارکان تھوڑی مدت کے لئے شرکت سے معذور ہو گئے۔ یعنی مسٹر لائڈ جورج اور رئیس امریکہ تو وطنی معاملات کے باعث اپنے اپنے مقام (لندن و واشنگٹن) کو چلے آئے اور کلیمینسیو نے انھی دنوں زخم کھایا

[1] ولسن ہیپرس: "دی پیس ان دی میکنگ"

(۱۹ فروری) پھر بھی اس ابتدائی غور و مشورہ کا قابل ذکر نتیجہ یہ ہوا کہ ناکہ بندی جاری رکھنے، روس سے معاملہ کرنے اور یورپ کی جدید مُلکی تقسیم کے متعلق اہل فرانس اور دوسری طرف انگلستان و امریکہ والوں کے طرز عمل میں جس قدر فرق تھا، وہ ظاہر ہوگیا، اس کے علاوہ خاص خاص سیاسی اور اقتصادی مسائل کے لئے ماہرین کی تحقیقاتی جماعتیں اور ذیلی مجلسیں مقرر کر دی گئیں اور صدر مجلس معاشیات نے لارڈ روبرٹ سیسل اور مسٹر ہوور کی رہنمائی میں یورپ بھر میں افلاس و فاقہ کشی کا دلیری سے مقابلہ کیا۔

مجلس کے سامنے شروع شروع میں سب سے پریشان کُن مسئلہ روس کا تھا کہ بذات خود دشوار ہونے کے علاوہ فتحمندوں کی ہمدردیاں اور مقاصد بھی اس بارے میں متضاد تھے۔ امید کے برخلاف وہاں کے اشتمالی ایک سال سے زیادہ عرصے تک برابر برسر اقتدار رہے گو ملک کے اندر اور باہر دشمنوں کا نرغہ تھا۔ شمال میں ایک انگریزی فوج آرچینجل کی اشتمالی دشمن حکومت کی پشت و پناہی کر رہی تھی اور دوسری اسی قسم کی جماعت ترمانسک میں مسلط تھی۔ فن لینڈ، استھونیہ، لتھوانیہ، پولینڈ اور یوکرین کی قومیں جنھیں آزادی نصیب ہوئی کم و بیش آسکو سے علانیہ دشمنی رکھتی تھیں، جنوب میں انقلاب کی جوابی تحریک کا سپہ سالار ڈینی کن اتحادیوں کی بحر اسود میں امداد و دستگیری لئے ہوئے دریاؤں کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھ رہا تھا اور ادھر امیر البحر کلچاک یورال کے عقب میں سائبیری ریلوں کے گرد منڈلاتا پھرتا تھا کہ موقع ملتے ہی جست کرے۔ اتحادیوں میں عام طور پر اشتمالیوں کو غدار اور مُرتد مانا جاتا تھا لیکن سرکاری طور پر روس سے ان کی لڑائی نہ تھی۔ پھر بھی جنوری میں ارباب بست و کشاد کیجا ہوئے تو فرانس نے زور دیا کہ فتحمند مشترکہ کوشش سے اشتمالیوں کا تختہ اُلٹ دیں۔ مگر نہ برطانیہ فوج دینے کا وعدہ کر سکی نہ ولایات متحدہ اور خود فرانس تنہا ساڑھے تین لاکھ چیدہ سپاہی فراہم کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا جو فوش کے نزدیک اس مہم کو سر کرنے کے لئے درکار تھے۔

دوسری صورت صرف یہ تھی کہ سابق روسی سلطنت میں اب جا بجا جو

مختلف حکومتیں بن گئی تھیں، ان سے مشترکہ طور پر معاملہ کیا جائے اور ولسن اور لائڈ جورج نے اسی پر بہت زور دیا۔ برطانی وزیر اعظم ان وکلا کو پیرس طلب کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ کلیمینسیو کو اپنے پایۂ تخت کے گندہ کئے جانے پر اعتراض ہوا، لہٰذا "ہر منظم جماعت کے جو اس وقت سیاسی یا جنگی اقتدار رکھتی ہے یا اس کے حصول میں ساعی ہے" تین تین وکیلوں کو بحر مرمرہ کے جزیرے ہرپن کیپو میں مدعو کیا گیا کہ اتحادی سفیروں سے ملاقات کریں بشرطیکہ روس میں عام ہنگامی صلح

پرپن کیپو کی تجویز

کی منادی اور پابندی کی جائے۔ جوابی انقلاب کی حکومتوں نے یہ دعوت بگڑ کے رد کردی لیکن اشتمالیوں کو ہر چند سرکاری طور پر اس تجویز کی اطلاع بھی نہیں دی گئی تھی، تاہم انھوں نے لکھ بھیجا کہ ہم اتحادی حکومتوں سے صلح صفائی کرنے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ وہ یہ ذمہ لیں کہ روس کے اندرونی معاملات میں کوئی دخل نہ دیں گے اور ہمارے یا روس کے دوسرے سیاسی گروہوں کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ انھوں نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اتحادی سلطنتوں کے باشندوں کا جو قرض دولتِ روس کے ذمے ہیں وہ انھیں تسلیم کریں گے۔ اتحادی سفیر آزمائشی طور پر منتخب کئے گئے تھے اور مجلس مشاورۃ کی تاریخ ۱۵ فروری مقرر تھی۔ لیت، استھونیہ، یوکرین اور لتھوانیہ والوں نے کچھ تاخیر کے بعد دعوت قبول کرلی۔ لیکن چونکہ ڈینی کن اور کلچاک اسے حقارت سے رد کر چکے تھے، لہٰذا خانہ جنگی جاری رہی اور پھر کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

فرانس کی اشتمالیوں سے کسی قسم کا بھی واسطہ رکھنے سے دلی نفرت سب پر روشن تھی۔ اور پرپن کیپو کی تجویز ناکام رہ جانے پر بھی اس کی خوشی کچھ چھپی نہ رہی لیکن انگریز اور امریکی خوب سمجھتے تھے کہ لیت ولعل کی حکمتِ عملی میں بڑا خطرہ ہے، اور نہایت مشتاق تھے کہ کوئی تصفیہ ضرور ہو جائے۔ لٹ دی نوف نے کوئی فیصلہ ہو جانے کے متعلق اظہار آمادگی لکھ بھیجا تھا اور کرنل ہوس کی تحریک اور برطانی وکلا کی منظوری سے امریکی وفد کا ایک رکن بلٹ ماسکو بھیجا گیا اور لینن کی

بلٹ اور لینن

شرائط صلح کا تحریری بیان وہاں سے لکھوا کے لے آیا تھا جن میں ہنگامی صلح، مجلسِ مشاورۃ، ناکہ بندی کا دور کیا جانا،

سیاسی اور تجارتی تعلقات کی بحالی اور تمام سیاسی مجرمین کے لئے عفو عام کی شرطیں داخل تھیں۔ سابق سلطنت روس میں جو حکومتیں قائم ہوئیں، تجویز تھی کہ وہ اپنی مالی ذمّہ داریاں تسلیم کریں اور وہ سونا جو قازان میں زیکوں نے اڑا لیا اور اتحادیوں نے ضبط کیا ادائی قرض میں لگایا جائے۔ اتحادی اور بیگانہ فوجیں واپس ہٹالی جائیں اور اشتمالی حکومت کے خلاف جو حکومتیں بنی ہیں انھیں مدد دینی موقوف کی جائے؛ مارچ کے اخیر میں مسٹر بُلِٹ واپس آیا تو یہ ساری کیفیت رئیس جمہوریہ کی خدمت میں پیش کی مگر وہ اتنا مصروف تھا کہ اس پر توجّہ نہ کرسکا۔ البتہ مسٹر لائڈ جورج نے صبح ناشتے پر مسٹر بلٹ کو بلایا اور تمام معاملات پر بحث کی۔ اتنے میں اس سفارت کی خبریں رفتہ رفتہ باہر نکلنی شروع ہوئیں اور پیرس و لندن دونوں جگہ کے اخباروں نے مخالفت کی۔ اپریل کے وسط میں برطانی وزیر اعظم روا روی میں سینٹ اسٹیفنز گیا تو وہاں اُس سے بُلِٹ کی سفارت کے متعلق سوال کا جواب دینا پڑا۔ اُس نے کہا "ہم سے کسی قسم کی کوئی تحریک یا سلسلہ جنبانی نہیں کی گئی۔ بعض لوگوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ کوئی نوجوان امریکی روس جا کے آیا ہے۔ میں اس بارے میں اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ اس پیام سلام کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا میرا کام نہیں ہے۔ اور اگر رئیس جمہوریہ ان کی کوئی وقعت سمجھتا تو وہ اسے مجلس صلح میں پیش کرتا،، اصل میں وزیر اعظم خوف زدہ ہوگیا تھا۔ بہر حال اس بھیر بھار کی تقریر نے ادھر تو مسٹر بُلِٹ کو سخت متحیر کیا اور ادھر براہِ راست نامہ و پیام کے امکان کا خاتمہ کردیا۔ کچھ عملی نتیجہ سفارت کا نکلا تو وہ ڈاکٹر نانسن کی مسٹر ہوور کی صلاح سے یہ تجویز تھی کہ روس کو سامان خوراک فراہم کیا جائے۔ مجوزہ طریق عمل کی مجلس اربعہ نے منظوری بھی پندرہ روز میں دی خاص کر کلیمینسو نے تو بہت ناک بھوں چڑھائی لیکن روسی اشتمالیوں نے اسے بصد شکر یہ قبول کرنے کے ساتھ نادانی سے یہ بھی لکھ دیا کہ اسی سلسلے میں لڑائی بند کرنے کے مسئلے پر بھی اتحادیوں سے گفتگو ہونی چاہیئے؛ سیاسی بحث چھیڑنے کی اس کوشش میں بچنے کا حیلہ نکل آیا وہ تجویز پڑی رہ گئی اور ڈاکٹر نانسن بیزار ہو کے دست بردار ہوگیا۔ پھر تو اتحادی بادشاہ پسندوں کی عملی امداد کی طرف جُھک گئے جیسا کہ روسی مہاجرین تقاضے کررہے تھے؛

مجموعی طور پر مجلس صلح کی روئداد میں کوئی فصل مسٹر لائڈ جورج کی تلوّن مزاجی اور حکام فرانس کی ضد و سختی کی اس سے بڑھ کر شرمناک شہادت نہ ہوگی؛

مجلس کے بانی مبانی آغاز مارچ میں پیرس واپس آئے تو اس تماشے کا دوسرا باب شروع ہوا۔ جرمن معاہدے کو تقدم دیا گیا تھا لیکن کام اس قدر سست رفتاری سے ہوا کہ مسٹر لائڈ جورج نے یہ معقول تجویز پیش کی کہ مجلس عشرہ

مجلس اربعہ کو گھٹا کے مجلس اربعہ بنا دیا جائے اور وزرائے خارجہ ثانوی درجے کے معاملات کو بطور عدالت مرافعہ طے کرتے رہیں؛

اس انتظام پر ۲۵ مارچ سے عمل شروع ہوا اور تمام قضیے انھی چار نے بحث مباحثہ کر کے طے کئے۔ وہ دن میں دو مرتبہ ایک دوسرے کے مکان پر یا وزارت جنگ کے دفتر میں جمع ہوتے رہتے تھے اور چونکہ کلیمینسیو خوب روانی سے انگریزی بولتا تھا لہٰذا اکثر بحثیں اسی زبان میں ہوئیں۔ صدر مجلس جنگ کا منتقل شدہ اور قابل ترجمان پروفیسر مانتو اطالی صدر اعظم کی مدد کے لئے موجود رہتا تھا اور برطانی وزارت جنگ کا معتمد سر موریس ہینکے غیر سرکاری طور پر فیصلے قلمبند کرتا تھا[1]۔ یہ نئی تدبیر خوب کام دیتی رہی اور آیندہ چھ ہفتے میں جنھیں مجلس صلح کا عہد شجاعت موسوم کرتے ہیں، جرمانیہ کا انتظام تفصیلی طور پر مرتب کر لیا گیا؛

تارڈیو لکھتا ہے کہ مجلس اربعہ کی گفتگو ملاقاتیوں کی طرح ہوتی تھی جس میں کوئی ضابطہ کوئی نمائش نہ ہوتی تھی۔ اور لینڈ و بہت کم بولتا تھا زیادہ تر مکالمت تین ہی آدمیوں میں ہوتی تھی اور یہ متضاد طبائع کا نہایت عجیب و غریب مجموعہ نظر آتا تھا کہ کہیں دیکھنے میں کیا خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ بعض اوقات یہ مکالمت اپنی سنجیدہ سادگی میں ملال انگیزی تک پہنچتی تھی اور کبھی قریب قریب مطائبہ ہو جاتی۔ مگر ہمیشہ مخلصانہ اور بغیر اینچ پینچ کے؛ یہ قول کہ ان میں سے ایک دوسرے کو بے وقوف بناتا تھا، محض غلط ہے۔ اوّل سے آخر تک ان کی گفتگو میں یہ آرزو رہی کہ آپس میں ہم آہنگ ہو جائیں۔ ولسن آرام کرسی پر سیدھا بیٹھ کر اس طرح

[1] دیکھو سر ایم ہینکے؛ "ڈپلومیسی بای کانفرنس"

لڑتا تھا جس طرح اہل مکتب کسی نظریے کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور بیان کی روانی میں لسان منطقی معلوم ہوتا تھا۔ لائڈ جورج کی گفتگو میں پٹھانوں کی گڈی کا مزا تھا کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے کبھی تو بالکل دھیما اور ہمہ تن انکسار اور کبھی ایکا ایکی برس پڑا۔ فن سے متعلق دلیلوں کی طرف اُسے غضب کی بے توجہی تھی اور یہی اس کی بڑی جیت تھی۔ وہ طبعاً نہایت عجیب عجیب راستوں کی جانب جھکتا اور ایسی نئی نئی باتیں دماغ سے اُتارتا کہ عقل دنگ رہ جائے۔ پارلیمنٹ میں مواخذے اور محاسبے سے اس کو ہر وقت خوف رہتا اور سوائے استحکام و انصاف کی مستقل تدابیر کے اور کسی چیز پر لبیک نہ کہتا تھا۔ کلیمینسیو کے استدلال میں ولسن کے سے منطقی مقدمات نہ ہوتے تھے اور نہ لائڈ جورج کی سی آتش فشانی۔ بلکہ وہ بڑے بھاری وثوق و اذعان پر مبنی ہوتا اور کبھی کبھی اس میں پُرتاثیر جذبات کی گرمی پیدا ہو جاتی تھی۔

مجالس صلح کے سب سے بڑے تعمیری کارنامے میں سب سے کم الجھنیں پیش آئیں۔ دفعات چہاردہ میں سے ایک جمعیت اقوام کے متعلق تھی اور رئیس امریکہ تُلا ہوا تھا کہ اُسے جلد سے جلد قائم اور صلحناموں میں داخل کیا جائے۔ ۱۹۱۴ء میں، جنگ چھڑنے کے چند ہی روز بعد مسٹر ایسکوئتھ نے "اہل یورپ کی حقیقی شراکت" کا تذکرہ کیا تھا

جمعیت اقوام کی تجویز

اور برطانیہ و امریکہ میں بعض گروہ جن میں لارڈ برائس اور مسٹر ٹیفٹ بھی شامل تھے اسی وقت سے قیام امن کی تجویزیں مرتب کرنے لگے تھے۔ قوموں کی ایسی انجمن کا یہ تخیل ازمنۂ وسطیٰ سے چلا آتا ہے اور اس موقع پر بھی ان قدیم منصوبوں میں تازہ اور عملی دلچسپی پیدا ہوگی جو ہنری رابع، زار الکزنڈر اول، پین، سان پیئر اور کانٹ نے تیار کئے تھے۔ ۱۹۱۶ء سے تو خود رئیس امریکہ اس نصب العین پر مسلسل تقریریں کر رہا تھا اور برطانی حکومت نے بھی لارڈ روبرٹ سیسل کے کہنے سے ۱۹۱۷ء میں ایک ذیلی مجلس لارڈ فلی مور کی صدارت میں قائم کر دی تھی۔ اس مجلس کا خاکہ ۱۹۱۸ء کی گرمیوں میں واشنگٹن بھیجا گیا تھا۔ اور جنگ کے خاتمے پر جنرل اسمٹس نے جو تجویز مرتب کی تھی اس کا بھی فلی مور کے مسودے کے ساتھ رئیس امریکہ اور کرنل ہوس نے احتیاط سے منتخب کر لیا تھا۔ فرانس اور اطالیہ دونوں ملکوں کی طرف سے عام اصول پر بیانات

پیش کیئے گئے اور آزمودہ کار مدبر بورژوا نے کہ ہیگ کی مجلسوں میں فرانس کی نیابت کرتا رہا تھا، اپنی ساری توجہ اسی کام پر مبذول کردی۔ بایں ہمہ نہ کلیمینسیو نے جمعیت اقوام سے کسی خوش اعتقادی کا اظہار کیا نہ پشون نے اور اس کی تقدیر انگریزی نسل کے حامیان تجویز کے ہاتھ میں آگئی کہ وہی اپنے اتحادیوں کی غفلت و بے پروائی بھی دور کریں گے۔

رئیس امریکہ کی تحریک پر مجلس کے دوسرے اجلاس کامل منعقدہ ۲۵ جنوری میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایک جمعیت اقوام قائم کی جائے جو بین الاقوامی اشتراک میں ترقی دے اور بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی کی ضامن اور انسداد جنگ کی تدابیر کی کفیل ہو۔ معاہدۂ صلح میں اس کو لاینفک طور پر شامل کیا جائے۔ ہر متمدن قوم جس پر اعتماد ہو کہ اس کے مقاصد کو ترقی دی گئی اس میں شریک ہو سکے۔ اس کے ارکان مقررہ اوقات پر جمع ہوں اور اس کا مستقل محکمہ اور معتمدی قائم کی جائے۔ اور اس کے مفصل آئین و فرائض کے لیئے ایک ذیلی مجلس بنادی جائے۔ ذیلی مجلس کرنل ہوس، لارڈ رابرٹ سسل جنرل اسمٹس، بورژوا اور وینی زیلوس کے نام تھے۔ خود رئیس امریکہ اس کا میر مجلس تھا اور گو خود شاذ و نادر اس کے جلسوں میں شرکت کر سکا، تاہم اس کے ارکان سے برابر ملتا جلتا رہتا تھا۔ ۱۴ فروری کے تیسرے اجلاس کامل میں جمعیت کا میثاق نامہ

میثاق نامے کی تیاری

پیش کیا گیا اور پانچویں اجلاس میں رئیس امریکہ نے مسودے کی خفیف ترمیمات کی توجیہ و تشریح کی (۲۸ اپریل) ولایات متحدہ کے نکتہ چینیوں کو رضامند کرنے کی غرض سے طے پایا کہ "مونرو ڈوکٹرن" پر اس معاہدے کا اثر نہ پڑے۔ تحقیقاتی مجلس میں ناکام رہنے کے بعد جاپانیوں نے اجلاس کامل میں تحریک کی کہ جمعیت کے جملہ شرکاء کے ہم قوموں میں کامل مساوات کا سلوک کیا جائے لیکن اس اصول کو نہ ولایات متحدہ امریکہ قبول کر سکتی تھیں نہ آسٹریلیا۔ اور اس مخالفت کا سامنا دیکھ کر جاپان نے اپنے مطالبے سے ہاتھ اٹھالیا۔ بورژوا نے ایک مرتبہ پھر منت کی کہ جمعیت اقوام کی نظارت اور بحری اور بری فوجی محکمہ قائم کیا جائے کہ تخفیف اسلحہ کی نگرانی رکھ سکے لیکن شنوائی نہ ہوئی۔ خفیف ترمیم و تغیر کے بعد میثاق نامہ منظور کرلیا گیا۔ اور ہر چند

رسمی طور پر جمعیت اقوام کا افتتاح جنوری ۱۹۲۰ء میں ہوا تاہم نوع انسان کی تاریخ میں اس دلیرانہ اور امید افزا تجربے کی ابتدا کا دن اپریل ۱۹۱۹ء ہی کی ایک تاریخ کو ماننا چاہیئے۔ مجلس عاملہ میں پانچوں بڑی سلطنتیں بحق منصب داخل تھیں۔ ان کے ساتھ بلجیم، برازیل، یونان اور ہسپانیہ کو بھی لے لیا گیا اور پہلا صدر معتمد سر ایرک ڈرمنڈ منتخب ہوا۔ برطانیہ اور امریکی ارکان کی خواہش تھی کہ دشمنوں کی سلطنتوں کو اسی وقت جمعیت اقوام میں شامل کر لیا جائے مگر فرانس و بلجیم کی مخالفت کے باعث یہ بات نہ چل سکی۔

جمعیت اقوام کے ارکان

تمہید میں لکھا تھا کہ "از بسکہ بین الاقوامی اشتراک کی ترقی اور امن و امان کا قیام دول متعاہدین کا مقصود ہے۔ لہٰذا حسب ذیل میثاق نامہ مرتب کیا جاتا ہے اور معاہدہ کرنے والوں کے فرائض چھبیس دفعات میں مندرج ہیں۔ جمعیت کے ابتدائی ارکان میں اتحادِ عظمیٰ کے تمام شرکا اور تیرہ غیر جانبدار ملک شامل ہوئے جن سے فوری شرکت کی استدعا کی گئی۔ باقی ممالک کے لیے طے پایا کہ جو ملک اپنی بین الاقوامی ذمہ داریاں ادا کرنے کی مخلصانہ نیت کا کارگر ثبوت دے، وہ جمعیت کے دو تہائی ارکان کی تائید سے شریک کیا جا سکے گا۔ جو رکن چاہے وہ دو سال پہلے اطلاع دے کر علیحدہ ہو سکے گا۔ جمعیت کے تین محکمے بنے: مجلس مبعوثین، مجلس عاملہ اور دفتر معتمدی۔ قرار پایا کہ مجلس مقررہ اوقات پر مجتمع ہو گی اور ہر ملک تین قائم مقام بھیج سکے گا لیکن رائے ایک ہی شمار ہو گی۔ مجلس عاملہ میں مستقل اور منتخبہ ارکان ہوں گے۔ مستقل ارکان دول عظمیٰ کے اور منتخبہ مجلس مبعوثین کی کثرتِ رائے سے مقرر ہوں گے۔ دفتر معتمدی جنیوا میں جو جمعیت کا پہلا مستقر ہے قائم ہو گا۔

اس نظامِ جدید کی اس طرح تقسیم و حد بندی کر کے میثاق نامے میں آگے رکنیت کی شرائط کی صراحت کی ہے۔ مجلس عاملہ کا کام یہ قرار دیا گیا کہ وہ تخفیف اسلحہ کی تدابیر مرتب کرے گی اور گولہ باروت اور جنگی ساز و سامان کو نجی کارخانوں کے تیار کرنے میں جو خرابیاں ہیں، انھیں دور کرنے کے وسائل سجھائے گی۔ ارکان مجلس اپنے بری اور بحری اور ہوائی اسلحہ کا پیمانہ اور آیندہ ارادوں کے متعلق ایک دوسرے کو پوری طرح باخبر رکھیں گے۔ دسویں سے سترھویں دفعات تک جنھیں سارے میثاق کی جان سمجھنا چاہیئے براہ راست انسداد جنگ سے

متعلق تھیں۔ چنانچہ دفعہ دہم میں تحریر تھا کہ "جمعیت اقوام کے ارکان اس کے جملہ شرکا کی موجودہ سیاسی آزادی اور ملکی مقبوضات کی صیانت کا کسی بیرونی دراز دستی کے مقابلے میں حفظ واحترام کرنے کا ذمہ لیتے ہیں" ہر جنگ یا خطرۂ جنگ کی نسبت، خواہ کسی رکن جمعیت سے اس کا براہ راست تعلق ہو یا نہ ہو، اعلان کیا گیا کہ وہ پوری جمعیت کا معاملہ سمجھا جائے گا

ذمہ داریاں

اور کسی ایک رکن کی درخواست پر مجلس عاملہ کا جلسہ منعقد کر دیا جائے گا۔ ہر رکن کو حق ہوگا کہ مجلس مبعوثین یا مجلس عاملہ کی توجہ کو کسی ایسے معاملے پر منعطف کرائے جس سے امن معرض خطر میں پڑتا ہو۔ ارکان ہر خطرناک نزاع کو محاکمے یا تفتیش کے واسطے مجلس عاملہ میں پیش کریں گے اور ثالث کی رائے پیش ہونے کے تین مہینے تک کسی عنوان جنگ پر آمادہ نہ ہوں گے۔ بین الاقوامی دادرسی کے لئے ایک مستقل عدالت قائم کی جائے گی اور اسے ہر بین الاقوامی نزاع کو طے کرنے کا اختیار ہوگا اور ہر مسئلے میں جو مجلس عاملہ یا مجلس مبعوثین اس کے تفویض کرے، وہ مشورہ دے گی۔ وہ سنگین نزاعیں جو ثالثی کے لئے پیش نہ کی جائیں مجلس عاملہ کے حوالے کر دی جائیں گی اور اگر اس کی کوششوں سے کچھ نہ ہو سکا تو تمام واقعات اور مجلس کی صلاحیں شائع کر دی جائیں گی۔ پھر جو فریق نزاع مجلس عاملہ کی صلاح مان لے، اس کے خلاف جمعیت کا کوئی رکن جنگ میں حصہ نہ لے گا۔ اگر کوئی رکن اپنے معاہدوں کی پروا نہ کرے اور لڑائی چھیڑ دے تو اسے تمام ارکان سے جنگ کرنے کا مجرم سمجھا جائے گا اور تمام ارکان اپنے سارے سیاسی، تجارتی اور شخصی تعلقات اس سے منقطع کر لیں گے۔ اور مجلس عاملہ صلاح دے گی کہ ہر رکن کس قدر فوج فراہم کرے۔ کسی رکن اور غیر رکن یا دو یا دو سے زیادہ غیر رکن ملکوں میں نزاع ہو، تو جمعیت اپنی خدمات پیش کرے گی اور اگر یہ استدعا مسترد کر دی گئی اور جمعیت کے رکن پر حملہ ہوا تو دوسرے اس رکن کی امداد کریں گے۔

میثاق نامے کی آخری دفعات میں بہت سی وہ ہدایات داخل تھیں جو انسداد جنگ سے اس قدر براہ راست تعلق نہیں رکھتیں۔ قرار پایا تھا کہ ہر نیا معاہدہ یا بین الاقوامی ذمہ داری جمعیت کے دفتر معتمدی میں قلمبند کرا دی جائے

اور نہ ہی اسے شائع کرے بلکہ جب تک وہ دفتر میں درج نہ ہو اس وقت تک ایسا کوئی معاہدہ واجب العمل ہی نہ سمجھا جائے ۴ مجلس ان معاہدوں کی نظر ثانی کا مشورہ دے سکتی ہے جو ناقابل عمل ہو گئے ہیں۔ جنرل اسمٹس کی رائے کے مطابق

حکمبرداریاں

مفتوح ممالک کی نسبت جن میں پسماندہ قومیں آباد ہیں قرار پایا کہ انہیں ترقی یافتہ قوموں کے تفویض کر دیا جائے اور وہ جمعیت اقوام کے مرتبہ احکام کے تحت میں وہاں حکومت کریں اور سالانہ اپنی اپنی کیفیت جمعیت میں پیش کر دیں ۵ علاوہ ازیں ارکان جمعیت نے عہد کیا کہ مزدوروں کی حالت سدھارنے میں، امراض و تکالیف کے دور کرنے میں، سفید غلاموں اور افیون کی تجارت، نیز تہذیب و تمدن کے دوسرے خطرات کا مقابلہ کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے ۶

یہی میثاق نامہ تھا جس کی کامیابی یا ناکامی پر فیصلہ ہو گا کہ رئیس امریکہ مسٹر ولسن کی تاریخ میں منزلت کیا ہے؟ اور ہم کو اسی وقت[۱] ان کے کارنامے کی قدر و قیمت کا ۱۹۱۹ء کے پرشغب زمانے کی نسبت زیادہ صحت کے ساتھ اندازہ کرنے کا موقع میسر ہے۔ ایک نیم سرکاری مبصر[۲] لکھتا ہے کہ "جمعیت اقوام کی اس قدر کثیر اشخاص کے فوائد و اغراض پر زد پڑتی تھی اور اس کثرت سے نئی قومیں یورپ میں آزاد ہو گئی تھیں جو اس کی مخالف تھیں کہ اگر اسے عہد نامۂ صلح کا جزو نہ بنا دیا جاتا تو اور ایک نسل تک وہ چیز التوا میں پڑی رہتی لیکن ان سب باتوں سے بڑھ کر اہم حقیقت یہ ہے کہ خود معاہدوں کو اس درجے تک جمعیت اقوام کی بنا سے وابستہ کر دیا تھا کہ صریحاً بغیر اس کے بنے ان پر عملدرآمد نہ ہو سکتا تھا۔ اور لوگوں کا یہی اعتراف کہ پیرس میں جو مسئلے پیش آئے ہیں، ان کا تصفیہ بغیر ایک بین الاقوامی نظام کے نہیں ہو سکتا، غالباً مجلس صلح کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ۷ اس قول کی تائید میں ہم اب یہ اور کہہ سکتے ہیں کہ صلح سازوں کی حماقتیں ہی اصلاح و ترمیم کے لئے اس قسم کا

---

[۱] یعنی تالیف کتاب کے وقت (دسمبر ۱۹۲۲ء) ۔ مترجم

[۲] ٹمپرلی "ہسٹری آف دی پیس کانفرنس" جلد اول ۷۶،۷۷ ۔

بین الاقوامی آلہ چاہتی ہیں"۔

اکابر اربعہ کے روبرو سب سے دشوار کام یہ تھا کہ فرانس کی مشرقی سرحد کی دفاع کا انتظام کریں[1]۔ فرانس ورروس کے عہد نامہ ۱۹۱۷ء میں جو حکمت عملی مضمر تھی اس کا اشتمالیوں نے انکشاف کیا تو مسٹر بالفور نے ترش لہجے میں اس کی تردید کی۔ لیکن اہل فرانس کی اکثریت کے نزدیک آیندہ حملوں کی پختہ ضمانت ہی سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ رہائن کا بایاں کنارہ جرمانیہ سے علیحدہ کردیا جائے۔ ہنگامی صلح کے چند ہی روز بعد فوش نے کلیمنسیو سے تاکید کی تھی کہ رہائن کی سرحد پر اصرار کیا جائے، اور جنوری میں اسی قسم کی استدعا اس نے اتحادی سپہ سالاروں کو لکھی تھی۔ چنانچہ فرانسیسی وزیر اعظم نے

سرحد رہائن

تارڈیو کو ہدایت کی کہ فرانس کے دعوے کا تفصیلی بیان تیار کرے۔ استدلال کی تمہید یہ تھی کہ جرمانیہ کی حملہ کرنے کی قابلیت اُن ریلوں اور سلسلۂ قلاع پر مبنی ہے جن کا رہائن کے بائیں کنارے پر جال بنا ہوا ہے۔ فرانس اس کنارے پر خود قبضہ کرنے کی تمنا نہیں رکھتا بلکہ صرف یہ چاہتا ہے کہ رہائن جرمانیہ کی مغربی سرحد ہو اور پلوں کے مقامات اتحادیوں کے ہاتھ میں رہیں۔ لیکن اس تجویز کی برطانی وکلا کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی۔ لائڈ جورج کا قول تھا کہ "میں پہلی مرتبہ پیرس آیا تو مجھ پر سب سے زیادہ اثر اسٹراس برگ کی ماتم کناں صورت دیکھ کر پڑا۔ ہمیں کسی طرح دوسری الساس لورین تیار کرنی نہ چاہیئے"۔ ستر لاکھ جرمنوں کو اپنے آبائی وطن سے جدا کرنا بجائے خود ظلم ہوگا۔ دوسرے مقاصد جنگ کے مشترکہ یا منفردہ جتنے اعلان کئے گئے ان میں سے کسی میں یہ مطالبہ نہیں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جرمانیہ کے اسلحہ لے لینے کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ بہرحال برطانیہ یہاں فوجیں تعینات کرنے کی خدمت میں حصہ لینے سے انکار کرے گی"۔

---

[1] تارڈیو کے وہ ابواب جن میں بائیں کنارے اور سار کے اضلاع کے متعلق بحث مباحث کا ذکر ہے اہل فرانس کے دلی خیالات کی شرح کرتے ہیں"۔

بتاریخ ۱۴ مارچ یعنی رئیس امریکہ کی وطن سے معاودت کے روز انگریزی نسل کے دونوں مدبروں نے دوسری صورت پیش کی کہ فرانس کو مشترکہ فوجی ضمانت دی جائے۔ فرانسیسی وزیر اعظم نے غور کرنے کے لئے مہلت مانگی لیکن تین روز بعد خواہش ظاہر کی کہ ایسی ضمانت سے فتح کی امید ہو سکتی ہے حملہ نہیں روکا جا سکتا لہٰذا یہ قبضے پر مستزاد ہونی چاہیئے نہ یہ کہ قبضے کی بجائے اس پر اکتفا کرلی جائے۔ ۲۲ اپریل تک برابر گفت و شنید جاری رہی اور دونوں کے سنگین اختلافات رائے کے باعث اور بھی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ مسٹر لائڈ جورج کی آرا ایک جامع یادداشت مورخہ ۲۶ مارچ میں قلمبند کی گئیں اور حقیقت میں اعلیٰ سے اعلیٰ تدبر اُن کا محرک تھا۔ یادداشت میں عارضی تصفیے کی بجائے پائدار صلح کی شرطیں بیان کی تھیں:[1] "آپ چاہیں تو جرمانیہ سے ساری نوآبادیاں دھروالیں، اس کی فوجوں اور اسلحہ میں تخفیف کر کے محض کوتوالی کی جمعیت بنا دیں اور بیڑے کو پانچویں درجے کی سلطنت کا بیڑا کر دیں۔ نتیجہ وہی ہے کہ اگر اُسے یہ احساس رہا کہ ۱۹۱۹ء کی صلح میں میرے ساتھ نا انصافی کا برتاؤ ہوا ہے، تو وہ اپنے فاتحین سے انتقام لینے کے وسائل ڈھونڈ لے گی۔

برطانیہ کی تنبیہ

چار سال کے عدیم النظیر کشت و خون کا انسانی قلوب پر جو گہرا نقش بنا ہے، اگر وہ قلوب ہی نہ رہے جن پر جنگ کی خوفناک تلوار نے یہ نقش بنایا تھا، تو پھر نقش کہاں رہے گا۔ پھر تو صلح گویا اس وجہ سے قائم رہ سکے گی کہ حق و انصاف اور حب وطن کو ہیجان میں لانے والے اسباب ہی موجود نہ ہوں گے۔ اگر ہم صلاح و انصاف کے طالب ہیں تو ہماری شرطیں سخت اور کڑی بلکہ بے دردانہ بھی ہوں تو مضائقہ نہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ ایسی واجبی ہونی چاہئیں کہ جس ملک پر عائد کی جا رہی ہیں، وہ بھی دل میں ان کے حق بجانب ہونے کا قائل ہو جائے۔ ورنہ غلبہ پا کے بے انصافی اور نخوت سے کام لیا گیا، تو اسے کبھی فراموش یا معاف نہ کیا جائے گا۔

---

[1] یہ یادداشت پہلے نیٹی کی کتاب "پیس لیس یوروپ" میں چھپی اور پھر کتاب ابیض کی صورت میں شائع کی گئی تھی (ص ۱۴۔ ۱۶، ۱۹۲۲ء)

یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر میں شدت سے خواہاں ہوں کہ سوائے انتہائی مجبوری کی صورت کے، اور زیادہ جرمنوں کو جرمن حکومت کے تحت سے لے کر دوسروں کے تحت میں دے دیا جائے۔ جرمن قوم نے بلاشبہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ دنیا کی سب سے قوی اور جاندار قوموں میں داخل ہے پس میرے تصور میں اس سے بڑھ کر آیندہ جنگ کا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا کہ اس قوم کو بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے گھیر دیا جائے جن میں سے اکثر ایسی قوموں سے آباد ہیں، جو سابق میں اپنے آپ کبھی دیرپا اور مستقل حکومت نہیں قائم کر سکی تھیں اور ان ریاستوں میں گروہ در گروہ جرمن موجود ہوں جو اپنے وطن سے دوبارہ ملنے کے واسطے ہاتھ پاؤں مارتے رہیں....

انتقامی شرطیں عائد کرنے سے خود موجودہ جرمن حکومت درہم برہم ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ لوگ اشتمالیوں کی آغوش میں جا گریں اور وہ جرمنوں کی امداد سے سارے وسطی یورپ پر چھا جائیں بلکہ مغربی قوموں پر بھی ان کی زد پڑے۔ غرض ہر اعتبار سے، میری دانست میں ہمیں صلح نامہ اس طرح مرتب کرنا واجب ہے کہ گویا ہم بے لاگ حکم ہیں اور جنگ کے اشتعال کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہے۔" آخر میں اس نے یہ بھی بڑھا دیا تھا کہ جرمانیہ سے انصاف اور عاقبت اندیشی کے ساتھ جو صلح کی جائے اس کا تکملہ جمعیت اقوام کے قیام سے، جو بین الاقوامی حق و آزادی کی باثر پاسباں ہو اور نہ صرف مفتوحین بلکہ انھی کی طرح فاتحین کے جنگی ساز و سامان کی حد بندی سے ہونا چاہیے۔ جرمانیہ اتحادیوں کی شرطیں قبول اور اپنے ملک میں جمہوری اور مستقیم حکومت قائم کر لے تو اسے بھی جمعیت میں داخل کر لیا جائے۔"

فرانسیسیوں نے یادداشت کے جواب میں دلیل پیش کی کہ اگر نئی ریاستیں بنائیں اور انھیں قابل اطمینان حدود نہ دی گئیں تو وہ اشتمالی بن جائیں گی۔ دوسرے برطانیہ نے اپنے تحفظ کا انتظام کر لیا اور فرانس، برطانی تجاویز کی بنا پر غیر محفوظ رہا تو اتحادیوں کے باہمی تعلقات بگڑ جائیں گے۔ اس پر برطانی وزیر اعظم ساعی ہوا کہ اپنا یہ عزم بالجزم کہ نئے السا س لورین بننے کی ہرگز نوبت نہ آنے پائے، ترک کیے بغیر فرانس کے تحفظ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے۔ چنانچہ قرار پایا کہ جرمن فوج گھٹا کے ایک لاکھ کر دی جائے، جبری جنگی خدمت موقوف ہو اور رائن کے دائیں کنارے کو

پچاس کلامیٹر کے فاصلے تک غیر عسکری بنا دیا جائے۔ رہا بائیں کنارے کے جرمنوں سے لے لیئے جانے کا معاملہ، اس کے خلاف وہ برابر اڑا رہا اور رئیس امریکہ نے بھی اتفاق کیا کہ مشترکہ ضمانت کے علاوہ اب فرانس کی حفاظت کے واسطے اور کچھ کرنا نہ ممکن ہے نہ ضروری۔ اس پر فرانسیسی وزیر اعظم نے یہ چبھتا ہوا فقرہ کہا کہ جرمن بیڑا نابود ہو گیا اور ولایات متحدہ بہت دور واقع ہیں۔ فوش اور اتحادی سپہ سالار اکابر اربعہ سے ملاقات کے لئے طلب کئے گئے۔ مگر فرانسیسی امیر عساکر کی کسی طرف سے تائید نہ ہوئی اور شاہ ایلبرٹ تک نے جسے مجلس شوریٰ میں بلا لیا گیا تھا، طویل قبضے کا مطالبہ نہیں کیا۔ فرانس کی ہیکڑی سے بیزار ہو کر رئیس امریکہ نے اپنے جہاز جورج واشنگٹن کو حکم دیا کہ بریسٹ پر تیار رہے۔ اب فرانس تنہا رہ گیا اور آخر سخت رنج کے ساتھ کلیمینسیو نے بائیں کنارے کے علیحدہ

آخری مصالحت

کئے جانے کے مطالبے سے ہاتھ اٹھا لیا ۲۰ اپریل کو رئیس امریکہ نے اتحادیوں کے پندرہ سال کے قبضے کی منظوری دی اور دو دن بعد مسٹر لائڈ جورج نے بھی اس کی پیروی کی۔ طے ہوا کہ اگر اس مدت کے ختم پر تحفظ فرانس کی ضمانتیں ناکافی سمجھی جائیں، تو اس کو اور بڑھایا جا سکے گا اور اگر جرمانیہ اپنے قرضے ادا کرنے میں قاصر رہی تو اتحادی دوبارہ ان اقطاع پر قبضہ کر سکیں گے۔

اس شکل سے مصالحت کی جو صورت نکلی تھی، اس سے برطانیہ خوش تھی نہ فرانس۔ فوش کو تعین وقت کی شکایت تھی اور کہتا تھا کہ "اگر کوئی رہائن پر مسلط ہے تو گویا جرمنی پر تسلط رکھتا ہے اور اگر ہم رہائن پر نہیں رہے تو سمجھ لو کہ سب کچھ ہار گئے" ادھر مسٹر لائڈ جورج بھی اسی قدر ناراض تھے اور صلح نامے کے ابتدائی مسودے پر جرمن اہل الرائے کی رائے زنی سنی تو اظہار تاسف کیا کہ میں نے مان جانا کیوں گوارا کر لیا۔ مجلس وزرا اور برطانی وفد سے اس نے دوبارہ مشورہ لیا اور ان کی متفقہ رائے یہ تھی کہ برطانی وزیر اعظم کو یا قبضہ یا معاہدۂ ضمانت پیش کرنا چاہیئے تھا۔ وہ کلیمینسیو سے بھی کہتا تھا کہ "میں تمہیں الزام نہیں رکھتا بلکہ خود اپنی ذات کو ملزم سمجھتا ہوں کہ اس قدر جلد تمہاری دلیلوں سے مغلوب کیوں ہو گیا۔ اب بھی اگر تم اصرار کئے گئے تو مجھے یہ معاملہ پارلیمنٹ میں پیش کرنا پڑے گا" فرانسیسی وزیر اعظم نے جواب دیا کہ جو فیصلہ

ہونا تھا، ہو گیا۔ میں دوبارہ نہیں چھیڑ سکتا۔ اور خود مجھے اپنی مجلس مبعوثین میں اُسے پیش کرنا، بلکہ ضرورت ہو تو استعفیٰ دے دینا پڑے گا۔" آخر کار برطانی وزیر اعظم دب گیا۔ دوسری طرف فوش کا مطالبہ کہ ولایات رہائن پر عسکری تسلط رہے مسترد کر دیا گیا اور پانچ دیوانی حکام کی نظامت علاقہ قائم ہوئی۔

سار کی معادن زغال

بائیں کنارے پر مستقل قبضہ کرنے کی مخالفت تو زیادہ تر برطانیہ کی طرف سے ہوئی تھی مگر وادی سار کے الحاق کی ولایات متحدہ امریکہ نے شدت سے مزاحمت کی۔ جس وقت رئیس امریکہ نے کلیمنسیو سے کہا کہ میں نہ بائیں کنارے کی جرمانیہ سے علیحدگی قبول کرتا ہوں نہ سار کا الحاق، تو فرانس کا وزیر اعظم اسے جرمن پرست کہہ کے یک بیک اٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔[1] فرانس کا دعویٰ تھا کہ وہ ضلع پھر اس کے حوالے کیا جائے جو ۱۸۱۴ء میں اس کے نام زد ہوا اور ۱۸۱۵ء میں نہیں دیا گیا۔ اس کی برطانیہ اور امریکہ دونوں نے مخالفت کی اور فرانسیسی بھی اس سے دست بردار ہو گئے۔ ہر چند اس پر سب کو اتفاق تھا کہ جب تک خود فرانس کی کانیں بیکار رہیں، اس وقت تک سار کا کوئلہ فرانس کو ملنا چاہیے، لیکن لائڈ جارج تو اس غرض سے یہاں ایک خود مختار ریاست قائم کرنے پر آمادہ تھا جو فرانس کی سیادت میں دے دی جائے اور رئیس امریکہ شروع شروع میں سوائے اس کے اور کچھ ماننے پر تیار نہ ہوا کہ فرانس کو اپنے نقصانات کے مساوی صرف کوئلہ بطور خراج سالانہ ملتا رہے۔ فرانسیسیوں نے دانائی سے اس علاقے کے الحاق سے تو ہاتھ اُٹھا لیا جس میں جرمن آبادی تھی مگر چاہا کہ اس پورے ضلع کا ایک خاص سیاسی انتظام کیا جائے جس میں معادن کا تمام رقبہ داخل ہے۔ حالانکہ ۱۸۱۴ء کی حد بندی میں اس کا ایک تہائی حصہ باہر رہ جاتا ہے۔ آخر میں مصالحت کی شکل یہ نکلی کہ پانچ اشخاص کی ایک جماعت منتظمہ مرتب کی جائے جس کے تین ارکان جمعیت اقوام، ایک وہاں کے باشندے اور ایک رکن فرانس مقرر کرے۔ پھر پندرہ سال کے بعد باشندوں کی عام رائے لی جائے کہ آیا وہ فرانس کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔

---

[1] اسائیہ کوپن: وہاٹ ریلی ہیپنڈ ایٹ پیرس ص ۶۴-۶۵

یا اسی نظام حکومت کے جاری رہنے کے خواہاں ہیں اور یا جرمانیہ میں واپس شامل ہونے کے متمنی ہیں؛ آخری صورت میں جرمانیہ کو معادنِ زغال کی تخمینی قیمت اسی تاریخ ادا کرنی ہوگی"۔

برطانی وفد بائیں کنارے اور سار کے معاملے میں تو معتدل فیصلے کا حامی رہا لیکن دوسرے دو معاملوں میں اس کے طرزِ عمل کو ایک یا زیادہ اتحادیوں کو سخت

قیصر کی تحقیقاتِ جرم

بلکہ جوشِ انتقام پر مبنی نظر آیا۔ انتخابات کے موقع پر قیصر کی تحقیقاتِ جرم کا امیدوار لوگوں سے اقرار کر چکے تھے لہذا امریکہ و جاپان کی مخالفت اور جنرل بوتھا اور جنرل اسمٹس کی ناپسندیدگی کے باوجود ہالینڈ سے قیصر کی تحویل کا مطالبہ کیا گیا اگرچہ کامیابی بھی نہ ہوئی؛ دوسرا جھگڑا تلافی نقصانات کا تھا کہ اس میں بھی انگریزوں کے دعاوی امریکہ والوں کو جو اپنے لئے کچھ بھی نہ چاہتے تھے، بہت زیادہ بلکہ سراسر بیجا معلوم ہوئے[1]۔ دفعاتِ چہاردہ میں مقبوضہ اقطاع کی واگزاشت داخل تھی اور مراسلہ مورخہ ۵ نومبر میں جس کی بنیاد پر جرمانیہ نے ہتھیار ڈالے اتحادیوں کی غیر عسکری آبادی اور املاک کو جرمانیہ کی برّ و بحر یا ہوا سے دست درازی کرنے کی بنا پر جو نقصانات پہنچے ان کے معاوضے" کا بھی ذکر تھا لیکن کچھ روز بعد سے فرانس و برطانیہ کے سیاست داں جرمانیہ کو پوری جنگ کے خرچ ادا کرنے کا سزاوار کہنے لگے تھے کلیمینسیو بیان کرتا تھا کہ ماہرین، خرچ کا کتنا ہی زیادہ اندازہ لگائیں؛ وہ رقم اہل فرانس کی امیدوں سے کہیں کم ہوگی اور لائڈ جورج نے بھی ہاں میں ہاں ملا کر کہا کہ اگر کوئی رقم معین ہوئی، تو میں اپنے عہدے پر برقرار نہ رہ سکوں گا" ان کے برخلاف، امریکی وفد متفقہ طور پر معین رقم کا حامی تھا تاکہ اطمینان کی صورت نکل آئے اور جرمانیہ شوق سے کام شروع کر سکے۔ انگریزی، فرانسیسی، بلجیمی اور اطالی وفود کے ارکان منفرداً اس رائے کے ساتھ تھے مگر ان کے سرگروہ ایک نہ سنتے تھے؛

[1] برنیچ The Making of the Economic and Reparations sections of the Treaty. وغیرہ اور لیوی اپنی کتاب "La Juste paix" میں اقتصادی دفعات اور تاوان کے بارے میں اہل فرانس کی رائے تحریر کرتا ہے۔

یہ سوال کہ تلافیٔ نقصانات کی مد میں کس قسم کے دعاوی داخل ہیں، طویل بحث مباحث کا باعث بن گیا۔ امریکی رائے کی مسٹر ڈولیس نے بڑی لیاقت سے وکالت کی کہ جنگ کے خرچ کو ہرگز غیر عسکری آبادی کے نقصانات کا معاوضہ نہیں کہہ سکتے۔ مسٹر ہیوز نے متعدد لہجے میں اس کی تردید کی۔ رئیس امریکہ مارچ میں وطن سے واپس آرہا تھا۔

تلافیٔ نقصانات کا مناقشہ

جہاز ہی میں بذریعہ لاسلکی اس مناقشے کی اُسے اطلاع دی گئی اور اس نے جواب دیا کہ "ہم نے دشمن کو سمجھ بوجھ کر جو امید دلائی، اس سے خرچ جنگ کو صریحاً کوئی مناسبت نہیں تھی اور اب اسے محض اس لئے داخل کر دینا کہ ہمارا قابو ہے، دیانت کے خلاف ہوگا" انگریزوں کے اس معاملے میں اڑنے کا بڑا سبب یہ تھا کہ انھیں ہوائی اور تحت البحری تاختوں سے جو مادّی نقصان پہنچا اول تو وہ کچھ بہت نہ تھا دوسرے انتخابات کے وقت جو وعدے وعید کیے گئے تھے، فتح کے ثمرات لوان کے کچھ نہ کچھ مطابق دکھانا ضرور تھا۔ چنانچہ ویسٹ منسٹر گزٹ میں ایک "اعلیٰ عہدہ دار" کی ملاقات کا حال چھپا[۱] تو پارلیمنٹ کے تین سو ستّر ارکان نے ایک تنبیہی تار بھیج کر وزیر اعظم کو وہ وعدے یاد دلائے کہ "ہمارے حلقے والوں کو شروع سے یہ امید ہے کہ مجلس صلح کے وکلا پورا مطلوبہ پیش کر کے جرمانیہ سے یہ قرض تسلیم کرائیں گے، جیسا کہ انتخابات کی تقریروں میں آپ بار بار بیان کرتے رہے ہیں" مسٹر لائڈ جورج نے جواب دیا کہ حکومت اپنے مواعید پر قائم رہے گی۔ پھر وسط اپریل میں وہ عجلت میں لندن میں پہنچا اور لارڈ نارتھ کلف[۲] کی بری طرح خبر لی جسے تار دلوانے کا بانی مبانی سمجھتا تھا اور جو اس وقت ٹائمز اور ڈیلی میل میں وزیر اعظم کے خلاف برابر آتش فشانی کر رہا تھا۔ آخری نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے وظائف اور تفرقے کے رواتب پر مصالحت ہوگئی جو خرچ جنگ" اور ۵ نومبر کے اصول کے بین بین تھی اور رئیس امریکہ کو اس رائے کا موید جنرل اسمٹس کی ایک یادداشت نے بنایا۔ اس تجویز کی رو سے

[۱] یہ اعلیٰ عہدہ دار خود وزیر اعظم تھا۔ دیکھو سسلے ہڈلسٹن: پیس میکنگ ایٹ پیرس" ۔

[۲] اس معاملے میں برطانی روش پر چھتا ہوا فیصلہ زمرن نے کیا ہے: "دی کمی ڈیلے سینس آف یورپ"

جرمانیہ سے دو سال میں دس کروڑ ادا کرنے کا مطالبہ تھا اور اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے ادائی رقوم کی دوسری تجویز مرتب ہونے والی تھی کہ اُسے تفصیلی طور پر اتحادیوں کی ایک جماعت خاص برائے تلافی نقصانات" تیار کرے اور تیس سال میں پورا روپیہ تقسیم کر دیا جائے گا۔

دوسرے مسائل میں فیوم، شان ٹنگ اور پولینڈ کے قضیے بھی ایسے ہی دشوار ثابت ہوئے جیسے سار اور بائیں کنارے کے مسائل تھے۔ ۱۹۱۵ء کے خفیہ معاہدے کی رو سے اطالیہ کے شمالی دلماشیہ پر دعاوی تسلیم کر لئے گئے تھے حالانکہ یہ قوم پسندیدگی کے اصول کی صریحی خلاف ورزی تھی۔ بایں ہمہ اسی اصول کا نام لے کر

فیوم کا جھگڑا

اطالیہ والوں نے فیوم پر اپنے "جائز دعاوی" پیش کرنے شروع کئے گو فیوم اور اس کے نواحی قصبے سسک کو ملا کر بھی وہاں اہل اطالیہ کی تعداد کم تھی۔ برطانی اور فرانسیسی وزیر اعظم نے معاہدے کے مطابق کام کرنے پر آمادگی ظاہر کی مگر صلاح دی کہ وہ دلماشیہ کے دعوے کو چھوڑ دے کیونکہ اگر ۱۹۱۵ء کی سب شرطوں پر اصرار کیا تو انھوں نے جتا دیا کہ پھر وہ فیوم نہ پاسکے گی رئیس امریکہ کو وثوق تھا کہ چہاردہ دفعات قبول کرنے کے بعد اطالیہ لازماً تمام دعاوی سے جو ان دفعات کے خلاف ہوں دست بردار ہو جائے گی اور اہل سردیہ نے اسی کو حکم بھی بنایا تھا اگرچہ اطالوی اس سے کام لینا چاہتے تھے۔ اس نے حجت کی کہ یوگوسلافیوں کو سمندر تک پوری طرح راستہ ملنا ضروری ہے۔ کرنل ہاؤس نے بہت تگ و دو کی کہ کسی طرح اطالیہ اور یوگوسلافیہ کے اہل مقدمہ جو آپس میں خون کے پیاسے تھے کرنل کی قیام گاہ میں جمع ہو کر گفتگو کریں ممکن نہ ہوا اور اپریل کے اخیر میں جب کہ جرمنوں کی پیرس میں آمد آمد تھی، اورلینڈو مصر ہوا کہ اس مسئلے پر بلا تاخیر غور کیا جائے حالانکہ جرمانیہ کے قضیے سے اُسے کچھ تعلق نہ تھا۔ ساتھ والے پہلے ہی کثرت کار سے تنگ تھے بہت سمجھایا کہ جب تک جرمنوں کے بڑے بڑے قضیے طے نہ ہو جائیں صبر کرو۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ جرمن عہد نامے پر اطالیہ کے دستخط ثبت ہو جائیں۔ اکابر اربعہ کی مجلس میں اس پر لمبی لمبی بحثیں ہوتی رہیں بایں ہمہ نہ اورلینڈو اپنی ہٹ سے باز آیا نہ رئیس امریکہ نے طرح دی۔

بتاریخ ۲۰ راپریل رئیس امریکہ نے اپنے برطانی اور فرانسیسی رفیقوں کے روبرو ایک یادداشت پڑھی اور کہا کہ اگر اطالیہ والے کسی مصالحت پر آمادہ نہ ہوے تو میں اسے شائع کرادوں گا۔ اس کا قول تھا کہ صلح خاص خاص اصول پر مبنی ہونی چاہیئے اور اگر ان اصول کی پابندی کی جائے تو فیوم کو تجارت کی درآمد برآمد کا راستہ بنانا واجب ہوگا اور تجارت بھی اطالیہ کی نہیں بلکہ ہنگری، بوہیمیہ، رومانیہ اور یوگوسلافی قوم کی نئی ریاستوں کی۔ اس شہر کو اطالیہ کے حوالے کردیا گیا تو لوگ خیال کریں گے کہ اس

ولسن اور لینڈ رو کا مقابلہ

بندرگاہ کو جس پر ان ملکوں کی بحرِ متوسط تک آمد و رفت منحصر ہے جان بوجھ کر ایسی سلطنت کے ہاتھ میں دے دیا گیا جس کا وہ طبعی جزو نہیں ہے اور جس کی حکومت یہاں اپنوں کی سی نہیں بلکہ لازماً غیروں کی سی معلوم ہوگی۔ اس وقت فوائد و اغراض کا مسئلہ زیر بحث نہیں ہے بلکہ ہمیں قوموں کے حقوق کا لحاظ رکھنا ہے اور سب سے بڑھ کر بنی نوع کے حق امن وصلح کا، اور اغراض و فوائد کے ایسے فیصلے کرنے ہیں جن سے امن محفوظ و مستحکم ہو جائے۔ یہی اصول ہیں جن کی خاطر امریکہ نے جنگ کی اور جن کے مطابق وہ صلح پر رضامند ہو سکتی ہے اور اسے امید و یقین ہے کہ خود اطالیہ کے باشندے انہی اصول کے مطابق اس سے صلح کرنے کی توقع رکھیں گے۔ مسٹر لائڈ جورج اور کلیمینسیو نے یادداشت کی تائید کی اور رئیس امریکہ سمجھا کہ دونوں اس کی اشاعت کو پسند کرتے ہیں۔ اکابر اربعہ کا مزید مباحثہ اور وزرائے خارجہ کی مجلس میں گفت و شنید سے کچھ حاصل نہ ہوا اور وزیر اعظم اطالیہ کا رقعہ آگیا کہ جب تک یہ معاملہ اطالیہ کے حسب مراد طے نہ ہو جائے گا میں آئندہ مجلس اربعہ میں کوئی حصہ نہ لوں گا۔ اب مسٹر ولسن نے اپنا بیان اخباروں میں بھیج دیا۔ اسی شام اطالویوں نے اطلاع دی کہ کل صبح ہم پیرس سے رخصت ہو جائیں گے۔ اور لینڈرو کی طرف سے ولسن کی تحریر کا جواب شائع ہوا جس میں بڑی شکایت لکھی تھی کہ رئیس امریکہ کے اطالوی حکومت اور اطالوی قوم کے درمیان تفرق دکھانے کے معنی یہ نکلتے ہیں کہ گویا اتنی بڑی آزاد قوم اپنی مرضی کے خلاف حکومت گوارا کر سکتی ہے دوسرے سب سے بڑھ کر تکلیف دہ دلیل یہ ہے کہ اطالیہ کے دعوے کو آزادی اور انصاف کے معارض قرار دیا گیا۔ حالانکہ قوم پسندیدگی کی شریعت بنانے والے کو

سب سے پہلے فیوم کا حق تسلیم کرنا چاہیئے تھا جو قدیم اطالوی شہر ہے۔ رہی ساحل دالماشیہ کے متعلق اطالیہ کی آرزو، تو کیا یہ علاقہ جو صدیوں تک اطالیہ کی فصیل بنا رہا، بیجا کہا جا سکتا ہے؟ اس کی کیا وجہ کہ صرف اطالیہ ہی کی آرزو وں سے حرص کشور کشائی کا شبہہ کیا جائے؟

مسٹر لائڈ جورج نے اپنے ساتھی کو قطع تعلق کرنے سے روکنا چاہا لیکن مسٹر ولسن کے یوں ٹوکنے سے اطالیہ میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اٹھی، اور وزرائے اطالیہ کو واپس جانے کے سوائے کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ روما میں ان کا نعرہ ہائے احسنت و مرحبا اور بڑے بھاری غلبۂ آرا کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا لیکن ۴ مئی کو اکابر ثلاثہ نے واپس بلا لیا اور ۷ ویں مئی کو وہ پیرس پہنچ گئے۔ مسئلہ فیوم کا فیصلہ غیر معین زمانے کے لیئے التوا میں ڈال دیا گیا۔

اطالیہ کا مجلس صلح سے بگڑ کر اٹھ جانا شان ٹنگ کے مسئلے پر اثر ڈالے بغیر

جاپان اور شان ٹنگ

نہ رہا جس طرح اطالیہ کی جنگ میں شرکت کا مول شمالی دالماشیہ ٹھیری تھی اسی طرح جاپان کی مدد کا معاوضہ فروری ۱۹۱۷ء میں اس خفیہ پیمان کے ذریعے ادا کیا گیا تھا کہ مجلس صلح میں برطانیہ، فرانس، روس اور اطالیہ تائید کریں گے کہ شرق اقصیٰ میں جرمن مقبوضات کا وارث جاپان کو تسلیم کر لیا جائے، لیکن رئیس امریکہ کو اس عہد نامے کا علم ہی پیرس آکر ہوا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اس کا پابند نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دولت چین کی طرف سے جو دعویٰ وہاں کے سفیر ولینگٹن کو نے کمال فصاحت کے ساتھ پیش کیا، اس کے موید ہونے کو بھی وہ کسی سے نہ چھپاتا تھا۔ اور دعویٰ یہ تھا کہ ۱۹۱۵ء میں جبراً جو منظوری چین سے لی گئی تھی، اسے منسوخ کر دیا جائے۔ رئیس امریکہ کا دوست اور طبیب امیر البحر گریسن نے اطلاع دی تھی کہ جسمانی اور روحانی اعتبار سے یہ بہت ہی سخت زمانہ تھا جو مسٹر ولسن پر گزرا اور ۲۵ اپریل کو خود اس نے واشنگٹن تار دیا کہ "جو دشواریاں پیش آرہی ہیں، وہ یہاں آئے بغیر قیاس میں بھی نہ آسکتی تھیں"۔ جاپانی وکلا دھمکی دیتے تھے کہ

لہ ٹیمپرلی: وڈرو ولسن از آر۔ آئی نیوہم ۴۵۵

اگر انھیں اپنے شکار کو ہضم کرنے سے روکا گیا تو وہ مجلس صلح کو خیرباد کہہ دیں گے۔[1] مسٹر لینسنگ کے نزدیک یہ محض بھبکی تھی اور امریکی وکلا بطورِ احتجاج چاہتے تھے کہ خود دست بردار ہو جائیں لیکن رئیس امریکہ کی دانست میں صلح نامے پر اطالیہ اور جاپان کے دستخط نہ ہوئے تو جمعیتِ اقوام کا وجود معرضِ خطر میں پڑ جاتا جو اسی صلح نامے کا ایک جزو تھا۔ دوسرے یہ زبانی وعدہ سن کر کہ صرف سنگٹاؤ میں نوآبادی کی جگہ اور اقتصادی مراعات لے کر جو جرمانیہ کو حاصل تھیں، جاپان اس جزیرہ نما کو بجنسہٖ حکومت چین کے حوالے کر دے گا، وہ فی الجملہ نرم ہو گیا۔ باایں ہمہ عہدنامۂ صلح میں تو جرمن حقوق کا جاپان کے نام منتقل ہونا ہی درج کیا گیا حالانکہ جاپانی وکلا کے زبانی یقین دلانے کو خود مسٹر ولسن کے ہموطن کچھ زیادہ قابلِ وقعت نہیں سمجھتے تھے۔ مسٹر اسٹینرڈ بیکر تحریر کرتے ہیں کہ مجلس صلح کے تمام اہم فیصلوں میں سب سے زیادہ اسی فیصلے نے اُسے پریشان کیا اور آخر میں اس کے لئے یہی فیصلہ سب سے کم قابلِ اطمینان تھا۔ پیرس میں جس قدر مسائل اس کے سامنے آئے، اگرچہ سب نازک واہم تھے، مگر کسی کے متعلق اُس کے دل کو شخصی طور پر ایسی لو نہیں لگی ہوئی تھی۔" اس میں یہ اور اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ مسٹر ولسن کے سیاسی حریف آیندہ اُس پر اور اس میثاق نامے پر جو حملہ کرنے والے تھے، اس میں یہ فیصلہ اُن کے ہاتھ میں سب سے کارگر حربہ ثابت ہوا۔

پولینڈ کے دعاوی

فیوم اور شانٹنگ، کسی کے متعلق بھی رئیس امریکہ کو اپنے برطانی ہمنشین سے کوئی مفید مدد نہیں ملی۔ اسی طرح پولینڈ کا مسئلہ پیش ہوا تو اس کے مفرط دعاوی کا مقابلہ مسٹر لائڈ جورج کو تنہا کرنا پڑا۔ پشوں کی نظر برابر برلن پر تھی، کہنے لگا کہ پولینڈ کو لازماً وسیع و مضبوط، نہایت مضبوط ہونا چاہیئے۔ اور بظاہر وہ یہ سمجھتا تھا کہ رقبے کی وسعت اس کی قوت کو بھی بڑھا دے گی چنانچہ اتحادیوں کی ایک مجلس ماہرین کی تجویز تھی کہ پروشیہ کی قریب دو پوری ولایتیں یعنی پوزن اور مغربی پروشیہ پولینڈ کو دے دی جائیں کہ یہ کبھی پہلے بھی اس کی مملکت میں داخل تھیں۔ تیسرے ورڈر کا ضلع اور اسی کے ساتھ وسچولا اور ڈوان زک کے دونوں کنارے بھی پولینڈ کے تفویض کئے جانے والے تھے

[1] لینسنگ "دی پیس کانفرنس" باب ۱۷

بندرگاہ ڈان زگ سے وارسا تک ریل کا راستہ قبضے میں رہے۔ اس کے علاوہ ایلن اسٹائن ضلعے کے پروٹسٹنٹ پولوں کو عام رائے کے ذریعے اپنے حسب منشا حکومت حاصل کرنے کا حق دیا تھا اور دوسری طرف بالائی سلیشیا کو بھی پولینڈ کے حوالے کرنے کی تجویز تھی حالانکہ صدیوں سے یہاں اس ملک کا کوئی اثر آثار نہ تھا۔ مسٹر لائڈ جورج نے بیس لاکھ جرمنوں کے پولینڈ کے ماتحت ڈال دئے جانے کی سخت مخالفت کی اور اسی بنا پر یہ فیصلہ ہوا کہ میرین ورڈر والوں کو عام رائے کی اجازت دی جائے اور ڈان زگ کو جمعیتِ اقوام کی نگرانی میں آزاد شہر بنا دیا جائے گو اس کے بیرونی تعلقات اور محاصل درآمد پولینڈ کے ہاتھ میں رہیں۔

جرمن وکلائے مختار ۲۹ اپریل کو وارسیلز پہنچے اور ساتویں مئی کے دن ہوٹل قصر تریانوں میں صلح نامہ ان کے حوالے کیا گیا۔ سرسری طور پر تقریب کا آغاز کرتے وقت کلیمینسیو نے بیان کیا کہ جنگ سے فتحمندوں کو اتنا کچھ نقصان پہنچا ہے کہ انھیں چار و ناچار تمام ضروری تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی کہ صلح پائدار ہو۔ وہ ضخیم کتاب جس میں صلح کی شرطیں درج تھیں، لیتے ہیں جرمن وزیرِ خارجہ کاؤنٹ بروک ڈورف رنٹ زاو

جرمنوں کا ورود

نے ایک بیان پڑھ کر سنایا جس میں اپنے وطن کی طرف سے جنگ کی ساری ذمہ داری جرمانیہ پر ہونے کی تردید تھی۔ رئیس امریکہ یہ چاہتا تھا کہ وکلا سے زبانی گفتگو کی جائے اور اس تجویز کی جنرل اسمٹس نے بہت زور سے تائید کی مگر کلیمینسیو کو کد تھی کہ ہر بات تحریری ہو اور کچھ تامل کے بعد لائڈ جورج بھی اس کا موید ہو گیا۔ جرمن وکلا نے تنقیدی یادداشتوں کا ایک سلسلہ پیش کرنا شروع کیا جن کا بالواسطہ مفہوم یہ تھا کہ اتنا علاقہ، کوئلہ اور لوہا چھن جانے کے بعد جرمانیہ ایسا بھاری تاوان ادا نہیں کر سکتی اور اس کے لاکھوں باشندے قوت لایموت تک حاصل نہ کر سکیں گے[1]۔ ۲۹ اپریل تک جرمنوں کی جوابی تجویزیں مرتب ہو گئیں۔ ان میں شکایت تھی کہ جن اصول کی بنا پر جرمانیہ نے ہتھیار رکھے ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے نئی جرمن حکومت سراسر جمہوری ہے باایں ہمہ شرطیں اس قدر کڑی ہیں کہ بادشاہی حکومت پر بھی اس سے بڑھ کر سخت شرطیں

[1] ملاحظہ ہو جرمنوں کی سرکاری کتاب "Materialien......"

عائد نہیں کی جا سکتی تھیں جرمانیہ اپنی ذمہ داریوں کو صرف اس صورت میں پورا کر سکتی ہے جب کہ بالائی سلیشیہ اسی کے قبضے میں رہے۔ آلساس لورین میں وہ ایک عام رائے کے نتائج قبول کرے گی بشرطیکہ غیر جانبداروں کی نگرانی میں یہ کارروائی عمل میں آئے۔ جرمانیہ کو ابھی سے مساوی رتبے کے ساتھ جمعیت اقوام میں شریک کیا جائے اور تخفیف اسلحہ یک طرفہ ہونے کی بجائے سب کے لئے عام ہو۔ ڈان زگ کے جبراً چھیننے اور میمل کے ہتیا لینے کو سراسر ناجائز بتایا تھا اور نوآبادیوں کو حکمبرداری کے ماتحت واگزاشت کرنے کی تجویز کی تھی۔

جرمنوں کے جواب سے فرانس کے وزیر اعظم کی نوا و رضد بڑھ گئی لیکن مسٹر لائڈ جورج پر بہت اثر پڑا اور اس نے اپنے خاص خاص ساتھی وزیروں کو لندن سے بحث وگفتگو کے واسطے بلایا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اعتدال ونرمی پر خود اس سے کچھ کم آمادہ نہ تھے۔ اب وہ قضیہ شروع ہوا جسے تار دیو نے "دوسرا اور سب سے نازک موقع" بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ بڑے تکلیف دہ ایام تھے وہ (یعنی مسٹر لائڈ جورج) دستخط کرنے کے انکار یا جرمانیہ میں کوئی ہلچل ہو جانے کے نتائج سے خائف تھا۔ تخفیف اسلحہ، الحاق، معاوضہ، ڈان زگ، بالائی سلیشیہ، غرض ہر معاملے میں سراسر ناجائز رعایتیں چاہتا اور اتنے بعد از وقت تحریک کرنے کی معافی مانگتا اور بار بار پارلیمنٹ سے مشورہ لینے کا ذکر کرتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ

آخری مراحل

"ہمارے مطالبے حکومت کو الٹ پلٹ کر دیں گے اور دستخط کے لئے کوئی شخص ہی موجود نہ ہوگا صلح نامے کی تکمیل ہونی لازمی ہے۔ ہم دو یا تین سال تک اس حالت میں کبھی نہیں رہ سکتے جو نہ امن کی ہے نہ جنگ کی اگر فرانس ایسا چاہتا ہے تو وہ رہے"۔ غرض اندیشہ ہوتا تھا کہ دو مہینے کی ساری کی کرائی محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ کلیمینسیو نے جواب دیا کہ فرانس جرمنوں کو خوب سمجھتا ہے۔ رعایتیں الٹا ان کی مزاحمت کو زیادہ کر دیں گی اور اتحادی اپنے حقوق سے محروم رہ جائیں گے۔ اس نے یہ طعن بھی کی کہ میں دیکھتا ہوں برطانی رائے جرمنوں کے بیڑا اور نوآبادیاں حوالے کر دینے پر کچھ معترض نہیں ہے"۔ امریکی وفد اصولاً برطانی وزیر اعظم کا طرفدار تھا مگر خود رئیس امریکہ کو صلح نامے پر جلد دستخط ہو جانے کی فکر تھی لہذا اس نے

اُصولی دفعات میں کسی تغیر کا مطالبہ نہیں کیا اور اس سے ماہوین فن جن مالی ترمیمات پر زور دیتے تھے، ان کے لئے بھی زیادہ کد نہ کی۔ پھر جب اس کی امداد نہ ملی تو مسٹر لائڈ جورج اپنی سب باتیں نہ منوا سکے۔ اور تار دیو بغلیس بجا تا ہے کہ "آخر عقل نے اپنا حق دوبارہ حاصل کیا اور اسکے بعد دیگرے سب ترمیمیں کافور ہوگئیں"۔ اس پر بھی ۱۶ جون کے اتحادی مراسلے میں جن تبدیلیوں کا اعلان ہوا تھا، وہ جرمانیہ کے واسطے کافی اہم تھیں۔ بالائی سلیشیہ میں رائے عام کی تجویز منظور کرلی گئی۔ پولینڈ کی مغربی سرحد میں خفیف سی ترمیم ہوئی۔ مشرقی پروشیہ کے وسائل آمد و رفت بہتر کر دئیے گئے۔ فوج میں کمی کرنے کی رفتار گھٹا دی گئی اور قرار پایا کہ تاوان ادا کئے جانے کے طریقوں پر ایک جرمن جماعت ماہرین سے گفتگو کی جائے۔ ان تبدیلیوں کے بغیر کوئی جرمن حکومت صلح نامے پر دستخط نہ کرتی اور مذکورۂ بالا ترمیمات کے بعد بھی جرمن مندوبین کی متفقہ خواہش یہ تھی کہ انکار کر دیا جائے۔ جرمن مجلس وزراء میں اختلاف رائے ہوا کہ لیکن ارزبرگر کے بیچ رہنے سے مجلس وطنی کے اجلاس وائمر میں اکثریت اسے حاصل ہوگئی اور شیڈمن کے استعفیٰ دے دینے پر نئی وزارت مرتب ہوئی جسے دستخط کرنے کا قوم کی طرف سے اختیار مل گیا۔ اسی موقع پر جرمن بیڑے کے آبنائے سپا میں ڈبو دئیے جانے سے ایک دشوار مسئلہ خود بخود حل ہوگیا گو اتحادی اس پر بہت ناراض ہوئے۔ جرمنوں نے آخری مرتبہ پھر کوشش کی کہ قیصر اور دوسرے خطا کاروں کی تحویل اور جرمانیہ اور اس کے ساتھیوں پر جنگ کے بانی مبانی ہونے کے الزام کے متعلق جو فقرے تھے، وہ حذف کر دئیے جائیں لیکن اکابر اربعہ کا تار پر انکار اور فوری تعمیل کا مطالبہ پہنچا۔ ۲۳ جون شام کے سات بجے تک کی مہلت تھی مگر پانچ بج کر بیس منٹ پر ہی خبر مل گئی کہ جرمانیہ مان گئی۔ ۲۸ تاریخ جرمانیہ اور سوائے چین کے سب اتحادیوں کے بھی عہد نامۂ صلح پر دستخط ثبت ہوگئے۔

صلح نامے پر دستخط ہوگئے

تکمیل صلح نامہ کی یہ رسم اسی آئینہ محل میں ادا ہوئی۔ نصف صدی قبل سلطنت جرمانیہ کے قیام کا فخریہ اعلان ہوا تھا۔ اسی یادگار تاریخ کو مسٹر لائڈ جورج، بالفور، کلیمینسیو اور پشون نے اس ضمانت نامے پر دستخط کئے کہ جرمانیہ بلا اشتعال دراز دستی کرے گی تو اس کے مقابل میں باہم مدد دیں گے، جیسا کہ رہائن کے بائیں کنارے کے الحاق کی تجویز منسوخ کرتے وقت،

بطور تلافی اپریل میں وعدہ کیا گیا تھا اور اسی قسم کی ایک دستاویز پر رئیس امریکہ مسٹر ولسن کے دستخط ثبت ہوئے۔

صلح نامے کے خاص خاص اجزا یہ تھے جن کا اوپر بیان ہوا لیکن بہتر ہوگا کہ اس جگہ پورے معاہدے کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ مغرب میں جرمانیہ نے السّاس لورین، فرانس کو دیا اور یوپن اور مالمیڈی کے علاقے بلجیم کے حوالے کیے مگر شرط یہ تھی کہ اس انتقال کے بعد وہاں کے باشندوں کی عام رائے بھی لے لی جائے۔ وادی سار پندرہ سال کے لئے دے دی گئی۔ لکسمبرگ سلطنت سے الگ ہو گیا اور قرار پایا کہ رائن کے بائیں کنارے کے قلعے وغیرہ توڑ دیے جائیں۔ ڈین مارک کی سرحد پر شمالی اور وسطی شلیسوگ کو حق ملا کہ وہ عام رائے سے اپنی متابعت کا خود فیصلہ کریں[1] لیکن سب سے بھاری ملکی نقصانات مشرق کی طرف اٹھانے پڑے جہاں ولایات پوزن و مشرقی پروشیہ کے بڑے بڑے حصے پولینڈ کے حوالے کر دیے گئے۔ بالائی سیلیشیہ میں عام رائے کا لیا جانا طے ہوا۔ ڈان زگ کی نسبت قرار پایا کہ جمعیت اقوام کی نگرانی میں آزاد شہر بنا دیا جائے لیکن پولینڈ کے شعبۂ محاصل درآمد میں شامل ہو۔ مشرقی پروشیہ کو باقی جرمانیہ سے الگ کر دیا جائے اور اس کے جنوبی اور مشرقی اضلاع میں باشندوں کی عام رائے طلب کی جائے۔ میمل اور اس کا ضلع اتحادیوں کو دے دیا جائے۔ تمام جرمن نوآبادیاں چھین کر فاتحین میں بحیثیت حکمبرداروں کے تقسیم کر لی گئیں۔ جرمن جنوب مغربی افریقہ، متحدہ ممالک جنوبی افریقہ کے ساتھ ملا دی گئی۔ جرمن مشرقی افریقہ انگریزوں کے حصے میں آئی جنھوں نے اس کا ایک چھوٹا سا مگر خوب آباد شمال مغربی ٹکڑا جو ریاست کانگو سے ملا ہوا تھا، بلجیم کو دے دیا۔ فرانس نے قریب قریب تمام اقطاع کیمرون و ٹوگو حاصل کیے۔ بحرالکاہل کے علاقے برطانیہ اور جاپان نے آپس میں بانٹ لئے یعنی خط استوا کے شمال کے اقطاع تو جاپانیوں کے ہاتھ آئے اور جنوب والے انگریزوں کے۔ ان میں بھی سب سے جنوب کے علاقے آسٹریلیا کو دے دیے گئے بجز جرمن ساموا کے جو نیوزی لینڈ کو ملا

---

[1] شمالی شلیسوگ نے ڈین مارک کے ساتھ اتحاد کی رائے دی اور وسطی شلیسوگ جرمانیہ ہی میں شامل رہا۔

اور جزیرۂ نورو کے جو خاص حکومت برطانیہ کے پاس رہا؛

جرمانیہ سے ہتھیار لینے کا کام متارکۂ جنگ کی شرطوں کے مطابق شروع ہو چکا تھا۔ اب صلح نامے میں اور بھی قیود عائد کی گئیں۔ قرار پایا کہ مارچ ۱۹۲۰ء تک فوج گھٹا کر ایک لاکھ کر دی جائے اور اس کی مدت ملازمت بارہ سال ہو۔ فوجی عمال کا محکمۂ صدر توڑ دیا جائے۔ بڑی توپیں

جرمانیہ کی اسلحہ کشائی

ممنوع اور چھوٹی توپوں اور گولہ بارود کی مقدار بہت ہی محدود کر دی۔ رہائن کے مشرقی کنارے کی تیس میل چوڑی پٹی کو غیر عسکری بنا دینے کا فیصلہ ہوا، بیڑا گھٹا کے ۶ جنگی جہاز ۶ ہلکے دریانورد، ۱۲ تباہ کن اور ۱۲ عادہ سفائن پر محدود کر دیا گیا جس میں کل سردار و سپاہی پندرہ ہزار اور غیر تنخواہ دار مطوعین ہوں۔ قرار پایا کہ کوئی تحت البحر تیار نہ کی جائے، ساحل بالٹک پر کوئی قلعہ نہ بننے اور ہیلوگولینڈ کے قلعے سے سب توپیں اور دمدمے ہٹا دیے جائیں۔ کوئی جنگی طیارہ یا غبارہ جہاز نہ رکھا جائے۔ نہ تیار ہو۔ نقصانات کا معاوضہ اتحادیوں کی ایک مشترکہ تحقیقاتی جماعت کے تفویض ہوا کہ یکم مئی ۱۹۲۱ء تک معین کر دے لیکن اس تاریخ تک ہی جرمانیہ ایک ارب ادا کر دے اور باقی تیس سال میں پورا کرتی رہے؛ سولہ سو ٹن سے اوپر کے سارے تجارتی جہاز حوالے کرے اور ۸ سو تا ۱۶ سو ٹن والوں میں سے نصف اور ماہی گیری بیڑے کا ایک چوتھائی دے اور پانچ سال تک ۲ لاکھ ٹن کے حساب سے نئے جہاز تعمیر کرتی رہے؛ دس سال تک کوئلے کی مقدار کثیر بھی اسے فرانس کو دینی تھی۔ اور عارضی قبضے کے تمام فوجی مصارف کا بار اٹھانا تھا۔ پانچ سال تک اتحادیوں کی تجارت پر کوئی محصول بطور خاص وہ عائد نہ کر سکتی تھی اور اسے یہ بھی قبول کرنا تھا کہ اتحادی ممالک میں جس قدر جرمن املاک ہیں، وہ فروخت کر دی جائیں؛ نہر کیل تمام قوموں کے جنگی اور تجارتی جہازوں کے لئے کھول دی گئی۔ جرمن دریا بین الاقوامی بنا دئے گئے اور اسٹراک برگ کے سامنے کا شہر کہل فرانس کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ قیصر کا مقدمہ پانچوں دول عظمیٰ کے ججوں کے سپرد ہوا اور جنگ کے قوانین و دستور کے خلاف جن جرمنوں نے مجرمانہ افعال کئے تھے، ان کی تحقیقات مخصوص فوجی عدالتوں کے تفویض کی گئی۔ صلح نامے کی توثیق اس شرط پر مبنی تھی کہ رہائن کے بائیں کنارے اور

پلوں کے مقامات پر اتحادی پندرہ سال تک قابض رہیں، اور جس نسبت سے تاوان ادا ہو، بتدریج تخلیہ کرتے جائیں۔ پھر یہ اگر ان پندرہ سال میں یا اس کے بعد جرمانیہ قرض تاوان ادا کرنے سے قاصر رہے تو اس رقبے پر دوبارہ قبضہ کیا جا سکتا تھا۔"

۳ر جولائی کو مسٹر لائڈ جورج نے پارلیمنٹ میں تحریک کی کہ صلح نامہ نافذ کیا جائے اور اس موقع پر اپنے اور ساتھ والوں کے کام پر تبصرہ کیا۔ اس نے کہا کہ شرطیں خوفناک مگر منصفانہ ہیں کیونکہ جو اقطاع ادھر سے اُدھر کئے گئے ہیں، وہ بھی درحقیقت گزشتہ کی تلافی میں داخل ہیں۔ جنگ کی سازش اور قوانین جنگ کے خلاف مجرمانہ افعال کے مرتکبین قطعاً سزا کے مستحق ہیں، انتقام کی غرض سے نہیں بلکہ عبرت اور آیندہ سدباب کے لئے۔ اور قیصر کا مقدمہ خاص لندن میں ہوگا۔ جرمن قوم کو سزا ملنی ضروری ہے کہ وہ اپنے حکام کو تحسین و آفرین کرتی رہی ہے۔ میں علانیہ

امن کی ضمانتیں

ٹوکتا ہوں کہ کوئی شخص ایک فقرہ تو ایسا بتا دے جو انصاف اور حق رسی کی مقتضیات کے خلاف ہو رہا ہے۔ انگلستان و فرانس کا باہمی معاہدہ، تو یہ صرف اس صورت میں ہمیں پابند بناتا ہے جب کہ دشمن کی طرف سے کھلی ہوئی زیادتی عمل میں آئے۔ قیام امن کی دوسری ضمانت وہ فوج ہے جس نے دشمن کے بعض اقطاع پر قبضہ کر رکھا ہے۔ سب سے بڑی تدبیر حفاظت جمعیت اقوام ہے بشرطیکہ اس کی حامی طاقتور قومیں دراز دستی روکنے کے لئے تیار ہوں ورنہ اس کی کچھ قدر و قیمت باقی نہ رہے گی۔"

برطانی وزیر اعظم جس قدر اطمینان ظاہر کرتا تھا، اس کے انگریز و امریکی رفیق اتنے مطمئن نہ تھے۔ مسٹر لیننسنگ کی نظر میں شرائط صلح "حد درجے سخت اور توہین آمیز تھیں بلکہ بعض پر تو عملدرآمد ہونا غیر ممکن معلوم ہوتا تھا۔" مسٹر کینیز جو محکمہ خزانہ کا قائم مقام تھا، اور معاوضے کے فیصلے کی مخالفت کی بنا پر مستعفی ہوا، اس نے ایک کتاب میں "اس قرطاجنی صلح نامے" کو چیتھاڑنا شروع کیا اور یہ کتاب دنیا کے ہر ملک میں پڑھی گئی۔ اتنی محنت مشقت کا جو کچھ نتیجہ نکلا، اس نے برطانی اور امریکی وفود کو عام طور پر بہت مایوس کیا تھا اور ان جذبات کا چبھتا ہوا اظہار مسٹر بلٹ کی کھلی چٹھی بنام رئیس امریکہ مسٹر ولسن میں ہوا کہ اس نے بھی صلح نامہ چھپتے ہی اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔

خط میں تحریر تھا کہ "میں بھی ان لاکھوں آدمیوں میں سے تھا جنھوں نے آپ کی سرداری پر کامل اعتماد کیا اور یہ یقین رکھا کہ آپ سوائے ایسی پائدار صلح کے جو بے غرض اور بلا رورعایت انصاف پر مبنی ہو اور کسی قسم کی صلح کو قبول نہ کریں گے لیکن اب ہماری حکومت رضامند ہوگئی ہے کہ مصیبت زدہ قوموں کو نئی نئی تعدی اور انتزاع و تسلط غیر کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ذاتی طور پر آپ ان میں سے اکثر نامنصفانہ فیصلوں کے مخالف تھے اور محض مجبور ہو کر انھیں قبول کیا۔ لیکن اگر آپ یہ لڑائی حجرے میں بند ہو کے لڑنے کی بجائے علانیہ لڑتے تو سارے عالم کی رائے عامہ آپ کی پشتی پر ہوتی مجھے افسوس ہے کہ آپ ہماری لڑائی آخر تک نہ لڑ سکے اور مجھ جیسے لاکھوں اشخاص پر جنھیں آپ پر اس قدر بھروسہ تھا آپ نے کچھ بھروسہ نہ کیا" خود فرانس میں صلح نامے کو بہت جوش و خروش کے ساتھ قبول نہیں کیا گیا کیونکہ وادی سار کے الحاق نہ ہونے اور رہائن کے بائیں کنارے کے علاقے سے جدا نہ کئے جانے کا لوگوں کو بہت قلق ہوا تاہم تارڈیو کہ صلح نامے کا سب سے فصیح البیان حامی ہے، واجبی طور پر دلیل پیش کرتا ہے کہ بالعموم فرانس کا نقطہ نظر ہی تسلیم کیا گیا اور ادھر بیٹ مین ہولویگ نے اپنی سوانح کے ان الفاظ میں "درحقیقت اپنے پورے ملک کی ترجمانی کی ہے کہ مغلوب فریق کو غلام بنانے کے لئے ایسا خوفناک آلہ دنیا نے کبھی نہیں دیکھا تھا (جیسا کہ یہ صلح نامہ تھا)"۔

جنرل اسمٹس کی رائے

جنرل اسمٹس کا بھی ایک بیان شائع ہوا اور اس میں اُن مخلوط خیالات کا اظہار تھا جو اس کارنامے پر اکثر ارباب فکر کے دل میں موجزن تھے :- "میں نے صلح نامے پر کچھ اس واسطے دستخط نہیں کئے کہ اسے اطمینان بخش دستاویز سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے کہ جنگ کا ختم کرنا بیحد ضروری ہے، باقی حقیقی صلح، جس کی طرف ہماری قوموں کی اتنی مدت سے آنکھیں لگی ہوئی تھیں، ابھی تک میسر نہیں آئی ہے۔ اصلی صلح کے آغاز کا موقع اس وقت آئے گا جب کہ یہ تخریبی جذبات جنھوں نے قریب قریب پانچ سال تک یورپ میں ہلاکت و تباہی پھیلائے رکھی ہے، فی الواقع فرو ہو جائیں گے۔ حیات جدید کا مژدۂ عظیم الشان انسانی تمناؤں کی فتحمندی، جن کی خاطر قوموں نے اپنا روپیہ اور خون بیدریغ بہایا، اور ایک نئی بین الاقوامی تنظیم کا ارمان پورا ہونے کی بشارت، اس عہد نامے میں مندرج نہیں ہیں اور نہ آئندہ

کسی عہد نامے میں مندرج ہوں گے۔ اس کے لئے نہ صرف دشمنوں کے بلکہ خود ہمارے سینوں میں دوسرا ہی دل ہونا چاہیئے۔ دُنیا نے مصیبت کے جسم پر جو زخم لگے ہیں وہ سوائے اس کے کسی طرح نہیں بھریں گے کہ مشترک رنج و مصائب کی اس ساعتِ کبریٰ میں لوگوں کے دلوں کے اندر ایک نئی فیاضی اور انسانیت کی روح پیدا ہو جائے" جنرل بوتھا کو اپنے رفیق سے پورا اتفاق تھا اور اس نے بھی بادل ناخواستہ عہد نامے پر دستخط کیے تھے۔

جرمن صلح نامے پر دستخط ہوتے ہی مسٹر لائڈ جارج اور رئیس امریکہ مسٹر ولسن پیرس سے رخصت ہو گئے۔ البتہ مسٹر بالفور اور مسٹر لینسنگ رہ گئے کہ دوسرے شرکائے جنگ سے جن سب نے بلا شرط ہتھیار ڈال دئیے تھے، صلح نامے کی تکمیل کریں۔ آسٹریہ کا صلح نامہ دوسری جون کو وہاں کے صدرِ اعظم ڈاکٹر رینیر کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت غیر مکمل تھا۔ دوسرے آسٹریہ کے مندوبین نے اقتصادی شرطوں کی نسبت بتایا کہ ان کا عمل میں آنا غیر ممکن ہے تو رد و بدل کر کے اسے ۲۰ جولائی کو پیش کیا گیا۔ بااین ہمہ ۱۰ ستمبر سے پہلے اس معاہدے کی جو سان ژرمین سے منسوب ہے تکمیل نہ ہوئی ہیپس برگ سلطنت کے ٹوانتش بار ختم ہونے سے قبل ہی ٹکڑے اُڑ چکے تھے۔ فتمندوں کو صرف امور واقع شدہ کا لکھ دینا رہ گیا تھا۔ آسٹریہ نے زیکوسلوواکیہ، یوگو اسلافیہ، پولینڈ اور ہنگری (مجارستان) کی خود مختاری تسلیم کی اور ان سب نے ذمہ لیا کہ قلیل التعداد قوموں کی حفاظت کریں گے۔ مشرقی گلیشیہ اتحادیوں کے تفویض ہوا اور جنوبی ٹائی رول، ٹریسٹ، ٹرین ٹینو، اور استریہ اطالیہ کو ملے۔ آسٹروی فوج کی تعداد تیس ہزار مطوعین پر محدود کر دی گئی۔ بیڑا اور ہوائی فوج بالکل اڑا دی۔ قرار پایا کہ آسٹریہ جنگی قیدی واپس دے اور ۱۹۲۱ء سے لے کے تیس برس تک تاوان ادا کرتی رہے۔ لیکن تمام تجارتی جہاز اور ساز و سامان اور زر نقد تاریخ مذکور سے پہلے ہی حوالے کر دیا جائے۔ فنونِ لطیفہ کے ذخائر ملوکہ قوم

(حاشیہ: صلح نامہ سان ژرمین)

ا ٹمپرلی "ہسٹری آف دی پیس کانفرنس" جلد چہارم۔

بیس برس تک منتقل نہ کئے جا سکیں قومی قرضے میں نئی مملکتیں حصہ دار ہوں۔ ڈینیوب بین الاقوامی بنا دیا جائے لیکن آسٹریہ کو آڈریاٹک تک بے روک آمد و رفت کا حق رہے۔“ ان اقتصادی شرطوں کے ماسوا عہد نامے نے آسٹریہ کا جمعیت اقوام کی منظوری کے بغیر جرمانیہ سے اتحاد ممنوع قرار دیا اور چونکہ جمعیت کی منظوری انتظامی مجلس کے جملہ ارکان کے اتفاقِ رائے کے بغیر نہیں مل سکتی تھی، اور فرانس، اتحاد کی مخالفت پر جما ہوا تھا، لہٰذا اس مصیبت مالایطاق سے بچنے کی یہ راہ پہلے ہی سے روک دی گئی۔ سمندر سے الگ، جرمانیہ سے اتحاد کی راہ بند، بوہیمیہ سے کوئلہ، ہنگری سے غلہ اور گوشت خریدنے کی ممانعت، سر پر بیس لاکھ باشندوں کا بوجھ۔ غرض ساٹھ لاکھ باشندوں کی اس نئی جمہوریت کی زندگی کا آغاز جس طرح ہوا وہ ہر اعتبار سے اس کے سسک سسک کے مرجانے کی خبر دیتا تھا۔“

عہد نامۂ نیویلی پر ۲۷ نومبر ۱۹۱۹ء کو دستخط ہوئے۔ بلغاریہ میں اپنے بدنام باپ کی جگہ بورس تخت نشین اور اسٹام بولسکی قید خانے سے نکل کے مسندِ وزارت پر متمکن ہو چکا تھا۔ اب اس عہد نامے کی رو سے یہ ریاستِ ایجین سے علیحدہ اور اسٹرومٹزا کا علاقہ، یوگوسلافیہ کے حوالے کرنے پر مجبور کی گئی۔ نو کروڑ کا اس پر تاوان عائد کیا گیا اور اس کی فوج بیس ہزار جوانوں پر محدود کر دی گئی۔“

عہد نامۂ نیویلی

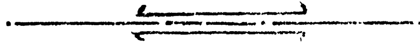
معاہدۂ ٹریانن کی رو سے، جس پر تاریخ ۴ جون ۱۹۲۰ء دستخط ہوئے جمہوریۂ ہنگری کا رقبہ اور آبادی سابق کی نسبت گھٹ کر ایک تہائی رہ گئی۔ یہاں اس عرصے میں پہلے اشتمالی حکومت رہی اور پھر سفید ارباب رجعت کا دور دورہ ہو گیا تھا، ترکی کا فیصلہ امریکہ سے یہ جواب آنے تک ملتوی رکھا گیا تھا کہ آیا ولایاتِ متحدۂ آرمینیہ کی حکمبرداری لینے پر تیار ہے؟“ آخر عہد نامۂ سیورے پر ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء کو دستخط ہوئے اور اس میں سوائے پاؤں ٹکانے کی زمین کے سلطنت عثمانیہ کا یورپ میں جس قدر علاقہ تھا سب لے لیا گیا۔ اور ایشیائے کوچک کے ایک جزوِ اعظم کے علاوہ باقی ساری سلطنت ضبط کر لی گئی لیکن مصطفیٰ کمال پاشا کی انقرہ میں خود مختار حکومت کی مستقل مخالفت، ہندوستان کے مسلمانوں کے غیظ و غضب اور یونان میں وینی زیلوس کی بجائے۔

شاہ کونسٹن ٹائن کے حاکم بنا دئیے جانے سے اس معاہدے کی تصدیق و توثیق نہ ہونے پائی۔ مگر اس واقعے سے بھی برطانیہ کے عراق و فلسطین کی فتوحات پر بحیثیت حکمبردار قابض رہنے میں خلل نہ پڑا اور مسٹر بالفور حکومت کی طرف سے یہ اقرار ۱۹۱۷ء ہی میں کر چکے تھے کہ فلسطین میں یہودیوں کے واسطے "قومی وطن" مہیا کر دیا جائے گا۔

نیا یورپ

اگر کوئی جن ۱۹۱۴ء میں بند کر کے ۱۹۱۹ء میں آنکھیں کھولتا تو جس یورپ میں اس کی زندگی گزری تھی، اس کی صورت مشکل سے پہچان سکتا۔ جرمانیہ جمہوری سلطنت بن گئی جس کا صدر ایک اشتراکی نقاش تھا۔ قیصر اور ولی عہد جرمانیہ جان بچا کے وطن سے نکل گئے تھے۔ جرمن بیڑا سمندر کی تہ میں پہنچا۔ آلساس لورین فرانس کے ہاتھ میں آ گئے۔ ادھر زار اور اس کے اہل خاندان مار دئیے گئے اور قیصر کرم لین سے ایک اشتمالی آمر حکومت روس کے بقیہ ممالک پر فرماں روائی کر رہا تھا۔ دودمان ہیپس برگ کی پُرنخوت بادشاہی کا تار و پود بکھر گیا اور اس کا آخری تاجدار سوئی زرلینڈ میں پناہ گزیں تھا۔ پولینڈ، لتھوانیہ اور بوہیمیہ گویا قبروں سے دوبارہ نکل آئے۔ فن لینڈ آزاد ہوا۔ استھونیہ اور لیٹویہ آزاد ملک بن گئے۔ سریہ، اقوام کروٹ، سلووین و سرب کی مشترکہ بادشاہی اور یوگوسلافیہ کی شکل میں ایک بڑی مملکت ہو گئی۔ جبل اسود غائب، ہنگری نصف اور رومانیہ دگنی ہو گئی۔ اطالیہ کے قدم ٹریسٹ میں، یونان سمرنا میں، فرانس دمشق میں اور انگریز یروشلم و بغداد میں پہنچ گئے۔ ترکی گھٹتے گھٹتے اپنی پہلی جسامت کے مقابلے میں فقط ڈھانچہ رہ گئی۔ توازنِ دول کا وجود نہ رہا۔ فرانس خشکی پر اور برطانیہ سمندر میں سب پر غالب ہو گئے۔ اتحاد و ائتلاف ثلاثہ قصۂ ماضی ہوئے۔ اس نئی دنیا میں جس کے نشان و سنگ میل،

طوفان وزلزلے نے نابود کر دئے عقل آنے کا مقتضی یہ سمجھ لینا ہے کہ تمدن یورپ کا احیا جمعیت اقوام کی قوت و اقتدار سے وابستہ ہے جس کی آغوشِ حمایت میں فاتح اور مفتوح مساویانہ طور پر شامل ہوں گے





تمت

صحت نامہ

یورپ کا عصر جدید جلد چہارم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۲	۹	معاہدو	معاہدہ	۱۵۲	حاشیہ سطر ۳	من دینے سے	میں دبنے سے
۸۱	۱۵	اسحاق	الحاق	۱۵۷	۱۰	ہل جاسکتی	مل جاسکتی
۱۱۳	۲۵	تینیتس	تینتیس	"	حاشیہ سطر ۱	آیٹوبیوگرفی	آٹوبیوگرفی
۱۱۷	۱۵	سندوستان	ہندوستان	"	"	اودہمبولڈ	اور ہمبولڈ
۱۲۰	۸	نیر	نیز	۱۶۹	۴	تاریسخ	تاریخی
۱۲۹	۹	برینڈک برگ	برینڈن برگ کی	۱۸۳	۱۳ و ۱۶	ابنائے	آبنائے
"	۱۹	مرکز ہوئے	مرکز قائم ہوئے	۱۸۹	۱۳	خوہشمند	خواہشمند
۱۳۶	۱۰	ہے اور	ہے جو	۲۱۱	۱۴	گائزر	گارز
۱۴۳	حاشیہ سطر ۲	پروفسر	پروفیسر	۲۱۳	۱۵	خصنت	خفت
۱۴۶	۲۵	گو،	سکو	۲۱۵	۸	ناد	زار
۱۴۹	۱۴	قرارداد میں س	قرارداد میں اس	۲۲۳	۱۳	اسٹاکوم	اسٹاک ہوم
۱۵۰	۳	الکزینڈرا ثالث	الکزینڈر ثالث	۲۲۵	حاشیہ سطر ۱	حفیہ معاہدے	خفیہ معاہدے
"	۴	حمایت کرتی	حمایت کرنی	۲۳۱	۶	کر	مگر
۱۵۱	۲۳	تے جاتے	لے جائے	۲۶۳	۲۴	بارپرس	بازپرس
۱۵۴	۱۳	ڈیسلی	ڈسریلی	۲۸۷	۶	رویف	رلیف
"	۲۱	سفید	سفید	۲۹۳	۱۱	جلد	عند

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۰۷	۱۱	خط کتابت وکرے	خط کتابت کرے	۴۱۷	۴	وراء	وزرا
۳۱۱	۵	برکر	بڑھکر	۴۲۲	۱۲	نام وپیام	نامہ وپیام
۳۱۹	۱۰	فرنگی	فرنگی	۴۴۳	۱۳	زفاقت	رفاقت
۳۵۲	۱۶	اعترضات	اعتراضات	۵۰۹	۱۱	ان	امن
۳۵۳	۹	گانگو	کانگو	۵۱۳	۱۹	معدونیہ	مقدونیہ
"	۱۱	ّ	ّ	۵۲۰	۶	آمین	آئین
"	۲۲	اوربانگھی	اوبانگی	۵۲۸	۴	ایک بہ ایک	یک بہ یک
۳۶۶	۲۱	یہ کک جہتی	یہ یک جہتی	۵۲۹	۳	"خریزی جنگ"	"خزیری جنگ"
۳۶۹	۱۹	مستعرات	مستعمرات	۵۳۰	۳	لو	تو
۳۷۰	۱۲	رسالہ	سالہ	"	۷	قرانس	فرانس
۳۷۴	۱۹	آم دربان	ام ودمان	۵۵۴	۷	لب و	لب ولہجہ
۳۷۷	۹	مساخت	مساحت	۵۵۶	۱۷	یہ	یہ
۳۷۹	۲۴	قبغضہ	قبضہ	۵۶۶	۴	؟	ہے
۳۸۴	۱۷	چیمسبرلین	چیمبرلین	۵۷۶	۱۱	انگلستان انتخاب	انگلستان کے لئے انتخاب
۳۸۷	۱۳	بناریر	بناپر	۵۸۷	حاشیہ سطر ۱	Noir	Unlivre Noir
۳۹۲	۳۰	گرویدگی	گرویدگی	۵۹۰	حاشیہ	ert	Sibert
۳۹۵	۱۴	مل گئی	ہل گئی	۶۲۳	۱۰	رب	حرب
"	۲۵	نزار	زار	۶۳۴	۱۸	مداردستی	درازدستی
۴۰۰	۱۰	ہمارا استماد	ہمارا اتحاد	۶۳۷	۱۶	جنولی	جنوبی
"	۲۳	انگلوسیگسن	انگلوسیکسن	۶۴۰	۱۵	صدسا	صدسالہ
۴۰۱	۱۰	وانشاگ	رائنشاگ	۶۴۷	۱۸		کچھ تو اس باعث کہ
۴۰۶	۲۰	طویل وتند	طویل وتند	۶۴۸	۷	جرمانند	جرمانیہ
۴۰۸	۹	معلوم کرنے	معلوم کرے	۶۸۱	۱۳،۱۰	غیاری	تیاری

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۶۸۳	۱۸	فرجی	فوجی	۷۲۷	۱۶	مقدویہ	مقدونیہ
۶۹۹	۱۱	مشاورتد	مشاورت	۷۳۰	۱۴	بیہوش	جیوش
۷۰۵	۲۲	حملہ کرتے	حملہ کرنے	۷۴۲	۲۱	ڈویا	ڈوبا
۷۰۶	۷	لائڈ جارج	لائڈ جارج	۷۴۴	۱۶	On N	On Ne''
۷۲۰	۱۸	صرح	طرح	۷۴۸	حاشیہ سطر ۲		جہاں
۷۲۱	۱۷	کولینڈ	کورلینڈ	۷۶۹	۱۷	تسمت البحری	تحت البحری
〃	۲۰	قفقار	قفقاز	۷۷۷	۲	سامر	سامرہ
۷۲۲	۹	ہیس برگ	ہیپس برگ	۷۹۵	۲۰	لارڈ گرہے	لارڈ گرے
۷۲۳	۱۰	تمدلی ارادی	تمدنی آزادی	۸۵۰	۱۵	معتارے	سارے